

# درسی تفسیر جدید

پارہ عم

از علامہ

حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری

ترتیب مفتی راشد محمود راجہ



# درسی تفسیر جدید

پاره عمّ

...

از انوار

حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری

...

ترتیب مفتی راشد محمود راجہ



# جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب ..... درسی تفسیر

مصنف ..... مولانا نسیم احمد غازی مظاہری

طبع اول ..... 2009

طبع دوم ..... 2010

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت و بساط کے بقدر کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے باوجود کوشش اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو مطلع فرمادیں تاکہ طبع جدید میں ان اغلاط کی تصحیح کی جاسکے۔

آپ کی یہ رہنمائی باعث اجر و ثواب ہوگی۔

منتظم مکتبہ الہیادی  
راجہ عرفان الحق

ناشر

مکتبہ امیر فہرہ

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel: 021-4594144 Cell: 0334-3432345

## فہرست

۴۸	تخلیق ارض و سماء کی ترتیب اور ایام تخلیق کی تعیین	۱۲	سورة النبا
۵۲	ہوائے نفسانی تمام برائیوں کا سرچشمہ	۱۲	شان نزول
۵۳	مخالفت نفس کے تین درجے	۱۷	نیز اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے
۵۳	نفس کی پوشیدہ شرارتیں	۲۱	محشر کی طرف سفر
۵۴	سہترین علاج	۲۲	آسمان کھولے جانے کا مطلب
۵۷	سورة عبس	۲۳	دوزخ کے پل پر گزر
۵۷	شان نزول	۲۴	طغیان کیا ہے؟
۶۱	عقاب کیوں ہوا؟	۲۴	جہنم کے غلو و دوام پر شبہ
۶۲	شبہات کا حل	۲۵	حیم اور غساق
۶۳	عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۳۱	پرہیزگاروں کا ثواب
۶۵	تبلیغ و تعلیم کا اہم ترین اصول	۳۳	روح کیا ہے؟
۶۶	صحف انبیاء میں وجود قرآن کا مطلب	۳۶	سورة التازعات
۶۹	عبرتناک واقعات	۳۶	ربط و مناسبت
۷۱	ہندو اور مسلمان کا مناظرہ	۳۹	قبر کا عذاب و ثواب
۷۴	سب سے پہلے بھاگنے والے	۳۹	روح و نفس کے متعلق صاحب منظرہ کی ایک مفید تحقیق
۷۶	سورة تکویر	۴۰	درجات کمال یا صفات کمالیہ
۷۶	سورة تکویر کی اہمیت	۴۱	دوسری تفسیریں
۷۸	تخریب عالم کے بارہ نشانات	۴۲	رابطہ اور رادفہ
۸۰	چھ حادثات پر دنیا کا خاتمہ	۴۳	ساہرہ سے کیا مراد ہے؟
۸۰	ترتیب پر اعتراض اور اس کا جواب	۴۶	قصہ موسیٰ علیہ السلام



۱۰۷	..... سُورَةُ الشُّطُفِيفِ .....	۸۱	لڑکی سے کیوں پوچھا جائے گا؟ .....
۱۰۷	..... شان نزول اور کی مدنی کا اختلاف: .....	۸۲	اسقاط جمل بھی قتل ولد ہے .....
۱۰۷	..... ربط مناسبت: .....	۸۵	قسم کیوں کھائی گئی؟ .....
۱۰۹	..... ہر حق تلفی تطفیف میں داخل ہے: .....	۸۵	قسم کے ساتھ ستاروں کو کیوں خاص کیا گیا؟ .....
۱۱۰	..... تطفیف کا وبال: .....	۸۷	روز و شب کے انقلابات .....
۱۱۰	..... افلاس کی مختلف صورتیں: .....	۸۷	نکتہ عجیبہ .....
۱۱۱	..... منظر حشر الامان: .....	۸۸	مولانا تھانویؒ کا ارشاد .....
۱۱۴	..... جنت اور دوزخ کا مقام: .....	۸۸	صفات جبریل علیہ السلام .....
۱۱۵	..... چار چیزیں دلوں کو خراب کرتی ہیں: .....	۹۱	آنحضرت ﷺ کو لفظ صا حکم سے تعبیر کرنے کی حکمت .....
۱۱۷	..... انسانی روحوں کا مقام کہاں ہے؟ .....	۹۵	..... سُورَةُ الْاِنْشِقَارِ .....
۱۲۴	..... سُورَةُ الْاِنْشِقَارِ .....	۹۵	..... ربط و مناسبت: .....
۱۲۴	..... ربط و مناسبت: .....	۹۵	دونوں سورتوں کے امتیازات: .....
۱۲۶	..... احکام خداوندی کی دو قسمیں: .....	۹۸	تعبیر سے پہلے تخریب ضروری ہے: .....
۱۲۶	..... انقلاب کی وجوہات: .....	۹۸	چار انتباہوں کا بیان: .....
۱۲۸	..... آج جو کچھ بوائے گا کائے گاکل: .....	۹۹	رب اور شان کریمی: .....
۱۳۳	..... قسموں کی مضامین سے مناسبت: .....	۱۰۰	ہوش و حواس از گئے: .....
۱۳۴	..... وجود انسانی کے انقلابات اور آخری منزل تک اس کے طویل سفر کے حالات: .....	۱۰۱	شیطان کا دھوکہ: .....
۱۳۵	..... یہ قسمیں احوال بعد موت کی آئینہ دار ہیں: .....	۱۰۲	غرہ رتن اور رجا: .....
۱۳۶	..... سجدہ سے کیا مراد ہے؟ .....	۱۰۴	گنہگار فرشتے: .....
۱۳۸	..... سُورَةُ الْبُرُوجِ .....	۱۰۴	محفظین کی تعداد .....
۱۳۸	..... شان نزول: .....	۱۰۵	نیوتن کا اعمال ناموں میں لکھنا: .....
۱۴۱	..... حاصل کلام: .....	۱۰۶	معترکہ کے استدلال اور ان کے جوابات: .....

۱۷۴	..... شمرہ اختتام	۱۴۲	..... چاروں قسموں میں مناسبت
۱۷۵	..... صوفیہ کا استنباط	۱۴۳	..... اصحاب الاخذ وکون تھے؟
۱۷۵	..... ایک اور تفسیر	۱۴۳	..... واقعہ خندق کی تفصیل
۱۷۵	..... تمام کتب آسمانی	۱۵۲	..... <b>سُورَةُ الطَّارِقِ</b>
۱۷۵	..... ابراہیمی صحیفوں کے مضامین	۱۵۲	..... ربط و مناسبت
۱۷۶	..... موسوی صحیفوں کے مضامین	۱۵۲	..... شان نزول
۱۷۷	..... <b>سُورَةُ الْغَاشِيَةِ</b>	۱۵۶	..... طارق اور نجم ثاقب
۱۷۷	..... ربط و مناسبت	۱۵۸	..... نطفہ کہاں سے نکلتا ہے؟
۱۸۱	..... کفار مجرمین کے حالات	۱۵۸	..... ترائب کو جمع کیوں لایا گیا؟
۱۸۱	..... بوزھے راہب کا واقعہ	۱۶۰	..... ان دونوں قسموں کا انتخاب
۱۸۲	..... شبہات اور جوابات	۱۶۱	..... <b>سُورَةُ الْاَعْلٰی</b>
۱۸۴	..... معاشرت ہ ایک اہم ادب	۱۶۱	..... ربط و مناسبت
۱۸۴	..... ان چار چیزوں کی خصوصیات	۱۶۲	..... شان نزول
۱۸۵	..... اونٹ کی خصوصیات	۱۶۲	..... فضائل سورت اعلیٰ
۱۸۶	..... اونٹ کے اور چند عجائبات	۱۶۶	..... تسبیح کا مطلب
۱۸۶	..... یہاں ہاتھی کو کیوں ذکر نہیں کیا؟	۱۶۶	..... خلق و تسویہ
۱۸۸	..... حکمت انتخاب	۱۶۷	..... سائنس عطاءئے ربانی ہے
۱۹۰	..... <b>سُورَةُ الْفَجْرِ</b>	۱۶۹	..... آیت میں دو معجزے
۱۹۰	..... ربط و مناسبت	۱۶۹	..... آیت کی ایک اور تفسیر
۱۹۰	..... شان نزول	۱۷۳	..... پاکی کی اقسام
۱۹۵	..... اس قسم کی حکمت	۱۷۳	..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استنباط
۱۹۶	..... دوسری قسم	۱۷۴	..... انتہائے انانیت کا استنباط

۲۱۶	یہ قسم کفار کے مطالبہ کا جواب بھی ہے.....	۱۹۷	تیسری اور چوتھی قسم.....
۲۱۷	قسمیں اور ان کے جواب میں مناسبت.....	۱۹۸	پانچویں قسم.....
۲۱۸	ہر انسان محنت کے لئے تیار رہے.....	۱۹۸	حاصل کلام.....
۲۱۹	آنکھیں، زبان اور بونٹ عظیم انعامات ہیں.....	۲۰۰	پہلا واقعہ.....
۲۲۰	ان تینوں اعضاء کی تخصیص کیوں کی گئی؟.....	۲۰۰	شہرام یا شداد کی جنت.....
۲۲۲	گھائی میں گھسنے کا مطلب.....	۲۰۳	دوسرا واقعہ.....
۲۲۴	ایک ترکیبی شبہ.....	۲۰۳	تیسرا واقعہ.....
۲۲۴	صبر اور اس کی قسمیں.....	۲۰۴	رزق کی فراخی اور تنگی مقبول یا مردود ہونے کی علامت نہیں.....
۲۲۶	خصائل حمیدہ کا دوسرا رکن رحمت ہے.....	۲۰۵	چند سوالات اور ان کے جوابات.....
۲۲۷	سُورَةُ الشَّمْسِ.....	۲۰۶	قیصوں کی پرورش کے ساتھ احترام کا حکم.....
۲۲۷	فضائل سورت.....	۲۰۸	بے مثال عذاب کی وجوہات.....
۲۲۷	ربط و مناسبت.....	۲۰۹	مؤمن کی روح اپنے وطن اصلی کی جانب واپس ہوتی ہے.....
۲۳۳	قسمیں اور ان کی خصوصیات.....	۲۰۹	مقام رضائے حق.....
۲۳۶	قد ارکوا ثمنی کیوں کہا گیا؟.....	۲۰۹	نیکوں کی صحبت جنتی ہونے کی علامت ہے.....
۲۳۷	سُورَةُ النَّازِعَاتِ.....	۲۱۰	یہ خطاب کب ہوگا؟.....
۲۴۷	ربط و مناسبت.....	۲۱۰	چند عجیب واقعات.....
۲۳۷	سورة النحل کی اہمیت.....	۲۱۲	سورة البلد.....
۲۳۷	شان نزول.....	۲۱۲	ربط و مناسبت.....
۲۴۳	قسم و جواب قسم میں مناسبت.....	۲۱۲	نزول و شان نزول.....
۲۴۴	مختلف کوششیں.....	۲۱۲	مضمون سورت.....
۲۴۴	سعی و عمل میں دو گروہ.....	۲۱۵	شہر مکہ کی قسم کیوں کھائی گئی؟.....
۲۴۴	فریقین کے نتائج.....	۲۱۶	جہنم کے معنی.....

۲۶۸	شہادت کا حل.....	۲۴۶	یتیم کے ساتھ اچھا سلوک.....
۲۶۹	رہنمائی کس طرح ہوئی.....	۲۴۶	جود و کرم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم.....
۲۷۰	شقاوت کے اقسام.....	۲۴۷	نعت سے کیا مراد ہے؟.....
۲۷۱	ایک اشکال اور اس کے جوابات.....	۲۴۷	خاصیت.....
۲۷۲	صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب جہنم سے محفوظ ہیں.....	۲۴۸	سُورَةُ الْاَنْشُرَاجِ.....
۲۷۲	آیت شریفہ سے فرق باطلہ کا استدلال.....	۲۴۹	ربط و مناسبت.....
۲۷۲	ایک شبہ کا حل.....	۲۵۰	شان نزول.....
۲۷۴	اشقی اور اتقی کی تعیین.....	۲۵۱	پہلا کمال شرح صدر اور اس کی تشریح.....
۲۷۵	صدیق اکبر امت میں سب سے افضل ہیں.....	۲۵۲	شرح صدر ظاہری اور اس کی شرح.....
۲۷۶	چند احادیث فضیلت صدیق اکبر میں.....	۲۵۲	دوسرا کمال.....
۲۷۶	سُورَةُ الطُّحٰی.....	۲۵۶	وضع و ذکر کی تفسیر.....
۲۷۸	ربط و مناسبت.....	۲۵۶	تیسرا کمال.....
۲۷۹	شان نزول.....	۲۵۷	رفع ذکر.....
۲۸۱	مختلف روایات کا حاصل.....	۲۵۸	عسر و یسر سے کیا مراد ہے؟.....
۲۸۲	انقطاع وحی کی مدت.....	۲۵۸	ایک اور تفسیر.....
۲۸۳	مغنی اور لیل کی دو قسمیں.....	۲۶۰	تعلیم و تبلیغ والوں کی خلوت و ذکر کی ضرورت.....
۲۸۴	مغنی اور لیل سے کیا مراد ہے؟.....	۲۶۱	سُورَةُ التِّينِ.....
۲۸۴	لیل اور مغنی کی تقدیم و تاخیر.....	۲۶۱	ربط و مناسبت.....
۲۸۶	رضائے حبیب خدا.....	۲۶۳	چار مخصوص چیزوں کی قسمیں.....
۲۸۶	انعامات سابقہ.....	۲۶۴	انجیر کے منافع اور خصوصیات.....
۲۸۷	آیت شریفہ کی دیگر تفاسیر.....	۲۶۵	انجیر کی باطنی خصوصیات.....
۲۸۸	چند نکات.....	۲۶۷	زیتون کے فوائد و برکات.....

۳۰۹	..... انسان کی سرکشی:	۲۸۸	..... زیتون کی باطنی خصوصیات:
۳۱۰	..... عبادت سے منع کرنا ظلم و سرکشی:	۲۹۰	..... انسان جامع ترین مخلوق ہے:
۳۱۱	..... بعض اوقات نماز سے منع کیا جائیگا:	۲۹۰	..... انسان تمام مخلوقات میں سے زیادہ حسین ہے:
۳۱۱	..... جائز منع میں بھی ادب ملحوظ رہے:	۲۹۰	..... ایک عجیب واقعہ:
۳۱۲	..... آیت کی دوسری تفسیر:	۲۹۲	..... دوسری تفسیر:
۳۱۳	..... پیشانی پکڑ کر گھٹینے کا مطلب:	۲۹۴	..... سُوْرَةُ الْعَلَقِ
۳۱۳	..... خاٹھی اور غٹھی میں فرق:	۲۹۴	..... ربط و مناسبت:
۳۱۴	..... زبان یہ کون ہیں؟	۲۹۴	..... سب سے پہلی وحی:
۳۱۴	..... سجدے میں دعا کی قبولیت:	۲۹۵	..... شان نزول:
۳۱۶	..... سُوْرَةُ الْقَدْرِ	۲۹۸	..... (۱) نسبت العکاسی
۳۱۶	..... ربط و مناسبت	۲۹۸	..... (۲) نسبت القان
۳۱۸	..... فضیلت سورۃ القدر:	۲۹۸	..... (۳) نسبت اتحادی
۳۱۹	..... لَيْلَةُ الْقَدْرِ کے معنی:	۳۰۳	..... اسم رب کی خصوصیت:
۳۱۹	..... لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ دونوں ایک ہیں:	۳۰۳	..... دوسری تفسیر:
۳۲۱	..... فضائل لیلۃ القدر:	۳۰۵	..... تعلیم کا اول اور اہم ذریعہ قلم ہے:
۳۲۱	..... شب قدر کی سب سے بڑی فضیلت:	۳۰۶	..... کتاب اللہ کی بڑی نعمت ہے:
۳۲۲	..... لیلۃ القدر کی تعین:	۳۰۶	..... قلم کی تین قسمیں:
۳۲۳	..... لیلۃ القدر مخفی کیوں ہے؟	۳۰۶	..... علم ثابت دنیا میں سب سے پہلے کس کو دیا گیا؟
۳۲۴	..... اخیر عشرہ کی ابتداء:	۳۰۷	..... کتابت وحی میں کمال مناسبت ہے:
۳۲۴	..... علامات شب قدر:	۳۰۷	..... نبی امی ﷺ کو تعلیم کتابت کیوں نہ دی گئی؟
۳۲۵	..... شب قدر کی دعاء:	۳۰۷	..... تعلیم کے اور بھی بہت سے ذریعے ہیں:
۳۲۵	..... کیا شب قدر اُمّت محمد ﷺ کی خصوصیت ہے؟	۳۰۸	..... انسان کا علم لوح محفوظ سے بھی زائد ہے:

۳۵۲	..... آخری دو آیتوں کی اہمیت:	۳۲۶	..... لیلۃ القدر کی عظمت:
۳۵۲	..... <b>سُورَةُ الْعَدِیَّتِ</b>	۳۲۶	..... ہزار مہینوں کی خصوصیت:
۳۵۲	..... ربط و مناسبت:	۳۲۷	..... زوح سے کیا مراد ہے؟
۳۵۳	..... فضیلتِ سورت:	۳۲۷	..... کیا سب فرشتوں کا نزول ہوتا ہے؟
۳۵۳	..... شانِ نزول:	۳۳۰	..... <b>سُورَةُ النَّبِیَّةِ</b>
۳۵۶	..... انسان کے لئے درسِ عبرت:	۳۳۰	..... فضیلت و مناسبت:
۳۵۹	..... ناشکری اور حبِ مال:	۳۳۶	..... ایک اہم شبہ کا جواب:
۳۶۱	..... <b>سُورَةُ الْقَارِعَةِ</b>	۳۳۷	..... بَیِّنَةِ کی تشریح:
۳۶۳	..... لفظ جمع کیوں لایا گیا؟	۳۳۸	..... دِیْنُ الْقِیَمَةِ کے معنی:
۳۶۴	..... آخرت میں انسانوں کے تین گروہ:	۳۳۹	..... سُورَةُ الْبُرِیَّةِ کی تحقیق:
۳۶۵	..... ایک شبہ اور اس کا جواب:	۳۳۹	..... خَیْرُ الْبُرِیَّةِ کی تحقیق:
۳۶۶	..... الجواب الکافی بتوفیق الباری:	۳۴۱	..... رضا کی قسمیں:
۳۶۶	..... وزن اعمال کس طرح ہوگا؟	۳۴۲	..... <b>سُورَةُ الزَّلْزَالِ</b>
۳۶۹	..... <b>سُورَةُ التَّكْوِيْنِ</b>	۳۴۲	..... فضائلِ سورت:
۳۶۹	..... ربط و مناسبت:	۳۴۵	..... یہ زلزلہ کب واقع ہوگا؟
۳۶۹	..... شانِ نزول:	۳۴۵	..... افعال سے کیا مراد ہے؟
۳۷۰	..... مکہ ہے یا مدینہ؟	۳۴۷	..... ایک شبہ کا جواب:
۳۷۰	..... فضائلِ سورت:	۳۴۷	..... زمین کی طرف وحی کیسے ہوگی:
۳۷۱	..... ہزار آیات کے برابر کیوں ہے؟	۳۴۸	..... ایک اہم شبہ کا حل:
۳۷۴	..... سعادت کی اقسام:	۳۵۰	..... شانِ نزول:
۳۷۵	..... یقین کی تعریف:	۳۵۱	..... صغائر بھی خطرناک ہیں:
۳۷۵	..... یقین کے مراتب:	۳۵۱	..... معتزلہ اور مروجہ کی تردید:

۳۹۵	..... ربط و مناسبت	۳۷۶	..... نعیم کا مصداق
۳۹۷	..... قبیلہ قریش	۳۷۷	..... چند مزید روایات
۳۹۸	..... قریش کی وجہ تسمیہ	۳۷۸	..... سوال کب ہوگا؟
۳۹۹	..... قریش کی فضیلت	۳۷۸	..... سُورَةُ الْغَصْرِ
۴۰۱	..... سُورَةُ الْمَاعُونِ	۳۷۸	..... سورہ عصر اور اس کا ربط
۴۰۱	..... ربط و مناسبت	۳۷۹	..... سورہ عصر کی فضیلت و اہمیت
۴۰۱	..... سورہ ماعون	۳۷۹	..... شان نزول
۴۰۱	..... شان نزول	۳۸۰	..... العصر کا مصداق
۴۰۵	..... سُورَةُ الْكَوْثَرِ	۳۸۰	..... قسم اور اسکے جواب میں مناسبت
۴۰۵	..... ربط و مناسبت	۳۸۲	..... اجزائے چہارگانہ
۴۰۶	..... سورہ کوثر کا شان نزول	۳۸۲	..... نجات کے لئے صرف اپنی اصلاح کافی نہیں
۴۰۶	..... شان نزول	۳۸۳	..... سُورَةُ الْهُمَزَةِ
۴۰۸	..... کوثر کیا ہے؟	۳۸۳	..... ربط و مناسبت
۴۱۱	..... نماز کو کوثر سے کمال مشابہت ہے	۳۸۳	..... شان نزول
۴۱۲	..... سُورَةُ الْكَافُرُونَ	۳۸۵	..... همز و لمز کا مطلب
۴۱۲	..... ربط و مناسبت	۳۸۶	..... تیسری خصلت
۴۱۳	..... شان نزول	۳۸۸	..... سزا جرم کے مناسب
۴۱۳	..... سورت کے فضائل و خواص	۳۸۸	..... سُورَةُ الْفِيلِ
۴۱۶	..... کفار سے صلح کی بعض صورتیں جائز و بعض ناجائز ہیں	۳۸۸	..... ربط و مناسبت
۴۱۸	..... سُورَةُ النَّحْلِ	۳۸۹	..... اصحابِ فیل کا واقعہ
۴۱۸	..... ربط و مناسبت	۳۹۱	..... یہ واقعہ کب ہوا؟
۴۱۹	..... شان نزول	۳۹۵	..... سُورَةُ الْقُرَيْشِ



۴۳۳	فضائل سورت:.....	۴۱۹	قرآن پاک کی آخری سورت اور آخری آیت:...
۴۴۲	سُورَةُ الْفَلَق.....	۴۲۳	فضائل تسبیح:.....
۴۴۲	رابطہ و مناسبت:.....	۴۲۴	استغفار کا حکم کیوں؟.....
۴۴۳	معوذتین کا شان نزول:.....	۴۲۵	سُورَةُ الْاٰلِهَب.....
۴۴۴	سحر سے متاثر ہو جانا نبوت کے منافی نہیں:.....	۴۲۵	رابطہ و مناسبت:.....
۴۴۵	معوذتین کے فضائل و خواص:.....	۴۲۶	شان نزول:.....
۴۴۷	ایک اہم انتخاب:.....	۴۲۸	ابولہب اور اسکی بربادی:.....
۴۵۲	ایک اور تفسیر:.....	۴۲۹	ذکر کنیت کی وجہ:.....
۴۵۳	سُورَةُ النَّاس.....	۴۳۰	اولادِ ابی لہب:.....
۴۵۳	رابطہ وغیرہ:.....	۴۳۲	سُورَةُ الْاٰحْلَاص.....
۴۵۶	شیطانی وساوس سے پناہ کی اہمیت:.....	۴۳۲	اسمائے سورت:.....
۴۵۷	دونوں سورتوں کے تعوذات میں فرق:.....	۴۳۳	رابطہ و مناسبت:.....
۴۵۸	انجام کا فرق:.....	۴۳۳	شان نزول:.....
۴۵۸	کید شیطانی ضعیف ہے:.....		



## سورة النبأ

سورة النبأ مكية وهى اربعون اية وفيها ركوعان

ركوع: ۳، آیات: ۴۰، سورة نبأ مكية ہے اور اس میں چالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ کلمات: ۱۷۳، حروف: ۹۷۰

اس سورت کا نام ”سورة النبأ“ بھی ہے اور ”سورة تساؤل“ بھی ہے۔ مناسب ظاہر ہے کہ یہ دونوں لفظ ”نبأ و تساؤل“ اس سورت کے شروع ہی میں مذکور ہیں۔

رابط و مناسبت:

سورة سابقہ ”المرسلات“ میں قیامت کا امکان و وقوع اور واقعات جزا و سزا کی خبر دی ہیں، اس سورت ”النبأ“ میں بھی انہیں مضامین کی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔

شان نزول:

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اہل مکہ کو قیامت اور اعمال کی جزا و سزا کی خبر دی تو کفار و مشرکین کو اس سے بڑی حیرت ہوئی۔ اور تعجب کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے نیز آپس میں ایک دوسرے سے قیامت و جزا، سزا کے بارے میں پوچھنے، اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کو بعید خیال کر کے اس کا انکار و استہزا کرنے لگے۔ اس لئے اس سورت میں اس کے امکان و وقوع اور تحقق و وقوع پر تفصیل سے کلام کیا گیا ہے۔ اور ان کے بے جا انکار و استہزا کو مختلف طریقوں سے رد کر کے قیامت اور اس میں پیش آنی والے واقعات کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ (۱) عَنِ النَّبَأِ الْعَظِيمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ (۳)  
وہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھتے ہیں اس بڑی خبر کے بارے میں؟ جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔

عَمَّ	يَتَسَاءَلُونَ	عَنِ	النَّبَأِ	الْعَظِيمِ	الَّذِي	هُمْ	فِيهِ	مُخْتَلِفُونَ
کسی چیز	سوال کرتے ہیں	سے	اس خبر	بڑی	(جو) کہ	وہ	سچ اس	اختلاف کرنے والے

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (۴) ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ (۵)  
ایسا ہرگز نہیں چاہئے۔ عنقریب ان کو معلوم ہو جائیگا۔ پھر ہرگز ایسا نہ چاہئے ان کو بہت جلد معلوم ہو جائیگا۔

كَلَّا	سَيَعْلَمُونَ	ثُمَّ	كَلَّا	سَيَعْلَمُونَ
ہرگز یوں نہیں	شناختیں گے	پھر	ہرگز یوں نہیں	شناختیں گے

## لغات :

عَمَّ عَنْ جَارَةٌ مَا اسْتَفْهَمِيهِ سَ مرکب ہے۔ عَمَّ کے نون کو میم سے بدل کر ادغام کر دیا گیا۔ اور مَا اسْتَفْهَمِيهِ کو مَا خَبَرِيهِ سے ممتاز کرنے کے لئے، نیز کثرت استعمال کی بنا پر مَا کے الف کو حذف کر لیا گیا۔ اور قاعدہ بھی یہی ہے کہ مَا اسْتَفْهَمِيهِ پر جب بھی حرف جر آتا ہے تو اس کا الف حذف کر دیا جاتا ہے۔ يَتَسَاءَلُونَ باب تفاعل سے جمع مذکر غائب مضارع، ایک دوسرے سے پوچھنا، مجرد میں فتح سے مستعمل ہے۔ النبأ: مصدر، خبر (ف) خبر دینا۔ مختلفون باب افتعال سے صیغہ اسم فاعل (ن) پیچھے آتا۔ کَلَّا دونوں جگہ حرف رد و جر ہے۔ والتكرير للتأكيد .

## ترکیب :

عَمَّ جَارٌ مَجْرُورٌ مُتَعَلِّقٌ بِتَسَاءَلُونَ کے وقدم لصدارة الاستفهام، وتقْدَمُ حرف الجر لا يطل صدارته، لأن الجار والمجرور كالكلمة الواحدة، وتأخر الجار من المجرور ممتنع لضعف عمله. يتساءلون: فاعل ضمير جمع غائب (جوابل مک کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ معنی مذکور ہیں) فاعل، والمفعول محذوف لقربة المقام عن حرف جر النبأ العظيم مرکب تو صفتی مجرور، یہ یا تو فعل محذوف يتساءلون کے متعلق ہے، بشرطیکہ يتساءلون مذکور ہی کے متعلق کر دیا جائے گویا یہ سوال مذکور کا جواب ہے۔ اور اس فعل کو جار مجرور کے بعد مقدر مانا جائے، تاکہ رعایت ترتیب سوال ملحوظ رہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ عَمَّ سے بدل ہو یا عطف بیان قرار دیا جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عن النبأ العظيم کو يتساءلون مذکور ہی کے متعلق کر دیا جائے۔ اس صورت میں عَمَّ کو فعل محذوف کے متعلق مانا جائے۔ جسکی تفسیر فعل مذکور يتساءلون کر رہا ہے۔ یا دونوں کو اس فعل مذکور ہی کے متعلق کر دیا جائے۔ ان مؤخر الذکر چاروں صورتوں میں يتساءلون پر وقف نہ کیا جائے گا۔ الذی اسم موصول ہم ضمیر راجع بسوئے اہل مکہ مبتدا مختلفون اپنے متعلق مقدم ”فیہ“ سے ملکر خبر (وقدم ”فیہ“ اہتماماً و رعایۃ للفواصل) مبتدا و خبر جملہ اسمیہ صلہ، اسم موصول وصلہ ملکر صفت ثانیۃ النباکی۔ (وجعلها جملة اسمية للدلالة على الثبات ای ہم راسخون فی الاختلاف) آگے کَلَّا دونوں فعلیہ جملوں پر برائے رد و جر ہے۔

## تفسیر :

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ اہل مکہ کیسی عظیم الشان اور ہولناک چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟ حق تعالیٰ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں، اس لئے اُن کے کلام میں استفہام سوال کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ جس چیز کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اس کی عظمت و اہمیت یا ہولناکی کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قیامت وغیرہ کے متعلق نازل شدہ آیات اہل مکہ کو سنائیں، تو وہ اپنی مخصوص مجلسوں میں بیٹھ کر چیمگیونیاں اور رائے زنی کرنے لگے۔ ان کے نزدیک قیامت کا بپا ہونا، مرنے کے بعد زندہ ہونا، اور جزا و سزا یہ سب چیزیں ناممکن تھیں۔ اس لئے اس سلسلہ میں ان میں بکثرت گفتگو چلتی تھی، کوئی تصدیق کرتا تو کوئی انکار و استہزا کرتا، اس لئے اس سورت کے شروع میں ان کا حال بیان فرما کر آگے وقوع قیامت کا دعویٰ عجیب حاکمانہ انداز میں فرمایا گیا۔ اور قدرت کے مشاہدات کے ذریعہ ان کے اشکال و استبعاد کو دور کیا گیا ہے۔

## فَسَاوِلْ كَے مَعْنٰی

تساؤل کے معنی ایک دوسرے سے سائل کرنے اور پوچھنے کے ہیں۔ پھر یہ پوچھنے والے کون تھے؟ (۱) اہل مکہ تھے جو آپس میں تعجب و انکار اور تمسخر کے طور پر قیامت اور اس کے احوال کا چرچا کرتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ جمہور کا قول یہی ہے۔ کیونکہ بظاہر بتساء لون کی طرح کلاسیعلمون ثم کلاسیعلمون اور مختلفون کی تفسیر میں انیس کی طرف راجع ہیں۔ ورنہ انتشار مضار لازم آئیگا، جو بہتر نہیں۔ (۲) کفار مکہ مسلمانوں سے پوچھتے اور شبہات پیش کرتے اور مسلمان جواب دیتے تھے۔ (۳) کفار اور مسلمان سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے۔ ہاں مسلمان اپنے یقین کو زیادہ مضبوط کرنے کے لئے اور کفار استہزاء و تمسخر کے طور پر پوچھتے تھے۔

امام فرارحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تساؤل بات چیت کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اگرچہ باہم سوال جواب نہ ہو۔ جیسے سورہ صافات میں ہے: ﴿وَاقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ قَالًا قَاتِلًا مِنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ﴾ (بارہ: ۲۳، عود قالصفت، الآیہ: ۵۰، ۵۱) اس میں سوال جواب نہیں، بلکہ جنتیوں کی ایک ایسے دوزخی کے بارے میں گفتگو ہے جو گفتگو کر نوالوں میں سے دنیا میں ایک کا ساتھی تھا۔ اس صورت میں معنی یہ ہو گئے کہ وہ کس چیز کا چرچا کرتے ہیں؟ یہ چرچا اور انکار و استہزاء کر نیکی چیز نہیں، ایک آنوالی حقیقت ہے، جس سے ذکر اپنی نجات کی فکر کرنی چاہیے، نہ یہ کہ فضول تذکروں میں عمر عزیز کو برباد کر دیا جائے جس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

نبأ عظیم کیا ہے؟

نبا عظیم کے مصداق میں تین قول ہیں: (۱) قیامت ہے: کلا سيعلمون ثم کلا سيعلمون میں تبدیہ ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِیْن دَلَالِ قِیَامَتِ کَا یَیْمَانِ اور لفظ عظیم وغیرہ اس کے قرائن ہیں۔ چنانچہ ﴿هَبْوَ نَبَا عَظِیْمٍ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ﴾ (بارہ: ۲۳، سورۃ ص: الاٰیۃ: ۶۷، ۶۸) اور ﴿اَلِیْسُوْمَ عَظِیْمٌ﴾ (بارہ: ۳۰، سورۃ المطففین: الاٰیۃ: ۵) جیسی بہت سی آیات میں اس لفظ عظیم کے موصوف سے یوم قیامت ہی مراد ہے۔ (۲) اس سے قرآن مراد ہے، کیونکہ لوگ اس میں اختلاف کرتے تھے کہ وہ شعر ہے یا بحر، کہانت ہے یا اساطیر الاولین لفظ نبا کے معنی خبر کے ہیں۔ جو قرآن پر زیادہ چسپاں ہوتے ہیں۔ یہ قول مجاہدؒ اور اکثر علماء کا ہے۔ (۳) اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت ہے۔ اور وہ بڑی چیز ہے، جس نے دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ واللہ اعلم قرآن کریم نے ان کے انکار و استہزاء کے جواب میں ایک ہی جملہ کوتاہ کبد کے لئے دوسرے فرمایا: کلا سيعلمون ثم کلا سيعلمون مطلب یہ ہے کہ یہ چیز (قیامت کا وقوع) سوال و جواب اور بحث و تحقیق سے سمجھ میں آنیوالی نہیں۔ وہ توجہ سامنے آئیگی حقیقت واضح ہو جائیگی۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلے جملہ کا تعلق موت سے ہے اور دوسرے کا قیامت سے۔ اور ثم بعد و تراقی زمان پر دال ہے۔ یعنی موت کی بوقت حقیقت کا انکشاف ہوگا۔ اور وہاں کے بولناک مناظر آنکھوں سے نظر آنے لگیں گے پھر جب قیامت قائم ہوگی تو سب ذہنی چھپی حقیقتیں روشن ہو جائیگی۔ اور انہی کروٹوں کے پھل سامنے آ جائیں گے۔

اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهْدًا (۶) وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا (۷) وَخَلَقْنَاهُ أَزْوَاجًا (۸)

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو ستیں نہیں بنایا۔ اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا بنایا

الْأَرْضِ	مِهْدًا	وَالْجِبَالَ	أَوْتَادًا	وَعَلَقْنَاهُمْ	أَزْوَاجًا
زمین	پچھونا	اور پہاڑ	ستیں	اور ہم نے تمہیں پیچا کیا	جوڑے جوڑے

وَجَعَلْنَاهُمْ سُبَاتًا (۹) وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا (۱۰)

وَجَعَلْنَاهُمْ	سُبَاتًا	وَجَعَلْنَا	الَّيْلَ	لِبَاسًا
کیا ہم	نیند تھاری	اور	سبوتا	پردہ

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (۱۱) وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (۱۲) وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا (۱۳)

اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث راحت بنایا۔ اور ہم نے رات کو پردہ بنایا۔

وَجَعَلْنَا	النَّهَارَ	مَعَاشًا	وَبَنَيْنَا	فَوْقَكُمْ	سَبْعًا	شِدَادًا	وَجَعَلْنَا	سِرَاجًا	وَهَّاجًا		
اور	کیا ہم	دن	وقت معاش	اور	بنائے ہم	لوہر تھارے	سات (آسمان)	تخت	لوہر کیا ہم	چراغ	روشن

اور ہم نے دن کو کاروبار کے لئے بنایا اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنا دیئے۔ اور ہم نے ایک نہایت روشن چراغ بنایا۔

وَأَنزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا (۱۴) لَنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا

اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا تاکہ ہم اس کے ذریعہ اناج

وَأَنزَلْنَا	مِنَ	الْمُعْصِرَاتِ	مَاءً	ثَجَّاجًا	لَنُخْرِجَ	بِهِ	حَبًّا
اور	اتار ہم	سے	نچوڑنے والی (بدلیاں)	پانی	مٹھا جا	تاکہ نکالیں ہم	سبوتا

وَنَبَاتًا (۱۵) وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا (۱۶)

اور گھاس اور گھنے باغ اگائیں۔

وَنَبَاتًا	وَجَنَّاتٍ	أَلْفَافًا
اور	سبوتا	بہت

لغات:

مِهْدًا: پچھونا، جمع مُهْدٌ وَأَمِهْدَةٌ (ف) بچھانا۔ أَوْتَادًا: جمع وَتَدٌ کی: میخ، کھوئی وَتَدٌ، بیلڈ (ض) کھوئی

كَازَنًا: میخ ٹھوکتا۔ نَوْمٌ: نیند (س، ن) سوتا۔ سُبَاتًا: نیند، اوگھ، راحت، اصل معنی اس کے قطع کے آتے ہیں: ای قطعاً

عَنِ الْإِحْسَاسِ وَالْحَرَكَةِ اسْتِرَاحَةً لِلْقَوَى الْخَوَانِيَةِ سَبَتٌ، سُبَاتٌ (ن، ص) ہفتہ کے دن میں داخل ہونا، سبت

منانا، آرام لینا، کاٹنا، موٹنا، نیند آجانا، یوم السبت سنیچر کا دن۔ لِبَاسًا: وہ کپڑا جو پہنا جائے، غلاف، پردہ، لباس

لِبَاسًا (ن) شب میں ڈالنا (س) کپڑا پہننا۔ مَعَاشًا: مصدر میخ یا ظرف زمان ہے۔ (ض) زندہ رہنا۔ اُفْرَافًا: زمان ہے تو

معنی وقت معاش ہیں۔ بَنَيْنَا: جیسے جمع متکلم ماضی (ض) بنانا۔ شِدَادًا: جمع شَدِيدٌ کی قوی، مضبوط (ن، ض) دوزنا، بلند

ہونا، قوی ہونا، مضبوط کرنا، باندھنا وغیرہ۔ سِرَاجًا: چراغ، دیا، مجازاً سورج اور ہر روشن چیز کے لئے بھی استعمال ہوتا

ہے، جمع سُورَج، سُرُجَا (ن) جھوٹ بولنا۔ (س) جھوٹ بولنا، خوبصورت چہرہ والا ہونا۔ وَهَاجَا صیغہ مبالغہ، بہت روشن، وَهَج وَهَجَا (ض) روشن ہونا، بھڑکنا، چمکنا۔ الْمُعْصِرَات: صیغہ جمع مونث اسم فاعل باب افعال سے، نچوڑنے والیاں۔ (ض) نچوڑنا۔ نَجَّجَا جَا: صیغہ مبالغہ زور شور کے ساتھ برسنے والا (ن) بہنا، برسنا، خِیْبَا: دانہ، غلہ، اناج، جمع حُبُوب۔ الْفَافَا لپٹے ہوئے، ایک دوسرے سے پیوست، گنجان درخت۔ زَنْشَرَتْنِ کہتے ہیں کہ اَوْزَاع اور أَخْيَاف کی طرح اسکا بھی واحد نہیں آتا۔ بعض اس کا واحد لفت بتاتے ہیں۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ یہ لَف بضم اللام ہی جمع ہے۔ اور لَفَاء کی جمع ہے۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ واحد کبر اللام ہی صحیح ہے۔ یہی قول جمہور اہل لغت کا ہے۔ صاحب قاموس نے لَف بفتح اللام لکھا ہے۔ ابو عبید اس کا واحد لَفِیف بتاتے ہیں۔ لَف لَفَا (ن) لپیٹنا، ملانا، جمع کرنا، گنجان ہونا۔ (س) پر گوشت رانوں والا ہونا

### ترکیب:

أَلَمْ نَجْعَلْ فَعْلَ بِأَفَاعِلِ اپنے دونوں مفعولوں الارض اور مہدائے ملکہ جملہ فعلیہ، وَالْجِبَالِ أَوْ تَأْذَا کا عطف الارض مہد آپر ہے۔ وخلقنا بمعنی صیرنا اپنے دونوں مفعولوں سے ملکہ جملہ، والجملة عطف المضارع المنفی بلم داخِل فی حکمہ؛ فانہ فی قوۃ اَمَّا خَلَقْنَا كُمْ ..... اَوْ عَلٰی مَا یَقْتَضِیْہِ الْاِنْکَارُ التقریری؛ فانہ فی قوۃ ان یقال وقد خلقنا، وراعیناہ فی الترجمة فافہم۔ اگلے تینوں جملوں کی ترکیب بھی اسی طرح ہے۔ وبنینا فاعل بافاعل فوقکم ظرف کو مفعول بہ پر رعایت فواصل کی بنا پر مقدم کیا گیا ہے۔ یا تشویق کے لئے فان ماحقہ التقديم اذا اخر تبقی النفس مترقبۃ لہ فاذا وزد علیہا تمکن عندہا فضل تمکن؛ لان حصول الشی بعد الشوق الیہ اوقع والذ فی النفس. وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا. مثل سابق ہے اور اسی پر عطف ہے۔ ہکذا وانزلنا ..... لنخرج میں لام لام ”سُحِّی“ ہے۔ جملہ بتاویل مفرد مجرور، جار مجرور انزلنا کے متعلق ہے جیسا کہ من المعصرات تھا۔ نسا تا اور جنب کا عطف جبا پر ہے۔ اور ”الفافا“ جنب کی صفت ہے۔

### تفسیر:

ان مذکورہ آیات میں باری تعالیٰ نے اپنی مصنوعات کا ذکر فرما کر اپنی توحید و قدرت حشر پر اور اپنی عطا کی ہوئی نعمتوں کے وجوب شکر پر استدلال کیا ہے۔ تاکہ لوگ توحید و عبادت اور ایمان و اعمال کی دعوت کو مانیں اور داعی کا اتباع کریں۔ ان آیات میں باری تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت و صنعت کے نو مناظر بیان فرمائے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ وہ اس سارے عالم کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کر دے۔ (۱) زمین کو ہم نے فرش بنایا۔ اس فرش کے عجائبات میں غور کرو۔ کیا کوئی اور اس شان کی زمین بنا سکتا ہے؟ پھر اس کے ہلنے اور لرزے سے حفاظت کا سامان اس طرح کیا۔ (۲) کہ پہاڑ اس کی روک تھام کے لئے پیدا کر دیئے گئے، جن کی وجہ سے وہ کشتی کی طرح ڈمگانی نہیں ہے پھر اس فرش کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ (۳) تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا تاکہ مرد عورت کے لئے اور عورت مرد کیلئے سامان عیش و باعث راحت و آرام بنے۔ اور توالد و تناسل کے ذریعہ دنیا میں نسل انسانی پھیلے۔ (۴) راحت اور آرام کے لئے ایک عظیم نعمت نیند عطاء فرمائی۔

نہند اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے:

یہاں انسان کو جوڑے جوڑے بنانے کا ذکر فرمانے کے بعد اسکی راحت کے سب سامانوں میں سے خاص طور پر نہند کا ذکر فرمایا ہے۔ غور کیجئے تو یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ انسان کی تمام راحتوں کا مدد اسی پر ہے۔ اور حق تعالیٰ نے اس نعمت کو ایسا عام فرمادیا ہے کہ امیر غریب، عالم جاہل، بادشاہ اور مزدور سب کو یہ دولت بیک وقت یکساں عطاء ہوتی ہے۔ بلکہ غریبوں اور محنت کشوں کو یہ نعمت جیسی حاصل ہوتی ہے وہ دولتمندوں، بادشاہوں اور دنیا کے بڑوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ ان کے پاس راحت کا سامان، آرام کے مکان، سردی و گرمی کے اعتدال کی جگہیں، نرم گدے، تکیے سب اسباب موجود ہوتے ہیں۔ مگر نہند کی نعمت ان گدوں، تکیوں یا کوٹھی، بنگلوں کے تابع نہیں ہے۔ وہ تو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو براہ راست اس کی طرف سے ملتی ہے۔ مفلس بے سامان کو بلا اسباب راحت کھلی زمین پر یہ نعمت فراوانی سے دیدی جاتی ہے۔ اور بعض اوقات وہ بھی قیل ہو جاتی ہے۔ پھر غور کرو کہ اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح ساری مخلوق کے لئے عام فرمایا ہے اس سے بڑی نعمت یہ ہے کہ یہ نعمت مفت بلا محنت ہی نہیں بلکہ اپنی رحمت سے اس نعمت کو جبریٰ بنا دیا ہے۔ کہ انسان بعض مرتبہ کام کی کثرت کی وجہ سے مجبور ہو کر چاہتا ہے کہ رات بھر جاگتا ہی رہے۔ مگر رحمت حق اس پر جبرِ انہند طاری کر دیتی ہے۔ تاکہ دن بھر کی تکان دور ہو جائے۔ اور اس کے قوی مزید کام کے لئے تیز ہو جائیں۔ آگے اسی نہند کی عظیم نعمت کا تکملہ یہ بیان فرمایا کہ (۵) ﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا﴾ یعنی ہم نے رات کو پردہ بنا دیا (جو مخلوق کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے) چونکہ انسان کو فطرۃً اس وقت نہند آتی ہے جب روشنی زائل نہ ہو، ہر طرف سکون ہو، شور و شغب نہ ہو۔ اس میں حق تعالیٰ نے رات کو لباس یعنی ملوڑ بننے اور چھپانے کی چیز فرما کر اشارہ کر دیا کہ قدرت نے تمہیں صرف نہند ہی عطاء نہیں فرمائی، بلکہ سارے عالم میں ایسے حالات پیدا فرما دیئے جو نہند کے لئے سازگار ہوں۔ اول رات کی تاریکی دوسرے انسان اور غیر انسان پورے عالم پر بیک وقت نہند کا مسلط ہونا کہ جب سب سو جائیں گے تو پورے عالم میں سکون کا ماحول پنا ہو جائیگا۔ ورنہ دوسرے کاموں کی طرح اگر نہند کے اوقات بھی لوگوں کے مختلف ہوتے تو کسی کو بھی پورے سکون سے سونا میسر نہ ہوتا۔

لطفہ: ..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ کچھ دن میں بہتر ہے یا رات میں؟ فرمایا: رات میں اس لئے کہ رات کو بھی قرآن نے عباس فرمایا ہے ﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا﴾ اور زوجین کو بھی ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ (سورۃ البقرة، الآیۃ: ۱۸۷)۔ ایک لباس کو دوسرے لباس سے مناسب ظاہر ہے۔ (۲) انسان کو راحت و سکون کیلئے غذا اور دیگر ضروریات بھی درکار ہیں۔ ورنہ نہند موت ہو جائے۔ اگر رات ہی رات رہتی اور آدمی ہر وقت سوتا ہی رہتا تو وہ انعامات کس طرح میسر آتے جو دن میں حاصل ہوتے ہیں؟ اور انسان ان کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ اس لئے تمہارے لئے ایسا روشن دن بنایا کہ اس میں تم کا روبرو کر کے اپنی معاشی ضروریات حاصل کر سکو۔

اس کے بعد انسان کی راحت کے ان سامانوں کا ذکر ہے جو اس کے گھر (دنیا) کی چھت (آسمان) اور اس سے متعلق ہیں۔ (۷) اور ہم نے تمہارے (اس مکان کے) اوپر سات مضبوط آسمان بنائے (جو اس مکان کی اوپر نیچے سات پائیدار اور بے نظیر چھتیں ہیں) یہ سات چھتیں ایسی خوبصورت اور مضبوط ہیں جو اللہ کی قدرت اور اس کی کاریگری پر دلیل کافی



ہیں۔ اس مکان دنیا کے فرش اور چھت کا ذکر کر کے اس کے چراغ کا ذکر ہے جس سے اندھیرے گھر میں روشنی ہوتی ہے۔ جو دن میں نمودار ہوتی ہے۔ (۸) اور ہم نے تمہارے لئے ایک روشن چمکدار چراغ بنایا۔ مقاتل کہتے ہیں کہ ”وہج“ اس روشنی کو کہتے ہیں جس میں گرمی بھی ہو اللہ تعالیٰ نے سورج میں نور بھی پیدا کیا اور گرمی بھی۔ (۹) آسمان میں حق تعالیٰ نے جو اسباب انسان کی راحت کے لئے پیدا کئے ہیں ان میں سب سے زیادہ ضرورت کی چیز پانی برسانے والے بادل ہیں وانزلنا۔۔۔۔۔ میں ان کا ذکر فرمایا یعنی ہم نے بادلوں کو نچوڑ نیوالی ہواؤں سے یا بادلوں سے مسلسل برسنے والا پانی برسایا۔ المعصرات۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، مقاتل اور کلبی رحمہم اللہ کے قول کے مطابق وہ ہوائیں (مراد ہیں) جو بادلوں سے پانی نچوڑتی ہیں۔ ابو العالیہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد بادل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔ فراء کہتے ہیں کہ المعصرات سے مراد وہ بادل ہیں جو پانی سے بھرے ہوئے برسنے والے ہوں مگر ابھی برسنے نہیں جیسے المَرَاةُ الْمُعْصِرَةُ وہ عورت جس کے حیض کا زمانہ آ گیا ہو اور ابھی حیض جاری نہ ہوا ہو۔ ابن اکیان نے کہا کہ المعصرات سے برسنے والے بادل مراد ہیں۔ اور وہ فیہ تعصرون کے محاورہ سے یہ لفظ ماخوذ ہے حسن بصری، سعید بن جبیر، زید بن اسلم اور مقاتل، ابن حبان کے نزدیک المعصرات سے آسمان مراد ہیں۔ مجاہد کے قول پر من المعصرت میں من سببہ ہوگا۔ باقی اقوال پر من ابتدائیہ ہوگا۔ فجاءجا کا ترجمہ مجاہد نے خوب برسنے والا۔ قتادہ نے مسلسل برسنے والا۔ ابن زید نے بکثرت برسنے والا کیا ہے۔ مال سب کا ایک ہی ہے۔

فائدہ:۔۔۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارش بادلوں سے نازل ہوتی ہے۔ اور جن آیات میں آسمان سے نازل ہونیکا ذکر ہے یا تو ان میں بھی آسمان سے مراد فضاۓ آسمانی ہے جیسا کہ قرآن میں بکثرت لفظ سماء اس معنی کے لئے آیا ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ کسی وقت براہ راست آسمان سے بھی بارش آسکتی ہے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

فائدہ:۔۔۔۔۔ آیات مذکورہ میں قدرت کاملہ وحکمت بالغہ و نعمت شاملہ کا تذکرہ ہوا جن سے توحید و امکان بعثت کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر اس عالم کا نتیجہ اور محسن و منعم کا اپنے بندوں سے باز پرس کرنا، یہ عین عقل کے مطابق بلکہ تقاضائے عقل ہے جس سے حساب اور جزا و سزا کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ نیز باغ و بہار اور خزاں کی آمد و شد، کھیتوں کا اگنا، سرسبز اور سوکھ کر ناپید ہو جانا، پھر دوبارہ کھیتوں کا لہلہانا، سورج کا طلوع و غروب وغیرہ انسان کی زندگی کے تغیرات، موت و حیات اور بعثت کے نقشوں سے نہایت مشابہ ہیں۔ پھر بھی اگر غور و فکر کر کے صحیح راستہ پر نہ آئے تو خود اپنا قصور ہے۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا (۱۷) يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا (۱۸)

اِنَّ	یوم	الفصل	کان	مِیقَاتًا	یوم ینفخ	فی	الصُّور	فتأتون	افواجًا
بیعت	دن	جدائی	ہے	وقت مقرر	دن، پھونکا جائیگا	میں	صور	پس آؤ گے تم	فوج فوج

وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا (۱۹) وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (۲۰)

وَفُتِحَتِ	السَّمَاءُ	فَكَانَتْ	أَبْوَابًا	وَسُيِّرَتِ	الْجِبَالُ	فَكَانَتْ	سَرَابًا
اور کھولا جائیگا	آسمان	ہو جائیگی	دروازے	اور چلائے جائیں گے	پہاڑ	پس ہو جائیگی	سراب

اور آسمان کھولا جائیگا تو اس کے دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔ اور پہاڑ اڑا دیئے جائیں گے تو وہ ریت ہو جائیں گے۔

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (۲۱) لِّلطَّغِينَ مَا بَا (۲۲) لَّبِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا (۲۳)

یقیناً دوزخ شریروں کی تاک میں ہے ان کا ٹھکانا بننے کے لئے جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔

إِنَّ جَهَنَّمَ	كَانَتْ	مِرْصَادًا	لِّلطَّغِينَ	مَا بَا	لَّبِثِينَ	فِيهَا	أَحْقَابًا
بیشک جہنم	ہے	گھات میں	سرکشوں کیلئے	جگہ پھر جانے کی	رہنے والے	اس میں	قرنوں بیشمار

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا (۲۴) إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا (۲۵) جَزَاءً وَفَاقًا (۲۶)

اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک کا مزا چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا، بجز گرم پانی اور پیپ کے۔ انہیں پورا پورا بدلہ ملے گا۔

لَا يَذُوقُونَ	فِيهَا	بَرْدًا	وَلَا	شَرَابًا	إِلَّا	حَمِيمًا	وَوَ غَسَّاقًا	جَزَاءً	وَفَاقًا
نہ چکھیں گے	اس میں	ٹھنڈک	اور نہ	پینا	مگر	گرم پانی	اور	پیپ	بدلہ

إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا (۲۸) وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا (۲۹)

کیونکہ وہ حساب سے نہیں ڈرتے تھے اور وہ نہایت آسانی سے ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے۔

إِنَّهُمْ	كَانُوا	لَا يَرْجُونَ	حِسَابًا	وَوَ كَذَّبُوا	بِآيَاتِنَا	كِذَّابًا
حقیق وہ	تھے	امید رکھتے	حساب	اور جھٹلایا انھوں نے	ساتھ نشانوں ہماری	جھٹلاتا

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا (۳۰) فَذُقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا (۳۱)

اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔ پھر تم مزہ چکھو ہم تمہارے عذاب ہی کو بڑھاتے رہیں گے۔

وَكُلَّ شَيْءٍ	أَحْصَيْنَاهُ	كِتَابًا	فَذُقُوا	فَلَن	نَّزِيدَكُمْ	إِلَّا	عَذَابًا
اور ہر	چیز	گن لیا ہم اس	لکھنا	پس چکھو	پس ہرگز نہ	زیادہ کریں گے	عذاب

### لغات:

مِيقَاتًا ظرف بمعنی وقت مقرر (ض) وقت مقرر کرنا۔ تفعیل سے بھی یہی معنی ہیں۔ افواج جمع فوج کی۔ گروہ جماعت، جمع افواج، افایج، سوابا وہ ریگستانی ریت جو دو پہر کو دھوپ کی تیزی کی وجہ سے پانی جیسا نظر آتا ہے۔ اور اس میں مکانون اور درختوں کا سایہ عکس کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ جھوٹ اور مکر و فریب کے لئے اس سے مثال دی جاتی ہے۔ سَرَب سُرُوبًا (ن) جاری ہونا، ہو جانا۔ (س) نپکنا۔ مِرْصَادًا: طرف مکان مَوَاصِد جمع، مقام انتظار، گھات لگانے کی جگہ یعنی جس طرح گھات لگا کر کسی مخفی مقام میں بیٹھنے والے ادھر سے گزرنے والا دشمن بچ نہیں سکتا۔ اسی طرح دوزخ سے شریروں کو بچ نہیں سکتے۔ گھات لگانے کے چار اجزاء ہیں۔ (۱) گھات لگانے کا مقام (۲) دشمن کی نظر سے پوشیدہ ہونا (۳) اس مقام کا دشمن کا گزر گاہ ہونا (۴) وہاں بیٹھنے والے کو دشمن کے حالات کی اطلاع ہونا۔ رَصَد رَصَدًا (ن) انتظار کرنا۔ گھات میں بیٹھنا۔ مَا بَا: صیغہ ظرف لونے کی جگہ آبِ اَوْبَا (ن) لوٹنا۔ لَّبِثِينَ: صیغہ جمع مذکر اسم فاعل (س) ٹھہرانا، اقامت کرنا۔ احقبا: جمع حَقْب کی بضم القاف (وَضْمَتِینِ، آلوسی) زمانے کو کہتے ہیں۔ اور بسکون القاف زمانہ کی ایک مقررہ مدت کا نام ہے۔ مگر اس مدت کی تعیین میں اہل لغت کا اختلاف ہے۔ بعض اسی برس کی مدت کو، بعض ستر برس کی مدت کو، بعض تین سو برس کی مدت کو، بعض چالیس سال، بعض تیس سال ہزار سال کے عرصہ کو کہتے ہیں۔ قَادَةُ کہتے ہیں

احقاب سے غیر منقطع زمانہ مراد ہے۔ باقی حقب کی مدت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ حسن بصریؒ سے بھی اسی کے قریب قریب منقول ہے۔ بقول امام بغویؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور بقول ہناد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ ایک ہب اسی برس کا ہوگا اور ہر برس بارہ ماہ کا، اور ہر ماہ میں دن کا، اور ہر دن (اس دنیا کے) ہزار برس کا ہوگا اسی حساب سے ایک ہب دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس کا ہوگا۔ مجاہدؒ نے کہا احقاب: تینتالیس ہب کا۔ ہر ہب ستر خریف کا، ہر خریف سات سو سال کا، ہر سال تین سو ساٹھ دن کا، اور ہر دن (اس دنیا کے) ہزار برس کا ہوگا۔ مقاتل بن حیانؒ کہتے ہیں کہ ایک ہب ستر ہزار سال کا ہوگا۔ برداء: شذک، زمہریہ و فاقا: بمعنی وافق اگر اس کو صیغہ صفت مانا جائے یا بمعنی موافق ہے، اگر اس کو باب مفاعلة کا مصدر مانا جائے مجردیں وفق و فقا (س) موافق پانا، موافق ہونا۔

### ترکیب:

ان اپنے اسم یوم الفصل اور خبر کان میقاتنا (جملہ فعلیہ) سے ملکر جملہ یوم اپنے مضاف الیہ ینفخ فی الصور (جملہ فعلیہ) سے ملکر یوم الفصل سے بدل فی الصور متعلق فعل ہے یا اس کا نائب فاعل۔ فتأتون میں فاء فصیحیہ ہے جو اس جملہ کو ظاہر کر رہی ہے جس کو دلالت حال کی وجہ سے اور انتہائی سرعت اتیان بیان کرنے کے لئے حذف کیا گیا۔ ای فخرجون من القبور فتأتون ..... افواجاً: ضمیر تاتون سے حال ہے وفتحت السماء: جملہ فعلیہ ینفخ پر عطف ہے وصیغۃ الماضی للذات علی التحقیق ردا علی الفلاسفة البقائیین یا متناع الخرق والالیام فی السموات فکانت: میں فاء تعقیبیہ ہے۔ اور جملہ کا عطف ماضی پر ہے۔ اسی طرح وسمیرت سے سربا تک کی ترکیب ہے۔ ان جہنم کی ترکیب ان یوم الفصل کی طرح ہے۔ للطفین متعلق محذوف ہو کر یا تو مضافاً (جو خبر کانت ہے) کی صفت ہے یا ماضی سے حال ہے قندمت علیہ لکونہ نکرة۔ اور ماضی بدل ہے مرصدا سے۔ لبشین حال مقدرہ ہے للطفین کی ضمیر سے فیہا، لبشین کے متعلق اور احقابا لبشین کا ظرف ہے اور لا یدوقون کا بھی ہو سکتا ہے جو رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا۔ لا یدوقون: فعل ضمیر فاعل فیہا متعلق بردا ولا سربا معطوفین مفعول بہ، اس میں لامانی زائد برائے تاکید ہے۔ جملہ فعلیہ لبشین کی ضمیر سے حال ہے، بشرطیکہ احقابا اس کا ظرف ہو، لیکن اگر اس کو حال مانیں تو یہ جملہ ماقبل کی تفسیر ہوگا۔ الا حمیملاً وخصافاً: مفعول بہ سے مستثنیٰ منقطع ہے، کیونکہ یہ مستثنیٰ مذکر جنس سے نہیں ہے۔ جزاء وفاقاً: مرکب توصیفی مفعول مطلق فعل محذوف یسجزون کا اور جملہ فعلیہ لا یدوقون کی ضمیر سے حال ہوگا۔ آگے دونوں جملوں کی ترکیب ظاہر ہے۔ وکل شیء میں ما اضممر عاملاً علی شریطۃ التفسیر والی ترکیب ہے۔ الا عذاباً: استثنائے مفرغ ہے۔ باقی ترکیب آسان ہے۔

### تفسیر:

جب مناظر قدرت و صنعت اور انعامات ربانی کے ذکر سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس قادر مطلق نے ابتداء اس کائنات ہست و بود کو وجود عطاء فرمایا ہے اس کو دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ نیز مناظر سے اس قادر و قیوم کی حکمت کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی۔ الاحمال ان انعامات سے فائدہ اٹھانے والوں سے حساب کتاب اور باز پرس ہونی چاہئے۔ اس مقام پر سننے اور غور کرنیوالوں کے دل میں فطری طور پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ باز پرس اور فیصلہ کا دن

اور اسکی تفصیل معلوم کریں۔ اس لئے گذشتہ کلام سے پیدا ہونیوالے اس سوال کے جواب میں فرمایا:

ان یوم الفصل ..... یعنی فیصلہ کا ایک مقررہ وقت ہے جس پر عالم ختم ہو جائیگا، پھر اس کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں: (۱) اس کا رخانہ عالم کا ختم ہونا، کیونکہ فیصلہ کا مقام، جرم کے مقام سے جدا ہوتا ہے۔ (۲) ان انعامات کا فنا ہونا جن سے برے بھلے سب فائدہ اٹھاتے ہیں، کیونکہ انعامات ہی کی باز پرس ہوگی، اور ان کی شکر گزاری و ناشکری پر ہی سزا و جزا کا مدار ہوگا۔ (۳) روحوں کا دوسری مرتبہ اپنے جسوں سے تعلق، کیونکہ اس کے بغیر سزاء و جزاء کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ (۴) یہ سب اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک اس عالم دنیا میں آنیوالی سب رحیں نہ آچکیں۔ لہذا حساب و کتاب سزاء و جزاء کا ایک وقت مقرر کیا گیا ہے جس کا علم صرف احکم الحاکمین کو ہے۔ تمہیں جلدی کرنے اور فوری مطالبہ کرنے کا حق نہیں، بلکہ یہ مطالبہ خلاف عقل اور ناحق ہے۔ ہاں قیامت کا آنا تقاضائے عقل ہے، نیز مذکورہ نو دلائل سے عالم کا حادث ہونا ثابت ہوئی چکا ہے اور تمام اہل عقل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہر حادث کی انتہاء اور حد ہوتی ہے۔ یہ عالم حادث ایک دن اپنی حد کو پہنچ جائیگا۔ اور اس دنیا کی انتہائی حد ہی قیامت ہے۔ یوم یفخ ..... جس دن صور بھونکا جائیگا۔ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ صور دوبار ہوگا: پہلا نفخے عالم کے لئے، دوسرا احیاء و بعث کیلئے۔ اسکی تفصیل سورہ ”الحاقۃ“ میں گذر چکی۔ یہاں پر نفخہ ثانیہ مراد ہے۔ اس وقت تمام مردے زندہ ہو کر جوق در جوق بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونگے۔

### محشر کی طرف سفر:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قیامت کے دن تین جماعتوں میں تقسیم ہونگے: ایک وہ لوگ ہونگے جو پیٹ بھرے، لباس پہنے ہوئے، سوار یوں پر سوار ہو کر میدان حشر میں آئیں گے۔ دوسری جماعت پیادہ لوگوں کی ہوگی، جو پیدل چل کر میدان حشر میں پہنچیں گے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جن کو چہروں کے بل گھسیٹ کر محشر میں لایا جائیگا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت یوم یفخ فی الصور تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: (۱) حشر کے وقت میری امت کے دس گروہ ہونگے۔ ایک صف کی صورت میں بندروں جیسی ہوگی، یہ قدریہ ہونگے۔ ایک قطار سوروں کی شکل (۴) ایک صف کی صورت گدھوں کی طرح ہوگی یہ رافضی ہونگے۔ (۵) ایک گروہ کی شکل چھوٹی چیونٹیوں کے مثل ہوگی، یہ متکبروں کا گروہ ہوگا۔ (۶) ایک جماعت چوپاؤں کی صورت پر ہوگی، یہ لوگ سودخور ہونگے۔ (۷) ایک گروہ درندوں کی صورت کا ہوگا، یہ زندیق ہونگے۔ (۸) ایک گروہ کا حشر منہ کے بل ہوگا، یہ مصور (فوٹو گرافر) اور دوسروں کی عیب جوئی کرنیوالے اور دوسروں پر طنز و طعن کرنیوالے ہوں گے۔ (۹) ایک جماعت نازدادا سے ٹیلے والوں کی ہوگی۔ (۱۰) یہ لوگ مقرر ہونگے، ایک جماعت شکم سیر ہوگی، یہ اصحاب الیمین ہونگے۔ ابن عساکر نے اس حدیث کو بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ اسکے بعض رواۃ مجہول ہیں۔

خطیب نے (السرارج المیر میں) یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے کہ میری امت کی دس اصناف کا حشر دس گروہوں کی صورت میں ہوگا۔ (۱) بعض کی صورتیں بندروں جیسی ہوں گی۔ یہ چغل خور ہونگے۔ (۲) بعض سوروں کی شکل کے ہوں گے یہ حرام خور ہونگے۔ (۳) بعض سرنگوں ہونگے ناگمیں اوپر، چہرے اور آنکھیں نیچے، ان کو اسی طرح گھسیٹا جائیگا، یہ سودخور ہوں گے۔ (۴) کچھ نابینا ہونگے جو ادھر ادھر سرگرداں پھریں گے، یہ وہ لوگ ہونگے جو فیصلہ میں ظلم کرتے تھے۔ (۵) بعض

گوئے، بہرے بے عقل ہوئے، یہ وہ لوگ ہونگے جو اپنے اعمال پر مغرور تھے (۶) بعض لوگوں کی زبانیں ان کے سینوں پر لٹکتی ہوگی اور انکے منہ سے لہو پیپ بہتا ہوگا، جس سے مجمع میں تعفن پیدا ہوگا یہ وہ علماء و عظیم ہونگے جن کا کردار گفتار کے خلاف تھا۔ (۷) بعض لوگوں کے ہاتھ پیر کٹے ہوئے، یہ پڑوسیوں کو دکھ دینے والے لوگ ہونگے۔ (۸) بعض لوگوں کو آگ کے تختوں پر پھانسی دی جائیگی، یہ وہ لوگ ہوں گے جو حاکم سے جا کر لوگوں کی چغلیاں کھاتے تھے۔ (۹) بعض لوگوں کی بد بومدار سے زیادہ ہوگی، یہ وہ لوگ تھے جو نفسانی خواہشات اور دنیوانی لذات میں اس طرح مگن رہتے تھے کہ اللہ کے (مالی) حق کو اپنے مالوں کیساتھ رو کے رکھتے تھے، یعنی زکوٰۃ و عشر وغیرہ ادا نہیں کرتے تھے۔ (۱۰) بعض لوگوں کو تارکول کی لمبی چادر پہنائی جائیگی، یہ رعوت و فخر، غرور کرنیوالے ہوں گے۔ حضرت براء بن عاذب نے بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔ جس کو ثعلبی نے نقل کیا ہے۔ (مظہری) بعض حضرات نے فرمایا کہ حاضرین محشر کی بے شمار جماعتیں اپنے اپنے اعمال و کردار کے اعتبار سے ہوں گی۔ ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ سب جمع ہو سکتے ہیں۔

**فائدہ:**..... ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں بعض فرقوں کے نام آئے ہیں، ہم ان کی مجمل خصوصیات بیان کرتے ہیں: اول فرقہ قدریہ ہے: جو اپنے اعمال کا خالق خود انسان کو بتاتا ہے۔ خدا کو خالق افعال نہیں جانتا۔ دوسرا فرقہ مرجئیہ ہے: یہ گروہ اس بات کا قائل ہے کہ ایمان کے بعد نہ تو اعمال کی ضرورت ہے، نہ کسی گناہ سے کوئی نقصان۔ تمام ممنوعات تصدیق قلبی کی موجودگی میں معاف ہیں۔ گویا ان کے نزدیک اعمال کی کوئی اہمیت نہیں، بنیادی عقیدہ کی درستگی ضروری اور کافی ہے، اس کے بعد آدمی خدائی سائنڈ ہے جو چاہے کرتا پھرے، بہر حال وہ جنتی ہے۔ تیسرا فرقہ حروریہ ہے: یہ خارجیوں کا ایک گروہ تھا مقام حروراء میں جنہوں نے لشکر کشی کی تھی۔ اس گروہ کے نزدیک اعمال ایمان کے اجزائے تقویٰ ہیں۔ گناہ کا مرتکب انکے نزدیک کافر ہو جاتا ہے۔ یہ بد نصیب لوگ حضرت علی، حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے تھے۔ اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے۔ چوتھا فرقہ رافضیہ ہے اس گروہ کا مسلک خارجیہ کے برخلاف ہے۔ ان کے نزدیک صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما بلکہ چند صحابہ کو چھوڑ کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ایماندار نہ تھے۔ ان کا خیال ہے کہ خلافت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا شیخین رضی اللہ عنہما نے اس کو نصب کر لیا تھا۔ انکے نزدیک اتباع حجت نہیں اور خلافت و امامت خدا واد چیز ہے۔ خدا، پیغمبر، یا امام کے واضح ارشادات و تصریحات پر ہی ان کا مدار ہے۔ ان صرح نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح امامت کی تصدیق بھی ضروری ہے وغیرہ۔ وفتحت السماء..... یہ احوال قیامت میں سے تیسرا حال ہے کہ آسمان کھولے جائیں گے۔ اور اسمیں بکثرت دروازے ہو جائیں گے اسی لئے بطور مبالغہ آسمان ہی کو ابواب قرار دیا گیا۔

## آسمان کھولے جانے کا مطلب؟

اس بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں: (۱) صور پھونکے جانے سے آسمان میں دراڑیں پڑ جائیگی جن کو دروازوں سے تعبیر کر دیا گیا، کیونکہ جب کوئی مضبوط چھت گرتی ہے تو پہلے دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ (۲) دنیا کو ویران کرنے کے لئے فرشتوں کے لشکروں کے اترنے کے واسطے آسمانوں میں بہت سے دروازے کھولے جائیں گے۔ یہ دنیا کی اس مضبوط چھت کے جس کو سَبْعًا شِدًّا سے تعبیر کیا تھا گرنے کا حال تھا۔ آگے وسیرت الجبال..... سے اس مکان کے فرش کو

اٹھائے جائیگا حال بیان کیا جاتا ہے۔ پہاڑوں کے مختلف حالات جو قرآن میں مذکور ہیں، ان کی تطبیق و ترتیب کا ذکر سورہ معارج میں ہو چکا ہے۔ جب آیت فساتون افواج میں تمام لوگوں کا حساب کیلئے محشر میں آنا مذکور ہوا تو سننے والوں کو ان کے تفصیلی حالات جاننے کا شوق پیدا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے آئندہ آیات میں سب سے پہلے طاغین (سرکشوں) کا ذکر کیا گیا۔ پھر متقین (فرمانبرداروں) کے انجام کا، کیونکہ تحویف ذہن انسانی پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لئے بشارت پر تحویف کو مقدم فرمایا گیا۔ ان جہنم کانت ..... مطلب یہ ہے کہ دوزخ کے پل پر عذاب اور رحمت کے فرشتے تاک میں لگے رہیں گے۔ عذاب کے فرشتے کافروں کی گھات میں ہوں گے۔ وہ ان کو پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ اور رحمت کے فرشتے مومنوں کے انتظار میں ہوں گے وہ ان کو بعافیت و حفاظت وہاں سے گزار کر جنت کی طرف لیجائیں گے۔ اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ سب لوگوں کی گزرگاہ ہوگی جیسا کہ آیت ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾ (سورہ: ۱۶، سورہ مريم، الآية: ۷۱) میں یہ مضمون صراحتہ آیا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ جہنم کے پل پر نگراں فرشتوں کی چوکی ہوگی۔ جسکے پاس جنت میں جانے کا پروانہ ہوگا اس کو گزرنے دیا جائیگا جس کے پاس نہ ہوگا اس کو وہیں روک لیا جائیگا۔

### دوزخ کے پل پر گذر:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صراط تلوار کی دھار کی طرح بہت تیز (اور باریک) ہوگی اور ملائکہ ایماندار مردوں بلور عورتوں کی حفاظت کرتے ہوں گے۔ جبریل میری کمر پکڑے ہوں گے۔ اور میں کہتا ہوں نَكَارِبَ سَلَمٍ سَلَمٍ (الصحيح للإمام البخاری، کتاب الرقاب، باب الصراط جسر جہنم، ج: ۶، ص: ۲۴۰۳، رقم: ۶۲۰۴) (الہی بچا، الہی بچا) اور پھسل کر گرنے والے مرد اور عورت بکثرت ہوں گے۔ حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ پر پل صراط تلوار کی دھار کی طرح ہوگی۔ اسکے دو طرفہ آنکڑے اور کانٹے ہوں گے۔ جن کے ذریعہ لوگوں کو اچک لیا جائیگا۔ قسم اس ذات کی جسکے قبضے میں میری جان ہے (صرف ایک) آنکڑے سے قبائل مضروب بیچہ سے بھی زیادہ لوگ پکڑے جائیں گے۔ اور فرشتے اس کے کنارے پر کھڑے کہتے ہوں گے، خدایا بچا، خدایا بچا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جہنم کے پل پر سات جگہ لوگوں کو روکا جائیگا۔ پہلی جگہ بندہ سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت پوچھی جائیگی۔ اگر اس نے شہادت پوری دی ہوگی تو دوسرے مقام تک گزر جائیگا۔ وہاں اس سے نماز پوچھی جائیگی اس نے نماز بھی ٹھیک ادا کی ہوگی۔ تو تیسرے مقام تک گزر جائے گا۔ وہاں زکوٰۃ کی پرستش ہوگی۔ اگر زکوٰۃ بھی پوری دی ہوگی۔ تو چوتھے مقام تک پہنچ جائیگا۔ وہاں روزوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اگر روزے ٹھیک ادا کئے ہوں گے تو پانچویں مقام تک چلا جائیگا۔ وہاں حج کے متعلق سوال ہوگا۔ اگر حج ٹھیک طور پر ادا کیا ہوگا تو چھٹے مقام تک جانے دیا جائیگا۔ وہاں عمرہ پوچھا جائیگا۔ اگر وہ بھی کر چکا ہوگا تو ساتویں مقام تک پہنچ جائیگا۔ وہاں بندوں کے حقوق کی پوچھ گچھ ہوگی۔ اگر اس مقام سے بھی نکل گیا تو خیر ورنہ کہا جائیگا۔ دیکھو اس کے پاس کچھ نوافل ہیں؟ نوافل سے (فرض) اعمال کو پورا کیا جائیگا۔ جب وہ سب امور سے فارغ ہو جائیگا تو اس کو جنت کی طرف لیجایا جائیگا۔

## طغیان کیا ہے؟

طغیان طغی کی جمع ہے طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سرکشی، حد سے بڑھ جانا، اور طغی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے بڑھ جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ ایمان سے نکل جائے اور کفر و انکار پر اس کو چنگلی حاصل ہو جائے۔ اس لئے طغیان سے مراد یہاں کفار ہو گئے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مسلمانوں کے وہ بد عقیدہ و گمراہ فرقے مراد ہوں جو قرآن و سنت کی حدود سے نکلے ہوئے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے صراحۃً کفر کو اختیار نہیں کیا: جیسے روافض، خوارج، معتزلہ وغیرہ۔ صاحب مظہرؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ لبشین فیہا احقبا با: وہ شریر و سرکش لوگ دوزخ میں صدیوں اور مدتوں پڑے رہیں گے۔ احقاب کی تحقیق عنوان لغت میں گزر چکی۔ اختلاف روایات کے سبب کسی ایک مدت پر جزم و یقین تو نہیں ہو سکتا مگر اتنی بات بطور قدر مشترک مفہوم ہوتی ہے کہ ہب یا ہب بہت ہی زیادہ طویل زمانہ کا نام ہے۔ اسی لئے علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے احقابا کی تفسیر دھوراً متتابعۃً سے کی ہے یعنی پے درپے بہت سے زمانے۔

## جہنم کے خلو و دود و ام پر شبہہ:

احقاب کی مدت کتنی طویل سے طویل قرار دی جائے بہر حال وہ متناہی و محدود ہوگی، جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس مدت طویلہ کے بعد کفار بھی جہنم سے نکل جائیں گے۔ حالانکہ یہ قرآن مجید کی دوسری واضح اور صریح نصوص کے خلاف ہے جن میں ﴿هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (پارہ ۱، سورۃ البقرۃ، الآیۃ: ۳۹) اور ﴿خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ (پارہ ۴، سورۃ النساء، الآیۃ: ۱۶۹) کے الفاظ آئے ہیں۔ اور اسی لئے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نہ جہنم کبھی فنا ہوگی اور نہ کفار اس سے کبھی نکالے جائیں گے۔ سدیؒ نے حضرت مرۃ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اگر دوزخیوں کو یہ خبر دے دی جائے کہ ان کا قیام جہنم میں دنیا بھر کی کنکریوں کے شمار کے برابر ہوگا تو اس سے ان کو خوشی ہوگی کہ آخر کار یہ کنکریاں اربوں کھربوں کی تعداد میں سہی پھر محدود و متناہی تو ہیں۔ کبھی نہ کبھی اس عذاب سے چھٹکارا ہو جائیگا۔ اور اگر اہل جنت کو یہی خبر دے دی جائے کہ ان کو دنیا کے سنگریزوں کے شمار کے برابر جنت میں رہنا ہے تو غمگین ہوں گے۔ کہ وہ کتنی ہی دراز مدت ہو جائے بہر حال وہ جنت سے نکال دیئے جائیں گے۔

جواب:..... احقاب لفظ سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ احقاب (مدت طویلہ) کے بعد کفار دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے۔ تمام نصوص صریحہ اور اجماع امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ مفہوم مخالف غیر معتبر ہوگا، کیونکہ اس آیت میں اس کی تصریح تو ہے نہیں کہ احقاب کے بعد کیا ہوگا صرف یہ ہے کہ مدت احقاب ان کو دوزخ میں رہنا پڑے گا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس مدت کے بعد جہنم فنا ہو جائیگا یا کفار کو اس سے نکال دیا جائیگا۔ اسی لئے حضرت حسن نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اہل جہنم کے لئے جہنم کی کوئی میعاد و مدت مقرر نہیں فرمائی۔ جس کے بعد انکا دوزخ سے نکل جانا سمجھا جائے، بلکہ مراد یہ ہے کہ جب ایک ہبہ زمانہ کا گزر جائیگا تو دوسرا شروع ہو جائیگا۔ اسی طرح دوسرے کے بعد تیسرا، پھر چوتھا یہاں تک کہ ابدال تک یہی سلسلہ رہیگا۔ سعید بن جبیر نے قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی یہی تفسیر نقل کی ہے کہ احقاب سے وہ زمانہ مراد ہے جس کا انقطاع اور انتہا نہیں، بلکہ ایک ہبہ کے بعد دوسرا پھر تیسرا یہی سلسلہ ہمیشہ رہیگا۔ پھر یہاں ایک دوسرا احتمال یہ بھی



ہے جس کو ابن کثیر قرطبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔ اور صاحب مظہری نے اس کو اختیار کیا ہے: وہ یہ کہ اس آیت میں طائغین سے مراد کفار نہ لئے جائیں، بلکہ وہ اہل توحید مراد ہوں جو عقائد باطلہ کے سبب مسلمانوں کے گمراہ فرقوں میں شمار ہوتے ہیں، جن کو محدثین کی اصطلاح میں اہل اہواء کہا جاتا ہے۔ تو آیات کا یہ حاصل ہوگا کہ ایسے اہل توحید (کلمہ گو) جو عقائد باطلہ کے سبب کفر کی حدود سے جا ملے تھے مگر صریح طور پر کافر نہ ہوئے تھے وہ مدت احتجاب جہنم میں رہنے کے بعد بالآخر کلمہ توحید کی بدولت جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔ صاحب مظہری کہتے ہیں کہ میرے اس قول کی تائید بزاز کی نقل کردہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم کوئی بھی دوزخ سے نہ نکلے گا تا وقتیکہ مدت احتجاب اس میں نہ رہ چکا ہو۔ جب کچھ اوپر اسی سال کا ہوگا۔ اور ہر سال تمہاری گنتی کے ۳۶۰ دن کا۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مدت مذکورہ گزرنے کے بعد طائغین دوزخ سے نکل آئیں گے۔ اس لئے ہم اس کو اہل بدعت پر محمول کرتے ہیں۔

مگر ابو حیان نے فرمایا کہ بعد کی آیات ﴿اِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا﴾ اس احتمال کے منافی ہیں کہ طائغین سے مراد اس جگہ اہل توحید کے گمراہ فرقے ہوں۔ کیونکہ ان آخری آیات میں انکار و تکذیب آیات کی تصریح ہے۔ اسی طرح ابو حیان نے مقاتل کے اس قول کو بھی فاسد قرار دیا ہے کہ یہ بعد والی آیت ﴿فَلَنْ يَنْزِلَكُمْ سَمٌ مِّنْهُمُ﴾ سے منسوخ ہے کیونکہ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ خُبْرًا۔ اور خبر میں نسخ کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ یعنی حکم منسوخ ہوتا ہے خبر منسوخ نہیں ہوتی۔ مفسرین کی ایک جماعت نے اس آیت کی تفسیر میں ایک تیسرا احتمال یہ بھی قرار دیا ہے کہ اس آیت کے بعد کا جملہ ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَاقًا﴾ احتجاب سے حال ہے۔ اور معنی آیات کے یہ ہیں کہ احتجاب کے طویل زمانے تک یہ لوگ نہ ٹھنڈی لذیذ ہوا کا ذائقہ چکھیں گے، نہ کسی کھانے پینے کی چیز کا، سوائے حمیم غساق کے۔ اور ان احتجاب کے گزرنے جانے کے بعد شاید وہ مزید شدید ترین عذاب میں مبتلا کر دیئے جائیں۔

لیکن میرے خیال ناقص میں تو یہ اشکال خود اس کے بعد والی آیت ہی سے دور ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طائغین مدت دراز تک اقسام و انواع کے عذاب میں گرفتار رہیں گے۔ اس مقام پر ذہن میں جو یہ شبہ پیدا ہوا کہ پھر کیا ہوگا ان کو نکال دیا جائیگا کیا ہوگا؟ تو بعد کی آیات نے اس شبہ کو صاف کر دیا ﴿فَذُوقُوا﴾ ای فیقال لہم ذُوقُوا..... یعنی پھر ان سے یہ کہا جائیگا کہ عذاب چکھتے رہو ہم تمہارا عذاب بڑھاتے رہیں گے۔ اس زیادتی عذاب کی خبر سے عذاب کی تباہی کا شبہ ختم ہو کر غلوط کا مفہوم حاصل ہو جاتا ہے۔ اور کسی مزید تاویل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

### حمیم اور غساق:

حمیم: بہت ہی گرم پانی (تحدیث میں ہے کہ لوہے کے چمٹوں سے پکڑ کر سخت گرم پانی دوزخیوں کے سامنے لایا جائیگا۔ جب وہ ان کے منہ کے قریب آئیگا تو چہرے بھن جائیں گے۔ اور پنچوں میں اترے گا تو پیٹ کی آنتوں کے ٹکڑے اڑا دیگا۔ (ترمذی) ﴿يُضْهِرُّهُمُ مَّاءٌ يُّبْطُونَهُمْ وَالْجَلْدُ﴾ (بارہ: ۱، سورۃ الحج، الآیۃ: ۲۰) غساق: ہنڈاؤنے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ غساق (انہنگی سرد ہوگا) جسکی سخت ٹھنڈک کیوجہ سے دوزخی اس کو پی نہ سکے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جس طرح آگ گرمی کیوجہ سے جلاتی ہے غساق اپنی سردی کیوجہ سے انکو سوختہ کر دیگا۔ مقاتل کہتے ہیں کہ غساق وہ چیز ہے جس کی سردی آخری حد کو پہنچی ہوئی ہو۔ ہنڈاؤنے ابو العالیہ کا قول ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں پینے کی

چیزوں میں گرم ترین پانی کا استثناء ہے۔ اور سرد (برد) سے غساق کا۔ عطیہ و ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ غساق دوزخیوں کا بہتا ہوا لہو ہے۔ ابن ابی حاتم وابن ابی الدنیا کا قول ہے کہ غساق جہنم میں ایک چشمہ ہے جس میں سانپ پھو اور ہرزہ ریلے جانور کا زہر بہہ کر جمع ہوگا۔ اور دوزخی کو لاکر اس میں یکبارگی غوطہ دیا جائیگا تو اس کی کھال ہڈیوں سے گر جائیگی۔ کھال اور گوشت ٹخنوں پر آ کر گر گریں گے اور وہ ان کو اس طرح کھینچتا پھرے گا جس طرح آدمی اپنے وسیع کپڑے کو کھینچتا ہے۔

بہر حال ان تمام اقوال پر اگر غساق کو سرد چیز قرار دیا جائے تو اس کا استثناء برد سے ہوگا ورنہ حمیم و غساق دونوں کا استثناء مشروبا سے ہوگا۔ اس صورت میں برد سے مراد برد جہنم ہوگی۔ جو حرارت نار سے جدا چیز ہوگی۔ مطلب یہ ہوگا کہ ان بد بختوں کو کوئی ٹھنڈک میسر نہ ہوگی نہ ٹھنڈا پانی نہ سرد ہوا۔ ٹھنڈا مکان نہ سرد لباس نہ سرد کھانے، نہ بدن کی ٹھنڈک نہ دل کی ٹھنڈک نہ آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اس لفظ کو عام رکھنا ہی مناسب ہے۔ بعض علماء نے برد سے مراد نیند لی ہے۔ عرب میں برد کا اطلاق نوم پر بھی ہوتا ہے۔ اور شراب سے مراد پانی ہے یعنی ان کو اور تو کیا نعمت ملتی پانی جیسی مفت کی چیز بھی میسر نہ ہوگی۔ جو پانی دنیا میں خونی قیدی کو پلا یا جاتا ہے وہاں دوزخی کو وہ بھی نصیب نہ ہوگا۔ پھر الاحمیم و غساق میں استثناء متصل ہے اور منقطع بھی ہو سکتا ہے۔ علامہ بیضادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رعایت فواصل کی بنا پر غساق و حمیم کے بعد ذکر کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

جزاء و وفا کا یعنی جو سزا ان کو جہنم میں دی جائیگی وہ ان کے باطل عقیدوں اور بد اعمالیوں کے مطابق ہوگی۔ اس میں عدل و انصاف کی رو سے قطعاً زیادتی نہ ہوگی۔ مقاتل نے اس کا ترجمہ ”سخت عذاب“ کیا ہے جو بدترین جرم شرک و کفر کا بدلہ ہوگا۔ اس صورت میں الطاغین سے مراد کفار ہوں گے تو یہ جملہ ان جہنم کی تاکید ہوگا۔ کیونکہ اس جملہ میں اسکے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں ہے گویا یہ لہ علی الف درہم اعترافاً کے مثل تاکید لفظ ہے۔ کیونکہ لہ علی الف درہم میں اعتراف کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں۔ جسکی لفظ اعترافاً سے تاکید ہو رہی ہے۔ البتہ اگر الطاغین سے مراد اہل بدعت ہوں۔ جیسا کہ صاحب مظہری وغیرہ کا خیال ہے تو جزاء و وفا کا پہلے جملہ کی تاکید نفسی نہ ہوگا بلکہ تاکید لغیرہ قرار پائیگا۔ اور اس سے تائیس (نئے معنی) کا فائدہ حاصل ہوگا۔ (والتاسیس خیر من التأكيد بالاعراض او مرجع) مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ اہل بدعت کے عقائد جس قدر حق سے دور ہوں گے اسی کے موافق اس کے عذاب کی نوعیت و کیفیت ہوگی۔ یعنی دوزخ میں بعض کا قیام زیادہ ہوگا۔ بعض کا کم۔ بعض کو شدید عذاب ہوگا۔ بعض کو سبھا خفیف۔ اور یہ قیام و عذاب جہنم زیادہ احتساب اور کم سے کم حقب تک ہوگا۔

انہم کما نوا ..... یہ کلام سابق کی علت ہے۔ کافروں کو چونکہ حشر و حساب کا یقین ہی نہیں ہوتا۔ تو ظاہر ہے کہ اندیشہ بھی کیوں ہونے لگا۔ رہے بدعتی تو ان میں سے بعض فرقوں میں یہ (انکار حساب) کی صفت موجود ہے۔ جیسے مرجعہ کہ وہ نہ حساب کا عقیدہ رکھتے ہیں نہ سزا کا۔ اور رافضی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شیعہ (متع) اور دوستوں کو کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ پر عذاب نہ ہوگا۔ اور بعض اہل بدعت اگرچہ زبان سے انکار و حساب نہیں کرتے۔ مگر عملی طور پر انکار کرتے ہیں، کیونکہ ان کی بے پروائی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حساب کا اندیشہ نہیں ہے۔

و کذبوا بآیتنا کذابا..... اور ہماری آیات کو وہ خوب جھٹلاتے تھے۔ آیات سے عام معنی مراد لینا بہتر ہے۔ خواہ وہ آیات قرآینہ ہوں، خواہ آیات قدرت ربانیہ ہوں۔ اس جملہ میں کفار کی قوت علمیہ و نظریہ کے فساد کا بیان

ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے جملہ میں قوت عملیہ کے فساد کا ذکر تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اتنی زبردست سزا اس زبردست جرم کی ہوگی کہ انہوں نے ان دونوں قوتوں کو خراب اور برباد کر دیا تھا۔ جسکی صلاح و اصلاح سے وہ سعادت ابدی حاصل کر سکتے تھے۔ صاحب مظہری فرماتے ہیں کہ تمام بدعتیوں میں یہ (تکذیب کا) وصف موجود ہے۔ چنانچہ رافضی مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم کے منکر ہیں۔ اور وہ ان کو مرتد اور منافق قرار دیتے ہیں (نحوذ باللہ) ہاں چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو مستثنیٰ کر لیتے ہیں۔ (اسی طرح دوسرے فرقے بھی کوئی اعمال کی ضرورت کا منکر ہے تو کوئی دین کے مکمل ہونے کا اور کوئی فرقہ تقدیر کا وغیرہ)

فائدہ:..... قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہماری تفسیر کے موافق آیت سے اہل بدعت کے عذاب پر روشنی پڑتی ہے۔ (جیسا کہ للطاعین کے ذیل میں گذرا) کہ اس کا مصداق قاضی صاحب کے نزدیک اہل بدعت و فرقہ ضالہ ہیں۔ رہے مسلمان اہل کبار تو ان کا قیام جہنم کی انتہائی مدت، مدت دنیا کے برابر ہوگی۔ یعنی سات ہزار سال۔ اور ان کو حیم نہیں پلایا جائیگا۔ اور نہ کسی طرح کا کوئی (رسوا کن اور سنگین) عذاب ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام امتوں کے (مؤمن) اہل کبار اگر بغیر توبہ کئے مر گئے تو ان میں سے جو لوگ جہنم میں داخل ہو گئے ان کی آنکھیں نیلی نہ ہوں گی۔ چہرے کالے نہ ہونگے، شیطانوں کے ساتھ زنجیروں سے ان کو نہ باندھا جائیگا۔ ان کے گلوں میں زنجیروں کے طوق نہ ڈالے جائیں گے۔ ان کو حیم نہ پلایا جائیگا۔ نہ ان کو قطر ان کا لباس پہنایا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اجسام پر دوام جہنم حرام کر دیا ہے۔ اور سجدہ کی وجہ سے ان کے چہروں کو آگ پر حرام کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض کو آگ قدموں تک پکڑے گی، بعض کو ایڑیوں تک، بعض کو کمر تک، بعض کو گلے تک۔ غرض بد اعمالیوں کے موافق ان کو آگ پہنچگی۔ بعض سال بھر رہ کر اس سے نکل آئیں گے۔ قیام جہنم کی سب سے لمبی مدت دنیا کی عمر کے برابر ہوگی۔ الحدیث

نوادر الاصول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کو گزروں سے نہ مارا جائیگا۔ اور طبقہ جہنم میں نہ پھینکا جائیگا۔ ان میں سے کچھ لوگ ایک ساعت جہنم میں رہ کر نکل آئیں گے۔ کچھ ایک دن رہ کر کچھ سال بھر میں ان کی سب سے لمبی مدت قیام ابتداء سے فنا ہو گیا۔ اور یہ مدت سات ہزار برس ہوگی۔ بعض مرفوع روایات میں ہے کہ جب اہل کبار کو دوزخ کی آگ پہنچائی جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان پر موت طاری فرما دیں گے۔ جب اذن شفاعت اور معافی ہو جائیگی تو ان کو زندہ کر دیں گے۔ مگر کافروں کا حال اس کے برخلاف ہوگا۔ وہ نہ اس میں جہنم کے نہ مریں گے۔ (مظہری)

وکل شیءٍ أحصینہ کتابا..... اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ یا انہم کانوا لایرجون..... کی طرح جزاء و وفا کی علت ہے۔ اور کتابا تمیز ہے یا حال۔ اور کتاب (مصدر) بمعنی مکتوب ہے۔ یا مفعول مطلق ہے۔ یعنی ہم نے ان کے ہر عمل کا اس طرح احصاء کر لیا ہے جیسے تحریر احصاء کر لیتی ہے۔ یا کتابا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ معنی یہ ہو گئے کہ ہم نے انکے اعمال کا احاطہ کر لیا ہے۔ اور (لوح محفوظ میں یا اعمالناموں میں) لکھ کر رکھ لیا ہے۔ فذوقوا..... انہیں فاء سببیہ ہے۔ اور بطور التفات الطافین کو خطاب ہے۔ فلن نزیدکم الا عذابا..... (اے سرکشو! ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہے گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دوزخیوں کے حق میں یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیات سے زیادہ سخت ہے۔ واللہ اعلم (مظہری)

إِنَّ لِّلْمُتَّقِينَ مَفَازًا (۳۲) حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا (۳۳) وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا (۳۴) وَكَاسًا دِهَاقًا (۳۵)

بیشک اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے کامیابی ہے یعنی باغات اور انگور اور ہم عمر نوجوان عورتیں اور چھلکتا ہوا جام شراب

إِنَّ	لِّلْمُتَّقِينَ	مَفَازًا	حَدَائِقَ	وَأَعْنَابًا	وَكوَاعِبَ	أَتْرَابًا	وَكَاسًا	دِهَاقًا
تحقیق	پرہیزگاروں کے لئے	کامیابی	باغات	اور انگور	اور،	نوجوانیں	ہم عمر	اور، پیالے

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّ بَأْ (۳۶) جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا (۳۷)

نہ وہاں پر وہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھٹلاتا، جو پورا صلہ ہو گا آپ کے پروردگار کی طرف سے

لَا يَسْمَعُونَ	فِيهَا	لَغْوًا	وَلَا	كِذَّ	بَأْ	جَزَاءً	مِّن	رَّبِّكَ	عَطَاءً	حِسَابًا
نہ، سنیں گے	انہیں	بیہودہ	اور، نہ	جھٹلاتا	کذباً	جزاۃ	میں	تیرے	عطاۃ	حساب

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنُ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا (۳۸)

جو آسمانوں، زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا مالک ہے حد مہربان ہے کسی کو اس سے بات کر سکی مجال نہ ہوگی۔

رَّبِّ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ	وَمَا	بَيْنَهُمَا	الرَّحْمٰنُ	لَا	يَمْلِكُوْنَ	مِنْهُ	خِطَابًا
رب	آسمانوں	اور زمین	اور جو	ان کے درمیان	بہت مہربان	نہیں	اختیار پانچنے	اس سے	بات کرنا

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا (۳۹) لَا تَرَكَتُمْ اِلَّا مَن اٰذَنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

جس دن روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہونگے اس کے سوا کوئی بول نہ سکے گا جس کو رحمان اجازت دیدے اور وہ بات بھی ٹھیک کہے۔

يَوْمَ	يَقُومُ	الرُّوحُ	وَالْمَلَائِكَةُ	صَفًّا	لَا تَرَكَتُمْ	اِلَّا	مَن	اٰذَنَ	لَهُ	الرَّحْمٰنُ
دن	کھڑی ہوں	روح	اور فرشتے	صف باندھ کر	نہ، بولیں گے	مگر	جس	اجازت دی	واسطے اس	رحمن

وَقَالَ صٰوَابًا (۴۰) ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اَتَّخِذْ اِلٰى رَبِّهِ مَا بَا (۴۱)

وہ دن برحق ہے پھر جس کا جی چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانہ بنالے۔

وَقَالَ	صٰوَابًا	ذٰلِكَ	الْيَوْمُ	الْحَقُّ	فَمَنْ	شَآءَ	اَتَّخِذْ	اِلٰى	رَبِّهِ	مَا بَا
اور	کہے گا	اچھا	یہ	دن	برحق	پس جو کوئی	چاہے	پڑے	طرف	پروردگار اپنے

نَا اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا (۴۲) يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدُهٗ

ہم نے تم کو ایک نزدیک آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے جس دن ہر شخص ان اعمال کو دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیج دیئے تھے۔

اِنَّا	اَنْذَرْنٰكُمْ	عَذَابًا	قَرِيْبًا	يَوْمَ	يَنْظُرُ	الْمَرْءُ	مَا	قَدَّمَتْ	يَدُهٗ
تحقیق ہم	ڈرایا تم	عذاب	نزدیک	دن	دیکھ لے گا	ہر مرد	جو کچھ	آگے بھیجا تھا	ہاتھوں اس

وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ لِيَلَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا (۴۳)

اور کافر کہے گا کہ اے کاش میں خاک ہو جاتا۔

وَيَقُوْلُ	الْكَافِرُ	لِيَلَيْتَنِي	كُنْتُ	تُرَابًا
کہتا ہے	کافر	کاش میں	ہوتا میں	خاک

## لغات:

المحتقین: صیغہ جمع مذکر اسم فاعل باب افعال سے متقی کی اصل مو تہقی تھی واو کوتاء سے بدل کر میں ادغام میں کر دیا متقی ہو گیا۔ مجرد میں وقسی یقی و قایقہ (ص) آتا ہے جس کے معنی انتہائی احتیاط اور پرہیز کرنے کے ہیں۔ اور شرعاً متقی اس شخص کو کہتے ہیں، جو ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جو آخرت میں نقصان دہ ہوں فمعنٰی التقویٰ شرعاً التجنب عما یضرہ فی الآخر قوله درجات ثلاث وقد مرتفصلہ من قبل۔ مفازا: اسم مصدر بمعنی فوز یا ظرف مکان بمعنی مقام فوز۔ (ن) کامیاب ہونا۔ نجات پانا۔ امام راغب فرماتے ہیں فوز کے معنی سلامتی کے ساتھ خیر کو پالینا ہیں۔ علامہ سیوطی و علامہ محلی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی اجتماع کو پالینا ہے۔ حدائق: حدیقة کی جمع وہ باغ جس کے گرد چار دیواری کھینچی گئی ہو۔ باغ کا نام حدیقة اس مناسبت سے رکھا گیا کہ وہ اپنی شکل میں حدیقة یعنی آنکھ کے پتلی کے مشابہ ہے۔ یعنی جس طرح وہ گہری ہوئی بارونق ہوتی ہے۔ اسی طرح حدیقة ہوتا ہے حدق حدقا (ض) گھیر لینا۔ اغنیاباً عنب کی جمع، انگور۔ ایک دانہ کو عنبة کہتے ہیں۔ کواعب کما عب کی جمع نو جوان لڑکیاں جن کے پستان خوب ابھرے آئے ہوں کعب کعبوا و کعبوة و کعباة (ن ض) ابھرنا (لازم) فتح سے متعدی بھر دینا۔ اقرباً جمع قرب کی ہم عمر۔ اس کا استعمال اکثر عورتوں میں ہوتا ہے۔ (س) مٹی لگ جانا۔ محتاج ہونا۔ دہقا: بھرا ہوا، چھلکا ہوا۔ یہ اسم صفت ہے۔ دھق دھقا (ف) بھرنا۔ گرانا وغیرہ۔ لغوا: بیہودہ بات، چڑیوں کی چوں چوں۔ وہ بات جو بے ارادہ منہ سے نکلے۔ (ن س) غلطی کرنا، بغیر سوچے سمجھے بولنا۔ عطاء: بخشش، انعام، صلہ جمع اعطیۃ و اعطیات اس کی اصل عطا تھی۔ اہل عرب کا دستور ہے کہ جب الف کے بعد واو یا یا آجائے تو ان کو ہمزہ بنا لیتے ہیں۔ کیونکہ ہمزہ ان دونوں کی بہ نسبت حرکت کو زیادہ برداشت کرتا ہے۔ نیز واو اور یا پر وقف ثقل ہوتا ہے۔ عطاء کی مثال داء ہے کہ دراصل داء ای تھا۔ اسی لئے بعض لوگ تائید اور تثنیہ میں ان کی واو اور یا کو لوٹا لیتے ہیں۔ عطی عطوا (ن) لینا۔ بلند کرنا۔ باب افعال سے دینا۔ حسناً مصدر (ن) گناہ، شہد کرنا عطاء حسناً کے معنی جو عطاء کافی ہو۔ بولا جاتا ہے اعطانی ما احسنی (یعنی اس نے مجھے اتنا دیا کہ وہ مجھے کافی ہو گیا)۔

بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی اَنْ تُعْطِیَ حَتّٰی یَقُولَ حَسْبِی ہیں یعنی تم کسی کو اتنا دو کہ وہ کہنے لگے بس بس خطاباً باب مفعلاً کا مصدر ہے، کلام، گفتگو۔ خطبة (ن) خطبہ دینا خطبة (ن) پیغام نکاح دینا۔ صواباً ٹھیک بات، حق راست درست خطا کی ضد ہے صواب کا استعمال دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک ذات شئی کے لحاظ سے یعنی وہ شئی جو شرعاً و عقلاً قابل تعریف ہو جیسے: تحری العدل صواب، (الانصاف کو مدنظر رکھنا ٹھیک ہے)۔ الکرم صواب (سخاوت عمدہ ہے) دوسرے ارادہ کرنے والے کے اعتبار سے جبکہ وہ مقصود کو اپنے ارادہ کے مطابق پالے۔ مثلاً اصاب بالسهم جب تیر نشانہ پر لگ جائے وغیرہ (ن) بارش ہونا، اوپر سے اترنا، نشانہ پر لگنا۔ (ض) نشانہ پر لگنا۔ ماآب: یہ مصدر بھی ہے اور اسم زمان و مکان بھی یعنی لوٹنا۔ لوٹنے کا وقت۔ لوٹنے کی جگہ۔ اوٹ و ایسات بھی مصدر ہیں۔ (ن) لوٹنا۔ امام راغب کہتے ہیں کہ اوٹ کسی صاحب ارادہ حیوان کے لوٹنے کو کہتے ہیں۔ اور لفظ جوع میں ارادہ کو خصوصی دخل نہیں ہے۔ گویا لوب خاص اور جوع معنوی اعتبار عام ہے۔

## ترکیب:

ان: حرف مشبہ بہ فعل للممتقین: متعلق مخذوف ہو کر خبر (وقدم للتخصیص) مفازاً مبدل منہ حدائق  
اپنے معطوفات واعنابا وکواعب اترا با (مرکب توصیفی) وکاسا دهاقا (مرکب توصیفی) سے ملکر بدل اشتمال یا بدل  
لغض۔ مبدل منہ بدل سے ملکر اسم۔ جملہ اسمیہ۔ لا یسمعون اپنے فاعل ضمیر متعلق فیہا اور مفعول بہ لغوا ولا کذا با  
(معطوفین) سے ملکر جملہ فعلیہ متانفہ یا للممتقین سے حال۔ جزاء فعل مخذوف کا مفعول مطلق۔ دونوں جملے جزاء اور  
عطاء، لا یسمعون کی ضمیر سے حال ہو سکتے ہیں۔ حساباً عطاء کی صفت ہے۔ اور رب السموات والارض  
وما بینہما (معطوفین) ربک سے بدل ہے اور بینہما فعل مخذوف کا ظرف ہے۔ اور جملہ ما کا صلہ الرحمن یا تو  
ربک کی صفت ہے۔ یا رب السموات کے لفظ رب کی صفت یا بدل ہے۔ لا یملکون فعل ضمیر فاعل اور متعلق منہ اور  
مفعول بہ خطابا سے ملکر جملہ فعلیہ الرحمن سے حال لازم ہے۔ وفی قراءۃ برفعہما علی انہا خبر ان لمبتداء  
مخذوف، ولا یملکون حال لازمة عمامر، فحینئذ الوقف المطلق علی ”حساباً“ وعلی ”الرحمن“ لاستیناف  
مابعدہما ولا وقف علی ”وما بینہما“، لثالیثم الانقطاع بین خبری مبتداء مضمراً، او ”رب السموات“ مبتداء  
”والرحمن“ نعت لہ ”ولا یملکون“ خبرہ او ”الرحمن“ خبرہ ولا ثان لہ او ”الرحمن“ مبتداء ثان ”ولا  
یملکون“ خبرہ۔ والجملة خبر للاول۔ وفی قراءۃ بجر ”الرب“ علی البدلیۃ ورفع ”الرحمن“ علی الابتداء  
والخبر ما بعدہ او علی انہ خبر لمبتداء محذوف وما بعدہ استیناف، او خبر ثان، او حال لازمة، فحینئذ الوقف  
علی ”ما بینہما“ ولا وقف علی ”حساباً“ ولا علی ”الرحمن“ وتوجیہ ظہر مما سبق فاحفظہ۔

یوم مضاف یقوم فعل الروح معطوف علیہ والملکۃ صفا ذوالحال وحال معطوف، معطوفین فاعل جملہ  
فعلیہ مضاف الیہ۔ مرکب اضافی ظرف لا یملکون فعل مذکور کا (اس صورت میں خطاباً پر وقف نہ ہوگا) یا لا یتکلمون  
کا ظرف ہے جو اس کے بعد ہے (اس صورت میں خطاباً پر وقف جائز ہے) لا یتکلمون فعل ضمیر بارز فاعل الاحرف  
استثناء من موصولہ اذن فعل لہ متعلق الرحمن فاعل جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول وصلہ ملکر ضمیر لا یتکلمون سے بدل بعض  
ہے یا منصوب باستثناء ہے یا بحسب العاقل مرفوع کیونکہ کلام غیر موجب میں ہے۔ اور لا یتکلمون جملہ۔ جملہ لا  
یملکون سے بدل ہے یا حال ہے الملکۃ سے اور یوم اس صورت میں لا یملکون کا ظرف ہوگا۔ (واظهار الرحمن فی  
موضع الاضمار فی ”اذن لہ الرحمن“ للا شعار بأن مناط الاذن هو الرحمة البالغة) وقال صوابا ای قولاً  
صواباً جملہ معطوف ہے اذن پر یا لہ کی ضمیر مجرد سے حال ہے۔ بتقدیر قد یا بلا تقدیر قد۔ اور قال کی ضمیر کا مرجع من  
ہے۔ لا یتکلمون ..... کو جملہ متانفہ بھی قرار دے سکتے ہیں۔ فقیل ما شانه تعالیٰ فی ذلک الوقت فقال لا  
یملکون ..... ذلک مبتداء الیوم الحق مرکب توصیفی خبر جملہ اسمیہ خبریہ۔ فمن فاء فصیحیہ (تفصح عن شرط  
محذوف) ای اذا کان الامر کذلک۔

فمن موصولہ متضمن لمعنی الشرط شاء فعل ضمیر فاعل مفعول مخذوف ای ان یتخذ الی ربہ مرجعاً جملہ صلہ۔  
موصول وصلہ مبتداء اتخذ الی ربہ ما با جملہ فعلیہ خبر (بمتر لہ جزا) جملہ اسمیہ ہوا۔ انا حرف مشبہ فعل معام اندرنا فعل

بافاعل کم مفعول بہ اول عذاباً قریباً مرکب توصیفی مفعول بہ ثانی۔ جملہ فعلیہ خبر۔ یوم مضاف ینظر فعل المراء فاعل ما موصولہ قدمت یدہ فعل فاعل جملہ فعلیہ صلہ موصول وصلہ مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ ویقول الکفر فعل فاعل یا تنبیہ کیلئے قائم تنبیہ کے یاباء حرف ندا قائم مقام ادعوا یا اطلب کے اور ایہا الحاضرون منادی محذوف لیت حرف مشبہ بہ فعل نون وقایہ کی متکلم اسم کنت تو بابا جملہ فعلیہ خبر اور یہ جملہ اسمیہ تنبیہ کے مفعول کے قائم مقام ہوا۔ پھر جملہ فعلیہ مقولہ مفعول بہ بقول اپنے فاعل ومفعول بہ سے ملکر معطوف ہوا۔ معطوفین ملکر یوم کا مضاف الیہ۔ یوم ینظر..... یوم یقوم الروح کی طرح عذابا سے بدل اشمال ہے یا کا ننا محذوف کا ظرف ہو کر ثانیہ ہے عذابا کی۔

### تفسیر: ربط آیات

پچھلی آیات میں طائفین (سرکشوں) کے انجام کا ذکر تھا۔ ان آیات میں متقین (پرہیزگاروں) کا حال بیان کرتے ہیں: وَبَصِّلَهُ هَاتَيْنِ الْأَشْيَاءِ چنانچہ یوم یقوم..... میں دونوں قسم کے لوگوں کا تقابل و امتیاز مذکور ہے نیز یہ بھی بیان کرنا ہے کہ متقین پر انعامات، طائفین کے عذابوں پر مزید ایک روحانی عذاب بصورت حسرت و حسد مسلط ہوگا۔ چنانچہ آخری آیت میں کافر کی حسرت بھری تمنا کا ذکر ہے۔ (کہ اے کاش میں خاک ہو کر ہی ان ذلت بھری سخت سزاؤں سے نجات پا جاتا)

### پرہیزگاروں کا ثواب:

مقتدیوں کو وہاں پر ہر طرح کی کامیابی حاصل ہوگی روحانی ہو کہ جسمانی، مفاز کے اطلاق میں تمام انعامات آگئے۔ پھر بھی بندوں کی چند مرغوبات کو خاص طور پر ذکر فرمایا گیا۔ حدائق باغات جو ہر طرف سے محفوظ ہونگے۔ اور ہر قسم کے میووں اور پھلوں سے لدے ہونگے۔ خصوصاً واعساباً انگور بکثرت ہونگے جو غذا کا بھی کام دیتے ہیں اور ان سے شراب بنتی ہے۔ باغ میں انگوروں کی ٹٹیوں کا سایہ بھی ہوتا ہے۔ اور ان سے باغ کی رونق بھی دوبالا ہوتی ہے۔ اور ان لذتوں اور نعمتوں کے باغات میں پری پیکر ہمنشیوں کی صحبت لطف و عیش میں چار چاند لگا دے گی۔ وہ ماہ جبین ہمنشین کون ہونگے؟ و کواعب اتسرابا..... نو جوان و نوخیز و شیرازیں ہوں گی۔ وہ آپس میں ہم عمر ہوں گی۔ اور ان کے شوہر جنسی لوگ بھی جواں سال ہوں گے۔ اس عمر کی مناسبت سے ان کی لذتیں کمال کو پہنچ رہی ہوں گی۔ پھر یہ سب کچھ ہوا و ردل میں حجاب ہو، ان چونچلوں کیساتھ اچھل کود نہ ہو، تو صحبت و ہمنشینی سوئی ہوئی رہتی ہے، اس لئے اس کا سامان بھی وہاں چھلکتے ہوئے ساغروں کی شکل میں موجود ہوگا۔ و کاسادھا ق..... اس فرحت و سرور میں ہمہ وقت تازگی پیدا ہوگی۔ اور یہ وہ شراب محبت الہی کی ہوگی، جو ان کو عالم رنگ و بو میں ساقی کوثر کے میخانے سے عطاء ہوئی تھی۔ پھر شراب کے ساتھ اگر وہ خرابیاں بھی ہوں جو دنیا کی شراب سے ہوتی ہیں، بے ہوشی، دروسر، مار پیٹ، بیہودہ بکواس، گالی گلوچ تو سارا مزہ ہی کر کر اہو جاتا ہے اور سرور باعث شرور بن جاتا ہے۔ اس لئے وہاں کی شراب ان خرابیوں سے پاک ہوگی۔

لایسمعون فیہا لغو ولا کذابا اس میں اشارہ ہے کہ وہاں کی شراب سے علم و ادراک و اخلاق پر کوئی برا اثر نہ ہوگا۔ یہاں کی فانی ظلمانی چیزوں پر محض نام کی شرکت کی بنا پر وہاں کی چیزوں کو قیاس کر کے اعتراض کرنا یا استہزاء کرنا صحیح نہیں و بددماغی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ جزاء من ربک..... پرہیزگاروں کو یہ نعمتیں ان کے اعمال و عقائد و معارف کے بدلہ میں پروردگار عالم



کی جانب سے عطا ہوں گی۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو یہاں بویگا وہی کانے گا۔ بغیر تقویٰ ان نعمتوں کی ہوس ایسی ہے جیسا کہ بغیر شادی کے اولاد کی تمنا۔ من ربک میں اشارہ ہے کہ یہ نعمتیں گواعمال کی جزا ہوں گی۔ مگر یہ جزا کسی تنگ دل و کم حوصلہ کی طرف سے نہیں ہوگی، بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی طرف سے ہے۔ جسکی بخشش و کرم کے سمندر رات دن بہتے ہیں۔ اسی لئے آگے فرمایا کہ یہ بدلہ بھی ایسی بھرپور عطائے ربانی ہوگی کہ بندوں کی کوئی تمنا و آرزو اس کے بعد باقی نہ رہے گی۔ عطاء حسبا..... صاحب مظہر فرماتے ہیں کہ شاید مطلب اسکا یہ ہے کہ متقیوں کو جو کچھ ملے گا وہ بظاہر ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہوگا، مگر درحقیقت وہ عطاء الہی ہوگی۔ کیونکہ انسانی اعمال تو ان نعمتوں کا بدلہ بھی نہیں بن سکتے جو ان کو دنیا میں دیدی گئی ہیں۔ آخر وہی نعمتوں کا حصول تو صرف فضل و انعام خداوندی و عطائے خالص ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال سے جنت میں نہ جائیگا۔ جب تک کہ حق تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کیا آپ بھی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں بھی اپنے عمل سے جنت میں نہیں جاسکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ فضل نہ فرمائیں۔ حسبا کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ عطاء کا فیا کثیر یعنی ایسی عطا جو اس کی تمام ضرورتوں کے لئے کافی، وافی اور کثیر ہو۔ یہ معنی اس محاورہ سے ماخوذ ہیں أَحْسَبْتُ فَلَانَا أَىٰ أَعْطَيْتُهُ مَا يَكْفِينِي حَتَّىٰ قَالَ حَسْبِيَ یعنی أَحْسَبْتُ کا لفظ اس معنی کے لئے آتا ہے کہ میں نے اس کو اتنا دیا کہ اسکے لئے بالکل کافی ہو گیا یہاں تک کہ وہ بول اٹھا حَسْبِيَ یعنی بس یہ میرے لئے بہت ہے۔ یہ قول ابن عتبہ کا ہے۔ (۲) دوسرے معنی حساب کے موازنہ اور مقابلہ کے بھی آتے ہیں۔ حضرت مجاہد نے اس جگہ بھی معنی لیکر مطلب آیت کا یہ قرار دیا ہے کہ یہ عطائے ربانی اہل جنت پر ان کے اعمال کے حساب سے مہذول ہوگی۔ اور اہل دوزخ کو ان کی بد اعمالیوں کے بقدر سزا ملے گی۔ صاحب مظہر فرماتے ہیں کہ جزا اعمال کے مطابق نہیں، بلکہ اللہ کی مشیت و فضل کے مطابق ملے گی کیونکہ ارشاد ربانی ہے کہ كَمْ مِّنْ عَمَلٍ غَنِيًّا أَتَيْتُ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سَنَابِلَةٍ مَّا فَةُ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ جس کا حاصل یہ ہے کہ نیکی کا ثواب سات سو گنا اور اس سے زائد جتنا اللہ جل شانہ چاہیں ملے گا اللہ کے خزانے میں کی نہیں۔ نیز اہل عمل کے اخلاص اور ان کے مراتب قرب کے اعتبار سے جزا ملے گی، کیونکہ مقررین کو تھوڑے عمل کا بھی اتنا عظیم اجر ملے گا کہ ابراہیم کو زیادہ عمل کا بھی اتنا نہ ملے گا۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو اگر تم سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی (راہ خدا میں خرچ) کر دے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مذہد بلکہ آدمی کے برابر بھی نہ ہوگا۔ (مذہد تقریباً ایک سیر کا ہوتا ہے) یہ فرق اہل قرب میں بھی درجات کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

لا يملكون منه عطابا اس جملہ کا تعلق اگر پہلے جملہ جزاء من ربک عطاء حسبا سے مانا جائے تو معنی یہ ہو گئے کہ حق تعالیٰ جو درجہ ثواب کا عطا فرمائیں گے اس میں کسی کو گفتگو کی مجال نہ ہوگی کہ فلاں کو زیادہ اور فلاں کو کم کیوں دیا گیا؟ اور اگر اس کو علیحدہ جملہ قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ محشر کو بغیر اجازت حق تعالیٰ خطاب کر نیکا اختیار نہ ہوگا۔ اور یہ اجازت بعض مواقع محشر میں ہوگی، بعض میں نہ ہوگی۔ کبھی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ بلا اجازت خداوندی کوئی شفاعت نہ کر سکے گا۔ يوم يقوم الروح والمملكة صفا يوم كاتعلق اگر يملكون سے ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جس دن روح اور ملائکہ کا قیام ہوگا اس دن اللہ سے کوئی خطاب نہ کر سکے گا۔ اور اگر لا يتكلمون سے تعلق ہے تو معنی یہ ہو گئے کہ روح اور ملائکہ کے قیام کے دن بغیر اجازت رحمن کوئی کلام نہ کر سکے گا۔ اول صورت زیادہ ظاہر ہے۔

## روح کیا ہے؟

روح کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ (۱) روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ان کا ذکر عام ملائکہ سے پہلے ان کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ یہ قول حضرت ضحاک کا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑے ہونگے، اور خوف خداوندی سے ان کے شانے لرزتے ہوئے اور عرض کرتے ہوئے: آپ پاک ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم نے اور مشرق سے مغرب تک کسی نے آپ کی عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔

(۲) روح اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان لشکر ہے جو فرشتے نہیں۔ ان کے آدمیوں کی طرح ہاتھ اور پاؤں ہیں ان کی ایک صف ہوگی۔ اور ایک فرشتوں کی۔ ابوصالحؒ، مجاہد، قتادہ کا یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت ہے کہ روح اللہ کی فوجوں میں سے ایک فوج ہے۔ جو ملائکہ نہیں اس کے سر بھی ہیں اور ہاتھ پاؤں بھی۔ پھر آیت یوم یقوم الروح تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ ایک صف ان کی ہوگی اور ایک انکی۔

(۳) بغویؒ نے حضرت مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے روح کو اولاد آدم کی شکل پر پیدا کیا ہے۔ جو فرشتہ آسمان سے اترتا ہے اس کے ساتھ روح کا ایک شخص ضرور ہوتا ہے۔ (۴) حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ روح سے مراد آدمی ہے۔ (۵) مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ روح اشرف الملائکہ ہے۔ وہ تمام فرشتوں سے زیادہ مقرب بارگاہ خداوندی و صاحب وحی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے دس ہزار بازو ہیں۔ اور وہ جسمانیات میں سب فرشتوں سے بڑا ہے۔ بغویؒ نے بروایت عطاءؒ اتنا اور نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن تہا روح ایک صف میں، اور باقی ملائکہ ایک صف میں کھڑے ہونگے۔ اور اس کی جسمانیات ان سب کے برابر ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روح ایک ایسا فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں۔ ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں۔ اور ہر زبان میں ستر ہزار بولیاں ہیں۔ اور ان تمام بولیوں میں وہ اللہ پاک کی پاکی بیان کرتا ہے۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ روح اللہ کا مقرب ہے۔ اللہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ تمام فرشتوں سے بڑا ہے اگر منہ کھول دے تو سارے ملائکہ اس میں سما جائیں۔ فرشتے اس کی بیعت کی وجہ سے اس کی طرف نظر اٹھا کر اوپر نہیں دیکھتے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ روح چوتھے آسمان پر ہے تمام آسمانوں، پہاڑوں اور فرشتوں سے بڑا ہے۔ بغویؒ نے اتنا اور بھی بیان کیا ہے کہ وہ روزانہ بارہ ہزار بار تسبیح (سبحان اللہ) پڑھتا ہے اور اس کی ہر تسبیح سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا فرمادیتے ہیں۔ قیامت کے دن روح تہا ایک صف ہوگا۔ ان سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ روح سب فرشتوں سے بڑا فرشتہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (مظہری)

(۶) حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ روح اس لطیفہ دُرّ اکہ کا نام ہے جو ہر مخلوق کو ملی ہے، آسمان ہو یا زمین، پہاڑ ہو یا درخت، ہوا ہو یا پانی، اسی کو دوسری جگہ ﴿مَلَكُوتٌ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (ہارہ: ۱۸، سورۃ المؤمنون، الآیہ: ۸۸) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اسی لطیفہ کی وجہ سے ہر شئی اللہ کی تسبیح و عبادت کرتی ہے۔ جیسا کہ ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبُحُ بِحَمْدِهِ﴾ (ہارہ: ۱۵، سورۃ الاسراء، الآیہ: ۴۴) اور ﴿كُلُّ شَيْءٍ عَالِمٌ صَلَوَاتُكَ وَتَسْبِيحُكَ﴾ (ہارہ: ۱۸، سورۃ النور، الآیہ: ۳۱) میں بیان فرمایا گیا ہے درحقیقت وہ ایک ایسا نورانی جوہر ہے۔ جو تمام جواہر و اعراض سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ساری بارگاہ

حق میں گواہ بنیں گی اور روز قیامت ہر ایک شئی مناسب شکل پر کھڑی ہو کر بارگاہ الہی میں شفاعت کریگی۔ (اس روح کے تعلق کا فرق حیوانات، نباتات وغیرہ میں سورہ ملک میں گذر چکا) اخیر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مفسرین نے روح کے بارے میں مختلف باتیں کہی ہیں لیکن حق بات یہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم۔

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَفْنٰ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ..... کوئی بھی بول نہیں سکے گا اور نہ کسی کی سفارش کر سکے گا۔ خواہ روح و ملائکہ ہو یا انبیاء علیہم السلام یا ان کے علاوہ جب تک اللہ رب العزت اجازت نہ دیدیں۔ پھر جس کی سفارش کی اجازت ملے گی وہ قاعدہ کے مطابق ہی سفارش کر سکے گا۔ ان کو کسی کافر یا بدعتی کی شفاعت کرنیکی نہ اجازت ہوگی نہ کسی کی مجال ہوگی کہ ان کے بارے میں بارگاہ حق میں کوئی لفظ کہہ سکے۔ بعض لوگوں نے قول صواب کا مصداق ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کو قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار کو بولنے اور معذرت کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور اہل بدعت کو شفاعت کی اجازت نہ ہوگی۔ خصوصاً ان کو جو شفاعت کے منکر ہیں۔ جیسے فرقہ معتزلہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

یوم ينظر الموء ما قدمت یدہ ..... یوم سے مراد بظاہر یوم القیامہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا۔ خواہ اس طرح کہ نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں آجائے گا اور اس میں اپنے اعمال دیکھ لیگا۔ یا اس طرح کہ محشر میں تمام اعمال مجسم اور متشکل ہو کر سامنے آجائیں گے۔ جیسا کہ بعض احادیث سے ثابت ہے احتمال یہ بھی ہے کہ یوم سے مراد موت کا دن ہو اور قبر و برزخ میں اپنے اعمال کو دیکھنا مراد ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور کا ارشاد ہے کہ آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل قبر ہے جس کو اس میں نجات ہوگی تو بعد والی منزلیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔ اور جو اس میں (عذاب سے) نہ بچا تو بعد والی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوتی ہیں۔ عذاب قبر کے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ قبر کے اندر اچھے اور برے اعمال کا مجسم ہو کر سامنے آنا بھی روایات صحیحہ میں موجود ہے۔

ما قدمت یدہ ..... اعمال کی نسبت ہاتھوں کی طرف اس لئے کی ہے کہ اکثر کام ہاتھوں ہی سے سرزد ہوتے ہیں یا ”یسداہ“ (ہاتھ) سے بطور کنایہ قدرت و قوت مراد ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قوت نظریہ (اعتقاد) اور قوت عملیہ (اعمال) سے کنایہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مراد اعمال کی دو قوتیں ہوں۔ یعنی نیک عمل کی قوت اور بد عمل کی قوت۔ واللہ اعلم

و یقول الکفر یتلّٰی ترابا ..... (اور کافر کہے گا کاش میں خاک ہو جاتا) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ قیامت کے دن ساری زمین ایک سطح مستوی (ہموار) ہو جائیگی۔ جسمیں انسان، جنات، زمین پر چلنے والے پالتو جانور اور وحشی جانور سب جمع کر دیئے جائیں گے۔ اور جانوروں میں سے اگر کسی نے دوسرے پر دنیا میں ظلم کیا ہوگا تو اس سے اس کا بدلہ دلویا جائیگا۔ یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ کی بکری کو مارا تھا تو آج اس کا بھی بدلہ دلویا جائیگا۔ جب اس سے فراغت ہوگی تو سب جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ۔ اس وقت کافر لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اس وقت مٹی ہو کر حساب کتاب اور جہنم سے بچ جاتے۔ (نعوذ باللہ)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ الکافر میں الف لام عہد کا ہے۔ اور اس سے مراد ابلیس ہے، کیونکہ اس نے آدم کی تخلیق خاکی کی تحقیر کی تھی، اور اپنی آتشیں خلقت پر فخر کیا تھا تو قیامت کے دن آدم و اولاد آدم کے ثواب اور استحقاق رحمت کو دیکھ کر اور اپنی بربادی کا مشاہدہ کر کے تمنا کریگا کہ کاش میں خاک ہو جاتا۔ تکبر و غرور اور نافرمانی نہ کرتا۔ (وَالْأَوَّلُ أَصْحٰ)

فائدہ..... آدمی کی اصل خاک، غذا، اخلاط اور منی سب کی اصل خاک ہی ہے اور سب چیزیں خاک سے بن کر آخر کار خاک بن جاتی ہیں۔ اس لئے صورت انسانہ سے بھاگنے کے لئے کافر کے ذہن میں خاک کے سوا کچھ نہ ہوگا پھر حیوانات کو خاک ہوتے دیکھے گا تو کافر خاک ہونے ہی کی تمنا کریگا۔ اپنی طرف لوٹایا اس کی آرزو کرنا ہی تقاضائے فطرت ہے۔ چنانچہ پریشان حال مسافر یہ کہتا ہے، کاش میں گھر سے نہ نکلتا یہ نہیں کہتا کہ کاش میں سفر سے پھر جاتا۔ اور بلا سے کمال دوری بھی اسی سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر عذاب و بلا سے دوری اور راحت سے قرب کی آرزو ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قبر میں دفن کرنے میں جسم انسانی کی عزت و راحت ہے۔ آگ میں جلانا یا پانی میں بہنا اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم

تَم تَفْسِيرُ سُورَةِ النَّبَاِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْاَرْضِ السَّمَوَاتِ الْعُلٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى  
 سَيِّدِ الْوَرَى وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَهْلِ السَّقٰى  
 اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

## سُورَةُ النَّازِعَاتِ

سورة النزعۃ مکيہ وہی ست واربعون اية وفيها ركوعان

رکوعات: ۲، آیات: ۴۶ سورة نازعات مکہ میں نازل ہوئی اس میں چھالیس آیات اور ذر رکوع ہیں کلمات: ۱۸۹، حروف: ۷۵۳ ربط و مناسبت:

بظاہر سورة نازعات کا ربط سورة والمرسلات سے زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کی ابتدا بھی پانچ قسموں سے ہوئی اور اس کی ابتداء بھی پانچ قسموں ہی سے ہے۔ یاد رکھئے کہ یہ انداز ابتدا پورے قرآن مقدس میں صرف پانچ سورتوں: (۱) صافات (۲) ذاریات (۳) مرسلات (۴) نازعات (۵) عادیات کا ہے۔ اول میں تین صفات ہیں۔ دوسری میں چار اور باقی تینوں میں پانچ پانچ ہیں۔ سورة عادیات چھوٹی سورت ہے۔ پھر اس میں دو صفات صیغہ فعل کے ساتھ مذکور ہیں۔ اس لئے یہ مناسبت میں کم ہے۔ لیکن مرسلات و نازعات میں بہت قوی ربط اور ہر طرح مناسبت ہے پھر غور کیا جائے تو سورة نبا اور سورة نازعات میں بھی کئی جزوی طور پر نہایت ربط و مناسبت ہے۔ مثلاً سورة نبا میں بھی سورة مرسلات کی طرح احوال قیامت کی شرح و تفصیل تھی، بلکہ سورة نبا گویا سورة مرسلات کی شرح تھی۔ سورة نبا میں قیامت کے بارے میں کفار کے انکار و استہزاء اور سوال کا جواب مذکور تھا۔ اس سورة نازعات میں قیامت کے مبادی کو باندازِ قسم بیان فرما کر قیامت اور اس جہان بقا کی اجمالی کیفیت کو ذکر کیا گیا ہے۔ مناسبت کی مزید تفصیل فتح العزیز میں دیکھئے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم کرے والا بہت مہربان ہے۔

وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا (۱) وَالنَّشِيطَاتِ نَشْطًا (۲) وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا (۳)

قسم ہے ان فرشتوں کی جو سختی سے جان نکالتے اور جو بند کھول دینے ہیں اور جو تیرتے ہوئے چلتے ہیں

قسم ہے	النزعۃ	غرقاً	و	النشيطۃ	نشطاً	و	السبحۃ	سبحاً
قسم ہے	زور سے چھیننے والے	ڈوبنا	اور	بند کھولنے والے	بند کھولنا	اور	تیرنے والے	تیرنا

فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا (۴) فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (۵) يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (۶)

پھر ان کی جو دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں یا پھر ان کی جو ہر معاملہ کا انتظام کرتے ہیں۔ قیامت ضرور آئیگی جس دن بلانے والی بلا ڈالے گی

پھر	فالسابقۃ	سابقاً	فالمُدبِّرَاتِ	أَمْرًا	يَوْمَ	تَرْجُفُ	الراجِفَةُ
پھر (قسم ہے)	آگے نکل جانے والے	آگے نکل جانا	پھر (قسم ہے)	تدبیر کرنے والے	کام	دن	کانپنے والی

تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ (۷) قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ (۸) أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ (۹)

جس کے بعد پیچھے آئی والی آ جائے گی۔ دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی۔

تَتَّبِعُهَا	الرَّادِفَةُ	قُلُوبٌ	يَوْمَئِذٍ	وَاجِفَةٌ	أَبْصَارُهَا	خَاشِعَةٌ
پیچھے آئیگی اس	پیچھے آئی والی	کتنے دل	اس دن	دھڑکنے والے	آنکھیں ان	نیچے ہونے والی

## لغات:

**النَزَعَتْ:** اسم فاعل جمع مَوْنَث، النازعة واحد (ض) کھینچنا، نکالنا۔ غرقاً: مصدر (س) ڈوبنا، گہرائی کے اندر سے شدت کیساتھ کھینچنا۔ یہاں غرق بمعنی اغراق ہے۔ **النَشِطَت:** اسم فاعل جمع مَوْنَث، النشاط واحد۔ بند کھولنے والے۔ فراء کہتے ہیں کہ نصرے معنی ہیں گرہ باندھنا۔ اور باب افعال سے گرہ کھولنا۔ اس لحاظ سے النشاطات کے معنی ”بند کھولنے والا“ درست نہ ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے النشاطات کا ترجمہ خوش ہونیوالی روئیں کیا ہے، اس صورت میں النشاطات (سمع) سے ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے، کافروں کی روح کو کھال اور ناخن کی تہہ سے سختی کے ساتھ کھینچنے والے، اس وقت نشاطات باب ضرب سے ہوگا۔ لیکن خلیل بن احمد فراہیدی نے کہا کہ نشاط اور انشاط دونوں کے معنی ہیں کسی چیز کو اتنا کھینچنا کہ وہ کھل جائے۔ اسی قول پر مولانا تھانویؒ و مولانا حقانیؒ و دہلویؒ کے ترجمے مبنی ہیں۔ **السَّبَحَت:** اسم فاعل جمع مَوْنَث (ترنے والیاں) (س) (مرفی المزمّل)۔ **السَّبِط:** اسم فاعل جمع مَوْنَث (آگے بڑھنے والیاں) **سَبَقَ سَبْقاً** (ض) آگے بڑھنا۔ **فالمُدبرَات:** اسم فاعل جمع مَوْنَث (انتظام کرنے والیاں) باب تفعیل سے انجام کو سوچنا۔ انتظام کرنا۔ یہاں بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما فرشتوں کی وہ جماعتیں مراد ہیں جو مجانب اللہ انتظام کائنات پر مامور ہیں۔ **ترجف:** صیغہ واحد مَوْنَث غائب (ن) لرزنا، کانپنا **الراجفة:** صیغہ واحد مَوْنَث اسم فاعل: کانپنے والی۔ تھر تھرانے والی۔ **الردافة:** پیچھے آنے والی۔ واحد مَوْنَث اسم فاعل ردف ردفاً (ن، س) پیچھے سوار ہونا۔ ردیف ہونا۔ ردیف بننا۔ **واجفة:** واحد مَوْنَث اسم فاعل (ض) مضطرب ہونا۔ لرزنا۔ باب افعال سے معتدی۔

## ترکیب:

واقسمیہ جارہ النزعۃ مجرور أقسم فعل محذوف کے متعلق غرقاً اسم قائم مقام اغراقاً مصدر کے جو مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے جیسے قَعَدَتْ جُلُوساً میں مفعول مطلق من غیر لفظہ ہے۔ والنشاط نشاطاً اسی ترکیب سے ما قبل پر عطف ہے۔ اگلے تینوں جملے بھی اسی طرح ہیں۔ البتہ امرأ مفعول بہ ہے والفاء فی الاخيرین للدلالة علی ترتیبہما علی مابیلہما بغیر محلہ۔ جواب قسم لَتُبْعَنَّ مابعد کے قرین کی وجہ سے محذوف ہے۔ یوم مضاف ترجف الراجفة فعل فاعل جملہ فعلیہ، تتبعها الردافة فعل مفعول بہ (ہا راجع الراجفة کی طرف) اور فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ الراجفة سے حال ہے۔ (ویوم القیمة زمان واسع للنفختین فلا اشکال) جملہ یوم کا مضاف الیہ ہوگا۔ اور یوم لتبعثن محذوف جواب قسم کا ظرف ہوگا یا ذکر فعل محذوف کا یا یومئذ واجفة کے متعلق محذوف کا قلوب مبتدا (شرأھو ذاناب) کے قبل سے ہے، یعنی اس کی توین تخصیص یا تعظیم کے لئے ہے، لہذا اس کمرہ کا مبتدا بننا صحیح ہے، یومئذ بہ ترکیب مشہور واجفة کا ظرف ہے جو خبر ہے قلوب مبتدا کی ابصار ہا مبتدا خاشعة خبر۔ جملہ اسمیہ۔ (وترک الواو بین الجملتين لکمال الانقطاع) دوسری ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قلوب موصوف واجفة اپنے ظرف سے ملکر صفت، مرکب توصیفی مبتدا۔ اور ابصار ہا خاشعة جملہ خبر ہے۔

## تفسیر:

وَالنَّزْعَاتِ غُرُقًا..... اس سورت کے شروع میں فرشتوں کی چند صفات بیان کر کے ان کی قسم کھائی گئی ہے اور جواب قسم بدلات حال وقرینہ مابعد محذوف ہے۔ فرشتوں کی قسم شاید اس وجہ سے کھائی گئی ہے کہ فرشتے نظام عالم میں دخل رکھتے ہیں اور اپنی اپنی خدمات بجالاتے ہیں۔ قیامت میں بھی جبکہ اسباب مادیہ کے رشتے ٹوٹ کر غیر معمولی حالات وواقعات پیش آئیں گے فرشتے وہی کام کریں گے۔ فرشتوں کی اس جگہ پانچ صفات بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق انسان کی موت اور نزاع روح سے ہے۔ اگرچہ مقصود قیامت کی حقانیت کا بیان کرنا ہے مگر اس کا شروع انسان کی موت سے کیا گیا ہے، کیونکہ ہر انسان کی موت ایک نوع قیامت ہے: مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ اور قیامت کے اعتقاد و یقین میں اس کا بڑا دخل ہے۔ پہلی صفت:..... النَّزْعَاتِ غُرُقًا نَزَاعَاتِ نَزَعٍ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی چیز کو کھینچ کر نکالنے کے ہیں اور غُرُقًا (بمعنی اغراقاً) اس کی تاکید ہے۔ پوری قوت و شدت کسی کام میں خرچ کر دینے کے معنی ہیں۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ اغْرَقَ النَّازِعُ فِي الْقَوَسِ (یعنی کمان کھینچنے والے نے اس کے کھینچنے میں اپنی پوری قوت خرچ کر دی) مراد اس سے وہ عذاب کے فرشتے ہیں جو کافر کی روح سختی کے ساتھ نکالتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ دیکھنے والے کو سختی کا احساس ہو۔ اسی لئے بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کافر کی روح بظاہر آسانی سے نکلتی ہے، مگر یہ آسانی ہمارے دیکھنے میں ہے۔ جو سختی اس کی روح پر ہو رہی ہے اس کو کون دیکھ سکتا ہے وہ تو خود اسی کو معلوم ہے یا اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے ہم کو معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس جملہ میں یہ خبر دیدی گئی ہے کہ کفار کی روح کھینچ کر سختی سے نکالی جاتی ہے۔

بنوئی نے معاملہ میں لکھا ہے کہ اس آیت میں وہ فرشتے مراد ہیں جو کفار کی روح کو انتہائی سختی سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے تیر کمان سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرشتہ ہر بال اور ناخن سے جان نکالتا ہے پھر چھوڑ دیتا ہے کافروں کے ساتھ اس کا یہ عمل جاری رہتا ہے۔ مقاتلؒ نے کہا کہ ملک الموت اور ان کے معاون فرشتے کافروں کی روحوں کو اس طرح کھینچے ہیں کہ جیسے شاخدار آکڑا دھنی ہوئی اور بیگی ہوئی اون سے کھینچا جاتا ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ نازعات سے مراد سینہ میں ڈوبی ہوئی سانس ہیں۔ حسنؒ وقادہؒ اور ابن کیسانؒ کے نزدیک ستارے مراد ہیں۔ جو ایک افق سے نکل کر دوسرے افق میں ڈوبتے ہیں۔ عطاء و عکرمہؒ نے کہا کھینچی ہوئی کمانیں مراد ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ تیر اندازوں کی جماعتیں مراد ہیں۔ لیکن عام مفسرین نے اس سے ملائکہ ہی مراد لئے ہیں۔ اور یہی قول زیادہ صحیح اور قوی ہے۔ واللہ اعلم

دوسری صفت:..... وَالنَّشْطَاتِ نَشْطًا یہ نَشْطٌ سے ہے جس کے معنی بندھن کھول دینے کے ہیں۔ جس چیز میں پانی ہو اور غیرہ بھرے ہوئے ہوں اس کا بندھن کھول دینے سے وہ پانی وغیرہ آسانی سے نکل جاتا ہے۔ اس میں مومن کی روح نکلنے کو بندھن کھول دینے سے تشبیہ دے کر بتایا ہے کہ جو فرشتے مومن کی روح قبض کرنے پر مقرر ہیں وہ آسانی سے اس کو قبض کرتے ہیں۔ سختی نہیں کرتے۔ یہاں بھی روحانی آسانی مراد ہے جسمانی نہیں، اس لئے کسی نیک آدمی کی روح دیر سے نکلنے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس پر واقعاً سختی ہو رہی ہے، اگرچہ جسم پر سختی کے آثار نظر آتے ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ نزاع روح کے وقت ہی سے برزخ کا عذاب کافر کے سامنے آ جاتا ہے، جس سے اس کی روح گھبرا کر بدن میں چھپنا چاہتی ہے فرشتے کھینچ کر نکالتے ہیں۔ اور مومن کی روح کے سامنے عالم برزخ کا ثواب نعمتیں اور بشارتیں آتی ہیں۔ تو اس کی روح ان کی طرف راغب اور متوجہ ہو جاتی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مومن دنیا سے انقطاع اور آخرت کی طرف توجہ کی حالت میں ہوتا ہے تو آفتاب جیسے روشن چہرے والے فرشتے جنت سے کفن اور بہشتی خوشبوئیں لیکر آتے ہیں۔ اور تا حد نظر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ملک الموت اس کے سر پہ بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے نفس مطمئنہ اللہ کی مغفرت، اور خوشنودی کی طرف نکل کر چل۔ فوراً جان اس طرح بہہ کر باہر آ جاتی ہے جیسے مشکیزہ سے پانی کا قطرہ، (ملک الموت) اس کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔ مگر وہ ملائکہ لمحہ بھر اس نفس کو ملک الموت کے پاس نہیں چھوڑتے۔ اور خود اپنے قبضے میں لے کر جنتی کفن اور بہشتی خوشبو میں رکھ دیتے ہیں۔ اور اس سے پاکیزہ ترین و بہترین مشک کی خوشبو نکلتی ہے۔ الحدیث اور کافر بندہ جب دنیا سے قطع تعلق کی حالت میں ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ فرشتے بدبودار ٹاٹ لے کر آتے اور تا حد نظر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آ کر اس کے سر پہ بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ، اے نفس غبیث، اللہ کے غضب کی طرف نکل کر چل، جان بدن کے اندر دوڑتی پھرتی ہے۔ مگر ملک الموت اس کو اس طرح کھینچ کر نکالتے ہیں کہ جیسے خاردار تار تروٹن سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے آخر وہ اس کو پکڑ کر نکال لیتے ہیں۔ پھر ملائکہ لمحہ بھر تاخیر کئے بغیر لے لیتے ہیں۔ اور ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس سے مردار جیسی بدبو نکلتی ہے دوسری روایت یہ ہے کہ ملک الموت کافر کی جان کو رگوں سمیت کھینچتے ہیں۔ (رواہ احمد)

تیسری صفت: ..... والسبحت سبحا سُبْح کے معنی تیرنے کے آتے ہیں اس جگہ تیزی سے چلنا مراد ہے جیسے دریا میں تیرنے والا یا کشتی وغیرہ چلنے والا سیدھا اپنی منزل مقصود کی طرف تیزی سے جاتا ہے اسی طرح ملائکہ موت بھی انسان کی روح قبض کر کے تیزی سے اس کو آسمان کی طرف لیجاتے ہیں۔

چوتھی صفت: ..... فالسبقت سبقا پھر سبقت کر نیوالے فرشتوں کی قسم۔ مطلب یہ ہے کہ جو روح فرشتوں کے قبضہ میں ہے۔ وہ اس کو لیکر اچھے یا برے ٹھکانے پر تیزی سے پہنچتے ہیں۔ مومن کی روح کو جنت کی ہواؤں اور نعمتوں کی جگہ میں اور کافر کی روح کو دوزخ کی ہواؤں اور عذابوں کی جگہ میں پہنچا دیتے ہیں۔

پانچویں صفت: ..... فالمد بروت امرا پھر امر الہی کا انتظام کر نیوالوں کی قسم۔ یعنی ان ملائکہ موت کا آخری کام یہ ہوگا کہ جس روح کو ثواب و راحت کا حکم ہوگا اس کے لئے راحت کا سامان جمع کر دیں۔ اور جس کو عذاب اور تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا اس کے لئے اس کا انتظام کر دیں۔

قبر و ثواب و عذاب: موت کے وقت فرشتوں کا آنا اور انسان کی روح قبض کر کے آسمان کی طرف لیجانا، پھر اس کے اچھے برے ٹھکانے پر جلدی سے پہنچا دینا اور وہاں ثواب یا عذاب، راحت یا تکلیف کے انتظامات کرنا۔ ان مذکورہ آیات سے ثابت ہو گیا کہ یہ عذاب و ثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔ حشر کا عذاب و ثواب اسکے بعد ہوگا۔ احادیث صحیحہ میں اس کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں۔

روح اور نفس کے متعلق صاحب مظہری کی ایک مفید تحقیق:

قاضی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نفس انسانی ایک جسم لطیف ہے جو اس کے جسم کثیف کے اندر سمایا ہوا ہے۔ اور وہ انہیں مادی عناصر پر جمع بنا ہے۔ فلاسفہ اور اطباء اسی کو روح کہتے ہیں، مگر درحقیقت روح انسانی ایک جوہر مجرد اور لطیفہ ربانی ہے جو نفس کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے اور نفس کی حیات خود اس لطیفہ ربانی پر موقوف ہے۔ گویا اس کو روح الروح کہہ سکتے ہیں، کیونکہ جسم کی زندگی نفس سے ہے۔ اور نفس کی زندگی اس روح سے وابستہ ہے اس روح مجرد و لطیفہ ربانی کا تعلق



اس جسم لطیف (نفس) کیساتھ کس طرح کا ہے؟ اس کی حقیقت کا علم اللہ سوا کسی کو نہیں۔ اس جسم لطیف (نفس) کو اللہ تعالیٰ نے اس آئینہ کی طرح بنایا ہے جو آفتاب کے سامنے رکھ دیا گیا ہو تو آفتاب کی روشنی اس میں ایسی آجاتی ہے کہ وہ آفتاب کی طرح چمک جاتا ہے نفس انسانی اگر علم نبویؐ کے مطابق محنت کر لیتا ہے تو وہ بھی منور ہو جاتا ہے ورنہ وہ جسم کثیف کے اثرات سے ملوث رہتا ہے یہی وہ جسم لطیف (نفس) ہے جس کو فرشتے اوپر لیجاتے ہیں۔ پھر اگر وہ منور ہے تو اعزاز کے ساتھ نیچے لاتے ہیں۔ ورنہ اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور وہ اوپر سے نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر روح مجرد کا تعلق اسی جسم لطیف کے واسطے سے جسم انسانی سے ہوتا ہے۔ اس جسم لطیف پر موت طاری نہیں ہوتی۔ قبر کا عذاب و ثواب بھی اسی جسم لطیف (نفس) سے وابستہ ہے۔ اس نفس کا تعلق قبر سے ہی رہتا ہے۔ اور روح مجرد علمین میں ہوتی ہے۔ روح مجرد بواسطہ نفس عذاب و ثواب قبر سے متاثر ہوتی ہے۔ الحاصل روح طبعی (نفس) کا مسکن قبر اور عالم برزخ ہے۔ اور لطیفہ ربانیہ (روح مجرد) کا مستقر علمین ہے۔ اس تقریر سے اس سلسلہ کی تمام روایات مختلفہ میں تطبیق ہو جائیگی۔ (وہذا التحقیق مفید للاساتذہ)

### درجات کمال یا صفات کمالیہ:

پچھلی سورت میں فساتون افواج..... (تم گروہ گروہ حاضر ہو گے) میں نفس انسانی کے پانچ مرتبوں کی طرف مجمل اشارہ تھا۔ یہاں اس سورت کے شروع میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر ان پانچ صفات یا مراتب کی طرف اشارہ کر دیا۔ جن کے سبب انسان خیر اور شر کے مراتب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز ہو کر الگ الگ گروہ بن جائیں گے۔ اور وہ گروہ گروہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونگے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان جب کسی (غیر، شر، دینوی، دینی، علمی، عملی) کمال کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ پانچ مرتبوں کو طے کر کے حد کمال کو پہنچتا ہے۔ ان مذکورہ پانچ صفات میں انہیں پانچ مراتب کمال کی طرف اشارہ ہے

**پہلا مرتبہ:** طالب موانع سے اپنے آپ کو دور کرے۔ یعنی مقصود کے حاصل کرنے میں جو چیزیں رکاوٹیں بنتی ہیں خود کو ان سے جدا کر لے۔ اس کو حضرت صوفیاء مجاہدہ کہتے ہیں۔ والنازعۃ..... میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

**دوسرا مرتبہ:** طالب کا اتنی مشقت و ریاضت اٹھانا جس سے مقصود کیساتھ ایک خاص دلچسپی پیدا ہو جائے۔ اور نفس میں مطلوب سے ایک خاص تعلق و رغبت اور اس کے حصول میں سرور و فرحت ہونے لگے۔ اس حالت کو نشاط (انگ) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اہل سلوک کے یہاں اس مرتبہ کا نام شوق و ذوق ہے۔ راہ مشکل کشائی اسی صفت پر موقوف ہے، لیکن یہ صفت پہلی صفت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، بلکہ مجاہدہ کی تکمیل کے بعد اس صفت تک رسائی ہوتی ہے والانشطۃ..... میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

**تیسرا مرتبہ:** مرتبہ شوق کی تکمیل سے نفس میں شغل مطلوب کی مہارت تامہ اور ملکہ راسخ پیدا ہو جاتا ہے یعنی وہ کام بے تکلف و بلا مشقت ہونے لگتا ہے، جیسے تیرنے والا بے تکلف پانی پر تیرتا ہے اسی طرح وہ اس شغل میں بے تکلف شناساوری کرتا ہے۔ اہل اللہ اس مرتبہ کو سیر احوال و مقامات سے تعبیر کرتے ہیں والسبۃ میں اسی کا بیان ہے اور یہیں سے میدان کمال کی ابتداء ہے۔

**چوتھا مرتبہ:** سیر میں اپنے ہم عصروں سے آگے بڑھ جائے اس لائن میں جو اوروں سے نہ ہو سکے یہ کر گزرے۔ اور یہ اعلیٰ کمال کا مرتبہ ہے جو مسابقت سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرف والسبقۃ..... میں اشارہ ہے اس حالت کو سبقت اور اہل معرفت کی اصطلاح میں طیران اور عروج کہتے ہیں۔

**پانچواں مرتبہ:** تمام مراتب مذکورہ حاصل ہونے کے بعد انسان اپنی لائن میں کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل میں لگ

جائے۔ اور دوسروں کا مقتدا، پیشوا، استاذ اور مرشد بن جائے۔ اور اس لائن کے طالبین اس سے رجوع کرنے لگیں۔ فقراء و صوفیہ کے یہاں اس مرتبہ کو رجوع، نزول اور دعوت الخلق الی الحق کہتے ہیں اس مرتبہ تکمیل و ارشاد کو فالمدبرات..... میں بیان کیا گیا ہے۔ الحاصل ہر کام میں خواہ وہ نیک ہو یا بد، خیر ہو یا شر ان مراتب کو طے کر کے تفوق حاصل ہوتا ہے، خیر کا طالب ان مرتبوں کو طے کر کے مرجع خلاقی و مرشد عالم بن جاتا ہے اور شر کو اختیار کرنے والا شریروں کا پیشوا بن جاتا ہے۔

### دوسری تفسیریں:

آیات مذکورہ کی سلف سے دوسری تفسیریں بھی منقول ہیں۔ مثلاً (۱) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اوصاف مذکورہ ستاروں کے ہیں۔ اول وصف طلوع وغروب کے اعتبار سے، دوسرا چمک و دمک کے اور روشنی کے اعتبار سے، تیسرا ان کی چال کے اعتبار سے جیسا کہ ﴿كُلُّ فِي فَلْبِكِ يَسْبُحُونُ﴾ (پارہ: ۲۳، سورۃ یس، الآیۃ: ۴۰) میں فرمایا گیا ہے چوتھا ان کی تیز رفتاری کے اعتبار سے، پانچواں ان کی تاثیر کے اعتبار سے۔ ستارے اور ان کا طلوع وغروب قدرت خداوندی اور امکان بعث و قیامت پر ایک روشن دلیل ہے۔ (۲) بعض مفسرین نے اخیر کا وصف ملائکہ کا قرار دیا ہے۔ باقی چار ستاروں کے۔ وہ کہتے ہیں کہ تدبیر کی نسبت ستاروں کی طرف مناسب نہیں، لیکن ستاروں کے مدبرات ہونے کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ حرارت و برودت اور شعاع و ضیاء کے اعتبار سے ان کی تاثیرات زمین پر پڑتی ہیں۔ اس اعتبار سے تدبیر کی نسبت ان کی طرف کردی گئی ہے مگر یہ توجیہ ضعیف ہے۔ (۳) بعض لوگوں نے پانچوں کلمات سے مراد ارواح لی ہیں۔ پہلی صفت ارواح ظلمانی کی ہے، کہ فراق جسم میں نزع شدید ہوتا ہے۔ دوسری صفت سے ارواح نورانی مراد ہیں۔ پھر اگلی دونوں صفتوں میں عالم بالا کی سیر کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اخیر کی صفت انبیاء و اولیاء کی روحوں کی ہے کہ اس عالم بالا میں وہ مدبر و مربی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آگے جاتا ہوں تمہارے لئے تیاریاں کرونگا۔ حضرت ابراہیم اہل ایمان کے بچوں کے مربی ہیں۔ دوسرے مؤمنین کی ارواح اس عالم میں جزوی تدبیر انجام دیتی ہیں۔ (۴) بعض کہتے ہیں کہ پانچوں صفات غازیوں کے گھوڑوں کی ہیں۔ ان کی رفتار کے اقسام اور فتح و ظفر کی طرف اشارہ ہے۔ (۵) ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ پانچوں صفات غازیوں کی صفات ہیں۔ فاذعات غازیوں کے ہاتھ ہیں ناشطات سے مراد ان کے تیر و کمان ہیں۔ مسابحات سے گھوڑے۔ مسابقات ان کا حملہ آور ہونا۔ مدبرات سے مراد فتح کی تدبیریں وغیرہ ہیں۔ لیکن تفسیر اول صحیح اور مختار جمہور ہے۔ واللہ اعلم۔

یوم تر جف الراجفۃ..... یوم جواب قسم محذوف کا ظرف زمان ہے۔ یعنی اے کافرو! تم قیامت کا انکار کرتے ہو۔ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائیگا جس دن لرزنے والی چیزیں (زمین پہاڑ وغیرہ) لرزیں گی بالاخر فنا ہو جائیں گی۔ (یہ سب کچھ نفع صور اول کے وقت ہوگا) اس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائیگا جس کو رادفہ کہا گیا ہے جس سے سارے جاندار زندہ ہو جائیں گے۔ ابتدائے نفع صور اول سے نفع ثانی تک ایک متصل زمانہ ہوگا۔ اسلئے گویا وہ زمانہ یوم واحد ہوگا۔ اس وجہ سے یوم لتبعثن محذوف جواب قسم کا ظرف ہے۔ فافہم۔

## راجفة اور رادفة:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ راجفہ سے مراد فتح اولیٰ ہے جس سے ہر شئی فنا ہو جائیگی۔ اور رادفہ سے مراد فتح ثانیہ ہے یہ فتح بعثت ہوگا۔ اس سے سب دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ دونوں فتحوں کے درمیان چالیس برس کی مدت ہوگی۔ حلیمیؒ نے بیان کیا کہ دونوں فتحوں کے درمیان چالیس سال کی مدت ہونے پر تمام روایات متفق ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف چالیس کا لفظ مذکور ہے اس کے ساتھ سال کا لفظ نہیں ان کی دوسری روایت میں چالیس سال مذکور ہے۔ حضرت ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ دونوں فتحوں کے درمیان وادی میں سیلاب ہو جائیگا۔ اور دونوں کے درمیان چالیس (دن یا مہینے یا سال) کا فاصلہ ہوگا۔ پھر ہر فنا شدہ حیوان (زمین سے) اگے گا۔ اگر ان کے مرنے سے پہلے کوئی گذرنے والا ان کی طرف سے گذرا ہو۔ اور پھر جی اٹھنے کے بعد ادھر سے گذرے تو ان کو پہچان لے (یعنی سب اول شکل و صورت پر دوبارہ پیدا ہوں گے کوئی فرق نہ ہوگا) پھر روحوں کو چھوڑا جائیگا اور بدنوں میں لا کر ملادیا جائیگا۔ آیت ﴿وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ﴾ (بارہ: ۳۰، سورۃ التکویر، الآیۃ: ۷) کا یہی مطلب ہے۔ قلوبت..... مارے خوف کے دھڑک رہے ہونگے۔ ابصار رہا ای ابصار اصحاب القلوب جن لوگوں کے دل بے قرار ہونگے ان کی نگاہیں دامت و شرم اور خوف و ہراس سے جھکی ہوگی۔

يَقُولُونَ ءَاِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ (۱۰) ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (۱۱)

مگر لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی حالت پر لوٹائے جائیں گے؟ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (لوٹائے جائیں گے) (۱۰)

يَقُولُونَ	ءَاِنَّا	لَمَرْدُودُونَ	فِي	الْحَافِرَةِ	ءَاِذَا	كُنَّا	عِظَامًا	نَّخِرَةً
کہتے ہیں	کیا ہم	البتہ پھیرے جائیں گے	فج	حالت پہلے	کیا	جب	ہو جائیں گے ہم	ہڈیاں
								نگلی ہوئی

قَالُوا تِلْكَ اِذَا كَرَّرْتَ خَاسِرَةً (۱۲) فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ (۱۳) فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (۱۴)

کہتے ہیں کہ پھر تو یہ واپسی بڑی خسارہ کی ہوگی۔ وہ تو ایک ہیبت ناک آواز ہوگی جس سے وہ سب میدان میں آ موجود ہوں گے۔

قَالُوا	تِلْكَ	اِذَا	كَرَّرْتَ	خَاسِرَةً	فَاِنَّمَا	هِيَ	زَجْرَةٌ	وَاحِدَةٌ	فَاِذَا	هُم	بِالسَّاهِرَةِ
کہا انھوں نے	اُس وقت	پھر آنا	ٹوٹے	خسارہ	فنا	وہ	ڈانٹا	ایک بار	پس ناگہاں	وہ	پچ روئے زمین

## لغات:

لمردودون: جمع مذکر اسم مفعول رَدَّ، رَدًّا (ن)، واپس کرنا۔ الحافرة: پہلی زندگی رَجَعَ فَلَانٌ فِی الْحَافِرَةِ پہلی حالت پر لوٹ گیا۔ اسی طریق پر واپس ہوا جس سے آیا تھا۔ اپنی مرضی سے جسکو خود اُتھا (گویا حافرة بمعنی بو سیدہ ہونا، چور چور ہونا۔ (ن ض) منمنانا۔ ناک میں سے آواز نکالنا۔ (ف) ناک میں انگلی ڈالکر کھجلانا۔ تفصیل سے بات کہنا۔ کمرہ: ایک بار۔ زجرة: جھڑکی، ڈانٹ (ن) جھڑکنا، ڈانٹنا۔ الساهرة: میدان، زمین، روئے زمین۔ امام رازی کہتے ہیں کہ سفید، ہموار زمین کو ساہرہ کہتے ہیں۔ اسلئے کہ (ا) اس پر چلنے والا خوف سے سوتا نہیں۔ (۲) اس میں سراب (ریگ رواں) ہوتا ہے یہ عرب کے محاورہ عَيْنٌ سَاهِرَةٌ سے ماخوذ ہے۔ سہر سہرا (س) جاگنا۔ بیدار رہنا۔ قیامت میں شدت خوف سے آدمی کی نیند اڑ جائیگی۔ اس لئے بھی میدان حشر کا نام ساہرہ رکھا گیا۔

## ترکیب:

يقولون فعل ضمير جمع (عائد الى منكري البعث) فاعل - همزة برائے استفہام انکاری انما مع اسم لمردودون اپنے متعلق فی الحافرة سے ملکر خبر ان جملہ اسمیہ مفعول بہ - ہمزه مثل سابق اذا بمعنی وقت مضاف کنا فعل ناقص مع اسم عظاما نخرة موصوف وصف تمل کر خبر جملہ مضاف الیہ اذا کا - مرکب اضافی يقولون محذوف کا ظرف - جملہ فعلیہ ہوا - قالوا فعل ضمیر جمع فاعل (عائد الى منكري البعث) تلک مبتدا (اشارۃ الی الرجعة المفهومة من قوله لمردودون) اذا ظرف (والعامل فيه معنى الاشارة) وظرف للكرة وتنوينه عوض عن المضاف الیه - كرة خاسرة موصوف وصف خبر - جملہ اسمیہ خبریہ مقولہ قالوا کا - فانما فاء تعلیلیہ (یہ جملہ علت بعث ہے) ان حرف مشبہ بالفعل ما کافہ ہی (ای الكرة وقيل الرادفة) مبتدا زجرة واحدة مرکب توصیفی خبر - جملہ اسمیہ خبریہ - فاء سیمیہ ہے یا عطف کے لئے ہے - اذا مفاعاتیہ (من الظروف الزمانية عند الزجاج والمكانية عند المبرد) مضاف - هم مبتدا - با حرف جر بمعنی علی، الساهرة مجرور سے ملکر متعلق ثابتون محذوف کے ہو کر خبر - جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مضاف الیہ اذا کا اور وہ فقأ جئوا کا ظرف زمان یا مکان - ای فقأ جئوا زماناً أو مکاناً ثبو تهم علی وجه الارض. او فاذا هم متلبسون بالابدان الساهرة. واللہ اعلم

## تفسیر:

قیامت کا کچھ حال بیان فرما کر کفار کے ان بے ہودہ اقوال کو نقل فرماتے ہیں جو..... غفلت و جہالت کی وجہ سے اس دنیا میں ان سے سرزد ہوتے ہیں۔ وہ بطور استہزاء کہتے ہیں کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ پہلی ہی طرح زندہ ہو جائیں گے؟ جب ہڈیاں چور چور ہو جائیں گی۔ پھر ہم زندہ کئے جائیں۔ ایسا ہوا تو ہم بڑے گھائے میں رہیں گے۔ یہ سب باتیں بطور استہزاء کہتے ہیں۔ ان کے ان اقوال کے جواب میں باری تعالیٰ نے وقوع قیامت کو بیان فرمایا ہے۔ فانما ہی..... کہ وہ کوئی مشکل نہیں بس ایک ہیبت ناک آواز (نخ صور) سے سب کے سب سطح زمین پر آجائیں گے جس طرح گویا سوائے ہوؤں کو چگا دیا گیا ہو۔ فاذا هم بالساهرة کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ لوگ قیامت کے دن فوراً جاگ اٹھیں گے۔ اس میں موت کو نیند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے حدیث میں نیند کو موت کے مثل فرمایا گیا۔ النوم أخو الموت (الصحيح للإمام مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جامع صلاة الليل ومن نام عنها، ج: ۱، ص: ۵۱۲، رقم: ۷۴۶)۔ اس صورت میں یہ لفظ لیلۃ ساهرة سے ماخوذ ہوگا۔ جس کے معنی ہیں۔ ”رت جگے کی رات“ نیند اور موت میں اسی طرح رات کے اچھے اور برے خوابوں میں اور عذاب قبر میں بہت مناسبت ہے۔ فقکر، دوسرے معنی یہ ہیں کہ پھر ایک دم وہ میدان میں حاضر ہو جائیں گے۔ ساہرہ سے کیا مراد ہے؟

اس میں مختلف اقوال ہیں (۱) زمین (۲) روئے زمین (۳) کھلا میدان (۴) سفید و ہموار زمین جس میں گھاس پھوس پیڑ، پودے، عمارت وغیرہ کچھ نہ ہو۔ (۵) ارض القیلة اور میدان حشر ان سب اقوال کا حاصل ایک ہی ہے (۶) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ چاندی کی صاف و پاک زمین ہے جس پر کوئی گناہ نہیں ہوا (۷) ساتویں زمین جس کو اللہ تعالیٰ اوپر لے جائیں گے اور اس پر حساب

کتاب ہوگا۔ وَذَٰلِكَ حِسَابُ الْآرِضِ غَيْرِ الْأَرْضِ (۸) وہب بن منہ کہتے ہیں کہ وہ سرزمین شام ہے جس کو اللہ تعالیٰ اتنی وسیع کر دیں گے کہ تمام مخلوق اس پر آجائیں گی۔ (۹) ابو العالیہ وسفیان ثوری فرماتے ہیں کہ وہ بیت المقدس کے قریب والی زمین ہے۔ قول ۸، ۹ کا حاصل ایک ہی ہے۔ (۱۰) ایک جنگل ہے جہنم کے کنارے پر (۱۱) قنادہ کہتے ہیں کہ ساہرہ جہنم ہی کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں کسی کو نیند نہیں آئے گی۔ (۱۲) ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ سرزمین مکہ ہے۔ واللہ اعلم۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى (۱۵) اِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (۱۶)

کیا آپ کو موسیٰ کا قصہ پہنچا ہے؟ جب ان کے رب نے انہیں ایک پاک میدان یعنی طوی میں پکارا

هَلْ	أَتَاكَ	حَدِيثُ	مُوسَى	إِذْ	نَادَاهُ	رَبُّهُ	بِالْوَادِ	الْمُقَدَّسِ	طُوًى
کیا	آئی تیرے	حَدِيثُ	موسیٰ	جب	پکارا اس	رب اس	پاک میدان	مقدس	طوی

اِذْ هَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ (۱۷) فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلَىٰ أَنْ تَزْكَىٰ (۱۸) وَاهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ

کہ آپ فرعون کے پاس جاییں کیونکہ اس نے سر اٹھا رکھا ہے پھر اس سے کہئے کہ کیا تو درست ہونا چاہتا ہے۔ اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں

اِذْ	هَبْ	إِلَىٰ	فِرْعَوْنَ	إِنَّهُ	طَغَىٰ	فَقُلْ	هَلْ لَّكَ	إِلَىٰ	أَنْ	تَزْكَىٰ	وَاهْدِيكَ	إِلَىٰ	رَبِّكَ
جا	طرف	إِلَىٰ	فرعون	تحقیق اس	سرکشی کی ہے	پس کہہ	کیا	تجھ کو	طرف	اسکی کہ	پاک ہو تو	اور رستہ بتاؤں	پروردگار تیرے

فَتَحْشَىٰ (۱۹) فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ (۲۰) فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ (۲۱) ثُمَّ أَذْبَرَ يَسْعَىٰ (۲۲)

کہ تو اس سے ڈرنے لگے۔ پھر موسیٰ نے اس کو بڑا معجزہ دکھلایا تو اس نے جھٹلا دیا اور کہنا نہ مانا۔ پھر جدا ہو کر کوشش کرنے لگا۔

فَتَحْشَىٰ	فَأَرَاهُ	الْآيَةَ	الْكُبْرَىٰ	فَكَذَّبَ	وَعَصَىٰ	ثُمَّ	أَذْبَرَ	يَسْعَىٰ
پس ڈرے تو	پس دکھادی اس	نشانی	بڑی	پس جھٹلایا	اور	تافرمانی کی	پھر	پہنچ پھیری

فَحَشَرَ فَنَادَىٰ (۲۳) فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ (۲۴) فَآخَذَهُ اللَّهُ

پھر جمع کر کے با آواز بلند کہا۔ کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ تو اللہ نے اس کو

فَحَشَرَ	فَنَادَىٰ	فَقَالَ	أَنَا	رَبُّكُمُ	الْأَعْلَىٰ	فَآخَذَهُ	اللَّهُ
پس اکٹھا کیا	پس پکارا	پس کہا	میں	پروردگار تمہارا	سب سے بلند	پس پکڑا اس	اللہ

نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ (۲۵) إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنِ يَخْشَىٰ (۲۶)

آخرت اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کیا۔ بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس شخص کے لئے جو ڈرتا ہو۔

نَكَالَ	الْآخِرَةِ	وَالْأُولَىٰ	إِنَّ	فِي	ذَٰلِكَ	لَعِبْرَةً	لِّمَنِ	يَخْشَىٰ
عذاب	آخرت	اور	دنیا	حقیق	میں	البتہ نصیحت	واسطے اس شخص	ڈرتا ہے

لغات:

السَّوَاد اسم مفرد اصل میں السَّوَادِ تھا۔ دو پہاڑوں کے درمیان کا میدان۔ مراد اس سے وادی طور ہے۔ جمع الاودیہ ہے۔ وادی و دیا (ض) بہنا، قریب کرنا، دینے: خون بہا دینا۔ المقدس پاک کیا ہوا، مبارک۔ باب تفعیل سے اسم مفعول مادہ قدس ہے۔ قَدَسَ قَدْ سَأَ قَدْ سَأَ (ن) پاک ہونا۔ بابرکت ہونا۔ الْقُدُّوسُ (مبارک) پاک، باری تعالیٰ کے

اسماء میں سے ہے۔ یعنی ہر نقص و عیب سے پاک۔ طوی بالضم والكسر، بالتنوين وبلا تنوين ملک شام میں ایک وادی ہے۔ یہ منصرف بھی ہے کہ وادی اور مکان کا نام ہے۔ اور غیر منصرف بھی بتاویل بقعة۔ بعض نے کہا کہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ طوی کے معنی شئی شئی کے ہیں یعنی وہ چیز جس کو دوبار عمل میں لایا گیا ہو۔ وہ لوگ واد المقدس طوی کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں ”وہ وادی جس کی دودفعہ تقدیس کی گئی ہو۔ طوی طوی (ض) لپیٹنا، طے کرنا۔ تنزکی (تو سنور جائے، پاک ہو جائے) مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر دراصل تنزکی تھا ایک تاء حذف ہو گئی۔ باب تفعّل کی ایک تاء کو مضارع میں تخفیفاً حذف کر دیتے ہیں۔ زَكَازُ كَاءُ (ن) زَكَيْ زَكَيْ (س) بڑھنا، نیک ہونا، زکی ہونا وغیرہ حشر (ن ض) جمع کرنا۔ نکال ایسا عذاب جو باعث عبرت ہو، عبرة نصیحت حاصل کرنا۔ دوسرے کے حال پر اپنے حال کو قیاس کرنا۔ اصل میں عبر کے معنی ایک حال سے دوسرے حال میں گزرنے کے ہیں۔ عبرة کی جمع عبر ہے جیسا کہ سدر فکی جمع سدر ہے۔ عبور مصدر (ن) ایک جانب سے دوسری جانب پہنچ جانا۔ علامہ خازن رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے۔ العبرة الدلالة الموصلة الى اليقين المؤدية الى العلم (عبرت وہ دلالت ہے جو یقین تک پہنچ جاتی اور علم تک رسائی کراتی ہے۔

ترکیب:

هل برأے استفہام اتک حدیث موسیٰ فعل، مفعول بہ، فاعل علی الترتیب۔ جملہ فعلیہ۔ اذ کو فعل بافاعل محذوف اذ مضاف نادى فعل ھ مفعول بہ ربہ مرکب اضافی فاعل باء جارہ الواو المقدس موصوف وصفت مبدل منه طوی بدل۔ مجرور ہو کر متعلق نادى جملہ فعلیہ مضاف الیہ۔ مرکب اضافی مفعول فیہ فعل محذوف اذ کو کا۔ جملہ فعلیہ طوی اگر مصدری معنی میں لیا جائے تو مفعول مطلق ہوگا۔ نادى کا یا المقدس کا (من غیر لفظ الفعل) والجملة مستانفة۔ قال فعل محذوف ضمیر فاعل اذ ھب فعل بافاعل الی فرعون متعلق۔ جملہ فعلیہ مقولہ انہ حرف مشبہ محاسم طغی فعل ضمیر عائد الی فرعون فاعل۔ جملہ فعلیہ خبر۔ جملہ اسمیہ علت ما قبل۔ فاء عاطفہ قل فعل بافاعل هل استفہامیہ لک جار مجرور متعلق حصل وغیرہ کے خبر مقدم ان تنزکی جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مجرور الی۔ متعلق میل یا رغبة کے ہو کر مبتدا مؤخر جملہ اسمیہ مقولہ قل ہوا۔

واھدی فعل بافاعل ک مفعول بہ الی ربک متعلق جملہ فعلیہ فاء تفریعیہ برأے عطف تخشی فعل بافاعل ھ مفعول بہ محذوف (حذف لرعاية الفاصلة) جملہ فعلیہ معطوف ما قبل فاء عاطفہ اور معطوف علیہ اس کا محذوف ہے وَأَصْلُ الْعِبَارَةِ هَكَذَا وَذَهَبَ مُوسَىٰ وَبَلَغَ فِرْعَوْنُ فَقَالَ لَنَ أُوْمِنَ حَتَّىٰ أَرَىٰ الْآيَةَ الْوَاضِحَةَ فَأَرَىٰ..... اری فعل ضمیر راجع بسوئے موسیٰ فاعل ھ مفعول بہ اول الایة الکبریٰ موصوف صفت مفعول بہ ثانی۔ جملہ فعلیہ۔ فاء تعقیبیہ کذب فعل ضمیر فاعل (راجع الی فرعون) جملہ فعلیہ ماسبق پر معطوف وعصى جملہ فعلیہ معطوف، لہذا اور دونوں فعلوں کے مفعول بہ محذوف ہیں ای کذبہ وعصاه (رعاية للفاصلة) ثم ادبر بھی جملہ فعلیہ ما قبل پر معطوف اور یسعی جملہ فعلیہ ادبر کی ضمیر فاعل سے حال ہے اور فحشر اور فنا دی دونوں جملوں کا عطف بھی ما قبل پر ہے۔

فقال انا مبتدا ربکم مرکب اضافی موصوف الی علی صفت۔ مرکب توصیفی خبر جملہ اسمیہ مقولہ قال پھر جملہ فعلیہ ما قبل پر معطوف فاء عاطفہ اخذه الله فعل مفعول بہ اور فاعل نکال الاخرة والاولیٰ مرکب اضافی مفعول مطلق

فعل محذوف فنکله نکال..... یا اخذ کا مفعول مطلق ہے کیونکہ معنی اتحاد ہے ای فعذبہ عذاب الآخرة..... یا بخذف مضاف ای اخذہ اللہ اخذ نکال الآخرة والاولیٰ. یا مفعول لہ ہے ای اخذہ لاجل نکال منصوب بزعم الخافض ہے ای اخذہ بنکال..... وهو الاحراق وتعذب بالدنیا الاغراق. (وانما قدم عذاب الآخرة لانه هو المقصود والشديد. و آخر عذاب الدنيا لانه وسيلة واخف بالنسبة اليه. فافهم. فی ذلک حاصل وغیرہ کے متعلق ہو کر ان کی خبر مقدم۔ من موصولہ یخشی جملہ فعلیہ صلہ سے مل کر مجرور لام ہو کر متعلق لعبرة کے ہوا اور وہ اسم ان ہے۔ جملہ اسمیہ متانفہ ہوا۔ ای فما فائدة ذکر هذه القصه؟ ﴿فقال ان في ذلك...﴾ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تفسیر:

مکرمین قیامت کفار مشرکین کی ضد وعداوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچتی تھی۔ جس کا ازالہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و فرعون کا قصہ بیان فرما کر کیا گیا کہ مخالفین سے ایذا رسانی کچھ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ دوسرے انبیاء کرام کو بھی بڑی بڑی ایذائیں پہنچی ہیں۔ انہوں نے صبر کیا اور آپ بھی صبر سے کام لیں۔ مقصود اس قصے کا آپ کو تسلی اور بشارت دینا بھی ہے۔ اور کفار کو وعید و تنبیہ کرنا بھی۔ نیز یہ نبوت و رسالت پر دلیل بھی ہے۔ اول تو یہ کہ رسالت محمدیہ کوئی نئی چیز نہیں، پہلے سے نبی ہوتے چلے آئے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام، پھر ان کا واقعہ ایک امی کا بیان کر دینا بھی دلیل نبوت ہے۔ علاوہ ازیں مسئلہ معاد پر دلائل عقیدہ کے بعد قصہ موسیٰ دلیل نقلی ہے۔ جس کا تعلق ایک جم غفیر کے مشاہدہ سے ہے۔ وہ یہ کہ عصائے موسیٰ میں باوجود حیات نہ ہونے کے حق سبحانہ نے روح پھونک دی تھی اسی طرح مردوں میں بھی روح پھونک دی جائیگی۔

قصہ موسیٰ علیہ السلام:

قصہ موسیٰ علیہ السلام قرآن پاک میں اکثر سورتوں میں مذکور ہے۔ اہل عرب بھی اس کو اجمالاً جانتے تھے اس سورت میں حسب ضرورت مدین سے واپسی کے بعد کے چند اجزاء بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ ان کی پیدائش، دریائے نیل میں ڈالا جانا، فرعون کے محل پہنچنا، والدہ کے پاس واپسی، پھر دو دوہ پلانے کی مدت کے بعد فرعون کے محل میں پرورش، جوانی میں قبطی کا قتل اور مدین پہنچنا وغیرہ یہ سب اجزاء یہاں مذکور نہیں ہیں۔ یہاں پر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وادی طویٰ میں نبوت و رسالت سے سرفراز فرما کر فرعون سرکش کے پاس بھیجا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو دعوت ایمان دی اور معجزہ عصا و یذیضہ دکھا کر اپنی رسالت پر دلیل قائم کی۔ مگر وہ نہ مانا تو اللہ نے اس کو دنیا کے عذاب (غرق) اور آخرت کے عذاب (دوزخ) میں گرفتار کر لیا۔ اس قصہ میں بڑی عبرت ہے کہ نبی و رسول کی مخالفت سے دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جاتی ہیں۔ اور ابدی ذلت و رسوائی میں گرفتار ہونا پڑتا ہے۔

ء اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا (۲۷) رَفَعَ سَمُكَهَا فَسَوَّهَا (۲۸)

بھلا تمہارا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا؟ اللہ نے اسکو بنایا اس کی چھت کو بلند کیا او اس کو درست کیا

ء اَنْتُمْ	اَشَدُّ	خَلْقًا	اَمِ	السَّمَاءُ	بَنَاهَا	رَفَعَ	سَمُكَهَا	فَسَوَّهَا
کیا	تم	سخت تر	یا	آسمان	بنایا اس	بلند کیا ہے	موٹاپا اس	پس برابر کیا اس

وَاعْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا (۲۹) وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا (۳۰)

اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا۔ اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔

وَ	اعْطَشَ	لَيْلَهَا	وَ	أَخْرَجَ	ضُحَاهَا	وَ	الْأَرْضَ	بَعْدَ	ذَلِكَ	دَحَاهَا
اور	ڈھا تک دیا	رات اس	اور	نکال دیا	دھوپ اس	اور	زمین	پچھے	اس	بچھادیا

أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءً هَائًا وَمَرْعَاهَا (۳۱) وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا (۳۲) مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ (۳۳)

اس سے اسکا پانی اور اس کا چارہ نکالا۔ اور پہاڑوں کو قائم کر دیا۔ تم کو تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے۔

أَخْرَجَ	مِنْهَا	مَاءً هَائًا	وَ	مَرْعَاهَا	وَ	الْجِبَالَ	أَرْسَاهَا	مَتَاعًا	لَّكُمْ	وَ	لِأَنْعَامِكُمْ
نکالا	سے اس	پانی، اس	اور	چارہ اس	اور	پہاڑوں	گاڑ دیا ان کو	فائدہ	واسطے تمہارے	اور	واسطے چار پالیوں تمہارے

لغات:

أَشَدَّ صِيغَةُ تَفْصِيلٍ (ن) نہایت سخت، بہت قوی۔ بَنَسَى صِيغَةُ وَاحِدٍ كَرَعًا غَاب (ض) بنانا، تعمیر کرنا۔ سَمَكَ بوجھ چھت، بلندی۔ (ن) بلند کرنا۔ سَوَى باب تَفْعِيل سے برابر کرنا۔ درست کرنا۔ مجرد میں (س) سے لازم۔ اَعْطَشَ باب افعال سے تاریک کرنا۔ تاریک ہونا۔ غَطَشَ غَطْشًا (ن) تاریک ہونا غطشا و غطشانا (ض) مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے آہستہ آہستہ چلنا۔ غطشا کمر و نظر والا ہونا۔ ضَحَى وہ وقت جس میں دھوپ چڑھ جائے، وقت چاشت ضحی مثل ہدیٰ مونث ہے، تغیر ضَحِيَّةٌ اور ضَحَى ہے ثانی بہتر ہے تاکہ ضَحْوَةٌ کی تصغیر کے مشابہ نہ ہو۔ بعض اہل لغت نے اس کو مذکر مانا ہے۔ (ن سر) دھوپ لگنا، دھوپ کھانا، دَحَى دَحْوًا (ن) بچھانا، ہموار کرنا۔ مرعى چراگاہ اسم ظرف باب فتح۔ ارسى افعال سے ٹھہرنا۔ ثابت ہونا اور ٹھہرانا۔ کشتی کو لنگر انداز کرنا۔ کھونٹا زمین میں گاڑنا۔ رَسَا رَسْوًا وَرَسْوًا (ن) ٹھہرنا، ثابت ہونا۔ استوار ہونا۔

ترکیب:

(ع) برائے استفہام تقریری۔ انتم مبتدأ أشد خلقاً ممیز تیزخبر۔ جملہ معطوف علیہ ام حرف عطف (لاحدا الامرین

مبہما عند المتکلم وھنالتو بیخ المخاطبین) السماء مبتدأ خبر محذوف أشد خلقاً جملہ اسمیہ معطوف بنہا فعل ضمیر

مستتر فاعل ومفعول بہ جملہ بیان وتفصیل لکیفیتہ خلقہا۔ رفع فعل ضمیر فاعل سمکھا مفعول بہ جملہ فعلیہ بیان للبناء۔

فسوھا جملہ فعلیہ معطوف ماقبل پر۔ اسی طرح اعطش لیلھا واخرج ضحھا تمام جملے فعلیہ ہوکر ماقبل پر معطوف

ہیں۔ دحی محذوف ضمیر فاعل الارض مفعول بہ جملہ مفسر بعد ذلک دحی فعل کا ظرف اور یہ جملہ فعلیہ تفسیر ہوا۔

اخرج فعل ضمیر فاعل منها متعلق ماء ھا معطوف علیہ مرعھا معطوف۔ معطوفین مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ والجبال

ارسھا مثل والارض بعد ذلک دحھا۔ متاعا باب تفعیل کا مصدر ہے مثل سلام کے یہ یا تو افعال سابقہ کا مفعول

لہ ہے یا ان کا مفعول مطلق من غیر لفظ ہے۔ اس لئے کہ افعال ثلاثہ مذکورہ تمتیع کے معنی میں ہیں یا معنی یہ ہیں کہ متعکم بذ

لک فمتعتم متاعا۔ لکم ولانعامکم متاعا کے متعلق۔



## تفسیر:

ان آیات میں باری تعالیٰ نے منکرین حشر و فشر کے اس شب کو زائل فرمایا ہے کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد کیسے زندہ کئے جائیں گے۔ تو باری تعالیٰ نے ان آیات میں زمین و آسمان اور ان کے اندر کی پیدا کی ہوئی عظیم مخلوقات کا ذکر کر کے غافل و منکر انسانوں کو خبردار کیا ہے کہ جس ذات عالی نے ایسی عظیم الشان مخلوقات کو بغیر کسی مادہ اور آلہ کے ابتداء وجود دیا ہے وہ اگر ان کو فنا کر کے دوبارہ وجود عطا فرمادے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اور حضرت انسان تو زمین و آسمان کے مقابلہ میں بہت چھوٹی سی مخلوق ہے۔ ﴿وَلَخَلَقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (پارہ: ۲۴، سورۃ الغافر، الآیۃ: ۵۷)۔ (یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کے پیدا کرنے کی بہ نسبت بڑا کام ہے لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے)

تخلیق ارض و سماء کی ترتیب اور ایام تخلیق کی تعیین:

”بیان القرآن“ میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر مختصر و مفصل قرآن مجید میں سینکڑوں جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا اور بعد میں کیا بنا۔ غالباً صرف تین ہی جگہ آیا ہے۔ ایک آیت (۱۳ تا ۹) حم سجدہ میں، دوسری جگہ سورہ بقرہ کی آیت (۲۹) میں، تیسری جگہ سورہ نازعات کی یہ آیات:

ء انتم اشد..... اور سرسری نظر میں ان سب مضامین میں کچھ اختلاف بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سورہ بقرہ و سورہ حم سجدہ کی آیات سے زمین کی تخلیق کا آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور سورہ نازعات کی آیات سے اس کے برعکس۔ بظاہر زمین کی تخلیق آسمان کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جائے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا اس کے بعد زمین ہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی، پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔ پھر آسمان کے مادہ دخانیہ سیالہ کے سات آسمان بنا دیئے گئے۔ امید ہے کہ سب آیات اس تقریر پر منطبق ہو جاویں گی آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں۔ (از بیان القرآن سورہ بقرہ ع ۳)

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی آیت (حم سجدہ) کے تحت میں چند سوالات و جوابات مذکور ہیں۔ ان میں اس آیت کی جو تشریح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی وہ تقریباً یہی ہے۔ جو حضرت نے تطبیق آیات کیلئے بیان فرمائی ہے۔ اس کے الفاظ جو ابن کثیرؒ نے اسی آیت (حم سجدہ) کے تحت نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں۔ وَخَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمٰوٰتِ فَسَوَّھُنَّ فِیْ یَوْمَیْنِ اٰخَرَیْنِ ثُمَّ دَحٰی الْاَرْضَ وَدَخِیْھَا اَنْ اَخْرَجَ مِنْھَا الْمَآءَ وَالْمَرْعٰی وَخَلَقَ الْجِبَالَ وَالرَّمَالَ وَالْحِمَادَ وَالْاَنْکَامَ وَمَا بَیْنُھُمَا فِیْ یَوْمَیْنِ اٰخَرَیْنِ فَذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی: دَخَھَا۔

اور حافظ ابن کثیرؒ نے بحوالہ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی آیت حم سجدہ کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی کہ: یہود مدینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ اور آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے متعلق سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا فرمایا۔ اور پہاڑ اور اس میں جو کچھ معدنیات ہیں ان کو منگل کے دن، اور درخت اور پانی کے چشمے اور شہر اور عمارتیں اور ویران میدان بدھ کے روز۔ یہ کل چار روز ہو گئے۔ جیسا کہ

آیت میں ہے کہ ﴿إِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِي مِّنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلنَّاسِ لَيْلٌ﴾ (بارہ: ۲۳، سورۃ فصلت، الآیۃ: ۱۰، ۹)۔ یعنی ان لوگوں کے لئے جو اس تخلیق کا سوال کریں پھر فرمایا۔ جمعرات کے روز آسمان بنائے اور جمعہ کے روز ستارے اور شمس و قمر اور فرشتے یہ سب کام جمعہ کے دن میں تین ساعت باقی تھیں جب پورے ہوئے۔ ان میں سے دوسری ساعت میں آفات و مصائب جو ہر چیز پر آنیوالی ہیں وہ پیدا فرمائی ہیں۔ اور تیسری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کو جنت میں ٹھہرایا اور ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا۔ اور سجدہ سے انکار کرنے پر جنت سے نکال دیا گیا یہ سب تیسری ساعت کے ختم تک ہوا۔ (الحديث بطوله ابن كثير) ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا۔ هذا الحديث فيه غرابة۔

اور صحیح مسلم میں ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آئی ہے جس میں تخلیق عالم کی ابتداء یوم السبت یعنی ہفتہ کے روز سے بتلائی گئی ہے۔ اس کے حساب سے آسمان وزمین کی تخلیق کا سات روز میں ہونا معلوم ہوتا ہے مگر ایک تو عام نصوص قرآنیہ میں یہ تخلیق چھ روز میں ہونا صراحتہً مذکور ہے۔ مثلاً ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسْنُونٌ لِّغُوبٍ﴾ (بارہ: ۲۶، سورۃ فرق، الآیۃ: ۳۸)۔ یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب کو چھ دن میں پیدا کیا ہے۔ اور ہمیں کوئی مکان پیش نہیں آئی۔ دوسری سند کے اعتبار سے بھی اکابر محدثین نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے اسکو بحوالہ مسلم و نسائی نقل کر کے فرمایا و هو من غرائب الصحيح لمسلم كما في زاد المسير لابن الجوزي۔ یعنی یہ حدیث صحیح مسلم کے عجائب میں سے ہے۔ اور پھر فرمایا کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں اس روایت کو معلول قرار دیا ہے اور بعض لوگوں نے اس روایت کو ابو ہریرہؓ سے بروایت کعب احبار نقل کیا ہے۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے اور فرمایا کہ یہی اصح ہے (التفسير للإمام أبي الفداء ابن كثير، تحت سورۃ فصلت، ج: ۷، ص: ۱۶۸، مطبوعہ دار طیبہ، ۱۹۹۹ء)۔

اسی طرح ابن مدینیؒ اور بیہقیؒ وغیرہ حفاظ حدیث نے بھی اس کو کعب احبار کا قول قرار دیا ہے (حاشیہ زاد المسیر لابن الجوزی) پہلی روایت جو ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے ابن کثیرؒ کے فیصلے کے مطابق اس میں بھی غرابت ہے ایک وجہ غرابت کی یہ بھی ہے کہ اس روایت میں حضرت آدمؑ کی تخلیق آسمانوں کی تخلیق کے ساتھ آخری دن جمعہ کی آخری ساعت میں اور اسی ساعت میں حکم سجدہ اور ابلیس کا جنت سے اخراج مذکور ہے۔ حالانکہ متعدد آیات قرآنی میں جو قصہ تخلیق آدمؑ کا اور حکم سجدہ اور اخراج ابلیس کا مذکور ہے۔ اس کے سیاق سے بدیہی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق آدمؑ کا واقعہ تخلیق ارض و سماء سے بہت زمانہ بعد میں ہوا جبکہ زمین میں اس کی تمام ضروریات مکمل ہو چکی تھیں۔ اور جنات اور شیاطین وہاں بسنے لگے تھے۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ (بارہ: ۱، سورۃ البقرۃ، الآیۃ: ۳۰)۔ (کذا فی المظهری)

خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق ارض و سماء کے اوقات اور دن اور ان میں ترتیب جن روایات حدیث میں آئی ہے ان میں کوئی روایت ایسی نہیں جس کو قرآن کی طرح قطعی اور یقینی کہا جاسکے۔ بلکہ ان میں یہ احتمال غالب ہے کہ وہ اسرائیلی روایات ہوں۔ اور وہ روایات صحیحہ مرفوعہ نہ ہوں۔ جیسا کہ ابن کثیرؒ نے مسلم و نسائیؒ کی حدیث کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ اس لئے آیات قرآنی ہی کو اصل قرار دے کر مقصود متعین کرنا چاہئے۔ اور آیات قرآنی کو جمع کرنے سے ایک بات تو قطعی معلوم ہوئی کہ آسمان وزمین اور ان کے اندر کی تمام چیزیں صرف چھ دن میں پیدا ہوئی ہیں۔ دوسری بات حم سجدہ کی آیات سے یہ معلوم ہوئی کہ زمین اور اس کے پہاڑ درخت وغیرہ کی تخلیق میں پورے چار دن لگے ہیں۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ آسمانوں

کی تخلیق میں دودن صرف ہوئے۔ جس میں پورے دودن ہونے کی تصریح نہیں، بلکہ کچھ اشارہ اس طرف ملتا ہے کہ یہ دودن پورے خرچ نہیں ہوئے تھے آخری دن جمعہ کا کچھ بچ گیا تھا۔ ان آیات کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھ دن میں سے پہلے چار دن زمین پر باقی دودن آسمانوں کی تخلیق پر صرف ہوئے۔ اور زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی۔ مگر سورۃ نازعات کی آیت میں زمین کے پھیلانے اور مکمل کرنے کو صراحۃً تخلیق آسمان کے بعد فرمایا گیا ہے اس لئے وہ صورت کچھ بعید نہیں جو اوپر بحوالہ بیان القرآن بیان ہوئی۔ کہ زمین کی تخلیق دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے دودن میں زمین اور اسکے اندر پہاڑوں وغیرہ کا مادہ تیار کر دیا گیا۔ اس کے بعد دودن میں سات آسمان بنائے گئے اس کے بعد دودن میں زمین کا پھیلاؤ اور اس کے اندر جو کچھ پہاڑ، درخت، نہریں، چشمے وغیرہ بنائے گئے تھے ان کی تکمیل ہوگئی۔ اس طرح تخلیق زمین کے چار دن متصل نہیں رہے۔ اور آیات حم مجدہ میں جو ترتیب بیان رکھی گئی ہے کہ پہلے زمین کو دودن میں پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ﴿خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ﴾ (بارہ: ۲۳، سورۃ فصلت، الآیہ: ۹) اس کے بعد مشرکین کو تنبیہ کی گئی پھر الگ کر کے فرمایا ﴿وَجَعَلَ فِیْہَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِہَا وَبَارَکَ فِیْہَا وَقَدَّرَ فِیْہَا اَقْوَامَ﴾ (بارہ: ۲۴، سورۃ فصلت، الآیہ: ۹، ۱۰) اس پر تو سب ہی مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ اربعہ ایام ان پہلے دودنوں کو شامل کر کے ہیں۔ اس سے الگ چار دن مراد نہیں ہیں۔ ورنہ مجموعی ایام چھ کے بجائے آٹھ ہو جائیں گے۔ جو تصریح قرآنی کے خلاف ہیں۔ اب یہاں غور کرنے سے بظاہر مقام کا مقتضی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ﴿خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ﴾ فرمانے کے بعد پہاڑوں وغیرہ کی تخلیق کو بھی فی یومین کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا تو اس کا مجموعہ چار دن ہونا خود بخود معلوم ہو جاتا مگر قرآن کریم نے عنوان تعبیر اس کے بجائے یہ رکھا کہ زمین کی تخلیقات میں سے باقی ماندہ کو ذکر کر کے فرمایا کہ یہ کل چار دن ہو گئے۔ اس سے بظاہر اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ یہ چار دن متواتر اور مسلسل نہیں ہیں بلکہ دو حصوں میں منقسم تھے۔ دودن تخلیق سموات سے پہلے دودن اس کے بعد۔ اور آیت مذکورہ میں جو خلق فیہا رواسی من فوقہا الخ کا ذکر ہے۔ یہ آسمانوں کی تخلیق کے بعد کا بیان ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (معارف القرآن ج ۷/۲۳۳-۲۳۷)

علامہ عصام الدینؒ نے کہا کہ والارض بعد ذلک دحھا میں بعد ذلک ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۃ نون میں ﴿بَعْدَ ذٰلِکَ زَیْنَمُ﴾ (بارہ: ۲۹، سورۃ القلم، الآیہ: ۱۳) میں ہے۔ یعنی تراخی فی الاخبار مراد ہے۔ جمہور علماء صحابہؓ و تابعین عبداللہ بن عباسؓ و مجاہدؓ و حسنؓ وغیرہ اسی تفسیر پر متفق ہیں کہ آسمان زمین کے بعد بنایا گیا۔ گوزمین باقاعدہ آسمان کے بعد بچھائی اور سجائی گئی ہے۔ لیکن بعض علماء (قائد، مقاتل، قاضی بیضاوی وغیرہ) یہ کہتے ہیں کہ آسمان کو پہلے پیدا کیا گیا زمین کو بعد میں جیسا کہ سورۃ نازعات آیت (والارض بعد ذلک دحھا) سے معلوم ہوتا ہے یہ حضرات ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ﴾ (جو سورۃ بقرہ آیت ۲۹ اور سورۃ حم مجدہ آیت ۱۱ میں ہے) یہ تاویل کرتے ہیں کہ ثم تراخی زمانی کے لئے نہیں ہے بلکہ تراخی مکانی اور بعد رتبہ کے لئے ہے۔ لان خلق السماء اعجب و اکبر من خلق الارض۔ واللہ اعلم (وان شئت التفصیل فلیراجع الی رسالتنا) ”پیدائش زمین و آسمان“۔

فَاِذَا جَآءَتْ الطَّآمَةُ الْکُبْرٰی (۳۴) یَوْمَ یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی (۳۵)

پھر جب بڑا حادثہ آجائے گا۔ یعنی جس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا

فَاِذَا	جَآءَتْ	الطَّآمَةُ	الْکُبْرٰی	یَوْمَ	یَتَذَكَّرُ	الْاِنْسَانُ	مَا	سَعٰی
پس جب	آئے گی	آفت	بڑی	دن	یاد کرے گا	آدمی	جو	سعی کی تھی

وَبُرِّرَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ يَرَىٰ (۳۶) فَاَمَّا مَنْ طَغَىٰ (۳۷) وَآثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (۳۸)

اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کی جائیگی تو جس نے سرکشی کی ہوگی، اور دنیوی زندگی کو

و	وَبُرِّرَتِ	الْجَحِيمُ	لِمَنْ	يَرَىٰ	فَاَمَّا	مَنْ	طَغَىٰ	وَآثَرَ	الْحَيٰوةَ	الدُّنْيَا
اور	ظاہر کی جائیگی	دوزخ	واسطے اس شخص	دیکھتا ہے	پس ایہ	جس	سرکشی کی	اور، اختیار کیا	زندگانی	دنیا

فَاِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَاوِی (۳۹) وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ

پسند کر لیا ہوگا۔ سو دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے نفس کو

فَاِنَّ	الْجَحِيمَ	هِيَ	الْمَاوِی	و	اَمَّا	مَنْ	خَافَ	مَقَامَ	رَبِّهِ	و	نَهَى	النَّفْسَ
پس تحقیق	دوزخ	وہی	جگہ رہنے کی	اور	ایہ	جو کوئی	ڈرا	کھڑے ہونے	پروردگار اپنے	اور	منع کیا	جی

عَنِ الْهَوٰی (۴۰) فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاوِی (۴۱)

خواہش سے باز رکھا ہوگا۔ تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

عَنِ	الْهَوٰی	فَاِنَّ	الْجَنَّةَ	هِيَ	الْمَاوِی
سے	خواہش	پس تحقیق	بہشت	وہی	جگہ رہنے کی

لغات:

طَامَةً بڑی آفت، بڑا ہنگامہ، قیامت، طم طمًا، طمو مًا (ن) بھرنے زیادہ ہونا۔ گرہ لگانا۔ ڈھانپ لینا۔ (ن)، (ض) آہستہ آہستہ دوڑنا۔ پاٹ دینا۔ غالب آجانا طامة وہ بڑی مصیبت جو ہر چیز پر چھا جائے۔ یہاں اس سے مراد قیامت ہے، کیونکہ ہنگامہ قیامت سب کو اپنی پلیٹ میں لے لے گا۔ بَسْرَتِ باب تفعل سے ظاہر ہوتا۔ (ن) ظاہر ہونا الْجَحِيمِ دوزخ۔ دہکتی ہوئی آگ۔ جَحْم جَحْمًا (ف) بھڑکانا جَحْمًا و جَحْمًا (س) بھڑکانا جَحْمِ اسی سے مشتق ہے فاعل بمعنی فاعل۔ امام ابن جریجؒ سے مروی ہے کہ دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ (۱) جہنم (۲) لظى (۳) حطمة (۴) سعیر (۵) سقر (۶) جحیم (۷) ہا و ہ۔ (معالم التنزیل ج ۴ ص ۵۸) آثَرَ افعال سے ترجیح دینا (ن ص) نقل کرنا۔ الْمَاوِی ٹھکانا۔ اسم ظرف یا مصدر۔ قیام کرنا۔ ٹھکانا پکڑنا، سکونت پذیر ہونا یا جائے قیام۔ ٹھکانا وای (ض) اگر صلہ الی ہو تو ٹھکانا پکڑنے۔ پناہ پکڑنے اور فروکش ہونے کے معنی ہوں گے۔ لیکن اگر اس کے بعد لام آئیگا تو مہربانی اور رحم کرنے کے معنی ہوں گے۔ اوی لہ ای رحمہ۔ باب افعال سے متعدی آتا ہے۔ مقام مصدر یا ظرف مکان با بہ نصر۔

ترکیب:

فاء سببیہ اذا ظرفیہ متضمن بمعنی شرط جَاءَتْ فعل الطامة الكبرى مرکب توصیفی فاعل جملہ فعلیہ مبدل منہ۔ یوم مضاف یتذکر، فعل الانسان فاعل ما مصدریہ سعی جملہ فعلیہ بتاویل مصدر مفعول بہ۔ یا ما موصولہ سعی جملہ صلہ موصول و صلہ ملکر مفعول بہ (عائد محذوف ہے) جملہ مضاف الیہ یوم کا اور وہ بدل ہے اذا کا۔ و عاطفہ برزت فعل الْجَحِيمِ فاعل من موصولہ اپنے صلہ سری جملہ فعلیہ سے ملکر مجرور لام کا۔ متعلق فعل ہوا (و مفعول سری محذوف لرعاية الفاصلة ای یراها و العائد الی الموصول ضمیر الفاعل) جملہ فعلیہ ماقبل پر معطوف۔ اور اذا

کا جواب محذوف ہے جس پر بت ذکر دلالت کر رہا ہے۔ یا انقسم الناس قسمین فریق فی الجحیم و فریق فی الجنة۔ جواب محذوف مان لو۔ اور ظاہر یہ ہے کہ محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔ آئندہ جو تفصیل احوال فاما من طفی..... آرہی ہے وہی اذا کا جواب ہوگا۔ فاء تعقیبہ ہے کہ اگر جواب اذا محذوف مانو ورنہ جزائیہ امسا حرف تفصیل برائے شرط من موصولہ طفی جملہ فعلیہ معطوف علیہ ”و“ عاطفہ آثر فعل ضمیر مستتر فاعل الحیوة الدنیا مرکب توصیفی مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین شرط فان الجحیم ہی الماوی جملہ اسمیہ جزاء ہی ضمیر فصل ہے۔ اس کا محل اعراب نہیں۔ اور ایک قول کے مطابق مبتدا ہے اور الماوی خبر ہے۔ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مان ہوگی۔ اور یہ جملہ اسمیہ جزاء ہے الماوی میں الف لام کو فیوں کے نزدیک بعض مضاف الیہ ہے ای ماسواہ سیویہ اور بصریوں کے نزدیک من کا عائد محذوف ہے۔ واما من خاف..... کی ترکیب بھی اسی طرح ہے۔

تفسیر:

ایجاد کائنات کے ذکر سے قدرت خداوندی و امکان بعث کا ثبوت ہو گیا۔ پھر حشر پر دلیل بھی قائم کر دی گئی تو ان آیات میں قیامت کے احوال، اس دن کی شدت، ہر شخص کے اعمال کا سامنے آ جانا۔ اور اہل جنت اور اہل جہنم کے ٹھکانوں کا بیان اور دونوں فریقوں کی خاص خاص علامات کا ذکر ہے جن کو دیکھ کر انسان دنیا ہی میں فیصلہ کر سکتا ہے کہ ضابطہ میں میرا ٹھکانا دوزخ ہے یا جنت۔ ضابطہ اسی لئے کہا کہ کسی کی شفاعت یا حق تعالیٰ کی رحمت سے کسی دوزخی کو جنت مل جانا ایک استثنائی حکم ہے۔ اصل ضابطہ جنت یا دوزخ میں ٹھکانا بننے کا وہی ہے جو ان آیات میں مذکور ہے۔

فاما من طفی..... اس میں اہل جہنم کی دو علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) طغیان یعنی اللہ اور اس کے احکام کی پابندی کی بجائے سرکشی کرنا (۲) دنیا کی فانی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا یعنی جب کوئی ایسا کام سامنے آئے کہ اس کے اختیار کرنے سے دنیا میں تو آرام یا لذت ملتی ہے۔ مگر آخرت میں اس سے عذاب کا اندیشہ ہے اس وقت وہ دنیا کی لذت کو ترجیح دیتا ہے۔ اور آخرت کی فکر کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

واما من خاف..... اس میں اہل جنت کی بھی دو نشانیاں ذکر فرمائی گئی ہیں۔ (۱) اللہ کے سامنے ہو کر اس کی بارگاہ میں حساب دینے سے ڈرتا ہے یا اس کی عظمت و قہر سے لرزتا ہے۔ (۲) اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے۔ اور ناجائز خواہشات سے اس کو بچائے رکھتا ہے تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔ قوت علمیہ و قوت عملیہ دونوں بنیادی چیزیں ہیں۔ طغیان و سرکشی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ان دونوں قوتوں کا فساد ہے جس کا انجام دوزخ ہے اور اللہ کا خوف حاصل ہونا، اور نفسانی خواہشات سے باز رہنا ان دونوں قوتوں کی صلاح ہے جس کا انجام جنت ہے۔

ہوئے نفسانی تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے:

ہوئی تمام ممنوعات کا سرچشمہ اور حرام چیزوں کی بنیاد ہے ہوی کے معنی ہیں اپنی پسندیدہ چیزوں کی طرف نفس کا میلان۔ ہوی کے لغوی معنی گرنے کے ہیں۔ کیونکہ ہوی اپنے صاحب کو دنیا میں مصیبت میں لے لگتی ہے اور آخرت میں ہادیہ (دوزخ) میں۔ اس لئے ہوا کو ہوا کہتے ہیں۔ ابو بکر وراق کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا سے زیادہ خبیث کوئی مخلوق پیدا

نہیں کی۔ ہوا عقلاً اور شرعاً ہر طرح مذموم ہے۔ عقائد صحیحہ کا حصول۔ اچھے برے اعمال کی شناخت، خصائل و رذائل میں امتیاز اور عبادت و عبادت میں فرق، اپنی خواہش کو چھوڑ کر پیغمبروں کی اتباع کئے بغیر ناممکن ہے۔ خواہش پرستی اتباع انبیاء کی خلاف ہے جس قدر عقائد باطلہ و افکار فاسدہ اور اعمال خبیثہ اس دنیا میں جاری ہیں۔ ان سب کی بنیاد ہوائی ہے۔ ہوا پرستوں نے ہی باطل فرقوں کی بنیاد رکھی اور ان کو فروغ دیا ہے۔ مجدد صائبؒ نے حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ مخالفت نفس ہے۔ مراد یہ ہے کہ احکام شرع کی پوری نگہداشت کے ساتھ نفس کی مخالفت کی جائے۔ واللہ اعلم۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں برباد کرنے والی ہیں۔ خواہش جس کا اتباع کیا جائے۔ حد سے بڑھ کر کجی جس کے حکم پر چلا جائے۔ اور خود پرستی جو کہ سب سے زیادہ بری ہے۔

### مخالفت نفس کے تین درجے:

آیت مذکورہ میں جنت میں ٹھکانا بننے کی دو شرطیں مذکور ہیں۔ ایک خدا کی بارگاہ میں جوابدہی کا خوف۔ دوسری نفس کو ہوا سے روکنا۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو خوف خدا ہی اصل چیز ہے۔ اسی سے انسان خواہشات نفسانی سے باز رہتا ہے۔ صاحب مظہرؒ نے فرمایا کہ مخالفت ہوا کے تین درجے ہیں۔ اول درجہ تو یہ ہے کہ آدمی ان عقائد باطلہ سے بچ جائے جو نصوص ظاہر و اجماع سلف کے خلاف ہوں۔ اس درجہ میں پہنچ کر وہ سنی مسلمان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ دوسرا درجہ: یہ ہے کہ وہ کسی گناہ کا ارادہ کرے اور اس کو یہ یاد آجائے کہ مجھے اللہ کے سامنے حساب دینا ہے اس خیال کی بنا پر گناہ ترک کر دے اس متوسط درجہ کا حکملہ یہ ہے کہ آدمی شبہات سے بھی پرہیز کرنے لگے، بلکہ جس مباح کام میں مشغول ہونے سے کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو جائیگا خطرہ ہو اس کام کو بھی چھوڑ دے۔ جیسا کہ حضرت نعمان بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کر لیا اس نے اپنی آبرو اور اپنے دین کو بچا لیا اور جو مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہو گیا آخر کا روہ حرام چیزوں میں مبتلا ہو جائیگا۔ جیسے وہ چرواہا جو جانوروں کو محفوظ و ممنوع چراگاہ کے آس پاس چراتا ہے ممکن ہے کسی جانور کو چراگاہ میں بھی ڈال دے۔ (بخاری و مسلم) مشتبہ چیزوں سے وہ کام مراد ہیں جن میں جائز و ناجائز ہونے کے دونوں احتمال ہوں۔ یعنی عمل کرنے والے کو یہ شبہ ہو کہ میرے لئے یہ کام جائز ہے یا ناجائز۔ مثلاً ایک شخص بیمار ہے۔ وضو کرنے پر قادر تو ہے اور اس کا پورا یقین نہیں کہ میرے لئے اس حالت میں وضو کرنا مضری ہوگا تو اس پر تیمم کا جواز عدم جواز مشتبہ ہو گیا۔ اسی طرح کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے مگر مشقت بہت زیادہ ہے اس کی وجہ سے مشتبہ ہو گیا کہ بیٹھ کر میرے لئے نماز درست ہے یا نہیں۔ ایسے موقعوں پر مشتبہ چیزوں کو چھوڑ کر یقینی جواز کو اختیار کرنا تقویٰ ہے۔ اور مخالفت ہوائے نفس کا متوسط درجہ یہی ہے۔

### نفس کی پوشیدہ شرارتیں:

یہاں ایک خاص نکتہ یہ ہے۔ وہ یہ کہ جو گناہ کھلے ہوئے ہیں ان سے بخوف حساب پرہیز ممکن ہے۔ گناہوں کی ایک قسم وہ ہے جو چیونٹی کی چال سے زیادہ دقیق ہیں۔ یہ وہ گناہ ہیں جو نیکی کی شکل میں ہوتے ہیں۔ جیسے ریاء، خود پسندی، غرور اور کثرت نوافل و طاعات پر اپنی پاکیزگی کا خیال۔ اس مقام پر آدمی خود بھی دھوکہ کھا جاتا ہے۔ اپنے عمل کو درست اور قابل قبول سمجھتا رہتا ہے۔ یہی وہ ہوائے نفس ہے جس کی مخالفت سب سے زیادہ ضروری ہے کسی بزرگ نے اپنے مرید سے

کہا تھا: بیٹا! مجھے یہ اندیشہ تو نہیں کہ گناہوں کے راستے سے شیطان کی رسائی تجھ تک ہو سکے گی۔ مجھے یہ خوف ہے کہ وہ نیکیوں کی راہ سے تجھ تک نہ پہنچ جائے۔ مگر اس سے بچنے کا صحیح علاج اور مجرب نسخہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہر کام میں نفس کو مشتبہ سمجھے۔ اور زاری و استغفار کرتا رہے۔ اور مکمل حفاظت کی صورت یہ ہے کہ ایسے شیخ کامل کا دامن پکڑ لے جس نے کسی شیخ کامل کی خدمت میں رہ کر مجاہدات کئے ہوں۔ اور وہ عیوب نفس اور ان کے علاج میں مہارت رکھتا ہو۔ خود کو اسکے حوالے کر کے اس کے مشورہ پر عمل کرتا رہے۔ (شیخ کامل کو اپنے احوال کی اطلاع اور اس کے احکام کی پوری پوری اتباع معرفت کی کنجی ہے)

### بہترین علاج:

حضرت یعقوب کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ابتدائی عمر میں نجار (بڑھی) تھا۔ میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں ایک قسم کی تاریکی محسوس کی۔ تو ارادہ کیا کہ چند روزے رکھ لوں تاکہ یہ تاریکی و سستی دور ہو جائے اتفاقاً اسی روزے کی حالت میں ایک دن شیخ اجل امام بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے مہمانوں کے لئے کھانا منگایا۔ اور مجھے بھی کھانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا بہت برا بندہ ہے جو اپنی ہوائے نفسانی کا بندہ ہو جو اسے گمراہ کر دے۔ اور فرمایا: کھانا کھا لینا اس روزے سے بہتر ہے جو ہوائے نفسانی کے ساتھ ہو۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس عجب و خود پسندی کا شکار ہے۔ جس کو شیخ نے محسوس کیا۔ اور یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ذکر شغل اور نفلی عبادات میں کسی شیخ کامل کی اجازت و ہدایت درکار ہے جو مکائد نفس سے واقف ہو اور خواہش نفس سے وہ خود آزاد ہو چکا ہو اس وقت میں نے حضرت شیخ نقشبند قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت اگر ایسا شیخ جس کو اصطلاح میں فانی فی اللہ کہا جاتا ہے کسی کو میسر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ شیخ نے فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ استغفار کی کثرت کرے۔ اور ہر نماز کے بعد توبہ استغفار کر نیکی پابندی کرے۔ تاکہ پانچ وقت میں سو مرتبہ ہو جائے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض اوقات میں اپنے قلب میں کدورت محسوس کرتا ہوں۔ اور میں روزانہ اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار (یعنی طلب مغفرت) کرتا ہوں۔

**تیسرا علی درجہ:**..... مخالفت ہوائے نفس کا یہ ہے کہ کثرت ذکر و مجاہدات کے ذریعہ اپنے نفس کو ایسا مڑی (اور پاکیزہ) بنالے کہ اس میں وہ ہوائے نفسانی باقی ہی نہ رہے جو انسان کو شر کی طرف کھینچتی ہے۔ یہ مقام ولایت خاصہ کا مقام ہے۔ یہ اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کو صوفیاء کی اصطلاح میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہتے ہیں۔ یہی لوگ قرآن کی اس آیت کے مصداق ہیں۔ جو شیطان کو مخاطب کر کے کہی گئی تھی: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ (بارہ: ۱۳)، سورۃ الحجر، الآیہ: ۴۲)۔ (یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکے گا۔) اور یہی مصداق ہیں اس حدیث کے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جُنْتُ بِهِ (مشکاة المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، ج: ۱، ص: ۳۶، رقم: ۱۶۷۷)۔ (یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی ہوائے نفس میری تعلیمات کے تابع نہ ہو جائے) اللھم ارزقنا بفضلک و کرمک۔

خلق اطفال اند جز مرد خدا نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِيهَا (۴۲) فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا (۴۳) إِلَى رَبِّكَ  
وہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا اس کے ذکر سے آپ کو کیا تعلق؟ اسکی خبر تو صرف آپ کے پروردگار کو ہے۔

يَسْأَلُونَكَ	عَنِ	السَّاعَةِ	أَيَّانَ	مُرْسِيهَا	فِيمَ	أَنْتَ	مِنْ	ذِكْرِهَا	إِلَى	رَبِّكَ
سوال کرتے ہیں تجھ (محمد)	سے	قیامت	کب	وقت کھڑا ہونے اس	یہ	تو	سے	یا داس	طرف	رب تیرے

مُنْتَهَاهَا (۴۴) إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَخْشَاهَا (۴۵) كَانَهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا  
آپ تو بس ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔ جس دن اس کو دیکھ لیں گے

مُنْتَهَاهَا	إِنَّمَا	أَنْتَ	مُنْذِرُ	مَنْ	يَخْشَاهَا	كَانَهُمْ	يَوْمَ	يَرَوْنَهَا
انتہا اس	سوائے اسکے نہیں کہ	تو	ڈرانے والا	اس شخص	ڈرتا ہے اس	گویا کہ وہ	دن	دیکھیں گے اس

لَمْ يَلْبُثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا (۴۶)

تو یہ سمجھیں گے کہ گویا (دنیا میں) ایک شام یا اس کی صبح رہے ہیں۔

لَمْ	يَلْبُثُوا	إِلَّا	عَشِيَّةً	أَوْ	ضُحَاهَا
نہ	رہے تھے	مگر	ایک شام	یا	صبح اس

لغات:

ایان ظرف زمان مبنی علی الفتح ہے۔ امور عظام کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آتا ہے مرتفصیہ۔ مرسہا  
مرسا مصدر میسی: ٹھہرانا۔ جمانا و سار سوا (ن) ٹھہرنا، جمانا۔ باب افعال سے مصدر استعارہ مصدر میسی مرسا آتا ہے۔  
منتہی اسم ظرف مکان بمعنی آخری حد یا ظرف زمان آخری وقت۔ علامہ بغویؒ نے کہا ”اس علم کی آخری حد عشیۃ ایک شام  
جمع عشیات و عشیایہ عشی کی مؤنث ہے بسا اوقات اہل عرب اس کو مذکر بھی استعمال کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں  
عشیۃ واحد ہے اس کی جمع عشیٰ ہے۔

ترکیب:

يسئلونك فعل فاعل مفعول به عن جارہ الساعة مبدل منہ ایان ظرف مضاف مرسہا مرکب اضافی مضاف الیہ۔ مضا  
ف و مضاف الیہ ملکر بدل۔ مبدل منہ اور بدل ملکر مجرور، متعلق جملہ فعلیہ۔ فیم جار مجرور (وما الاستفہامیۃ للانکار فحذف الالف  
تخفیفاً كما فی عم) متعلق واقف کے خبر مقدم انت مبتدا من ذکرہا متعلق خبر (واقف) جملہ اسمیہ الی ربک متعلق محذوف  
کانن وغیرہ کے خبر مقدم۔ منتہی مبتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ۔ انما کلمہ صرانت مبتدا منذر مضاف من موصولہ یخشیہا جملہ صلہ۔  
موصول وصلہ ملکر مضاف الیہ خبر۔ جملہ اسمیہ کان حرف مشبہ بفعل ہم اسم یوم مضاف یرونہا جملہ فعلیہ مضاف الیہ مرکب اضافی  
یقولون محذوف کا ظرف، لم یلبثوا فعل ضمیر فاعل الا حرف استثناء لغو عشیۃ ای قدر عشیۃ بحذف المضاف واقامة المضا  
ف الیہ مقامہ) معطوف علیہ او حرف عطف ضحہا (ای ضحی العشیۃ و اضافة الضحی الیہا لادنی الملا بسۃ ہی اجتماع  
عہما فی نہار واحد) معطوف۔ معطوفین ظرف لم یلبثوا کا جملہ فعلیہ مقولہ۔ اور وہ جملہ بن کر کان کی خبر۔ جملہ اسمیہ ہوا۔



## تفسیر:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور استہزا دریافت کیا تھا کہ قیامت کب آئیگی؟ تو یہ مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔ اور ان کے اس معاندانہ سوال کا جواب ان میں دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے پناہ ہونے کی تاریخ کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ہے کہ اسکی اطلاع کسی فرشتے یا رسول کو بھی نہیں دی گئی۔ اس لئے یہ مطالبہ لغو ہے۔ فیم انت من ذکرہا لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق پوچھتے تھے۔ تو آپ ان کو جواب دینے کے خواہش مند تھے۔ اور اللہ تعالیٰ سے یا حضرت جبرئیل سے اس کا وقت معین معلوم کرنا چاہتے تھے۔ ان آیات کے نزول پر آپ نے سوال ترک کر دیا۔ صاحب مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ تعین قیامت کو پوشیدہ رکھنے میں کوئی خاص حکمت ہے۔ اور اس کا علم ناقابل امید ہے۔ فیم انت..... کا مطلب یہ ہے کہ آپ قیامت کے کس ذکر پر پڑے ہیں اس کے وقت کا بیان جائز نہیں، کیونکہ آپ کو نہ اس کا علم ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس کے پوشیدہ رکھنے میں کوئی مصلحت ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کا علم خود آپ کو نہیں (اس صورت میں ذکر ہی بمعنی علم ہوگا) محاورہ بولا جاتا ہے لیس فلان فی العلم من شیء۔ یعنی فلاں شخص کو بالکل علم نہیں۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ فیم خبر ہو اور اس کا مبتدا احمدوف ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ سوال کس غرض سے ہے۔ اس کا کیا فائدہ؟ اس کے بعد انت من ذکرہا سے نیا کلام شروع ہو گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود علامات قیامت میں سے ہیں۔ آپ کے وجود سے تو قیامت کی یاد آتی ہے کیونکہ آپ آخری نبیؐ ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعثت اننا والساعة کھاتین مجھ کو اور قیامت کو ان دونوں انگلیوں وسطی وسمیہ کی طرح (متصل) بھیجا گیا ہے ایک روایت میں ہے کہ مجھے قیامت کے وقت ہی بھیجا گیا ہے۔ مجھے سابق بنا دیا گیا ہے جیسے یہ اس سے سابق ہے۔ اور آپ نے کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کی طرف اشارہ فرمایا (ترمذی) ایک قول یہ بھی ہے کہ فیم انت من ذکرہا کا تعلق یسئلونک سے ہے۔ یعنی وہ لوگ آپ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہیں وہ کب آئیگی؟ اور کہتے ہیں کہ تم کو اس کے وقت مقرر کے متعلق کیا معلومات ہیں بتاؤ؟ الیٰ ربک یہ انکار سابق کے علت ہے لیکن اگر فیم انت کو سوال کا متمم قرار دیا جائے (جیسا کہ اس کی آخری توجیہ ہے) تو یہ کلام جواب ہوگا۔ ففکر۔ انما انت..... یعنی آپ کو قیامت کا وقت بیان کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ صرف اہل خشیت کو ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ شدائد قیامت میں مبتلا ہونے کے اسباب سے پرہیز کریں۔ اور صرف قیامت کے آنے کا یقین اور اس کا جمالی علم ڈرانے کے لئے اور اس سے ڈرنے کے لئے کا فی ہے تعین و تفصیل کی ضرورت نہیں۔ پھر آپ سب ہی کے لئے منذر و نذیر ہیں۔ مگر آپ کے انداز کا فائدہ صرف اہل خشیت کو پہنچتا ہے۔ اس لئے آیت میں خاص طور سے انہیں کو ذکر فرمایا گیا۔ یہ آیت مضمون سابق کی تاکید ہے۔ کانہم یوم یعنی جس دن منکرین قیامت کا مشاہدہ کریں گے تو اس کے طول کی وجہ سے ایسا محسوس کریں گے کہ دنیا میں اور قبروں میں ایک دن بھی نہیں ٹھہرے۔ بلکہ دن کے نصف اخیر یا نصف اول میں رہے ہیں۔ چونکہ دنیا اور قبروں کی محدود مدت ہے جو ختم ہو چکی ہوگی۔ اور عذاب کی مدت غیر محدود ہوگی۔ اور عذاب کی شدت بھی ہوگی۔ اس لئے وہ مدت عذاب کے مقابلہ میں دنیا و قبر کی مدت کو کوچ سمجھیں گے۔ اور خیال کریں گے کہ ہم وہاں تھوڑے ہی وقت رہے ہیں۔

تم تفسیر سورۃ النزعۃ فالحمد لله رب العالمات والصلوة والسلام علی حبیبہ سید الموجدات  
وعلی آلہ وصحبہ البرۃ الذین فازوا بالسعادت والکرامات

## سُورَةُ عَبَسَ

سورۃ عبس مکیہ وہی اثنتان واربعون ایتہ و فیہا رکوع احد

رکوع: ۱، آیات: ۴۲، سورۃ عبس مکیہ ہے اور اس میں بیالیس آیات ہیں اور ایک رکوع ہے کلمات: ۱۳۰، حروف: ۵۳۵۔

رابط و مناسبت:

یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے۔ سورہ نازعات اور اس سورت میں ربط کئی وجہ سے ہے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں: (۱) نازعات میں صاحب خشیت کے انداز کا حکم تھا: اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ مَّنْ يَّحْشَهَا اس سورت میں اس منصب کے ترک یا اس سے تغافل پر عتاب فرمایا گیا ہے۔ وَاَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ وَهُوَ يَحْشَىٰ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ۔ (۲) نازعات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاحب اقتدار اور متکبر بادشاہ کے پاس جا کر اس کو دعوت دینے کے حکم کا ذکر تھا۔ اس سورت میں ایک نابینا مفلس کی طرف خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو متوجہ فرمایا گیا۔ اس طرح دونوں سورتوں میں نسبت تقابل ہوئی۔ (۳) وہاں هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَرْجَىٰ تھا۔ یہاں لَعَلَّكَ يَرْجَىٰ ہے۔ (۴) وہاں فرعون کی سرکشی اور طغیان کا بیان تھا۔ یہاں اس نابینا طالب حق کی خشیت و خاکساری کا ذکر ہے۔ (۵) پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) کو متکبر کے پاس جانے کا حکم مذکور تھا۔ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ یہاں طالب حق بندہ خدا کے خود دربار رسالت میں حاضر ہونے کا ذکر ہے، وَاَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ یہاں سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا شیوہ کمال اطاعت ہے سرکشوں کی ملاقات کا حکم ہو تو برسرِ چشم فقرائے تو قیر کا فرمان ہو تو سر تسلیم خم۔ (۶) وہاں بھی احوال قیامت کا ذکر ہے فَاِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرٰى ..... اور یہاں بھی فَاِذَا جَاءَتِ الصَّاعَةُ ..... (۷) وہاں بھی اَخْرَجَ مِنْهَا مَاءً هَا میں انعامات خداوندی کا ذکر تھا یہاں بھی فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ سے نعمتوں ہی کا تذکرہ ہے (۸) وہاں زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر تھا یہاں تاجدار کائنات حضرت انسان کی پیدائش کا بیان اَيُّ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِنْ نُّطْفَةٍ ..... میں ذکر ہے۔

شان نزول:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے۔ اور آپ کے پاس سردارانِ قریش عتبہ، ربیعہ، ولید بن مغیرہ، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، شبیبہ، ابو جہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب وغیرہ موجود تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اسلام کی خوبیاں اور شرک اور بت پرستی کی خامیاں بتا کر توحید کی دعوت دے رہے تھے۔ اور آپ ان کی طرف پوری طرح متوجہ تھے۔ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ زہری جن کو عبداللہ بن ام مکتوم بھی کہا جاتا ہے (مکتوم بمعنی پوشیدہ نابینا کو کہتے ہیں ان کی والدہ کو ام مکتوم کہتے تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ کو ایسی مصروفیات کے وقت ان کا آنا ناگوار ہوا، کیونکہ نابینا موقع محل کی رعایت کے بغیر بات کر دیتا ہے اور بسا اوقات نہ دیکھنے کی وجہ سے بیجا خلل انداز ہوتا ہے۔ چنانچہ ان صحابی نے مجلس کا لحاظ کئے بغیر درخواست کر دی یا رسول اللہ! علمنی ما علمک اللہ۔ (اے اللہ کے رسول مجھ کو احکام خداوندی یا آیات قرآنی سکھا دیجئے) آپ نے کچھ جواب نہ دیا مگر وہ نا بینا بار بار سوال کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے آپ کے رخ انور پر خفگی دنا گواری کے آثار ظاہر ہو گئے۔ اور ان صحابی سے منہ

موزکر مشرکین سرداران قریش کی طرف متوجہ رہے۔ اسی حالت میں سورۃ عنکب نازل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات کو سنتے جاتے تھے۔ اور آپ کا رخ انور خوف عتاب اور ہیبت خطاب کی وجہ سے زرد ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جبریل امین کلا انہا تذکرۃ..... پر پہنچے تو آپ مطمئن ہوئے۔ اور خوشی سے رنگ نکھر گیا کہ یہ عتاب و خطاب صرف بطور نصیحت اور سراپا مہر و عنایت ہے۔ غضب کے لئے نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کے نزول کے بعد ان نایبنا صحابی کے گھر پہنچے۔ جو مایوس ہو کر چلے گئے تھے۔ عذر فرمایا اپنے ہمراہ لے کر دولت کدہ پر تشریف لائے۔ اور اپنی مبارک چادر بچھا کر ان کو اس پر بیٹھا دیا۔ پھر آپ کا یہ معمول ہو گیا کہ جب وہ صحابی حاضر خدمت ہوتے تو آپ ان کی نہایت تعظیم و تکریم فرماتے۔ اور ارشاد فرماتے تھے۔ مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی یعنی مسرت کے ساتھ ان کو خوش آمدید کہہ کر ان کا استقبال فرماتے۔ پھر ان سے معلوم کرتے کیا کچھ کام ہے اور کیا کوئی ضرورت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ منورہ میں دوسرے مسجد نبوی کی امامت کے لئے اپنا نائب مقرر فرما کر سفر میں تشریف لے گئے (مظہری)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیرہ بار مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ اور یہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ (کما رواہ ابن عبد البر فی الاستیعاب عن اہل العلم) پھر آپ نے ابولبابہ کو بھی اپنا نائب مقرر فرمایا ہے حضرت ابن ام مکتوم مہاجرین میں سے ہیں علامہ قرطبی سے چوک ہوئی ہے کہ انہوں نے ان کو مدنی صحابی لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ سرداران قریش کے واقعہ میں یہ موجود نہ تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگ قادسیہ کے موقع پر اس نایبنا کا عجیب خال دیکھا کہ وہ زرع پہنے ہوئے ایک عربی گھوڑے پر سوار تھے۔ اور ان کے پاس ایک سیاہ جھنڈا تھا۔ نایبنا ہونے کے باوجود کفار کی صفوں پر تابوتوں پر حملے کر رہے تھے۔ بالاخر شہید ہو گئے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ واپس ہو کر مدینہ میں وفات پائی۔ واللہ اعلم۔

صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ عبد اللہ ابن ام مکتوم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبتی بھائی تھے۔ اور ان کے نام اور سلسلہ نسب میں دو قول ہیں۔ (۱) عمرو بن قیس بن زائدہ بن جندب بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن معیض بن عاعر بن لوی قرشی (۲) عبد اللہ بن عمرو یا عبد اللہ بن شریح بن مالک بن ابی ربیعہ الفہری۔ وقال الاول اکثر واشہر کما فی جامع الاصول نیز ان کی والدہ کی کنیت ام مکتوم تھی اور نام عاتکہ بنت عبد اللہ الحنظلومیہ تھا۔ علامہ زمخشری نے کشاف میں ام مکتوم ان کی دادی کی کنیت غلط لکھی ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ نایبنا پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے ان کی ماں کو ام مکتوم کہتے تھے۔ یا بعد میں نایبنا ہو گئے تھے۔ دونوں قول ہیں۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

عَبَسَ وَتَوَلَّى (۱) اِنْ جَاءُوا الْاَعْمٰی (۲) وَمَا يُدْرِیْكَ لَعَلَّہٗ یَزَّکٰی (۳)

ترشہ ہو گئے اور منہ موڑ لیا اس بات سے کہ ان کے پاس ایک اندھا آ گیا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ شاید سنور جاتا

عَبَسَ	وَتَوَلَّى	اِنْ جَاءُوا	اَلْاَعْمٰی	وَمَا	یُدْرِیْكَ	لَعَلَّہٗ	یَزَّکٰی
تیوری چٹھائی	اور	منہ موڑا	اس سے کہ	آیا	اس	اندھا	اور
کس چیز	معلوم کروا یا تجھ	شاید وہ	پاک ہو جاتا				

أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرُ (۴) أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَى (۵) فَإِنَّ لَهُ تَصَدَّى (۶)

یا نصیحت قبول کر لیتا اور اس کو نصیحت فائدہ پہنچاتی، لیکن جو پرواہ نہیں کرتا آپ اس کے تو پیچھے پڑتے ہیں

أَوْ	يَذَّكَّرُ	فَتَنْفَعُهُ	الذِّكْرُ	أَمَّا	مَنِ	اسْتَغْنَى	فَإِنَّ	لَهُ	تَصَدَّى
یا	نصیحت سنا	پس فائدہ دیتی اس	نصیحت	ایچہ	جو شخص	بے پروائی کرتا ہے	پس تو	واسطے اس	تقید کرتا ہے

وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزْكِي (۷) وَأَمَّا مَنِ جَاءَكَ يُسْغَى (۸)

حالانکہ آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں کہ وہ نہ سنوے اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے

وَمَا	عَلَيْكَ	أَلَّا	يَزْكِي	وَأَمَّا	مَنِ	جَاءَكَ	يُسْغَى
اور	کیا	تیرے اوپر	یہ کہ نہ	پاک ہووے	اور	ایچہ	جو کوئی
						آیا تیرے	دوڑتا ہوا

وَهُوَ يَخْشَى (۹) فَإِنَّ عَنْهُ تَلَهَّى (۱۰) كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ (۱۱) فَمِنْ شَاءَ ذِكْرُهُ (۱۲)

اور وہ ڈرتا ہے تو آپ اس سے بے پروائی برتتے ہیں آپ ہرگز ایسا نہ کیجئے یہ تو ایک نصیحت ہے۔ پھر جس کا جی چاہے اس کو قبول کر لے۔

وَهُوَ	يَخْشَى	فَإِنَّ	عَنْهُ	تَلَهَّى	كَلَّا	إِنَّهَا	تَذْكِرَةٌ	فَمِنْ	شَاءَ	ذِكْرُهُ
اور وہ	ڈرتا ہے	پس تو	اس سے	تغافل کرتا ہے	ہرگز نہیں، یہ	نصیحت	پس جو	چاہے	یاد کرے، اس	یاد کرے، اس

فِي صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ (۱۳) مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ (۱۴) بِأَيْدِي سَفَرَةٍ (۱۵) كِرَامٍ بَرَرَةٍ (۱۶)

وہ معزز بلند مرتبہ، پاکیزہ صحیفوں میں نیک، بزرگ لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔

فِي	صُحُفٍ	مُكْرَمَةٍ	مَرْفُوعَةٍ	مُطَهَّرَةٍ	بِأَيْدِي	سَفَرَةٍ	كِرَامٍ	بَرَرَةٍ
میں	صحیفے	باعزت	بلند مرتبہ	انتہائی پاکیزہ	ہاتھوں میں	لکھنے والے	بزرگ	نیکیو کار

### لغات:

عَبَسَ عَبَسًا عُبُوسًا (ض) تیوری چڑھانا، ترش و ہونا، چہیں بچیں ہونا، منہ بنانا۔ راغب کہتے ہیں کہ ملول و دل تنگ ہو جانے سے ماتھے پر بل آجانے کو عبوس کہتے ہیں۔ امام رازی کہتے ہیں کہ ماتھے پر بل ڈالنے کیساتھ دانت بھی ظاہر ہو جائیں تو اس کو ”کَلَحَ“ جھمر و اللغہ بولتے ہیں۔ اور اگر منہ بنانے کا فکر و اہتمام بھی ہو تو اسکو ”بَسُرَ“ کہتے ہیں۔ اور اگر غصہ بھی ہو تو اس کو ”بَسُلَ“ کہتے ہیں۔ تَوَلَّى واحد مذکر غائب، باب تفاعل سے، منہ موڑا، توجہ نہ کی، بلا واسطہ تعدیہ ہو تو معنی ہوتے ہیں دوستی رکھنا، کسی کام کو اٹھانا، والی و حاکم ہونا۔ اور جب متعدی بحن ہو خواہ وہ عن لفظاً ہو یا تقدیراً تو منہ پھیرنے، توجہ نہ کرنے اور وہاں سے ہٹ جانے کے معنی میں آتے ہیں۔ حَسَبَ سے والی و متصرف ہونا، محبت کرنا، قریب ہونا۔ باب ضرب سے قلیل الاستعمال ہے۔ الاعمى صغیر واحد مذکر صفت مشبہ (س) نابینا ہونا۔ استغنى صیغہ واحد مذکر غائب ماضی بے پرواہ ہونا۔ غنی غنی (س) مالدار ہونا۔ بے پرواہ ہونا۔ تصدی واحد مذکر حاضر مضارع باب تفاعل سے تصدی درپے ہونا کسی چیز کے پیچھے پڑنا۔ صدی سے ماخوذ جس کے معنی آواز بازگشت کے ہیں۔ اس اعتبار سے تصدی کے معنی کسی چیز کے اس طرح مقابل ہونے کے ہونگے جس طرح آواز بازگشت مقابل ہوتی ہے۔ تصدی دراصل تصدی تھا ایک تاء تخفیفاً حذف ہو گئی صدی صدی (س) سخت پیاسا ہونا۔ تسلی صیغہ مثل تصدی بصلہ عن تغافل و بے پروائی کرنا۔

لَهَا لَهْوًا (ن) کھیلنا، فریفتہ ہونا، مانوس ہونا، بھولنا، (س) محبت کرنا۔ عن روگردانی کرنا۔ غافل ہونا۔ سفرۃ سافر کی جمع جیسے کتاب کی جمع کتبہ۔ سفر کے اصلی معنی (ن ص) کھلنا، واضح ہونا، واضح کرنا ہیں۔ کاتب کو سافراس لئے کہہ دیتے ہیں کہ وہ لکھ کر واضح کر دیتا ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ بطلی زبان میں اس کے معنی قراءت کرنے والوں کے ہیں۔ کرام جمع کریم کی جیسے لنام جمع لثیم کی۔ ہورۃ ہر کی جمع ہے۔ یہ لفظ ابرار کی بہ نسبت زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ ابرار باری جمع ہے اور ہورۃ، ہر کی۔ اور جس طرح عدل عادل سے زیادہ بلیغ ہے اسی طرح ہر بھی بار سے بلیغ ہے۔

ترکیب:

عبس فعل فاعل عائداً الى النبي صلى الله عليه وسلم وهو مذکور معنی جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہ۔ حکذا او تولی جملہ معطوف ان مصدریہ جاء فعل ہ مفعول بہ الاعمی فاعل جملہ فعلیہ بتاویل مصدر مفعول لہ عبس کا کوئیوں کے نزدیک۔ اور تولی کا بصریوں کے نزدیک۔ وعاطفہ ما استغفامیہ مبتدایدری فعل ضمیر فاعل ما کی طرف عائد ک مفعول اول لعل حرف مشبہ بہ فعل ھ اسم، یزکی فعل ضمیر فاعل جملہ فعلیہ خبریہ، جملہ مفعول ثانی، جملہ فعلیہ خبر ما جملہ اسمیہ ہوا۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یدری کا مفعول ثانی محذوف ہو ای وما یدریک حال عدم صلاحیۃ هذا الاعمی اور لعلہ..... جملہ اسمیہ متنافیہ ہو۔ پھر لعلہ کی ضمیر میں بھی دو احتمال ہیں (۱) الاعمی کی طرف عائد ہے (۲) من حضر عندہ علیہ السلام من اشراف قریش کی طرف راجع ہے۔ اس ثانی صورت میں جملہ عبس موضع تعلیل میں ہوگا۔ اور یدری کا مفعول ثانی محذوف ہوگا۔ ای وما یدریک ان ذلک مرجو الوقوع او عاطفہ بمعنی واؤ یدکر جملہ کا عطف یزکی پر ہے۔ فتفعہ الذکری، مفعول بہ، فاعل علی الترتیب جملہ معطوف یدکر پر۔ اما حرف تفصیل من موصول متضمن بمعنی الشرط استغنی جملہ فعلیہ صلہ مبتدا۔ فاء جزائیۃ انت مبتدأ تصدی فعل بافاعل لہ متعلق مقدم سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ مبتدا خبر، جملہ اسمیہ خبریہ مبتدائے اول کی، و حالہ ما مشابہ یلیس علیک الزاماً کے متعلق ہو کر خبر مقدم ان لازمی کی جملہ بتاویل مفرد اسم مؤخر۔ جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوگا۔ تصدی کی ضمیر سے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ ما کا اسم محذوف اور علیک خبر ہے ای لیس باس ثابتاً علیک اور ان سے پہلے لام جارہ ہے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ ما مشابہ یلیس نہ ہو بلکہ برائے استفہام انکاری مبتدا ہو اور علیک، ثابت کے متعلق ہو کر خبری ضرورتاً بت علیک..... و اما من جاء ک مثل سابق اور اسی پر عطف ہے۔ اور یسعی جملہ فعلیہ جاء کے فاعل سے حال ہے۔ اور وہو یخشی جملہ اسمیہ یسعی کے فاعل سے حال ہے۔ فانت عنه تلہی مثل فانت لہ تصدی، کلا حرف ردع، ان حرف مشبہ بہ فعل اپنے اسم ہا اور خبر تذکرۃ سے مل کر جملہ اسمیہ تعلیل ردع ہے فمن شاء ذکرہ مرثلہ۔ والضمیر فی ”انہا و ذکرہ“ راجعان الی القرآن، و اما تانیث الاول فلتانیث الخبر وقیل الضمیر الاول للسورة اول لآیات السابقة والثانی للتذکرۃ لانہا فی معنی الذکر والوعظ ومن جوز جوعہما الی المضمون السابق فقد اخطأ واساء الادب فتامل صحف اپنی تمام صفات آئندہ سے مل کر کائنۃ کے متعلق ہو کر تذکرۃ کی صفت ہے یا ان کی خبر ثانی ہے اور درمیان میں جملہ مقررہ ہے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ مبتدا محذوف ہی کی خبر ہے سفرۃ اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ ایدی کا مرکب اضافی مجرد متعلق مطہرۃ کا یا متعلق محذوف ہو کر ضمیر مطہرۃ سے حال ہے یا صحف کی چوتھی صفت۔ واللہ اعلم۔

## تفسیر:

عنبر و تولی ..... (جیسے بچیں ہو گئے اور منہ موڑ لیا اس وجہ سے کہ اندھا آگیا) سورۃ عنبر کی یہ ابتدائی آیات شان نزول میں مذکورہ واقعہ پر بطور عتاب نازل ہوئیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حق تعالیٰ نے بنی آدم کی ہدایت کے لئے انہیں میں سے کچھ مقدس ہستیوں کو منتخب فرمایا ہے۔ ان حضرات کا ایک طرف تو اللہ تعالیٰ سے کامل ربط و تعلق ہوتا ہے۔ دوسری طرف وہ کامل و مکمل انسان ہوتے ہیں۔ تمام بشری کمالات اور فطری تقاضے ان حضرات میں بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں۔ مرضیات ربانی کا ان پر نزول ہوتا ہے۔ اور وہ بندوں کو ان کی تعلیم و تبلیغ کرتے ہیں۔ ان نفوس مقدسہ کے مربی و معلم حق تعالیٰ ہوتے ہیں۔ اور وہ خلقت کے معلم و مربی ہوتے ہیں۔ ان نفوس قدسیہ کو انبیاء و رسل علیہم السلام کہتے ہیں جو خلق و خالق کے درمیان ایک واسطہ و ربط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ معصوم اور جملہ عیوب و نقائص سے مبرا ہوتے ہیں۔ ہاں ان سے بھول چوک، اجتہادی خطا یا غلط فہمی کے خلاف بھول کر گاہے کوئی فعل سرزد ہو سکتا ہے۔ جو گناہ نہیں ہوتا۔ مگر بڑوں کی معمولی اور ادنیٰ سی فروگزاشت اور بے احتیاطی بھی عتاب و غصہ کا باعث ہو جاتی ہے۔ اور ان حضرات کی تادیب و تہذیب اور تعلیم احتیاط کے لئے عتاب کا اظہار بھی ہوتا ہے جیسے آدمی بھی اپنے چھوٹے بے شعور بچے کی بہت سی ناشائستہ حرکات کو نظر انداز کرتا ہے۔ اور اس کی بے ادبیوں پر بھی مواخذہ نہیں کرتا۔ اور بڑی اولاد کی ادنیٰ بے التفاتی پر دار و گیر، عتاب اور اظہار غصہ کرتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ شانہ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ حضرات کا ملین انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی ادنیٰ بے التفاتی پر جو ان کے منصب عالی و مرتبہ عظیم کے خلاف بھی نہیں ہے عتاب فرمایا جاتا ہے۔ بس اسی نوع کے مذکورہ واقعہ پر اس سورت میں عتاب کا نزول ہوا۔ **جَوَّذْبَنِي رَبِّي فَأَحْسَن تَأْدِيبِي وَ عَلَّمَنِي رَبِّي فَأَحْسَن تَعْلِيمِي** کا ایک عجیب خوشگوار و پرانوار منظر ہے (جمع الجوامع)

## عتاب کیوں ہوا؟

اس مقام پر بڑا اشکال یہ ہے کہ عتاب آخر کیوں فرمایا گیا۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضائے عقل سلیم و اصول شرع کے خلاف کوئی بات پیش نہیں آئی، شرعاً اور عقلاً آپ کا عمل درست اور بر محل تھا۔ (۱) عام نفع خاص پر مقدم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداران قریش کی دعوت و تبلیغ کو مقدم کیا جس میں نفع عام تھا۔ اور ناپینا کی تعلیم کو مؤخر کر دیا جس کا نفع خاص تھا۔ سرداران قریش کو دعوت دینے میں عام نفع اس لئے تھا کہ وہ دور قبائلی سرداری کا تھا۔ قبیلہ کا کوئی بڑا آدمی اسلام قبول کر لیتا تو پورا قبیلہ اسلام میں داخل ہو جاتا۔ **النَّاسُ عَلَي دِينِ مُلُوكِهِمْ** (مرواۃ المفاتیح، کتاب الجہاد، باب الكتاب الی الکفار و دعائهم، ج: ۱۲، ص: ۶۰)۔ (۲) اصول دین اور ایمان کی دعوت مقدم ہے، اعمال و فروع کی تعلیم سے، کیونکہ اصول اور ایمان پر مدار نجات ہے نہ کہ اعمال پر۔ گویا کافر کی حالت سرسام والے مریض کی سی ہے۔ ذرا سی سستی و غفلت سے مریض لا علاج ہو سکتا ہے اور مسائل شرعیہ یا تعلیم قرآن سے ناواقف کی حالت معمولی مریض کی سی ہے۔ جس کے علاج میں تاخیر کی بھی گنجائش ہے۔ اس لئے آپ نے کفار کی تبلیغ و تعلیم کو مقدم رکھا اور ناپینا کی تعلیم کو مؤخر فرمایا۔ (۳) کفار کو اس وقت ایمان کی دعوت اور حق سمجھانے کا موقع میسر تھا۔ نہ معلوم پھر سہولت سے ایسا موقع ملتا یا نہ ملتا اور ناپینا ہر

وقت کے حاضر باش خادم اور قریبی تعلق رکھنے والے تھے۔ ان کو کسی وقت بھی تعلیم دی جاسکتی تھی۔ (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترش روئی ناپائیدار کی نامناسب حرکات، بار بار تقاضے اور آپ کی بات کاٹ دینے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر پیش آئی۔ اور غیر اختیاری امور میں عتاب اور خفگی تکلیف مالا یطاق اور بے موقع ہے۔ (۵) پھر ناپائیدار کے نزدیک ترش روئی و کشادہ روئی، متوجہ رہنا یا منہ پھیر لینا سب برابر ہے۔ جب اس کو نظر نہیں آتا تو رنج و ملال بھی نہیں ہوگا جس پر عتاب ہو سکے۔ (۶) اس وقت تک اس فعل کی ممانعت بھی نازل نہ ہوئی تھی۔ جس سے اس کا ناپسندیدہ و خلاف منشاء خداوندی ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا تو ابتداء ہی میں اس قدر عتاب و خفگی کا کیا موقع تھا؟ (۷) پھر اس طرز میں طالب کی اصلاح و تادیب بھی تھی۔ جو آپ کی تشریف آوری و بعثت کا مقصود ہے۔

### شہادت کا حل:

اوپر اصول معلوم ہو چکا ہے کہ ادنیٰ بے احتیاطی اور منشاء خداوندی کی معمولی خلاف ورزی پر بھی مقررین سے مواخذہ ہو جاتا ہے۔ گو وہ فرو گذاشت گناہ کی حد تک نہ پہنچی ہو۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُفْرِّقِينَ بہت سے کام نیکوں کے لئے اجر و ثواب کا باعث ہوتے ہیں۔ اور مقررین کے لئے وہی کام قابل مواخذہ ہو جاتے ہیں۔

کارِ پا کاں راقیاں از خود مکیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(۱) آپ نے نفع عام کو نفع خاص پر مقدم رکھا۔ مگر یقینی کو چھوڑ کر غیر یقینی کو اختیار فرمایا۔ ناپائیدار کی تعلیم میں نفع متیقن تھا۔ اور سرداران قریش کو دعوت دینے میں یہ بات یقینی نہ تھی۔ کہ وہ ان کے لئے سودمند ثابت ہوگی۔ (۲) نفوس قدسیہ کو چاہئے کہ طالب کی قوت استعداد کا لحاظ رکھیں۔ اور اسی کے موافق فیض رسانی کریں۔ انجام کے اعتبار سے اسی میں نفع عام ہوتا ہے۔ خاکسار فقیر فیض حاصل کر کے عالم کے لئے شمع و چراغ بننا اور تارکیوں کو دور کرتا ہے۔ اور جس کے پاس طلب و قوت استعداد نہ ہو تو وہ خود بھی محروم اور ظلمتوں میں گرفتار رہتا ہے۔

الحاصل قوت استعداد سے نفع عام و تام ہوتا ہے۔ اہل ظاہر کثرت تعداد و قوت اسباب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ کے منصب عالی کے موافق یہ اصول تھا۔ اور اس اصول پر ناپائیدار کی طرف متوجہ ہوتے نہ کہ کثرت و قوت اور دولت و ثروت والوں کی طرف۔ (۳) لا علاج مریضوں کے علاج میں کامیابی کی توقع نہیں ہوتی۔ اور جن مریضوں کی شفا متوقع یا متیقن ہو ان پر ہی توجہ مبذول کرنا حکمت کا اصول ہے۔ (۴) آپ کا فرض منصبی پیغامات ربانی کو پہنچانا ہی تو تھا نہ کہ جبراً منوانا۔ اس لئے آپ اس کے مکلف نہ تھے کہ اب موقع میسر آ گیا ہے پھر آئے نہ آئے، بلکہ فرض منصبی کی ادائیگی کی طرف ہی متوجہ ہونا آپ کے شایان شان تھا۔ اور طالب کو مایوس کر دینا مناسب نہ تھا۔ (۵) ناپائیدار کی تعلیم تھا۔ اس کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے پیچھے پڑ جانا جن میں طلب نہ تھی۔ احتیاط کا تقاضا نہ تھا۔ طالب کی طبیعت فیض کے لئے آمادہ ہوتی ہے۔ اور اس کو تقاضا ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہوا جیسا کہ ایک بھوکے اور پیاسے کو چھوڑ کر ایسے شخص کو کھلانے پلانے کی کوشش کرنا جس کو بھوک پیاس کا احساس تک نہ ہو۔

(۶) ناپائیدار آداب مجلس کا لحاظ نہ رکھنے اور بار بار تقاضا کر کے بات کاٹ دینے میں معذور تھا۔ اس عذر کو لفظ اعلیٰ سے بیان فرمادیا گیا کہ وہ ناپائیدار تھے۔ انکو پتہ نہ چلا کہ آپ کس شغل میں مشغول ہیں۔ اس کی معذوری کو نظر انداز کر کے اظہار

خفگی آپ کی علوشان کے مناسب نہ تھا۔ گویہ امر پورے طور پر اختیار ہی نہ تھا لیکن اگر احتیاط ملحوظ رکھی جاتی تو یہ امر غیر اختیاری نہ ہوتا۔ (۷) عتابِ تقصیر و گناہ پر نہیں، بلکہ اس سے تربیت و تادیب مقصود ہے۔ اس تخلیق باخلاق اللہ کی تعلیم و تاکید کرنے کے انداز میں عتاب اختیار کیا گیا ہے۔ دنیا میں ہر شخص اپنے چہیتوں کو اپنے اخلاق میں ڈھالتا ہے۔ اور ادنیٰ خلاف ورزی پر تنبیہ کرتا ہے بادشاہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی اولاد صلحا و مشائخ کی طرح گوشہ نشین ہو جائے اور علماء و صوفیہ اس کو پسند نہیں کرتے کہ ان کی اولاد سیاست اور وکالت وغیرہ کی لائیں اختیار کریں۔ اسی طرح اللہ جل شانہ اپنے محبوب بندوں میں اپنے اخلاق و عادات دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے پہلے سے اجازت و ممانعت وغیرہ کی ضرورت ہی نہیں۔ (۸) فقیر نابینا سے لا پرواہی اور ترش روئی پر علی الاعلان عتاب میں آپ کی امت کی تادیب و تربیت بھی مقصود ہے۔ گو اس فقیر کو اس کا احساس نہ ہوا۔ پھر اخلاص و احسان کی تعلیم بھی ہے کہ اللہ کا دھیان ہمہ وقت رہے۔

بھلائی کر بھلا ہوگا برائی کر برا ہوگا کوئی دیکھے نہ دیکھے پر خدا تو دیکھتا ہوگا  
پھر جن لوگوں کو علم تھا ان سے اس خیال کو ہٹانا بھی منظور ہے کہ کسی قسم کی ریا محبوب حق میں ہو۔ (۹) یہ صحابی آنکھوں کے اندھے تھے دل کے بینا تھے۔ اور مشرکین دل کے اندھے تھے۔ اور یہ اندھا پن ہی اصل ہے تو آپ نے آنکھوں کے اندھے سے منہ پھیر لیا اور دل کے اندھوں کی طرف متوجہ رہا۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہونا چاہیے تھا۔ دل کے اندھوں پر محنت رائیگاں ہے۔ اور وہ آنکھوں کا اندھا ہزاروں بیناؤں کا مقتدا بننے والا تھا۔

فدا ئے کوری خفا ش چشم بینائی کے بے خبر زرخ آفتاب نیم شمی است  
(۱۰) یہ نابینا خدا کا دوست تھا۔ اور مشرکین دشمن تھے۔ دوست کا دوست التفات کا مستحق ہے نہ کہ دشمن۔

### ﴿تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ﴾

لیفٹہ:..... اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا نام ہی سورہ عیس رکھا ہے۔ یہ لفظ پورے واقعہ کی غمازی کرتا ہے۔ یہ لفظ جب بھی کسی شیخ و معلم اور مربی کے دھن و زبان پر آریگا فوراً قصہ یاد آ جائیگا۔ اور تلازمہ و طلبہ اور مریدین کے سلسلہ میں عبرت و معظمت قلب میں مستحضر ہو جائیگی۔ یہ مفیدین و مستفیدین پر خاص عنایت و کرم ہے۔

عظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

ان آیات سے عظمت و اعزاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند طریقوں سے معلوم ہوتا ہے۔ (۱) اس جگہ بظاہر ہر صے خطاب کا موقع تھا۔ لیکن اس کے بجائے غائب کا صیغہ اختیار کیا گیا جس میں عتاب کی حالت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام و احترام ملحوظ رکھا گیا اس صیغہ غائب سے ایہام کیا گیا کہ جیسے یہ کام کسی اور نے کیا ہو کہ یہ کام آپ کی شایان شان نہ تھا کیونکہ دراصل ہر کام کا مدانیت پر ہے۔ آپ کی نیت ان سے اعراض و انحراف کی نہ تھی، بلکہ یہ تھی کہ یہ تو اپنے ہیں۔ فرعی مسئلہ پوچھتے ہیں پھر کبھی تعلیم کر دوں گا۔ یہ لوگ اجنبی ہیں۔ اصول کی تبلیغ اہم ہے ذرا اعراض سے یہ لوگ چلے جائیں گے۔ پھر موقع میسر آنا دشوار ہوگا۔ اس لئے گویا یہ فعل آپ سے سرزد ہی نہیں ہوا۔ اور آپ سے اعراض پایا ہی نہیں گیا۔

(۲) و ما یدر یک میں آپ کے عذر کی طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا کہ بے خبری میں ایسا ہوا۔ اگر اس طرف دھیان کیا ہوتا کہ یہ صحابی جو کچھ دریافت کرتے ہیں۔ اس کا اثر یقینی ہے۔ اور غیروں سے گفتگو کا اثر موہوم ہے تو آپ ایسا نہ کرتے۔



(۳) یہ جملہ و ما یدریک..... میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات میں آپ کے قلب سے ملال کو دور کرنے تکرم و دلجوئی بھی منظور ہے اگر بالکل خطاب کا صیغہ استعمال نہ ہوتا تو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اس عمل کی ناپسندیدگی ترک خطاب کا سبب بن گئی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ناقابل برداشت رنج و الم کا باعث ہوتا۔ جس طرح پہلے دو جملوں میں غائب کا صیغہ استعمال کرنے میں آپ کی تکرم و دلجوئی ہے اس جملہ میں صیغہ خطاب سے تکرم و دلجوئی مفہوم ہوتی ہے۔

لعلہ یزکی او یدکر فتنفعہ الذکری..... یعنی آپ کو کیا معلوم کہ وہ دریافت کرنیوالے صحابی (اگر آپ ان کو تعلیم دیتے تو وہ) اپنے نفس کا تزکیہ کر کے کمال حاصل کر لیتے۔ یا کم از کم ذکر سے ابتدائی نفع اٹھاتے۔ جس سے ان کے دل میں خوف خداوندی اور اس کی محبت کی ترقی ہو جاتی۔ لفظ ذکر کی کے معنی کثرت ذکر کے ہیں۔

فائدہ..... یہاں قرآن کریم نے دو جملے اختیار فرمائے ہیں۔ ﴿یزکی، یدکر﴾ پہلے کے معنی پاک صاف ہونے کے ہیں۔ اور دوسرے کے معنی نصیحت حاصل کرنے اور ذکر سے متاثر ہونے کے ہیں۔ پہلا مقام ابرار و اتقیاء کا ہے جو اپنے نفس کو ظاہری اور باطنی ہر قسم کی گندگیوں سے پاک صاف کر لیں۔ اور دوسرا مقام دین پر چلنے کا ابتدائی حال ہے کہ اس کو اللہ کی یاد دلائی جاتی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کا خوف دل میں اترتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کو تعلیم دینا نفع سے کسی حال میں خالی نہ تھا۔ خواہ نفع کامل ہوتا کہ وہ تزکیہ نفس مکمل حاصل کر لیتے۔ یا ابتدائی نفع حاصل ہوتا کہ اللہ کی یاد، عظمت و خوف ان کے قلب میں متحضر ہو جاتے۔ دونوں جملے بحرف تردید (او) مستعمل ہیں۔ یعنی ان دونوں میں سے کوئی ایک نفع ضرور حاصل ہوتا۔ یہ قضیہ مانعة الخلو ہے۔ یعنی دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں ابتداءً تک اور انتہاءً تک۔ لیکن دونوں مرتفع نہیں ہو سکتے۔ مانعة الجمع نہیں ہے کہ دونوں نفع جمع نہ ہو سکیں۔ اس کی مثال جَالِسُ الْحَسَنِ الْاَوْابِنِ سِیْرِینِ کہ ایک کے ہم نشین تو ضرور ہوں دونوں کے بھی بن سکتے ہو۔

تنبیہ..... مقررین و صدیقین کا حال یہاں نہیں بیان کیا گیا۔ یہ مقام اختیاری مراتب کے بیان کا ہے۔ اور ان کا مقام محض وہی و عطیہ ربانی ہوتا ہے اعمال حسنہ سے اس مقام تک پہنچنا ممکن نہیں۔ بعض علما کا قول ہے کہ لعلہ کی ضمیر اعمیٰ کی طرف نہیں بلکہ کافر کی طرف راجع ہے۔ جس سے جس کا فر مراد ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو جن کفار کے نصیحت پذیر و پاک ہو جانے کی حرص ہے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کی یہ تمنا پوری ہو ہی جائیگی۔ اس صورت میں یدری کا مفعول اول ک ہوگا اور مفعول ثانی لعلہ یزکی ہوگا۔

فائدہ..... ان آیات سے اشارۃً چند باتیں معلوم ہوئیں: (۱) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبوبیت (۲) کسی معذور آدمی سے بے خبری میں کوئی بات آداب مجلس کے خلاف سرزد ہو جائے تو وہ قابل مواخذہ و عتاب نہیں۔ (۳) سرداران قریش آپ کے مخاطب کے قابل نہ تھے۔ یہ ناپیدنا صحابی لائق مخاطب و التفات تھے۔ (۴) ان کے اسلام کی توقع نہیں نہ ان کی اسلام کو ضرورت۔ (۵) طالب قابل توجہ ہے۔ بے طلب قابل التفات نہیں۔ (۶) اہل دعوت اور مصلحین کو اہل (اخلاص خواہ وہ مفلس ہوں) کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ اہل اسباب کی خاطر ان کو نظر انداز کر دینا موجب عتاب ہے۔ کاش اہل علم اس راز کو سمجھیں۔ اور اس دور کے علماء اور رواجی مشائخ اپنے طرز پر نظر ثانی کریں۔

## تبلیغ و تعلیم کا اہم ترین اصول:

یہ تو ظاہر ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو کام بیک وقت آگئے تھے ایک تو مسلمان کو تعلیم اور اس کے تزکیہ و تکمیل اور دلجوئی کا مسئلہ۔ دوسرے غیر مسلموں کی ہدایت کے لئے محنت و کوشش اور توجہ۔ قرآن پاک نے اس مقام پر واضح کر دیا کہ پہلا کام دوسرے کام پر مقدم ہے۔ دوسرے کام کی وجہ سے پہلے کام میں تاخیر کرنا یا کوئی خلل ڈالنا درست نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح کی فکر غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کی فکر سے اہم اور مقدم ہے۔

اس میں ان علماء کے لئے ایک اہم ہدایت موجود ہے جو غیر مسلموں کے شبہات و شکوک کو ازالہ کرنے اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کی خاطر بعض ایسے کام کر بیٹھتے ہیں جن سے عام مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات یا شکایات پیدا ہو جاتی ہیں ان کو اس قرآنی ہدایت کے مطابق مسلمانوں کی حفاظت و اصلاح حال کو مقدم رکھنا چاہئے۔ اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ہے۔

بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو      دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی

بعد والی آیات میں قرآن مقدس نے اسی بات کو پوری وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔ امّا من استغنى..... یعنی جو شخص آپ سے استغناء و بے رخی برت رہا ہے تو آپ پر کوئی الزام نہیں۔ اور جو شخص دوزخا ہوا طلب علم دین کے لئے آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا بھی ہے۔ آپ اس کی جانب التفات نہیں فرماتے۔ ان آیات میں واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی کہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کر کے ان کو پاک مسلمان بنانا غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی فکر سے زیادہ اہم اور مقدم ہے۔ واللہ اعلم۔

کلا ینہا تذکرۃ..... اس آیت میں بیان فرمایا گیا کہ یہ قرآن (یا سورت یا آیات) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے ایک نصیحت ہے۔ جو طالب کو نافع ہے۔ اسی لئے فرمایا من شاء ذکرہ جو چاہے اس کو قبول کرے اور یاد کرے۔ یہ زبردستی چھاننے کی چیز نہیں۔ آفتاب کو احتیاج نہیں جس کو ضرورت ہے اس کی روشنی سے کام لے۔ نفع حاصل کرے۔ اس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی گئی ہے کہ آپ لوگوں کے پیچھے زیادہ نہ پڑیں۔ کام کی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرض منصبی ادا فرمادیں اور بس۔ صاحبِ منظر بھی فرماتے ہیں کہ اس میں اشارۃً قرآن کو حفظ نہ کرنے والوں کو زجر اور حفظ کرنے والوں کی ثناء بھی ہے۔ بلکہ عام معنی کے اعتبار سے یہ کہنا زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے اعراض کرنے والوں کی مذمت اور اس میں مشغول رہنے والوں کی مدحت اس سے اشارۃً مفہوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

فی صحف مکرمة..... صحف سے مراد لوح محفوظ ہے۔ وہ اگرچہ ایک ہی ہے۔ مگر اس کو جمع اسلئے لایا گیا ہے کہ اس میں تمام صحف آسمانی مکتوب ہیں۔ یا اسلئے کہ فرشتے اس سے اپنے صحیفے نقل کرتے ہیں۔ یا اس سے وہ نقلیں ہی مراد ہیں جو فرشتے لوح محفوظ سے کرتے ہیں۔ یا حضرات انبیاء علیہم السلام کے صحائف مراد ہیں۔ جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا إِنَّهُ لَقَوْلُ الْأَوَّلِينَ (ہمارے: ۱۹، سورۃ الشعراء، الآیہ: ۱۹۶) هَٰذَا الْقُرْآنُ الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرٰہِیْمَ وَمُوسٰی (ہمارے: ۳۰، سورۃ الاعلیٰ، الآیہ: ۱۸، ۱۹)۔ یا وہ صحیفے مراد ہیں۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے از اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھ لئے تھے۔

## صحف انبیاء میں وجود قرآن کا مطلب:

صحف انبیاء میں قرآن کے موجود ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ قرآن مقدس کی بنیادی تعلیمات، توحید، الوہیت، ربوبیت، صفات کمالیہ، وجود ملائکہ، خیر و شر کا مقدر من اللہ ہونا، عذرا کر مبدء و معاد، وحی و رسالت، اصول حسنات و اوامر، اصول سیئات و نواہی وغیرہ سب چیزیں سابقہ کتب ساوی میں بھی مذکور تھیں۔ قرآن نے یہ باتیں نئی نہیں بتائیں۔ تمام کتب آسمانی میں یہ تعلیمات مشترک ہیں۔ رہیں وہ خصوصیات شریعت اور ضوابط و آئین جن میں قرآن منفرد ہے۔ وہ گذشتہ صحف انبیاء میں موجود تھیں۔ جیسا کہ قرآن میں پچھلی شریعتوں کی خصوصیات نہیں ہیں۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ قرآن صرف معانی کا نام ہے۔ الفاظ و عبارت قرآن کا جزء نہیں۔ جیسا کہ فرقہ قرآنیہ کا خیال فاسد ہے کہ قرآن کا صحف انبیاء ہونا بتایا گیا ہے ظاہر ہے کہ ان میں قرآن کے معانی ہی ہو سکتے تھے نہ کہ الفاظ و عبارات بلکہ قرآن کے الفاظ و عبارات جبرئیل امین یا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرے ہوئے ہیں۔ قدماء میں بھی بعض لوگ اہل قرآن (جو درحقیقت منکرین قرآن ہیں) کی طرح اس کے قائل ہوئے ہیں۔ اور یہ اندھے ان آیات کو نہ دیکھ سکے جن میں مثل قرآن یا دس سورتوں یا ایک سورت کے مقابلہ کا چیلنج کیا گیا ہے۔ اور ﴿بَلِّسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾ (پارہ: ۱۹، سورۃ الشعراء، الآیہ: ۱۹۵) اور ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَفَظُونَ﴾ (پارہ: ۲۴، سورۃ الحجر، الآیہ: ۹) اور ﴿وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ﴾ (پارہ: ۲۵، سورۃ الزخرف، الآیہ: ۲۳) وغیرہ بہت سی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مقدس الفاظ و معانی ہر دو مجموعہ کا نام ہے۔ کتب علم کلام میں کلام نفسی کی تحقیق کے موقع پر یہ بحث مفصل و مدلل موجود ہے یہاں ان تفصیلات کے ذکر کا موقع نہیں۔

مکرمۃ جو عند اللہ قدر اور عند الناس معزز ہیں۔ اور جن کی تکریم کے انسان مکلف ہیں۔ مرفوعۃ ان کو رفعت مرتبہ بھی حاصل ہے اور عالیشان مقام بھی۔ ساتویں آسمان پر لوح محفوظ پھر آسمان دنیا پر بیت العزت اور نزول کے بعد قلوب مومنین اس کتاب مقدس کے مقامات ہیں۔ مطہرۃ وہ پاکیزہ ہیں۔ ناپاک لوگوں کو اس کے چھونے کا حق نہیں۔ جب، حائض، نساء، اور بے وضوء شخص کو اسے چھونا جائز نہیں۔

بایندی سفرۃ کبراہ ہرۃ ..... سفرۃ: بفتح تین سافر کی جمع بھی ہو سکتی ہے۔ جس کے معنی کاتب کے آتے ہیں اس صورت میں اس سے مراد فرشتے، کرلنا کاتبین یا انبیاء علیہم السلام اور ان کی وحی کو لکھنے والے حضرت ہوں گے۔ ابن عباسؓ و مجاہدؓ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ اور یہ لفظ سفرۃ، سفیر بمعنی قاصد کی جمع بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد رسل ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اور وحی کی کتابت کرنے والے حضرات صحابہ ہوں گے۔ اور علماء امت بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان سفیر و قاصد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ قرأت میں بھی ماہر ہے تو وہ سفرۃ کبراہ ہرۃ کے ساتھ ہے۔ اور جو شخص ماہر نہیں مگر تکلف کے ساتھ مشقت اٹھا کر قرأت صحیح کر لیتا ہے اسکے لئے دو ہرۃ ہر ہے۔ (رواہ الشیخان عن عائشہ مظہری) اس سے معلوم ہوا کہ غیر ماہر کو دو ہر ملے ہیں۔ ایک قرأت قرآن کا دوسرا مشقت اٹھانے کا۔ اسی سے ماہر قرآن کو بے شمار اجر ملنا معلوم ہوا۔

قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرَهُ (۱۷) مِنْ أَيْ شَيْءٍ خَلَقَهُ (۱۸) مِنْ بُطْفَةِ خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ (۱۹)

خدا کی ماردی پر وہ کیا ناشگما ہے اس کو کس چیز سے بنایا؟ ایک بوند سے اس کو بنایا پھر اس کا ایک اندازہ مقرر کر دیا

قَتَلَ	الْإِنْسَانَ	مَا أَكْفَرَهُ	مِنْ	أَيْ شَيْءٍ	خَلَقَهُ	مِنْ	بُطْفَةِ	خَلَقَهُ	فَقَدَرَهُ
مارا جائے	انسان	کچھ، اگھر	سے	کس چیز	اے پیدا کیا	سے	نطفہ	نطفہ	پھر اندازہ کیا

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ (۲۰) ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ (۲۱) ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ (۲۲)

پھر اسکا راستہ آسان کر دیا پھر اسکو موت دی پھر اس کو قبر میں رکھوایا پھر جب اللہ چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کر دے گا

ثُمَّ	السَّبِيلَ	يَسَّرَهُ	ثُمَّ	أَمَاتَهُ	فَأَقْبَرَهُ	ثُمَّ	إِذَا	شَاءَ	أَنْشَرَهُ
پھر	السیبیل	راستہ	پھر	آسان کیا	پھر	اس	جب	چاہے گا	اُٹھائے گا

كَلَّا مَّا يَفْقُضْ مَا أَمَرَهُ (۲۳) فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ (۲۴) أَنَّا صَبَّيْنَا الْمَاءَ صَبًّا (۲۵)

ہرگز نہیں اس کو جو حکم کیا تھا وہ اسکو بجا نہیں لایا پھر انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے میں غور کرے کہ ہم نے اوپر سے پانی برسا یا

كَلَّا	مَّا يَفْقُضْ	مَا أَمَرَهُ	ثُمَّ	أَمَاتَهُ	فَأَقْبَرَهُ	ثُمَّ	إِذَا	شَاءَ	أَنْشَرَهُ
ہرگز نہیں	ابھی تک	ادالکی	وہ چیز کہ	حکم کیا	اس	پس چاہیہ دیکھو	انسان	طعامہ	اتنا

ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا (۲۶) فَانْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا (۲۷) وَعَبْنَا وَقَضْبًا (۲۸)

پھر ہم نے زمین کو چیر بھاڑ کر اس میں غلہ اور انکور اور ترکاری

ثُمَّ	شَقَقْنَا	الْأَرْضَ	شَقًّا	فَانْبَتْنَا	حَبًّا	وَعَبْنَا	وَقَضْبًا
پھر	بھاڑا ہم	زمین	بھاڑنے کی	پس اگائے ہم	انج	اور	اور

وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا (۲۹) وَحَدَائِقِ غُلَبًا (۳۰)

اور زیتون اور کھجور اور گنے باغات اگلے

وَزَيْتُونًا	وَنَخْلًا	وَحَدَائِقِ	غُلَبًا
زیتون	کھجوریں	باغات	گھن کے

وَفَاكِهَةً وَأَبًّا (۳۱) مَتَاعًا لَّكُمْ وَلَآئِعًا مِّمَّا (۳۲)

اور میوہ اور چارہ پیدا کیا۔ تمہارے نفع کیلئے اور تمہارے چوپائے کیلئے۔

وَفَاكِهَةً	وَأَبًّا	مَتَاعًا	لَّكُمْ	وَلَآئِعًا	مِّمَّا
میوہ	چارہ	فائدہ	واپسے تمہارے	اور	واسطے چارہ پاویں تمہارے

لغات:

قَتَلَ صیغہ مجهول (ن) مارا گیا یعنی مارا جائے۔ یہاں ماضی بمعنی مستقبل ہے۔ اور یہ جملہ بدعا یہ ہے۔ لیکن اللہ کے کلام میں بدعا کے معنی حقیقی نہیں ہو سکتے، بلکہ ایجا قتل مراد ہوتا ہے۔ یعنی اللہ نے اس کا قتل کیا مگر مقرر کر دیا۔ یا اپنی رحمت سے اس کو دور کر دیا۔ یہاں اخیر معنی انب ہیں۔ امات واحد کفر غائب ماضی افعال سے موت دینا، مارتا (یہ دس)

مرنا۔ **الْقَبْرُ** القبر میں رکھنا، حجر میں رکھنا۔ **قَبْرًا** دفن کرنا۔ **مَقْبَرًا** (ن) دفن کرنا۔ **صَبَّحْنَا** صبح منظم ماضی  
**صَبَّ** صَبَّ (ن) پانی اٹھ لینا۔ اوپر سے نیچے کو بہانا۔ **شَقَقْنَا** (ن) پھاڑنا حبا دانہ، غلہ، اناج، جمع حبوب غنہ انکور۔  
انکور کا درخت۔ اسی کا واحد غنہ اور جمع اغناب۔ **قَضَبًا** کثیر، سبز ترکاری بر **قَضَبُ** اور **قَضْبُ** دونوں کے معنی۔ تروتازہ۔  
لیکن درخت کی تروتازہ شاخ کو **قَضْبُ** اور سبز ترکاری کو **قَضَبُ** کہا جاتا ہے۔ **قَضَبُ** **قَضْبًا** (ض) کا ثنا غلبہ غلباء کی  
جمع موٹی گردن والی۔ مراد وہ باغ جن میں درخت بہت ہوں۔ گھنے درختوں والا باغ۔ **لَبَا** جانوروں کے کھانے کی گھاس اور  
چارہ کو کہتے ہیں، لیکن وہ کون سی گھاس اور کون سا چارہ ہے اور اسکی کیا شکل و صورت ہے۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مجاہد،  
حسن بصری، قتادہ اور ابن زید کا بیان ہے کہ انسانی غذا میں میوے کا جو درجہ ہے چرند پرند کی خوراک میں وہی حیثیت اس کی  
ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب اسکی تعیین کے متعلق سوال ہوا تو فرمانے لگے **أَيُّ شَيْءٍ تَطْلُقُ؟** وائی  
**أَيُّ شَيْءٍ تَطْلُقُ؟** اِذَا قُلْتُ فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا لَا أَعْلَمُ (کونسا آسان مجھ پر سایہ لگن ہوگا اور کونسی زمین مجھ کو اپنے اوپر رہنے  
دیگی جبکہ میں کتب اللہ کی تفسیر میں ایسی بات کہہ دوں جس کا مجھے علم نہیں)۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ  
سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ آیت پڑھی۔ اور فرمایا کہ ”اب“ کیا ہے؟ پھر خود ہی  
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نہ اس کی تعیین کا مکلف کیا ہے اور نہ اس کا حکم دیا ہے۔ اس سے تفسیر قرآن کے متعلق صحابہ کرام  
وسلف صالحین کی انتہائی احتیاط کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک ہمارا دور ہے۔ یہ بات قابل غور ہے۔ اب کی جمع اقوال آتی ہے  
ترکیب: ..... **فَعِلْ** **الاحسان** فعل مجہول و نائب فاعل (جملہ دعائیہ) **مَا مَبْدَأُ** (لِکُونِهَا نِکْرَةً مُخَصَّصَةً) **فَعِلْ**  
**فَعِلْ** ”شَرُّ أَهْرَ ذَا نَابٍ“ وَتَكَادُ تَهْمُ أَنْ سَبَّ لِلْعَجَبِ إِذْ هُوَ يَكُونُ فِي شَيْءٍ خَفِيَ سَبُّهُ وَلِذَا قِيلَ  
إِذَا ظَهَرَ السَّبُّ بَطُلَ الْعَجَبُ وَلَا يَجُوزُ التَّعَجُّبُ مِنْهُ تَعَالَى حَقِيقَةً إِذْ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ بَلْ  
بِأَعْيُنِ الْمُحَاطِينَ) اکفرہ فعل فاعل ضمیر مستتر اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبر۔ ہذا عند سیبویہ والا خفش  
فی احد قولیہ۔ خفش کا دوسرا قول یہ ہے کہ ما موصولہ اور جملہ اکفرہ صلہ۔ موصول وصلہ مبتدا اور شئیء موجب  
لاستحقاقہ اللعنة خبر محذوف ہے۔ لیکن یہ ترکیب دو وجہ سے ضعیف ہے: (۱) خبر کا وجوہ حذف بغیر قائم مقام کے لازم  
آتا ہے (۲) اس صورت میں ایہام کے معنی مفقود ہیں جو تعجب کے مناسب تھے۔ فراء کہتے ہیں کہ ما استفہامیہ مبتدا ہے اور  
مابعد کا جملہ خبر ہے۔ ای ای شئی جعلہ ذا کفران باللہ تعالیٰ او ما اشد کفرہ۔ استفہام تو نیخ یا تعجب کے لئے ہے۔  
معنوی اعتبار سے یہ ترکیب قوی ہے۔ اور یہ جملہ ماسبق کی تعلیل دیمان ہے۔ من ای شئیء خلقہ کا متعلق مقدم ہے اور  
اس کی تقدیم صدارت استفہام کی وجہ سے ہے۔ من نطفۃ خلقہ مقدر کے متعلق اور حذف پر پہلا خلقہ قرینہ ہے۔ اور  
یہ جواب کا استفہام سابق ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو بعد والے خلقہ کے متعلق کر دیا جائے اول ترکیب پر جملہ مستانہ ہوگا  
اور دوسری پر من ای شئی کا بیان فاء ترتیب و عطف کے لئے ہے۔ قدرہ جملہ معطوف۔ ضمیر فاعل خالق یا اللہ کی ہے۔  
اور مفعول کی انسان کی طرف راجع ہے۔ ثم حرف عطف السبیل یسرہ ما اضمر عاملہ کے قبل سے ہے ای  
**يَسِّرُ السَّبِيلَ** یسرہ جملہ ماقبل پر معطوف ہے۔ اسی طرح دونوں جملے ثم اماتہ اور فاعلہ معطوف ہیں۔ ثم حرف  
عطف اِذَا اسم زمان مضاف ہے اور بمعنی شرط ہے۔ شاء فعل فاعل ضمیر۔ مفعول محذوف ای احیا، جملہ شرط، انشورہ  
فعل فاعل مفعول بہ۔ جملہ جزا۔ شرط و جزا ملکر مضاف الیہ اِذَا کا اور وہ طرف ہے انشورہ کا، نہ کہ شاء کا، کیونکہ وہ مضاف الیہ

ہے۔ اور مضاف الیہ اپنے مضاف میں عامل نہیں ہوتا۔ کلا حرف ردع ہے۔ لہا حرف جازم بمعنی لم۔ بقض فعل ضمیر فاعل ماضی ماضیہ موصول وصلہ ملکر مفعول بہ جملہ سبب ردع ہے۔ فاء تعقیبیہ لیسطر میثدا مرغائب الانسان فاعل المی طعامہ متعلق انا حرف مشبہ بہ فعل معام صبینا فعل با فاعل الماء مفعول بہ صبا مفعول مطلق۔ جملہ فعلیہ خبر ان۔ جملہ اسمیہ۔ طعامہ سے بدل اشتغال ہوگا۔ ثم شققنا الارض شقا جملہ صبینا..... پر عطف ہے۔ فاء ترتیب عطف کے لئے انبتنا فعل با فاعل فیہا متعلق حبا اپنے آئندہ کے تمام معطوفات سے ملکر مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ معطوف سابق پر۔ متاعا لکم..... کے مثل سورۃ نازعات کے اخیر میں گذرا۔

تفسیر:

سابقہ آیات میں قرآن کا عالیشان و واجب الایمان ہونا بیان کرنے بعد کافر انسان (مکرمین قرآن) پر لعنت اور اللہ کی ناشکری پر (ناشکروں کو) تنبیہ کی گئی ہے۔ پھر ان انعامات الہیہ کا ذکر کیا گیا ہے جو انسان کی تخلیق سے اخیر تک انسان پر مہذول ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن بھی نعمت عظیمہ ہے مگر وہ معنوی چیز ہے۔ جس کو اہل علم و فہم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے ان آیات میں محسوس انعامات بیان کئے گئے ہیں جن کو ادنیٰ شعور والا انسان بھی مشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے۔

قتل الانسان ما کفرہ..... یہ الفاظ انتہائی مختصر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بے حد غضب اور اللہ کی طرف سے بے انتہاء مذمت پر دلالت کر رہے ہیں۔ (قتل بددعا کا لفظ ہے۔ اور ما کفرہ تعجب پر دلالت کرتا ہے۔ مگر بددعا وہ ہے جو عاجز ہو۔ اور تعجب وہ کرتا ہے جسکی نگاہ سے تعجب خیز چیز کا سبب بنی ہو۔ اللہ نہ عاجز ہے نہ اسکی نگاہ سے کوئی شے پوشیدہ ہے۔ اس لئے عربی محاورہ کے مطابق دعا سے مراد مذمت اور تعجب مخاطبوں کے اعتبار سے ہے۔) مقاتل وکر مکا قول ہے کہ اس آیت کا نزول عقبہ بن ابی لہب کے بارے میں ہوا ہے۔ جس نے کفرت برب النجم کہا تھا۔

عبرتناک واقعہ..... سیرت کی کتابوں میں یہ قصہ بھی طرح آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن رقیہ کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں عقبہ اور حمیمہ سے کر دیا تھا۔ جب سورۃ النبی لہب نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو تو تم عاق ہو۔ دونوں نے طلاق دے دی۔ یہ واقعہ رخصتی سے پہلے کا ہے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو جب عقبہ نے طلاق دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں نے تیرے دین سے انکار کر دیا اور تیری بیٹی کو چھوڑ دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس نے حملہ کیا۔ اور آپ کی مبارک قمیص پھاڑ ڈالی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو تجھ پر مسلط کر دے۔ ایک بار وہ قریشی لوگوں کے ساتھ تجارت کے سلسلہ میں ملک شام جا رہا تھا۔ مقام زوراء پر پڑاؤ کیا۔ رات کو ایک شیر آیا۔ اور ان لوگوں کے چاروں طرف چکر لگایا۔ عقبہ نے شور مچایا: ہائے مصیبت! مجھے محمد کی بددعا سے اندیشہ ہے۔ لوگوں نے اپنے تمام پلان اور سامان لاکر ایک اونچا ڈھیر لگا کر عقبہ کو اس کے اوپر کر دیا۔ اور چاروں طرف یہ سب لوگ سو گئے۔ شیر جاچکا تھا۔ جب یہ سب سو گئے تو شیر آیا۔ سب کو سونگھا۔ پھر چھلانگ لگا کر اوپر چڑھ گیا اور عقبہ کو پھاڑ ڈالا۔ صاحب مظہری فرماتے ہیں کہ عتیبہ اور معتیبہ ابولہب کے دونوں بیٹے اسکے بعد مسلمان ہو گئے۔ اور غزوہ حنین میں (وقتی طور پر بھاگنے کے بعد) جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے تھے۔ ان میں یہ دونوں بھائی بھی تھے۔

من اٰی شمس..... اس میں ان اسباب کا بیان ہے جو شکر کا تقاضا کرتے ہیں۔ سب سے پہلے مبداء تخلیق کو اس لئے بیان فرمایا گیا کہ تمام نعمتوں سے پہلے اسی کا درجہ ہے۔ گویا انعامات کی ابتداء حضرت انسان پر پیدائش ہی سے ہوتی ہے اس میں اولاً تو سوال کیا گیا۔ اور مخاطب کو غور و فکر اور اقرار پر آمادہ کیا گیا ہے کہ سوچ! مجھے کس چیز سے بنایا گیا؟ اور چونکہ اس کا جواب متعین ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے خود ہی فرمایا مَنْ نَطْفَئَهُ سے تخلیق کو بیان فرما کر انسان کی ذاتی حقارت کا اظہار فرمایا ہے۔ اور یہ بتلایا ہے کہ تحقیر خلقتی تکبر کے منافی ہے اس لئے انسان کا تکبر کرنا بے بنیاد اور نازیبا ہے۔ خَلَقَهُ یعنی اول اس کو رحم کے اندر وجود عطاء کیا۔ فَقَدَرَهُ یہی نہیں کہ اس کا جاندہ وجود بنا دیا بلکہ اس کو خاص اندازہ اور بڑی حکمت سے بنایا اس کے قد و قامت، جسامت، شکل و صورت، اعضاء کے طول و عرض، آنکھ، کان، ناک جوڑ بند سب کی تخلیق میں ایسا اندازہ اور توازن قائم فرمایا کہ اگر ذرا اس کے خلاف ہو جائے تو انسان کی صورت بگڑ جائے اور کام کاج دو بھر ہو جائے۔ لفظ قَدَرَهُ سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے لئے ایک اندازہ مقرر کر دیا۔ یعنی اللہ کے مومل فرشتے نے بطن مادر میں اس کے لئے چار باتیں لکھ دیں۔ مقدمہ عمل، مدت زندگی، رزق، شقاوت یا سعادت و هذا اولیٰ عندی۔

ثم السبیل مسرہ یعنی پھر اللہ نے پیٹ سے نکلنے کا راستہ ان کے لئے فرما دیا۔ سدی اور مقاتل نے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے بطن مادر کی تین اندھیروں کے اندر ایک محفوظ مقام میں انسان کو اس طرح بنلایا کہ جس کے پیٹ میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اس کو بھی اسکی تفصیلات کا علم نہیں۔ پھر اس مقام سے اس زندہ و مکمل انسان کے اس دنیا میں آنے کا راستہ تنگ ہونے کے باوجود اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آسان فرما دیا کہ چار پانچ پونڈ کا وزنی جسم صحیح و سالم برآمد ہو جاتا ہے۔ اور ماں کے وجود کو بھی اس سے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچتا۔ ﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ آیت کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور کتابیں بھیج کر اپنی ذات عالی تک پہنچنے کا راستہ آسان فرما دیا جیسا کہ سورۃ واللیل میں ہے ﴿فَمَا مَنَّ اللَّهُ عَلٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَعٰی سِرُّهُ لِّلْیُسْرِی﴾۔ یا اللہ نے انسان کے لئے دنیوی زندگی جو آخرت کی زندگی کی راہ ہے آسان فرمادی ہے۔ کیونکہ دنیا یا جنت کا راستہ ہے یا دوزخ کا، حدیث میں ہے کہ کن فی الدنیا کانک غریب او عابرو سبیل (دنیا میں پر دسی بلکہ مسافر کی طرح رہو۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ خود کو اہل قبور میں شمار کرو۔ اول تفسیر عقائد جمہور ہے۔ اور بعد والی تفسیر اس کے بعد والی آیت کے بظاہر زیادہ مناسب ہے۔ گویا اول انساب ہے۔ کیونکہ دنیا میں آنے اور دنیا سے دوسرے عالم میں جانے (دونوں) کا ذکر اس میں آ جاتا ہے۔ پھر ماقبل میں تخلیق کا ذکر ہے۔ اس کے بعد انسان کی دنیا میں آمد ہوتی ہے۔ فافہم بئیم اٰماتہ فا قبریہ انسان کی ابتداء زندگی (پیدائش) کے بعد اس کی انتہاء کا ذکر ہے کہ وہ موت اور قبر ہی ہے۔

سوال:..... انعامات کے بیان کا سلسلہ چل رہا تھا۔ اس میں موت کو بھی بیان کر دیا گیا۔ حالانکہ بظاہر موت انعام نہیں ہے۔ بلکہ موت تو انعامات سے دور کر دیتی ہے۔

جواب:..... جنت موسیٰ کی آرام گاہ اور اصلی وطن ہے۔ اس تک موت کے بغیر نہیں پہنچا جاسکتا ہے۔ وطن تک پہنچنے والی سواری بھی نعمت ہوتی ہے۔ ابدی راحت، رضوان، دیدار خداوندی، جنت تک رسائی موت ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ الموت جسر یوصل الحیب الی الحیب۔ اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ موت مومن کا تحفہ ہے۔ غور کیا جائے تو موت دنیا میں رہ جانے والوں کے لئے بھی نعمت ہے۔ مرنے والے کے مال و مکان وغیرہ دنیا والوں

کو ملتے ہیں۔ مرنے والے غلام ہیں تو دوسروں کو راحت بھی ملتی ہے۔ وغیرہ۔ سوال:..... موت راہ جنت ہونے کے اعتبار سے تو نعمت ہے۔ مگر جہنم کی راہ بھی تو یہی ہے۔ جواب:..... موت ددرخ کا ذریعہ صرف اس لئے بنتی ہے کہ انسان جنت کے راستہ کو اختیار نہیں کرتا۔ مثلاً کسی کے مکان تک عمدہ سڑک پہنچتی ہے۔ اس پر چل کر وہ اپنے مکان تک پہنچ سکتا ہے۔ مگر سڑک کے برابر کوئی تالاب ہے۔ چلتے چلتے اس میں چھلانگ لگا دی۔ اور ڈوب کر مر گیا۔ منع کمرے کے بلو جو سیدھی سڑک سے ہٹ گیا تو قصور کس کا ہے؟ قافبرہ! پھر اسکو قبر میں داخل کیا۔ یہ بھی اللہ کا ایک بڑا انعام ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو دوسرے جانوروں کی طرح نہیں زیکھا۔ کہ مرکز زمین پر سڑتا رہے۔ اور اس کو کتے اور گدھے کھاتے رہیں۔ بلکہ اس کا اکرام کیا گیا۔ نہلا کر نیا لباس پہنایا گیا۔ اور عزت سے سپرد خاک کر دیا گیا۔ اصول ہے کل شیء یرجع الی اصلہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ اسی میں بدن کی راحت ہے۔ اور یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر کوئی دُفن نہ کرے۔ جلانے یا پانی میں بہانے تو یہ اس نعمت کی ناشکری و ناقدری ہے۔ وکان الانسان کفوراً۔ انسان ہے ہی ناشکر۔ جیسے دوسرے انعامات کی ناشکری کی جاتی ہے اسی طرح بعض لوگ اس کی بھی ناشکری کرتے ہیں۔ مسئلہ:..... اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردہ انسان کو دُفن کرنا واجب ہے۔

### ہندو مسلمان کا مناظرہ:

اسلام کے ابتدائی زمانے کی بات ہے کہ مسلمانوں کا ایک لشکر سیستان پہنچا۔ اتفاق سے ایک ہندو بھی وہاں پہنچ گیا اس نے مسلمانوں کے چال چلن، رہن سہن کو غور سے دیکھا اور مذہب اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اطمینان سے تمام معلومات فراہم کر چکا تھا تو اس نے کہا کہ مسلمانوں! تمہاری سب باتیں اچھی ہیں۔ مگر ایک بات مجھے پسند نہیں۔ پوچھا گیا وہ کونسی بات ہے جو تجھ کو پسند نہیں؟ ہندو نے کہا تپس یہ بات تمہاری اچھی نہیں لگتی مگر تم مردہ کو زمین میں دُفن کرتے ہو۔ آگ میں نہیں جلاتے۔ حالانکہ دُفن سے مردہ سڑتا ہے۔ زمین ناپاک ہو جاتی ہے۔ اور آگ میں جلانے سے بدبو اوزنا پا کی دور ہو جاتی ہے۔ (حالانکہ جلانے سے بدبو پھیلتی ہے) نسیم احمد غازی مظاہر ہے۔) ایک مسلمان نے کہا کہ اول میں تجھ سے ایک بات معلوم کرتا ہوں۔ اس کے بعد میں تجھے اس کی حقیقت سمجھاؤں گا۔ بات یہ ہے کہ ایک آدمی کسی جگہ نکاح کے مقصد سے پہنچا۔ اس نے ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ اور ایک دوسری عورت کو کھانا پکانے کیلئے نوکر رکھ لیا۔ اس کی بیوی کے ایک لڑکا بھی پیدا ہو گیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد اس نے وہاں سے سفر کا ارادہ کیا تو اس لڑکے کو وہ کس کے حوالہ کرے۔ اس ماں کے یا باورچن کے؟ ہندو نے کہا کہ ماں کے ہوتے ہوئے یا ورچن کے حوالہ کرنا بالکل غلط اور ظلم ہے۔ مسلمان نے کہا تو نے کہا تو نے بات ٹھیک کی۔ انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ لڑکا ماں کے حوالہ ہی کیا جائے۔ لے اب اپنے اعتراض کا جواب سن۔ روح آسمانی نے جب سرزمین سے اپنا تعلق پیدا کیا۔ تو اللہ نے اس زمین سے ایک جسم بنا کر روح کے حوالے کر دیا۔ اس بدن کی غذا، دوا، لباس وغیرہ سب حاجتیں زمین سے اس کو ملتی رہیں۔ گویا زمین اس کی پرورش کرتی رہی۔ آگ اس کی باورچن بن کر اسکو کچی چیزیں پکا کر دیتی رہی۔ تو اس بدن انسانی کی ماں زمین ہوئی اور باورچن آگ۔ جب اس بدن کے باپ یعنی روح نے سفر کا ارادہ کیا تو تیرے کہنے کے مطابق بچہ کو یعنی بدن کو اسکی ماں یعنی زمین کے حوالہ کرنا انصاف اور باورچن یعنی آگ کے حوالہ کرنا ظلم ہوگا۔ اسلام انصاف والا مذہب ہے ظلم کو پسند نہیں کرتا اسلئے اسلام نے دُفن کرنے کا حکم دیا ہے، ہندو نے اس



بات کون کر قبول اسلام کیا اور مسلمان ہو گیا۔ (از فتح العزیز) ثُمَّ إِذَا هَسَاءٌ أَنْشَرَهُ۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اٹھانا چاہیں گے تو دوبارہ زندگی عطا فرمادیں گے۔ جس طرح اوّل بار پیدا فرمادیا اسی طرح اپنی قدرت کاملہ سے دوبارہ زندہ فرما کر شا کرو کا فرخالم و مظلوم میں انصاف فرما کر جزاء و سزا دیں گے۔ كَلَّا لَنَسَاءً يَنْقُضُ مَا أَمَرَهُ۔ عظیم الشان نعمتوں اور روشن دلائل کو جاننے کے باوجود اس ناشکر گزار انسان نے حکم خداوندی کو پورا نہیں کیا۔ نہ ایمان لایا نہ شکر گزاری کی۔

يَتَمَنَّى الْمَرْءُ فِي الصَّيْفِ الشِّتَا فَإِذَا جَاءَ الشِّتَا انْكَرَهُ

فَهُوَ لَا يَرْضَى بِحَالٍ وَاحِدٍ قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا كَفَرَهُ

مگر انسان کو تنبیہ کرنے بعد پھر ان انعامات الہیہ کا تذکرہ ہے۔ جو انسانی زندگی کے ابتداء و انتہا کے درمیان فی زمانے میں انسان پر مبذول ہوتے ہیں۔ جن میں قدرت و بعث پر بھی دلائل موجود ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ اسکا کلام کے مفہوم پر عطف ہے۔ یعنی انسان کو اول آغاز حیات سے آخر حیات تک اپنے اوپر غور کرنا چاہیے۔ پھر اپنی غذا کو دیکھنا چاہئے کہ ہم نے اس کی غذا کس طرح پیدا کی۔ اور اس سے انسان کو کس طرح بہرہ اندوز کیا۔ قرآن مقدس کا طرز ہے کہ وہ مقصود پر (خصوصاً توحید و قدرت پر) دلائل انفس قائم کرنے کے بعد دلچسپی آفاق لاتا ہے۔ اور کبھی اس کے برعکس۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ دلوں میں خوب اثر ہو۔ یہاں اول ترتیب کو اختیار کیا گیا۔ اول انفس پر غور کرنے کی دعوت دی گئی۔ اسکے بعد آفاق میں فکر کا سبق دیا گیا۔ کہ ہم نے آسمان و زمین، ابرو باران وغیرہ سب اشیاء کو اے انسان تیری غذا اور تیرے خدام چوپاؤں کے چارہ کا انتظام کرنے میں لگا دیا۔ تو ان میں غور کر کے ہماری قدرت و توحید اور معبودیت کو پہچان اور سمجھ لے کہ تجھ کو بھی ہم نے کسی کام کے لئے پیدا کیا ہوگا۔ اور وہ ہے عبادت خداوندی۔ جس طرح کائنات اپنے متعلقہ کاموں میں مصروف ہے۔ تجھ کو بھی اپنے کام سے غافل نہ ہونا چاہئے۔

اَبَرِ بِاِذَا دُومَ خَوْرِ شِيدَ فَلَكَ دَرِ كَارِنَد تَاتَو نَانِے بِكَفِ آری بِغَفْلَتِ نَخَوْرِ

فَإِذَا جَاءَتْ الصَّاحَّةُ (۳۳) يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ (۳۴) وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ (۳۵)

پھر جب وہ بہرہ کرنے والا شور مچا ہوگا۔ جس دن آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے بھاگے گا۔

وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ (۳۶) لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (۳۷)

اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا اس دن ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی کہ اسکو اوروں سے بے پراہ کر دیگی

وَصَاحِبَتِهِ	و	بَنِيهِ	لِكُلِّ	امْرِئٍ	مِنْهُمْ	يَوْمَئِذٍ	شَأْنٌ	يُغْنِيهِ
بیوی اپنی	اور	بیٹوں اپنے	واسطے ہر	مرد	سے ان	اس دن	ایک حالت	کفایت کرنی ہے اس

وَجُودٌ یَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ (۳۸) ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (۳۹) وَوُجُودٌ یَوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبْرَةٌ (۴۰)

بہت سے چہرے تو اس دن روشن، ہنستے ہوئے، خوش و فرم ہوں گے۔ اور بہت سے چہروں پر اس دن خاک پڑی ہوگی۔

وَجُودٌ	یَوْمَئِذٍ	مُسْفِرَةٌ	ضَاحِكَةٌ	مُسْتَبْشِرَةٌ	و	وُجُودٌ	یَوْمَئِذٍ	عَلَیْهَا	غَبْرَةٌ
کھٹکتے منہ	اس دن	روشن	ہنستے	خوش وقت	اور	کھٹکتے منہ	اس دن	اوپر ان	غبار

تَرَاهُمْ قَائِلًا (۴۱) أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجْرَةُ (۴۲)

اور ان پر سیاہی چڑھی ہوگی۔ وہ لوگ کافر بدکار ہوں گے۔

تَرَاهُمْ	قَائِلًا	أُولَئِكَ	هُمُ	الْكَافِرَةُ	الْفَجْرَةُ
دیکھتے ہیں ان	سیاہی	یہ لوگ	وہی	کافر	بدکار

لغات:

الصّاحّة: سخت چیخ۔ کان پھوڑ دینے والی آواز وہ شور جو قیامت میں بپا ہوگا اور بہرہ کر دیگا۔ قیامت فتحِ صورت۔  
صخ صخا (ن) لوہے کو لوہے پر مارنا۔ آواز کا کان کو بہرا کرنا۔ یفر (ض) بھاگنا۔ شان: فخر، حال، دھندلا، اہم معاملہ۔  
شون جمع۔ مسفرة: اسم فاعل مؤنث افعال (اسفار) سے چمک دار و روشن، یہ سفر سے ماخوذ ہے جسکے معنی سرپوش یا پردہ ہٹا دیتا ہیں۔ (ض ن) ضاحکة: ایضاً ضحک ضحکاً (س) ہنسا۔ مستبشرة: ایضاً شگفتہ، شاداں، ہنسر بشرا (ن) چہرہ چھیل دینا، ظاہر کرنا۔ (ض س) خوش ہونا، تفعیل سے خوش کرنا افعال سے خوشخبری دینا۔ غبرة: خاک خاک کا اثر۔ غبر غبوراً (ن) گذرنا، بٹھرنّا، گرد و آلود ہونا۔ غبراً (س) غبار لگنا۔ خراب ہونا۔ فجرة: غبار، بدر و نق دھویں کی طرح غبار نما، فتر فترا فتورا (ن ض) جھگی کرنا۔ الکفرة: الکافر کی جمع۔ الفجرة الفاجو: کی جمع۔ بدکار، بابہ نصر۔  
ترکیب:

فاذا جاءت الصّاحّة فاذا جاءت الطامة کی طرح ہے۔ یوم، الصّاحّة سے بدل یا اذا جاءت سے بدل یا اعمیٰ مخدوف سے منصوب ہے۔ یفر فعل الموء فاعل من الخ جار مجرور متعلق جملہ فعلیہ۔ یوم کا مضاف الیہ۔ لکل امرئ متعلق مخدوف۔ اسی طرح منهم بھی اسی کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہو منذر ظرف فعل مابعد یعنی کا۔ شان: موصوف یعنیہ فعل فاعل مفعول بہ جملہ صفت۔ مرکب تو صمی مبتدا مؤخر، جملہ اسمیہ متاثرہ۔ وجوه: مبتدا (وان كانت نکرة لکونها فی حکم المعرفة لأن التثنویں فیہ عوض عن المضاف الیہ ای وجوه المؤمنین) یومنذر ظرف مسفرة کا۔ مسفر خبر اول۔ ضاحکة خبر ثانی۔ مستبشرة خبر ثالث۔ جملہ اسمیہ معطوف علیہ۔ وعاطفہ وجوه مبتدا یومنذر ثبت فعل خبر اول کا ظرف۔ اور علیہا اس کا متعلق غبرة فاعل۔ جملہ فعلیہ خبر غبرة مبتدا مؤخر اور علیہا خبر مقدم جملہ اسمیہ خبر۔ ترہقها فجرة فعل مفعول بہ اور فاعل جملہ فعلیہ خبر ثانی وجوه مبتدا کی یا غبرة کی صفت اولئک مبتدا اول ہم مبتدا ثانی الکفرة الفجرة مرکب تو صمی خبر مبتدائے ثانی کی۔ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدائے اول کی۔ جملہ اسمیہ یا ہم ضمیر فصل مان لیا جائے اور مرکب تو صمی اولئک کی خبر ہے۔

تفسیر:

فاذا جاءت الصاخة اس شرط کی جزاء مخدوف ہے جس پر لکل امرئ منهم ..... دال ہے۔ پھر پورا جملہ شرطیہ انہاء مکرة سے مربوط ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ قرآن ایک یادداشت اور نصیحت ہے۔ جب صورت کی ہیبت ناک آواز آئیگی تو اس وقت نصیحت قبول کرنے والوں کا حال نصیحت نہ قبول کرنے والوں کے حال سے جدا ہوگا۔ اختلاف حال کیا ہوگا اس کا بیان آئندہ آیات وجوہ یومئذ ..... میں کیا گیا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس صورت میں جزاء مخدوف نہ ہو، بلکہ وجوہ یومئذ ..... اسکی جزاء ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس شرط کا تعلق قتل الانسان ما اکفروہ ..... سے ہو۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ بعثت ہوا انسان پر کیا ناشکر ہے وہ۔ جب صورت پھونکا جائیگا تب اس کو اپنی ناشکری کا نتیجہ معلوم ہوگا۔ یوم یفر المرء ..... اس میں اجتماع محشر کا ایک منظر بیان کیا گیا ہے کہ اس دن ہر شخص اپنی فکر میں مبتلا ہوگا۔ وہ ایسا عجیب نفسی نفسی کا عالم ہوگا کہ کوئی اپنے ایسے محبوب ترین عزیزوں کی طرف بھی توجہ نہ کریگا جن پر دنیا میں جان و مال سب کچھ قربان کر دیتا تھا۔ وہاں ان سب سے متفر و گریزاں ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مان دونوں بچوں کا حال دریافت کیا جو اسلام سے پہلے گذر گئے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ دوزخ میں ہیں (اس سے ان کو صدمہ ہوا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ پر صدمہ کا اثر دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اگر تم ان کے مقام کو دیکھ لو تو تم کو بھی اللہ سے نفرت ہو جائیگی۔ (معلوم ہوا کہ اچھے لوگوں کو ایک دوسرے سے نفرت نہ ہوگی۔)

سوال: ..... میدان محشر میں آدمی اپنے اعزہ سے کیوں بھاگے گا؟ جواب: ..... علماء نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں۔ (۱) ان حقوق کے مطالبہ کے اندیشہ سے جو دنیا میں تلف ہوئے تھے۔ جیسے مفلس قرض خواہ سے بھاگتا ہے (۲) طلب مدد کے خوف سے۔ ایسا نہ ہو کہ عزیز کو عذاب خداوندی سے چھڑانے کے لئے کچھ نیکیاں دینی پڑ جائیں۔ جیسے قحط سالی میں لوگ ایک دوسرے سے متفر و گریزاں ہو جاتے ہیں۔ یا مالدار فقیروں سے اور سفیروں سے بھاگتے ہیں۔ (۳) عزیزوں کی مصیبتیں دیکھنی نہ جائیں گی۔ ایک دوسرے سے منہ چھپائیں گے۔ (۴) اپنی رسوائی کو چھپانے کے لئے بھاگیں گے۔ (۵) حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ ان کی ناپاکی اور مردار پن سے نفرت کھا کر بھاگیں گے۔ جیسے آدمی گندگی اور مردار سے دور بھاگتا ہے بعض سب اسباب کی وجہ سے بھاگیں گے اور بعض ان میں سے کچھ (ایک یا دو تین یا چار) کی وجہ سے بھاگیں گے۔

سب سے پہلے بھاگنے والے:

(۱) قابیل اپنے بھائی ہابیل سے بھاگے گا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خون ناحق کا مطالبہ کر لے۔ (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ماں باپ سے بھاگیں گے۔ (۳) حضرت نوح و حضرت لوط علیہما السلام اپنی نافرمان بیویوں سے بھاگیں گے (۴) حضرت نوح علیہ السلام اپنے کافر بیٹے کفان سے بھاگیں گے۔ (فتح البزین)۔ لکل مامسوف منهم ..... ہر شخص اپنی فکر میں ڈوبا ہوگا کسی دوسرے کا خیال نہ کریگا۔ حضرت سوڈہ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے فتنہ اٹھا کر میدان جبر میں لایا جائیگا۔ حضرت سوڈہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ایک دوسرے کی شرما ہوں کو دیکھیں گے؟ فرمایا تو گون کو اس کی خواہش نبی نہ ہوگی۔ ہر شخص کے لئے ایسی حالت ہوگی کہ اوروں سے بے پروا کر دیگی۔ حضرت عائشہ سے بھی صحیحین میں اسی طرح کی روایت منقول ہے (منظہری)۔

## چند فوائد:

یہ سورت بہت سے فوائد و اصول زندگی پر مشتمل ہے۔ جن میں سے کچھ تو تفسیر کے ضمن میں آچکے ہیں۔ اور چند مختصر اذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ (۱) اللہ کے نبی ایسے معاملہ میں جس میں باری تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہیں ہوا اجتہاد کرتے ہیں۔ لیکن اگر اجتہادی حکم منشاء خداوندی کے موافق نہیں ہوتا تو اللہ کی جانب سے تنبیہ ہو جاتی ہے۔ اور ان کو غلطی پر برقرار نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ شلن نزول والے قصہ میں مذکور ہے کہ اپنے اجتہاد سے دعوت اسلام کو تعلیم قرآن پر ترجیح دی۔ تو آپ کو تنبیہ کر دی گئی۔ (۲) تھوڑے یقینی نفع کو زیادہ مقہدار کے متحمل نفع پر ترجیح دینی چاہئے۔ (۳) عمدگی اور حقیقت مطلوب و محمود ہے۔ نہ کہ محض کثرت تعدد اور ثروت و اسباب اور بے حقیقت ظاہری شان و شوکت۔ (۴) اکرام مسلم اور مسلمانوں کی دل جوئی و احترام نہایت اہم ہے خصوصاً معذوریں کی رعایت بہت ضروری ہے۔ (۵) اہل اسلام کی اصلاح اور تعلیم و تربیت کفار کو دعوت اسلام پیش کرنے سے مقدم ہے۔ (۶) تعلیم قرآن و مسائل دینیہ دعوت سے اہم اور علم نبوت دعوت و تبلیغ سے مقدم ہے۔ (۷) اکرام و احترام وغیرہ کا اصل تعلق قلب سے ہے۔ اگر مسلم کو اپنے اکرام نہ کئے جانے کا علم بھی نہ ہو تب بھی یہ بات لائق عتاب ہے۔ جیسا کہ آپ کا چہرہ بے چین ہو جانے اور رخ پھیر لینے کا مشاہدہ نایاب صحابی نے نہیں کیا تھا۔ تَرَكُ السَّلَامَ عَلَى الصُّرُوفِ حَيْلَةً۔ (۸) قرآن مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف نہیں۔ اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہے کیونکہ کوئی مصنف اپنی کوتاہی کو بیان نہیں کرتا۔ (۹) داعی کی بات اگر کوئی قبول نہ کرے تو داعی پر اس سے کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ داعی نے دعوت دے دی تو وہ اپنے فریضہ کو ادا کر چکا اور کامیاب ہو چکا۔ البتہ ناکام وہ ہوا جس نے دعوت قبول نہیں کی۔ (۱۰) منعم و محسن کی ناشکری کا گناہ ہونا بھی معلوم نہ ہو۔ عالی منصب حضرات کو اس سے شکوہ یا عتاب و خفگی کا اندیشہ ہوتا ہے (۱۲) بے ارادہ بھی کسی مسلمان سے ترش روئی کرنا یا اس سے بے رخی سے پوش آنا قباحت سے خالی نہیں۔ احتیاط اسکا علاج ہے۔ (۱۳) تفسیرات پر دوستوں کو تنبیہ یا ان پر عتاب خفگی اور شکوہ بقائے محبت و دوستی کی علامت ہے۔

إِذَا ذَهَبَ الْعِتَابُ فَلَيْسَ وَدٌّ وَيَبْقَى الْوُدُّ مَا بَقِيَ الْعِتَابُ

عتاب اور شکوہ ختم ہو جانا محبت کے خاتمہ کی علامت ہے اور محبت باقی رہی اس وقت تک رہتی ہے جب تک عتاب اور خفگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

جب توقع ہی مٹھ گئی غالب کیوں کسی سے گلہ کرے کوئی

(۱۴) عالی مرتبت حضرات کو چھوٹوں پر شفقت، ان کے حالات کی خبر گیری اور ضروریات کی نگرانی لازم ہے اور

یہی ان کی بڑائی کی علامت ہے۔ ورنہ منصب کو خطرہ خلل ہے۔ (۱۵) بظاہر جو حقیر ہوں اس کو حقیر نہ سمجھیے۔ نہ معلوم کتنا عظیم ہے۔ اور اللہ کے نزدیک اس کا کیا مقام ہے۔

خاکساران جہاں را بکھات منگر توجہ دانی کے دریں گرد سوارے باشد

(۱۶) طالب علم کو موانع کے باوجود طلب علم نہ چھوڑنا چاہئے۔ اگر استاذ کی توجہ نہ پائے۔ تو دوسرے وقت استفادہ

کرے۔ بے توجہی پر استاذ سے بدگمان اور تالاں نہ ہو۔ جیسا کہ ان کی کاغذ رہا۔ (۱۷) علما و مشائخ اور اساتذہ کو چاہئے کہ کسی مرید و شاگرد کو اس کے مال و جاہ کی بنیاد پر ترجیح نہ دیں۔ اور شاگردوں اور مریدوں میں اس بنا پر فرق و امتیاز نہ کریں۔ (۱۸)

اگر کسی شاگرد کو استاد سے یا مرید کو شیخ سے یا چھوٹے کو بڑے سے اذیت پہنچ جائے تو استاذ، پیر اور بڑے کو معذرت و حسن سلوک کے ذریعہ اس کا تدارک کرنا چاہیے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنبیہ کے بعد اعلیٰ سے برتاؤ کیا۔ اس سے مرتبہ بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔

تواضع زگردن فرازان کو مست گداگر تواضع کند جوئے اوست

(۱۹) روٹھے کو مہنا کر اس کی تعظیم و تکریم اور رعایت پہلے سے زیادہ کرنی چاہئے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نابینا سے معذرت کی۔ اپنی چادر ان کے بیٹھنے کے لئے بچھا دی اور فرمایا انت فی عیال محمد ما بقیت (۲۰) طالب کو صاحب خشیت اور صاحب سعی و محنت ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ فرمایا اما من جاءک یسعی و هو یخشی اور ایسا طالب علم زیادہ قابل قدر ہے۔ (۲۱) اعزہ و اقرباء اگر بدین ہوں تو ان سے اختلاف و موافقت اور ان کا قرب موجب عتاب ہے۔ (اس گروہ مشرکین میں آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے)

تم تفسیر سورۃ عبس والحمد للہ الذی تقدس و الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الا قدس و علی آلہ و صحبہ و کل منہم المقدس

## سُورَةُ التَّكْوِيْرِ

سُورَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ وَ هِيَ تِسْعٌ وَ عِشْرُوْنَ اَيَّةً وَ رُكُوْعٌ وَ اَحَدٌ

رکوع: ۱، آیات: ۲۹ سورہ تکویر کہ میں نازل ہوئی اور اس میں اسیس آیات ہیں اور ایک رکوع ہے۔ کلمات: ۱۰۳، حروف: ۵۳۳

سورہ تکویر کی اہمیت:

(۱) حدیث صحیح میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس دنیا میں قیامت کو آنکھوں سے دیکھنا چاہے وہ سورہ اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت پڑھ لے (ان میں قیامت کا نقشہ خوب کھینچا گیا ہے) (۲) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک دن عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپا جلدی آ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ کو پانچ سورتوں (سورۃ ہود - سورۃ واقعه - سورۃ والمرسلات - سورۃ عم یتسالون - اور سورۃ اذا الشمس کورت) نے بوڑھا بنا دیا۔ (ان سورتوں میں دنیا و آخرت کے ان عذابوں کا ذکر ہے جو امتیوں کو خالفیغیر صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوں گے۔ آپ کو اس کا غم تھا اور غم میں بڑھاپا جلدی آ جاتا ہے

سَأَلْتُ مِنَ الْاَطْبَاءِ يَوْمَ اَخْبَرْنِي مَا شِئْنِي قَالْ بَلَغُمْ  
فَقُلْتُ لَهُ عَلَى غَيْرِ اخْتِامٍ لَقَدْ اَخْطَاْتُ فِيمَا قُلْتُ بَلْ غَمٌ  
میں نے طبیب سے بڑھاپے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا بلغم۔ میں نے کہا غلط ہے بلکہ غم اس کا سبب ہے۔

ربط و مناسبت:

اس سورت میں بھی سابقہ و لاحقہ سورتوں کے مثل حادثہ قیامت کا بیان مقصود ہے۔ اور اسکی تقویت کے لئے اخیر میں قرآن کی حقانیت کا اثبات ہے۔ جیسا کہ سابقہ سورت میں کلا انہا تذکرۃ سے قرآن کی حقانیت و عظمت کو ذکر کیا گیا تھا۔ (گویا اس میں ترتیب معکوس ہے) اور لفظ کورت کی وجہ سے اس سورت کا نام تکویر رکھا گیا ہے۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان اور رحم کرنے والا ہے

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (۱) وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ (۲) وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (۳)

جب سورج پھریک ہو جائے گا۔ اور جب ستارے پھریک جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔

إِذَا	الشَّمْسُ	كُوِّرَتْ	وَ	إِذَا	النُّجُومُ	انْكَدَرَتْ	وَ	إِذَا	الْجِبَالُ	سُيِّرَتْ
جس وقت	سورج	پھیلا جائے	اور	جس وقت	تارے	گدے ہو جائیں	اور	جس وقت	پہاڑ	چلائے جائیں

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (۴) وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ (۵) وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (۶)

اور جب گاہن اونٹیاں چھٹی پھریں گی۔ اور جب وحشی جانور جمع کر دیئے جائیں گے۔ اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔

وَ	إِذَا	الْعِشَارُ	عُطِّلَتْ	وَ	إِذَا	الْوُحُوشُ	حُشِرَتْ	وَ	إِذَا	الْبِحَارُ	سُجِّرَتْ
اور	جس وقت	دس ماہ کی گاہن اونٹنی	بیکار چھٹی پھرے	اور	جس وقت	وحشی جانور	اکٹھے کئے جائیں	اور	جس وقت	حریا	بھڑکائیں

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (۷) وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ (۸) بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (۹)

اور جب ہر دم کے لوگ الگ الگ اکٹھے کئے جائیں گے۔ اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائیگا کہ اس کو کس جرم پر مارا گیا تھا۔

وَإِذَا	النُّفُوسُ	زُوِّجَتْ	وَإِذَا	الْمَوْءِدَةُ	سُئِلَتْ	بِأَيِّ	ذَنْبٍ	قُتِلَتْ
اور	جس وقت	جانیں ہر دم کی	ملائی جائیں گی	اور	جس وقت	جیتی گاڑی ہوئی	پوچھی جائیگی	کہ جس گناہ

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (۱۰) وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ (۱۱)

اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے۔ اور جب آسمان کھول دیئے جائیں گے۔

وَ	إِذَا	الصُّحُفُ	نُشِرَتْ	وَ	إِذَا	السَّمَاءُ	كُشِطَتْ
اور	جس وقت	عمل نامے	کھولے جائیں	اور	جس وقت	آسمان	کھال اتاری جائے

وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ (۱۲) وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ (۱۳)

اور جب دوزخ بھڑکائی جائیگی۔ اور جب جنت نزدیک لائی جائیگی۔

وَ	إِذَا	الْجَحِيمُ	سُعِّرَتْ	وَ	إِذَا	الْجَنَّةُ	أُزْلِفَتْ
اور	جس وقت	دوزخ	بھڑکائی جائے	اور	جس وقت	جنت	نزدیک کی جائے

عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتُ (۱۴)

تو ہر نفس کو معلوم ہو گا کہ کیا لایا ہے۔

عَلِمْتُ	نَفْسٌ	مَّا	أَحْضَرْتُ
جان لے گا	ہر نفس	جو کچھ	حاضر کیا

لغات:

کودت جب سورج تاریک ہو جائیگا۔ (ابن عباسؓ) بے رونق ہو جائیگا۔ (مجاہدؓ) روشنی جاتی رہے گی (قادہؓ، مقاتلؓ، کلبیؓ) لپیٹ میں دیا جائیگا (ابوسعبدہؓ، زجاجؓ) نکو مو کے اصل معنی لپیٹ دینا ہی آتے ہیں۔ حدیث مرفوعہ میں ہے کہ سورج، چاند لپیٹ دیئے جائیں گے۔ یا بے نور کر دیئے جائیں گے۔ کودتے مشتق ہے کار کودا (ن) لپیٹنا۔ انکسوت انکسار کے معنی میلے ہونے کے ہیں۔ مگر نکھر جانے اور پراگندہ ہونے میں بھی مستعمل ہے کنو کدرا کدورۃ (ن) کف) میلا ہونا۔ گدلا ہونا۔ العشاو عشوا کی جمع وہ آؤٹنی جس کو گاہن ہوتے دس ماہ ہو گئے ہوں۔ بیابنے کے بعد تک اس کا یہی نام رہتا ہے ایسی آؤٹنی عرب میں تیسری نظیر موجود نہیں۔ (المصباح المنیر للبغوی) عشر عشوا عشورا (ن) نفاس ہے۔ ان کے علاوہ عرب میں تیسری نظیر موجود نہیں۔ (المصباح المنیر للبغوی) عشر عشوا عشورا (ن) دسواں حصہ لینا۔ دسواں ہونا (ض) دس میں سے ایک لینا۔ نو پر ایک زائد کرنا۔ النفاقہ آؤٹنی کا دس مہینہ کی حاملہ ہونا۔ عطلت بتعطیل سے بیکار چھوڑ دینا۔ نفع نہ اٹھانا نہ دیکھ بھال نہ کرنا۔ عطل عطلا (ن) خالی ہونا (ن) عورت کا بے زیور ہونا۔ بیکار ہونا۔ الوحوش، الوحوش کی جمع جنگلی جانور۔ البحار جمع البحر کی۔ سمندر۔ کھازی پانی۔ بڑا دریا۔ بحر بحرأ (س) سمندر دیکھ کر گھبراتا (ف) پھاڑنا، چیرنا، سجوت آگ سے پر کی گئی۔ پڑ کی گئی خالی کی گئی۔ اس کا پانی بہا دیا گیا۔ بھڑکا دی گئی۔ سحر سحرأ (ن) تنود میں ایندھن ڈال کر گرم کرنا۔ پانی کا دیا کو بھرنے۔ جوش میں آنا وغیرہ المودۃ زندہ در گوی ہوئی لڑکی۔ وادا وادأ (ض) زندہ در گوی کرنا (کشطت) (ض) بڑھنے کر دینا۔ ہٹا دینا۔ گھوڑے سے جھول اتار دینا۔ ہٹا کر لپیٹ دینا۔ ازلفت ازلاف۔ قریب لانا۔ زلف زلفا ولفا (س) قریب ہونا۔ (ن) آگے کرنا۔ زیادہ کرنا اذا ظرفہ متضمن للمعنی الشرط فعل مجذوف (کودت ای لفت) کی طرف حضاف لان اذا مطلب الفعل لما فیہ من معنی الشرط الشمس فاعل فعل مجذوف مذکور کا اور کودت اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ والضمیر عائد الی الشمس۔ جملہ فعلیہ اگلے تمام معطوفات (جن کی ترکیب اسی طرح ہوگی) سے مل کر شرط۔ اور بسای ذنب متعلق قتل کے ہے اور یہ جملہ فعلیہ سئل کا بیان ہوگا اور علمت نفس الایہ جواب شرط ہوگا۔ ما احضرت میں ما موصولہ ہے۔ تو جملہ فعلیہ صلہ اور اگر موصولہ ہے تو جملہ صفت ہوگا۔ (والمراد بہا واحد ممتد متسع للخصال المذکورۃ مبدؤۃ نفخۃ الاولی ومنتہاہ فصل القضاء)

تفسیر:

مخریب عالم کے بارہ نشانات..... جب یہ بارہ نشانات وجود میں آجائیں تو انسانوں کو اپنی کرتوتوں کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو جائیگا (ا) اذا الشمس کودت..... ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کودت کی تفسیر میں فرمایا ہے اظلمت (تاریک ہو جائیگا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی منقول ہے کہ قیامت کے دن خدائے تعالیٰ سورج، چاند اور ستاروں کو بے نور کر کے سمندر میں ڈال دیں گے۔ اور ایک چمچی ہوا چلے گی جو سمندر پر گزرے گی اور سمندر آگ ہو جائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ جب سورج سمندر میں پھینکا جائے گا اور ستارے جہنم میں گر جائیں گے۔ حدیث میں ہے

کہ سورج کو بے نور کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور ستارے پر لگندہ ہو کر جہنم میں پڑ جائیں گے۔ اور عیسیٰ اور ان کی ماں کے سوا تمام معبودان باطل کو جہنم سید کر دیا جائیگا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ سورج کا سمندر میں پھینکا جانا اور جہنم میں پھینکا جانا بظاہر متعارض ہے۔ دونوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ سمندر خود آگ بن جائے گا۔ (اور جہنم یہیں عالم اسفل میں ہوگی) مظہری

(۲) وَإِذَا السُّجُودُ انْكَدَرَتْ ..... (اور جب ستارے ٹوٹ پڑیں گے۔ آسمان سے بکھر کر زمین پر آ پڑیں گے) کبھی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس دن آسمان نے ستاروں کی بارش ہوگی۔ کوئی ستارہ بغیر گرے نہ رہے گا۔ (ف) نجوم کے لفظ سے روشنی اور ظہور مفہوم ہے اس لئے اس کے ساتھ لفظ انْكَدَرَتْ استعمال ہوا۔ جس کے اصل معنی دھندلا اور بے نور ہو جانے کے ہیں۔ اور کواکب بھی تاروں کو کہتے ہیں۔ مگر اس میں جبرے رہنے اور جڑے رہنے کے معنی ہیں۔ اسی لئے اگلی سورت میں الْكَوَاكِبُ کے ساتھ انْشَرَّتْ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(۳) وَإِذَا الْجِبَالُ سَوِيتَ ..... (اور جب پہاڑ جلادیں جائیں گے۔ آخر کار پر لگندہ ذرات بن کر ہوا میں اڑے پھریں گے۔

(۴) وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ..... (اور جب وہ دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہیں بے کار و بے مہار ماری ماری پھریں گی۔ غرب میں ایسی اونٹنی (عشرا) کو نفیس ترین مال سمجھا جاتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں العشاد سے مراد بادل ہے۔ یعنی بادل بارش سے خالی ہو جائیں گے۔ والا ول اشھر واصح۔

(۵) وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ..... ایسے حالات میں انسان کیا وحشی جانور بھی جو آج انسانوں سے بھاگتے ہیں۔ اور آپس میں بھی ایک جنس کے جانور دوسری جنس کے جانوروں سے نفرت کرتے ہیں دہشت کی وجہ سے ایک دوسرے میں گھس پڑیں گے۔ اور جنگل پہاڑ چھوڑ کر آبادیوں میں پناہ لینے کے لئے جمع ہو جائیں گے۔ جیسا کہ جنگل میں آگ لگ جانے یا سیلاب آ جانے کے وقت یہ منظر دکھائی دیتا ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد حیوانات میں باہمی قصاص کے لئے ان کو جمع کرنا ہے جیسا کہ یلعنسی کنت ترا کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ جانوروں کا حشر ان کی موت ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آتش و جن کے علاوہ ہر چیز کا حشر اسکی موت ہے عرب کہتے ہیں کہ حشر تهم السنة جبکہ لوگوں کے مال و جان قحط سے تلف ہو جائیں۔

(۶) وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ..... (ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب سمندر بھڑکائے جائیں گے۔ اور وہ بھڑکتی آگ بن جائیں گے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ کبھی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا ہے کہ جب سمندر بھر دیئے جائیں گے۔ مجاہد و مقاتل رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ سمندر ایک دوسرے میں گھس پڑیں گے۔ ٹٹھے اور شور مل کر گرم پانی کا سمندر دوزخیوں کے لئے بن جائے گا۔ حسن بصری و قتادہ رحمۃ اللہ علیہما نے کہا کہ خشک ہو جائیں گے۔ ان میں پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا۔ ان تمام اقوال کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ تمام سمندروں کو جمع کر کے ایک سمندر لبریز کر دیا جائیگا۔ اور سورج کو اس میں ڈال دیا جائیگا۔ جس کی وجہ سے سمندر گرم ہو کر آگ بن جائے گا۔ اور وہ دوزخیوں کے لئے حمیم بن جائے گا۔ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ رہے گا۔



ان چھ حادثات پر دنیا کا خاتمہ:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے (نچھ اولیٰ کے وقت) قیامت سے پہلے چھ نشانیاں ہوں گی۔ لوگ با زاروں میں (اپنے کاروبار میں) مصروف ہوں گے کہ (۱) ایک دم سورج کی روشنی جاتی رہے گی۔ اسی اثنا میں (۲) پہاڑ زمین پر آگرے گے۔ (۳) زمین ہل جائے گی۔ اور اس میں لرزہ پیدا ہو جائے گا (۴) انس و جن گھبرا جائیں گے، جنات آدمیوں سے کہیں گے ہم تم کو خبر لا کر دیتے ہیں چنانچہ جنات سمندر تک پہنچیں گے اور (۵) سمندر ان کو بھڑکتی ہوئی آگ نظر آئے گا۔ اسی دوران میں اچانک (۶) ایک ہوا آئے گی۔ جس سے سب مر جائیں گے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے مگر اس میں سمندر کے آگ ہو جانے کے بعد اتنا اور زائد ہے کہ وہ اسی میں ہوں گے کہ زمین پھٹ جائے گی۔ اور اسی دوران میں ہوا آئے گی جس سے سب مر جائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت کی بارہ چیزیں ہوں گی۔ چھ دنیا میں (مذکور ہوئیں) اور چھ آخرت میں۔ (چھ آخرت والی چیزیں آئندہ آیات میں مذکور ہیں)۔

ترتیب پر اعتراض اور اس کا جواب:

مذکورہ حوادث کی ترتیب پر بعض نکتہ چینوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ نچھ اولیٰ کے وقت جب آفتاب بے نور ہو جائیگا ستارے دھندلے ہو کر گر پڑیں گے۔ پہاڑ اڑ جائیں گے۔ تو گاہن اونٹنیاں اور وحوش کا وجود ہی اس وقت کہاں رہے گا کہ ان کے معطل و محسوس ہونے کا ذکر کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل مطلق جمع پر دلالت کرتی ہے۔ ترتیب پر نہیں۔ یعنی ان آیات میں ترتیب وقوع کا اظہار نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا چھ حوادث کا وقوع نچھ اولیٰ کے وقت ہوگا۔ ترتیب میں علویات کو ذیل بیان کر دیا گیا ہے پھر سفلیات کو۔ علویات کے حادثات بہ نسبت سفلیات کے زیادہ عظیم الشان ہیں۔ گویا سفلی حوادث کے بعد ہی واقع ہوں کیونکہ مکین کے نہ رہنے سے مکان ویران ہوتا ہے پھر اوپر سے شکستہ ہو کر چھتیں پھر دیواریں گرتی ہیں۔ اسی طرح پہلے انس و جن اور حیوانات ہلاک ہو گئے پھر سورج ستاروں وغیرہ کا نمبر آئیگا۔ ہاں ہمہ۔ ان مذکورہ چھ حوادث پر عالم فنا ہو جائیگا۔ اور ایک عرصہ گزرنے کے بعد دوبارہ صور پھونکی جائے گی پھر کائنات وجود میں آئے گی۔ اس نچھ ثانیہ پر بھی چھ حوادث پیش آئیں گے۔

(۱) واذا النفوس زوجت ..... (اور جب نفوس انسانیہ کے جوڑے لگیں گے) اول تو ارواح کا اجسام سے جوڑا لگے گا اور اجسام زندہ ہو جائیں گے۔ گویا ارواح کی اجسام سے ایسی شادی ہو جائے گی کہ ان میں پھر کبھی جدائی نہ ہوگی پھر ہر ایک جنس و نوع کے جوڑے لگیں گے اچھے الگ ہو جائیں گے اور برے الگ۔ پھر نیکیوں میں مثلاً نمازیوں کی صف الگ ہوگی غازیوں کی جدا۔ علیٰ ہذا القیاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس آیت میں وہ لوگ (مراد) ہیں جو آپس میں عملی مشارکت رکھتے تھے۔ ہر وہ شخص جو لوگوں کے ساتھ مل کر ان جیسا کام کرتا تھا (وہ انہیں سے ملادیا جائے گا) اور یہ اللہ کے حکم سے ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت بھی اس موقع پر پڑھتے تھے۔ ﴿وَتُكْنَمُ ازوجاً ثَلَاثَةً﴾ اولاً تین جماعتیں قائم ہوگی۔ (۱) اصحاب الیمین (۲) اصحاب الشمال (۳) سابقین۔ پھر انواع کے جوڑ لگیں گے۔ حضرت عمر کا قول ہے کہ واذا النفوس زوجت سے وہ دو شخص مراد ہے جو ایک ہی کام کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ دونوں جنت یا دوزخ میں چلے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ احشمر والذین ظلموا وازوا بنہم میں (ازواج) ان کے شرکاء کا مراد ہیں۔ سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اچھے آدمی کو اچھے آدمی کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا۔ اور برے آدمی کو برے کے ساتھ دوزخ میں ملا دیا جائے گا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے یہ مراد ہے کہ لوگوں کو ان کے اعمال کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا۔ عطا و مقاتل رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ نفوس موتین کا جوڑا تو بڑی آنکھوں والی حوروں سے ملا دیا جائے گا۔ اور نفوس کفار کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائیگا بعض کہتے ہیں کہ نفوس انسانہ اور نفوس سلاویہ واندھیہ کو ملا دیا جائے گا۔ لیکن یہ لفظ واذا النفوس زوجت وسیع المعنی ہے۔ اور سب احتمالات کو حاوی ہے

(۲) وَاِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ..... (اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اس کو کس جرم میں مارا گیا) جبلائے غرب ننگ و دامادی خوف افلاں کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ گڑھے میں ڈال کر مٹی پھیر دیا کرتے تھے یہ ان کو سنایا جا رہا ہے کہ ایک دن اس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ مظلومہ لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اس کو کس جرم میں زندہ دفن کیا گیا۔ اور زندہ دفن کرنے والوں کو سزا دی جائے گی۔ آیت سے دفن کرنے والوں کی تذلیل و تعجیز مقصود ہے۔ یا مودودہ کی طرف نسبت سوال مجازی ہے یعنی مقصود اس سے سوال نہیں۔ بلکہ اس کے بارے میں سوال مقصود ہے۔ جیسا کہ ان العہد کما ان مسئولا میں سوال عہد سے نہیں بلکہ صاحب عہد سے عہد کے بارے میں ہوگا یا مودودہ بمعنی واندہ ہے یعنی دفن کرنے والی سے باز پرس ہوگی۔ اسم مفعول بمعنی اسم فاعل بھی آتا ہے۔ چنانچہ کما ان وعدہ ما قیام بمعنی الیا ہے۔ یا المودودہ سے مراد المودودہ لہما ہے۔ یعنی مدفونہ لڑکی کے والدین ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ الوائدۃ والمودودۃ فی النار کہ اس حدیث میں ایک توجیہ کی بنا پر المودودۃ سے مراد المودودہ لہما بمعنی ماں ہے۔

لڑکی سے کیوں پوچھا جائے گا؟

آیت کے ظاہری الفاظ سے یہ ہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس مظلومہ لڑکی سے سوال ہوگا۔ بظاہر اس سے سوال کی کوئی وجہ نہیں۔ جرم کا تو مجرم سے سوال ہونا چاہئے؟ جواب ..... (۱) یہ ہے کہ اس سوال سے صرف تلقین دعویٰ مقصود ہے تاکہ مودودہ اپنی مظلومیت و بے گناہی کی فریاد پورے طور پر بارگاہ الہی میں کرے۔ اور سوال اس انداز کا نہ ہوگا کہ ایسا کیوں ہوا۔ ایسا سوال تو مجرم سے ہوتا ہے (۲) ماں باپ پر دعویٰ کرنے میں حیامانع ہو سکتی ہے تو اس کو ہمت بندھانے کے لئے دعویٰ کی تلقین کی جائے گی۔ (۳) اس میں والدین کے ادب کی رعایت ملحوظ ہوگی کہ اس میں قائل کا ذکر ہے نہ قاتل سے خطاب۔ گویا قاتل سے سوال ہی منظور نہیں۔ (۴) کیا یہ کہا جائے کہ والدین تو اپنی اولاد سے کمال شفقت و محبت رکھتے ہیں۔ بلا جرم عظیم قتل جیسے گناہ کبیرہ قطع رحمی کا ارتکاب کر ہی نہیں کر سکتے۔ اس لئے گو مودودہ سے سوال ہوگا کہ آخر کس جرم میں تیرے قتل کا ارتکاب کیا گیا گو نتیجہ کے اعتبار سے بے حد رسوائی زندہ درگور کرنے والے والدین کی ہی ہوگی۔ (۵) ممکن ہے کہ ایسے والدین کے کمال شقاوت و قسارت کی وجہ سے ان سے خطاب ہی نہ کیا جائے۔ بلکہ کمال غضب کی بناء پر اس نے خطاب سے اعراض کیا جائے گا (۶) چند توجیہات نسبت مجازی یا بمعنی اسم فاعل وغیرہ اوپر مذکور ہو چکی ہیں۔

نکتہ: ..... یہاں خطاب فُعِلَتْ کے بجائے صیغہ غائب فُعِلَتْ کیوں لایا گیا؟ بظاہر تو خطاب کا موقع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ واقعات قیامت کا بیان مقصود ہے۔ اور آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مودودہ کے بارے میں

سوال ہوگا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی۔ کس سے سوال ہوگا؟ اسکا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کے پیش نظر کسی تاویل وغیرہ کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ فائدہ۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قیامت نام ہی یوم الحساب، یوم الجزاء اور یوم الدین ہے۔ وہاں تو تمام اعمال کا محاسبہ اور تمام گناہوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ یہاں خصوصی احوال اور احوال قیامت کے سلسلہ میں مودودہ کے معاملہ اور اسکے متعلق سوال کو اتنی اہمیت و خصوصیت کیوں دی گئی؟ جواب۔ غور کرنے سے وجہ خصوصیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ مظلوم لڑکی جس کو خود اس کے ماں باپ نے قتل کیا ہے اس کا انتقام لینے کے لئے کوئی دعویٰ کرنے والا تو ہے نہیں خصوصاً جبکہ اس کو خفیہ دفن کر دیا گیا ہو (جیسا کہ عرب کی عادت تھی) تو کوئی شہادت بھی اس پر نہیں۔ لیکن عدالت خداوندی ایسے مظالم کو بھی سامنے لائے گی جن پر کوئی شہادت نہیں۔ اور نہ مظلوم کا کوئی پرسان حال ہے۔ گویا آیت میں کمال عدالت و انتہا انصاف کی طرف اشارہ ہے۔

**اسقاط حمل بھی قتل ولد ہے..... (مسئلہ ۱)** بچوں کو زندہ دفن کر دینا یا قتل کر دینا سخت گناہ کبیرہ و ظلم عظیم ہے۔ اور چار ماہ کے حمل کو گرانا بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ چوتھے ماہ حمل میں روح پڑ جاتی ہے۔ اور وہ زندہ انسان کے حکم میں ہوتا ہے۔ اسی طرح جو کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور اس سے بچہ ساقط ہو جائے۔ تو باجماع امت مارنڈالے پر اس کی دیت میں ایک غرہ یعنی ایک غلام یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے۔ اور اگر پیٹ سے وہ بچہ زندہ نکلا پھر مر گیا تو ایسی صورت میں پوری دیت بڑے آدمی کے برابر واجب ہوتی ہے۔

**مسئلہ ۲:**..... چار ماہ سے پہلے بھی اسقاط حمل اضطراری حالات کے بدون حرام ہے۔ مگر پہلی صورت سے اس میں گناہ کم ہے کیونکہ اس میں کسی زندہ انسان کا قتل صریح نہیں ہے۔

**مسئلہ ۳:**..... کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے جیسے کہ آج کل دنیا میں ضبط تولید کے نام سے اس کی سینکڑوں صورتیں رائج ہو گئی ہیں۔ اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادخنی (خفیہ طور پر بچہ کو زندہ درگور کرنا) فرمایا ہے (رواہ مسلم) اور بعض دوسری روایات میں جو عزل (یعنی ایسی تدبیر کرنے پر جس سے نطفہ رحم میں نہ جائے) رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سکوت یا عدم ممانعت ہے۔ وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے۔ وہ بھی اسی طرح کے ہمیشہ کے لئے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ آج کل جو ضبط تولید کے نام پر دوائیں دی جاتی ہیں یا علاج (کئے جاتے ہیں) ان میں بعض علاج ایسے بھی ہیں کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نسل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی شرعاً کسی حالت میں اجازت نہیں۔ واللہ اعلم (معارف القرآن) **مسئلہ ۴:**..... عزل (نطفہ باہر گرانا) حرہ بیوی کی بلا اجازت ناجائز اور اجازت پر مکروہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرہ عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ، مظہری)

**(۳) واذا الصحف نشرت.....** (اور جب اعمال نامے پھیلا دیئے جائیں گے) صحیفے بانٹ دیئے جائیں گے یا عرش کے نیچے سے اڑا دیئے جائیں گے۔

**(۴) واذا السماء کشطت.....** کشط کے لغوی معنی جانور کی کھال اتارنے کے آتے ہیں۔ بظاہر یہ حال قیامت کے نفع اولیٰ کے وقت کا ہے جو اسی دنیا میں پیش آئے گا۔ کہ آسمان کی زینت شمس و قمر اور ستاروں سے مخفی وہ سب بے نور کر کے سمندر میں ڈال دیئے جائیں گے۔ تو آسمان کی موجودہ حالت تبدیل ہو جائے گی۔ جس کو کشطت کے لفظ سے

تعبیر کر دیا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے کسشط کے معنی لپٹنے کے لکھے ہیں۔ یعنی آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا۔ یہ حالت دونوں نفخوں کے درمیان یا نفخہ ثانیہ پر ہوگی۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صاحب انصاح نے اخبار مختلفہ میں اسی طرح توفیق دی ہے کہ آسمان وزمین کی تبدیلی دوبار ہوگی۔ ایک بار تو ان کے حالات کی تبدیلی جو فتح اولیٰ کے وقت ہوگی (اور یہ حالات وہ ہیں جن کو اذا الشمس سے سحرت تک بیان کیا گیا) پھر دونوں نفخوں کے درمیان آسمان وزمین لپیٹ دیئے جائیں گے۔ اور بدل دیئے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ (۵) واذا الجحیم سعرت :..... اور جب دشمنان حق کے لئے دوزخ کو خوب بھڑکا دیا جائے گا۔ (۶) واذا الجنة ازلفت :..... اور جب جنت کو پرہیز گاروں کے قریب کر دیا جائے گا۔ علمت نفس ما احضرت :..... تو انسانوں کے اعمال (اعمال ناموں کی شکل میں یا خود اعمال ہی جو اہر اور مشکل بن کر) ان کے سامنے آ جائیں گے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ (۱۵) الْجَوَارِ الْكُنَّسِ (۱۶) وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ (۱۷)

سو میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے، سیدھے چھپ جانے والے ستاروں کی اور رات کی قسم جب وہ چھا جائے۔

فَلَا أُقْسِمُ	بِالْخُنَّسِ	الْجَوَارِ	الْكُنَّسِ	وَاللَّيْلِ	إِذَا	عَسْعَسَ
قسم کھاتا ہوں میں	کی پھر جانے والوں	سیدھے چلنے والوں	تھم رہنے والوں	اور	رات	جب جانے لگے

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (۱۸) إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (۱۹) ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ (۲۰)

اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے کہ یقیناً یہ قرآن ایک ایسے معزز طاقت ور فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے جو مالک عرش کے نزدیک صاحب مرتبہ ہے

وَالصُّبْحِ	إِذَا	تَنَفَّسَ	إِنَّهُ	لَقَوْلُ	رَسُولٍ	كَرِيمٍ	ذِي قُوَّةٍ	عِنْدَ	ذِي الْعَرْشِ	مَكِينٍ
اور صبح	جب	دم لے لے	تحقیق یہ	البتہ کہنا	پیغام پہنچاؤ والا	بزرگ	قوت والا	نزدیک	صاحب عرش	مرتبہ والا

مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ (۲۱) وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ (۲۲) وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ (۲۳)

وہاں کا سردار امانت دار ہے۔ اور تمہارے پیغمبر دیوانے نہیں ہیں۔ اور انہوں نے اس کو صاف مطلع پر دیکھا ہے۔

مُطَاعٍ	ثَمَّ	أَمِينٍ	وَمَا	صَاحِبُكُمْ	بِمَجْنُونٍ	وَلَقَدْ	رَآهُ	بِالْأَفْقِ	الْمُبِينِ
کہا جاتا تھا	اس جگہ	بامانت اور	نہیں	صاحب تمہارا	دیوانہ اور	البتہ تحقیق	دیکھا ہے اس نے اسکو	بچ کنارے	ظاہر

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (۲۴) وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ (۲۵) فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ (۲۶)

اور وہ غیب پر بخیل نہیں ہیں۔ اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں۔ پھر تم کہاں چلے جا رہے ہو؟

وَمَا	هُوَ	عَلَى	الْغَيْبِ	بِضَنِينٍ	وَمَا	هُوَ	بِقَوْلِ	شَيْطَانٍ	رَجِيمٍ	فَأَيْنَ	تَذْهَبُونَ
اور	نہیں	وہ	اوپر	غیب کی بات	بخیل	اور	نہیں	وہ	کہتا شیطان	راندے کے	کہاں جاتے ہو

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ (۲۷) لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ (۲۸)

یہ تو دنیا بھر کے لئے ایک زبردست نصیحت ہے۔ اس کے لئے جو تم میں سیدھا چلنا چاہتا ہے۔

إِنْ	هُوَ	إِلَّا	ذِكْرٌ	لِّلْعَالَمِينَ	لِمَنْ	شَاءَ	مِنْكُمْ	أَنْ	يَسْتَقِيمَ
نہیں	یہ	مگر	نصیحت	واسطے عالموں	واسطے اس شخص	چاہے	تم	یہ کہ	سیدھی راہ چلے

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (۲۹)

اور تم اللہ رب العالمین کے بغیر چاہتے ہو کچھ نہیں چاہ سکتے۔

وَمَا	تَشَاءُونَ	إِلَّا	أَنْ	يَشَاءَ	اللَّهُ	رَبُّ	الْعَالَمِينَ
اور	نہیں	چاہتے	مگر	یہ کہ	بِشَاءَ	چاہے	اللہ رب
							عالموں پروردگار

لغات:

الخنس خانس کی جمع، خلص خالص کی جمع، پیچھے ہٹ جانے والے، پھر جانے والے، رک جانے والے، چھپ جانے والے، خنس خنساً خنوساً خنسا (ن ض) پیچھے ہونا۔ سکر جانا۔ سمیٹنا، چھپانا خنسا (س) ناک کا چپٹا ہونا۔ اور اس کے سرے کا اٹھا ہوا ہونا۔ الجوار جاراً کی جمع، کشتیاں۔ جہاز۔ باندیاں، چلنے والیاں، جبری جبریا نا (ض) چلنا، بہنا، جاری ہونا۔ الکس الکاتس کی جمع، صغیر اسم فاعل کنس کنسا (ض) ہرن کا جائے پناہ میں داخل ہونا۔ چھپنا۔ کنسا (ن) جھاڑودینا۔ کنس ستارے۔ نیل گائیں، ہرنیاں۔ عسس رات کا اندھیرا چھا گیا۔ رات کا اندھیرا چلا گیا۔ یہ کلمہ اضداد میں سے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سمسع کا مقلوب ہے جس کے معنی کسی چیز کے چلے جانے کے ہیں۔ تنفس سانس لینا، دم کھینچنا، مراد اس سے پوچھنا ہے۔ مکین صفت مشبہ کون مصدر (ک) عزت والا، مرتبہ والا۔ ضنین بخیل، کنجوس۔ صیغہ صفت مشبہ۔ ضن (ن ض) سے، اس کا استعمال نفیس شی میں نخل کے متعلق ہوتا ہے۔

ترکیب:

فا تفریعیہ لا اقسام فعل بافاعل الخنس موصوف اپنی دونوں صفوں الجوار اور الکس سے مل کر معطوف علیہ و عاطفہ (علی الاصح وعند البعض قسمیۃ، فالجملۃ علیحدۃ معطوفۃ علی القسم) اذا ظرفیہ مضاف عسس جملہ فعلیہ مضاف الیہ مرکب اضافی ہو کر اقسام کا ظرف ہوگا۔ اسی طرح والصبح اذا تنفس ہے۔ معطوفات مجرور متعلق لا القسم کے، جملہ قسم۔ اور بعض لوگوں کے نزدیک تینوں جملے معطوفات اور ہر ایک قسمیہ ہے۔ انہ حرف مشبہ بفعل مع اسم لفظ مضاف رسول موصوف کریم صفت اول ذی قوۃ مرکب اضافی صفت ثانیہ مکین اپنے ظرف عند ذی العرش (مرکب اضافی) سے مل کر صفت ثالثہ مطاع صفت رابعہ ثم لا شارة المكان۔ ظرف مطاع یا امین کا، امین صفت خامسہ رسول اپنی پانچوں صفات سے مل کر مضاف الیہ قول اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر۔ جملہ جواب قسم۔ واو عاطفہ۔ ما مشابہ بلیس صاحبکم مرکب اضافی اسم بمجنون خبر۔ (والباء زائد لتحسین الکلام وللتاکید) اس جملہ کا عطف جواب قسم پر ہے۔ واو عاطفہ لقد لام تاکیدی اور قد تحقیق راہ فعل ضمیر فاعل۔ (عا ند الی صاحبکم) ہ مفعول بہ بالافق المبین متعلق جملہ فعلیہ معطوف جواب قسم پر واو عاطفہ ما مشابہ بلیس ہو اسم بضنین اپنے متعلق مقدم علی الغیب سے ملکر خبر۔ والباء زائد۔ جواب قسم پر معطوف و کذا قولہ تعالیٰ وما هو بقول شیطین الرجیم بتفاوت یسیر فاء تفریعیہ تذہبون اپنے فاعل ضمیر جمع مذکر اور ظرف مقدم امین سے ملکر جملہ فعلیہ (وقد الظرف لصدارة الکلام) ان نافیہ ہو مبتدأ الا حرف استثناء لغو للعلیمن جار مجرور مبدل منہ ل

حرف جر من موصولہ شاء فعل ضمیر فاعل منکم متعلق ان يستقیم جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ صلہ ، موصول وصلل کر مجرور، جار مجرور بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر ذکر کے متعلق اور وہ خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ واو عاطفہ ماتشؤون فعل ضمیر مخاطبین فاعل ہا ضمیر (ای الاستقامۃ) مفعول بہ الا حرف استثناء ان یشاء فعل اللہ موصوف رب العلیمین مرکب اضافی صفت۔ مرکب توصیفی فاعل۔ جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مضاف الیہ وقت محذوف کا۔ اور یہ استثناء مفرد ہوا۔

تفسیر:

قیامت کے احوال اور ہولناک مناظر اور وہاں کے محاسبہ اعمال کا ذکر فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے چند ستاروں کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ قرآن حق ہے۔ اللہ کی طرف سے بڑی حفاظت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اور جس ذات گرامی پر نازل کیا گیا ہے۔ اس سے اہل مکہ خوب واقف ہیں۔ کہ وہ صادق و امین کی بڑی خصوصیات و عمدہ صفات سے مزین و متصف ہیں۔ وحی لانے والے فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خوب پہچانتے ہیں۔ اس لئے اس قرآن مقدس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں یہ پاکیزہ کلام شیطانی اثرات سے قطعاً مبرا ہے

قسم کیوں کھائی گئی؟

سابقہ آیات میں جن ہولناک واقعات قیامت کی خبر دی گئی وہ امور بدیہیہ نہیں تھے۔ اور نہ ہی سہل الحصول تھے کہ متوسط عقلیں بغیر کسی دلیل و برہان سے ان کو تسلیم کر لیتیں۔ اگر یہ امور ایسے ہوتے تو ان میں عقلاء کا اختلاف اس درجہ نہ ہوتا۔ اسی لئے شروع قرآن میں ان امور پر ایمان لانے کو ایمان بالغیب کہا گیا۔ ان کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر موقوف ہے۔ جس نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، اس کے نزدیک ان تمام امور کے سچا ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و صداقت اور ان پر نازل ہونے والی کتاب کی سچائی کو ثابت کیا جائے۔ اور عرب والوں کے نزدیک جھوٹی قسم کھانا باعث ہلاکت میں شمار ہوتا تھا۔ اسی بناء پر اگر کوئی شخص قسم کھا کر کوئی بات بیان کر دیتا تو وہ لوگ ایسی بات کی تصدیق بلا پس و پیش کرتے تھے۔ اس وجہ سے قیامت کے ہولناک واقعات کے بعد آیات مذکورہ کو قسم کے ساتھ شروع کیا گیا۔ اور قسم ہی پر بس نہیں کی گئی۔ بلکہ وہ دلائل بھی بیان فرمانے جن سے قیامت کے ہولناک واقعات کا امکان اور ان کا وقوع ثابت ہوتا ہے۔ اور قرآن مقدس کا کتاب الہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

قسم کے ساتھ ستاروں کو کیوں خاص کیا گیا؟

(۱) جن ستاروں کی قسم کھائی گئی وہ اکثر مفسرین کے نزدیک (جیسا کہ آگے آتا ہے) پانچ ستارے ہیں۔ جن کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ ان کی حرکت و رجعت اور وقوف کا مشاہدہ سے تعلق ہے۔ جس طرح سورج اور چاند کے تغیرات، طلوع و غروب اور گرہن اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کا تعلق مشاہدہ سے ہے۔ جن بارہ واقعات و حوادث کا ذکر اوپر کی آیات میں آچکا تھا۔ ان کا تعلق ایمان بالغیب سے تھا۔ ان حوادث و تغیرات عالم پر ان مشاہدات کو دلیل بنایا گیا ہے۔ تو گویا کلام مختلف و جود

سے مضمون ماقبل کا موید ہوا۔ قسم کے اعتبار سے۔ دلیل کے اعتبار سے اور نبوت و کلام الہی کے اثبات کے اعتبار سے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ ان ستاروں کے تغیرات آسمانی اجسام کے تغیر و انقلاب پر دلیل و علامت ہیں۔ اور جب اجرام سماوی میں انقلاب و تغیر ممکن و متصور ہے تو اجرام سفلی کے تغیر میں کیا اشکال ہو سکتا ہے۔؟ حالانکہ اس عالم سفلی کے تغیرات و انقلابات کا بھی ہم شب و روز مشاہدہ کرتے ہیں۔

(۲) ان ستاروں کی تغیرات ان کے حدوث پر دلالت کرتے ہیں۔ کیوں کہ کل متغیر حادث اہل عقل کے نزدیک مسلم ہے تو جو چیزیں متغیر اور حادث ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں صدات قبول کرنے اور فنا ہو جانے کی صلاحیت موجود ہے۔ بلکہ ان کا تغیر خود ان کے فنا ہو جانے کی دلیل ہے۔ ستاروں کے علاوہ سورج اور عالم سفلی کی چیزوں کے تغیرات کا سبب کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں۔ ستاروں کا تغیر قدرے خفی تھا۔ اس لئے خصوصاً ان پانچ ستاروں کی قسم کھا کر جن دیگر ستاروں کی بہ نسبت تغیر زیادہ نمایاں ہے ان تغیرات و انقلابات کی طرف متوجہ کیا گیا۔ گو ستاروں کا دن میں چھپ جانا اور رات کو ظاہر ہونا بہت ہی نمایاں ہے۔ مگر وقت ظہور بھی وہ تغیرات سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

فلا أقسم بالخنس الجوار الكنس ..... حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اکثر مفسرین سے منقول ہے کہ اس جگہ وہ پانچ ستارے مراد ہیں جن کو خنسہ متحیرہ کہا جاتا ہے۔ یعنی زحل، مشتری، عطارد، مریخ، زہرہ۔ ان کو متحیرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حرکت کچھ اس طرح دکھائی دیتی ہے کہ وہ کبھی مشرق سے مغرب میں چل رہے ہیں۔ کبھی پھر پیچھے کو مغرب سے مشرق کی طرف چلنے لگتے ہیں۔ کبھی ٹھہر جاتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ اور دو مختلف حرکتوں کا سبب کیا ہے؟ اس کے بارے میں قدیم فلاسفہ یونان کے اقوال مختلف ہیں۔

اور جدید فلاسفہ کی تحقیق ان میں سے بعض کے مخالف ہے۔ اور بعض کے موافق ہے۔ اور حقیقت کا علم پیدا کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں۔ قدیم و جدید فلاسفہ کے اقوال انکل کے تیر، خمینے اور اندازے ہیں۔ جو غلط بھی ہو سکتے ہیں۔ اور صحیح بھی۔ قرآن حکیم نے امت محمدیہ کو ایسی فضول بحثوں میں نہیں الجھایا۔ جتنی بات مفید تھی بتلا دی گئی تاکہ بندے رب العزت کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کا مشاہدہ کریں۔ اور معرفت خالق سے بہرہ اندوز ہوں۔ اور اپنے اوقات برباد نہ کریں۔ کل فسی فلک یسبحون ..... جیسی آیات سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سب ستارے اپنے اپنے دائرے میں تیرتے ہیں (یعنی ایک خاص ضابطہ خداوندی کے تحت جاری و متحرک ہیں) حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خنس یہی ستارے ہیں۔ جو رات کو نمودار ہوتے ہیں اور دن میں چھپ جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ الحاصل ستاروں کا نظام قادر مطلق کی قدرت و عظمت پر بھی روشن دلیل ہے۔ اور عالم کے فنا و زوال اور حوادث قیامت پر بھی ایک کھلی ہوئی علامت ہے۔ نیز ان کے پرستاروں کے خیال فاسد اور حماقت کی تردید بھی ہے۔ اس کے بعد قدرت کا ایک اور کرشمہ، اور روزانہ کے تصرف کا ایک نمونہ بانداز قسم ذکر فرما کر حوادث مذکورہ اور اپنی قدرت باہرہ پر مزید ثبوت پیش کرتے ہیں۔

والیل اذا عسعس ..... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے عسعس کا ترجمہ۔ اقبل بظلامہ او ادبر کیا ہے۔ یعنی قسم ہے رات کی جب وہ اپنا اندھیرا لے کر آتی ہے۔ یا پشت موڑ کر چلی جاتی ہے۔ (یہ لفظ اضداد میں سے ہے) رات کا آنا اور دنیا پر چھا جانا بھی ایک تغیر عظیم ہے کہ روشنی کے بعد اندھیرا چھا گیا۔ اور رات کا سمننا اور چلا جانا بھی زبردست تغیر اور اللہ کی قدرت کاملہ کا ایک کھلا ہوا نمونہ ہے کہ دنیا پر اندھیری کی سیاہ چادر پڑی تھی جو یکا یک سینے لگی۔

والصبح اذا تنفس ..... یہ تیسری قسم ہے۔ جو قدرت و عظمت خداوندی، تغیرات احوال و حدوث عالم اور بارہ مذکورہ حوادث قیامت پر دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک لطیف استعارہ پر مشتمل ہے۔ تنفس کے معنی ہیں سانس لینا، گویا رات کو ایک ایسے غمگین شخص سے تشبیہ دی گئی ہے، جو سانس گھونٹے بیٹھا تھا، پھر اس نے راحت و آرام کا سانس لیا۔ غم کو تاریکی سے اور سرور کو نور سے تشبیہ دینا عام طور پر رائج ہے۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ پانچ اولعزم انبیاء حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان پانچ نورانی ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جن کی چالیس مختلف سمتوں میں نظر آتی تھیں۔ چنانچہ ان پانچوں انبیاء علیہم السلام کی نورانی شریعتیں بھی مختلف تھیں۔ جو اس تاریک دنیا کے انسانوں پر چمکتی اور ان کی رہبری کرتی رہیں۔ مگر جبل و کفر کی تاریکیاں دنیا کو محیط رہیں۔ یہاں تک کہ خیرات کی تاریکیوں میں پورا جہاں ڈوب گیا۔ تو صبح نورانی جلوہ گر ہوئی۔ اور پورے جہان کو تاریکیوں سے چھڑا لیا گیا۔ یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو گئی۔ اور آفتاب رسالت و نبوت نے اپنی ضو پاشیوں سے پورے عالم کو جگمگا دیا۔ اسی لئے آئندہ آیات میں ان کی توصیف اور ان کی نورانی کتاب قرآن پاک کی تحمید اور کتاب لانے والے کی توثیق و تصدیق کی جا رہی ہے۔

### روز و شب کے انقلاب:

رات آتی ہے۔ کائنات کو سیاہ چادر اوڑھ دیتی ہے۔ بازار اجڑ جاتے ہیں۔ جبل پہل ختم ہو جاتی ہے دنیا پر ایک سکوت کا عالم پناہوتا ہے۔ سب لوگ خاموش بے حس و حرکت مردوں کی طرح محو استراحت ہوتے ہیں۔ صبح ہوتی ہے تو وہ سب کو ہوشیار کر دیتی ہے۔ اور دنیا میں پھر جبل پہل کا منظر نمودار ہوتا ہے۔ رات، عالم بزرخ کا منظر پیش کرتی ہے۔ تو دن محشر کا نقشہ قائم کرتا ہے۔ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند سے بیدار ہونے کی دعا میں انسانوں کو اس سبق کے سمجھ لینے کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَا نَبِيَّ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِيْ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْر۔ پھر جس طرح دن میں خیر و شر کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح حشر کے دن خیر و شر کا مکمل انکشاف ہو جائے گا۔ علمت نفس ما حضرت .

تنبیہ: ..... اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عسعر کے معنی آنے کے بھی ہیں اور جانے کے بھی۔ یہ لفظ مشترک بین الضدین ہے۔ پھر اگر معنی تنفس اور صبح کے مقابلہ کا لحاظ کیا جائے تو آنے کے الفاظ مناسب ہوں گے۔ اور اگر رات کے آنے اور دن کے جانے میں تلازم کو ملحوظ رکھیں تو جانے کے معنی بہتر ہوں گے۔ یہ کلام اللہ کی شان اعجاز ہے۔ کہ مقام ذی وجہین میں لفظ بھی مشترک بین الضدین لایا گیا۔ لیکن ثانی (جانے کے) معنی پر صرف ایک انقلاب مفہوم ہوگا کیونکہ رات کا جانا انقلاب کی ابتدا اور دن کا آنا اس کی انتہا ہے جو حیات بعد الممات کا نمونہ ہے اور اول معنی مراد لینے کی صورت میں دو انقلاب مفہوم ہوتے ہیں۔ حیات کے بعد موت اور موت کے بعد حیات۔ اس لئے میرے نزدیک یہی معنی مقام پر زیادہ بہتر ہوگا۔ گو دیگر حضرات مفسرین نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔

نکتہ عجیبہ: ..... رات دن کے عجائبات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ رات میں انسان کو دور کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ جیسے کہ آسمان کے تارے، چاند اور قریب کی چیزیں ظاہر نہیں ہوتیں۔ جیسے فضا اور زمین کی چیزیں۔ اور دن میں اس کے برخلاف قریب کی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور دور کی چیزیں اور تارے وغیرہ چھپ جاتے ہیں اس میں دنیا اور آخرت کا



نمونہ موجود ہے۔ جو چیزیں انسان سے قریب تر ہیں اس دنیا میں وہ نظر نہیں آتیں۔ ذات حق نظر نہیں آتی۔ حالانکہ وہ شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔ ﴿وَلَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْخَيْلِ﴾ اپنے اعمال اور اثرات نظر نہیں آتے۔ دور کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ قیامت کے دن وہ سب نقشے اور اسباب کے سلسلے انسان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے اور قریب والی چیزیں سامنے آ جائیں گی۔ یہ دنیا رات ہے اور قیامت و آخرت دن ہے۔ البتہ روشنی مہیا کرنے سے رات میں قریب کی چیزیں بھی نظر آ جاتی ہیں۔ اسی طرح معرفت کے ذریعہ تخلیقات ربانی اس کائنات میں نظر آتی ہیں۔ اور اعمال کے اثرات بھی۔ فافہم

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حکیم الامت مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ یہ قسمیں مطلوبہ مقام نہایت مناسب ہیں۔ چنانچہ ستاروں کا سیدھا چلنا، اور لوٹ جانا اور چھپ جانا مشابہ ہے فرشتہ کے آنے اور واپس جانے اور عالم سکوت میں جا چھپنے کے اور رات کا گذرنا اور صبح کا آنا مشابہ ہے قرآن کے سبب ظلمت کفر کے رفع ہو جانے اور نور ہدایت کے ظاہر ہو جانے کے (بیان القرآن)

صفات جبرئیل علیہ السلام:

انہ لقول ستاروں اور شب و روز اور ان کے احوال و تغیرات کی قسم کے بعد ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت اور وحی ربانی (قرآن مقدس) میں شبہات کرنے والوں کا جواب ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشادات ربانی و آیات قرآنی تم کو سنا رہے ہیں۔ ان میں اختیاری یا غیر اختیاری کسی بھی قسم کی غلطی کا ہرگز احتمال و امکان نہیں ہے۔ یہ قرآن مقدس نہایت محفوظ طریقہ پر آپ تک پہنچا ہے۔ وہ شیطانی اثرات اور دخل اندازیوں سے قطعاً مبرا و پاک ہے۔

چونکہ وحی جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے پہنچی جاتی تھی۔ وہ معلم و مبلغ اور قاصد و وحی ہیں۔ اس لئے اولاً جبرئیل علیہ السلام کی چند مخصوص صفات اور ان کی عظمت شان کا بیان فرما کر ان کی توثیق و تصدیق کی گئی۔ اس سلسلہ میں تفصیل کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ مشرکین مکہ اسرافیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام سے تو واقف تھے۔ جبرئیل علیہ السلام سے واقف نہ تھے۔ غور کیا جائے کہ یہ صفات جبرئیل امین علیہ السلام پر نئے تکلف صادق آتی ہیں۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح عالم میں روشنی پھیلا رہا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بنالیا ہے بلکہ یہ کلام حق تعالیٰ کی طرف سے ایک معزز رسول کی زبانی آپ تک پہنچا ہے۔

پہلی صفت: جبرئیل امین علیہ السلام کی پہلی صفت رسول ہے۔ رسول کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ مرسل الیہ کے پاس جا کر وہ اپنا رسالہ ظاہر کرے۔ اور جو کچھ پیغام مرسل نے دیا ہے وہ بعینہ اسی کے الفاظ میں کی زیادتی کے بغیر مرسل الیہ تک پہنچا دے ایسے شخص کو رسول کامل اور پورا پیغام رسان کہہ سکتے ہیں۔ الفاظ و معانی بدل کر یا صرف الفاظ بدل کر پیغام پہنچانے والا رسول امین اور کامل پیغام رسان نہیں کہلا سکتا۔ جبرئیل امین علیہ السلام ہوں یا نبی محترم علیہا السلام دونوں کے حیثیت رسول کامل کی تھی، ترجمان کی نہ تھی۔

یعنی یہ حضرات مضمون الہی و کلام و پیغام خداوندی کو اپنے الفاظ میں ادا کرنے والے نہ تھے بلکہ انہوں نے بعینہ الفاظ پہنچائے تھے۔ یہ بات یاد رکھئے کہ ترجمان و مبر کو (جو الفاظ بدل دیتا ہے) رسول نہیں کہا جاسکتا۔ لہذا جو لوگ قرآن

مقدس کی عبارت کو جبریل امین علیہ السلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساختہ پرداختہ کہتے ہیں۔ اور کلام الہی صرف معانی و مضامین قرآنی قرار دیتے ہیں۔ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اور ان کا اس آیت سے استدلال بھی بالکل بیجا اور ظلم ہے رسول کا قول ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ عبارت رسول کی ہے۔

دوسری صفت: ..... دوسری صفت کریم ہے۔ جس کے معنی اس معزز اور بزرگ کے آتے ہیں جسکی عدالت و پرہیزگاری انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ چنانچہ جدیدے شریف میں ہے کہ: **الکرم التقوی والحسب المال** (کرم اور بزرگی تقوی ہے اور حسب مال ہے) قرآن پاک میں بھی ہے کہ: **﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَو﴾** (سب سے بڑا بزرگ تم میں وہ ہے جو تقوی میں سب سے بڑھ کر ہے)۔

تنبیہ: ..... کرم، اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہوتی ہے۔ انسان کی بھی اور فرشتہ کی بھی، اور قرآن کی بھی اور دوسری چیزوں کی بھی، مگر ہر موقع پر اس کے معانی مختلف اور جدا گانہ ہوتے ہیں۔ (۱) اللہ کے کرم سے مراد اللہ کا احسان و انعام ہوتا ہے۔ **السلامہ** (یعنی اللہ مخلوق پر عہم احسان و نوازش کرنے والا ہے۔) (۲) آدمی کے کریم ہونے کے معنی یہ ہے کہ وہ خصال حمیدہ و اخلاق پسندیدہ، کردار کی بلندی اور ذاتی شرافت و محاسن سے متصف ہے بعض کہتے ہیں کہ حریت و کرم دونوں ہم معنی ہیں۔ لیکن استعمال میں یہ فرق ہے کہ خراس آدمی کو کہتے ہیں جس میں خوبیاں اور محاسن ہوں، خواہ وہ خوبیاں چھوٹی ہوں یا بڑی۔ لیکن کریم صرف اس آدمی کو کہتے ہیں کہ جس میں بڑی خوبیاں ہوں۔ (۳) ملائکہ کے کریم ہونے کا مطلب دربار خداوندی میں باعزت ہونا ہے۔ کراما کا تبیین۔ عزت والے فرشتے جو انسانوں کے اعمال اے لکھتے ہیں۔ (۴) قرآن کریم یا کتاب کریم، عزت و شرف والا قرآن، بلند مرتبہ کتاب (۵) رسول کریم عزت و بزرگی والا پیامبر (جبریل) (۶) قول کریم۔ نرم اور اچھی بات، عاجزانه کلام۔ **﴿وَقُلْ لَهَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾** (۷) باقی اشیاء میں جس چیز کی صفت لفظ کریم ہوگا۔ تو اس سے عمدہ ہونا اور اچھی صفات سے متصف ہونا مراد ہوگا۔ جیسے ذیج کریم عمدہ قسم۔ مقام مکرم عمدہ مقام۔

تیسری صفت: ..... رسول جبریل علیہ السلام کی تیسری صفت **ذی قُوَّة** ہے۔ جبریل امین کی قوت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے قوم لوط کی چار بستیوں کو (جن میں سے ہر بستی میں چار لاکھ مرد، عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کے علاوہ تھے) ساتویں زمین کی تہ سے اپنے ایک پر کی نوک سے اکھاڑ کر اور اوپر اٹھا کر آسمان کے اتنا قریب کر دیا کہ آسمان کے رہنے والوں نے ان شہروں کے کتوں اور مرغیوں کی آواز کو سنا، پھر وہیں سے ان کو پلٹ دیا۔ اور قوم ثمود کو ایک چیخ سے ہلاک کر دیا۔ وہ ایک پل جھپکنے کی مقدار میں آسمانوں سے زمین پر اور زمین سے آسمانوں پر چلے جاتے ہیں۔ سورہ نجم میں ہے۔ **﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى﴾** (غیبر کو یہ قرآن ایک طاقتور، زور آور فرشتہ نے سکھایا ہے۔ جو فطری طور پر طاقتور ہے۔) مطلب یہ ہے کہ یہ کلام آپ تک کسی شیطان کے ذریعہ نہیں پہنچا کہ آپ کے (نعوذ باللہ) کا ہن ہونے کا شبہ کیا جائے۔ بلکہ فرشتے کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اور وہ فرشتہ نہایت طاقتور ہے۔ جس کا مقابلہ یا اس کے کام میں دخل اندازی شیطانوں کی بس کی بات نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے ایسی قوت حافظہ مراد ہو جس میں نسیان وغیرہ کا احتمال نہ ہو۔

چوتھی صفت: ..... **عند ذی العرش مکین** ..... وہ عرش والے کے نزدیک معزز و صاحب مرتبہ ہیں۔

یعنی وہ خاص مقربین بارگاہ خداوندی میں سے ہے۔ اس میں چند امور کی طرف اشارہ ہے۔ (۱) وہ اللہ کے مقرب و حاضر

باش ہیں۔ (۲) بلا واسطہ کلام سنتے ہیں۔ (۳) اعلیٰ درجہ کے معتمد علیہ ہیں۔ (۴) ان کے پیام پہنچانے میں کمی زیادتی کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے منصب عالی و بلند مرتبہ کی محافظت کے لئے سرکاری پیام پہنچانے میں کمال احتیاط کریں گے۔ دنیا میں بھی شاہی مقربین بہت محتاط ہوتے ہیں۔ اور ان کی بات زیادہ معتبر شمار ہوتی ہے۔

پانچویں صفت: ..... مطاع وہ سردار ملائک ہیں۔ بے شمار ملائکہ ان کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں۔ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے کہنے سے ساتوں آسمانوں کے فرشتوں نے دروازے کھول دیئے۔ اور جنت و دوزخ کے دربانوں نے نیز دیگر ملائکہ نے ان کی اطاعت کی (اور یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں ہوا۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی اطاعت کی۔ اور تمام ملائکہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اطاعت کی) اطاعت سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے حکم باری حضرت جبرئیل علیہ السلام پر اترتا ہے۔ پھر ان کے ذریعہ دوسرے فرشتوں کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی امر کی وحی فرماتے ہیں تو کلام باری سے تمام آسمانوں میں ایک سخت لرزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جب ملائکہ سنتے ہیں تو حواس باختہ ہو کر سب اللہ کے سامنے سر بسجود گر پڑتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام اور وحی فرماتے ہیں۔

پھر وہ جس آسمان کے فرشتوں کی طرف سے گذرتے ہیں وہ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں۔ ہمارے مالک نے کیا فرمایا؟ تو جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں الحق و ہوا العلیٰ الکبیر۔ یہ حدیث حضرت جبرئیل علیہ السلام کے مطاع ملائکہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطاع جمیع ملائکہ ہونے کی وجہ اہل حق و حضرات صوفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ فیض وجود و مرتبہ قرب کا مبداء ہے جیسا کہ ارشاد ہے **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي**۔ اور مراتب قرب میں وحی و کلام کا مرتبہ بھی ہے۔ جو حقیقت محمدیہ کے بغیر تو سل کسی کو وحی پہنچ نہیں سکتی۔ یہ کشفی چیز ہے جس کی مویذ بعض نصوص بھی ہیں مثلاً ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آسمان پر میرے دو وزیر ہیں جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام اور زمین پر بھی دو وزیر ہیں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما **فَا فَهَمَ اِيْهَا الْفُطْنُ الْمَلِيْبُ۔ (مظہری)۔**

چھٹی صفت: ..... ثم امین حضرت جبرئیل امین بھی ہیں کہ وہ وحی میں کمی زیادتی یا کوئی آمیزش نہیں کرتے۔ لفظ ثم سے مفہوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے مقربین ان پر پورا اعتماد کرتے اور ان کو امین سمجھتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ وہ نہایت محمد علیہ امین ہیں۔ لفظ ثم کا تعلق امین سے ہے۔ اور مطاع سے بھی ہو سکتا ہے۔

تنبیہ: ..... بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ رسول کریم کا مصداق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا ہے۔ اور صفات مذکورہ کو قدر تکلف سے آپ کی ذات عالی پر منطبق کیا ہے۔ سورۃ الحاقہ میں بھی اس لفظ میں دونوں قول ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ وہاں اسکا مصداق پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وما صاحبکم بمجنون ..... اور تمہارے ساتھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیوانے نہیں ہیں (یہ بھی جواب قسم ہے۔ صاحبکم سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن لوگوں نے رسول کریم کا مصداق بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے۔ ان کے قول کی بنا پر وما هو بمجنون ہوتا مگر ضمیر کے بجائے اسم ظاہر صاحبکم لانے

میں ایک تو صراحتہ کفار کی تکذیب مقصود ہے کہ تم ﴿یٰۤاِیہا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون﴾ غلط اور خلاف واقعہ کہتے ہیں۔ وہ تمہارے سامنے موجود ہیں۔ اور جنون کی کوئی بات ان میں موجود نہیں۔

**آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ صا حبکم سے تعبیر کرنے کی حکمت:**

دوسرے اس امر پر تنبیہ کرتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہیں باہر سے نہیں آئے۔ وہ کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں کہ ان کے صدق و کذب کے بارے میں تم پر ان کا حال مشتبہ رہے۔ وہ تمہارے ساتھ رہتے ہیں۔ تمہارے وطن میں پیدا ہوئے۔ ان کی خاندانی و ذاتی شرافت سے تم خوب واقف ہو۔ بچپن، جوانی کے ادوار تمہاری نگاہوں کے سامنے گزرے ہیں ان کے اخلاق عادات امانت و صدق و مروت اور شرافت پر تم سب متفق رہے ہو۔ کمال عقل و ہوش کبھی کوئی حرکت ان سے سرزد نہیں ہوئی۔ صادق و امین کے القاب سے تم لوگ ان کو یاد کرتے تھے۔

لیکن دعوائے نبوت کے بعد تم ان کی طرف جنون وغیرہ کا انتساب کرنے لگے۔ یہ درحقیقت تمہارا جنون ہے۔ جو مخلوق کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہ بولے اور اعلیٰ درجہ کا عاقل ہو تو کیا اللہ کے معاملہ میں اس کی عادت بدل سکتی ہے؟ اور وہ اللہ پر جھوٹ بھی بول سکتا ہے؟ جبکہ اس میں کسی دنیوی منفعت کا داہمہ بھی نہ ہو۔ اور سب یگانے بھی بیگانے ہو جائیں۔ اور ہزاروں مصائب سر پر آ پڑیں۔

ولقد راہ بالافق المبین ..... یہ بھی ایک شبہ کا جواب ہے۔ وہ یہ کہ آپ سچے بھی ہیں۔ دیوانے بھی نہیں۔ مگر ممکن ہے کہ جبریل علیہ السلام سے آپ نے یہ کلام نہ سنا ہو۔ اور ان کو دیکھا بھی نہ ہو۔ بلکہ کوئی شیطان آکر سنا دیتا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جبریل سمجھ جاتے ہوں۔ اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو آسمان کے مشرقی کنارہ پر دیکھا ہے۔ وہ ان کو خوب پہچانتے ہیں۔ سورۃ نجم میں افق الاعلیٰ کا لفظ ہے اور یہاں افق مبین کا۔ علماء فرماتے ہیں کہ دونوں سے مراد آسمان کا مشرقی کنارہ ہے۔ نیز علماء کا اتفاق ہے رائی کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ اورہ کی ضمیر یا ذی العرش کی طرف راجع ہے۔ یا رسول کریم یعنی جبریل امین کی طرف راجع ہے۔ اول صورت میں بالافق المبین رائی کی ضمیر فاعلی سے حال ہوگا۔ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمانوں کے اوپر عالم کے افق پر تھے اس وقت آپ ﷺ نے اللہ کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روایت باری تعالیٰ لیلۃ المعراج میں ہوئی۔ اور کھلی آنکھوں ہوئی۔ جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور بعض نے روایت کو تسلیم بھی نہیں کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ۔ اسکی پوری تفصیل کا اصل محل سورۃ النجم ہے جمہور مفسرین نے ضمیرہ دسول کریم کی طرف لوٹائی ہے۔ جس سے مراد جبریل امین علیہ السلام ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جبکہ حضرت جبریل علیہ السلام افق مبین میں تھے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے فرمایا تھا کہ آپ کو اس شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں جس شکل میں آپ آسمان میں ہوتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ ﷺ ایسا نہ کر سکیں گے۔ لیکن آپ ﷺ نے پھر خواہش کی تو حضرت جبریل امین علیہ السلام نے کہا کہ آپ مجھ کو کس مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ابطح میں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا: وہاں

تو میں نہیں ساسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منی میں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: وہاں بھی نہ ساسکوں گا۔ فرمایا عرفات میں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اس میں بھی اتنی وسعت نہیں، فرمایا: حراء میں، جبرئیل علیہ السلام نے کہا: دیکھئے اس کے آس پاس گنجائش ہو۔ غرض وقت مقرر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ اچانک عرفات کے پہاڑوں سے ہتھیاروں کی کھٹاکٹ اور بادلوں کی گرج جیسی آواز کے ساتھ جبرئیل امین علیہ السلام نمودار ہو گئے۔ ان کا سر آسمان تک اور پاؤں زمین میں تھے۔ اور مشرق سے مغرب تک خلا پر تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنا دیکھ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد جبرئیل نے اپنی صورت بدل دی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سینہ سے چمٹا کر کہا! محمد آپ خوف نہ کریں۔ اگر آپ اسرافیل علیہ السلام کو (ان کی اصلی صورت پر دیکھ لیں گے تو کیا حال ہوگا؟) کہ ان کا سر عرش کے نیچے اور پاؤں ساتویں زمین کے حدود میں ہیں عرش ان کے کاندھے پر ہے۔ اور ایسی عظمت کے باوجود اللہ کے خوف سے وہ کبھی کبھی اتنا مسٹ جاتے ہیں کہ چڑیا کی طرح ہو جاتے ہیں۔ اور عرش رب کو محض عظمت الہی سے اٹھائے رہتے ہیں۔

(مظہری)۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اماں جان سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ولقد راہ بالافق المبین ولقد راہ نزلة اخوی حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ پوری امت میں سب سے پہلے میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب دریافت کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس کے دیکھنے کا آیت میں ذکر ہے۔ وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے آیت میں جس رویت کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو آسمان سے زمین کی طرف اترتے ہوئے دیکھا۔ کہ ان کے جشہ نے زمین و آسمان کے درمیان فضاء کو بھر دیا تھا (ابن کثیر و مسلم شریف) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو ان کی اصلی صورت پر دو بار دیکھا ہے پہلی بار رویت ابتدائی دور میں ہوئی جبکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی مرتبہ اقراء کی ابتدائی آیتوں کی وحی لے کر آئے تھے۔ اس کے بعد وحی میں وقفہ پیش آیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم رہا۔ بار بار دل میں یہ خیالات آئے کہ پہاڑ سے گر کر جان دے دو۔ مگر کبھی ایسی صورت ہوتی تو جبرئیل علیہ السلام غائبانہ آواز دیتے ”اے محمد آپ اللہ کے رسول برحق ہیں اور میں جبرئیل (علیہ السلام) ہوں ان کی آواز سے آپ ﷺ کو تسکین ہو جاتی۔ جب بھی ایسا خیال آیا اسی وقت جبرئیل نے آواز کے ذریعہ تسلی دے دی۔ مگر تسلیاں غائبانہ تھیں۔ یہاں تک کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام بلحا کے کھلے میدان میں اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے کہ ان کے چہرہ سباز و تھے۔ اور انہوں نے پورے افق کو گھیر رکھا تھا۔ پھر جبرئیل امین علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ کو وحی الہی پہنچائی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرئیل علیہ السلام کی عظمت اور اللہ کے نزدیک ان کی جلالت قدر کی حقیقت روشن ہوئی۔ (ابن کثیر) دوسری بار کس جگہ اور کس زمانہ میں دیکھا۔ اس کو سورۃ نجم میں متعین کر کے بتلادیا کہ یہ رویت ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہی کے پاس ہوئی تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ساتویں آسمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج میں تشریف لے گئے تھے الحاصل رویت جبرئیل پہلی مرتبہ فترت وحی کے زمانہ میں مکہ معظمہ میں ہوئی اور دوسری مرتبہ شب معراج میں ساتویں آسمان پر ہوئی۔

انتباہ: ..... (۱) یہاں جبرئیل امین علیہ السلام کی رویت سے مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خوب پہنچانتے تھے۔ ان کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ رویت جبرئیل سے آپ ﷺ کی فضیلت بڑھ گئی۔

باجماع علماء امت جبرئیل امین علیہ السلام سے تو خود آپ ﷺ افضل ہیں۔ (۲) اس مقام پر نیز سورۃ نجم کی ابتدائی آیات علماء امت کے اختلافات اور طویل بحثیں ہیں جن کو بڑی تفاسیر میں دیکھا جاسکتا ہے۔

وما هو علیٰ الغیب بضئین ..... (اور وہ پیغمبر غیب پر بخیل بھی نہیں ہیں) یہاں پر ایک شبہ یہ رہ جاتا ہے کہ شاید آپ کا ہن ہوں اور جنات سے باتیں سن کر بیان کر دیتے ہوں۔ اس مذکورہ آیت میں اس شبہ کو رفع کیا گیا ہے۔ کہ کانہوں کی اور آپ ﷺ کی تعلیمات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کاہن نہ امور آخرت بیان کر سکتا ہے۔ نہ انسان کی سعادت و شقاوت کا راستہ بتا سکتا ہے۔ نہ مرضیات و نامرضیات خداوندی کی ایسے دلکش انداز میں تعلیم دے سکتا ہے۔ نہ آئندہ کے ہولناک واقعات کی۔ کاہن تو صرف دنیوی معاملات میں پیش آنے والی کچھ بے ٹکی باتیں جن میں بیشتر مہمل کلمات، زلل قافیہ، جھوٹے جاشیے، غلط تخمینے ہوتے ہیں۔ بیان کرتے ہیں۔ پھر ان پر وہ اجرت لیتے ہیں خود ان کے اخلاق گندے، اعمال برے اور حالات ناپاک ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ بعض قراء نے ضاد کے بجائے بطنین غاء سے پڑھا ہے۔ جس کے معنی مہم ہونے کے ہیں۔ یعنی جب کلام الہی کے دونوں واسطے جبرئیل و پیغمبر اعظم علیہما السلام ثقہ و معتبر ہیں تو اس میں وہ مہم بھی نہیں۔ گویا یہ مضمون سابق کی تاکید ہے۔ دونوں قراء توں پر خلاصہ آیت یہ ہوا کہ آپ بلا مجاوضہ و اجرت اور بلا کم و کاست کلام ربانی بندوں تک نہایت ایمان داری و امانت داری کے ساتھ پہنچاتے ہیں۔ نہ آپ میں طبع و حرص دنیوی ہے۔ اور نہ آپ کی امانت و صداقت پر کوئی انگلی رکھ سکتا ہے۔ بلکہ یہ مخالفین بھی آپ کی امانت و دیانت اور صداقت و وقاحت کے پورے طور پر معترف تھے۔ اور تمہائیوں میں اس وقت بھی اقرار و اعتراف کرتے تھے۔

وما هو بقول شیطن رجیم ..... (اور یہ قرآن کسی شیطان مردود کا کلام بھی نہیں)۔ یہ جملہ ناقیل کی تاکید ہے۔ یعنی کہانت کی نفی کو اس جملہ نے اور مضبوط کر دیا۔ حاصل یہ ہے کہ نہ آپ بخون ہیں نہ کاہن۔ نہ صاحب غرض۔ اور وحی لانیوالتے کو خوب پہنچانتے بھی ہیں۔ اور وحی لانے والا بھی مذکورہ عالی صفات سے متصف ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قرآن مقدس اللہ کا کلام ہے اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ کے اخلاق و عادات میں غور کر کے ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ شیاطین نے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ اور قرآن مقدس کی خوبیاں خود بتا دیں گی کہ شیطان کے کلام میں ایسی پاکیزہ تعلیمات ہو نہیں سکتی جن پر قرآن پاک مشتمل ہے۔ چہ نسبت خاک رابا عالم پاک۔ جب کلام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت روز روشن کی عیاں ہو گئی۔ فنا ین تذبھون ..... (تو پھر تم کہاں جا رہے ہو؟) اے نادانوں! صحیح راستہ کیوں جان بوجھ کر چھوڑ رہے ہو؟ کیا شیطان کی طرح مردود ہو کر اس کے ساتھ دوزخ میں جانا چاہتے ہو۔ یاد رکھو تم خود اپنے پیروں میں کھاڑی بار رہے ہو۔ اپنی ہلاکت کا سامان کر رہے ہو۔ تکذیب سے ہمارے کلام کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

ان هو الا ذکر للعلیمین ..... (کلام اللہ تو دنیا بھر کے لئے ایک عظیم الشان نصیحت ہے) جو اس کو مان لے گا۔ اس میں خود اس کا نفع ہے۔ نہ مانے گا تو ہمارا کلام آفتاب کی طرح روشن ہے اس میں کوئی نقص نہیں آسکتا۔ اس کی بلندی کسی کے ماننے پر موقوف نہیں۔ لمن شاء منکم ان یستقیم ..... (اس کا فائدہ اسی کو پہنچ سکتا ہے جو سیدھا چلنا چاہتا ہو) اور جو اپنے امراض نفسیہ کا علاج نہ چاہے یہ نسخہ شفاء اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ غذائے لطیف صحت مند بدن ہی کو نفع پہنچاتی ہے۔ اور مریض میں اور اضافہ کر دیتی ہے۔ کما قال ﴿فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضا﴾ ﴿واما الذین فی قلوبہم مرض فزادہم رجسا لی رجسہم﴾ کلام الہی نور پیغمبری، محبت اولیاء اور نصیحت علماء سب

غذائے لطیف کے مثل ہیں۔ یا نسخہ شفاء کی طرح ہیں۔ پھر اپنی اپنی قسمت کی بات ہے کہ غذائے لطیف سے نفع اٹھائے یا نہ اٹھائے یا دوا سے شفا پائے نہ پائے کیونکہ وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العلمین تم بھی اسی وقت ارادہ کر سکتے ہو جب مشیت ربانی بھی متوجہ ہو۔ ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں فرقہ جبریہ کا رد ہے اور دوسری میں فرقہ قدریہ کا ابطال ہے۔ یعنی بندہ مجبور محض نہیں۔ اس کو اللہ نے ارادہ دیا ہے۔ اور نہ فاعل مختار ہے بلکہ اسکے ارادے اور افعال مشیت باری سے پیدا ہوتے ہیں۔ لفظ رب العلمین سے اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اجسام و ارواح سب کا مربی ہے۔ فائدہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب لمن شاء منکم ان یتقیم نازل ہوئی تو ابو جہل کہنے لگا کہ ہم کو تو اختیار دے دیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہیں استقامت رکھیں نہ چاہیں تو نہ رکھیں۔ اس پر آخری آیت: وما تشاءون..... نازل ہوئی۔

تم تفسیر سورۃ التکویر بعون ربنا القدیر وھو حسبی ونعم النصیر وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا  
محمد والہ و صحبہ اجمعین

## سُورَةُ الْإِنْفَاطَرِ

سُورَةُ الْإِنْفَاطَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعُ عَشْرَةَ آيَةً وَرُكُوعٌ وَاحِدٌ

رکوع: ۱، آیات: ۱۹ سورہ انفطار مکہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیات ہیں اور ایک رکوع۔ کلمات: ۸۰، حروف: ۳۲۷

رابط و مناسبت:

اس سورت کا نام انفطار، انفطرت اور المنفطرة ہیں۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ یہ بالاتفاق مکہ ہے۔ اور اس کی آیات بھی بالاتفاق انیس ہیں۔ اس کا ربط ماقبل سورت سے بالکل ظاہر ہے۔ گویا یہ دونوں سورتیں ایک شعر کے دو مصرعے یا ایک جان کے دو قالب ہیں۔ سورت سابقہ میں تخریب عالم کے اسباب بیان فرما کر نفوس انسانیہ کا اپنے اعمال پر مطلع ہونا ارشاد فرمایا گیا۔ اس سورت میں بھی اسی انداز سے انسانی سعادت و شقاوت کی تصویر کھینچی گئی ہے۔

دونوں سورتوں کے امتیازات:

(سوال) جب کہ دونوں سورتوں کا مضمون واحد ہے۔ تو دونوں کا نزول الگ الگ کیوں ہوا؟ ایک ہی سورت کا فی ہوتی۔ (جواب) اس سورت میں اور سابقہ سورت میں چند وجوہ سے فرق و امتیاز ہے۔ (۱) یہاں اسباب تخریب عالم کا بیان اجمالاً ہے وہاں تفصیلاً ہے۔ (۲) یہاں اجزا کا بیان صراحتہ قدرے تفصیل سے ہے۔ وہاں اجزا کا بیان اشارۃً بالا جمال تھا۔ (۳) یہاں مضمون و عید صراحتہ ہے وہاں کنایہ تھا۔ (۴) وہاں انسانی احاطہ علمی پر اکتفاء کیا گیا تھا۔ (۵) یہاں منکرین کی تردید اور جزاء و سزا کا اثبات ہے اور وہاں رسالت و نزول قرآن کا اثبات و منکرین و مکذبین کی تردید و تکذیب بھی وغیرہ

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم کرنے والا ہے

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ (۱) وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (۲) وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ (۳)

جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب تارے بکھر جائیں گے۔ اور جب سمندر پھیل جائے گا۔

إِذَا	السَّمَاءُ	انْفَطَرَتْ	وَ	إِذَا	الْكَوَاكِبُ	انْتَثَرَتْ	وَ	إِذَا	الْبِحَارُ	فُجِّرَتْ
جس وقت	آسمان	پھٹ جائے گا	اور	جس وقت	تارے	جھڑ جائیں	اور	جس وقت	دريا	چیرے جائیں

وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ (۴) عَلِمْتَ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ (۵)

اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔ تب ہر شخص اگلے اور پچھلے اعمال جان لے گا۔

وَ	إِذَا	الْقُبُورُ	بُعْثِرَتْ	عَلِمْتَ	نَفْسٌ	مَّا	قَدَّمَتْ	وَ	أَخَّرَتْ
اور	جس وقت	قبریں	اٹھائی جائیں	جان لے گا	ہر جی	جو کچھ	آگے بھیجا ہے	اور	پچھے پھوڑا



يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ (۶) الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ (۷)

اے انسان تجھ کو تیرے رب کریم نے کس چیز نے غافل کر دیا۔ جس نے تجھ کو پیدا کیا۔ اور تیرے اعضا کو درست کر دیا۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ	اے آدمی	مَا	کس چیز	غَرَّكَ	ساتھ پروا دکھانے	بِرَبِّكَ	کریم والے	الْكَرِيمِ	جس نے	الَّذِي	پیدا کیا	خَلَقَكَ	پھر تیرے	فَسَوَّاكَ	پھر برابر کیا	فَعَدَلَكَ	تجھ
---------------------------	---------	-----	--------	---------	------------------	-----------	-----------	------------	-------	---------	----------	----------	----------	------------	---------------	------------	-----

فِي آيِ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَجَبُكَ (۸) كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالذِّينِ (۹) وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ (۱۰)

جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا۔ نہیں بلکہ تم جزاء دینا کو نہیں مانتے، حالانکہ تم پر معزز رکھنے والے نگراں موجود ہیں۔

فِي آيِ صُورَةٍ	میں جوئی صورت	مَّا	چاہا	شَاءَ	ترکیب دی	رَجَبُكَ	ہرگز نہیں	كَلَّا	بلکہ	بَلْ	تجھلاتے	تُكَذِّبُونَ	کو قیامت	الذِّينِ	اور	وَأَنَّ	حقیق	عَلَيْكُمْ	لحافظین	الْحَافِظِينَ	البتہ نگہبان
-----------------	---------------	------	------	-------	----------	----------	-----------	--------	------	------	---------	--------------	----------	----------	-----	---------	------	------------	---------	---------------	--------------

كِرَامًا كَاتِبِينَ (۱۱) يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ (۱۲) إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ (۱۳)

جو کچھ بھی تم کرتے ہو۔ ان کو معلوم ہے۔ یقیناً نیک لوگ تو راحت میں ہوں گے۔

كِرَامًا	بزرگ	كَاتِبِينَ	لکھنے والے	يَعْلَمُونَ	جاننے ہیں	مَا	جو کچھ	تَفْعَلُونَ	کرتے ہو	وَأَنَّ	حقیق	الْأَبْرَارَ	نیک کام والے	لَفِي	البتہ	نَعِيمٍ	نعمتوں
----------	------	------------	------------	-------------	-----------	-----	--------	-------------	---------	---------	------	--------------	--------------	-------	-------	---------	--------

وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ (۱۴) يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ (۱۵)

اور بدکار دوزخ میں جائیں گے۔ روز جزاء اس میں داخل ہوں گے۔

وَأَنَّ	اور	وَأَنَّ	حقیق	الْفُجَّارَ	بدکار	لَفِي	البتہ	جَحِيمٍ	دوزخ	يَصْلَوْنَهَا	داخل ہوں گے	يَوْمَ	دن	الدِّينِ	جزا
---------	-----	---------	------	-------------	-------	-------	-------	---------	------	---------------	-------------	--------	----	----------	-----

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ (۱۶) وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ (۱۷) ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ (۱۸)

اور وہ وہاں سے کہیں جانے نہ پائیں گے۔ اور آپ کو معلوم بھی ہے۔ کہ روز جزاء کیا ہے۔ پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ روز جزاء کیا ہے؟

وَمَا هُمْ عَنْهَا	اور نہیں وہ	بِغَائِبِينَ	وہاں سے	وَمَا أَدْرَاكَ	اور آپ کو	مَا	معلوم	يَوْمَ الدِّينِ	روز جزاء	ثُمَّ	پھر	مَا أَدْرَاكَ	کیا	يَوْمَ الدِّينِ	روز جزاء
--------------------	-------------	--------------	---------	-----------------	-----------	-----	-------	-----------------	----------	-------	-----	---------------	-----	-----------------	----------

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ (۱۹)

وہ ایسا دن ہے کہ اس میں کسی کو کسی کے لئے کوئی اختیار نہ ہو گا۔ اور اس دن حکومت اللہ ہی کی ہو گی۔

يَوْمَ	دن	لَا	نہ	تَمْلِكُ	اختیار پانے کا	نَفْسٌ	کوئی جی	لِّنَفْسٍ	کسی جی	شَيْئًا	کچھ	وَأَنَّ	حقیق	الْأَمْرُ	امر	يَوْمَئِذٍ	اس دن	يَوْمَئِذٍ	وہ دن	لِلَّهِ	اللہ
--------	----	-----	----	----------	----------------	--------	---------	-----------	--------	---------	-----	---------	------	-----------	-----	------------	-------	------------	-------	---------	------

لغات:

انفطرت: باب انفعال سے پھٹنا۔ چرنا۔ (ن ض) پھاڑنا۔ چیرنا۔ پیدا کرنا۔ شروع کرنا۔ الکواکب: جمع الکواکب کی، ستارہ، ہموار، گرمی کی تختی، بونے کی چمک دک، ہر دار و قوم وغیرہ مراد یہاں اول معنی ہیں۔ انتشار: انفعال سے بکھرنا (ن ض) بکھیرنا۔ نثر میں گفتگو کرنا۔ (ض) چھیٹنا۔ فجوت: تفعلیل سے بہانا۔ فجور فجور (ن) پانی بہانا،

جاری کرنا، فجور انا فرمانی کرنا، تجاوز کرنا، مخالفت کرنا، القبور جمع القبر کی، جائے دفن (ن) دفن کرنا۔ غر: واحد مذکر غائب غرۃ و غروراً (ن) دھوکہ دینا، تجاوز کرنا۔ یہودہ امید دلانا (س) نا تجربہ کار ہونا (ض) تجربہ کے باوجود بچوں جیسا کام کرنا عدل غداً (ض) سیدھا کرنا، برابری کرنا عدالۃ (س) عادل ہونا، گواہی کے قابل ہونا۔ صورۃ: شکل، جمع صور، صور صار صوراً (ن) آواز دینا، نال کرنا، جھکا دینا، رکب تفعل سے ترکیب دینا بعض کو بعض پر رکھنا۔ سوار کرنا۔ افعال سے سواری دینا۔ (س) سوار ہونا، چڑھنا، بڑے زانو والا ہونا وغیرہ (ن) زانو پر مارنا۔ الامر: کام، معاملہ، حالت، حکم، امر کا لفظ تمام اقوال و افعال کے لئے عام ہے (ن) حکم دینا۔

ترکیب:

اذا السماء انفطرت سے آخر تک ترکیب حسب سابق ہے۔ یا حرف ندا قائم مقام ادعوا فعل بافاعل کے ای مضاف وسیلہ ندائے معرف باللام ہا تنبیہ کے لئے قائم مقام مضاف الیہ، موصوف، الانسان صفت مرکب توصیفی منا دی قائم مقام مفعول بہ جملہ انشائیہ نداء۔ ما استفہامیہ مبتداء، غسر فعل ضمیر فاعل لک مفعول بہ۔ ب حرف جر ربک موصوف الکرم صفت اول الذی اسم موصول خلقک جملہ فعلیہ معطوف علیہ اپنے تینوں معطوفات سے مل کر صلہ، صفت ثانی، مرکب توصیفی مجرور، متعلق فعل غر۔ جملہ اسمیہ جواب نداء۔ فی ای صورۃ، رکب سے متعلق مقدم ہے۔ وقدم رعاۃ للسبع، یا مخدوف حاصلہ کے متعلق ہو کر عدلک کے کاف سے حال ہوگا۔ اور ما شاء میں مازائدہ بھی ہو سکتا ہے اور شرطیہ بھی۔ ثانی صورت میں جزاء رکب ہوگی۔ اور جار مجرور عدل کے متعلق ہوگا، نہ کہ رکب کے، لان معمول ما بعد حرف الشرط لا یتقید علیہ ولا ینحی ان هذا الاحتمال کنسج العنکبوت۔ کلا حرف ردع بل اضراب کے لئے ہے۔ جملہ مقدرہ (وانتم لاترتدون عن الاغترار) سے واو حالیہ ان حرف مشبہ بہ فعل علیکم خبر مقدم لحفظین اپنی صفت یا بدل یا عطف بیان یا حال سے مل اسم کاتبین کا تعلق بھی کراما سے اسی طرح ہے۔ یعلمون ما تفعلون جملہ فعلیہ کراما کی دوسری صفت ہوگا۔ یا حفظین کی۔ یصلونها..... الجحیم کی صفت۔ یا جملہ متانفہ ہوگا۔ وما اپنے اسم ہم اور بغائبین مع متعلق مقدم عنہا خبر سے مل کر (والباء فیہ زائدا) جملہ یصلون کی ضمیر سے حال۔ اگلے دو جملوں کی ترکیب ظاہر ہے۔ یوم اپنے مضاف الیہ لا تملک... (جملہ فعلیہ) سے مل کر اذکر فعل بافاعل مخدوف کا طرف ہوگا۔ یا ہو مبتداء مخدوف کی خبر ہے۔ والامر مبتداء، اللہ ثابت کے متعلق اور یوم منبذ ثابت کا طرف، خبر۔ ای والامر یوم اذکان کذا ثابت اللہ۔

تفسیر:

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے انسان کو دو چیزوں (روح آسمانی و جسم خاکدانی) سے ترکیب دی ہے۔ اسی لئے زمین سے اس کی جسمانی ضروریات اور آسمان سے اس کی روحانی حاجات اس کو پہنچتی ہیں۔ پھر انسان چونکہ خلیفہ خداوندی ہے اس لئے وہ ارضی و سماوی اشیاء میں تصرف و جمع و تالیف کرتا ہے۔ جس طرح یہ ارضی عناصر کی ترکیب سے ایجادات اور ان میں عجیب و غریب تصرفات کرتا ہے اسی طرح عالم بالا کی تسخیر کے اور ان سے استفادہ کے حیرت انگیز کام انجام دیتا

ہے۔ لیکن بسا اوقات انسان ان تصرفات میں حد سے گزر جاتا ہے۔ اور مرضیات ربانی و احکام خداوندی کو نظر انداز کر بیٹھتا ہے، جس سے وہ سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اس لئے عقل کا تقاضا ہے کہ ایک دن ایسا مقرر ہو جس میں صحیح تصرفات پر انعام و اکرام اور بے جا تصرفات پر عذاب و سزا کا فیصلہ ہو، پھر اس کو انعام یا عذاب دیا جائے۔ اور نیک و بد میں پورے طور پر امتیاز ہو جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فیصلہ کے لئے جس دن کو مقرر فرمایا ہے وہ قیامت کا دن (یوم الدین و یوم الجزاء) کہلاتا ہے۔ اور انعام و عذاب کے عالم کو آخرت کا عالم کہا جاتا ہے۔ و لا بعد الدنیا دار الالجنة او النار۔

تعمیر سے پہلے تخریب ضروری ہے:

نوع انسانی کے لئے یہ عالم دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے، بلکہ یہ عارضی پڑاؤ ہے جب آدمی وطن اقامت سے وطن اصلی کی طرف منتقل ہوتا ہے تو وہ اپنے ذیرے۔ تنبو توڑ دیتا ہے۔ اسی طرح جب حق تعالیٰ ہمیشہ کے لئے عالم آخرت کو نوع انسانی سے آباد فرمائیں گے، تو دنیا کے عارضی ذیرے کو توڑ پھوڑ دیں گے۔ جب کسی مکان کی تخریب کی جاتی ہے۔ تو پہلے چمت اتار کر پھر بنیادیں اکھاڑی جاتی ہیں۔ اس سورت کے شروع میں تخریب عالم دنیا کی یہی فطری ترتیب بیان کی گئی، کہ اول آسمان پھٹیں گے۔ اور ستارے جھڑیں گے۔ پھر عالم سفلی کی تخریب ہوگی۔ گویا اس گھر کی بنیادوں کو اکھاڑ دیا جائے گا۔

چار انقلابوں کا بیان:

اس سورت کے شروع میں جو چار انقلابات ذکر کئے ہیں یہی اس عالم کے اصول ہیں۔ **اول انقلاب:**..... آسمان کا پھٹنا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عقول و نفوس سماوی کا تعلق اجسام سماوی سے کٹ کر نفوس انسانیہ سے قائم ہوگا۔ احادیث میں اسی کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ اس دن ساتوں آسمانوں کے فرشتے زمین پر نازل ہوں گے۔ **دوم انقلاب:**..... آسمان کے ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے۔ اور نورانی ارواح جو ستاروں سے متعلق ہیں ان سے ہٹ کر ارواح انسانیہ سے تعلق پیدا کریں گی۔ اس کو قرآن پاک نے **یوم یقوم الروح** سے تعبیر فرمایا ہے۔ **تیسرا انقلاب:**..... سمندروں کا جوش میں آکر آپس میں مل جانا ہے۔ پھر کچھ حصہ ان کا زمین میں جذب ہوگا۔ اس میں رطوبت و نرمی پیدا کر کے شکلیں اور صورتیں بعث کے لئے تیار ہو جائیں۔ باقی آگ ہو کر بھڑک اٹھے گا۔ اسی کو تسجیر فرمایا گیا۔ **واذا البحار سجرت:**..... گویا ابتدائی حال تسجیر ہے اور انتہائی تسجیر۔ اسی طرف حدیث میں اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تحت البحر ناراً او تحت النار بحرا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سمندر کو دیکھ کر فرماتے **یا بحر متی تعود ناراً** اے سمندر تو آگ کب بنے گا؟ **چوتھا انقلاب:**..... زمین میں زلزلہ پیدا ہونا اور مردوں کا قبروں سے نکل آنا ہے **اذا زلزلت الارض زلزالہا** اور **ان زلزلۃ الساعة شیء عظیم** میں بھی زلزلہ کا ذکر ہے۔ ان چاروں انقلابات کے بعد نئے عالم یعنی آخرت کو نوع انسانی سے آباد کیا جائیگا۔ اور خاص کر ان چاروں کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ اس عالم کی بنیاد، ان ہی چار پر ہے۔ گویا اصول عالم یہی چار (آسمان، ستارے، پانی اور زمین) ہیں۔ باقی سب چیزیں انہیں چار سے پیدا ہوتی ہیں۔ اہل ظاہر عقلاء نے گواہی کو مستقل عنصر تسلیم کیا ہے۔ اور ہوا کو بھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مستقل عنصر نہیں ہیں۔ ہوا ایک ایسا جسم ہے جو پانی کی لطافت اور بعض ستاروں کی تاثیر سے کم یا زیادہ پیدا ہوتا ہے نہ

اس کی پیدائش کی کوئی خاص جگہ ہے نہ وہ کسی شکل کو قبول کرتی ہے اس کا کام سیر کرنا اور کیفیات خلق کو منتقل کرنا ہے۔ جیسے بو، ناک میں، آواز کان میں وغیرہ۔ اور آگ ہوا کی سخت حرکت اور آفتاب کی تاثیر سے پیدا شدہ ہے۔ چیزوں کا پکانا، گرم کرنا اس کا کام ہے۔ بذات خود کوئی مفید شئی نہیں۔ حکماء کا یہ خیال کہ آگ اور ہوا کے کڑے پانی اور زمین کو گھیرے ہوئے ہیں یہ بات ایسی ہی بے سند ہے جیسے خرق و التیام (پھٹنا ملنا) آسمان کا عدم امکان بے دلیل ہے۔

علمت نفس ما قدمت و آخرت ..... یعنی جب قیامت کے مذکورہ حالات پیش آچکیں گے تو ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا ہے۔ آگے بھیجنے کا مطلب عمل کرنا۔ اور پیچھے چھوڑنے کا مطلب عمل ترک کرنا ہے۔ یا قدمت سے مراد وہ اعمال نیک و بد ہیں جو خود کیے تھے۔ اور آخرت سے مراد وہ اعمال نیک و بد جن کی رسم دنیا میں ڈال کر چلا گیا تھا۔ حدیث میں ہے۔ من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها ولا ينقص من اجورهم شيء و من سن سنة سيئة فله وزرها ووزر من عمل بها ولا ينقص من اوزارهم شيء۔ ”جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کو اپنے اعمال کا بھی ثواب ملے گا۔ اور جتنے لوگوں نے عمل کیا ان کے اعمال کے برابر مزید ثواب ملے گا، لیکن اور لوگوں کے ثواب میں سے کم نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح جس نے کوئی بری رسم جاری کی تو اس کو خود اپنے عمل کا گناہ ہوگا اور جتنے لوگ اس کا ارتکاب کریں گے ان سب کے برابر اس کو گناہ ہوگا۔ مگر ان لوگوں کے گناہ میں کمی نہ کی جائے گی۔“ یہ مضمون (پارہ: ۲۹) میں یبہا الانسان یومئذ بما قدم و اخر کے تحت تفصیل سے گزر چکا ہے۔

یابہا الانسان ما غرک بربک الکریم ..... جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ قیامت آئے گی۔ اور ہر شخص کے نیک اور بد اعمال سامنے آجائیں گے۔ تو اے انسان پھر یہ خواب غفلت کیسی؟ اور اپنے رب کریم سے سرکشی و بغاوت کیوں ہے؟ آخر کس چیز نے تجھ کو فریب دیا ہے۔ کہ تو رب کریم کی مخالفت پر ڈٹا ہوا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ الانسان سے مراد انسان کا فریب ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابی ابن خلف کے بارے میں نازل ہوئی۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسید بن کلدہ کے متعلق اس کا نزول قرار دیا ہے۔ اسید نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی تھی۔ اور اللہ نے اس کو فوری سزا نہیں دی۔ تو اس آیت میں اس کو اور اس جیسے لوگوں کو تنبیہ کی گئی کہ فوری سزا نہ ملے تو دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے۔

رب اور شان کریمی:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موقع سرزنش کا ہے۔ اس لئے صفت قہر کا ذکر زیادہ مناسب تھا۔ مگر یہاں صفت ربوبیت و کرم کا ذکر ہے۔ ربوبیت و کرم تو خود غرور ہی کا سبب ہے۔ چنانچہ کتب تاریخ میں ہے کہ شاہ نوشیرواں کی موجودگی میں اس کے غلام و خدمت گار بنس پڑے۔ ایک وزیر نے کہا کہ آپ کی نرمی سے یہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان پر آپ کا خوف اور رعب نہیں رہا۔ نوشیرواں نے جواب دیا کہ خوف دشمنوں کے لئے ہوتا ہے۔ دوستوں کے لئے نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو کئی بار پکارا۔ وہ نہیں آیا۔ حالانکہ قریب کھڑا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کو بلایا مگر سننے کے باوجود کیوں حاضر نہیں ہوئے۔ غلام نے کہا کہ آپ کے کرم پر اعتماد اور سزا سے بے خوفی نے مجھے حاضری سے روکا۔ آپ نے اس کو فوراً آزاد کر دیا۔ معلوم ہوا کہ کرم و نوازش سبب غرور ہے۔ جواب یہ ہے کہ صفت کرم کے بیان کا

مقصود علت غرور ہی کا اظہار ہے۔ یعنی انسان کو کرم خداوندی ہی نے مغرور کر دیا ہے۔

کر مہائے تو مارا کرد گستاخ وگر نہ این مجال ما کجا بود

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ الہی غرنی حلمک لواخذتنی بالاولی ماجرات بالثانیۃ۔ (خدا یا آپ کے حلم نے مجھے فریب میں ڈال دیا۔ اگر آپ پہلی خطا پر مواخذہ فرمالیتے تو دوسری خطا کی جرات نہ کرتا۔)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اگر حق تعالیٰ قیامت کے دن آپ سے پوچھیں ما غرک بربک الکرمیم تو آپ کیا جواب دے گے؟ فرمایا: یہ عرض کروں گا غرنی ستورک الملفات (آپ کی پردہ پوشی نے دھوکہ میں ڈال دیا تھا) یحییٰ بن معاذ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کم من مغرور با لستر علیہ وکم من مستدرج بالا حسان (بہت سے پردہ پوشی سے دھوکہ میں پڑے ہوئے اور بہت سے ڈھیل میں گرفتار ہیں) ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر مجھ سے فرمایا گیا ما غرک بربک الکرمیم؟ تو میں کہہ دوں گا! غرنی کرم الکرمیم۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب ہی سے باز پرس فرمائیں گے۔ اے ابن آدم تجھ کو میرے مقابلہ میں کس چیز نے جری بنا دیا؟ اے ابن آدم تو نے اپنے علم پر کیا عمل کیا؟ اے ابن آدم تو نے پیغمبر کو کیا جواب دیا؟ حاصل یہ ہے کہ لفظ رب کریم سے ایک طرف تو ناشکری کی زبردست تردید ہے۔ کہ ربوبیت و کرم کا تقاضا شکر گذاری ہے دوسری طرف بندوں کو امیدوار بنانا ہے رب کریم سے امیدیں منقطع نہ کرو۔

میرے گناہ زیادہ ہیں کہ تیری رحمت کریم! تو ہی بتادے حساب کر کے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو تفسیر میں فرمایا کہ تجھے کس چیز نے تیرے رب سے کاٹ کر نفس میں

پھنسا دیا۔ بنس للظلمین بدلا۔

ہوش و حواس اڑ گئے:

نقل ہے کہ ایک عورت نے قاضی کی بارگاہ میں استغاثہ کیا کہ میرے شوہر نے مجھ پر ایک اور عورت سے نکاح کر لیا ہے۔ قاضی صاحب نے کہا! تجھ کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔ اللہ نے مردوں کو دودو۔ تین تین۔ چار چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ عورت بولی۔ قاضی صاحب! اگر حیا و حجاب کے خلاف نہ ہوتا تو میں آپ کو اپنے حسن جمال کا نظارہ کراتی۔ پھر پوچھتی کہ جس عورت کا حسن و جمال ایسا ہو جیسا کہ میرا ہے۔ اس کو چھوڑ کر دوسری طرف متوجہ ہونا جائز ہے؟ ایک اہل دل نے عورت کی یہ بات سنی تو اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ کچھ دیر کے بعد ہوش میں آیا تو کہنے لگا کہ میں نے ایک ہاتف غیبی کو یہ آواز دیتے ہوئے سنا کہ تو نے اس عورت کی بات سنی؟ اگر عظمت و کبریائی کا حجاب نہ ہوتا تو میں تم کو اپنا جمال و جلال دکھاتا۔ جس کی سائی کسی مقابل شئی میں نہ ہوتی۔ اور پھر تم سے پوچھتا کہ جو مجھ کو چھوڑ کر دوسری کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ کیا اس کے لئے یہ جائز ہے؟ بتاؤ مجھ جیسا کہاں ہے میرے مثل کون ہے؟ ہرگز کوئی مجھ جیسا نہیں میری ہی طلب کر۔ جو میری جستجو کرے گا مجھ کو پالے گا۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی نماز پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ اس پر توجہ فرماتے ہیں۔ جب نمازی اپنا رخ ادھر ادھر کرتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے اے آدم کے بیٹے تو کدھر توجہ کرتا ہے۔ مجھ سے بہتر کون ہے؟ میری طرف رخ کر۔ جب آدمی دوبارہ روگردانی کرتا ہے تو وہی ارشاد ہوتا ہے پھر تیسری بار منہ پھیرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی توجہ نہیں فرماتے (مظہری)

### شیطان کا دھوکہ:

بندہ جب گناہ کرتا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے فوری مواخذہ نہیں ہوتا تو شیطان کہتا ہے کہ جو جب چاہے کر۔ اللہ تو کریم ہے۔ اللہ غفور رحیم ہے۔ اس سے انسان کی جرأت بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ نافرمانیوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ کی نرمی اور کرم سے انسان دھوکہ میں پڑ جاتا ہے۔ آیت گرامی میں استفہام انکاری ہے۔ یعنی اگر اللہ میں صفت کرم ہو تب بھی اس کے کرم درگزر اور فی الفور مواخذہ نہ کرنے سے انسان کو فریب کھانا جائز نہیں۔ ظالم کو بالکل چھوڑ دینا اور دشمن و دوست کو برابر کر دینا کرم کا تقاضا نہیں۔ پھر جب کہ قہار و جبار بھی ہے تو کرم پر مغرور ہو جانا اور انتقام سے غافل ہو جانا حماقت ہے کقول بعض شیا طین الانس

تَكْثُرُ مَا اسْتَطَعْتَ مِنَ الْخَطَايَا سَتَلْقَىٰ فِيْ عَذَابٍ اَعْفُوْرًا

تو خوب جی بھر کر گناہ کرتا رہے کل کورب غفور سے ملاقات ہوگی اور سب گناہ معاف ہو جائیں گے

تَعْصُ نَدَامَةً كَفَيْكَ مِمَّا تَرَكْتَ مَخَافَةَ الذَّنْبِ السُّرُوْرًا

ورنہ کل افسوس کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ ملے گا کہ تو نے گناہ کے اندیشہ سے مسرت کو چھوڑ دیا

یہ خیال باطل ہے جو کج فہمی کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ورنہ کثرت کرم کا تقاضا ہی یہ ہے کہ شکر گزاری کی جائے۔ ناشکری سے پرہیز کیا جائے۔ اطاعت کی کوشش اور معصیت سے اجتناب کیا جائے۔ وقال محمد بن السماک .

اپنے گناہ چھپا کر کرنے والے تجھے شرم نہیں آتی اللہ تعالیٰ تجھ کو تنہائی میں بھی دیکھ رہا ہے

غُرْكَ مِنْ رِبْكِ اِمِهَالِهِ وَسُتْرُهُ طَوْلُ مَسَاوِيكِ

تیرے رب کے مہلت دینے نے تجھ کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور اس کی پردہ پوشی نے تیرے گناہ زیادہ کر دیئے

وقال بعضهم .

يقول مولای اما تستحی مما اری من سوء الفعالك

میرا مولیٰ کہتا ہے کہ تو شرماتا نہیں اس سے کہ میں تیری بدکاری دیکھ رہا ہوں

فقلت یا مولای رفقا فقد جرءنی کثرة افضالك

تو میں نے عرض کیا میرے مولیٰ کرم فرمائیے مجھے آپ کے انعامات اور بخششوں نے جری کر دیا ہے

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں غرہ عدوہ المسلط علیہ۔ انسان کو ایسے دشمن (شیطان) نے دھوکہ

میں ڈالا ہے جو اس پر مسلط ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر غرور کی تفسیر جہل سے کی اور یہ آیت بھی تلاوت فرمائی

انه كان ظلوما جهولا (انسان بہت ظالم و جاہل ہے)

تنبیہ:..... اہل اللہ اور صوفیہ حضرات کے جو اقوال مذکور ہوئے ان میں اور دوسری قسم کے (گستاخ) لوگوں کے

اقوال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اہل اللہ کا منشا اعتراف گناہ و ندامت کے ساتھ امید کرم کا اظہار ہے۔ اور دوسرے

لوگوں کا مقصود گستاخانہ رویہ سے گناہوں کو ہلکا سمجھ کر بے جا امید جتلاتا ہے۔ جیسے عیسائیوں کا خیال فاسد ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ

السلام ان کی طرف سے کفارہ بن گئے۔ یا یہود کا خیال کہ ابراہیم واسحق علیہما السلام کی اولاد ہونا ہی کافی ہے یا اہل اولاد

اور جاہل سیدوں کا خیال ہے کہ ہمیں یہی وصف نسبت کافی و باعث نجات ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ کی رحمت و شان غفاری و کرم پر بھروسہ کر کے جو چاہیں کرتے پھریں بالکل آزادی ہے۔ الحاصل یہ خیالات فاسدہ ہیں۔ ان کو امید کرم سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ نیک حرامی اور بے وفائی ہے۔ جو عقلاً و نقلاً اور عرفاً و فہرطاً قابل مذمت و لائق مواخذہ ہے۔ اور اسی کو غرور کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ من الغرور۔

لطف راحت حق باتو مواسا ہا کند چونکہ از حد بگذرد رسوا کند  
غرور تمنا اور رجا:..... ان تینوں میں فرق ہے۔ اور تمنا دونوں مذموم ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔ ولا یغفر  
نکم باللہ الغرور (تم کو دھوکہ باز یعنی شیطان دھوکہ میں نہ ڈال دے) تلک اما نیہم اور لیس با ما نیکم ولا امانی  
اہل الکتب من یعمل سوء یجزیہ وغیرہ۔

اور رجاء و امید کی مدح آئی ہے۔ مثلاً اولشک یرجون رحمة الله . رجاء اور امید یہ ہے کہ مطلوب کے مناسب اسباب کو ترتیب دے کر مطلوب کا انتظار کیا جائے۔ جیسے کھیت جوت کر بیج بو کر غلہ کی توقع رکھنا۔ نکاح وغیرہ کر کے اولاد کی امید رکھنا۔ اعمال صالحہ کر کے نجات و مغفرت اور جنت کی امید رکھنا وغیرہ اور غرور ایسی چیز کی توقع رکھنا کہلاتا ہے جس میں اسباب اختیار نہ کئے ہوں۔ یا اسباب کی خلاف ورزی کی جیسے کھیت نہ بویا، اجاز کر غلہ کی توقع یا مال برباد کر کے نفع کی امید، نکاح بیاہ کے بغیر اولاد کی آرزو، بغاوت و نافرمانی پر مغفرت و جنت کی تمنا۔

ہر آنکہ تخم بدی کاشت و چشم نیکی داشت دماغ بیبدہ بخت و خیال باطل بست  
اور تمنا وہ ہے کہ کسی قدر اسباب مہیا کر کے کامیابی کی آرزو کرے۔ حاصل یہ ہے کہ مکمل اسباب مہیا کر کے توقع رکھنا رجاء ہے۔ اسباب ناقص کے بعد آرزو تمنا ہے (جو شکنی حالت ہے) اور اسباب بالکل مہیا نہ کرنا یا اسباب کے خلاف توقع کرنا غرور ہے۔

الذی خلقک:..... یہاں سے رب کے کرم کی کچھ تفصیل ہے۔ تاکہ مغرور کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھے کہ میں کس کریم ذات کے بارے میں اپنی جہالت و نادانی کے سبب دھوکہ میں پڑا ہوں۔ اے انسان! تیرا رب کریم وہ ہے کہ جس نے محض اپنے کرم سے تجھ کو وجود فرمایا نہ تو نے کوئی درخواست و دعا کی تھی۔ نہ تیرے وجود میں کسی کی شرکت ہے۔ پھر تجھ کو بے ذول پیدا نہیں کیا۔ بلکہ تیرے تمام اعضاء میں تناسب و توازن رکھا ہے۔ اور ہر عضو کو بر محل بنایا۔ کہ اس سے بہتر تصور میں نہیں آسکتا تھا۔ فسوگ فعد لک (پھر تجھ کو ایک متناسب الاعضاء و معتدل بنایا) یعنی تیرے تمام اعضاء کو ایک خاص مناسبت و توازن کے ساتھ درست کر کے بنایا، ہر عضو کو ایک نہایت مناسب مقام دیا ہر عضو کو جسامت و طول و عرض میں متوازن بنایا۔ اگر تناسب و توازن میں تھوڑا سا فرق ہو جائے تو اعضاء کے منافع و فوائد کم یا نا پیدا ہو جائیں۔ پھر تیرے وجود کو ایک خاص اعتدال بخشا۔ جو دنیا کے کسی جاندار میں نہیں ہے۔ اور یہ اعتدال اعضاء کے تناسب و توازن کے اعتبار سے بھی ہے اور مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے بھی۔ گوانسانی تخلیق میں متضاد اور مختلف مواد شامل ہیں۔ خون، بلغم، سودا، صفرا، حرارت، بردت، یوست، رطوبت وغیرہ مگر حکمت ربانی نے ان متضاد چیزوں سے ایک معتدل مزاج تیار کر دیا۔ اور ایک ضد کا زور دوسری ضد سے توڑ دیا۔

فائدہ..... یہاں دو وصف بیان کئے جاتے ہیں۔ نسویہ جس کا تعلق ظاہری بناوٹ سے ہے۔ چنانچہ طین مادر

میں پہلے اعضاء جسم کا نسو یہ ہوتا ہے۔ تب تمام اعضاء میں قوت ودیعت رکھی جاتی ہے۔ دوسرا وصف تعدیل ہے۔ جو اس کے باطنی احکام سے متعلق ہے۔ جو مزاج کی تعدیل سے لے کر اس کی تمام تک کو شامل ہے۔ اس لئے خلق کی تفصیل میں اول نسو یہ کو پھر تعدیل کو ذکر کیا۔ ان دونوں کے بعد اور کوئی حالت منتظر باقی نہیں رہتی۔ بلکہ ان کے فوراً بعد ایک خاص صورت عطاء ہو جاتی ہے۔ جس کو صورت تخصیہ کہتے ہیں۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ پھر خوبصورت یا بدصورتی یا بدصورتی وغیرہ کیفیات جو رب و باب عطاء فرمانا چاہتا ہے عطاء فرما دیتا ہے اس تیسری حالت کو بغیر عطف کے اس طرح بیان فرمایا۔

فی ای صورۃ ماشاء ربک ..... (جس صورت میں چاہا اے انسان تجھ کو اس میں مرکب کر دیا) صورۃ کو تین برائے تکمیر و مفید نکشیر ہے۔ اور لفظ ماشاء سے اس کی تاکید کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کی صورت میں تم کو چاہا جوڑ دیا۔ مجاہد و کبکی رحمۃ اللہ علیہما و مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ماں باپ، ماموں، چچا وغیرہ کسی بھی رشتہ دار کی مشابہت دے دی جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے تو اس سے لے کر آدم علیہ السلام تک تمام صورتوں کو سامنے لایا جاتا ہے۔ (اور اس کو ان میں سے کسی کی بھی شکل جیسا کر دیا جاتا ہے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور استنبہا و استدلال) یہی آیت فی ای صورۃ ماشاء ربک تلاوت فرمائی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے خوبصورتی و بدصورتی کا تفاوت مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ذکورت و انوثت کا فرق مراد ہے۔ بعض نے رنگوں کا اختلاف مراد لیا ہے۔ بعض نے مقبولیت و مردودیت کا تفاوت مراد لیا ہے۔ لیکن آیت کا مفہوم سب امتیازات کو شامل ہے۔ یعنی جس اعتبار سے جس کو جیسا چاہا بنا دیا۔ ان مذکورہ اشیاء میں سے کوئی ایک چیز بھی انسان کے بس میں نہیں۔ اور نہ اس کی درخواست اور کوشش سے عطاء ہوئی ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ صرف رب کریم کا کرم ہے جس پر انسان غرور کرتا ہے۔

فائدہ ..... اکثر غرور کے اسباب تین ہوتے ہیں۔ (۱) حسب و نسب (۲) حسن و جمال (۳) مال و متاع۔ ان تینوں کی حقیقت اس ایک ہی جملہ میں بیان فرمادی گئی۔ کہ اس کریم نے جیسا چاہا بنا دیا۔ ان میں سے ایک چیز بھی انسان کے اختیار میں نہیں۔

فائدہ ..... تمام انسانوں کی تخلیق ایک خاص ہیئت و مزاج پر ہونے کی وجہ سے سب میں اشتراک ہے۔ بظاہر اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ شکل و صورت، عقل و مزاج وغیرہ میں سب یکساں ہوتے اور باہمی امتیاز و فرق دشوار ہو جاتا۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے کروڑوں بلکہ اربوں، پدموں انسانوں کی صورتوں میں ایسے امتیازات رکھ دیئے ہیں کہ باوجود اشتراک کے سب ایک دوسرے سے ایسے ممتاز ہیں کہ اشتباہ نہیں ہوتا۔

یہ بھی اس کی شان یکتائی کا ہے ثبوت ایک کی صورت کسی بھی ایک سے ملتی نہیں مگر یہ مغرور انسان کمالات قدرت خداوندی کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ناشکری و انکار کرتا ہے۔ حالانکہ اس کو ہرگز مغرور، ناشکر اور مکر قدرت نہ ہونا چاہیے۔

بل تکذبون بالالدین ..... دین سے مراد اسلام ہے۔ یا جزاء و سزا۔ یعنی تم غرور و غفلت کی بناء پر خداوندی دین کے منکر ہو رہے ہو۔ اور رب کریم کی عبادت سے منہ موڑ رہے ہو۔ یا جزاء و سزا کو جھٹلا کر بے مہار کی طرح لذات و شہوات میں مشغول و منہمک ہو۔

وان علیکم الخ (حالانکہ تم پر محافظہ فرشتے مقرر ہیں۔ جو اللہ کے نزدیک معزز و مکرم ہیں۔ بنی آدم کے اعمال کو



لکھتے ہیں اور تمہاری تمام حرکات و سکنات کا ان کو علم ہے) کراماً۔ کاتبین اور یعلمون ما تفعلون یہ تینوں حافظین کے اوصاف ہیں۔ جن سے ان کی عظمت و رفعت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ وہ فرشتے صاحب کرم ہیں۔ وہ شرمناک موقعوں پر تمہارے سامنے نہیں آتے۔ نہ تمہارا راز ظاہر کر کے تم کو رسوا کرتے ہیں۔ لیکن اللہ کے حکم سے وہ تمہارے اچھے اور برے اعمال کو دفتر غیب میں درج کرتے رہتے ہیں۔ ان پر تمہارا کوئی عمل چھپا ہوا نہیں رہتا۔ اس سے منکرین و مکذبین پر زحرا و رجزاء و سزا کی حقانیت کا اثبات مقصود ہے۔

### نگران فرشتے:

پھر حافظین میں وہ فرشتے بھی ہیں۔ جو انسان کی بلیات و آفات سے حفاظت کرتے ہیں۔ اور حفاظت کی تدبیروں کا بنی آدم کے قلوب میں القاء و الہام کرتے ہیں۔ اگر ان کی حفاظت ایک آن کے لئے ہٹ جائے تو انسان موت کے گھاٹ اتر جائے۔ اور ان میں وہ فرشتے بھی ہیں۔ جو بنی آدم کے اعمال لکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ دونوں کام ایک ہی قسم کے فرشتوں کے متعلق ہوں۔ یا حفاظت کرنے والے فرشتے علیحدہ ہوں۔ اور اعمال لکھنے والے ان کے علاوہ ہوں۔ واللہ اعلم

حدیث میں ہے کہ فرشتوں کی دو جماعتیں حفاظت کے لئے مقرر ہیں۔ ایک رات کے لئے دوسری دن کے لئے۔ اور یہ دونوں جماعتیں حفاظت کے لئے مقرر ہیں۔ ایک رات کے لئے۔ اور یہ دونوں جماعتیں فجر اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتی ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد رات کے فرشتے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور دن کے محافظ فرشتے حفاظت کا کام سنبھال لیتے ہیں۔ اور عصر کی نماز کے بعد دن والے فرشتے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور رات کے فرشتے ڈیوٹی پر آ جاتے ہیں۔ (بخاری)

ابوداؤد شریف میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے۔ کہ ہر انسان کے ساتھ کچھ حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس پر کوئی دیوار وغیرہ نہ گر جائے۔ یا وہ کسی گڑھے یا غار میں نہ گر جائے۔ یا کوئی جانور یا انسان اس کو تکلیف نہ پہنچا دے۔ البتہ جب حکم الہی کسی انسان کو بلا و مصیبت میں مبتلا کرنے کے لئے نافذ ہوتا ہے تو اس وقت محافظ فرشتے ہٹ جاتے ہیں۔ اور امر خداوندی نافذ ہو جاتا ہے۔ ابن جریر رضی اللہ عنہ کی حدیث (بروایت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان محافظ فرشتوں کا کام صرف دنیاوی مصائب و بلیات سے حفاظت کرنا ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ انسانوں کو گناہوں اور نافرمانیوں سے بچانے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اگر انسان فرشتوں کے القاء سے غفلت برت کر گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو وہ پھر بھی دعاء اور کوشش کرتے ہیں۔ کہ وہ جلد توبہ کر کے گناہ سے پاک ہو جائے اگر اس کے باوجود بھی بندہ متنبہ اور خبردار نہیں ہوتا، تب وہ اعمال نامے میں اس گناہ کو لکھ لیتے ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر انسان سے حفاظت خداوندی کا پہرہ ہٹ جائے تو جنات اس کی زندگی و بال کر دیں۔ لیکن یہ سب حفاظتی پہرے اسی وقت تک کام کرتے ہیں۔ جب تک تقدیر الہی حفاظت کی اجازت دیتی ہے۔ اور جب حق تعالیٰ کسی کو بندہ کو کسی آفت میں مبتلا کرنا چاہے تو حفاظتی پہرہ ہٹ جاتا ہے۔ (معارف القرآن ۱۸۰)

حافظین کی تعداد:

صحیح روایات کے موافق ہر انسان کے ساتھ اعمال لکھنے والے چار فرشتے ہوتے ہیں۔ دو دن کو آتے ہیں۔ اور دو

رات کو۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بیٹھنے کی جگہ آدمی کے کندھے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ انسان کے اوپر والے بڑے دانتوں پر بیٹھتے ہیں۔ اور آدمی کی زبان ان کا قلم اور تھوک ان کی روشنائی ہوتی ہے۔ پھر رات کے فرشتوں کا دفتر الگ ہوتا ہے۔ اور دن کے فرشتوں کا دفتر الگ ہوتا ہے۔ باوجود یہ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا علم ہر شئی کو محیط ہے۔ ان فرشتوں کے لکھے ہوئے اعمال نامے کا لوح محفوظ سے مقابلہ کراتے ہیں کیونکہ لوح محفوظ میں بندوں کے تمام اعمال پورے طور پر صحیح صحیح لکھے ہوتے ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ نیکی و گناہ کے علاوہ اعمال ناموں سے سب کچھ مٹا دیا جائے۔ کیونکہ نیکی و گناہ پر ہی ثواب و عذاب کا دار و مدار ہوتا ہے۔ اسلئے ان ہی چیزوں کو باقی رکھا جاتا ہے۔ (فتح العزیز)

### نیوتوں کا اعمال ناموں میں لکھنا:

یہ مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ کہ فرشتے بنی آدم کی اچھی بری نیوتوں کو بھی لکھتے ہیں یا نہیں۔ اگر لکھتے ہیں تو ان کو نیات کا علم کس طرح ہوتا ہے۔ آیا کوئی اثر اچھی بری نیت والے میں ظاہر ہوتا ہے۔ یا الہام ربانی سے ان کو اطلاع ہوتی ہے تب وہ لکھتے ہیں۔ اس میں علماء کے سب ہی اقوال ہیں اور ہر ایک کے پاس دلائل موجود ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ نیوتوں کو لکھتے ہیں اور بواسطہ الہام ربانی ان کو نیات پر اطلاع ہوتی ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ لکھنے والے نیکی کے ارادہ کو لکھ لیتے ہیں۔ اور گناہ کے ارادہ کو جس کو نہیں کیا چھوڑ دیتے ہیں۔ بلکہ چھوڑ دینے کو نیکی ہی میں شامل کر کے لکھتے ہیں۔ دوسری روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اور اللہ کے درمیان بعض اسرار ایسے ہیں کہ فرشتوں کو ان کی خبر نہیں ہوتی اور آخرت میں ان اسرار کی بنا پر نوازش ہوں گی۔ تب فرشتوں کو معلوم ہوگا۔

### میان عشق و معشوق رمزیت کرانا کا تین راہم خبر نیست

ان الابرار ..... سابقہ آیات سے جزاء و سزا کا ثبوت ہوا۔ نیز علمت نفس ما قدمت و اخرت سے تمام اعمال کا سامنے آ جانا معلوم ہوا تھا۔ تو اس آیات میں نتائج اعمال سے تشریح کی جا رہی ہے کہ نیکیاں کرنے والے (نیک بندے) عیش و آرام میں ہوں گے۔ اور بدکردار فجار جہنم رسید ہو جائیں گے۔ ابرار وہ لوگ ہیں جو امر خداوندی کی تعمیل اور نواہی و نافرمانی خداوندی سے اجتناب کرتے ہیں۔ یا یہ کہیے کہ جو حکم خداوندی کے مطابق خالق و مخلوق کے حقوق ادا کرتے ہیں اور کوتاہیوں سے توبہ استغفار کرتے ہیں وہ لوگ ابرار ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرزند داروں کو ابراہ اسلئے فرمایا ہے کہ انہوں نے باپ، بیٹے (اصول و فروغ اور اعزاء و اقرباء) سے اچھا سلوک کیا (کیونکہ بر کے معنی اچھا سلوک کرنے کے آتے ہیں)۔ فجود کے معنی پھاڑنے کے آتے ہیں۔ جن لوگوں نے کفر و عصیان کے ہاتھوں دین و دیانت کا پردہ پھاڑ دیا ہے وہ فجار کہلاتے ہیں۔ و ما ہم عنہا بغا نبین یعنی دوزخی دوزخ سے غائب وغیرہ نہ ہو سکیں گے۔ یعنی اس میں ہمیشہ موجود و حاضر رہیں گے۔ دنیا کے قید خانے سے مدت قید پوری کر کے بھاگ کر، چھوٹ کر، زبردستی، رشوت دے کر یا کسی اور ترکیب سے اور آخر کار مر کر پچھپھا چھوٹ جاتا ہے۔ مگر جہنم سے نکلنے اور چھوٹنے کی یہ تمام راہیں مسدود اور بند ہیں۔ وہاں سے چھوٹ جانے کا کوئی راستہ نہیں۔ و ما ادراک الخ اس کلام سے یوم الدین کی عظمت کا اظہار اور وہاں کی سختیوں اور مصیبتوں کا بیان کیا جا رہا ہے۔

## معتزلہ کے استدلات اور ان کے جوابات:

(۱) معتزلہ نے وما ہم عنہا بغائبین سے ثابت کیا ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کیونکہ وہ فاجر ہیں۔ جن کے متعلق آیت مذکورہ سے خلود فی النار مفہوم ہوتا ہے۔ جواب:- امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وان الفجار لفی جحیم میں الفجار کا الف لام عہد کے لئے ہے۔ اور معبود وہ کفار ہیں جو یوم الدین کا انکار اور تکذیب کرتے ہیں۔ مرتکب کبیرہ اس میں داخل نہیں۔ اور سیاق کلام اسکا قرینہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ الفجار میں عموم اور استغراق نہیں ہے۔ اور اگر الف لام استغراقی ہی مان لیا جائے تو بھی اس کا مصداق کفار ہی ہوں گے۔ اہل کبیرہ کا فاجر ہونا ہمیں تسلیم نہیں۔ کیونکہ سورہ بعرہ کی آخری آیت میں کفار ہی کو فاجر کہا گیا ہے۔ پھر اگر یہ مان لیا جائے کہ اہل کبیرہ فاجر ہیں تو وما ہم عنہا بغائبین کے معنی وہم فیہا محضرون ہیں جو قضیہ مہملہ موجبہ قوت میں جزئیہ کا ہوگا۔ اور اس کے صدق کے لئے بعض افراد فاجر یعنی کفار کا خلود کافی ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ معتزلہ کا استدلال سرے سے ہی غلط ہے اس وجہ سے لفظ الفجار میں متعدد احتمالات ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوئے۔ اور احتمال پیدا ہونے کے بعد اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔ اور وما ہم عنہا بغائبین کے معنی بھی خلود فی النار کے متعین نہیں اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنی تدبیروں سے دوزخ سے نہ نکل سکیں گے۔ یہ ممکن ہے بلکہ ضروری ہے کہ خدائے تعالیٰ بعض فاجر (اہل کبیرہ) کو شفاعت وغیرہ کے ذریعہ یا اپنے فضل و کرم سے دوزخ سے نجات دے دے۔ احادیث صحیحہ کثیرہ و آیات قرآنیہ سے اس کا ثبوت ہے آیت کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ سزا میں دوزخ سے غائب نہیں ہو سکتے۔ اس سے عام کہ وہ زمانہ سزا محدود ہو یا غیر محدود۔ (۲) معتزلہ نے آیت یوم لا تملک..... کو انکار شفاعت پر دلیل بنایا ہے کہ اس عالم میں کسی کو کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا۔ معاملہ اللہ کے اختیار میں ہی ہوگا۔ (کیونکہ نفس لنفس اور شیناتینوں کلمات کی تنوین کے لئے ہیں) (جن سے عموم السلب مفہوم ہوتا ہے) جواب:- شفاعت کسی کا اپنا اختیار نہ ہوگا۔ اور آیت میں اسی اختیار ذاتی کا سلب مذکور ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے امر و اختیار اور اجازت ہی سے شفاعت ہوگی جس کا اس میں بیان نہیں۔ اور دوسری آیات واحادیث صحیحہ میں ہے۔ مثلاً من الذی یشفع عنہ الا باذنہ اور ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ وغیرہ۔ اور عدم ذکر شعی کو مستلزم نہیں۔ (فانہم)

تم تفسیر سورہ الانفطار فالحمد لله والصلوة والسلام علی سید الابرار وعلی آلہ وصحبہ الاخیار الی یوم الفرار

## سُورَةُ التَّطْفِيفِ

سُورَةُ التَّطْفِيفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ وَ ثَلَاثُونَ آيَةً

رکوع: ۱، آیات: ۳۶ سورۃ تطفیف مکی ہے اور اس میں چھتیس (۳۶) آیات ہیں کلمات: ۶۹، حروف: ۷۳۰

## شان نزول اور مکی مدنی کا اختلاف:

اس سورۃ کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ سورۃ تطفیف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول پر مکی ہے عام مصاحف قرآن میں اسی بناء پر اس سورت کا مکہ لکھا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، قتادہ رضی اللہ عنہم، جمعین، مقاتل اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہ سورۃ مدنی ہے۔ مگر اسکی صرف آٹھ آیات مکی ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ کے لوگ (جن کے معاملات تجارت کیل یعنی ناپ کے ذریعہ ہوتے تھے) ناپ تول میں کمی اور چوری کرنے کے عادی ہیں۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت (ویل للمطففین) نازل فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے پہنچتے ہی نازل ہوئی۔ کیونکہ اہل مدینہ میں یہ رواج عام تھا کہ جب کسی سے لیتے تو پورا پورا ناپ تول کر لیتے تھے۔ اور جب دوسروں کو دیتے تو کم ناپ تول کر دیتے تھے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو لوگ اس بد، رسم سے باز آ گئے۔ اور ایسے باز آئے کہ آج تک اہل مدینہ ناپ تول کو پورا کرنے میں مشہور ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں ابو جہینہ نامی ایک شخص تھا اس کے پاس دو صاع (غلہ ناپنے کا پیمانے) ایک سے ناپ کر دیتا اور ایک سے لیتا تھا (دینے والا چھوٹا اور لینے والا بڑا) اس پر ویل للمطففین نازل ہوئی۔ اس سورت کو مکی کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ سورۃ مکہ معظمہ ہی میں نازل ہو گئی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے اور وہاں کے لوگوں کو کم ناپنے کی بلایا میں مبتلا پایا تو یہ سورت ان کو پڑھ کر سنائی اس لئے لوگوں نے سمجھا کہ ابھی مدینہ میں نازل ہوئی ہے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کا نزول سفر ہجرت میں مکہ و مدینہ کے درمیان (راستے میں) ہوا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## رابط مناسبت:

سورۃ الانفطار میں اعمال ناموں کے ابتدائی حال (یعنی کتابت) کا ذکر تھا۔ اور اس سورت میں اس کے درمیانی حال یعنی علین اور سجین میں (جو ابراہ و فجار کے اعمال ناموں کے دفتر ہیں) جمع ہونے کا ذکر ہے۔ نظم و ضبط کے اعتبار سے دونوں سورتوں میں پوری مناسبت ہے۔ مثلاً وہاں بل تکذبون بالدين تھا یہاں ویل یومئذ للمکذبین ہے۔ وہاں ان علیکم لحافظین تھا یہاں وما ارسلوا علیہم حفظین ہے۔ وہاں بھی ابراہ و فجار کا ذکر تھا۔ اس سورت میں بھی ہے وہاں یصلونہا یوم الدین تھا تو یہاں لصالوا الجحیم ہے وہاں والا مر یومئذ اللہ تھا اور یہاں یوم یقوم الناس لرب العلمین ہے۔ اور ان تمام مضامین کی مناسبت بالکل ظاہر ہے۔

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ (۱) الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ (۲) وَإِذَا كَالُوا لَهُمْ أَوْزَنُوهُمْ

بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جب لوگوں سے ناپ کر لیں۔ تو پورا پورا وصول کر لیں۔ اور جب ان کو ناپ کر یا تول

وَيْلٌ	لِّلْمُطَفِّفِينَ	الَّذِينَ	إِذَا	اِكْتَالُوا	عَلَى	النَّاسِ	يَسْتَوْفُونَ	وَ	إِذَا	كَالُوا	لَهُمْ	أَوْ	وَزَنُوهُمْ
وائے واسطے	کم کر دینے والوں	(جو) کہ	جب	ماپ میں	اوپر	لوگوں	پورا کر لیں	اور	جب	ماپ دیں، ان	یا	تول دیں، ان	

يُخْسِرُونَ (۳) أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ (۴) لِيَوْمٍ عَظِيمٍ (۵) يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (۶)

کروں تو گھٹا دیں کیا ان کو اس کا یقین نہیں ہے کہ ان کو ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھایا جائیگا جس دن لوگ پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے

يُخْسِرُونَ	أَلَا	يَظُنُّ	أُولَٰئِكَ	أَنَّهُمْ	مَبْعُوثُونَ	لِيَوْمٍ	عَظِيمٍ	يَوْمَ	يَقُومُ	النَّاسُ	لِرَبِّ	الْعَالَمِينَ
کم دیں	کیا نہیں	جانتے	یہ لوگ	کہ وہ	اٹھائے جائیگے	واسطے ایک دن	بڑے	دن	کھڑے ہونے	لوگ	واسطے پروردگار	عالمین

## لغات:

**المطفیفین** باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر ہے تطفیف مصدر ناپ تول میں کمی کرنا۔ نطف طفل (ن) ض) قریب ہونا اکتا لو جمع مذکر غائب ماضی باب افعال سے اکتیا ل مصدر ناپنا۔ پیمانہ سے ناپ کر لینا۔ کال کتلا مکیلاً مکالاً (ض) ناپنا، اندازہ کرنا، یہ معتدی مفعول ہوتا ہے اور کبھی متعدی بدو مفعول بلا واسطہ حرف جر۔ جیسے کلت زید الطعام اور کبھی مفعول اول پر لام آتا ہے جیسے کلت لزید الطعام۔ کالو ہم ای کا نو لہم۔ کیل مکیال پیمانہ اور کیلہ قسم ہے۔ اور جو چیزیں پیمانے سے لی جاتی ہیں ان کو کیل کہتے ہیں۔ **یستوفون** جمع مذکر غائب مضارع۔ باب اسفعال سے استیفاء مصدر۔ پورا پورا لینا۔ مجرد میں (ض) سے پورا کرنا۔ **اوزنوا** (ض) تولنا (ک) بوجھل ہونا، سنجیدہ ہونا۔ موزون وہ چیزیں جو تولی جائیں۔ **یخسرون** باب افعال سے گھٹانا۔ ہلاک کرنا۔ نقصان میں پڑنا۔ (س) خسراً خسراً۔ خساراً۔ خسارۃ نقصان اٹھانا، گمراہ ہونا۔ ہلاک ہونا۔ خسراً خسراً انکم کرنا، ضائع کرنا۔

## ترکیب:

**ویل مبتدا** (توین اس میں تعظیم کے لئے جس سے اس میں تخصیص پیدا ہوگئی اور مبتدا بننا صحیح ہوگیا) ویل عظیم یا یہ علم ہے دوزخ کے ایک طبقہ کا۔ یا مصدر ہے فعل مخدوف کا ی تحسیر ویلا اسکو بقصد استمرار مرفوع کر دیا گیا۔ مثل سلام علیکم کے اور بعض نحو یوں نے نکرہ کو بھی مبتدا بنایا ہے) **للمطفیفین** لام جار المطفیفین موصوف الذین اسم موصول اکتا لو ا فعل اپنے فاعل ضمیر اور متعلق علی الناس سے مل کر شرط یستوفون جملہ فعلیہ جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ۔ معطوف علیہ واذا کالو ہم او کالو مکیلہم جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ احرف عطف وزنوہم فعل ضمیر مستر فاعل ضمیر ہم مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین مکر شرط یخسرون فعل فاعل جملہ فعلیہ جزا۔ جملہ شرطیہ جزائیہ معطوف۔ معطوفین مل کر الذین کا صلہ۔ اسم موصول وصل مل کر صفت۔ موصوف المطفیفین اپنی صفت سے مل کر مجرور۔ ثابت کے متعلق ہو کر ویل مبتدا کی خبر۔

جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ استفہام تو بیخ کے لئے ہے لا یظن اولئک فاعل ان حرف مشبہ بہ فعل ہم اسم مبعوثون اسم مفعول کا صیغہ لیوم عظیم اسکا تعلق یوم مضاف یقوم فعل الناس فاعل لرب العلین متعلق جملہ فعلیہ مضاف الیہ۔ مرکب اضافی مبعوثون کا ظرف مبعوثون اپنے متعلق اور ظرف سے مل کر خبر۔ ان اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ لا یظن دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

تفسیر:

ویل للمطففین الخ تطفیف کے معنی ناپ تول میں خیانت کرنے کے آتے ہیں اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں۔ گواہنا پورا لینا مذموم نہیں اور نہ پورا حق وصول کرنے پر مذمت مقصود ہے، بلکہ اس سے بھی کم دینے پر مذمت کی تاکید مقصود ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے حق جس طرح تم پورا پورا وصول کرتے ہو دوسروں کا حق بھی اسی طرح پورا دینا چاہئے۔ نیز ایسا شخص جو دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے وہ کسی رعایت نہیں کرتا۔ یہ آدمی کی بہت ہی بری عادت ہے۔ کہ اپنے حق کے بارے میں کسی سے رعایت نہ کرے پورا وصول کرے اور دوسروں کا حق کم کر دے۔ اور جو اپنے حق میں بھی رعایت سے کام لیتا ہے وہ اتنا بڑا مجرم نہیں۔ چونکہ آیت سے اصل مقصود کم دینے کی مذمت ہے اس لئے اسمیں ناپ و تول دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ خوب تصریح ہو جائے کہ ایسے لوگ ناپ و تول دونوں میں کمی کرتے ہیں۔ اور چونکہ اپنا حق پورا لینا مذمت نہیں اس لئے وہاں صرف ناپ ہی کا ذکر کر دینا کافی ہوا۔ اور ناپ کو اسلئے اختیار کیا گیا کہ عرب میں زیادہ دستور ناپ (کیل) کا تھا خصوصاً مدینہ منورہ میں تو مکہ سے بھی زیادہ کیل کا رواج تھا (اگر آیت مدنیہ ہے)

ہر حق تلفی تطفیف میں داخل ہے:

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تطفیف حرام ہے۔ قرآن پاک میں دوسرے مقامات سے بھی اس کی مذمت و حرمت معلوم ہوتی ہے۔ اور احادیث سے بھی۔ تطفیف سے مراد حق تلفی اور حقوق العباد میں کمی کرنا اور اپنا حق پورا وصول کرنا دوسروں کے حقوق پورے ادا نہ کرنا ہے۔ لیکن چونکہ معاملات اور لین دین میں حق دار کے حق ادا نیگی یا اس میں کمی بیشی انہی دو ذریعوں (وزن و پیمائش) سے زیادہ تر معلوم ہوتی ہے اس لئے وزن (ناپ تول) کا ذکر کر دیا گیا۔ ورنہ تطفیف صرف ناپ تول کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ہر حق دار کے حق میں کمی کرنا تطفیف میں داخل و حرام ہے تحقیق علماء نے اس سے یہی عام معنی مراد لئے ہیں۔ چنانچہ شیخ ابو القاسم قشیری وغیرہ اکابر سے منقول ہے کہ یہ لفظ وسیع المعنی ہے ناپ تول کی خیانت کو بھی شامل ہے اور ہر قسم کی خیانت و خست کو بھی۔ مثلاً اپنے عیوب چھپانا دوسروں کے ظاہر کرنا۔ اپنے لئے انصاف طلب کرنا دوسروں سے نا انصافی کرنا۔ اپنے عیوب سے بے پروائی کرنا اور دوسروں کی عیب جوئی کرنا۔ دوسروں سے اپنی تعظیم چاہنا اور خود کسی کی تعظیم و تکریم نہ کرنا۔ خادموں، مزدوروں، نوکروں اور ملازموں سے خدمت اور کام تو خوب ٹھوک بجا کر لینا اور ان کو حق الخدمت اور تنخواہ و اجرت کم دینا یا نوکروں، ملازموں اور مزدوروں کا کام اور خدمت میں کمی کرنا، سستی کرنا یا کم وقت لگانا، اپنے لئے جو پسند کرتا ہے وہ دوسروں کے لئے پسند نہ کرنا۔ اسی طرح

اللہ تعالیٰ سے عزت عافیت چاہنا اور اسکی عبادت و فرمانبرداری میں کوتاہی کرنا۔ اللہ کے لئے سوال کرنا اور خود اللہ کے لئے نہ دینا۔ اوروں کو نصیحت کرنا اور خود بتلارہنا یعنی قال درست اور حال برا رکھنا بزرگانہ صورت بنا کر باطن خراب رکھنا یا مکاری یا کاری کرنا، یہ سب چیزیں تطفیف میں داخل ہیں۔ موطاء امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں رکوع و سجود میں کوتاہی کرتا اور نماز کو جلدی جلدی ختم کر ڈالتا ہے۔ تو آپ نے اس کو فرمایا لقد طففت (تو نے اللہ کے حق میں تطفیف کر دی) فاروق اعظم کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لكل شئ ع و فاء تطفیف (پورا کرنا اور کم کرنا ہر چیز میں ہے) یہاں تک کہ وضو، طہارت اور نماز میں بھی ہے حاصل یہ ہے کہ تطفیف حقوق العباد میں ہو یا حقوق اللہ میں، ہر حال میں مذموم و حرام ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں اہل علم میں بھی غفلت پائی جاتی ہے کہ وہ ملازمت کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ (اعا ذنہ اللہ منہ)

### تطفیف کا وبال:

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ گناہوں کی سزا پانچ چیزیں ہیں (۱) جو قوم عہد شکنی کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے دشمن کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں۔ (۲) جو قوم اللہ کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے قوانین پر فیصلہ کرتی ہے۔ ان پر افلاس ضرور پھیلتا ہے۔ (۳) جس قوم میں بے حیائی اور بدکاری عام ہو جائے اس پر اللہ تعالیٰ طاعون (اور دوسرے وبائی امراض) مسلط کر دیتے ہیں۔ (۴) جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں اللہ تعالیٰ انہیں قحط میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ (۵) جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک دیتے ہیں۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں مال غنیمت میں چوری رائج ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں دشمن کا رعب اور ہیبت ضرور ڈال دیتے ہیں۔ اور جس قوم میں سود عام ہو جاتا ہے اس میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے۔ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا رزق قطع فرما دیتے ہیں۔ اور جو لوگ حق کے خلاف فیصلے کرتے ہیں تو ان میں قتل و خونریزی پھیل جاتی ہے۔ جو لوگ عہد کو توڑتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کسی تاجر کے پاس گذرتے تو یہ فرماتے اللہ سے ڈر اور ناپ تول پوری کر۔ کیونکہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو قیامت کے دن اس طرح کھڑا کیا جائیگا کہ پسینہ کی لگام ان کے منہ اور آدھے کانوں تک پہنچے گی۔ (یعنی وہ پسینہ میں غرق ہوں گے) (منظہری) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر اسی گناہ (تطفیف) کی بناء پر عذاب نازل ہوا تھا حاصل یہ ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنا۔ ڈنڈی مار کر لوگوں کو نقصان پہنچانا بڑا گناہ ہے جو دغا، مکر، خیانت، ظلم جیسی خباثتوں پر مشتمل ہے۔

### افلاس کی مختلف صورتیں:

اوپر کی روایات سے معلوم ہوا کہ کم ناپنے تولنے والے لوگ فقر و فاقہ، قحط و افلاس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ افلاس اور قطع رزق کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) ان کو رزق سے بالکل محروم کر دیا جائے۔ (۲) رزق موجود ہو مگر امراض وغیرہ کی وجہ سے اس کے کھانے اور استعمال کرنے کی قدرت نہ ہو۔ اسی طرح قحط کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ چیزیں بالکل مفقود ہو

جائیں۔ یا موجود ہونے کی باوجود گرانی کی وجہ سے خریداری دشوار ہو جائے اور فقر و افلاس کا مطلب یہی نہیں کہ روپیہ پیسہ اور ضرورت کی چیزیں پاس نہ رہیں بلکہ فقر کے معنی دراصل محتاجی کے ہیں۔ ہر شخص اپنے کاروبار اور ضروریات زندگی میں دوسروں کا محتاج ہو وہ اتنا ہی فقیر ہے۔ اس زمانہ کے حالات پر غور کیا جائے تو انسان اپنے رہن سہن، نقل و حرکت اور اپنے ارادوں بلکہ لقمہ اور کلمہ تک میں پابند اور قوانین میں جکڑا ہوا ہے۔ نہ تجارت میں آزادانہ سفر میں آزاد، ہر کام میں وفروں کے چکر، افسروں اور چراسیوں کی خوشامدیں یہ سب حالات فقر و محتاجی ہی کے تو ہیں۔ اس تفصیل سے وہ شبہات دور ہو جاتے ہیں جو مذکورہ احادیث میں ظاہری حالات کے اعتبار سے پیدا ہو سکتے ہیں (از معاف) الا یظن الخ کیا ایسی گندم نہائی جو فروشی کرنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں ایک بڑے سخت مصیبت کے دن عدالت خداوندی میں حاضر ہو کر جوابدہی کرنا ہے۔ یہاں الا میں ہمزہ استفہام انکاری کا ہے جس سے مقصود اہل تطہیف کے حال کو قابل تعجب بتانا اور ان کو زجر مقصود ہے۔ اور یقین کے بجائے ظن ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس کو آخرت میں حساب کا گمان بھی ہو گا وہ بھی ایسی ناشائستہ حرکتیں نہ کرے گا۔ جس سے وہ قیامت کے دن آفات میں مبتلا ہو جائے اور یقین رکھنے والا تو بدرجہ اولیٰ ایسی نازیبا حرکات سے احتیاط کریگا۔ لیوم عظیم۔ اس میں لام علت کا ہے۔ یعنی یوم عظیم کے حساب کے لئے۔ یا ظریفہ بمعنی فسی ہے۔ اور یوم قیامت کو یوم عظیم اسلئے فرمایا گیا کہ وہ دن طویل ہوگا اور اس میں عظیم واقعات بھی رونما ہونگے۔ یوم یقوم الناس لرب العلمین۔ اس یوم کا تعلق مبعوثوں سے ہے۔ یعنی ان کو اس دن اٹھایا جائے گا جس دن لوگ بارگاہ خداوندی میں حساب کے لئے کھڑے ہونگے۔ یا یوم عظیم سے بدل ہے۔ اور اضافت الی غیر متمکن کی وجہ سے مفتوح ہے۔ لرب العلمین۔ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کا تقاضا یہی ہے کہ ہر صاحب حق کو اس کا پورا حق پہنچے۔ اور دنیا میں عدل و انصاف قائم ہو۔ اور صفت ربوبیت ہی کی بنا پر قیامت کے دن مظلوموں کے بدلے ظالموں سے لئے جائیں گے۔ درحقیقت انسانوں کو اگر مظالم سے کوئی چیز روک سکتی ہے تو وہ ہے آخرت کا تصور اور حساب کا یقین ہی ہے۔ ورنہ حکام وقت کی قانونی بندش یا اور کوئی ترغیب و ترہیب ان کو سرکشی سے باز نہیں رکھ سکتی۔ جس قدر دنیا میں آخرت کا یقین و اعتقاد کمزور ہوتا جائے گا۔ اسی مقدار میں جرائم بھی بڑھتے چلے جائے گے۔

منظر حشر الامان:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یوم یقوم الناس لرب العلمین کی تفسیر میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول پہنچا ہے کہ لوگ (محشر میں) تین سو برس کی مقدار میں کھڑے رہیں گے۔ (مظہری) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ قیامت کے دن تین سو برس مقدار میدان حشر میں کھڑے رہیں گے۔ اور ان کے لئے کوئی حکم نہ ہوگا۔ لیکن اتنی طویل مدت اہل ایمان کے لئے (دور کعت) نماز کی برابر معلوم ہوگی (فتح العزیز)۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رب العلمین کے سامنے اس دن لوگ کھڑے ہونگے جب کہ بعض لوگ اپنے پسینہ میں اپنے آدھے کانوں تک غرق ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ علیہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو اتنا پسینہ آئے گا کہ زمین میں ستر بانہہ تک پہنچ جائے گا۔ اور کانوں تک پسینہ کی لگام لگی ہوگی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کے دن کافر کو اس کے پسینہ کی لگام لگی ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ کہے گا کہ، پروردگار! مجھے اس سے نجات دے۔



خواہ دوزخ ہی بھیج دے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سورج مخلوق کے قریب آجائے گا۔ یہاں تک کہ ایک میل کے بقدر ہوگا۔ سلیم بن عامرؓ نے کہا۔ واللہ ہمیں معلوم نہیں کہ میل سے حضور کی مراد مسافت ہے یا سرمہ لگانے کی سلائی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینہ میں ہوں گے پسینہ بعضوں کے ٹخنوں تک، بعضوں کے گھٹنوں تک، اور بعضوں کے کمر تک ہوگا۔ اور بعض کو پسینہ کی لگام لگی ہوگی (یعنی منہ تک ہوگا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کیا (مسلم) طبرانی میں ابوامامہ باہلی کی روایت میں اتنا اور ہے کہ سورج کی گرمی سے (پسینہ) میں کیڑے کوڑے اس طرح ابال کھائیں گے جس طرح ہانڈی میں ابال آجاتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں ہے کہ پیدائش سے (موت تک) موت سے زیادہ سخت تکلیف آدمی کو پیش نہیں آتی لیکن موت کے بعد مصیبتوں سے وہ آسان ہے۔ روز قیامت کی دہشت سے لوگوں کو ایسا پسینہ آئے گا کہ منہ تک لگام لگ جائے گی اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو چل جائیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس دن اتنی سختی ہوگی کہ حساب سے پہلے کافر کو پسینہ کی لگام لگ جائے گی۔ دریافت کیا گیا پھر مومن کہاں ہونگے۔ فرمایا سونے کی کرسیوں پر ابر کے سایہ تلے۔ ابن مسعودؓ کی روایت میں اتنا اور ہے کہ مومنوں کے لئے وہ پورا دن گھڑی بھر کا ہوگا۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے سلمان فارسی رضی اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج لوگوں کے سروں کے قریب دو کمانوں کی مقدار (فاصلہ سے) ہوگا۔ اور اس میں دس سال کی گرمی ہوگی۔ اس دن کسی کے بدن پر کوئی پردہ نہ ہوگا۔ ہاں کسی مومن اور مومنہ کا ستر نہ دکھائی دے گا۔ اور نہ کسی مومن و مومنہ کو سورج کی گرمی ہی محسوس ہوگی۔ ہاں کافروں کو وہ گرمی خوب پکائے گی کہ ان کے اندر سے عرق کی آواز سنائی دے گی۔ (اللہم احفظنا منہ)

كَأَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ (۷) وَمَا أَذْرَكَ مَا سِجِّينٍ (۸) كِتَابٌ مَّرْقُومٌ (۹)

ہرگز نہیں بے شک بدکاروں کا اعمال نامہ سجین میں رہیگا۔ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ سجین کیا ہے؟ وہ ایک مہرزہ دفتر ہے۔

كَأَلَّا	اِنَّ	كِتَابَ	الْفُجَّارِ	لَفِي	سِجِّينٍ	و	مَا	اَذْرَكَ	مَا	سِجِّينٍ	كِتَابٌ	مَّرْقُومٌ
ہرگز نہیں	تحقیق	کتاب	بدکاروں	البتہ میں	سجین	اور	کس چیز	معلوم کروا دیا تجھ	کیا ہے	سجین	ایک دفتر لکھا ہوا	

وَيَلُ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ (۱۰) الَّذِينَ يُكْذِبُونَ بَيَوْمِ الدِّينِ (۱۱) وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُذُوبٌ

اس دن بڑی خرابی ہوگی جھٹلانے والوں کی۔ جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔ اور اس کو تو ہر

وَيَلُ	يَوْمَئِذٍ	لِلْمُكَذِّبِينَ	الَّذِينَ	يُكْذِبُونَ	بِ	يَوْمِ	الدِّينِ	و	مَا	يُكَذِّبُ	بِهِ	إِلَّا	كُذُوبٌ
وائے	اس دن	واسطے جھٹلانے والوں	وہ جو	جھٹلاتے ہیں	گودن	جزا	اور	نہیں	جھٹلاتا	کو اس	بلکہ	مگر	ہر

مُعْتَدٍ أَيْمٍ (۱۲) إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (۱۳) كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ

حد سے گزرنے والا بدکار جھٹلاتا ہے جب اسکے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلوں کی بے سند کہانیاں ہیں ہرگز ایسا نہیں بلکہ

مُعْتَدٍ	أَيْمٍ	إِذَا	تُتْلَىٰ	عَلَيْهِ	آيَاتُنَا	قَالَ	أَسَاطِيرُ	الْأَوَّلِينَ	كَلَّا	بَلْ	رَانَ	عَلَىٰ
حد سے نکل جانے والا	گنہگار	جس وقت	پڑھی جاتی ہیں	اور اس	نشانیاں ہماری	کہتا ہے	کہانیاں	پہلوں	ہرگز نہیں	بلکہ	رنگ باندھا ہے	اوپر

قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (۱۴) كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ (۱۵)

ان کے دلوں پر ان کی بد اعمالیوں کا زنگ چڑھ گیا ہے۔ یقیناً وہ لوگ اس دن اپنے رب سے روک دیئے جائیں گے۔

قُلُوبِهِمْ	مَّا	كَانُوا	يَكْسِبُونَ	كَلَّا	إِنَّهُمْ	عَنْ	رَبِّهِمْ	يَوْمَئِذٍ	لَمَحْجُوبُونَ
دلوں ان	اس چیز	تھے	وہ کماتے	ہرگز یوں نہیں	تحقیق وہ	سے	پروردگار اپنے	اس دن	البتہ حجاب میں

ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْحَجِيمَ (۱۶) ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ (۱۷)

پھر بے شک وہ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ پھر انے کہا جائے گا یہی ہے وہ جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

ثُمَّ	إِنَّهُمْ	لَصَالُوا	الْحَجِيمَ	ثُمَّ	يُقَالُ	هَذَا	الَّذِي	كُنْتُمْ	بِهِ	تُكَذِّبُونَ
پھر	تحقیق وہ	البتہ داخل ہونے والے	دوزخ	پھر	کہا جائیگا	یہ	وہ چیز کہ	تھے تم	اس کو	جھٹلاتے

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيْنِ (۱۸) وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ (۱۹) كِتَابٌ مَرْقُومٌ (۲۰)

بے شک نیک لوگوں کا اعمال نامہ علین نامہ علین میں رہے گا اور آپ جانتے ہیں کہ علین کیا ہے؟ وہ ایک مہر زدہ دفتر ہے

کَلَّا	اِنَّ	کِتٰبَ	الْاَبْرَارِ	لَفِیْ	عِلٰیٰنَ	وَمَا	اَدْرَاکَ	مَا	عِلٰیُّوْنَ	کِتٰبٌ	مَرْقُوْمٌ
ہرگز یوں نہیں	تحقیق	انما النامہ	نیکیوں	البتہ میں	علین	اور	معلوم کر دیا تجھ	کیا ہے	علیوں	دفتر	لکھا ہوا

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ (۲۱)

جس کو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔

يَشْهَدُهُ	ه	الْمُقَرَّبُونَ
حاضر ہوتے ہیں	اس	مقرب

لغات:

فجّار جمع فاجر کی جیسے کفار کی جمع کافر کی بدکار مراد کافر ہے سجین قید خانہ۔ وہ مقام جہاں کفار کے اعمال نامے اور ان کی روئیں جمع ہیں۔ علین وہ بلند مقام جہاں اہل ایمان کے اعمال نامے اور ان کی ارواح جمع ہیں (تفصیل عنوان تفسیر کے ذیل میں ہے) مرقوم صیغہ اسم مفعول لکھا ہوا۔ جلی خط سے لکھا ہوا، مہر لگی ہوئی تحریر (ن) لکھنا، نقش کرنا، (ض) (ن) زنگ آلود ہونا، رین زنگ، میل محجوبون صیغہ جمع مذکر اسم مفعول۔ روکے ہوئے (ن) روکنا، منع کرنا۔ صا لُؤْ اصْ لُؤْن تھانوں بوجہ اضافت گر گیا۔ جمع مذکر اسم فاعل صلی صلی (س) جلنا، آگ میں گرنا، داخل ہونا، المقربون جمع مذکر اسم مفعول۔ زیادہ معزز۔ قریب کئے ہوئے (س ک) نزدیک ہونا۔

ترکیب:

کَلَّا حرف ردع (عما نوا علیہ من التطفیف والغفلة عن البعث والحساب) کتاب الفجّار

(مرکب اضافی اسم ان لفی سجین۔ مثبت کے متعلق ہو کر خبر۔ جملہ اسمیہ۔ وما ادراک ما سجین سورۃ انفطار کے اخیر میں ایسی ترکیب گذر گئی کتاب مرقوم مرکب توصیفی مبتدا مخدوف ہوئی خبر۔ ویل الخ سورۃ مرسلات میں اس کی

ترکیب گذرگئی (و الجملة متصلة برب العلمین وما بینهما اعتراض) الذین اسم موصول اپنے صلہ یکذبون بیوم الذین سے مل کر صفت المکذبین کی واو عاطفہ یا استینافیا ابتدائیہ مایکذب فعل الاحرف استثناء لغو کل معتدائیم مرکب اضافی فاعل۔ جملہ فعلیہ۔ اذا ظرفیہ بمعنی شرط تنقلی اپنے نائب فاعل ایٹنا اور متعلق علیہ سے مل کر جملہ فعلیہ شرط قال فعل ضمیر ہوراجع معتدائیم کی طرف فاعل اساطیر الاولین مرکب اضافی مبتدا مخذوف ہی کی خبر۔ جملہ اسمیہ مقولہ مفعول بہ۔ جملہ جزا ہوا۔ بل اضراب عن معنی کلا۔ ران فعل علی قلوبہم متعلق ما کانو یکسبون (موصول و صلہ) فاعل۔ کلا بمعنی حقا ان اپنے اسم ہم اور خبر لمحبوبون سے مل کر جملہ اسمیہ عن ربہم ای عن رویۃ ربہم جار مجرود متعلق خبر ان کے اور یو منذ بھی اسی کا ظرف ہے۔ ثم عاطفہ انہم..... ترکیب ظاہر ہے۔ ثم عاطفہ یقال فعل مجہول ضمیر نائب فاعل هذا مبتدا اللذی اپنے صلہ کنتم..... سے مل کر مقولہ بہ تکذبون کے متعلق ہے کلا ان کتب الابرار..... تمام جملے شل سابق ہیں۔

تفسیر:

کلا بجائے خود ایک مستقل کلام ہے جو مطففین کو جہنم کے لئے لایا گیا ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلا اس جگہ ابتدائیہ بمعنی تھا ہے۔

سجین اور علیین : سجین اور علیین جس وقید کے معنی میں ہیں۔ قاموس میں ہے کہ یہ معنی دوامی و سخت قید کے ہیں کیونکہ فعل کا وزن مبالغہ کے لئے مستعمل ہے۔ جیسے شریب (بہت پینے والا) فسیق (بڑا فاسق) عکرمہ رجبۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سجین سے مراد ذلت و گمراہی ہے۔ مجازاً اعمال نامہ کو قید و ذلت قرار دیا ہے۔ درحقیقت کفار ان کے اعمال بد کی وجہ سے قید و ذلت و گمراہی میں ہیں۔ جو ان کے اعمال نامہ میں مندرجہ ذیل ہیں۔ احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ سجین اس مقام کا نام ہے جہاں کفار کا رجسٹر ہے۔ یعنی ان کے اعمال نامے وہاں رکھے جاتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ کفار جن وانس کے اعمال ناموں کی ایک کتاب (فائل) ہے جس میں ان کے سب اعمال نامے جمع کئے جاتے ہیں۔ اور کافروں کی روچیں بھی وہیں بند کر دی جاتی ہیں۔ سجین ساتویں زمین میں یا تو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجین ساتویں زمین کے نچلے طبقہ میں ہے اور علیین ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہے۔ حدیثوں میں ہے کہ سجین کفار و فجار کی روحوں کا مقام ہے۔ اور علیین مومنین متقین کی روحوں کی جگہ ہے۔ جنت اور دوزخ کا مقام:

نبیہی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنت ساتویں آسمان میں ہے۔ اور جہنم ساتویں زمین میں ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قرآن میں جو ﴿و جسی ء یو منذ بجہنم﴾ (قیامت کے دن دوزخ کو لایا جائے گا) اس کا مطلب کیا ہے۔ کہاں سے اس کو لایا جائیگا؟ آپ نے فرمایا کہ جہنم کو ساتویں زمین سے لایا جائے گا اس کی ہزار لگاں میں ہوگی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے۔ جب وہ انسانوں سے ہزار برس کی دوری پر

رہ جائے گی تو ایک سانس کھینچے گی۔ جس سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانو بیٹھ کر رب نفسی نفسی کہے گا۔ (مظہری) اسی طرح روایات میں آیا ہے کہ سحجین میں جہنم کے ایک مقام کا نام ہے وہ بھی اس پر منطبق ہے اور روایات متعارض نہیں۔

کتاب مرقوم اسی کتاب مختوم یعنی مہر لگی ہوئی۔ امام بغویؒ وابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ یہ جملہ تحکین کی تفسیر نہیں بلکہ کتاب الفجار کا بیان ہے یعنی کفار کے اعمال نامے سے مہر لگا کر مقام تحکین میں محفوظ کر دیئے جاتے ہیں۔ جس سے کسی ویشی کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ کلابل دان علی قلوبہم۔ لفظ کلابل سے معتدی انیم کو تکذیب وغیرہ سے زجر ہے۔ دان رہن سے مشتق ہے جس کے معنی زنگ اور میل کے آتے ہیں۔ اور سوخ اور غلبہ کے بھی آتے ہیں۔ رانت الخمر علی عقل شاربه ای غلبت دان فیہ النوم ای رسخ مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں نافرمانیوں کی محبت غالب و راح ہو گئی ہے۔ اور اعمال بد کا ان کے قلوب پر زنگ چڑھ گیا ہے۔ جس طرح آئینہ پر زنگ چڑھ جاتا ہے اور اس میں صورت نظر نہیں آتی۔ اسی طرح ان کے دل زنگ آلود دل تجلیات ربانی و معرفت صمدانی سے محروم ہو گئے ہیں۔ اور معاصی کی تاریکیوں نے حق و باطل کی تمیز سے ان کو محروم کر دیا ہے یا جس طرح زنگ آلود کو بے کار مٹی بنا دیتا ہے۔ اسی طرح گناہوں نے ان کے قلوب کی صلاحتیوں کو فنا کر دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور اس پر نادم و شرمندہ ہو کر آئندہ اپنے عمل کو درست کر لیتا ہے تو یہ سیاہ نقطہ مٹ جاتا ہے۔ اور دل اپنی اصلی حالت پر چمکدار ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر توبہ نہیں کرتا بلکہ گناہ کرتا رہتا ہے تو وہ سیاہی اس کے دل پر پھیلتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے پورے دل کو گھیر لیتی ہے۔ یہی وہ ران ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آیت کلابل دان علی قلوبہم ما کانو یکسبون میں فرمایا ہے (احمد نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم) ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (مظہری)

### چار چیزیں دلوں کو خراب کرتی ہیں:

حدیث میں ہے کہ چار چیزیں دلوں کو خراب کرتی ہیں (۱) احمق سے جھگڑا کرنا۔ اگر اس سے لڑو گے تو تم بھی اسکے مثل ہو۔ خاموش رہو گے تو سالم رہو گے (۲) گناہوں کی کثرت بھی دلوں کو خراب کرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: کلابل دان علی قلوبہم ما کانو یکسبون۔ (۳) عورتوں کے ساتھ خلوت و اختلاط اور ان کی رائے پر عمل کرنا (۴) مردوں کے پاس بیٹھنا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردے کون ہیں؟ فرمایا وہ مال دار لوگ جن کو ان کی مالداری نے اکڑ میں مبتلا کر دیا ہو۔ کلابل اس سے ان جاہلوں کو جزو تنبیہ ہے جنہوں نے اپنے گناہوں کے انبار میں مبتلا ہو کر اپنے دلوں کی فطری نورانیت و صلاحیت کو ایسا ختم کر دیا کہ حق و باطل کا امتیاز ہی ختم ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی تکذیب کسی دلیل یا عقل و فہم کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے دل اندھے ہو چکے ہیں۔ انہیں بھلا برا کچھ نظر نہیں آتا۔ ومن کسان فی ہذا عمی فہو فی الاخرة اعمی (جو اس دنیا میں اندھا اور نور معرفت سے محروم ہے تو وہ آخرت میں بھی اندھا اور دیدار خداوندی سے محروم ہوگا) چنانچہ ارشاد ہے کلابل انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون یعنی آمت کے دن یہ کفار اپنے رب کے دیدار سے محروم رہیں گے واپس پردہ روک دیئے جائے گے۔

ہر کہ امر و نہ بیند اثر قدرت دوست غالب آنست کہ فرداش نہ بیند دیدار  
بعض مفسرین نے اس مذکورہ لفظ کلا کو بمعنی حقا مانا ہے۔

فوائد: ..... (۱) بعض اکابر علمائے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ ہر انسان فطرۃ حق تعالیٰ سے محبت کرتا ہے۔ کفار و مشرکین کفر و شرک میں مبتلا ہونے کے باوجود اور عقائد باطلہ و اعمال فاسدہ رکھنے کے باوجود اتنی سی بات سب میں مشترک ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت و محبت سب کے دلوں میں ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق اسی کی جستجو اور رضا جوئی کے لئے عبادت کرتے ہیں۔ راستہ غلط ہوتا ہے اسلئے وہ منزل مقصود تک رسائی سے محروم رہتے ہیں۔ اور اس کو دلیل بنانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کفار اللہ کی محبت اور اسی کی زیارت کا شوق ان کے دلوں میں نہ ہوتا تو ان کی سزا میں یہ نہ کہا جاتا کہ وہ لوگ زیارت و دیدار سے محروم رہیں گے کیونکہ جو شخص کسی کی زیارت و دیدار کا طالب و مشتاق ہی نہیں اس کے لئے یہ کوئی سزا نہیں کہ اس کو دیدار سے روک دیا جائے۔

(۲) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان و اولیاء اللہ حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ ورنہ تو مومنوں اور کافروں میں فرق ہی کیا ہوا؟ کفار کے محبوب رہنے کی سزا کا ذکر ہی عبث ہوا (نعوذ باللہ) (۳) احادیث متواترہ المعنی سے یہ بات ثابت ہے کہ مومنوں کو دولت دیدار نصیب ہوگی۔ ہاں درجات کے اعتبار سے اس نعمت دیدار میں بھی تفاوت ہوگا۔ عام مومنوں کو جمعہ کے دن دیدار ہوا کریگا۔ (آخرت میں جمعہ کا نام یوم المزید ہوگا) اور خواص کو روزانہ دو بار صبح و شام دیدار ہوگا۔ اور جو شخص الخواص (جنت عدن والے ہو گئے ان کو ہر آن یہ دولت نصیب ہوگی) (اللہم جعلنا منهم بفضلک)

ثم انهم لصالوا ..... ان دونوں آیتوں میں بتلایا گیا ہے کہ ان بد نصیبوں کو صرف محرومی دیدار ہی سزا نہیں ملے گی۔ بلکہ ان کو جہنم رسید بھی کیا جائے گا جس میں انواع و اقسام کے عذاب ہوں گے۔ ان میں سے ایک سزا یہ بھی ہوگی کہ ان کو ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔ اور ان کی شرمندگی و ندامت بڑھانے کے لئے جتلیا جائے گا کہ یہ وہی عذاب ہے جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے رہے۔ کلا بمعنی حقا بھی درست ہے۔ اور اس کو حرف ردع ماننا بھی ٹھیک ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ تم تکذیب سے باز آ جاؤ اور ایمان و عمل صالح کو عبث خیال نہ کرو کہ نیکوں کو یہ انعامات حاصل ہونگے جن کا آئندہ تذکرہ ہے۔ علاوہ ازیں فجار کی سزا کو کلا سے ذکر کیا تو ابوار کی جزا بھی اسی لفظ سے شروع کرنے میں کلام میں ایک عجیب مناسبت و قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

ان کتب الابوار لفی علیین ..... علیین اس دفتر کا نام ہے جہاں صلحاء کے اعمال اور ان کے ارواح رہتی ہیں۔ یہ علیٰ بروزن سجدین (فعیل) کی جمع ہے۔ جو علو سے مشتق ہے۔ سمي بذالك اما لانه سبب الارتفاع الی اعالی درجات الجنان او لانه مرفوع فی السماء السابعة او عند قامة العرش الیمنی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مواضع علیہ (بلند مقامات) اس سے مراد ہیں علیہ کی تاء کو حذف کر کے واؤ اور نون (علامت جمع) اس پر لائے گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ملائکہ کا وصف ہے۔ اس لئے واؤ نون کے ساتھ جمع لائی گئی۔ فراء کہتے ہیں کہ یہ عشرون و ملائون وغیرہ کی طرح صیغہ جمع ہے۔ اس کا واحد نہیں۔ اور اہل عرب میں جو جمع ایسی ہوتی ہے جس کا واحد نہیں ہوتا۔ اس کا اطلاق مذکر مونث دونوں پر واؤ نون کے ساتھ ہوتا ہے۔

**سوال:**..... سجین کے برعکس علیین کو صیغہ جمع سے تعبیر کرنے میں اس کی فراخی و کشادگی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ایک مکان بہت سی مخلوق کے ازدحام سے تنگ و تاریک ہو جاتا ہے۔ اور ہر ایک کیلئے ایک مکان اور وہ بھی بلند ہو تو کشادہ و فراخ ہوتا ہے الحاصل سجین و علیین کا مقابلہ لفظاً اور معنی دونوں طرح سے ہے۔

**کتاب مرقوم:**..... جس طرح ماقبل میں کتاب مرقوم سجین کی تفسیر نہیں بلکہ کتاب الفجار کا بیان تھا اسی طرح یہ بھی علیین کی تفسیر نہیں بلکہ کتاب الابرار کا بیان ہے۔

**یشہدہ المقربون:**..... یشہد شہود سے متعلق ہے جس کے معنی حاضر ہونے۔ مشاہدہ کرنے، اور گواہ بننے کے آتے ہیں۔ یعنی مقرب لوگ وہاں حاضر رہتے ہیں۔ یا گواہ ہوتے ہیں یا مشاہدہ، دیکھ بھال اور نگرانی کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ملائکہ مقربین ابرار و صالحین کے اعمال ناموں کی نگرانی کرتے ہیں۔ یا ان پر گواہ ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ مقربین بارگاہ خداوندی (یعنی ملائکہ اور ابرار کی ارواح) اسی مقام علیین میں حاضر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ارواح ابرار کا مستقر یہی ہے۔ جس طرح مسجین ارواح کفار و فاجر کا مستقر ہے۔ اسکی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ہے (جو صحیح مسلم میں ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کی ارواح اللہ تعالیٰ کے قریب سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی۔ جو جنت کے باغات اور نہروں کی سیر کرتی ہوں گی۔ اور ان کے رہنے کی جگہ وہ قدیل ہوں گے جو عرش میں لٹک رہے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہیدوں کی روحوں عرش کے نیچے رہتی ہیں۔ اور جنت کی سیر کرتی ہیں سورہ یسین میں حبیب نجار رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں آیا ہے قیل ادخل الجنة قال یلیت قومی یعلمون بما غفرو لی ربی اس سے معلوم ہوا کہ حبیب نجار موت کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہونگے بعض احادیث سے بھی مومنوں کی روحوں کا جنت میں ہونا معلوم ہوتا ہے ان سب کا حاصل ایک ہی ہے۔ کہ نیکوں کی روحوں کا ٹھکانہ علیین ہے۔ جو ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہیں (جیسا کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے) اور یہی مقام جنت کا بھی ہے۔ ان ارواح کو جنت کی سیر کا اختیار دیا گیا ہے۔ بلکہ تمام مومنوں کی روحوں کا مستقر و مرکز یہی ہے۔ جیسا کہ کعب بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: انما نسمة المومن طائر یعلق فی شجر الجنة حتی مومن کی روح ایک پرندہ کی شکل میں جنت کے درختوں میں معلق رہتی ہے ترجع الی جسده يوم القيامة (رواۃ مالک النسائی) یہاں تک کہ قیامت کے دن وہ اپنے جسم میں پھر لوٹ جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ علیین زمر و سبز کی ایک تختی ہے جو عرش کے نیچے آویزاں ہے۔ مومنوں کے اعمال اس میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس اثر کی بنا پر لوگوں نے کہا ہے کہ علیین وہ رجسٹر ہے جس میں نیکوں کے اعمال درج ہیں۔ کعب وقادہ فرماتے ہیں کہ علیین عرش کا داہنا پایہ ہے عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ علیین جنت ہے۔ عطاء و ضحاک رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ وہ سدرۃ المنتہی ہے۔ واللہ اعلم

**انسانی روحوں کا مقام کہاں ہے؟**

اس معاملے میں احادیث و روایات بظاہر و متعارض ہیں۔ (۱) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی روحوں سجین میں رہتی ہے جو ساتویں زمین میں ہے۔ اور مومنوں کی روحوں علیین میں رہتی ہیں جو ساتویں آسمان پر عرش

کے نیچے ہیں۔ (۲) دوسری بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ارواح کفار جہنم میں اور ارواح مومنین جنت میں رہتی ہیں۔ (۳) اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد مومنین کفار ہر دو قسم کے لوگوں کی روہیں ان کی قبروں میں رہتی ہیں۔ حافظ ابن البر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ بعد الموت سب کی ارواح قبر ہی میں رہتی ہیں۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح کی دو قسمیں ہیں ایک جسم لطیف ہے جو انسان کے بدن میں حلول کرتا ہے اور وہ مادی و عنصری جسم ہے۔ مگر لطیف ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ اسکو نفس کہتے ہیں۔ دوسری روح جو ہر مجرد ہے۔ جو مادی و عنصری نہیں۔ یہ روح مجردی روح اول (نفس) کی حیات ہے۔ اسی لئے اسکو روح الروح بھی کہتے ہیں۔ جسم انسانی سے ان دونوں روحوں کا تعلق ہوتا ہے۔ مگر پہلی قسم کی روح (نفس) جسم انسانی کے اندر رہتی ہے۔ اس کے اس کے جسم سے نکل جانے کا نام ہی موت ہے۔ دوسری قسم کی روح (روح الروح یا روح مجرد) کا تعلق پہلی روح (نفس) سے قریب تو ہے لیکن اس تعلق کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ مرنے کے بعد روح اول آسمانوں پر لے جائی جاتی ہے۔ پھر قبر میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس کا مسکن و مستقر قبر ہی ہے۔ اور اسی پر عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ اور روح مجرد مومن کی علیین میں اور کافر کی تحین میں رہتی ہے۔ اور تحقیق پر تمام روایات جمع ہو جاتی ہیں۔ جن روایات سے ارواح کا مستقر علیین و تحین معلوم ہوتا ہے وہ روح مجرد کے اعتبار سے ہے۔ اور جن روایات سے جنت اور جہنم میں ہونا معلوم ہوتا ہے تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ مقام علیین اور مقام جنت دونوں ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے واقع ہیں۔ قرآن پاک میں اس کی تصریح ہے: عند سدرة المنتهى عندها جنة المأوى اس میں صاف ہے کہ جنت سدرة المنتهى کے پاس ہے اور سدرة کا ساتویں آسمان میں ہونا حدیث معراج سے ثابت ہے۔ اسی طرح تحین ساتویں زمین میں ہے اور وہی مقام جہنم بھی ہے اسی لئے جن روایات میں علیین یا جنت و جہنم میں ارواح کا رہنا معلوم ہو اس میں کوئی تعارض نہیں۔ اور جن روایات سے ارواح کا قبر میں رہنا معلوم ہوتا ہے وہ روح کا قسم اول یعنی نفس کے اعتبار سے ہے لیکن قسم ثانی (روح مجرد) کا روح کی قسم اول (نفس) کے ساتھ ایک خاص رابطہ رہتا ہے (جس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے مگر) اس کی مثال آفتاب و مانتاب کی سی ہے کہ وہ آسمان میں ہیں۔ مگر ان کی شعاعیں زمین پر پڑ کر اس کو روشن کر دیتی ہیں۔ اسی طرح مجرد کا مقام گو علیین ہے۔ مگر اس کا رابطہ معنویہ قبروں میں رہنے والی روح (نفس) سے ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مظہری)

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ (۲۲) عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ (۲۳) تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ

بے شک نیک لوگ عیش میں ہوں گے۔ مسہروں پر بیٹھے نظارہ کیا کریں گے۔ تم ان کے چہروں میں تحقیق نیک کام کرنے والے البتہ میں نعمت اور پختوں دیکھتے ہوں گے پہچانے گا تو میں چہروں ان

نَضْرَةَ النَّعِيمِ (۲۴) يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ (۲۵) خِتْمُهُ مِسْكَ وَفِي ذَلِكَ

عیش کی تروتازگی دیکھو گے۔ ان کو ایسی شراب پلائی جائے گی جس پر مشک کی مہر لگی ہو گی۔ اور

نَضْرَةُ	النَّعِيمِ	يُسْقَوْنَ	مِنْ	رَحِيقٍ	مَخْتُومٍ	خِتْمُهُ	مِسْكَ	و	فِي	ذَلِكَ
تازگی	نعمت	پلائے جائیگے	سے	شراب خالص	مہر کی ہوئی	مہر کر نیکی چیز اس	مشک	اور	میں	اس

فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ (۲۶) وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ (۲۷) عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ (۲۸)

حرص کرنے والے کو ایسی ہی چیز میں حرص کرنی چاہئے۔ اور اس شراب میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ وہ ایک چشمہ ہے جس سے قرب حضرات پیا کریں گے۔

فَلْيَتَنَافَسِ	الْمُتَنَافِسُونَ	و	مِزَاجُهُ	مِنْ	تَسْنِيمٍ	عَيْنًا	يَشْرَبُ	بِهَا	الْمُقَرَّبُونَ
پس چاہئے کہ رغبت کریں	رغبت کرنیوالے	اور	طوبی اس سے	سے	تسنیم	ایک چشمہ	پیتے ہیں	میں سے اس	القرب

لغات:

**رحیق** - شراب ناب، وہ صاف شراب جس میں ذرا آمیزش نہ ہو، ایک قسم کی خوشبو **مِسْكٌ** و **حَقِيقٌ** خالص مشک یہ اسم جامد ہے **مَخْتُومٌ** اسم مفعول کا واحد مذکر ختمام لگا ہوا یعنی مہر زدہ۔ ختام کا ترجمہ دو طرح کیا گیا ہے۔ (۱) مہر کرنے کا سالہ (۲) کسی چیز کا خاتمہ۔ اس لئے اکثر مفسرین نے مختوم کا ترجمہ مہر زدہ لکھا ہے۔ یعنی جنت کی شراب کے برتنوں پر اللہ کی طرف سے بطور اعزاز سند مہر لگی ہوگی۔ جس کو اہل جنت ہی توڑیں گے۔ لیکن ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مختوم وہ حقیق (شراب کہنہ صاف) ہوگی جس کے اخیر میں مشک کی خوشبو ہوگی۔ اس قول پر ختام بمعنی اخیر ہوگا۔ ختم ختمنا و ختمنا (ض) مہر لگانا، ختم کرنا، ختام کی جمع ختم آتی ہے **مِسْكٌ** اسم بمعنی مشک، کستوری (ن ص) چمٹنا (ک) ایضا۔ مسک روکنا۔ مشک ایک خاص ہرن کا خون ہوتا ہے جو اسکی ناف میں جمع ہوتا ہے۔ اس ہرن کو عربی میں **غزال المسک** کہتے ہیں۔ اور مشک کے ٹکڑے کو **مسکة** کہتے ہیں۔ تنافس ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کسی چیز کی رغبت کرنا۔ کسی نفیس چیز میں ایک دوسرے کے مقابلے میں بڑھ کر میلان کرنا۔ مادہ نفس ہے۔ جس کے معنی کشائش، فراخی اور وسعت ہیں۔ اس سے نفس بے معنی عمدہ، اعلیٰ، بیش وقت، مرغوب ہے۔ (ک) نفیس ہونا۔ مرغوب ہونا۔ **مزاج** مصدر ہے۔ ملاوٹ کرنا، ملائے کی چیز، ملاوٹ کے بعد جو ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو بھی مزاج کہتے ہیں۔ یہاں ملانا یا ملانے کی چیز (شراب میں پانی) مراد ہے۔ (ن) ملانا۔ **تسنیم** جنت میں ایک چشمہ کا نام ہے تسنیم لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو خوشبو یا ذائقہ کیلئے شربت یا پانی میں ملائے ہیں۔ جیس گلاب یا کیوڑا وغیرہ یا بید مشک وغیرہ۔ یہ مسنام سے ماخوذ ہے جس کے معنی کوہان شتر کے ہیں۔ چونکہ پینے کی چیزوں میں اشیاء مذکورہ ڈالنے سے برتن میں اونٹ کے کوہان کی طرح بلبلے اٹھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اس لئے اسے **تسنیم** کہتے ہیں۔ یہاں بہشت کا ایک چشمہ مراد ہے۔ جو نہایت لذیذ ہے اس کو مقربین و سابقین خالص پئیں گے۔ اور اصحاب الیمین کی شراب میں بطور گلاب یا مشک ملا کر دیا جائیگا۔

ترکیب:

**ان الابرار لفی نعیم** - اس کی ترکیب سورۃ الانفطار میں گذر گئی۔ **علی الاراک متعلق جمالیسمین** مخدوف کے ہو کر خبر ان الکائنون کی ضمیر سے حال اول اور **ینظرون** جملہ فعلیہ حال ثانی ہے۔ اور جملہ **ینظرون** ان کی خبر ثانی بھی ہو سکتا ہے۔ **تعرف** فعل اپنے فاعل مخاطب، متعلق فی وجوہہم اور مفعول بہ **نصرة النعیم** (مرکب اضافی) سے کل جملہ فعلیہ **ینظرون** کی ضمیر سے حال یا ان کی تیسری خبر (اگر **ینظرون** پر وقف نہ کریں) ورنہ تو جملہ مستانفہ اور **فما یكون شانهم** سوال مقدر ہوگا۔ **یسفون** اپنے نائب فاعل، ضمیر متعلق **من رحیق مختوم**



سے مل کر جملہ فعلیہ نَصْرَةَ النَّعِيمِ کا بیان ہے (اگر النعیم پر وقف نہ کریں) ورنہ تَعْرِفَ کے مثل ہے۔ خَتَمَهُ مبتدا امسک خبر۔ یہ جملہ اسمیہ رَحِیق کی صفت ثانیہ ہے۔ فِی ذٰلِکَ فعل یَتَنَافَسُ کے متعلق ہے اور تقدیم برائے تخصیص ہے) اور فَاءِ تَفْرِیْعِیَہ ہے۔ الْمَتَنَافَسُونَ فاعل جملہ فعلیہ۔ مُزَاجَہ مبتدا (۲) ضمیر رَحِیق کی طرف راجع ہے) مَنْ تَسْلِمُ خبر ہے اور مِنْ تَبْعِیَہ یا ابتدائیہ ہے عیناً منصوب علی المدح ہے۔ یا تسلیم سے حال ہے (کیونکہ وہ بمنزلہ مفعول ہے) یُشْرِبُ اپنے متعلق اور فاعل سے (بالترتیب) مل کر جملہ فعلیہ نعت ہوگا عیناً کی۔ تفسیر:..... ان الابرار الخ سابقہ آیات میں مرنے کے بعد سے دوسرے صور کے پھونکے جانے تک کے حالات (عالم برزخ) کا ذکر تھا۔ یہاں تک عالم آخرت کے احوال کا بیان ہے۔ یا سابق میں اعمال ناموں کا ذکر تھا ان آیات میں نامہ اعمال والوں کا تذکرہ ہے کہ ان کو عالم آخرت میں کیا کیا عطا ہوگا۔

لَفْظِ نَعِيمٍ ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے اور عَلٰی الْاَرَآئِکَ میں اہل جنت کی عظمت و شوکت کا بیان ہے۔ دنیا میں اپنی آرام گاہ یا تخت سلطنت پر رہتے ہوئے انسان دنیا کے نظاروں سے محروم رہتا ہے۔ لیکن جنت مزین مسہریوں پر بیٹھ کر بھی سیر و سیاحت کا لطف اٹھائیں گے۔ وہ وہیں سے تمام نظاروں سے محفوظ ہوا کریں گے۔ یَنْظُرُونَ کا مفعول بہ محذوف ہے۔ اکثر مفسرین نے فرمایا کہ مطلب یہ کہ وہ اس عزت و عظمت کا مشاہدہ کرے گے کو ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے عطاء ہوئی ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اپنے دشمنوں کو عذاب دوزخ میں مبتلا دیکھنا مراد ہے۔ صاحب مظہر ہی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دیدار خداوندی مراد ہے۔ یعنی وہ اللہ کو دیکھیں گے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یَنْظُرُونَ کے مفعول کو تعین کیلئے حذف فرمایا گیا۔ یعنی وہ جو چاہیں گے اور جہاں چاہیں گے دیکھیں گے۔ تَعْرِفَ یعنی ان کے چہروں پر نعمتوں کی شادابی اور تازگی نظر آئے گی۔ ایک طرف تو ہر قسم کی راحتوں اور نعمتوں کی خوشی دوسری طرف دشمنوں (دوزخیوں) کی ذلت و بربادی کی مسرت نُورٌ عَلٰی نُورٍ ہوگی یَسْقُونَ مِنْ رَحِیقٍ..... یعنی ان کو جنت کی سفید اور صاف شفاف شراب پلائی جائے گی۔ جس میں دنیوی شراب کی طرح، بد بو، تلخی، بخار و درد سر، اور بے ہوشی و بدحواسی جیسے عیوب نہ ہوں گے۔ نہایت پر لطف ہوگی۔ اور ایسی مبتدل نہ ہوگی کہ ہر کس و ناکس کا ہاتھ اس پر پہنچے گا۔ بلکہ مہر زدہ ہوگی اور مہر بھی دنیوی مہر کی طرح مٹی وغیرہ کی نہ ہوگی۔ بلکہ مشک جنت کی مہر ہوگی۔ جس کی خوشبو اس شراب میں بھی بسی ہوگی۔ اور پینے والے کے دل و دماغ میں پینے سے پہلے ہی اسکی خوشبو نشاط پیدا کر دے گی۔

بعض مفسرین نے ختام کے معنی اخیر کے کئے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اخیر میں پینے والے کو اس میں مشک کی خوشبو محسوس ہوگی۔ یا پینے والے کے منہ سے مشک کی خوشبو مہکے گی۔ ممکن ہے کہ اس شراب کے بعد پینے والوں کو کوئی فرحت بخش اور خوشبودار چیز کھانے کے لئے دی جائے جس کو مشک سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسا کہ دنیا میں کھانا کھانے یا چائے وغیرہ پینے کے بعد لالچگی اور پان وغیرہ کھاتے ہیں۔ اور انہیں چیزوں کو کھانے پینے کا ختام سمجھا جاتا ہے۔

وَفِیْ ذٰلِکَ فَلِیْتَنَافَسِ الْمَتَنَافَسُونَ۔ تنافس کے معنی چند آدمیوں کا کسی خاص مرغوب و محبوب چیز کو حاصل کرنے کے لئے جھپٹنا، دوڑنا، جن میں سے ہر ایک کا جذبہ یہ ہو کہ وہ اس چیز کو دوسروں سے پہلے حاصل کر لے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہوئے غافل انسانوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ تم دنیا میں جن چیزوں کو مرغوب و محبوب سمجھ کر ان کے حاصل کرنے میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہ چیزیں ناقص و فانی نعمتیں اس قابل

نہیں ہیں کہ ان کو مقصود زندگی بنا کر ان کیلئے مسابقت کرو۔ بلکہ اگر ایسا رو قناعت سے کام لے کر یہ سمجھ لو کہ یہ چند روز سامان راحت اگر نذر بھی حاصل ہو سکا تو کوئی خسارہ کی بات نہیں۔ البتہ تنافس اور مسابقت جنت کی ان باقی اور دائمی نعمتوں میں کرنا چاہیے جو ہر طرح کامل و مکمل ہیں۔ اور حقیقی عیش و نشاط، ابدی راحت و انبساط انہیں نعمتوں میں ہے جو جنت میں حاصل ہوگی۔ اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں۔

یہ کہاں کا فسانہ ہے سودزیاں جو گیا سو گیا، جو ملا سو ملا  
کہو ذہن سے فرصت عمر ہے کم جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

وَمُزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ..... قرآن پاک میں جا بجا نیک لوگوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک اصحاب الیمین کی جماعت دوسری السابقون کی جماعت۔ پھر بعض مقامات پر اصحاب الیمین کو ابرار سے اور سابقون کو مقررین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ اصحاب الیمین اور ابرار ایک جماعت کے دو نام ہیں۔ اسی طرح سابقین اور مقربین بھی ایک جماعت کے دو نام ہیں۔ پہلی جماعت میں صلحاء و شہدائے امت داخل ہیں دوسری میں صدیقین و انبیاء علیہم السلام داخل ہیں۔ اور اچھے لوگ انہی چار قسم کے ہیں (محبین، صدیقین، شہداء اور صالحین) جماعت ابرار کو پینے کیلئے حقیقی یعنی شفاف و خالص شراب دی جائے گی۔ اور مقررین کو نہر تسنیم سے سیراب کیا جائیگا۔ ہاں ابرار کی شراب میں نہر تسنیم کی شراب بھی ملائی جائیگی۔ تاکہ اس کا لطف دو بالا ہو سکے۔ جیسا کہ دنیا کی شراب میں لطف مزید کے لئے گلاب وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

نہر تسنیم: ..... تسنیم کے معنی بلندی کے ہیں ستم (س) سے ماخوذ ہے۔ بلندی ہی کی وجہ سے اونٹ کے کوہان کو سنام کہتے ہیں اس لغوی معنی کے لحاظ سے مفسرین کے تسنیم کے بارے میں چند اقوال ہیں: (۱) چشمہ تسنیم اوپر سے نیچے گرتا ہے ایسا چشمہ اس چشمہ کی بہ نسبت جو ہموار زمین پر بہتا ہے۔ زیادہ صاف اور پر لطف ہوتا ہے۔ (۲) وہ چشمہ فضائے جنت میں بہتا ہے۔ اس کے ارتقاع و بلندی سے اسکی لطافت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ (۳) اس کے بلند مرتبہ ہونے اور عالی مرتبت لوگوں کا مشروب ہونے کی وجہ سے اس کا نام تسنیم ہے۔ (۴) ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی حقیقت سے پروردگار عالم ہی واقف ہے۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ نہایت عمدہ و بے بہا نعمت ہے جو خاص طور پر مقررین کا مشروب بنے گی۔ عینا یشرّب بها المقربون یہ تسنیم کی تشریح ہے۔ عینا کا نصب امدح یا عنی مقدر کی بنا پر ہے یا تسنیم سے حال ہے۔ اور بہا بمعنی منہا ہے یا یشرّب یلذذ کے معنی کو متضمن ہے۔ جس کا صلہ باء آتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ (۲۹) وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَعَامَزُونَ (۳۰)

بے شک جو لوگ نافرمان تھے وہ ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے۔ اور جب وہ ان کے پاس سے گزرتے تو وہ آنکھیں مارتے تھے۔

إِنَّ	الَّذِينَ	أَجْرَمُوا	كَانُوا	مِنَ	الَّذِينَ	آمَنُوا	يَضْحَكُونَ	إِذَا	مَرُّوا	بِهِمْ	يَتَعَامَزُونَ
تحقیق	وہ لوگ جو	گنہگار ہیں	تھے	سے	ان لوگوں کے	ایمان لائے	ہنستے	اور	گزرتے تھے	ساتھ ان	آنکھیں مارتے تھے

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ (۳۱) وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ

اور جب لوٹ کر اپنے گھر جاتے تو دل لگی کرتے ہوئے لوٹتے۔ اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے کہ یقیناً یہ لوگ

و	إِذَا	انْقَلَبُوا	إِلَىٰ	أَهْلِهِمْ	انْقَلَبُوا	فَكِهِينَ	و	إِذَا	رَأَوْهُمْ	قَالُوا	إِنَّ هَٰؤُلَاءِ
اور	جب	پھر جاتے تھے	اپنی	گھر لوگوں کے	پھر جاتے تھے	بائیں ہاتھ	اور	جب	دیکھتے تھے	ان	کہتے تھے

لَصَّا لَوْنَ (۳۲) وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ خَفِظِينَ (۳۳) فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ

بنکے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ مسلمانوں کے غمراہ بنائیں کر بھیجے گئے۔ سو آج ایمان والے کافروں

لَصَّا لَوْنَ	و	مَا	أُرْسِلُوا	عَلَيْهِمْ	خَفِظِينَ	فَالْيَوْمَ	الَّذِينَ	آمَنُوا	مِنَ	الْكُفَّارِ
البتہ گمراہ	اور	نہیں	بھیجے گئے	ان پر	گنہگار	پس آج	وہ لوگ کہ	ایمان لائے ہیں	سے	کافروں

يَضْحَكُونَ (۳۴) عَلَى الْآرَائِكَ يَنْظُرُونَ (۳۵) هَلْ تُؤَبَّ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (۳۶)

پر ہنس رہے ہیں۔ درحالیکہ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے (ان کا حال) دیکھ رہے ہیں۔ کیا کافروں کا ان کی کرتوتوں کا بدلہ خوب مل گیا

يَضْحَكُونَ	عَلَى	الْآرَائِكَ	يَنْظُرُونَ	هَلْ	تُؤَبَّ	الْكُفَّارِ	مَا	كَانُوا	يَفْعَلُونَ
ہنستے ہیں	اوپر	آنکھوں	دیکھتے ہیں	کیا	بدلہ دیئے گئے	کافر	اس چیز	تھے	کرتے

## لغات:

يَضْحَكُونَ جمع مذکر غائب (س) ہنسنا، تعجب کرنا، خوش کرنا، ہونا، مروا ایضا (ن) گذرنا۔ يَتَغَامَزُونَ باب تفاعل سے جمع مذکر غائب۔ آنکھوں سے اشارہ کرنا۔ غمز غمزاً (ض) ٹٹولنا۔ ابرو سے اشارہ کرنا۔ عیب یا مرض کا ظاہر ہونا۔ طعنہ دینا وغیرہ۔ انقلبوا ایضا پلٹنا، واپس ہونا۔ قلب قلباً (ض) پلٹ دینا فکھین صیغہ جمع مذکر اسم فاعل۔ فکھہ فکھا وفکھا (س) خوش طبع (ہنسنے ہنسانے والا) تعجب کرنا، راحت پانا، توبہ واحد مذکر غائب مجہول تفعیل سے بدلہ دینا تاب ثوبا (ن) لوٹنا۔ جمع ہونا۔

## ترکیب:

الذین اسم موصول اپنے صلہ اجروا (جملہ فعلیہ) سے مل کر ان کا اسم کانو فعل ناقص ضمیر جمع غائب اسم یضحکون اپنے فاعل ضمیر غائب اور متعلق مقدم من الذین امنوا سے مل کر جملہ فعلیہ خبر ان (وقدم المعلق للقصص والرواۃ الفواصل) واذا مروا بهم فعل متعلق سے مل کر شرط (فعل مروا کی ضمیر الذین اجروا سے عائد ہے۔ اور ہم کی ضمیر الذین امنوا کی طرف راجع ہے اور اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ یتغامزون فعل فاعل جملہ فعلیہ جزا (اس کی ضمیر فاعل دونوں مذکورہ صورتوں میں الذین اجروا ہی کی طرف راجع ہے) جملہ شرطیہ جزائیہ ماقبل پر معطوف ہے۔ واذا انقلبوا الی اہلہم فعل فاعل (ضمیر غائب) اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ شرط انقلبوا (فعل ضمیر غائب فاعل فکھین ضمیر فاعل سے حال۔ جملہ فعلیہ جزا ماقبل پر عطف واذا راوہم فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ شرط قالوا فعل فاعل جملہ فعلیہ قول ان ہو لاء لصالون جملہ اسمیہ مقولہ جزا مثل سابق معطوف وحالیہ ما ارسلوا فعل مجہول مع نائب فاعل علیہم متعلق حفظین ارسلوا کی ضمیر سے حال ہے۔ جملہ فعلیہ حال ہے ضمیر قالوا سے۔ فالیوم فاء تفریغیہ الیوم اس یضحکون کا ظرف ہے جو بعد میں آ رہا ہے الذین امنوا اسم موصول وصلہ مبتدا یضحکون اپنے فاعل و ظرف مذکور اور متعلق مقدم من الکفار سے مل کر جملہ فعلیہ خبر۔ مبتدا و خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ علی الارائک جالیسن مقدر کے متعلق یضحکون کا حال اول ینظرون جملہ فعلیہ حال ثانی ہے۔ ہل

استفہامیہ ثوب فعل مجہول الکفار نائب فاعل ما کانو یفعلون جملہ فعلیہ مفعول ثانی۔ جملہ فعلیہ یظنون مذکور کی ضمیر سے حال ہے اگر یہ مقولہ مومنین ہے ای حال کو نہم قائلین لکفار هل جوزوا الخ اور اگر اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے مومنین کو تو وہ معطوف ہے ماسبق پر بخلاف العاطف ای یقول اللہ للمومنین یوم القیمۃ هل جوزوا الخ

تفسیر:

ان آیات کا ربط ماقبل کی آیات سے بالکل ظاہر ہے کہ ان میں ان نیک بندوں کے انجام و انعام کا ذکر تھا۔ جن کے اعمال نائے علیین میں تھے۔ اور ان میں ان کفار کے بد کا ذکر تھا جو اہل سبجین ہیں۔ چنانچہ اول ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق کے ساتھ اہل باطل کے طرز عمل کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ پھر ان کے طرز عمل کی سزا کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان مجرموں کا بنیادی جرم دنیا کی محبت اور اس پر فریفتگی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نہ صرف اطاعت حق سے غافل ہوئے بلکہ اطاعت کیش لوگوں پر ہنستے تھے اور ان کو اذیت پہنچانے کے لئے ان کا مذاق بناتے تھے۔ اور اہل ایمان ان کے سامنے سے گذرتے ہیں تو ایک دوسرے کو آنکھ کے اشارے کرتے تھے جس سے ان کا مقصد ایدارسانی و استہزا ہوتا ہے۔ پھر جب یہ کفار اپنے ٹھکانوں کی طرف واپس ہوتے تھے تو بھی ان کا مشغلہ مسلمانوں سے تمسخر کرنا اور مذاق اڑانا ہی ہوتا تھا۔ یا یہ معنی ہے کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں آخرت سے غافل رہ کر اٹھکھیلیاں ہی کرتے ہیں۔ اور با خدا لوگ مغوم و فکر مند رہتے ہیں۔ ان کو اٹھکھیلیوں کی فرصت کہاں ہوتی ہے۔

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں بہت آگے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں  
نہ چھیڑاے نکبت باد بہاری راہ الگ اپنی تجھے اٹھکھیاں سو جھی ہیں ہم بے زار بیٹھے ہیں  
اور جب کفار مومنین کو دیکھتے ہیں تو اظہار ہمدردی کے طور پر کہتے ہیں کہ یہ بے چارے سادہ لوح اور بے وقوف ہیں ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بہکا کر گمراہ کر دیا ہے۔ یہ آخرت کی نعمتوں کے چکر میں پڑ کر مصیبت میں ایسے پھنس گئے ہیں ان کی دنیا تلخ اور بدمزہ ہو کر رہ گئی ہے۔ دور حاضر میں نئی تعلیم کے شیدائیوں کا یہی طرز عمل بھی علماء و صلحاء کے ساتھ اسی انداز کا ہے۔ مگر اہل ایمان کیلئے ان آیات میں کافی تسلی کا سامان موجود ہے۔ اس لئے وہ مجرموں کے ہنسنے کی ہرگز پرواہ نہ کریں۔

تم تفسیر سورۃ التطغیہ فالحمد لله العلی اللطیف و صلی اللہ تعالیٰ علی البنی الامی الحنیف

و علی الہ وصحبہ و علی کل مومن قوی و ضعیف

سُورَةُ الْإِنْشِقَاقِ

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ اَيَّةٌ

(رکوع: ۱، آیات: ۲۵)، سورۃ الشقاق کہ میں نازل ہوئی اور اس میں پچیس آیات ہیں (کلمات: ۱۰۷، حروف: ۴۲۰)

رابط و مناسبت:

یہ سورۃ بالاتفاق مکہ کے ربط و مناسبت ہم ماقبل میں ذکر کر چکے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ انفطار میں اعمال ناموں کے لکھنے کا ذکر ہے اور سورۃ کا ذکر ہے۔ اور سورۃ مطففین میں عالم برزخ کے دفتر علیین اور بحین میں اعمال ناموں کی حفاظت کا ذکر ہے۔ اور اس سورت میں قیامت کے دن اعمال نامے ہاتھ میں دیئے جانے کا بیان ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو اس سورت میں جملہ مضامین سورت سابقہ کے تمام مضامین سے نہایت مربوط ہیں۔ مثلاً وہاں ویل للمطففین اور ویل للمکذبین ہے تو یہاں فملاقیہ ہے۔ وہاں اعمال ناموں کا ذکر ہے تو یہاں بھی ہے وہاں تکذیب کفار کا و اذا تسلىٰ میں ذکر ہے تو یہاں بھی و اذا قرى الخ میں تکذیب کفار ہی کا ذکر ہے۔ وہاں لصا لوالجحیم ہے تو یہاں یصلیٰ سعیرا ہے وہاں اہل نجات کی نصرت و نعمت وغیرہ کا ذکر ہے تو یہاں بھی ان کی مسرت کا بیان ہے وغیرہ۔ اگر غور کیا جائے تو پورے قرآن مقدس میں سابق و لاحق میں اسی انداز کا ربط ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان بے حد رحم والا ہے

إِذَا السَّمَاءُ (١) وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (٢) وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ (٣)

جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور اس کو یہی زیبا ہے۔ اور جب زمین کھینچ دی جائے گی۔

اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ اور پھٹ جائے	وَ اَنذَنْتُ کان رکھے	وَاَزْبَهَا واسطے پروردگار اپنے	وَاَوَّلَ لَيْلٍ دوا کی لائے ہے	وَ اَوْ اور	اِذَا الْاَرْضُ زمین جب	مَدَتْ کھینچی جائے
--	--------------------------	------------------------------------	------------------------------------	----------------	----------------------------	-----------------------

وَأَلَقْتُ مَا فِيهَا وَتَخَلَّصْتُ (٤) وَأَذِنْتُ لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ (٥) يَأْيُهَا الْإِنْسَانُ

اور وہ اپنے اندر کی چیزوں کو باہر ڈال دے گی۔ اور اپنے رب کا حکم سن لے گی اور اس کو یہی لائق ہے، اے انسان

و القت	و ما	و فيها	و تخلت	و ادنت	و لربها	و حقت	و يا ايها	و الانسان
اور	اور	اور	اور	اور	اور	اور	اور	اور
ڈال دے	جو کچھ	میں اس	خالی ہو جائے	کان رکھے	واسطے پروردگار اپنے	وہ اسے لائق ہے	اے	آدمی

إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًّا حَافِئًا مَلَقِيهِ (٦)

تو کھٹا کھٹا اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے پس تو اس سے جا ملے گا۔

انٹ تحقیق تو	سجاد ح	الہی	ریٹ	کد	فملیقہ
منت کر نیوالا	طرف	پروردگار اسے	خوب محنت کرنا	پس ملنے والا اس	

## لغات:

اذنست واحد مونث غائب ماضی اذن اذنا (س) سنا، کان لگانا، هکت ایضاً مجہول (وہ ثابت کی گئی وہ اسی لائق ہے) اسی لائق بنائی گئی۔ حق حقاً وحقہ (نض) ثابت ہونا، واجب ہونا۔ مُدَّتْ ایضاً مُدَمَّداً (ن) کھینچنا، پھیلاتا، دراز کرنا قلم میں روشنائی لینا وغیرہ۔ اَلْقَتْ ایضاً باب افعال سے۔ ڈال دینا (س) ملنا، ملاقات کرنا۔ تَخَلَّتْ ایضاً تفعّل سے۔ تنہائی میں رہنا، فارغ ہونا، چھوڑنا۔ خَلَا خُلُوا و خَلَاءً (ن) خالی ہونا بس کرنا۔ کَادَح واحد مذکر اسم فاعل کدحاً مصدر (ف) محنت کرنا، لکائی کرنا، مشقت اٹھانا، ملقبہ واحد مذکر اسم فاعل ضمیر۔ ملاقات مصدر باب مفاعلة ملاقات کرنا۔

## ترکیب:

اذا السماء انشقت سورۃ انفطار و تکویر کے شروع میں اس جیسی ترکیب گذر گئی۔ اذنت فعل ضمیر فاعل لربها (ای لا مربها) متعلق جملہ فعلیہ ماقبل کا معطوف و هکت جملہ فعلیہ معترضہ۔ افعال ثلاثہ مذکورہ کی ضمیر السماء کی طرف لوٹتی ہے۔ واذا الارض مدت مثل سابق۔ والقت فعل ضمیر فاعل ما موصولہ یا موصوفہ فیہا متعلق مخدوف مثبت یا ثابتا کے ہو کر صلہ یا صفت۔ موصول وصلہ یا مرکب توصیفی مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ اپنے سے پہلے جملہ کا معطوف و تحلت جملہ فعلیہ معطوف و اذنت لربها جملہ فعلیہ معطوف و هکت مثل سابق جملہ معترضہ۔ مذکورہ پانچوں افعال کی ضمیر الارض کی طرف عائد ہے۔ اور اذا الارض الخ کا اذا السماء الخ پر عطف۔ معطوفین شرط اور جواب شرط مخدوف ای علمت نفس ما قدمت و اخرت او ما احضرت۔ او یکون ما یکون اولاً فی الانسان عمله او فملاقہ (ای فانت ایہا الانسان ملاق جزاء عملک ان خیر ا فخیر وان شرافشر) و انقسم الانسان الى قسمین قسم فی الجنة و قسم فی العسیر۔ او فاما من اه او فبقول اللہ یا یہا الانسان اه وغیرہ احتمالات مذکورہ میں سے کوئی یا ان کے علاوہ جواب شرط مقدر مان لیں۔ یا یہا الانسان ندا۔ (مرثلہ فی الانفطار) انک کا دح الخ جملہ جواب ندا ہے۔ الی ربک کا دح کے متعلق کدحاً مفعول مطلق ہے۔ ف تفریغیہ ملقبہ مرکب اضافی۔ اس میں ضمیر کدحاً کی طرف لوٹتی ہے۔ یا ربک کی طرف) خبر مبتدا مخدوف انت کی۔

## تفسیر:

اس سورت میں احوال قیامت، حساب کتاب، جزا و سزا کا ذکر ہے۔ اور غافل انسان کو اپنے گرد و پیش کے حالات میں غور کرنے کی دعوت نیز ان سے عبرت حاصل کر کے ایمان باللہ و ایمان بالقرآن تک پہنچنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ ان مذکورہ آیات میں قیامت کے دن پیش آنے والے حادثات کو بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی آسمان کا بامر خداوندی پھٹ جانا، زمین کے اوپر سب چیزیں پہاڑ وغیرہ ہٹ کر زمین کا ہموار میدان اور وسیع ہو جانا اور خزان و دفائن یا مردہ اجسام انسانی کو اگل دینا وغیرہ۔ یہ بیان دوسری سورتوں میں مختلف عنوانات سے مذکور ہے یہاں پر و اذنت لربها و حققت کا اضافہ ہے یعنی آسمان اور زمین حکم خداوندی کو سن کر اسکی اطاعت کریں گے۔ اور ان کو ایسا کرنا مناسب بھی ہے۔ کہ وہ حکم کی تعمیل کریں کیونکہ وہ ممکن ہیں اور اپنے وجود و بقاء میں اس کے محتاج ہیں۔ ان کے باوجود و بقاء اس کے نزدیک دونوں یکساں ہیں۔ وہ جب چاہے ان کو نیست نابود کر دے۔

## احکام خداوندی کی دو قسمیں:

احکام الہیہ دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) تشریحی (۲) تکوینی۔ تشریحی احکام تو شرعی قوانین ہیں۔ جن کے ذوی العقول یعنی جن و انس مکلف ہوتے ہیں ان کی تعمیل پر جزا اور خلاف ورزی پر سزا مرتب ہوتی ہے۔ مگر مکلفین کرنے نہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتے۔ ان کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ تعمیل کرے یا خلاف ورزی۔ یہیں سے جن و انس کی دو قسمیں مومن و مطیع اور کافر و عاصی نکل آتی ہیں۔ اور تکوینی احکام کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان میں مامورین کو اختیار بالکل نہیں ہوتا۔ بلکہ سرموکی کو خلاف ورزی کرنے یا دم مارنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ان کی تعمیل تمام مخلوقات پر جبری ہوتی ہے ان احکام تکوینی کا دوسرا نام تقدیر یا احکام تقدیری بھی ہے۔

ذره ذرہ دہر کا پابستہء تقدیر ہے      زندگی کے خواب کی جامی تقدیری بھی ہے

اب یہ سمجھئے کہ زمین و آسمان کے سننے اور ماننے میں دونوں باتیں محتمل ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ ان کو شعور و ادراک عطا فرما کر مکلف بنادیں اور ان کو تبدیل و تغیر کا حکم دیں۔ اور وہ پورے طور پر مطیع و فرمانبردار ثابت ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حکم تکوینی جو جس میں آسمان و زمین مجبور محض ہوں۔ لیکن اول معنی الفاظ اذنت اور حقت کے زیادہ مناسب ہیں۔ اور دوسرے معنی بطور درست ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

## انقلاب کی وجوہات:

(۱) محشر کے لئے ایک نئی وسیع و عریض زمین تیار ہوگی جس پر نہ کوئی عمارت ہوگی نہ کوئی غار، پہاڑ اور نشیب و فراز۔ اور دنیا کا دستور ہے کہ تعمیر کے لئے تخریب ضروری ہے۔ اس لئے اس عالم کی پرانی عمارت کو ختم کر دیا جائے گا۔ پھر دوسرے عالم (حشر) کی تعمیر ہوگی (۲) ایسے دلائل عقلیہ و نقلیہ امکان قیامت و ثبوت قیامت پر موجود ہیں کہ وہ ایک مشاہدہ شہی کی طرح ہے۔ اور جب ایسا ہے تو عبرت و نصیحت اور معرفت قدرت خداوندی کا یہ ایک عظیم باب ہے۔ فافہم (۳) اہل ایمان اس جہاں کے مہمان ہیں۔ جب مہمان چلے گئے دسترخوان لپیٹ دیا جاتا ہے اہل ایمان کے ایک عرصہ تک رہنے کا مکان یہ دنیا ہے (کفار تو ان کے طفیل میں رہتے ہیں) ظاہر ہے کہ جب مکین نہ رہے گا تو مکان ویران ہو جائے گا اور پھر ختم ہو جائیگا۔ (۴) علویات (سورج ستارے وغیرہ) کی پرستش کرنے والوں اور سفلیات (اشجار و اجار وغیرہ) کے پجاریوں پر ان کے معبودوں کے بے بسی و مجبوری کا اظہار ہوگا۔ تاکہ ان کو حماقت و بے عقلی پر ندامت و شرمندگی ہو۔

و حقت یعنی آسمان کے لئے حکم کی اطاعت ہی حق اور لائق ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ ممکن ہے اور ممکن واجب و مرجع بن کر مشیت کے تابع ہوتا ہے اس لئے واجب کی اطاعت کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ یہی مطلب ثانی حقت کا ہے اور چونکہ اول سے آسمان کی اطاعت کا اظہار مقصود ہے۔ اور ثانی سے زمین کی اطاعت کا۔ اس لئے تکرار لازم نہ آئیگا۔

تنبیہ:..... انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ایک جسم دوسری چیز روح ہے۔ انسان کی روحانیت جو ہر آسمان سے مناسبت و مشابہت رکھتی ہے یعنی جس طرح آسمان محفوظ چھت ہے (و جعلنا السماء سقفا محفوظا) قیامت تک اس میں کوئی تغیر نہ ہوگا۔ اسی طرح روح بھی محفوظ و غیر فانی ہے۔ اسی طرح وہ آسمانی شئی ہے وہیں سے آتی

ہے اور اس کی ضروریات بھی آسمان سے آتی ہیں۔ کیونکہ روح امربہ ہے۔ اور اوامر خداوندی سے (جن کا نزول آسمانوں سے ہوتا ہے) اس روح کی تربیت و پرورش ہوتی ہے۔ اسی طرح جسم خاک سے برآمد ہوا ہے۔ اس کی غذا و ضروریات بھی وہیں سے آتی ہیں۔ باری تعالیٰ نے آسمان و زمین کے متعلق فرمایا کہ وہ ہمارا حکم سن کر اس کی اطاعت کریں گے۔ واذنت لربها وحقت معلوم ہوا کہ انسان کی روح اور اسکے جسم کا فطری تقاضا یہ ہے کہ امر رب کو سن کر اس کی اطاعت کریں۔ مگر افسوس کے زمین و آسمان تو بایں کمال قوت و عظمت امر سن کر اطاعت کیلئے آمادہ ہیں۔ اور انسان باوجود ضعف و کمزوری نہ حکم رب سننے کے لئے تیار ہے نہ ماننے کے لئے آمادہ ہے۔

واذا الارض مدت۔ چونکہ بروز حشر زمین پر ساتوں آسمانوں کے فرشتے، حاملان عرش، دیگر تمام مخلوقات اور جن و انس اور اولین آخرین سب جمع ہوں گے۔ اسلئے زمین کو کھینچنے کر وسیع کیا جائیگا۔ دوسری وجہ اس کو کھینچنے کی یہ بھی ہوگی کہ بلندی و پستی، پہاڑ اور غار سب ہموار ہو جائیں گے۔ اونچا نیچا نہ رہے اور کوئی آڑ باقی نہ رہے۔ جیسے بچھونے اور فرش کو کھینچنے سے عموماً یہی دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک وسعت و فراخی دوسرے ہمواری و برابری۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین کو اسی طرح کھینچ کر پھیلا یا جائیگا جس طرح چمڑے (یا ربڑ) کو کھینچ کر بڑھایا جاتا ہے۔ مگر وسیع کر دینے کے باوجود میدان حشر (جو اس زمین پر ہوگا اور اس میں اولین و آخرین سب جمع ہوں گے اس) میں ایک آدمی کے حصہ میں صرف اتنی جگہ ہوگی کہ اس پر اس کے پاؤں رہیں۔ (رواہ الحاکم بسند جید مظہری)۔

والقت ما فیہا وتخلت۔ ما فیہا سے مراد دھنیں، خزینے، مردے اور معادن ہیں۔ ایک بھونچال سے یہ سب چیزیں زمین سے باہر آ پڑیں گی۔ کما قال تعالیٰ اذا زلزلت الارض الخ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اذا السماء انشقت کی تفسیر میں فرمایا کہ زمین پھٹنے پر سب سے پہلے جو شخص اس سے نکلے گا وہ میں ہوں گا۔ میں اپنی قبر میں (اٹھ کر) بیٹھ جاؤں گا میرے سر سے آسمان تک ایک دروازہ کھل جائے گا اور عرش تک مجھ کو دکھائی دے گا۔ پھر میرے نیچے کی جانب ایک دروازہ کھولا جائے گا کہ ساتویں زمین تک مجھ کو نظر آجائے گی۔ اور تری تک میں دیکھ لوں گا۔ پھر دائیں طرف ایک دروازہ کھولا جائے گا کہ میں جنت دیکھ لوں گا اور مجھ کو اپنے ساتھیوں کے مکانات نظر آجائیں گے اور مجھ سمیت زمین ہلنے لگے گی تو میں کہوں گا اے زمین تجھے کیا ہو گیا؟ زمین جواب دے گی کہ میرے مالک نے حکم دیا ہے کہ میرے اندر جو کچھ بھی ہے کہ اسے باہر پھینک دوں اور خالی ہو جاؤں لہذا جیسے پہلے (خالی) تھی ایسی ہو جاؤں گی اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ والقت ما فیہا وتخلت (رواہ ابو القاسم النخعی فی الدیبا ج بسند جید)

ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں آیت والقت الخ کے بارے میں ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ زمین سونے کے ستون (باہر پھینک دے گی) یعنی زمین میں جو خزانے مدفون ہوں گے۔ ان کو زمین باہر پھینک دے گی۔ انہی کی ایک اور روایت سے معلوم ہوا کہ ما فیہا کا مصداق مردہ اجسام ہیں (مظہری) اور آیت کو عموماً پرکھنا اولیٰ ہے۔ یا یہاں انسان مخاطب انسان کون ہے؟ اس میں مفسرین کے کئی قول ہیں (۱) فرد کامل یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم (۲) فرد ناقص۔ یعنی انسان کافر (۳) مطلق انسان (۴) تمام انسانوں کو خطاب ہے۔ اخیر معنی زیادہ چسپاں ہیں احتمالات زیادہ درست ہیں۔ اور ہر اک احتمال پر ادنیٰ غور سے مطلب واضح ہو جائیگا۔



آج جو کچھ بوئے گا کالے گاکل:

اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو خطاب فرما کر غور و فکر کی ایسی راہ دکھائی ہے کہ ادنی عقل و شعور رکھنے والا انسان بھی اپنی جدوجہد کا رخ صحیح سمت کی طرف پھیر سکتا ہے۔ اس آیت شریفہ میں چند امور قابل غور ہیں۔ (۱) اس میں ایک بات تو یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ ہر نیک اور بد انسان اپنی فطرت سے محنت کا عادی ہے کہ وہ کسی چیز کو اپنے مقصد قرار دے کر اسکے لئے جدوجہد اور محنت برداشت کرتا ہے۔ اگر ایک نیک اور شریف آدمی اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لئے فطری طریقوں کو اختیار کرتا ہے۔ تو ایک بدکار انسان بھی اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے اپنی توانائی صرف کرتا ہے۔ خواہ وہ غیر فطری اور ناجائز طریقوں کو اختیار کرتا ہے۔ جیسے چور، ڈاکو، بد معاش، لوٹ کھسوٹ میں مہنی و جسمانی زبردست محنت کرتے ہیں۔ انکے کساد ح میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (۲) دوسری بات یہ بتلائی گئی ہے کہ عاقل انسان اگر غور کرے تو اس کی حرکات و سکنات بلکہ اس کی سانسیں وہ قدم ہیں جن سے وہ سفر کر رہا ہے یا شب روز اسی سواری کے دو پہیے ہیں جن پر یہ بے اختیار اپنا سفر طے کر رہا ہے۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا سفر کی منزلیں ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ہر انسان تیز گامی کے ساتھ بارگاہ خداوندی کی طرف جا رہا ہے۔ اسی ریک میں اسی کا بیان ہے۔ (۳) آیت میں اسی طرف بھی اشارہ ہے کہ بارگاہ الہی میں حاضری ہوگی اور ہر جدوجہد و محنت کا حساب اور سزا یا جزا ضرور سامنے آئے گی۔ تاکہ اچھے برے اعمال کے نتائج رونما ہو کر عدل و فضل کا مشاہدہ ہو جائے۔ جو عقل و انصاف کی رو سے ضروری ہے۔ (۴) آسمان وزمین اس کے باوجود کہ وہ گراں اور سخت ہیں۔ اور محنت و جدوجہد ان کی فطرت نہیں۔ نیز ثواب و عذاب سے انہیں کوئی سروکار نہیں اللہ کے مطیع ہیں۔ اور اے انسان تیری فطرت میں جدوجہد بھی ہے اور تیرے لئے ثواب و عذاب بھی ہے تو تجھ کو بدرجہ اولی اللہ کے احکام سن کر اللہ کا مطیع و فرمانبردار ہونا چاہیے۔

فملقبہ اس کی ضمیر کدحا کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ تو معنی یہ ہونگے کہ اے انسان آج تو جو محنت و جدوجہد کر رہا ہے اپنے رب کے پاس پہنچ کر تو اسی کا بدلہ اور پھل پائیگا۔ اکسین دوسرا احتمال یہ ہے کہ رب کی طرف لوٹائی جائے تو معنی یہ ہونگے کہ اے انسان تو اپنے رب سے جا ملے گا۔ اور اسکی بارگاہ میں حساب کتاب کے لئے پیش ہوگا۔

فَمَا مِّنْ أُوتَىٰ كِتَابَةٍ يَّمِينِهِ (۷) فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيرًا (۸) وَ يَنْقَلِبُ إِلَىٰ

پھر جس کا نامہ اعمال اسکے دہانے ہاتھ پر دیا جائیگا۔ تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ اور وہ

فَمَا	مِّنْ	أُوتَىٰ	كِتَابَةٍ	يَّمِينِهِ	فَسَوْفَ	يُحَاسَبُ	حِسَابًا	يَّسِيرًا	وَّ	يَنْقَلِبُ	إِلَىٰ
پس امیر	جو کوئی	دیا گیا	اعمال نامہ	بچ دہانہ ہاتھ اپنے	پس عقرب	حساب کیا جائیگا	حساب کرنا	آسان	اور	پھر آئیگا	طرف

أَهْلِهِ مَسْرُورًا (۹) وَأَمَّا مِّنْ أُوتَىٰ كِتَابَةٍ وَرَأَىٰ ظَهْرَهُ (۱۰) فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا (۱۱)

متعلقین کی طرف خوش و خرم واپس آئیگا اور جس شخص کا اعمال نامہ اسکی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائیگا تو وہ موت کو پکاریگا

أَهْلِهِ	مَسْرُورًا	وَّ	أَمَّا	مِّنْ	أُوتَىٰ	كِتَابَةٍ	وَرَأَىٰ	ظَهْرَهُ	فَسَوْفَ	يَدْعُوا	ثُبُورًا
لوگوں اپنے	خوش	اور	امیر	جو کوئی	دیا گیا	اعمال نامہ اپنا	پیچھے	پیٹھ اپنی	پس البتہ	پکارے گا	ہلائی

وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا (۱۲) إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا (۱۳) إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحْضُرَ (۱۴)  
اور دوزخ میں جائیگا کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال میں بے فکر رہتا تھا۔ بے شک اس نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ وہ واپس نہ ہوگا۔

وَيَصْلَىٰ	سَعِيرًا	إِنَّهُ	كَانَ	فِي	أَهْلِهِ	مَسْرُورًا	إِنَّهُ	ظَنَّ	أَنْ	لَنْ	يَحْضُرَ
اور داخل ہوگا	آگ	پیشک وہ	تھا	میں	اپنے اہل	خوش و خرم	پیشک اس	گمان کیا	کہ	ہرگز نہ لوئے گا	

بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا (۱۵)

کیوں نہیں ہوگا۔ یقیناً اس کا رب اس کو خوب دیکھ رہا تھا۔

بَلَىٰ	إِنَّ رَبَّهُ	كَانَ	بِهِ	بَصِيرًا
یوں نہیں	حقیق اس کا رب	تھا	اسکو	دیکھنے والا

لغات:

یحاسب واحد مذکر غائب مضارع مجہول۔ باب مفاعلة سے حساب لینا۔ حسابات کی جانچ کرنا۔ باب مفاعلة مغالبہ یعنی شرکت کے لئے آتا ہے۔ اور جہاں مغالبہ مراد ہوتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ مجرد میں (ن) سے شمار کرنا (س)، (ح) گمان کرنا (ک) شریف الاصل ہونا۔ یسیر آسان یسیرا (ض) نرم ہونا، مطیع ہونا، مسرور اور واحد مذکر اسم مفعول (ن) خوش کرنا۔ ظہر پیٹھ۔ ج اظہر و ظہور و ظہران۔ ظہر ظہارۃ (ن) مضبوط پیٹھ والا ہونا۔ ظہرا (س) پیٹھ میں شکایت ہونا۔ ظہورا (ف) ظاہر ہونا۔ ثبور ہلاکت، موت، ثبور ہلاک کرنا، دھتکارنا، محروم کرنا، لعنت کرنا، یحور (ن) لوٹنا (س) العین سفیدی و سیاہی کا بہت سفید و سیاہ ہونا۔

ترکیب:

فاما من اولیٰ کتبہ بمیینہ (مثلاً مرنی الحاکمۃ) جزائیہ۔ سوف یحاسب اپنے نائب فاصل ضمیر غائب حسابا یسرا (مرکب توصیفی) مفعول مطلق سے مل کر فعلیہ خبر مبتدائے مذکور (من معہ صلہ) قائم مقام جزا۔ وینقلب فعل ضمیر غائب فاعل الی اہلہ متعلق مسرورا ضمیر فاعل سے حال۔ جملہ فعلیہ جملہ یحاسب پر معطوف ورا ظہرہ مرکب اضافی او تسی کا ظرف۔ جملہ فعلیہ من کا صلہ۔ موصول وصلہ ماقبل کی طرح مبتدا قائم مقام شرط۔ فسوف یدعو الثبورا فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ ویصلی سعیرا فعل فاعل مفعول فیہ۔ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین ماقبل کی طرح خبر قائم مقام جزا۔ انہ کان فی اہلہ مسرورا مثل ماقبل جملہ فعلیہ خبر ان پھر یہ جملہ اسمیہ متانفہ علت ماقبل بیان کرنے کے لئے ہے۔ انہ حرف مشبہ بہ فعل معہ اسم ظن فعل ضمیر غائب فاعل ان مخففہ من المتقللہ واسمہ محذوف یعنی ضمیر الشان لن یحور فعل ضمیر غائب فاعل جملہ فعلیہ خبر ان۔ جملہ اسمیہ ظن کے دو مفعولوں کے قائم مقام۔ جملہ ظن خبر ان۔ اور یہ جملہ اسمیہ بھی ہے استینافیہ تعلیلیہ ہے۔ بلئی نفی ماقبل کے ایجاب کے لئے ہے ان کا اسم رب ہے کان اپنے اسم ضمیر رب کی طرف راجع بہ متعلق اور بصیرا خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر۔ ان اپنے اسم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ رجوع کو ثابت کرنے کی علت ہے۔ ای بلی یحود الیہ البتہ والحدود الرجوع مطلقاً ومنہ قول الشاعر

وما المرء الا کالشہاب وضوئہ یحور ما دابعد ذہو سا طع

تفسیر:

فَأَمَّا مَنْ اس میں مومنوں کا حال بیان فرمایا گیا ہے کہ ان کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ اور ان سے آسان حساب ہوگا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حساب بیکر کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حساب بیکر یہ ہے کہ بندہ کو اس کا اعمال نامہ دکھا دیں گے۔ اور آئے گی۔ اے میرے مسلمان بندے جو تو نے عبادت کی میں نے قبول کر لی۔ اور جو تجھ سے خطا سرزد ہوئی وہ میں نے درگزر کر دی۔ اور جس سے پوچھ گچھ ہوگی اس کو عذاب دیا جائے گا۔ (کیونکہ بندہ گناہ کا کوئی عذر پیش نہ کر سکے گا) بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حوسب يوم القيمة عذب یعنی قیامت کے دن جس سے حساب لیا جائے گا وہ عذاب سے نہ بچ سکے گا۔ اس پر حضرت صدیقہؓ نے سوال کیا کہ کیا قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے فسوف يحاسب حسابا يسيرا پھر حساب نہیں کے لئے عذاب کس طرح لازم ہے) آپ نے ارشاد فرمایا (کہ جس کا ذکر آیت میں ہے وہ درحقیقت مکمل حساب نہ ہوگا بلکہ (وہ تو صرف ایک پیشی ہو گی۔ اور جس سے پورا پورا حساب لیا جائے گا وہ عذاب سے بچ نہ سکے گا۔

وينقلب الى اهله مسرورا کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ یا تو گھر والوں سے مراد جنت کی حوریں اور بیویاں ہیں جو وہاں جنتی کی اہل خانہ ہوں گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا میں جو اس کے اہل و عیال تھے تو آدمی میدان حشر میں حساب میں کامیابی کے بعد اپنی سجات اور اپنی کامیابی کی خوشخبری سنانے کے لئے ان کے پاس پہنچے گا۔

واما من اوتى كتبه وراء ظهره الخ اس آیت میں کفار و فجار کا حال کیا گیا ہے کہ ان کے اعمال نامے کے کمر کے پیچھے سے دیئے جائیں گے۔ تو وہ اپنی موت اور ہلاکت کو پکاریں گے۔ اور جہنم رسید ہو جائیں گے۔

سوال: ..... سورۃ الحاقہ وغیرہ میں بشہ مالہ ہے اور یہاں وراء ظهرہ ہے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ جواب: ..... قیامت کے دن آدمیوں کی تین قسمیں ہوں گی (۱) اہل نجات۔ ان کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں ملیں گے (۲) کفار جن کو دائمی عذاب ہوگا ان کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ (۳) فسا ق جو عذاب کے بعد نجات پائیں گے ان کے اعمال نامے پیٹھ کے پیچھے سے دیئے جائیں گے۔ یہ جواب جن مفسرین نے ذکر کیا ہے صحیح نہیں۔ قرآن وحدیث کے موافق نہیں۔ اور محض عقلی احتمال سے زائد اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کیونکہ اہل شمال و اہل ظہر کے بارے میں وعید یکساں وارد ہیں۔ بلکہ پشت کے پیچھے سے کافر کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ لہذا بائیں ہاتھ میں دیا جانا بھی اس کو کہہ سکتے ہیں اور پشت کے پیچھے سے بھی۔ کیونکہ مجرم زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوگا مشکلیں بندھی ہوں گی اس کا بایاں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے بندھا ہوا ہوگا۔ چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان کیا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ پشت کے پیچھے کر دیا جائے گا اور پشت کے پیچھے سے اسکے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ ابن السائب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کا بایاں ہاتھ موڑ کر سینہ کے اندر سے پشت کے پیچھے کو نکال دیا جائے گا۔

انه كان في اهله مسرورا یہ جملہ يد عواثیوراً کی علت ہے یعنی وہ آج بصد حسرت و یاس ہلاکت و موت کی تمنا اس لئے کریگا کہ دنیا میں وہ اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم اور مگن رہتا تھا آخرت سے بے فکر اور غافل رہتا تھا۔

اہل ایمان کے برخلاف کے ان کو دنیا کی زندگی میں کبھی بے فکری نہیں ہوتی۔ عیش و راحت میں بھی فکر آخرت دامن گیر رہتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ اَنَا كُنَّا فِي اَهْلِنَا مُشْفِقِينَ یعنی جنتی جنت میں کہیں گے کہ ہم تو اپنے اہل و عیال میں رہتے ہوئے بھی اپنے دلوں میں آخرت کا خوف رکھتے تھے۔ جب مومن کو حساب کا یقین ہے تو اس دنیا میں خوشی و مسرت اس سے کوسوں دور رہتی ہے۔

مراد منزل جاناں چ امن و عیش چوں ہر دم جس فریادار و کہ بر بندید محمدیہا  
اس چل چلاؤ کے عالم میں خوشی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

عشرت امروز بے اندیشہ فردا خوش است فکر شنبہ تلخ دار و جمعہ اطفال را  
آج فرصت کا دن ہے مگر مومن کو کل کی حاضری کا غم ہے۔ لہذا آخرت کا انجام دونوں کے حال کے مناسب ہوگا جن کو آخرت کا غم و فکر دنیا میں رہا تو ان کو وہاں عشرت و مسرت حاصل ہوگی۔ اور جو لوگ غم عقبی سے آزاد رہے وہ وہاں کی عیش و عشرت اور خوشی و راحت سے محروم ہو کر رنج و غم کی قید و بند میں رہیں گے۔ جو آج بے فکری میں بنے گا کل رنج و مصیبت میں پھنسے گا ﴿فَلْيَصْحَحْكُمْ اَقْلِيلًا وَلْيَنْكُحُوا كَثِيرًا﴾ اور غم آخرت میں جنے گا وہ عیش و عشرت میں ہمیشہ رہے گا یہاں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ بندہ میں دو غم (دینی و دنیوی) جمع نہ فرمائے گے۔

تنبیہ:..... یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ شرعاً وہی خوش مذموم ہے جو غفلت و آسودگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جس کا منشا حکم الہی، توفیق خداوندی اور عطائے ربانی ہو وہ محمود ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ہی پر خوش ہونا چاہئے) عیش و عشرت پر نہیں مغرور ہونا چاہئے ہاں خدا کے فضل پر مسرور ہونا چاہئے

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (۱۶) وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ (۱۷) وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ (۱۸) لَتَرْكُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (۱۹)

پھر میں قسم کھاتا ہوں شفق کی، رات کی اور ان چیزوں کی جن کو رات سمیٹ لیتی ہے اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے کہ تم لو ایک حالت سے دوسری حالت میں پہنچنا ہے

فَلَا أُقْسِمُ	بِالشَّفَقِ	وَاللَّيْلِ	وَمَا وَسَقَ	وَالْقَمَرِ	إِذَا	اتَّسَقَ	لَتَرْكُنَّ	طَبَقًا	عَنْ طَبَقٍ
سو قسم کھاتا ہوں	سرخ شام	بلشفق	ورائے	وَمَا	ورجہ	سمٹ آئی ہے	اور چاند	جب	دو پورا ہو جائے
تکثر و تکرار ہے	ایک حالت	طَبَقًا	عَنْ طَبَقٍ	سے ایک حالت					

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (۲۰) وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ (۲۱) بَلِ الَّذِينَ

تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے۔ اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو نہیں جھکتے۔ بلکہ یہ

فَمَا لَهُمْ	لَا يُؤْمِنُونَ	وَإِذَا	قُرِئَ	عَلَيْهِمُ	الْقُرْآنُ	لَا يَسْجُدُونَ	بَلِ	الَّذِينَ
سو کیا ہے	وہ ایمان لاتے	اور جب	پڑھا جاتا ہے	ان پر	قرآن	سجدہ نہیں کرتے	بلکہ	وہ لوگ کہ

كَفَرُوا يُكْذِبُونَ (۲۲) وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ (۲۳) فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۲۴)

کافر جھٹلاتے ہیں۔ اور اللہ کو غیب معلوم ہے کہ جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں تو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔

كَفَرُوا	يُكْذِبُونَ	وَاللَّهُ	أَعْلَمُ	بِمَا يُوعُونَ	فَبَشِّرْهُمْ	بِعَذَابٍ	أَلِيمٍ
کافر ہوئے	جھٹلاتے ہیں	اور اللہ	خوب جانتا	بمّا	دل میں رکھتے ہیں	سو خوشخبری دے	ان کو ایک دردناک عذاب

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (۲۵)

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو بے انتہا اجر ملے گا۔

اَلَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	لَهُمْ	اَجْرٌ	غَيْرُ مَمْنُوْنٍ
مگر	جو لوگ	ایمان لائے	اور	اچھے	ان کے لئے	بے انتہا ہونے والا

### لغات:

الشفق مصدر غروب آفتاب کے بعد افق آسمان کی سرخی یا سفیدی۔ راغب کہتے ہیں کہ سورج ڈوب جانے پر دن کی روشنی اور رات کی سیاہی کی باہمی آمیزش شفق ہے۔ یہ معنی سرخی و سفید دو دونوں کو شامل ہیں۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ یہ اضداد میں سے ہے۔ غروب آفتاب کے بعد کی سرخی کے لئے بھی مستعمل ہے جس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لیا ہے۔ اور اس سفیدی کے لئے بھی مستعمل ہے جو اس سرخی کے بعد مغربی افق پر آتی ہے۔ جس کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ الحاصل شفق کے بارے میں ائمہ اور سلف کا اختلاف رہا ہے۔ اور لغت عرب میں دونوں معنی میں مستعمل ہے۔ والتفصیل فی لغات القرآن ج ۳ ص ۲۹۱ شفق شفقاً (س) مہربان ہونا وسق واحد مذکر غائب ماضی (ض) سمیٹ کر جمع کرنا اتسق ایضاً پورا کرنا۔ جمع ہونا۔ بابہ افعال مادہ وسق۔ القمرواحد۔ تیسری تاریخ سے اخیر ماہ تک کا چاند۔ جمع اقمار پہلی دو یا تین تاریخوں کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔ (س) بہت سفید ہونا (ض) جوے میں غالب آنا۔ مال چھین لینا۔ لشر کبن صیغہ جمع مذکر حاضر مضارع بانون تاکید کو ب دُکُوْب (س) سوار ہونا۔ طبق طبقہ۔ درجہ۔ منزل، کھنڈ، حال، حالت مرفی سورہ الملک۔ یوعون جمع مذکر غائب مضارع۔ مصدر ایعاء (افعال) جمع کرنا۔ چھپانا۔ مجرد میں (ض) مرفی الحاقہ۔

### ترکیب:

فلا اقسم الخ مرثله غیر مرة۔ وَالْاَيْل عطف علی الشفق علی الاصح کما مر۔ وما وسق میں ما موصولہ ہے۔ اور وسق کی ضمیر الیل کی طرف راجع ہے۔ اور موصول کا عائد مخدوف ہے۔ ای وما وسقه اس جملہ کا عطف والیل پر ہے۔ والقمر اذا انسق والیل اذا عسعس کی طرح ہے لتر کبن فعل با فاعل طبقاً عن طبق ای حالاً مجاوزاً عن حال۔ طبقاً مفعول بہ اور عن طبق طبقاً کی صفت یا تر کبن کی ضمیر سے حال ہے۔ اور پورا جملہ جواب قسم ہے ف تفریعیہ ما استفہامیہ بمعنی ای شئنی مبتدا لهم فعل مخدوف ثبت کے متعلق۔ اور جملہ فعلیہ خبر۔ والضمیر المجرور فی لهم يعود الی لکفار۔ لایو منون جملہ فعلیہ ہم سے حال ہے لانہ فی حکم الفعول۔ واذا قرئ علیہم القرآن جملہ شرط اور لایسجدون جملہ فعلیہ جزاء اور جملہ شرطیہ حال کے محل میں ہے۔ بل اضرب عما سبق الذین اسم موصول اپنے صلہ کفروا (جملہ فعلیہ) سے مل کر مبتدا یکذبون جملہ فعلیہ خبر۔ واللہ اعلم اپنے متعلق بما یوعون سے مل کر خبر۔ بما میں ما موصولہ اور یوعون جملہ فعلیہ صلہ ہے۔ ف تعقیبیہ بشر فعل با فاعل ہم مفعول بہ بعد ذاب الیم متعلق اور لفظ بشارۃ بطور استہزاء ہے الاحرف استہزاء بمعنی لکن یعنی یہ استثناء منقطع ہے۔

اور اگر یہ معنی ہوں الا الذین امنوا وعملوا الصلحت منهم الخ تو متصل بھی ہو سکتا ہے۔ الذین اسم موصول امنوا جملہ فعلیہ معطوف علیہ وعملوا الصلحت فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین صلہ۔ موصول وصلہ مل کر مبتدا۔ لہم مخذوف کے متعلق ہو کر خبر مقدم (وقدم للتخصیص) اجز مبتدا غیر ممنون مرکب اضافی خبر جملہ اسمیہ۔ مبتدا مؤخر۔ متبداؤ خبر مل کر جملہ اسمیہ مستأنفہ۔

تفسیر:

فلا اقسم بالشفق الخ ان چار آیات میں باری تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسم کے ساتھ انسان کو پھر اس چیز کی طرف متوجہ کیا ہے جس کا ذکر اوپر انک کا ادح الی ربک میں آچکا ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہاں اجمال تھا یہاں کچھ تفصیل ہے وہاں جنس انسان کو خطاب تھا یہاں تمام افراد کو خطاب ہے وہاں بقائے عمل کا اجمالی بیان تھا، یہاں احوال موت، احوال برزخ احوال قیات اور جزا و سزا وغیرہ کی تفصیل ہے اور دینیوی احوال سے ان امور پر استدلال اور مشاہدات کے ذریعہ معرفت قدرت خداوندی کی طرف سے رہنمائی ہے۔

قسموں کی مضامین سے مناسبت:

اگر غور کیا جائے تو یہ چاروں چیزوں جن کی قسمیں کھائی گئی ہیں جواب قسم میں آنے والے مضمون پر شاہد ہیں۔ یعنی انسان ایک حال پر برقرار نہیں۔ بلکہ اس کے حالات و درجات ہمہ وقت بدلتے رہتے ہیں۔ پہلی چیز شفق ہے جو غروب آفتاب کے ساتھ نمایاں ہوتی ہیں۔ یہ رات کی ابتدا ہے جو انسانی حالات میں ایک بہت بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ہے کہ روشنی جا رہی ہے اور تاریکی کا سیلاب امنڈتا آ رہا ہے۔ اس کے بعد رات کی قسم ہے۔ جو اس انقلاب کی تکمیل کرتی ہے۔ اس کے بعد ان تمام چیزوں کی قسم ہے جن کو رات کی تاریکی اپنے اندرجع کر لیتی ہے۔

وسق کے معنی جمع کر لینے کہ ہیں۔ اس کے یہی عام معنی مراد لئے جائیں تو اس میں دنیا کی وہ تمام کائنات داخل ہے جو رات کی تاریکی میں چھپ جاتی ہے۔ یعنی حیوانات، نباتات، جمادات، پہاڑ اور دریا اس میں شامل ہیں۔ اور جمع کر لینے کی مناسبت سے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ چیزیں جو عادیۃً دن کی روشنی میں منتشر ہوئی رہتی ہیں۔ رات کے وقت وہ سب سمٹ کر اپنے اپنے ٹھکانوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ انسان اپنے گھروں میں، حیوانات اپنے تھلوں میں اور پرندے اپنے گھونسلے میں جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ نیز کاروبار کے اسباب اور سامانوں کو سمیٹ کر یکجا کر دیا جاتا ہے یہ ایک عظیم انقلاب خود انسان اور اس کے متعلقات اور دیگر مخلوقات میں مشاہد ہے۔ چوتھی چیز جس کی قسم کھائی گئی۔ والقمر اذا تسق ہے اتساق بھی وق سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کر لینے کے ہیں۔ اتساق سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی روشنی کو جمع یعنی پورا کر لے اور یہ چودھویں رات میں ہوتا ہے کہ چاند اس میں بالکل مکمل ہو جاتا ہے۔

اذا تسق کا لفظ چاند کے مختلف اطوار و حالات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ پہلے نہایت نحیف و ضعیف قوس کی شکل میں ہوتا ہے پھر اس کی روشنی بڑھتے رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بدر کامل (چودھویں کا چاند) ہو جاتا ہے۔ مسلسل اور منہم انقلابات احوال پر مشاہدات دیکھنے والی چار چیزوں کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے فرمایا لترکبن طبعنا

عن طبق یعنی اے بنی نوع انسان تم ایک مرتبہ سے دوسری مرتبہ پر ایک حالت سے دوسری حالت پر چڑھتے چلے جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ابتداء تخلیق سے انتہاء تک کسی وقت ایک حالت پر نہیں رہتا بلکہ اسکے وجود پر تدریجی انقلابات آتے ہی رہتے ہیں۔

وجود انسانی کے انقلابات اور آخری منزل تک اس کے طویل سفر کے حالات:

حضرت انسان نطفہ سے خون کی پھٹی پھر گوشت کی بوٹی بنا پھر اس میں ہڈیاں پیدا ہوئیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا اور اعضاء کی تکمیل ہوئی پھر اس میں روح ڈالی گئی۔ ایک خاص مدت کے بعد اللہ نے اس کے دنیا میں آنے کے لئے راستہ کھول دیا۔ اور یہاں گندے خون کے بدلے شفاف دودھ ملنے لگا۔ وہ دنیا کی وسیع فضاء میں بڑھنے اور پھلنے اور پھولنے لگا۔ دو برس کا ہوا تو چلنے پھرنے اور بولنے کی قوتیں بھی آگئیں۔ ماں کا دودھ موقوف ہو گیا تو اقسام و انواع کی عمدہ ولذیذ غذا اُمیں ملیں۔ لہو و لعب اس کا شب و روز کا مشغلہ بن گیا۔ کچھ شعور ہوا حواس بڑھے ہوش آیا تو تعلیم و تربیت کے شکنجے میں کسا گیا۔ جوانی کی منزل پر پہنچا تو پچھلے سب مشغلے غبارِ راہ کی طرح چھوٹ گئے۔ خواہشات کی بہاروں نے ان کی جگہ لے لی۔ ایک نیا عالم شروع ہوا بیاہ شادی خانہ آبادی ہو گئی۔ آزادی ختم ہو گئی۔ اولاد و متعلقین کے فکرات رات دن کا مشغلہ بن گئے۔

اسیر پنجہ عہد شباب کر کے مجھے کہاں گیا میرا بچپن خراب کر کے مجھے

یہ دور بھی چل بسا قوتیں گھٹنے لگیں، کمزوریوں، بیماریاں اور معذوروں نے گھیر لیا۔ بڑھاپا آ گیا۔ کمر جھک گئی۔

شباب ہاتھ سے جاتا رہا پتہ نہ چلا اسی کو ڈھونڈ رہا ہوں کمر جھکائے ہوئے

آہ پھر اس جہان کی آخری منزل (قبر) تک پہنچنے کے سامان ہونے لگے۔ یہ سب حالات سب کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ اس لئے کسی کو مجال انکار نہیں۔ مگر حقیقت سے نا آشنا انسان سمجھتا ہے کہ یہ موت اور قبر اس کی آخری منزل ہے آگے کچھ نہیں لیکن

سب کچھ کے بعد کچھ نہیں یہ تو کچھ نہیں

اس خالق کائنات اور علیم و خیر نے آگے آئیو الے مراحل سے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اس غافل انسان کو آگاہ و خبردار فرمایا ہے کہ اے غافل قبر تیری آخری منزل نہیں۔ بلکہ دنیا کی طرح یہ صرف ایک چند روزہ قیام گاہ ہے۔ اس کے آگے ایک بڑا جہان اور بھی ہے۔ جہاں ہمیشہ رہنا ہے جس کی منزلیں ایک زبردست امتحان کے بعد مقرر کی جائیں گی اور اس راحت و آرام یا مصائب و آلام کی آخری منزل میں پہنچ کر ہی انسان انقلابات کے چکر سے نکلے گا۔ اِنَّ الٰہی رَبَّنَا الرَّحْمٰنُ۔ وَاِنَّ الٰہی رَبَّنَا الْمُتَنَبِّہُ اور کما دَخَّ الٰہی رَبَّنَا جیسی آیات میں غفلت شعار انسان کو اسی حقیقت مذکورہ پر متنبہ فرمایا گیا ہے اس لئے انسان عاقل کا کام یہ ہے کہ وہ خود کو دنیا میں ایک مسافر سمجھے اور اپنے وطن اصلی کی فکر و تیاری میں لجامت زندگی بسر کرے اور ہر قدم منزل کی طرف کامیابی کے ساتھ بڑھاتا رہے۔ حدیث میں ہے کہ کس فی الدنیا کانک، غریب اور عاہو سبیل (دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی مسافر چند روز کیلئے کہیں ٹھہر گیا ہو یا کسی رہگذر میں چلتے چلتے کچھ دیر آرام کے لئے رک گیا ہو) طبقاً عن طبق کی تفسیر مذکور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوعہ میں بھی آئی ہے۔ جس کو قرطبی نے بحوالہ ابو نعیم اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم مفصل بیان کیا ہے۔

یہ قسمیں احوال بعد موت کی آئینہ دار ہیں :-

یہ چیزیں جنکی تم کھائی گئی ہے موت کے بعد والے حالات کی تصویر تفسیر ہیں (۱) غروب آفتاب کے بعد غروب شفق تک ایک درمیانی حالت ہوتی ہے۔ نہ تو دن کی طرح روشنی ہوتی ہے اور نہ پورے طور پر رات ہی آجاتی ہے۔ دن کے آثار بھی ہوتے ہیں اور رات کا سماں بھی۔ آفتاب زندگی غروب ہونے کے بعد ایک مدت تک روح انسانی کو دنیا سے مناسبت رہتی ہے اور دوسرے عالم سے بھی۔ اسی لئے مومن فرشتوں سے کہتا ہے کہ ذَعُونَنِيْ اَصْلَتِيْ مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھ لوں اور ارجع الی اہلی فا خبر ہم میں اپنے گھر جا کر ان کو اپنی کامیابی کی خبر کر دوں۔ مردہ اس حالت میں ایصال ثواب کا منتظر رہتا ہے۔ اور خوابوں میں بھی آتا ہے (۲) اسکے بعد اس عالم میں استغراق کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ اور وہ اسی عالم کا ہو کر رہتا ہے اور اس کا وہ وقت والیل وما وسق کا مصداق بن جاتا ہے۔ دنیا سے انقطاع کلی ہو جاتا ہے۔ (۳) حشر و نشر پنا ہوگا تو اس پر اپنے اعمال اور ان کی جزا و سزا کا انکشاف ہوگا۔ جو منظر ہے والقمر اذا تسق کا۔ انہیں حالات کو لنتو کبن طبقاً عن طبق میں بیان فرمایا گیا۔ ہم نے یہ مضمون اشارۃ اور اجمالاً بیان کر دیا ہے۔ تفصیل بڑی تفاسیر میں دیکھئے۔

**لَتَرْكَبُنَّ الخ کی دوسری تفسیریں :-** لَتَرْكَبُنَّ کو باء کے ضمنہ کے ساتھ جمع مذکر حاضر کا صغیر پڑھا جائے تو یہی معنی ہو گئے جو اوپر بیان کئے ہوئے ہیں۔ یعنی سارے انسانوں کو خطاب ہے اور ان کے مختلف حالات اور زندگی کے انقلابات یا موت کے بعد کی تمام منازل طبقاً عن طبق کا مصداق ہوں گی۔ حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ نے دینیوی احوال فقر و مال داری وغیرہ مراد لئے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے شدائد، مصائب، موت، حشر اور پیشی مراد لی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے مختلف ادوار و اطوار یعنی بچپن، جوانی پڑھاپا وغیرہ لئے ہیں۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ تم گذشتہ اقوام کے طریقوں پر چلو گے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ تم لوگ باشت باشت اور بانہہ بانہہ گذشتہ اقوام کے طریقوں پر چلو گے۔ یہاں تک کہ اگر گذشتہ اقوام میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں گھسا تھا تم بھی ایسا کرو گے۔ اور ان میں سے کسی نے اپنی بیوی سے سر راہ جماع کیا تھا تو تم بھی کرو گے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور امام بخاری نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

اور اگر بفتح الباء صیغہ واحد مذکر حاضر پڑھا جائے۔ جیسا کہ ابن کثیر، حمزہ اور کسائی رحمۃ اللہ علیہم کی قراءت ہے تو خطا ب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اس صورت میں بقول شععی رحمۃ اللہ علیہ و مجاہد رحمۃ اللہ علیہ مطلب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان پر چڑھ گئے۔ یعنی یہ بشارت معراج ہے۔ اور طبقاً عن طبق سے مراد آسمان ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ : الذی خلق سبع سموات طباقاً (۲) یہ بھی ممکن ہے کہ علو مراتب اور پے پے ترتیب مراد ہوں۔ کما قال تعالیٰ وللاخرة خیر لک من الاولی (۳) یا آپ فتح و ظفر کی طرف اشارہ ہے۔

اور اگر اس میں واحد مونث غائب کا صیغہ قرار دیا جائے تو ضمیر فاعل السماء کی طرف راجع ہوگی۔ مطلب یہ ہوگا کہ آسمان ایک حال کے بعد دوسرا حال اختیار کرے گا۔ سعید بن منصور، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اس کی تشریح میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ آسمان میں اولاً شکاف ہوں گے۔ پھر وہ پھٹ جائے گا پھر سرخ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم (مظہری)۔ ان تمام انقلابات کا مشاہدہ کرنے اور قرآن پاک کی روشن ہدایات ملنے



کے باوجود غافل انسان اپنی خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتے اس لئے ارشاد فرمایا فما لہم لا یومنون یعنی ان غافل و جاہل انسانوں کو آخر کیا ہو گیا ہے کہ یہ سب کچھ جانتے دیکھنے اور سننے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے و اذا قرى الایۃ اور قرآن پاک کی واضح ہدایات سن کر بھی اللہ کی طرف نہیں جھکتے۔

سجدہ بے کیا مراد ہے؟..... (س) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے خواہ کہیں سے سنا جائے اور قرآن کوئی آیت بھی سنی جائے۔ کیونکہ آیت مذکورہ میں قرآن سن کر سجدہ نہ کرنے کی مذمت و رد ہوئی ہے حالانکہ آیات سجدہ کے علاوہ قرآن کے کسی حصہ کو بھی سن کر سجدہ واجب نہیں ہوتا۔ اس پر پوری امت محمدیہ ﷺ کا اجماع ہے۔

(ج) سجدہ اور سجود کے معنی جھکنے کے ہیں۔ اس سے اطاعت شعاری اور فرمانبرداری مراد ہے۔ اس کو خشوع خضوع بھی کہتے ہیں۔ قرآن پاک سن کر دل کا خضوع اور ظاہری خشوع (اطاعت) واجب ہے۔ سجدہ کے اصطلاحی معنی اس جگہ مراد نہیں ہیں۔ اور جن لوگوں نے اس جگہ سجدہ تلاوت مراد لیا ہے انہوں نے القرآن کے الف لام کو عہدی مانا ہے (جنسی نہیں) یعنی آیات سجدہ اس کا مفہوم قرار دیا ہے۔ اسکے معنی کے اعتبار سے بعض احناف سے اس کو یہاں وجوب سجدہ تلاوت پر دلیل بنا لیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر تفسیر کو متعین مان لیا جائے تو احناف کے اصول پر اس سے سجدہ تلاوت کی فرضیت ثابت ہونی چاہئے۔ حالانکہ احناف اس کے قائل نہیں صرف وجوب کے قائل ہیں۔ اگر آیت اس کے معنی کو محتمل ہے تو احتمال و شک سے وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا۔ حکم وجوب کے ثبوت کے لئے بھی ایسی دلیل ظنی کی ضرورت ہے جو متعین المعنی ہو۔ فافہم

سجدہ تلاوت :..... اس جگہ اجمالاً چند امور یاد رکھنے چاہئیں۔ (۱) آیت مذکورہ ان چودہ آیات میں سے ایک ہے جن کے تلاوت کرنے یا (قصداً بلا قصد) سننے سے احناف کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ (۲) قرآن پاک میں چودہ سورتوں میں آیات سجدہ ہیں (۱) سورۃ اعراف آیت ۲۰۶ (۲) سورۃ رعد آیت ۱۵ (۳) سورۃ نحل آیت ۵۰ (۴) سورۃ بنی اسرائیل ۱۰۹ (۵) سورۃ مریم آیت ۵۸ (۶) سورۃ حج آیت ۱۸ (۷) سورۃ فرقان آیت ۶۰ (۸) سورۃ نمل آیت ۲۶ (۹) سورۃ المائدہ آیت ۱۵ (۱۰) سورۃ ص آیت ۲۳ (۱۱) سورۃ حم السجدہ آیت ۳۸ (۱۲) سورۃ النجم آیت ۶۲ (۱۳) سورۃ الانشقاق آیت ۲۱ (۱۴) سورۃ العلق آیت ۱۹۔

(۳) یہ آیات سجدہ احناف کے نزدیک ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سورۃ حج میں دو سجدے مانتے ہیں۔ آیت مذکورہ ۱۸ میں اور اخیر سورت میں آیت ۷۷ میں بھی۔ اور سورہ ص میں وہ سجدہ نہیں مانتے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مفصلات (النجم، الانشقاق اور العلق میں سجدے نہیں مانتے۔ اسی طرح جمہور کے نزدیک پورے قرآن میں چودہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گیارہ سجدے ہیں۔ (۴) ان سجدوں کی تعیین میں عقل کو چنداں دخل نہیں۔ بلکہ سب توفیقی ہیں اور ثبوت کے محتاج ہیں۔ اس لئے اسکا فیصلہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تعامل سے ہی ہو سکتا ہے۔ (۵) سجدات تلاوت کے سلسلہ میں بھی احادیث و آثار میں اختلاف ہے اور جب وجوب و رخصت میں بھی۔ اس لئے ائمہ مجتہدین میں بھی اختلاف ہو گیا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت مذکورہ چودہ آیات میں واجب ہے حالانکہ میں نے کوئی آیت پڑھے یا سنے بہر دو صورت سجدہ واجب ہوتا ہے۔ دیگر ائمہ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے۔ مقامات کی تفصیل اوپر مذکور ہے۔

(۶) حناف کا استدلال وجوب سجدہ تلاوت پر مندرجہ ذیل احادیث سے ہے۔ (الف) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ میں نے ایک روز عشاء کی نماز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی انہوں نے سورة اذا السماء انشقت کی تلاوت نماز میں کی اور اس آیت مذکورہ پر سجدہ کیا۔ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کیسا سجدہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں اس آیت پر سجدہ کیا تھا۔ اس لیے میں اس آیت پر ہمیشہ سجدہ کرتا رہوں گا جب تک کہ محشر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو (ب) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اذا لسماء انشقت اور اقرا باسم ربک میں سجدہ کیا ہے۔ وغیرہ۔ (۷) قرطبی نے ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ یہ آیت (مذکورہ) بھی آیات سجدہ میں سے ہے۔ اس کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ واجب ہے مگر ابن عربی جن لوگوں میں مقیم تھے ان میں اس آیت پر سجدہ کرنے کا رواج نہ تھا۔ (شاید وہ کسی ایسے امام کے مقلد ہوں گے جن کے نزدیک یہ سجدہ نہیں۔ یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہوں گے۔ اور ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ خود محقق مالکی ہیں) ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میں جب امامت اختیار کروں تو سورة الانشقاق نہ پڑھوں۔ کیونکہ میرے نزدیک یہاں سجدہ واجب ہے۔ اگر سجدہ نہ کروں تو گنہگار ہوں گا اور اگر کرتا ہوں تو پوری جماعت میرے اس فعل کو برا سمجھے گی۔ اور خواہ مخواہ اختلاف ہوگا (معارف)۔

بل الذین کفر وایکذبون یعنی کافر لوگ سجدہ نہ کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اس کلام بلاغت نظام و صداقت تمام کو جھٹلاتے بھی ہیں۔

واللہ اعلم بما یوعون یعنی وہ لوگ جو کفر و عداوت اپنے سینوں میں جمع رکھتے اور چھپاتے ہیں حق تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے۔ ایحاء کے معنی ہیں برتن میں بھر لینا۔ یہاں مراد چھپانا ہے۔ ابن زید نے کہا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد نامہ اعمال میں جمع کرنا ہو۔ بہر صورت اللہ تعالیٰ کے واقف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کو تکذیب و عداوت کی سزا دیگا۔

فبشر ہم بعذاب الیم اس میں فاء سیہ ہے۔ یعنی تکذیب سبب بشارت عذاب ہے۔ فاء و عدهم (ان کو عذاب سے ڈرادیجئے) کی بجائے فبشر ہم استہزایا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فاء فصیحیہ ہو ای اذا کان حالہم ما ذکر فبشر ہم الا الذین الایۃ استثنیٰ منقطع ہے اور مستثنیٰ منہ فبشر ہم کی ضمیر منصوب ہم ہے۔ اور متصل بھی ہو سکتا ہے۔ ای الا الذین امنو و عملو الصلحت منهم اور ماضی کے دونوں صیغے بمعنی مضارع ہیں۔ یا معنی ہیں فی علم اللہ و هذا هو الانسب۔ واللہ اعلم۔

تم تفسیر سورة الانشقاق والحمد للہ رب الآفاق والصلوة والسلام علی النبی والہ وصحبہ الذین

أوفوا بالعہد والميثاق ومن تبعہم الی یوم التلاق

## سُورَةُ الْبُرُوجِ

## سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ وَ هِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً

(رکوع: ۱، آیات: ۲۲) سورۃ بروج مکہ ہے اور اس میں بائیس ۲۲ آیات ہیں (کلمات: ۱۰۹، حروف: ۳۶۵)

رابط و مناسبت:

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ ہے۔ اس سورت کا ماقبل سے رابط لفظاً اور معنی ظاہر ہے۔ مضامین اور مطلع اور مقطع سب میں پوری پوری مناسبت ہے۔ شروع میں آسمان کا ذکر آخر میں تکذیب کفار کا اور مومنوں کے لئے وعدہ ثواب اور کفار کے لئے وعید وعذاب کا ذکر ہے۔

شان نزول:

مکہ میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام شروع فرمائی، اور چند بندگان خدا ایمان لے آئے تو کفار مکہ ان مومنوں کو طرح طرح کی تکالیف پہنچانے لگے، غریب مسلمان گاہے گاہے اپنی ناقابل برداشت پریشانیوں کا حال اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی دیتے، خوشخبریاں سناتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: کہ ایک دن ایسا آئیگا کہ تم کو امن و امان میسر آئیگا۔ اور تم کو اپنے دشمنوں سے انتقام اور بدلہ لینے کی طاقت و قوت حاصل ہوگی۔ کفار کو جب یہ باتیں معلوم ہوتیں تو وہ ہنستے، مذاق بناتے اور کہتے تھے کہ یہ ذلیل و مفلس لوگ کیا حقیقت رکھتے ہیں جو ہم سے بدلہ لے سکتے ہیں۔ اگر ہم عزت و غلبہ کے لائق و مستحق نہ ہوتے تو حق تعالیٰ ہم کو ان کے مقابلہ میں باعزت و غالب کیوں کرتا درحقیقت عزت و شوکت ہمارے نصیب میں ہے۔ اور ذلت و خواری ان مفلس مسلمانوں کے مقدر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما کر مسلمانوں کو تسلی دی اور کافروں کو تنبیہ کی ہے کہ ہم دنیا کے حالات کو پلٹتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بروجوں والے آسمان کی قسم سے ان انقلابات کی طرف اشارہ فرمادیا جو شب و روز رونما ہوتے ہیں۔ بہت سی چیزیں مثلاً ایک برج کی تاثیر سے عزیز اور دوسری کی تاثیر سے ذلیل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً جائزوں کے موسم میں گرم لباس عزیز و قابل قدر اور برف ٹھنڈا پانی اور شربت بے قدر ہو جاتے ہیں۔ اور گرمیوں میں اسکے برعکس ہوتا ہے اسی طرح عزت و غلبہ اور ذلت و پستی ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں ﴿تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا يَبِينُ النَّاسُ﴾ پھر بطور نمونہ و مثال اصحاب الاخذود کا واقعہ بیان فرما کر اس مسئلہ انقلاب پر ایک دلیل قائم فرمادی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان بہت رحم والا ہے

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ (۱) وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ (۲) وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ (۳)

قسم ہے بروجوں والے آسمان کی اور وعدہ کے دن کی اور حاضر ہونے والے کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوں

قسم	السَّمَاءِ	ذَاتِ	الْبُرُوجِ	و	الْيَوْمِ	الْمَوْعُودِ	و	شَاهِدٍ	و	مَشْهُودٍ
	آسمان	والا	برجوں	اور	دن	وعدہ دیا گیا	اور	حاضر ہو خواہ	اور	حاضر کیا گیا

قِيلَ أَصْحَبُ الْأَعْدُوْدِ (۴) النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ (۵) اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ (۶)

خندقوں والے (بہت سے ایندھن کی آگ والے ملعون ہو گئے) جس وقت وہ لوگ آگ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

قِيلَ	أَصْحَبُ	الْأَعْدُوْدِ	النَّارِ	ذَاتِ	الْوَقُوْدِ	اِذْ	هُمْ	عَلَيْهَا	قُعُوْدٌ
مارے گئے	والے	کھائیوں	آگ	والی	بہت ایندھن	جس وقت	وہ	اوپر اس	بیٹھے

وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ (۷) وَمَا نَقْمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ

اور وہ جو کچھ ایمانداروں کے ساتھ کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے اور انکو مسلمانوں کی صرف یہ بات بری معلوم ہوئی کہ وہ کلمات والے زبردست اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔

وَهُمْ	عَلَى	مَا	يَفْعَلُونَ	بِالْمُؤْمِنِينَ	شُهُودٌ	وَمَا	نَقْمُوا	مِنْهُمْ	إِلَّا	أَنْ	يُؤْمِنُوا	بِاللَّهِ
اور وہ	اوپر	اس چیز	کرتے تھے	ساتھ مسلمانوں	حاضر	اور نہیں	عیب پکڑا تھا انھوں نے	ان میں	مگر یہ کہ	ایمان لائے	ساتھ اللہ	اللہ

الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (۸) الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (۹)

جسکے قبضے میں آسمان وزمین کی بادشاہت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے۔

الْعَزِيزِ	الْحَمِيدِ	الَّذِي	لَهُ	مُلْكُ	السَّمَوَاتِ	وَالْأَرْضِ	وَاللَّهُ	عَلَى	كُلِّ	شَيْءٍ	شَهِيدٌ
غالب،	عزیز کیا گیا	وہ جو	واسطے اس	بادشاہی	آسمانوں	اور زمین	اللہ	اوپر	ہر	چیز	حاضر

لغات:

البروج برجیں برج کی جمع ہے جس کے معنی بلند عمارت و محل کے ہیں۔ ستون، قلعہ، مینار اور گنبد کو بھی برج کہتے ہیں۔ ابراج اور ابرجہ بھی جمع آتی ہیں۔ آسمانی برجیں بارہ ہیں۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے موضع القرآن سورہ حجر میں لکھا ہے: حق تعالیٰ بندوں سے وہ خطاب کرتا ہے جو یہ سمجھیں۔ ان کے عرف میں آسمان مشرق سے مغرب تک اور مغرب سے مشرق تک بارہ پھاٹک ہیں۔ جیسے خر بوزہ وہی بارہ برج ہیں اور سورج برس دن میں سب طے کرتا ہے موسم گرمی اور سردی اس سے بدلتا ہے اور گرمی سے مینہ آتا ہے اور مینہ سے دنیا بستی ہے۔ اور روفی آسمان کی ستارے ہیں۔ کسی شاعر نے ان بارہ برجوں کی ترتیب وار ایک قطعہ میں جمع کر دیا ہے۔

برجہا دیدم کہ از مشرق بر آوردند سر جملہ در تنج و در تہلیل حتی لا یموت

چوں حمل چوں ثور و چوں جوزاء و سرطان اسد سنبلہ میزان و عقرب قوس و جدی دلو، حوت

اليوم الموعود روز قیامت باتفاق المفسرین الموعود اسم مفعول، باب ضرب، الا حدود جمع حد کی زمین میں بڑا المباسا گڑھا۔ خندق، کھائی، ندی، طریقہ، لوگوں کی جماعت۔ جمع اخذ۔ قَوْخِذًا وَخِذًا وَأَخْذُوْهُ بعض کہتے ہیں اخذ و واحد ہے اس کی جمع اخذیند ہے خَذَّ خَذًا (ن) بدھی پڑنا، کھودنا۔ الوقود ایندھن وَقْدًا وَقُودًا (ض) روشن ہونا۔ جلنا، بھڑکنا۔ قعود جمع قاعد کی (ن) بیٹھنا، کھڑے کھڑے بیٹھنا۔ اور جُلُوس لیٹے سے بیٹھنا، لیکن ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ شہود جمع شاہد کی (س، ک) گواہی دینا، حاضر ہونا، قبول کرنا۔ نقموا صیغہ جمع مذکر غائب ماضی (ن ض) سزا دینا، عیب لگانا، مکروہ جاننا، برا کہنا، بدلہ لینا۔

## ترکیب:

والسَّمَاءَ جارجور اقسام فعل مخدوف کے متعلق ہوگا۔ ذات البروج مرکب اضافی السماء کی صفت  
 اليوم الموعود مرکب توصیفی السماء پر معطوف اسی طرح وشاهد اور مشہود بھی السماء پر معطوف ہیں۔ صحیح  
 قول کی بنا پر۔ اور بعض نے چاروں کو الگ الگ قول مانا ہے۔ اور چاروں جملے معطوفات ہیں کما مر مفصلاً۔ قتل فعل  
 مجہول اصحاب مضاف الاخذود مبدل من النار موصوف ذات الوقود مرکب اضافی صفت۔ موصوف وصفت  
 مل کر بدل اشتغال۔ مبدل منہ اور بدل کر مل کر مضاف الیہ اصحاب اپنے مضاف الیہ سے ملکر مفعول الم۔ بسم فاعلہ ہوا قتل  
 کا۔ اذ مضاف ہم مبتدا قعود اپنے متعلق مقدم علیہا (ای علی الاخذود) سے مل کر خبر جملہ اسمیہ، مضاف الیہ اذ کا  
 اپنے مضاف الیہ سے مل کر قتل کا ظرف ہوا۔ قتل اپنے نائب فاعل و ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جواب قسم ہوا۔  
 (کیونکہ فعل ماضی مثبت متصرف جس کا معمول مقدم نہ ہو جب جواب قسم واقع ہو جاتا ہے تو اس کے شروع میں لام وقد کا  
 آنا ضروری ہوتا ہے۔ اور دونوں میں سے ایک پر اقتصار جائز نہیں ہوتا۔ ہاں اگر طول کلام ہو جائے تو واحد ہما پر اکتفا جائز  
 ہے۔ جیسے کہ والشمس وضلھما کا جواب قد افلح من زکھا ہے اور طول کلام کی وجہ سے اجد ہما پر اکتفا کر لیا گیا  
 ہے اس لئے لام وقد مخدوف ہے۔ اصل عبارت لقد قتل ہوگی۔ یا جواب قسم مخدوف ہے۔ ای ان کفار مکة لعنوا  
 کما لعن اصحاب الاخذود بعض کہتے ہیں کہ جواب قسم ان بطش ربک لشدید ہے اور قسم وجواب قسم کے  
 درمیان تمام جملے مقررے ہیں۔ وہم مبتدا شہود اپنے متعلق مقدم علی ما یفعلون (حسب ترکیب) سے ملکر خبر۔  
 جملہ اسمیہ معطوف ہے ماقبل پر وما نقموا ماضی منفی اور ضمیر اصحاب الاخذود کی فاعل، منہم متعلق فعل الاحرف  
 استثناء ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید فعل۔ فاعل متعلق سے علی الترتیب مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مفرد ما نقموا کا  
 مفعول بہ (اور استثناء مفرغ ہے) الذی اسم موصول ملک مضاف السموات والارض معطوفین مضاف الیہ مرکب  
 مبتدا موخر لہ متعلق مخدوف خبر مقدم۔ جملہ اسمیہ صلہ موصول وصلل کر لفظ اللہ کی صفت ثالثہ ہوئی۔ اور اولی و ثانیہ  
 العزیز الحمید تھیں۔ واللہ مبتدا علی کل شی متعلق شہیدہ کا۔ خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

## تفسیر:

والسَّمَاءَ ذات البروج حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بروج  
 سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک بڑے بڑے ستارے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، حسن بصری،  
 قتادہ، سدی رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔ دوسرے بعض آئمہ تفسیر نے بروج سے اس جگہ قصور یعنی محلات مراد لئے ہیں۔  
 (کما فی قوله تعالیٰ ولو کنتم فی بروج مشیدۃ) اور محلات سے مراد وہ مکانات ہیں جو آسمان میں پہرہ داروں اور  
 نگراں فرشتوں کیلئے مقرر ہیں۔ اور بعض متأخرین نے بروج سے مراد وہ بروج بتائے ہیں جو فلاسفہ کی اصطلاح ہے کہ کل  
 آسمانوں کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ کو برج کہا جاتا ہے ان کا خیال یہ ہے کہ ثوابت ستارے انہی برجوں میں اپنی  
 اپنی جگہ مقیم ہیں۔ اور فلک کی حرکت سے متحرک ہوتے ہیں۔ اور ان برجوں میں سیاروں کا نزول ہوتا ہے مگر یہ سراسر غلط

ہے۔ قرآن کریم سیارات کو آسمان میں مرکوز نہیں قرار دیتا۔ بلکہ ہر سیارے کو اسکی اپنی ذاتی حرکت سے متحرک قرار دیتا ہے جیسا کہ سورہ یس کی آیت وکل فی فلک یسبحون سے معلوم ہوتا ہے اور اس آیت میں فلک سے مراد آسمان نہیں۔ بلکہ سیارے کا وہ مدار مراد ہے جس میں وہ حرکت کرتا ہے (مظہری)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ برجوں کی حقیقت یہ ہے کہ گردش آفتاب کی وجہ سے آسمان میں ایک دائرہ پیدا ہو جاتا ہے جس کو دائرۃ البروج کہتے ہیں۔ آفتاب سال بھر میں اس پورے دائرے کو طے کر لیتا ہے۔ اس دائرہ کو بارہ حصوں میں تقسیم کر لیں تو ان میں سے ہر حصہ کو برج کہتے ہیں۔ اس دائرہ کو بارہ پر تقسیم کر کے بارہ برجیں تجویز کرنا جناب الہی سے بنی آدم کے قلوب میں القاء ہوا ہے۔ چنانچہ ہندو، پارسی، یونانی، فرنگی، عجمی، عربی، ساری دنیا کے لوگ اس پر متفق ہیں۔ یا اس دائرے کو چار سے تقسیم کیا جائے تو ہر ربع میں آفتاب کی گردش سے ایک فصل پیدا ہوتی ہے اسی طرح فصلیں بھی چار ہیں۔ ربیع، خریف، صیف، شتاء اور ہر فصل کیلئے اوسط اور انتہا ہے جن میں ان فصلوں کے قوت و ضعف کے انقلابات رونما ہوتے ہیں۔ اس طرح سال میں بارہ فصلیں ہوں گی۔ ان بارہ حصوں کو بارہ برجوں کا نام دیا گیا۔ یا آفتاب سال بھر میں چاند سے بارہ مہینے ملتا ہے اور شمس و قمر کے ہر اجتماع کو برج سے تعبیر کیا گیا۔ اس طرح بارہ برجیں ہوں گی۔ اور اس اجتماع سے جو شکلیں آسمان میں ستاروں کی نمودار ہوئیں انہیں کی مناسبت سے ہر برج کا نام تجویز کیا گیا۔ واللہ اعلم (مزید تفصیلات فتح المعزیز میں ملاحظہ فرمائیں)

### حاصل کلام:

یہ ہے کہ بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہوں یا محلات و قصور مراد ہوں، یا فلاسفہ کی تجویز کردہ منزلیں یہ سب تخمینی چیزیں ہیں۔ ان میں کوئی ایک چیز بھی قطعی اور یقینی نہیں۔ اس لئے سب ہی احتمالات ممکن ہیں۔ اور سب ہی قدرت خداوندی کے دلائل اور انقلابات پر نشانات ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ یہ فلاسفہ کا خیال فاسد ہے۔ اور متاخرین کی تحقیق سراسر غلط ہے درست نہیں۔ ان کی تحقیق پر کل فی فلک یسبحون جیسی آیت کی خلاف ورزی ہرگز لازم نہیں آتی۔ اور ان کے اختیار کردہ اول الذکر اقوال پر ان کے پاس کوئی دلیل قطعی موجود نہیں۔ پھر سارے عالم کے انسان بالہام خداوندی جب کہ اصطلاحی بروج کے قائل اور انقلابات فصول کو ان سے وابستہ مانتے ہیں۔ اور یہ بھی طے ہے کہ کلام ربانی محاورات انسانی میں نازل ہوا ہے۔ تو یہاں رائج یہی معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کا قول درست ہے کیونکہ اہل مکہ کے زعم فاسد کی اس میں سخت تردید ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے حال پر عزت و شوکت کے ساتھ قائم رہیں گے اور اے مسلمانو! تم ذلت و مصیبت پر دائم رہو گے۔ ان کو بتلایا گیا ہے کہ ایک حال پر دنیا میں کوئی چیز نہیں رہتی۔ موسیات و فصول کا الٹ پھیر تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اور ان کے انقلابات سے چیزوں کی قدر و عزت گھٹنا بڑھنا پیدا و ناپید ہونا بھی تم کھلی آنکھوں دیکھتے ہو۔ بس یاد رکھو کہ وہ خالق کائنات شوکت و عزت، ذلت و مصیبت میں بھی اسی طرح انقلاب برپا کر دے گا اور اصحاب الا خدا و کا واقعہ جو تم سے قریب ہی زمانہ میں گذرا ہے اس پر شاہد عدل ہے۔

والیوم الموعود و شاہد و مشہود۔ یوم موعود سے قیامت کا دن مراد ہے۔ شاہد سے جمعہ کا اور

مشہود سے عرفہ کا دن مراد ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ یوم موعود قیامت کا دن، مشہود عرفہ کا دن، اور شاہد جمعہ کا دن ہے۔ جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی آتی ہے

کہ اگر اس میں کوئی بندہ مومن اللہ سے کوئی دعائے خیر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعاء قبول فرماتے ہیں۔ اور جس شر سے پناہ مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس شر سے اس کو پناہ عطا فرماتے ہیں۔ (احمد ترمذی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ شاہد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وجئنا بک علی ہولاء شہداء اور مشہود سے مراد روز قیامت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وذلک یوم مجموع لہ الناس وذلک یوم مشہود (لیکن اس قول پر مکرار لازم آئے گی یوم موعود و یوم مشہود دونوں ایک ہی ہوں گے) بعض نے کہا کہ شاہد اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں اور مشہود آدمی ہے۔ حسین بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شاہد امت محمدیہ علی نبیہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اور مشہود کا مصداق جملہ امم سابقہ ہیں۔ اور استدلال لتکونوا شہداء علی الناس سے کیا ہے۔ سالم بن عبد اللہ نے سعید بن جبیر سے اس آیت کی مراد پوچھی تو حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ شاہد اللہ اور مشہود ہم ہیں۔ اور آیت کفٰی باللہ شہیداً سے استدلال کیا۔ بعض نے کہا کہ اعضاء، انسانی شاہد ہیں لقولہ تعالیٰ: یوم تشہد علیہم السنتہم وایدیہم وارجلہم بعض کے نزدیک شاہد انبیاء سابقین اور مشہود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لقولہ تعالیٰ: واذا اخذ اللہ میثاق النبین الی قولہ تعالیٰ: فاشہدوا وانا معکم من الشہدین قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کی تفسیر میں کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی اس کی تفسیر متعین ہوگی۔ ورنہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ عموم پر باقی رکھنا ہی اولیٰ ہوگا۔ یعنی شاہد سے ہر شاہد بالحق اور مشہود سے ہر مشہود بالحق مراد ہوگا۔ ارشاد باری ہے: شہد اللہ انہ لا الہ الا هو والملئکۃ واولو العلم لہذا شاہد اللہ تعالیٰ بھی ہیں ملائکہ بھی، اعمال نامے لکھنے والے فرشتے بھی، انبیاء بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی، تمام مومنین خصوصاً امت محمدیہ کے اہل ایمان اور خاص طور پر علماء امت وغیرہ۔ اور مشہود کلمہ توحید، صداقت، انبیاء، تبلیغ، رسالت، اعمال انسانی اور ہر کلمہ حق جو کسی سچے شاہد نے کہا ہو۔ واللہ اعلم۔

### چاروں قسموں میں مناسبت:

پہلی قسم والسماء ذات البروج سے جس طرح فصول و موسمیات وغیرہ کے انقلابات و تغیرات مفہوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح یوم الموعود (روز قیامت) میں بھی انقلابات کا ظہور ہوگا کہ بہت سے اہل عزت و ذلیل ہو جائیں گے، بلند پست ہو جائیں گے۔ اور بہت سے پست و ذلیل بلند و باعزت ہو جائیں گے، لیکن اس تغیر اور انقلابی فیصلہ کے لئے تین چیزیں ہونی ضروری ہیں: (۱) جزایا سزا کا مستحق (۲) ایسا حاکم جو عمل کے موافق بدلہ دے (۳) وہ عمل نیک یا عمل بد جس کا بدلہ دیا جائے۔ ان سب کے بیان کے لئے شاہد و مشہود کی دو قسمیں لائی گئی۔ پھر یہ چاروں قسمیں قدرت خداوندی پر دلائل ہیں۔ گو شاہد و مشہود کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں صاحب روح المعانی کے بیان کے مطابق ان کی تفسیر میں تقریباً تیس اقوال ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ مگر تفسیر انقلاب تغیر اور قدرت کے اظہار کو مشتمل ہے۔ فتا مثل۔

نکتہ:..... ان چار قسموں میں سے اول دو معروف اور اخیر دو منکر لائی گئی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شاہد و مشہود سے رائج تفسیر کی بنا پر جمعہ اور عرفہ کا غیر متعین دن مراد ہے۔ یعنی کوئی خاص روز جمعہ یا خاص روز عرفہ مراد نہیں بخلاف

برجوں والے آسمان اور روز قیامت کے کہ وہ مخصوص ومعین ہیں۔ فافہم۔

قتل اصحاب الاخذود النار ایک قول کی بنا پر یہ جواب قسم ہے اور قتل سے پہلے لفظ مخذوف ہے۔ عنوان ترکیب میں دیگر چند احتمالات مذکور ہو چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ بروج کو تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچتے تو یہ دعا کرتے۔ اعدوہ باللہ من جہد البلاء۔  
اصحاب الاخذود کون تھے؟

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آگ کی خندقوں کے واقعات دنیا میں مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں پیش آئے ہیں پھر ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے تین واقعات کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان تینوں واقعات کو بیان کیا ہے۔

(۱) ایک واقعہ نجران میں ہوا جو ملک یمن میں واقع ہے۔ دوسرا ملک شام میں، تیسرا فارس میں۔ یمن میں یوسف ذونواس ابن شرجیل (جو حمیری بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا) نے کھائیاں کھدوا کر آگ سے بھر وادی تھی۔ اور اہل ایمان کو ان کے ایمان لانے کے جرم میں جھونک دیا تھا۔ یہ واقعہ فترت کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ستر سال قبل پیش آیا تھا۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ذونواس نے بارہ ہزار آدمی جلا دیئے تھے پھر جب رابط (حبشی) نے یمن کو فتح کر لیا تو ذونواس بھاگ کر گھوڑے سمیت سمندر میں گھس کر ڈوب گیا تھا۔

ملک شام میں ابطاموس رومی نے ایسا ہی کیا تھا۔ اور فارس میں حضرت دانیال علیہ السلام کے عہد میں بخت نصر نے اہل ایمان کے ساتھ یہی حرکت کی تھی، ابن السمنہ زوامام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک چوتھا واقعہ نقل کیا ہے جو حبشہ میں اس وقت واقع ہوا جب بنی اسرائیل میں بت پرستی کا رواج عام ہو گیا تھا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان آیات میں کون سے واقعہ کی طرف اشارہ ہے؟ حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ چاروں قصے مراد ہوں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اول الذکر واقعہ ذونواس کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ: (۱) مکہ سے قریب ترین یہی واقعہ پیش آیا تھا۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین زمانے میں یہی واقعہ ہوا تھا۔ (۳) اہل عرب اس واقعہ کو خوب جانتے تھے۔ حتیٰ کہ اس واقعہ کے دیکھنے والے بعض اشخاص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک باقی تھے۔ (۴) یہ واقعہ مسلم شریف وغیرہ کتب صحاح میں منقول ہے۔ دوسرے واقعات روایت کے اعتبار سے مسلم کی روایت کے ہم پلہ نہیں ہیں۔ اسلئے وہ زائد التفات کے لائق نہیں ہیں۔

واقعہ خندق کی تفصیل:

امام نسائی، امام احمد اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہم نے اور امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں بروایت مصیب رومی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے (ان نقول میں کسی قدر کمی زیادتی ہے مگر ہم خلاصہ نقل کرتے ہیں) کہ کوئی بڑا جلیل القدر بادشاہ تھا اسکے یہاں ایک کاہن یا ساحر تھا جو اپنے فن میں کمال رکھتا تھا اس کی سلطنت گویا اسی کے جادو کے بل پر قائم تھی۔ بادشاہ کے دشمنوں کو وہ اپنے جادو کے زور سے ہلاک کر دیتا تھا۔ لڑنے بھڑنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ امرائے سلطنت



اور ارکانِ دولت اگر بادشاہ سے ناراض ہوتے یا سرتابی کرتے تو یہ اپنے جادو سے ان کا رخ بادشاہ کی طرف موڑ دیتا اسی طرح وہ اپنے ہر کام جادو سے لیتا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا اور اس گواہی بخشی زندگی سے ناامیدی ہوئی تو اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں میری عمر اخیر ہونے کو ہے۔ آپ کوئی ذہین و فطین لڑکا میرے سپرد کر دیں تاکہ میں اس کو اپنا علم سکھا دوں۔ تاکہ میرے بعد وہ آپ کے امور سلطنت کو درست رکھے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک عاقل و ہوشیار لڑکا اس کے حوالے کر دیا۔ وہ لڑکا اس جادوگر کے پاس صبح شام حاضر ہونے اور جادو کا فن سیکھنے لگا۔ راستہ میں ایک راہب (درویش) اپنے صومعہ (عبادت خانہ) میں رہتا تھا (معمراوی کہتے ہیں کہ اس وقت تک راہب لوگ اپنے اصلی دین عیسوی پر قائم تھے) ایک دن اس لڑکے نے دیکھا کہ بہت سے لوگ صومعہ سے نکل رہے ہیں اس نے معلوم کیا کہ یہاں کون رہتا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہاں ایک راہب (عابد) رہتا ہے۔ یہ سن کر لڑکا بھی اس راہب (نارک الدنیا عابد) کے پاس پہنچا۔ اس کی باتیں سنیں۔ راہب کی باتوں سے اس کا قلب متاثر ہوا راہب نے اس لڑکے کو دین حق اور توحید کی تعلیم دینی شروع کر دی وہ ایمان لے آیا۔

لڑکا جادوگر کے پاس جاتے ہوئے راستہ میں راہب کے پاس ٹھہر جاتا دیر ہو جانے سے ساحر اس پر غصہ کرتا اور زد و کوب کرتا لڑکا کہہ دیتا کہ مجھے گھر میں دیر ہو گئی۔ آخر ساحر نے بادشاہ کے پاس شکایت کی۔ بادشاہ نے لڑکے کو تائید کی کہ ساحر کے پاس سویرے پہنچا کرو۔ لوگوں نے کہا کہ یہ لڑکا سویرے جاتا ہے راستہ میں دیر کرتا ہے تو بادشاہ اور ساحر نے خیال کیا کہ کھیل میں لگ جا رہا ہے اسلئے دونوں نے لڑکے کو خوب تنبیہ کی۔ لیکن لڑکا درویش کے پاس جاتا رہا۔ ایک دن یہ لڑکا راہب کے پاس سے بادشاہ کی بارگاہ کی طرف واپس ہو رہا تھا دیکھتا کیا ہے کہ کسی مہلک جانور (شیر یا اژدہ) نے راستہ روک رکھا ہے۔ لوگ ادھر ادھر کے کھڑے ہیں۔ لڑکے نے دل دل میں خیال کیا کہ آج امتحان کرتا ہوں کہ راہب حق پر ہے یا ساحر۔ یہ خیال کر کے اس نے پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اے خدا! اگر راہب کا مذہب حق ہے تو اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک فرما وہ پتھر اس کے مارا وہ جانور فوراً ہلاک ہو گیا۔ لوگوں نے یہ واقعہ دیکھا تو کہنے لگے کہ اسکو جادوگری میں کمال حاصل ہو گیا ہے لڑکے کی ہر جگہ تعریف ہونے لگی اور خوب شہرت ہو گئی۔ شدہ شدہ یہ خبر راہب کو بھی پہنچی۔ اس نے لڑکے کو تنہائی میں بلا کر کہا بیٹا تجھ کو اللہ تعالیٰ نے بزرگی اور کمال سے نوازا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تیرا مرتبہ بہت بلند ہوگا لیکن تو کسی آزمائش میں مبتلا ہوگا لیکن یہ یاد رکھنا میں کمزور اور بوڑھا آدمی ہوں۔ کسی کو میرا پتہ نہ دینا۔ لڑکے سے قول و قرار لے کر راہب مطمئن ہو گیا۔ ادھر راہب کی صحبت اور انجیل مقدس کی تلاوت اور اتباع کی برکت سے حق تعالیٰ نے اس لڑکے کو ولایت عظمیٰ سے نوازا۔ یہاں تک کہ کوڑی مادر زاد نابینا اور لاعلاج مریض اس لڑکے کی دعا سے شفا یاب ہونے لگے۔ لڑکا خوب مشہور ہو گیا۔ اس کی شہرت سن کر اس بادشاہ کا نایاب مصائب بھی اس کے پاس آیا اور خوب تحفے نذرانے پیش کر کے عرض کیا کہ مجھ پر بھی توجہ فرمائیے۔ اور میری آنکھیں اچھی کر دیجئے۔ لڑکے نے کہا مجھے نذرانہ اور ہدیہ درکار نہیں اور شفا میرے ہاتھ میں نہیں اللہ ہی شفا دینے والا ہے اگر آپ اللہ وحدہ لا شریک لہ پر ایمان لائیں اور شرک و بت پرستی سے توبہ کر لیں تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرونگا۔ پروردگار عالم آپ کی بینائی واپس فرمادیں گے۔ وہ اندھا شخص اسی مجلس میں مشرف با ایمان ہوا۔ لڑکے نے دعا کی۔ اور اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ معمول کے مطابق جب یہ شخص بادشاہ کے مجلس میں حاضر ہوا تو بادشاہ کو اس کی بینائی پر تعجب ہوا اس سے معلوم کیا کہ میری مملکت کے تمام معالج تو تیری آنکھوں کے علاج سے عاجز ہو گئے تھے۔ آخر تجھ کو کس طرح شفاء حاصل ہوئی؟ مصاحب نے کہا کہ میرے پروردگار نے اپنی قدرت سے مجھے بینائی عطا فرمائی ہے۔ بادشاہ نے

کہا کہ میرے سوا تیرا پروردگار کون ہے؟ مصاحب نے کہا میرا آپ کا اور ساری کائنات کا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا بادشاہ غضبناک ہو گیا اور مصاحب کو سخت سزا دی اور پوچھا کہ یہ عقیدہ تجھے کس نے سکھایا؟ سختی سے گھبرا کر اس نے لڑکے کا نام بتا دیا۔ بادشاہ نے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ تجھ کو میری پرورش اور میرے ساحر کے فیض سے یہ کمال حاصل ہوا ہے تو بیمار لوگوں کو تندرست، نابیناؤں کو بینا کرتا ہے اور پھر ناشکری کرتا ہے کہ دوسرے کسی کو اپنا پروردگار بتاتا ہے لڑکے نے کہا میرے، آپ اور ساحر کے ہاتھ میں شفاء نہیں۔ اللہ کی قدرت پر موقوف ہے بادشاہ سخت ناراض ہوا اس کو کڑی سزا دلوائی اور کہا کہ یہ لڑکا بہت غائب رہتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اور جگہ جاتا تھا بادشاہ نے کہا کہ اس سے سختی سے پوچھا جائے کہ یہ مدت سے کہاں رہا۔ اور کس کے پاس آتا جاتا ہے۔ جب سختی حد سے بڑھ گئی تو لڑکے نے مجبور ہو کر گوشہ نشین راہب کا نام بتا دیا۔ بادشاہ نے راہب کو گرفتار کروا کر حاضر دربار کیا اور اس سے کہا کہ اگر تو اپنے دین سے نہ پھرے گا تو تجھ کو آرے سے چیر دیا جائیگا۔ راہب نے کہا کہ میں ہرگز اپنے دین برحق سے نہ پھرونگا۔ اور جو مصیبت آئے گی اس پر صبر کرونگا۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے اس کو آرے سے چیر دیا گیا۔ پھر مصاحب کو بلا کر یہی کہا۔ مصاحب نے بھی دین برحق کو چھوڑنے سے انکار کر دیا اور اسکو بھی آرے سے چیر کر شہید کر دیا گیا۔ پھر لڑکے کو بلا کر سمجھایا گیا کہ اگر تجھ کو زندگی محبوب ہے تو باز آجا ورنہ تو ان دونوں کا انجام دیکھ چکا ہے۔ تیرا شتر بھی یہی ہوگا۔ لڑکے نے بھی بادشاہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تو بادشاہ نے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ لڑکے کو پہاڑ کی چوٹی پر لیجاؤ اور اسکو خوب سمجھاؤ اگر مان گیا تو اسکو بڑا مقام دونگا اور اپنا مصاحب بنا لوں گا اور اگر یہ باز نہ آئے تو پہاڑ کی چوٹی پر سے اسکو دھکیل دینا تاکہ اسکے اعضاء پاش پاش ہو جائیں۔ جب اسکو پہاڑ پر لے گئے اور سمجھایا دھمکایا تو لڑکے نے اللہ سے اپنی حفاظت کی دعا کی۔ اسی وقت زلزلہ پیدا ہوا شاہی لوگ پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو گئے۔ لڑکا بعافیت گھر واپس آیا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ لوگ کہاں ہیں؟ جو تجھ کو لے گئے تھے۔ لڑکے نے جواب دیا۔ میرے پروردگار نے ان کے شر سے میری حفاظت کی اور ان کو ہلاک کر دیا۔ بادشاہ نے دوسرے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو ایک کشتی میں سوار کر کے دریا میں لے جاؤ یہ اپنے دین سے باز آجائے تو بہتر ہے ورنہ دریا میں پھینک دو۔ چنانچہ وہ اس کو دریا میں لے گئے اور سمجھایا۔ لڑکے نے پھر دعا کی۔ کشتی الٹ گئی۔ شاہی لوگ غرق ہو گئے۔ اور لڑکا صحیح سالم واپس آ گیا۔ بادشاہ نے ماجرا پوچھا تو لڑکے نے پورا قصہ بیان کر دیا۔ اس لڑکے نے کہا کہ اے بادشاہ تو مجھ کو مار نہیں سکتا ہاں اگر تجھ کو میرا قتل ہی منظور ہے تو اس کی تدبیر میں بتاتا ہوں اگر وہ تدبیر اختیار کرے گا تو تو مجھ کو ہلاک کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے تدبیر پوچھی۔ تو لڑکے نے کہا اس شہر کے تمام لوگوں کو شہر کے باہر ایک میدان میں جمع کر لے اور مجھ کو سولی پر چڑھا کر ایک تیر اپنی ترکش سے نکال کلمہ بسم اللہ رب هذا الغلام کہہ کر میرے وہ تیر مار تو میں مر جاؤنگا۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ تیر اس لڑکے کی کپٹی پر لگا۔ اس نے اپنے ہاتھ کپٹی پر رکھ لئے۔ اور یہ کہتا جاں بحق ہو گیا کہ میں اپنے پروردگار کے نام پر شہید ہو کر کامیاب ہو گیا۔ اور اس واقعہ کو دیکھنے پر تمام لوگوں نے با آواز بلند کہا آمنا برب الغلام امنا برب الغلام یہ سن کر بادشاہ کے لوگوں نے کہا کہ آپ نے ان تین شخصوں کو تو ہلاک کر دیا جو آپ کے مذہب کے خلاف تھے۔ مگر اب تو سب ہی لوگ آپ کے مذہب کے مخالف ہو گئے۔ یہ بات سن کر بادشاہ نہایت غضبناک ہوا اور شرمندگی سے جھنجھلا اٹھا اور خند قیس کھود کر ان میں آگ دہکانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ خند قیس کھود کر آگ دہکا دی گئی۔ ان کے کناروں پر اعیان سلطنت کر سیاں بچھا کر بیٹھ گئے۔ اور سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور کارندوں نے کہا کہ سب سے معلوم کرو۔ جو اپنے دین سے نہ پھرے اس کو آگ میں جھونک دو۔

چنانچہ شاہی فرمان کے مطابق ایمان والوں کو آگ میں ڈالنا شروع کیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک ایسی عورت کو بھی لایا گیا جس کی گود میں بچہ تھا عورت کو جب آگ میں ڈالنے لگے تو وہ ہچکچائی۔ بادشاہ نے کہا کہ رہنے دو پہلے اس کے بچے کو آگ میں ڈالو۔ شاید اس طرح وہ اپنے دین سے واپس ہو جائے۔ چنانچہ اس بچہ کو آگ میں پھینک دیا گیا بچہ نے با آواز بلند کہا اماں جی آپ صبر کریں اور بلا پس و پیش بسم اللہ پڑھ کر آگ میں کود پڑیں۔ یہ آگ گل و گلزار ہو جائیگی۔ عورت یہ سن کر بے جھجک آگ میں کود گئی اور وہ آگ ایسی بھڑکی کہ بادشاہ اور اسکے مصاحبین کو (جو کرسیوں پر بیٹھے مظلوموں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے) جلا کر خاک کر دیا۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے آگ میں گرنے سے پہلے ہی ان کی روح قبض کر لی تھی۔ اس طرح ان کو اس آگ کی تکلیف سے محفوظ رکھا۔ محمد بن اسحق مورخ نے اس واقعہ کو بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر بتایا گیا ہے اور لکھا یہ کہ یہ واقعہ ملک یمن کے شہر نجران میں پیش آیا ہے۔ اور اس حادثہ میں اس ظالم بادشاہ نے (ذو نواس) نے تقریباً ۲۰۰۰۰ بیس ہزار آدمیوں کو ہلاک کیا ہے اس بارے میں دوسرے اقوال بھی ہیں محمد بن اسحق کی روایت میں بھی ہے کہ یہ لڑکا عبداللہ بن تامر جس مقام پر مدفون تھا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اتفاق سے کسی ضرورت کی بنا پر وہ زمین کھودی گئی تو اس میں عبداللہ بن تامر کی لاش صحیح سالم اس طرح برآمد ہوئی کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا ہاتھ اپنی کپڑی پر رکھا ہوا تھا۔ کسی دیکھنے والے نے ان کا ہاتھ اس جگہ سے ہٹایا تو خون جاری ہو گیا پھر وہ ہاتھ اس جگہ رکھ دیا تو خون بند ہو گیا انکے ہاتھ پر ایک انگوٹھی تھی جس پر اللہ دی بندہ تھا۔ عامل یمن نے اس واقعہ کی اطلاع فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ ان کو ان کی سابقہ حالت پر انگوٹھی سمیت دفن کر دو چنانچہ ایسا ہی کر دیا گیا۔

فائدہ..... عبداللہ بن تامر کی شہادت کے دن اہل نجران نے دین عیسوی قبول کیا تھا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک اسی دین پر قائم رہے ان کے سرداروں (سید و عاقب وغیرہ) نے مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بحث کی۔ اور آیت مباہلہ ان ہی لوگوں کے بارے میں اتری تھی۔

**الحاصل قتل اصحاب الا حدود** الی قولہ شہود میں مذکور واقعہ کی طرف اشارہ کر کے اہل ایمان کے لئے تسلی اور ان کو ستانے والے کفار مکہ کو تنبیہ مقصود ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ حق دہانے سے دبتا نہیں اور مظالم سے رکتا نہیں۔ بلکہ ایمان کا باغ ظلم و ستم کے انگاروں کی برسات میں پھلتا پھولتا اور پھیلتا ہے۔ جس طرح چند مومنوں کی قربانیوں سے نجران کی کایا پلٹ گئی۔ اسی طرح مکہ کے چند بے کس و مظلوم اہل ایمان کی قربانیاں ملک عرب میں ایک انقلاب برپا کر دیں گی چنانچہ آیت کے اشاروں سے جو پیشین گوئی ثابت ہوئی دنیا نے دیکھا کہ وہ پوری ہو کر رہی۔

﴿فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ﴾

وَمَا نَقْمُوا مِنْهُمْ..... یعنی ایمانداروں کو یہ سزا کسی چوری ذمیتی جیسے جرائم کی وجہ سے نہیں دی گئی۔ ان کا جرم و قصور صرف ایمان تھا۔ جو ان کافروں کو نوازا تھا۔ یہ تاکید الممدوح بمایہ الذم کے قبیل سے ہے جیسے مشہور شعر ہے۔

وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرَ أَنَّ سَيُوفُهُمْ بِهِمْ فَلَوْلَ مِنْ قُرْعِ الْكِتَابِ

اور کسی نے فارسی کا یہ شعر بھی اسی طور پر کہا ہے۔

بلوچ تربت من یا فتند از غیب تحریرے کہ ایں مقتول راجز بے گنا ہی گنا ہے نیست

اور وہ لوگ ایمان کس پر لائے؟ اللہ پر جو خالق و مالک کائنات ہے۔ العزیز یعنی ایسا زبردست ہے کہ وہ سرکشوں اور متکبروں کو پہل بھر میں خاک میں ملا سکتا ہے۔ ان کفار نے اس کا کچھ خیال نہ کیا۔ الحمید جس کی ذات عالی میں تمام کمالات اور خوبیاں موجود ہیں لہٰذا ملک السموات والارض آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت اسی احکم الحاکمین کی ہے ان تینوں صفات (العزیز، الحمید اور ملوکیت) میں اہل ایمان کی مدح و تحسین اور ان کی عقلمندی پر آفریں ہے کہ ایسی صفات والی ذات پر ایمان اور اسکی اطاعت تقاضائے عقل اور موجب عزت و افتخار ہے۔ اور کفار کی حماقت و بلاغت کا اظہار اور ان کے کفر و ظلم پر وعید شدید بھی ہے کہ وہ زبردست باکمال بادشاہ ہے وہ اپنے دوستوں کی حمایت اور دشمنوں سے ضرور انتقام لے گا۔ ورنہ اس کی بادشاہت میں خلل واقع ہو جائے گا۔ اور دوستوں کی حمایت اور دشمنوں سے انتقام لینے کیلئے اسکا باخبر ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے اخیر میں فرمایا: واللہ علی کل شیء شہید اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہیں ان سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ایمان والوں کا صبر اور کفار کے مظالم اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ وہ صبر استقامت پر انعام دے گا اور ظلم و ستم پر انتقام لے گا جو جس چیز کا مستحق ہے اس کو وہی چیز پہنچے گی۔

إِنَّ الَّذِينَ فُتِنُوا بِالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ (۱۰)

بیشک انہوں نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو ستایا پھر انہوں نے توبہ نہیں کی تو انکے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کیلئے جلاؤں کا عذاب ہے

بیشک	ان	الذین	فتنوا	المؤمنین	و	المؤمنات	ثم لم يتوبوا	فلهن	عذاب	جہنم	و	لهن	عذاب	الحریق
بیشک	جن لوگوں	ایمان والے	ایمان والے	اور	ایمان والیاں	پھر	نہ توبہ کی	پس واسطے ان	عذاب	دوزخ	اور	ایمان والیئے عذاب	عذاب	جلاؤں

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ (۱۱)

بیشک جو لوگ ایمان لائے انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ بڑی کامیابی۔

بیشک	ان	الذین	آمنوا	و	عملوا	الصالحات	لهم	جنت	تجرى	من	تحتها	الأنهار	ذلك	الفوز	الکبیر
بیشک	جو لوگ	ایمان لائے	اور	کام کئے	اچھے	واسطے ان	باغات	جاری ہیں	سے	انکے نیچے	نہریں	یہ	مرا دانا	بڑا	کبیر

إِنْ يَطُشْ رَبُّكَ لَشَدِيدٌ (۱۲) إِنَّهُ هُوَ يَبْدِئُ وَيَعِيدُ (۱۳) وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ (۱۴) ذُو الْعَرْشِ

یقیناً آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ زندہ کرے گا اور وہی بہت بخشنے والا اور بہت محبت کرنے والا، عرش کا مالک،

بیشک	ان	یطش	ربک	لشدید	انه هو یبدئ	و یعید	و	هو	الغفور	الودود	ذو العرش
بیشک	پکڑ	تمہارا رب	بڑی سخت	بیشک وہ	وہی	پہلی بار پیدا کرتا ہے	اور لوٹاتا ہے	اور وہ	بخشنے والا	محبت والا	عرش والا

الْمَجِيدُ (۱۵) فَعَالٌ لَمَّا يُرِيدُ (۱۶) هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ (۱۷) فِرْعَوْنُ وَثَمُودُ (۱۸)

بڑی شان والا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے کیا آپ کو ان کے لشکروں کا قصہ معلوم ہے؟ یعنی فرعون اور ثمود کا

الْمَجِيدُ	فَعَالٌ	لَمَّا يُرِيدُ	هَلْ	أَتَاكَ	حَدِيثُ	الْجُنُودِ	فِرْعَوْنُ	و ثَمُودُ
بڑی بزرگی والا	کر ڈالنے والا	جو	کیا	تجھ تک پہنچی	بات	لشکروں	فرعون	اور ثمود

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ (۱۹) وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ (۲۰)

بلکہ یہ کافر جھٹلانے میں لگے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

بَلِ	الَّذِينَ	كَفَرُوا	فِي	تَكْذِيبٍ	وَاللَّهُ	مِنْ وَرَائِهِمْ	مُحِيطٌ
بلکہ	جو لوگ	کافر ہوئے ہیں	میں	جھٹلانے	اور	اللہ سے	انکے ہر طرف سے گھیرے ہوئے

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ (۲۱) فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ (۲۲)

بلکہ وہ ایک با عظمت قرآن ہے۔ جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

بَلْ	هُوَ	قُرْآنٌ	مَّجِيدٌ	فِي	لَوْحٍ	مَّحْفُوظٍ
بلکہ	وہ	قرآن	بزرگ	میں	لوح	محفوظ

### لغات:

الحریق صفت مشبہ کا صیغہ ہے جو فاعل و مفعول دونوں کے معنی دیتا ہے۔ یہاں بمعنی فاعل ہے یعنی جلانے والا (ن س) دانت پینا (س) کٹ جانا، گر جانا، حَرَقَ أَحْرَقَ بِالنَّارِ، جلانا تحرق احترق جلنا الفوز اسم فعل ومصدر فتح و کامیابی (ن) کامیاب ہونا بطش مصدر (ن ض) پکڑنا و دود صیغہ مبالغہ بہت محبت کرنے والا۔ یعنی بہت ثواب دینے والا۔ بابہ سمع، فعال صیغہ مبالغہ، زبردست کام کرنے والا، خود مختاری سے کرنے والا۔ بابہ فتح الجنود جمع واحد الجنود لشکر۔ وراء آگے، پیچھے، سو۔ محیط صیغہ واحد کرام اسم فاعل احاطہ کرنے والا ہر طرف سے گھیرے ہوئے، پورا پورا قابو رکھنے والا (افعال) مجرد میں نصر سے، لوح محفوظ ام الكتاب، اللہ کی وہ کتاب علم جس میں ہر شیء مکتوب موجود ہے، جس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اس لوح تک شیاطین کو دسترس ہے نہ کسی مخلوق کو علمی رسائی۔

### ترکیب:

إِنَّ حرف مشبہ بہ فعل الذین اسم موصول فتنوا فعل ضمیر مستترہ ہم فاعل المؤمنین والمؤمنات معطوفین مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ ثم لم یتوبوا جملہ فعلیہ معطوف، معطوفین صلہ اسم ان فلهم (فافی الخبر لأن الموصول مع الفعل یكون متضمناً لمعنی الشرط، ولحظة أن لا تزیل ذلك التضمن عند الجمهور) خبر مقدم (وقد لتخصیص) ای ثابت لہم لہم عذاب جہنم مرکب اضافی۔ مبتدا موخر۔ جملہ اسمیہ معطوف علیہ ولہم عذاب الحریق كذلك معطوف، معطوفین ان کی خبر ان الذین امنوا و عملوا الصلحت موصول وصلہ اسم ان لہم خبر مقدم مثل سابق، جنت موصوف تجری فعل من تحتها متعلق الانہر فاعل جملہ فعلیہ صفت، مرکب توصیفی۔ مبتدا موخر جملہ اسمیہ خبر ان۔ جملہ اسمیہ۔ ذلک مبتدا الفوز الکبیر مرکب توصیفی خبر۔ جملہ اسمیہ خبر یہ۔ ان اپنے اسم بطش ربک (مرکب اضافی) اور نہ تشدید سے مکر جملہ اسمیہ انہ حرف مشبہ بہ فعل مع اسم ہو ضمیر فصل یدئی فعل و فاعل ضمیر مستتر ہو جملہ فعلیہ معطوف سیہ و یعید اسی طرح معطوف معطوفین خبر ان یا ہو کی خبر ہو کر جملہ اسمیہ ہو کر پھر خبر ان و عاطفہ ہو مبتدا الغفور خبر اول الودود خبر ثانی ذوالعرش مرکب اضافی خبر ثالث المجید خبر رابع فعال اپنے متعلق لما یرید سے مل کر خبر خامس (یرید فعل فاعل جملہ فعلیہ صلہ ما موصول صلہ سے مل کر مجرور لام) مبتدا اپنی پانچوں

خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر ماقبل پر عطف، بعض نے المجید اور فعال کو مبتدا مخدوف (الذی خالفه) کی خبر مانا ہے المجید میں دوسری قراءت جر کی ہے اس صورت میں یہ العرش کی صفت ہوگا۔ هل اترك..... اسکی ترکیب هل تک حدیث موسیٰ کی طرح ہے فرعون اور الجنود سے بدل ہے۔ لان المراد منه هو و قومه و ثمود معطوف ہے فرعون پر۔ (ثمود غیر منصرف ہے اور دو سب علیت و تانیث ہیں لانہ فی معنی القبیلة سموا باسم ابیہم الاکبر، وقیل سمیت لقلۃ ما نھا من الثمد وهو الماء القلیل و کانت مساکنہم الحجر ما بین الحجاز والشام) بل للاضراب الذین کفروا اسم موصول موصولہ مبتدا فی تکذیب (ای ثابتون فی تکذیب ہذہ القصص) خبر و عاطفہ اللہ مبتدا محیط اپنے متعلق مقدم من و رآئہم سے مل کر خبر۔ بل مثل سابق ای بل الذی کذبوا بہ ہوا الخ ہو مبتدا قرآن موصوف اپنی دونوں صفتوں مجید اور فی لوح محفوظ (مرکب توصیفی مجرور ای مرقوم فی لوح محفوظ) سے مل کر۔ جملہ اسمیہ خبریہ معطوف سابق پر۔

تفسیر:

ان الذین فتنوا بیان ظالموں کی سزا کا بیان ہے جنہوں نے اہل ایمان کو صرف ان کے ایمان کی بناء پر آگ کی خندق میں ڈالا تھا۔ اور سزائیں دو باتیں ارشاد فرمائیں فلہم عذاب جہنم ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے و لہم عذاب الحریق اور ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے ہی جملہ کی تاکید اور اسی کا بیان ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ دوزخ میں جا کر ان کو ہمیشہ آگ میں جلنے کا عذاب ہوتا رہے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے جملہ میں اہل بڑے عذاب کا بیان ہو جو آخرت میں ہوگا۔ اور دوسرے جملہ میں اس سزا کا ذکر ہو جو ان کو بطور نمونہ دنیا میں ملی۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جن منومنوں کو انہوں نے آگ کی خندق میں ڈالا تھا ان کو اللہ تعالیٰ نے جلنے کی تکلیف سے اس طرح بچا دیا کہ آگ کے چھونے سے پہلے ہی ان کی رو جس قبض کر لی گئی پھر وہ آگ اتنی بھڑک اٹھی کہ خندق سے نکل کر شہر بھر میں پھیل گئی اور ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے اس آگ نے جلا ڈالا صرف بادشاہ ذونواس بھاگ نکلا۔ آگ سے بچنے کے لئے دریا میں کود کر ڈوب مرا۔ بعض مفسرین نے ثانی جملے سے عذاب قبر مراد لیا ہے۔ ان کی سزا میں ثم لم ینبسوا کی قید بھی ہے مطلب یہ ہے کہ اس ظلم و ستم کے بعد بھی اگر وہ توبہ کر لیتے تو بخش دیے جاتے۔ اس جملہ میں عاصیوں کو توبہ کی دعوت بھی دی گئی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کے جو دو کرم کو دیکھو کہ ان ظالموں نے اولیاء اللہ اور اہل ایمان کو جلا کر ان کا تماشا دیکھا پھر بھی حق تعالیٰ نے توبہ و مغفرت کی ان کے لئے گنجائش رکھی تھی۔ یعنی اگر وہ توبہ کر لیتے تو ان کو معاف کر دیا جاتا۔

بعض حضرات نے اس قید سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جو مسلمان کسی کو عداً قتل کر کے تائب ہو جائے تو اس کی توبہ قبول ہے۔ لیکن اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کافر اگر کسی مسلمان کو قتل کر دے اور توبہ کر کے مسلمان ہو جائے تو اس کا جرم بھی معاف ہو جائے گا الا سلام یہدم مساکن قبلہ اور اس پر علماء امت کا اجماع ہے۔ اور یہ بات کہ مسلمان کسی مسلمان کو عداً قتل کر کے تائب ہو جائے تو اسکی توبہ قبول ہوگی کہ نہیں۔ آیت کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہاں قاتلین کفار ہیں۔ ہاں اگر آیت کے الفاظ کے عموم سے صرف استدلال کیا جائے تو بلاشبہ استدلال کی گنجائش ہے۔ اصحاب الا

خود د کے واقعہ کو سن کر ایمان والوں کو جلنے والے بے کس مظلوم مومنوں کی اذیت و شہادت پر رنج و ملال کا ہونا لا بدی ہے۔ اور یہ انتظار بھی ضروری ہے کہ نہ معلوم قیامت کے دن ان کو کیا بدلہ ملے گا۔ اسی لئے آئندہ آیت میں جملہ مستانفہ کے طور پر (بہ ترک حرف العطف) اہل ایمان کا اخروی حال بیان فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔

ان الذین امنوا ..... یعنی ایمان و عمل صالح والوں کو آخرت میں ایسے خوش نما باغات ملیں گے جن کے درختوں اور محلات کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور وہ بہت بڑی کامیابی ہے جو ان کو ایمان و عمل پر استقامت کی وجہ سے میسر آئے گی۔ اور ان کے تمام مصائب ان کے لئے راحت کا باعث ہوں گے۔

**سوال:** کافروں کی جزا کے بیان میں فاء جزا لائی گئی (فلہم عذاب جہنم) اور مومنوں کی جزا کے بیان میں اس حرف جزا کو ترک کر کے لہم جنت فرمایا گیا۔ اس میں کیا نکتہ ہے۔ جواب: نقطہ سیمیں یہ ہے کہ ثواب آخرت محض اللہ کے فضل پر ہے عمل پر موقوف نہیں۔ مثلاً نابالغ بچہ یا جو بلوغ سے قبل مجنون ہو گیا ہو۔ یا کوئی ایسا آدمی جو علم و عمل کے ماحول سے دور پہاڑ یا کھوہ میں بالغ ہوا ہو یا دار الحرب میں ایمان لایا اور طریقہ اسلام سے واقف ہی نہ ہوا ہو اور عبادت و اطاعت نہ کر سکا۔ یہ سب لوگ بغیر عمل ہی جنت میں داخل ہونگے بلکہ اعمال والے بھی اللہ کے فضل و کرم اور رحمت ہی سے جنت میں جائیں گے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لن یسجی احدا منکم عملہ قالوا ولا انت یا رسول اللہ؟ قال انا الا ان یتغمدنی اللہ منہ برحمۃ الحدیث (مشکوٰۃ ص ۲۰۷)۔ ہرگز تم میں سے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے سکتا صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا اور نہ آپ کو اے رسول خدا! فرمایا اور نہ مجھ کو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت میں چھپالے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ لا یدخل احدا منکم عملہ فی الجنة ولا یجیرہ من النار ولا انا الا برحمۃ اللہ (رواہ مسلم) تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کر سکتا اور نہ اس کو دوزخ سے بچا سکتا ہے اور نہ مجھ کو مگر اللہ کی رحمت سے۔ (یہ سب کچھ ہوگا)۔ بخلاف عذاب کے کہ وہ بغیر کفر و فسق پر موقوف ہے۔ اس لئے سزا کے بیان پر فاء لائی گئی ہے جس سے سب پر دلالت ہو رہی ہے۔ اور جزا و ثواب کے ترک میں فضاء ترک کر دی گئی۔

ان بطش ربک لشدید کچھیل آیات میں کفار کی سزا اور مومنین کی جزا کا بیان تھا یہاں ان بطش سے فعال لصا یرید تک صفات قہر و جبروت اور صفات رحم و کرم کو بیان فرما کر ماقبل کے مضمون کو موکد فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: کہ آپ کے رب کی گرفت سخت ہے اس سے بچا نہیں جاسکتا وہ مرنے کے بعد بھی گرفت کر سکتا ہے کیونکہ اس نے پہلی بار پیدا کیا ہے اور دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اور وہ رحم و کرم اور بخشش کا معاملہ بھی فرماتا ہے کیونکہ وہ غفور (بے حد بخشنے والا) و دود (پنے بندوں سے نہایت محبت کرنے والا ہے) اور وہ لازوال مجد و بزرگی والا ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ ہے کائنات اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ نظام کون و مکان اسی کے امر سے وابستہ ہے وہ جو چاہے کرے اس کو کوئی رک نہیں سکتا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شہنشاہ عالی صفات سے ڈرنا چاہیے۔ اسکی مکمل اطاعت کرنی چاہیے۔ ان صفات کے بیان میں دعوت ایمان و عمل بھی آگئی۔ واللہ اعلم۔

**سوال:** الغفور، الودود، ذو العرش المجید یہ صفات معرف بالآ یا مضاف الی المعروف بلام ہیں۔ اور فعال منکر ہے ایسا کیوں؟ نیز فعال صیغہ مبالغہ کیوں لایا گیا؟

جواب: فعال لما یرید یا طالعاً جبلاً کی طرح مشابہ مضاف ہے۔ اور مشابہ مضاف بحکم مضاف ہوتا ہے اور مضاف پر الف لام نہیں آتا۔ اور صیغہ مبالغہ مراد اور کثرت مفاعیل پر دال ہے۔ جیسا کہ واقع بھی ہے۔ یعنی جن اشیاء سے اللہ کے ارادے فعل کا تعلق ہے وہ بہت کثیر ہیں جن کی کثرت پر یہ صیغہ مبالغہ دلالت کرتا ہے۔

ہل اتک ..... پچھلی آیات میں مختلفہ الآثار صفات کا ذکر تھا۔ جن سے اللہ تعالیٰ کا منعم و منتعم ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

اصحاب الاخدود اور مظلوم مومنین کا واقعہ اس کا ثبوت ہے کہ ہل اتک سے اسی کا مزید ثبوت جھوڑا کید گذشتہ قوموں کے واقعات کی طرف اشارہ کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ لیکن بد قسمت کفار مکہ اس قسم کے واقعات کو سن کر بجائے عبرت و نصیحت اپنے انکار و تکذیب پر ڈٹے ہوئے تھے اس لئے فرمایا بسل الذین کفروا فی تکذیب یعنی کفار عبرت و نصیحت حاصل نہیں کرتے بلکہ جھٹلانے ہی میں مشغول ہیں۔ حالانکہ یہ اللہ کے قبضہ سے باہر نہیں ہیں۔ وہ جب چاہے ان کی پکڑ کر سکتا ہے جس طرح اصحاب الاخدود، فرعون و شمود اور دوسری قوموں کی کرچکا ہے۔ یہ لوگ ان واقعات کی نہیں بلکہ قرآن کی (جو ان واقعات کو بیان کرتا ہے) تکذیب کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن جھٹلانے کی چیز نہیں۔ اسمیں غلطی و تحریف کا احتمال نہیں۔ بلکہ وہ لوح محفوظ میں ثبت ہے جہاں جن و انس اور شیاطین کی رسائی ممکن نہیں۔

تم تفسیر سورۃ البروج بعون اللہ رب العلمین والصلوة والسلام علی رسولہ الامین وعلیٰ الہ

اصحابہ اجمعین



## سُورَةُ الطَّارِقِ

سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ آيَةً

(رکوع: ۱، آیات: ۱۷) سورۃ طارق کد میں نازل ہوئی اور اس میں سترہ آیتیں ہیں۔ (کلمات: ۶۱، حروف: ۱۳۹)

رابط و مناسبت:

یہ سورت بالاتفاق مکہ ہے سورۃ بروج سے اس کا ربط یہ ہے کہ اس کا آغاز آسمان اور برجوں (ستاروں) کی قسموں سے تھا۔ اس سورت کی ابتدا بھی ایسی قسموں سے ہے سورۃ بروج میں مسئلہ مبدء و معاد کا ذکر تھا یہاں بھی ہے۔ سورۃ بروج کے اخیر میں احاطہ اور حفاظت کا بیان تھا۔ یہاں اس آسمان کا جو تمام انسانوں کو محیط ہے اور آسمان کے محافظ ستاروں کا ذکر ہے نیز ان کل نفس لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ میں حفاظت انسان کا بیان ہے۔ وہاں کفار کی تکذیب قرآن کا ذکر تھا۔ یہاں حقارت انسان، شان قرآن اور امہال مکذبین کا ذکر ہے وغیرہ۔

شان نزول:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی و شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہا فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کی روٹی اور دودھ سے تواضع فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ دونوں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ آسمان سے ایک تارا ٹوٹا اور زمین سے اس قدر قریب ہو گیا کہ تمام گھر اور اس کی تمام چیز چمک گئی۔ ابوطالب گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ تارا ہے جو فرشتے آسمان کی حفاظت کے لئے شیاطین کو مارتے ہیں۔ اور قدرت خداوندی کی ایک نشانی ہے۔ ابوطالب کو اس سے تعجب ہوا اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے، اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ سورۃ لیکر آئے۔ اس سورت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان نشانات و دلائل سے کام لے کر صحیح راستہ (دین اسلام) کی طرف آنا چاہئے اور قدرت خداوندی، حشر و نشر اور معاد کا یقین کرنا چاہئے آسمان کو بایں عظمت حفاظت کی احتیاج ہے تو انسان بایں ناتوانی بدرجہ اولیٰ حفاظت خداوندی کا محتاج ہے، اس لیے اس کو ہمہ وقت حق تعالیٰ کا مطیع اسی اور اسی سے ہر آن متوجی رہنا چاہیے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم کرے اور اللہ بڑا مہربان ہے

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ (۱) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ (۲) النَّجْمُ الثَّاقِبُ (۳) إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ

قسم ہے آسمان کی اور رات میں آنے والے کی۔ اور آپ کو معلوم ہے رات میں آنے والا کیا ہے؟ وہ روشن ستارہ ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں

قسم	وَالسَّمَاءِ	وَالطَّارِقِ	وَمَا	أَدْرَاكَ	مَا الطَّارِقُ	النَّجْمُ	الثَّاقِبُ	إِنَّ	كُلَّ	نَفْسٍ
قسم	آسمان اور	رات کو آنیوالا	اور کیا	تم نے سمجھا	کیا ہے طارق	ستارا	چمکتا ہوا	نہیں	کوئی	جان

لَمَّا عَلِيَهَا حَافِظًا (۴) فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ (۵) خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ ذَافِقٍ (۶) يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ

جس پر ایک محافظ مقرر نہ ہو۔ اسلئے انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے بنایا گیا اسکو ایک اچھلتے پانی سے بنایا گیا ہے جو

لَمَّا	عَلِيَهَا	حَافِظًا	فَلْيَنْظُرِ	الْإِنْسَانُ	مِمَّ	خُلِقَ	خُلِقَ	مِنْ	مَاءٍ	ذَافِقٍ	يَخْرُجُ	مِنْ بَيْنِ
اُس پر	نگہیں	چاہئے کہ دیکھے	انسان	کس چیز سے	پیدا کیا گیا	پیدا کیا گیا	وہ	سے	پانی	اچھلتے	نکلے	سے درمیان

الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (۷) إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ (۸) يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ (۹) فَمَالَهُ مِنْ قُوَّةٍ

پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ پیچ و وہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ جس دن سب کی قلعی کھل جائیگی پھر نہ اس کا کوئی زور ہوگا

الصُّلْبِ	و	التَّرَائِبِ	إِنَّهُ	عَلَى	رَجْعِهِ	لَقَادِرٌ	يَوْمَ	تُبْلَى	السَّرَائِرُ	فَمَا	لَهُ	مِنْ قُوَّةٍ
پٹھ	اور	چھاتیوں	پیچ و وہ	پر	اسکو دوبارہ لوٹاتا	البتہ قادر	دن	چانچے جائیگی	راز	پس نہ	اسکے لئے	قوت

وَلَا نَاصِرٍ (۱۰) وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (۱۱) وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (۱۲) إِنَّهُ لَقَوْلٌ

اور نہ کوئی مددگار۔ قسم ہے بارش والے آسمان کی اور پھنسنے والی زمین کی۔ یقیناً یہ

وَلَا	نَاصِرٍ	وَالسَّمَاءِ	ذَاتِ الرَّجْعِ	وَالْأَرْضِ	ذَاتِ الصَّدْعِ	إِنَّهُ	لَقَوْلٌ
اور نہ	مددگار	قسم آسمان کی	بارش والا	اور زمین کی	پھٹ جانے والی	پیچ و وہ	بات

فَصْلٌ (۱۳) وَمَا هُوَ بِالْهَزُلِ (۱۴) إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا (۱۵) وَآكِيدُ كَيْدًا (۱۶)

فیصلہ کن کلام ہے اور وہ لایعنی کلام نہیں۔ واقعی وہ لوگ تدبیر کر رہے ہیں۔ اور میں بھی تدبیر کر رہا ہوں۔

فَصْلٌ	وَمَا هُوَ	بِالْهَزُلِ	إِنَّهُمْ	يَكِيدُونَ	كَيْدًا	وَآكِيدُ	كَيْدًا
فیصلہ کر دینے والا	اور نہیں	وہ	بے فائدہ	پیچ و وہ	مکر کرتے ہیں	ایک مکر	اور میں تدبیر کرتا ہوں

فَمَهْلِ الْكَافِرِينَ أَهْلُهُمْ رُؤِيدًا (۱۷)

لہذا آپ ان کافروں کو مہلت دیجئے ان کو تھوڑی سی مہلت دید دیجئے۔

فَمَهْلِ	الْكَافِرِينَ	أَهْلُهُمْ	رُؤِيدًا
پس ڈھیل دے	کافروں	ڈھیل دے ان	ایک مدت تک

لغات:

الطارق صیغہ واحد مذکر اسم فاعل طرفاً (ن) تھوڑا مارنا، بجانا، کھٹکھٹانا، رات کے وقت، ایسی نکر مارنا جس کی

آواز سنائی دے۔ اسی سے مطرقة بمعنی تھوڑا اور طریق بمعنی راستہ ہے۔ پھر عرف لغت میں مسافر کا نام پڑ گیا کہ وہ راستہ کو

اپنے قدم سے روندتا ہے اور مشہور ہو کر یہی اس کے حقیقی معنی بن گئے۔ پھر رات میں آنے والے کے لئے مختص ہوا۔ کیونکہ وہ

آکر اکثر بند دروازہ پٹیتا ہے۔ پھر وسعت دے کر ہر اس شئی پر بولا جانے لگا جو رات میں ظاہر ہو۔ حتیٰ کہ ان خیالی صورتوں

کے لئے بھی جو رات میں ظاہر ہوتی ہیں اس کا استعمال ہونے لگا۔ اور یہاں جمہور کے نزدیک رات میں ظاہر ہونے والا ستارہ

مراد ہے۔ یا تو جنس مراد ہے یا یہ ایک معبود ستارہ کا نام ہے۔ النجم اسم جنس، ثریا، یا رجل، یا کل ستارے (ج) النجوم

نجم نجوم ما (ن) ظاہر ہونا، طلوع ہونا، بیلدار گھاس یا ستارہ کا نکلتا۔

الثَّاقِبُ صیغہ واحد مذکر اسم فاعل حکمت والا، جلادینے والا ثَقَبَ ثَقْبًا ثَقُوبًا (ن) روشن ہونا، سوراخ کرنا، چھیدنا ثَقَبَ ثَقْبًا ثَقُوبًا سرخی میں آگ کے مشابہ ہونا۔ لَمَّا کبھی حرف جازم ہوتا ہے کہ کی طرح، اور کبھی حرف شرط یا حرف وجود ہو جو یا وجوب ہو جو ہوتا ہے (اس صورت میں اکثر ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے۔ ایک شرط ہوتا ہے دوسرا اجزا۔ لَمَّا استثنائی بھی آتا ہے۔ یہاں استثنائی بمعنی الّا ہے۔ تفصیل لغات القرآن جلد ۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔ مِمَّ مثل عمہ ہے دافِق صیغہ واحد مذکر اسم فاعل اچھلنے والا۔ دَفِقَ دَفْقًا دَفُوقًا (ن ض) اچھل کر بہنا۔ بھر کر گرنا، زور سے گرنا، الصلب پیٹھ ج اصلب، اصلب قوت، حسب، سخت پتھر لی جگہ ج صَلْبَةٌ راغب کہتے ہیں کہ صلب کے معنی سخت کے ہیں۔ اور صلابت و شدت ہی کی وجہ سے پشت کو بھی صلب کہا جاتا ہے صلب (ن ض) سولی دینا، بھوننا، صلابۃ (ک س) سخت ہونا بخل کرنا، الترائب چھاتیاں یہ تریبۃ کی جمع ہے۔ سینہ کی ہڈی۔ سینہ کا بالائی حصہ توب توبا (ن س) خاک میں ملنا محتاج ہونا، تبلی مضارع مجہول کا صیغہ واحد مونث غائب بمعنی جا چکی جائے گی۔ بلاء سے ماخوذ ہے (ن) آزمانا۔ السر اثر سورۃ کی جمع راز، مجید یا کو جمع میں ہمزہ کر لیا گیا ہے حالانکہ واحد میں ہمزہ نہ تھا۔ کیونکہ جمع میں یا سے پہلے الف ساکن ہے جمع میں دوسرا کن جمع ہوئے تو یا کو ہمزہ سے بدل کر اس کو کسرہ دے دیا۔ التقاء ساکنین نہ رہا۔ تبدیل نہ کرتے تو یا پر کسرہ ثقیل ہوتا۔ اسی طرح قبیلۃ کی جمع قبائل اور معیشۃ کی جمع معایش میں یا کو ہمزہ سے اس لئے نہیں بدلا کہ وہ یاء اصلی ہے۔ الرجوع مصدر (ض) لوٹنا، بارش کے بعد بارش، نفع، موسم بہار کی سبزی وغیرہ ذات الرجوع کا ترجمہ بعض نے چکر مارنے والا کیا ہے۔ بیضاوی، شاہ عبدالقادر اور شیخ البندرحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن اکثر مفسرین وائمہ لغت نے ”بارش“ الّا“ ترجمہ کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی معنی مروی ہے، شاہ ولی اللہ، شاہ رفیع الدین اور مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہم نے یہی معنی پسند فرمائے ہیں۔ الصدع مصدر (ف) پھٹنا۔ یہاں مراد زمین سے کھیتی کا پھوٹ نکلنا ہے فَضْلٌ مصدر (ض) جدا کرنا، فیصلہ کرنا قَوْلٌ فَضْلٌ حق و باطل کی تمیز، حق بات، سچا فیصلہ کرنے والا قول۔ الہزل کھیل، باطل، بے ہودگی، بے ہودہ کام ہزل ہزل (س ض) کھیل کرنا، بے ہودگی کرنا (ن ض) لاغر کر دینا یکیدون کیداً (ن) کمر کرنا، فریب کرنا، برا ارادہ کرنا، جنگ کرنا، تیار کرنا، اچھی یا بری تدبیر کرنا، لفظ استدراج اور مکر کی طرح کید کا استعمال بھی مذموم میں اکثر ہوتا ہے۔ مگر یہ سب محمود معنی میں بھی مستعمل ہیں۔ قرآن پاک میں جہاں بطور مذمت ہیں۔ معنی مذموم مراد ہیں۔ اور جہاں بطور مذمت نہیں وہاں معنی محمود مراد ہوں گے۔ مَهَلٌ واحد مذکر امر حاضر تفعیل سے مہلت دینا۔ (ف) اطمینان سے کام کرنا (س) بھلائی میں پیش قدمی کرنا۔ افعال سے مہلت سے دینا۔ رَوَيْدًا اسم فعل ہے تھوڑی مہلت ابن خالو یہ کہتے ہیں کہ یہ دراصل اِزْوَاد تھارُوْیْدَا اس کی تصغیر ہے۔ جس کے معنی مہلت دینے اور بٹھرنے کے ہیں اتقان میں ہے کہ روید اسم ہے ہمیشہ مصغر و مامور ہو کر بولا جاتا ہے۔ یہ رَوْدٌ کی تصغیر ہے۔ جس کے معنی مہلت کے ہیں۔

ترکیب:

وَالسَّمَاءُ قِسْمٌ (مَرْمَلَةٌ) وَالطَّارِقُ عَطَفَ عَلَيْهِ عَلَى الْاَصْحِ كَمَا مَرَّ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ  
تقدم مثله النجم الثاقب مرب و صیغ الطارق کا بیان ہے۔ یا ہو مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اور یہ جملہ اسمیہ خبریہ متعلق ہوگا۔ یہ سوال مقدر ماہو کا جواب ہے۔ اِنْ نَافِیہ کُل نفس مرکب اضافی مبتدا لَمَّا بمعنی الّا حافظ اپنے متعلق مقدم علیہا ہے مگر خبر، جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یا علیہا کو ثبت فعل محذوف کے متعلق اور حافظ کو اس فعل کا فاعل قرار

دے کر جملہ فعلیہ اور پھر خبر بنالیا جائے۔ یا ثابت محذوف کے متعلق ہو کر خبر مقدم اور حافظ مبتدا موخر پھر یہ جملہ اسمیہ مبتدا کل نفس کی خبر ہوگا۔ (وفی قرائة لما مخففة فيكون ان مخففة من المثقلة فحنث اسم مخذوف ای اِنَّهٗ وکل نفس لما علیہا حافظ خبرہ واللام فی لماہی الفارقة بین ان النافیة و المخففة ومازائدة فافہم۔ بہر دو صورت یہ جملہ جواب قسم ہے۔ اور وما أدرك..... جملہ معترضہ مضمون قسم کی تاکید کے لئے ہے۔ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ میں فاء تفریعیہ اور فعل، فاعل و متعلق جملہ فعلیہ خُلِقَ فعل مجہول ضمیر نائب فاعل مَاءٌ موصوف ذافی بمعنی مَدْفُوقِ یا بمعنی ذی کذا) صفت اَوَّلِ یَخْرُجُ فعل ضمیر فاعل مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ متعلق جملہ فعلیہ صفت ثانی۔ مَاءٌ دونوں صفتوں سے ملکر محرور، متعلق فعل، جملہ فعلیہ متانفہ ہو۔ وقع جواباً لسؤال مقدر کا نہ قبل مِمَّ خُلِقَ فقیل خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ..... اِنَّهٗ حرف مشبہ بہ فعل مع اسم لقادر اپنے متعلق مقدم علی رَجَعَهُ سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ تَبْلٰی اپنے نائب فاعل السَّحَابِ اَنْزَلَ سے ملکر جملہ مضاف الیہ یوم کا ہوا۔ اور وہ رَجَعَهُ کا ظرف ہے۔ یا فعل محذوف یُسَعِّتُہ کا ظرف ہوگا۔ فاء تفریعیہ مَا مشابہ بلیس لہ متعلق محذوف خبر مقدم من زائدة لآنه یزید بعد النفی غالباً قُوَّةٌ وَلَا نَاصِرٍ معطوفین اسم اور لا ناصر میں لازائدہ تاکید کے لئے ہے۔ جملہ اسمیہ خبریہ ہوا ذات الرجوع صفت ہے والسماء کی اور ذات الصدع، والارض کی۔ مرثلہ غیر مرثیہ۔ اِنَّهٗ حرف مشبہ بہ فعل مع اسم لقول فصل مرکب توصیفی خبر ان جملہ اسمیہ خبریہ مَا مشابہ بلیس ہو اسم بِالْهَزْلِ خبر والباء زائدة لتأكيد النفی وتحسين الکلام والجملة عطف علی ماسبق۔ ان حرف مشبہ بہ فعل هُمْ عائذ الی مشرکی العرب اسم یَکِيدُوْنَ فعل ضمیر جمع غائب فاعل کَیْدًا مفعول مطلق جملہ فعلیہ معطوف علیہ و اکید کیدا مثله معطوف علیہ۔ فاء تفریعیہ لترتیب ما بعد ہا علی ما قبلہا مَہِلَ فعل بافاعل الکفوفین مفعول بہ جملہ فعلیہ انشائیہ مؤکد یا مبدل منہ امہل فعل بافاعل ہم مفعول بہ ویددا مصدر تاکید کیلئے یا مصدر محذوف امہال کی صفت۔ مفعول مطلق۔ جملہ فعلیہ انشائیہ تاکید ما قبل یا بدل۔

تفسیر:

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ ہر انسان پر ایک نگران مقرر ہے۔ جو اسکے تمام افعال، اعمال، حرکات، سکنت اور حالات کو دیکھتا، جانتا اور سنتا ہے۔ اس کا عقلی تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے انجام پر غور و فکر کرے۔ اور اعمال کے نتائج کو پیش نظر رکھے کہ وہ دنیا میں جو کچھ کر رہا ہے وہ مالک کے یہاں محفوظ ہے۔ قیامت کے دن اس کا حساب دینا ہوگا۔ جس طرح آسمان پر ستارے ہر وقت محفوظ ہیں۔ مگر ان کا ظہور صرف رات کے وقت ہوتا ہے اسی طرح اعمال سب کے سب نامہ اعمال میں اس وقت بھی محفوظ ہیں مگر ان کا ظہور ایک وقت خاص یعنی قیامت میں ہوگا۔ اسلئے انسان کو چاہئے کہ وہ کسی وقت بھی آخرت سے غافل نہ ہو۔ یہاں پر قلب انسانی میں وسوسہ شیطانی سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بدنی منتشر اعضاء کا جمع ہونا دشوار ہے۔ بلکہ جہال کی نظر میں ناممکن ہے تو اس کو اپنی ابتدائی تخلیق میں غور کرنے کی دعوت و ہدایت کے ذریعہ زائل فرمایا کہ اللہ نے جس طرح مختلف ذرات و مواد کو اوّل بار جمع کر کے ایک سمیع و بصیر انسان بنادیا ہے۔ اسی طرح وہ قادر مطلق دوبارہ اس کو عرصہ حیات پر لے آئیگا۔ اسکے بعد قیامت کا تھوڑا سا حال بیان فرما کر دوسری قسم زمین اور آسمان کی کھا کر غافل انسان کو یہ جتلا یا گیا کہ جو کچھ اس کو فکر آخرت کی تلقین کی گئی ہے وہ اس قرآنی تلقین کو مذاق

ودل لگی نہ سمجھے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی حقیقت واقعہ ہے جو اسکے سامنے آ کر رہے گی۔ پھر فرمایا کہ کفار و مشرکین فوری مواخذہ نہ ہونے سے یہ خیال نہ کریں کہ کفر و شرک اللہ کو پسند ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے تھوڑی سی مدت کیلئے ڈھیل دی جا رہی ہے تاکہ اس فرصت میں انسان سوچ سمجھ لے۔ اس پر سورت ختم ہو گئی۔ وَالسَّمَاءُ سے مراد جمہور کے نزدیک آسمان ہے۔ بعض نے اس سے مراد بارش لی ہے۔ وَالطَّارِقُ آسمان کی قسم بھی کھائی گئی ہے اور اس کی وضاحت میں فرمایا گیا کہ طارق نجم ثاقب ہے۔

### طارق اور نجم ثاقب:

اس سورت کے شروع میں آسمان کے ساتھ طارق کی قسم کھائی گئی ہے۔ طارق کے معنی رات کو آنیوالے کے ہیں، ستارے چونکہ دن میں چھپے رہتے اور رات کو ظاہر ہوتے ہیں اسلئے ستاروں کو بھی طارق کہا جاتا ہے۔ چنانچہ النَّجْمُ الثَّاقِبُ (وہ چمکدار ستارہ ہے) ہی سے اسکی تفسیر فرمائی گئی۔ قرآن پاک نے ستارہ متعین نہیں فرمایا اسلئے اس کا مصداق ہر ستارہ ہو سکتا ہے، جمہور کا مسلک یہی ہے۔ اس میں دوسرے اقوال بھی ہیں۔ مثلاً (۱) بعض نے اس سے ثریا ستارہ مراد لیا ہے۔ کیونکہ اہل عرب اس پر نجم کا اطلاق کرتے ہیں۔ یعنی نجم بول کر ثریا مراد لیتے ہیں۔ (۲) بعض نے زحل مراد لیا ہے۔ کیونکہ ثاقب کے معنی مرتفع (بلند) روشن چمکدار (تاریکی میں چھید کر نیوالے) کے آتے ہیں اور زحل سب ستاروں سے بلند بھی ہے۔ اور افلاک سے تاریکی کو زیادہ دور بھی کرتا ہے۔ کما زعم المنجمون المتقدمون (۳) فراء سے یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد قمر ہے۔ کیونکہ وہ سب سے زائد روشن ہے۔ اور قرآن نے اس کو آية السيل بھی قرار دیا ہے۔ لیکن نجم کا اطلاق قمر پر مشہور نہیں ہے۔ (۴) اس سے مراد صبح کا ستارہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ستارہ ساتویں آسمان پر رہتا ہے جب آسمان پر ستارے جلوہ گر ہو جاتے ہیں تو وہ ان کے پاس آ جاتا ہے اور ان کے پاس رہتا ہے۔ پھر لوٹ کر اپنے مقام پر چلا جاتا ہے۔ اور طارق کا مصداق وہی ہے (لیکن اہل نجوم اسی کو زحل کہتے ہیں اور اس کا نزول و صعود معروف و مقول نہیں) اور اس روایت کی نسبت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف درست نہیں معلوم ہوتی۔ (۵) ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ طارق سے مراد ہر رات کو آنیوالا ہے۔ خواہ وہ ستارہ ہو یا اور کوئی مخلوق۔

ان کل نفس لما علیہا حافظ یہ جواب قسم ہے۔ اس میں ان نافیہ اور لما مشدّد بمعنی الا براۓ استثناء ہے۔ یہ قبیلہ ہذیل کی لغت کے موافق ہے۔ اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ کوئی نفس ایسا نہیں جس پر حافظ نہ ہو۔ حافظ کے معنی نگران کے بھی آتے ہیں۔ یعنی جو کسی کے اعمال کو نگاہ میں رکھے تاکہ ان کا حساب لے۔ اور حافظ بمعنی محافظ بھی آتا ہے جسکے معنی مصائب و آفات سے حفاظت کرنے والے کے ہیں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے حافظ سے مراد فرشتہ کا تب عمد ہے اور یہاں اس کو اگرچہ بلفظ مفرد بمعنی جنس بیان کیا ہے۔ مگر ان کا متعدد ہونا دوسری آیت وان علیکم لحفظین سے ثابت ہے۔ کا تبین وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

اور دوسرے معنی کے اعتبار سے وہ فرشتے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کیلئے مقرر فرمائے ہیں۔ وہ دن رات آفات و مصائب سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہاں اس آفت کے پہنچنے کے وقت وہ ہٹ جاتے ہیں جس کا پہنچنا اللہ کی طرف سے مقدر ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کو دوسری آیت میں صراحت کیا ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔ لَـ

معقبت من بین عدیہ ومن خلقہ یحفظونہ من امر اللہ یعنی انسان کے لئے نوبت بہ نوبت آنے والے محافظ فرشتے مقرر ہیں۔ جو بالنبی آگے پیچھے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم نے فرمایا کہ ہر مومن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین سوساٹھ فرشتے اس کی حفاظت کیلئے مقرر ہیں جو انسان کے ہر عضو کی حفاظت کرتے ہیں، ان میں سے سات فرشتے صرف انسان کی آنکھ کی حفاظت کیلئے ہیں۔ یہ فرشتے انسان سے ہر بلا و مصیبت کو جو اس کیلئے مقدر نہیں اسی طرح دفع کرتے ہیں۔ جیسے شہد کے برتن پر آنے والی کھیوں کو بچنے وغیرہ سے دفع کیا جاتا ہے اگر انسان پر یہ حفاظتی پہرہ نہ ہو تو شیاطین اسکو اچک لیں اور اس کی بونیاں نوچ لیں۔ بعض علماء نے لفظ نفس سے مطلق ذات الہی مراد لی ہے۔ اور حافظ کا مصداق ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ ہر شی ممکن ہے اور ممکن کے وجود و عدم مساوی ہوتے ہیں۔ اسکے لئے مرجح صرف ذات واجب تعالیٰ ہے۔ اور وہی خالق و قیوم بھی ہے۔ اور باقی رکھنے اور حفاظت کرنے والا بھی وہی ہے۔ کما قال تعالیٰ: **إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا أِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ** بیشک اللہ تعالیٰ نے ہی آسمان و زمین کو تھام رکھا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے نل نہ جائیں اور اگر وہ نل جائیں تو اسکے سوا کوئی ان کو تھام نہیں سکتا) **وَقَالَ تَعَالَى: وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا** واللہ علی کل شیء شہید اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگراں ہے۔

خلوت ولكن قل على رقيب

إذا ما خلوت الدهر فلا تقل

ایک قول یہ بھی ہے کہ حافظ کا مصداق عقل ہے۔ واللہ اعلم۔

فلینظر الانسان مم خلق اکمیں فاء سببہ ہے۔ حافظ کا مصداق اگر ملائکہ ہیں تو مطلب یہ ہوگا۔ جب فرشتے محافظ و نگراں ہیں۔ اور ان میں سے وہ فرشتے بھی ہیں جو اعمال انسانی کی نگرانی کرتے ہیں تو انسان کو اپنے حالات درست رکھنے چاہئیں۔ اور آخرت سے غفلت نہ برتنا چاہئے۔ اور آخرت پر یقین کرنے کے لئے اپنے ابتدائی حالات میں غور فکر کرنا چاہئے۔ تاکہ اپنے ابتدائی تخلیقی حالات سے دوبارہ تخلیق کی صحت پر استدلال کر سکے۔ اور اس سے ایمان و عمل کی راہ ہموار ہو سکے۔ اور اگر حافظ کا مصداق ذات باری تعالیٰ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ جل شانہ کے حافظ و نگراں ہونیکا ثبوت اور اس کی معرفت اے انسان خود تیری ذات میں ہے۔ اپنی تخلیق میں غور کر اور قدرت خداوندی کا مشاہدہ کر۔ نیز اسی سے آخرت و بعثت پر استدلال کر۔ اور اگر حافظ کا مصداق عقل ہے تو اس میں عقل سے کام لے کر اپنی مصالح کی طرف متوجہ ہونے کی ہدایت ہے۔ نیز اس بات کی دعوت ہے کہ انسان اپنی عقل سے ابتدائے خلقت میں غور کرے تاکہ اس پر قدرت حق واضح ہو جائے۔ اور وہ اس بات کا یقین کر لے کہ جس ذات گرامی نے عناصر میں اول بار حیات و الذی، حالانکہ حیات کا ان سے کبھی تعلق نہ ہوا تھا۔ تو دوبارہ حیات دینا کیا مشکل ہے۔ جبکہ ایک بار اس جسم سے حیات کا تعلق قائم ہو بھی چکا ہے۔ وقد یقرر التفریع علی جمیع الواجه بنحو واحد فتأمل۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ اسی پیدا شدہ سوال کا جواب بطور استیناف ذیل میں مذکور ہے کہ: **خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ** ..... انسان ایک اچھلنے ہوئے پانی یعنی نطفہ منی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے) یہ منی خواہ صرف مرد کی ہو یا مرد و عورت دونوں کی۔ اور عورت کی منی میں گواند فاق (اچھلنا) مرد کی منی کے برابر نہیں ہوتا لیکن کچھ اندفاق ضرور ہوتا ہے۔ اور ماء سے عورت و مرد دونوں کی منی مراد لیجائے تو لفظ ماء کو مفرد اس وجہ سے لایا گیا کہ دونوں مادے ملکر مثل شئی واحد ہو جاتے ہیں۔

## نطفہ کہاں سے نکلتا ہے؟

عام طور پر حضرات مفسرین نے یخرج من بین الصلب والخصائب کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ نطفہ مرد کی پشت اور عورت کے سینہ سے نکلتا ہے۔ لیکن محققین اطباء کی تحقیق و تجربہ یہ ہے کہ نطفہ انسان کے سارے بدن سے نکلتا ہے اور نطفہ کا جو حصہ مرد و عورت کے عضو سے نکلتا ہے بچہ کا وہ عضو اسی حصہ سے بنتا ہے۔ البتہ دماغ کو اس میں سب سے زیادہ دخل ہے۔ اسی لئے مشاہدہ ہوتا ہے کہ جماع کی کثرت کرنے والے اکثر ضعف دماغ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ محققین اطباء کا کہنا ہے کہ نطفہ تمام اعضاء سے منفصل ہو کر اور اس کا معظم حصہ دماغ سے نکل کر نخاع (پشت اور سینہ کے پٹھوں) کے ذریعہ خصیتین میں جمع ہوتا ہے پھر وہاں سے احلیل کے ذریعہ نکلتا ہے۔

اگر یہ تحقیق درست ہے تو حضرات مفسرین نے جو نطفہ کا خروج مرد کی پشت اور عورت کے سینہ کے متعلق قرار دیا ہے۔ اس کی توجیہ بھی سہل ہے۔ کیونکہ اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ منی کی تولید میں دماغ کو بڑا دخل ہے۔ اور دماغ کا خلیفہ و قائم مقام نخاع ہے۔ جو ریڑھ کی ہڈی کے اندر دماغ سے پشت اور پھر خصیتین تک آیا ہوا ہے۔ اسی کی کچھ شاخیں سینہ کی ہڈیوں میں بھی آئی ہوئی ہیں۔ ممکن ہے کہ عورت کی منی نکلنے میں سینہ کی ہڈیوں کو زیادہ دخل ہو اور مرد کے نطفہ میں پشت سے آنے والے نطفہ کا دخل زیادہ ہو۔ اور اگر قرآن کریم کے الفاظ میں غور کیا جائے تو ان میں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں صرف اتنا مذکور ہے کہ نطفہ پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے اس کا مطلب بے تکلف یہ ہو سکتا ہے کہ نطفہ مرد و عورت دونوں کے پورے بدن سے نکلتا ہے اور سارے بدن کی تعبیر آگے پیچھے کے اہم اعضاء سے کر دی گئی۔ سامنے کے حصہ میں سینہ سب سے اہم ہے۔ کیونکہ قلب و جگر وغیرہ اسی میں ہیں۔ اور پیچھے کے حصہ میں پشت سب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ گردے وغیرہ اہم اجزاء اسی میں ہیں۔ لہذا دونوں میں سے نکلنے کا مطلب یہ ہوا کہ سارے بدن سے نکلتا ہے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پشت اور سینہ چونکہ بدن کے دو طرفین ہیں اس لئے کنا یہ جمع بدن سے ہو سکتا ہے۔

## ترائب کو جمع کیوں لایا گیا؟

ترائب جمع تریبہ کی ہے جسکے معنی سینہ کے آتے ہیں۔ سینہ گواہیک ہی ہوتا ہے۔ مگر اہل عرب کے عرف میں اس کو جمع سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ امر القیس کے شعر میں ہے۔

ومہفہفہ بیضاء غیر مفاضة ترائبها مصفولة کالسجنجل

اور وہ محبوبہ پتلی کمروالی گوری چٹی اور ستواں سڈول ہے۔ اس کا سینہ آئینہ کی طرح چمکدار ہے۔

گویا ماحول (آس پاس) کے اعتبار سے جمع لے آتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ ترائب سینہ کی ہڈیاں یا وہ ہڈیاں جو دونوں طرف ہنسی کی ہڈیوں سے ملی ہوئی ہیں۔ یا وہ ہڈیاں جو چھاتیوں اور ہنسیوں کے درمیان ہیں۔ یا سینہ کے دائیں بائیں جانب کی چار چار پسلیاں، یا دونوں ہاتھوں دونوں ٹانگوں اور دونوں آنکھوں کا مجموعہ یا ہار پہننے کی جگہ۔ ان تمام معانی سے جمع مفہوم ہوتی ہے۔ اور معانی مذکورہ کے موافق مفسرین کے تمام اقوال ہیں۔

نیز اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ صلب و ترائب سے کس کے صلب و ترائب مراد ہیں۔ مرد کے یا عورت کے یا دونوں کے۔ جمہور مفسرین کا قول گذر چکا کہ صلب الرجل اور ترائب المرأة مراد ہے۔ کقولک

یخرج من بین زید و عمرو خیر کثیر علی معنی انہما سببان فیہ بعض کہتے ہیں: یخرج من بین صلب الرجل و ترائبہ گویا وہ اس بات کے قائل ہیں کہ عورت کے منی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ قول نصوص اور طب دونوں کے خلاف ہے۔ بعض نے کہا: ان ذلک باعتبار ان الرجل والمرأة یصیران کالشئ الواحد فکان الصلب والترائب لشخص واحد۔ وعن قتادۃ ان المعنی یخرج من بین صلب کل واحد من الرجل والمرأة وترائب کل منہما۔) حضرت قتادہ کے قول کے اعتبار سے بھی یہ شہد رفع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مافوق الواحد پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّہٗ عَلٰی رَجْعِہٖ لَقَادِرٌ ..... مطلب یہ ہے کہ جو قادر مطلق پشت و سینہ کی ہڈیوں اور جسم کی تنگ و تاریک راہوں سے نطفہ منی کو گذار کر رحم مادر میں لاتا ہے۔ اور اس مقام پر خلقت کی نگاہوں سے چھپا کر اس نطفہ منی کو انسان بنا دیتا ہے پھر اس کو ایک تنگ راستہ سے دنیا میں لا کر اس کی بقاء کے تمام انتظامات کر دیتا ہے۔ یقیناً وہ خالق اکبر اس کو فناء کر کے دوبارہ بھی بنا سکتا ہے۔ گویا اول تخلیق دوبارہ تخلیق کے امکان کو بتا رہی ہے۔ اور ممکن شئی کے وقوع کی خبر اگر کوئی منجر صادق دیدیتا ہے تو فطرت انسانی اس کے وجوب وقوع کا یقین کرتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی خبر سے اس امکان کا وجوب وقوع ثابت ہو گیا۔ لہذا آخرت میں دوبارہ زندہ ہونیکا انکار عقل و تقاضائے فطرت انسانی کے خلاف ہوا۔

یَوْمَ تَبْلَسُ السَّرائِرُ ..... (جس دن مخفی امور ظاہر کر دیئے جائیں گے) مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن انسان کے تمام عقائد، خیالات، نیات، عزائم اور مخفی اعمال ظاہر ہو جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انسان کے تمام پوشیدہ رازوں کو کھول دے گا۔ ہر اچھے بے عقیدہ و عمل کی علامت انسان کے چہرہ پر رونق و زینت یا ظلمت اور سیاہی کی صورت میں ظاہر کر دی جائیگی۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا عالم مادہ ہے۔ یہاں مادہ جسم کے احکام غالب ہیں اور روح کے مغلوب ہیں۔ اسلئے انسان اپنی روح کے اوصاف یہاں بہ تکلف چھپا سکتا ہے۔ اور آخرت عالم روحانیت ہے وہاں روحانی اوصاف مکمل طریقہ پر ظاہر ہوں گے۔ اور جسم ان کو روک نہ سکے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ﴾ پھر نہ اس کو خود چھپانے کی قدرت ہوگی ﴿وَلَا نَاصِبَ﴾ اور اظہار کے بعد اس کی سزا سے بچانے کیلئے اس کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا۔ جیسے دنیا میں انسان اپنے اعمال بد اپنی ذاتی تدبیروں اور قوت عقل و حواس سے چھپا لیتا تھا۔ اور ظاہر ہونیکے بعد اسکے حمایتی سزا سے بچا لیتے تھے۔ جسمانی کثافت کا تقاضا پوشیدگی اور روحانی لطافت کا مقتضی ظہور ہے۔ اسلئے عالم مادہ و جسمانی حکومت میں ستر ہے۔ اور عالم روحانی و سلطنت روح میں ظہور ہوگا۔ فافہم۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ..... (اور قسم ہے بارش والے آسمان کی) رجوع بارش کو اسلئے کہتے ہیں کہ وہ لوٹ کر (بار بار) آتی ہے یا اس وجہ سے کہ بادل بارش کو زمین کے سمندر سے اٹھاتا ہے۔ اور پھر اس کو زمین کی طرف واپس کر دیتا ہے۔ (اور لفظ رجوع (ض) لازم و متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے) جمہور مفسرین نے الرجوع کی یہی تفسیر کی ہے۔

قالت الخنساء -

یوم الوداع تری دموغا جاریہ کالرجع فی المدجنۃ الساریہ

رخست کے دن تو جاری ہونے والے ایسے آنسو دیکھے گا جیسے رات کی کالی کالی گٹھا کی بارش

حضرت ابن عباس و حضرت مجاہد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ السَّمَاء سے بادل الرَّجْع سے بارش مراد ہے۔



ابن زید کہتے ہیں السَّمَاء سے آسمان مراد ہے اور السَّجْع سے شمس و قمر اور کواکب کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف رجوع کرنا مراد ہے۔ یعنی آسمان کے جس حصہ سے ستارے حرکت شروع کرتے ہیں چوبیس (۲۴) گھنٹہ میں یا ایک مہینہ میں یا سال بھر میں وہ اسی مقام پر آ جاتے ہیں۔ اور شاہ عبدالعزیز و شیخ البندر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ حضرات نے خود آسمان کی حرکت مراد لی ہے۔ اور ترجمہ کیا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں چکر لگانے والے آسمان کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان خود حرکت کرتا ہے۔ و ہذا مبني على ان السماء والفلک واحد فہی يتحرك، و ظاہر کلام السلف ان السماء غیر الفلک وانہا لا تدور ولا تتحرك۔ (واللہ اعلم)

بعض نے الرُّجْع سے مراد ملائکہ لئے ہیں (لرجعوا عنهم باعمال العباد او الى جناب الباری والا مور المفوضۃ اليہم) وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (اور قسم ہے پھٹنے والی زمین کی) اشجار، نباتات، معدنیات، چشمے اور دریا وغیرہ نکلنے سے زمین بھٹکتی ہے۔ وقيل ذات الاموات لانصداعها عنهم عند النشور۔ والعموم اولی۔ ان دونوں قسموں کا انتخاب:

اوپر کی آیات میں دو باتیں ذکر کی گئی تھیں (۱) انسان کا دوبارہ پیدا ہونا (۲) مخفی اسرار اور پوشیدہ رازوں کا ظاہر ہو جانا۔ ان دونوں قسموں سے ان دونوں باتوں کے ثبوت و وضاحت پر ایسی دو مثالیں پیش فرمائی گئیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے۔ بارش کا بار بار آنا، کواکب و سیارات کا اپنی منزلوں میں واپس آنا جس سے رات دن موسمیات اور فصلوں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ یہ سب مشاہدات انسان کے دوبارہ پیدا ہونے اور اِنَّهُ عَلٰی رَجْعِهِ لَقَادِر کے بین ثبوت میں، اسی طرح زمین سے مختلف اشیاء، اشجار، نباتات وغیرہ کا برآمد ہونا۔ حشر اور ڈھکی چھپی چیزوں کے ظہور پر دلیل ہے۔ فتنفکِرْ اِنَّهُ لَقَوْلٌ فَضْلٌ ..... (بلاشبہ قرآن حق و باطل کا فیصلہ کر نیوالا ہے) اِنَّہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے یعنی پورا قرآن پاک جو اس سورت اور آیت مذکورہ پر بھی مشتمل ہے قول فیصل ہے یعنی انتبائی فیصلہ کو پہنچا ہوا ہے۔ گویا کہ خود ہی فیصلہ ہے اسی لئے بجائے فاصل کے لفظ فصل (مصدر) لایا گیا۔ یہ جمہور کی تفسیر ہے۔ بعض نے کہا کہ مرکز جینے اور مخفیات کے ظاہر ہو جائیکل بات قطعی ہے۔ وَالْأَوَّلُ اَوَّلٰی۔

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ..... یہ کوئی دل لگی اور مذاق کی بات نہیں۔ بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو پڑھنے اور سننے والا اس کی تصدیق کرے۔ اور قلبی خشوع و خضوع سے اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب فتنہ رونما ہوگا۔ میں نے عرض کیا اس سے نکلنے کا راستہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کتاب اللہ ہے۔ جسمیں پہلوں کے واقعات اور بعد والوں کی خبریں ہیں۔ اور تمہارا فیصلہ ہے۔ هو الفصل لیس بالهزل من ترکہ من جبار قصمه اللہ ومن ابتغى الهدى فی غیرہ اضله اللہ وهو حل اللہ المتین وهو الذکر الحکیم وهو الصراط المستقیم۔ الحدیث۔ یعنی یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہے۔ ہنسی اور دل لگی نہیں جو ظالم اس کو چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اس کی کمر توڑ دیگا۔ اور جو شخص اسکے علاوہ میں ہدایت ڈھونڈیگا۔ خدا اس کو گمراہ کر دیگا۔ اور وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ اور وہ حکمتوں والا ذکر ہے اور وہی صراط مستقیم ہے۔

اِنَّهُمْ يَكِيدُوْنَ ..... یعنی کفار مکہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکاری کرتے ہیں۔ یعنی زبان سے قلب

کے خلاف اظہار کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ کام بگاڑنے اور نور حق کو بجھانے کے لئے مختلف تدبیریں اور سازشیں کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی ان کو ڈھیل دیکر ان کی غفلت بڑھا کر ان سے سخت مواخذہ کی تدبیر کرتے ہیں۔ اے ہمارے نبی آپ بھی تھوڑا صبر کیجئے اور ان کو تھوڑے عرصہ کھانے پینے دیجئے۔ عنقریب ان کی پکڑ ہوگی۔ اس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو تسلی و تلقین صبر ہے۔ اور کفار کو دھمکی بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے یہ گرفت کی دھمکی ہے۔ چنانچہ بذکر لڑائی میں اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔

تَم تَفْسِيرُ سُورَةِ الطَّارِقِ بِحَمْدِ اللَّهِ الْخَالِقِ الرَّازِقِ وَالصَّلَوةِ وَالسَّلَامِ عَلَى نَبِيِّهِ الْفَائِقِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ  
وَعَلَى كُلِّ صَالِحٍ وَصَادِقٍ

## سُورَةُ الْأَعْلَى

سُورَةُ الْأَعْلَى مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ آيَةً

(رکوع: ۱، آیات: ۱۹) سورۃ اعلیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں انیس آیات ہیں۔ (کلمات: ۷۳، حروف: ۷۷)

اس سورت کا دوسرا نام سورۃ سَبَّح بھی ہے۔ اس میں بالاتفاق انیس آیات ہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ سورۃ مکہ ہے۔ بعض نے اس کو مدنیہ کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس میں صلوٰۃ عید و صدقہ فطر کا ذکر ہے اس لئے یہ مدنیہ ہے۔ لیکن اس کو جمہور نے تسلیم نہیں کیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی تردید کرتے ہوئے بخاری شریف کی حدیث کو استدلال میں پیش کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے ہمارے پاس (مدینہ) حضرت معصب بن عمیر و حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما آئے اور ہم کو قرآن مقدس کی تعلیم دینی شروع کی۔ اور پھر حضرت عمار، حضرت بلال اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم تشریف لائے۔ پھر بیس صحابہ کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے تو میں نے اہل مدینہ کو کبھی نہیں دیکھا کہ وہ اتنے خوش ہوئے ہوں جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے وہ خوش ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ چھوٹی چچیاں اور بچے بھی (خوشی سے) کہہ رہے تھے ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد جاء۔ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی میں نے چند سورتیں پڑھ لی تھیں۔ جن میں سَبَّح اسم ربک الا علی بھی تھی اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت ہجرت نبوی سے پہلے ہی نازل ہو چکی تھی۔

رابط و مناسبت:

سورۃ طارق میں اور اس سورت میں بھی دیگر سورتوں کی طرح مختلف وجوہ سے ربط ہے۔ مثلاً: (۱) اس میں یہ تھا کہ ہر اک نفس پر ایک نگہبان مقرر ہے۔ اس میں یہ بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے نگہبان خود باری تعالیٰ ہیں تاکہ علوم غیبیہ و وحی ربانی آپ فراموش نہ کر پائیں۔ (۲) وہاں انسانی اور دیگر مخلوقات کی ابتداء پیداؤں کا ذکر تھا جو نطفہ منیٰ اور پانی سے ہوئی تھی۔ اور یہاں اس کی انتہا کا ذکر ہے۔ (۳) وہاں قرآن کے اوصاف کا ذکر تھا کہ یہ کلام ربانی فیصلہ لا ثانی ہے۔ یہاں بھی کلام اللہ کے اوصاف مذکور ہیں کہ اس پر عمل موجب نجات اور اس سے اعراض موجب ہلاکت ہے وغیرہ۔

## شان نزول:

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی بڑی سورتیں نازل ہونے لگیں اور غیب سے بے شمار علوم کا فہم ہونے لگا تو قلب مبارک میں یہ خیال گذرا کہ میں خود امی ہوں، ایسا نہ ہو کہ قرآن مقدس یا علوم الہیہ میں سے کچھ حصہ بھول جاؤں۔ اس لیے اس سورت میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ بھولیں گے نہیں، ہم خود آپ کے معلم ہیں اور خود ہی محافظ بھی ہیں۔

فضائل سورت اعلیٰ:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت سبح اسم ربک الاعلیٰ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ (۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت سورۃ سبح، دوسری میں قل یا ایہا الکفرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھتے تھے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے مگر اس میں معوذتین کا ذکر نہیں ہے (۳) ابو تمیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت سبح اسم ربک الاعلیٰ کا نام افضل المسبحات رکھا۔ (۴) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ہل اتک حدیث الغاشیہ پڑھتے تھے۔ اور عید جمعہ کے دن ہوئی تو دونوں نمازوں میں ان دونوں سورتوں کو پڑھتے تھے۔ (۵) حضرت عبداللہ بن الحرث رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آخری نماز مغرب کی پڑھی تو آپ نے پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یا ایہا الکفرون پڑھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى (۱) الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى (۲) وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى (۳) وَالَّذِي أَخْرَجَ

اپنے رب عالی شان کی پاکی بیان کیجئے۔ جس نے پیدا کیا اور ٹھیک کیا۔ اور جس نے مقدر فرما کر راہ دکھائی۔ اور جس نے چارہ اگایا

سَبِّحْ	اسْمَ	رَبِّكَ	الْأَعْلَى	الَّذِي	خَلَقَ	فَسَوَّى	وَالَّذِي	قَدَّرَ فَهَدَى	وَالَّذِي	أَخْرَجَ
پاکی بیان کر	نام	اپنا رب	سب سے بلند	جس	بیرا کیا	پھر ٹھیک کیا	اور جس	اندازہ کیا، پس راہ دکھائی	اور جس	نکالا

الْمَرْعَى (۴) فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى (۵) سَنُقَرِّئُكَ فَلَا تَنْسَى (۶) إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ

پھر اس کو سیاہ کوڑا کر ڈالا۔ ہم آپ کو پڑھائیں گے۔ پھر آپ نہ بھولیں گے۔ مگر جتنا اللہ کو منظور ہوگا۔ بے شک وہ ظاہر پوشیدہ (ہر شے) کو جانتا ہے۔

الْمَرْعَى	فَجَعَلَهُ	غُثَاءً	أَحْوَى	سَنُقَرِّئُكَ	فَلَا تَنْسَى	إِلَّا	مَا	شَاءَ اللَّهُ	إِنَّهُ	يَعْلَمُ
چارہ	پھر اسے کر دیا	خشک	سیاہ	ہم چند پڑھائیں گے آپ کو	پس نہ بھولیں گے آپ	مگر	جو	اللہ چاہے	بیشک وہ	جانتا ہے

الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى (۷) وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَى (۸) فَذَكِّرْ إِنَّ نَفْعَ الْذِكْرِى (۹) سَيَذَكِّرُ

اور ہم آپ کو سہولت دیں گے آسان چیز کی۔ تو آپ نصیحت کیجئے اگر نصیحت مفید ہو۔ جو خدا ترس ہو گا وہ جلد سمجھ جائے گا۔

الْجَهْرَ	وَمَا	يَخْفَى	وَنُيَسِّرُكَ	لِلْيُسْرَى	فَذَكِّرْ	إِنَّ	نَفْعَ	الذِّكْرِى	سَيَذَكِّرُ
ظاہر	اور جو	پوشیدہ	اور ہم آپ کو سہولت دیں گے	آسان طریقہ	پس سمجھا دیں	اگر	نفع دے	سمجھانا	جلد سمجھ جائیگا

مَنْ يَخْشَى (۱۰) وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى (۱۱) الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى (۱۲) ثُمَّ لَا يَمُوتُ

اور جو بد نصیب ہوگا وہ اس سے گریز کرتا رہے گا۔ جو جہنم رسید ہوگا۔ پھر وہاں نہ مرے گا۔

مَنْ يَخْشَى	وَيَتَجَنَّبُهَا	الْأَشْقَى	الَّذِي	يَصْلَى	النَّارَ	الْكُبْرَى	ثُمَّ	لَا يَمُوتُ
جو ڈرتا ہے	اور ایک طرف رہے گا	بد بخت	جو	داخل ہوگا	آگ	بہت بڑی	پھر	نہ مرے گا

فِيهَا وَلَا يَحْيَى (۱۳) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (۱۴) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى (۱۵) بَلْ تُؤْثِرُونَ

اور نہ جنے گا۔ بے شک وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہو گیا۔ اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھتا رہا۔ بلکہ تم تو یہ حقیر پسند کرتے رہو۔

فِيهَا	وَلَا يَحْيَى	قَدْ أَفْلَحَ	مَنْ	تَزَكَّى	وَذَكَرَ	اسْمَ	رَبِّهِ	فَصَلَّى	بَلْ	تُؤْثِرُونَ
انہیں	اور نہ جنے گا	تحقیق پا مراد ہوا	جو	پاک ہوا	اور یاد کیا	نام	اپنا رب	پھر نماز پڑھی	بلکہ	اختیار کرتے ہو

الْحَيَوَةُ الدُّنْيَا (۱۶) وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى (۱۷) إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى (۱۸)

حالانکہ آخرت کا گھر بہتر اور سدا رہنے والا ہے۔ یہ ہی مضمون پہلے صحیفوں میں بھی تھا۔

الْحَيَوَةُ	الدُّنْيَا	وَالْآخِرَةُ	خَيْرٌ	وَأَبْقَى	إِنَّ	هَذَا	لَفِي	الصُّحُفِ	الْأُولَى
زندگی	دنیا	اور آخرت	بہتر	اور باقی رہنے والی	بیشک	یہ	البتہ میں	صحیفوں، پہلوں	

صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى (۱۹)

یعنی ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں۔

صُحُفِ	إِبْرَاهِيمَ	وَمُوسَى
صحیفے	ابراہیم	اور موسیٰ

لغات:

سَبَّحَ صِيْنَهُ واحد مذکر حاضر امر الاعلیٰ صیْنُ اسم تفضیل علو (ن) بلند ہونا۔ سَوَّى واحد مذکر غائب ماضی تسویۃ برابر کرنا۔ مجرد میں (س) المَرْعَى چراگاہ (ف) غَشَاءٌ سیلاب کا کوڑا اور جھاگ، سوکھے، مڑے پتے مراد ہے سود (ن ض) خراب فاسد اور بے کار ہونا۔ اَخْوَى کالا، سیاہ، سبزی مائل، سیاہی مائل حَوْوۃ سے ماخوذ ہے بمعنی سیاہی یا مائل، سبزی یا دھرمخی جو مائل، سیاہی ہو۔ حَوَى حَوَى (س) مائل، سبزی یا مائل، سیاہی یا سرخ مائل، سیاہی ہونا۔ اَخْوَى صفت حَوَاءِ مونث اور جمع حَوُ (ض) جمع کرنا۔ اَلْیُسْرَى آسانی، جنت، یہاں اچھا عمل، شریعت یا جنت مراد ہے۔ جمع یُسْرَیَاتِ وَالْیُسْرَةِ (ض) آسان ہونا، نرم ہونا، مطیع ہونا، (ک) کم ہونا، الذَّكْوَى مصدر (ن) نصیحت کرنا، ذکر کرنا یاد، پسند نصیحت اور موعظت یہاں مراد ہے۔ ذِکْرَى ذکر سے زاہد بلغ ہے۔ يَتَجَنَّبُ تَجَنَّبَ (تفعّل) سے واحد مذکر غائب مضارع، دور ہونا، (ن) دور کرنا، پہلو تہی کرنا، پہلو پر مارنا، مصدر جَنَابَةٌ آرزو مند ہونا (ن س ک) جنب ہونا دور ہونا، (ن س) بے قرار ہونا۔ الاشقی اسم تفضیل (س) بڑا بد نصیب۔ مصدر شَقَاوۃ النَّارِ الْكُبْرَى دوزخ، کیونکہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے اہمتر و زائد تیز ہے۔ الصُّحُف جمع صحیفہ کی، کتاب، نوشتہ، اوراق۔ واضح رہے کہ یہ جمع، در ہے۔ کیونکہ فعلیۃ کی جمع فعل کے وزن پر نہیں آتی، ندرت میں اسکی نظیر سَفِیْنۃ اور سَفُن ہے۔

## ترکیب:

سَبَّحَ فَعْلُ بِاِفَاعِلِ اسْمِ مضاف رَبِّ مضاف كَ مضاف الیہ الا اعلیٰ صفت اَوَّل رَبِّ كِ (اول الاسم والاول اظهر) الَّذِی اسْمِ اپنے صلہ خَلَقَ (جملہ فعلیہ معطوف علیہ) فَسَوَّیَ (جملہ فعلیہ معطوف) سے مل کر معطوف علیہ ہکذا وَالَّذِی قَدَّرَ فَهَدَیَ معطوف وھکذا وَالَّذِی اَخْرَجَ الْمَرْعٰی معطوف فَجَعَلَهُ الْفَا لِلتَّفْرِیعِ والھما للمرعی مفعول اَوَّلِ غَثَّاءِ اُخْوٰی مرکب توصیفی مفعول ثانی او حَالٌ مِنْ مفعول جَعَلَ جملہ تفریعیہ جملہ معطوفات صفت ثانی رَبِّ دونوں صفات سے مل کر مضاف الیہ مرکب اضافی مفعول بہ سَبَّحَ کا جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ سنقرنک فَعْلُ فاعِلِ مفعول بہ والسّمفعول الثانی قراناً محذوف۔ جملہ فعلیہ۔ فاء تفریعیہ لاتنسّی جملہ فعلیہ ای فلا تنسی مما تقرؤہ شیا من الاشیا الا حرف استثناء مآ موصولہ شاء فَعْلُ اللّٰہ فاعِلِ جملہ فعلیہ (یہ استثنائے مفرغ ہے) مستثنیٰ منہ محذوف ہے۔ جیسا کہ ظاہر کیا گیا اور شاء کا مفعول بہ بھی محذوف ہے ای اِنْ یُنْسَاہُ۔ اِنَّہُ یَعْلَمُ السَّجَّثَہُ وَمَا یَخْفٰی (دونوں جملے خبر اَنْ اور یہ جملہ تعلیل ماسبق ہے) وَیَسْرُکَ لِیَسْرِی فَعْلُ فاعِلِ مفعول بہ اور متعلق علی الترتیب جملہ فعلیہ ماقبل پر عطف ہے۔ فاء تفریعیہ ذَکَرَ فَعْلُ باِفَاعِلِ مفعول بہ محذوف۔ جملہ فعلیہ انشائیہ ماقبل پر متفرع ہے (ای فذکر الکفار بالقرآن) اِنْ شرطیہ نَفَعْتُ فَعْلُ الذِّکْرِی فاعِلِ جملہ فعلیہ شرط۔ جزا محذوف جس پر ماقبل وال ہے ای قَدْ ذَکَرَ یا جملہ ماقبل ہی کو جزائے مقدم مان لیں سَیِّدَ کَرِ فَعْلُ مَن موصولہ اپنے صلہ یَخْشٰی (جملہ فعلیہ) سے مل کر فاعِلِ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ وَیَتَخَبَّ فَعْلُ ہَا مفعول بہ (عائد الی الذکر) الْاَشْیِ موصوف الَّذِی اسْمِ موصول اپنے صلہ یُصَلِّی (فعل ضمیر فاعِل) النَّارِ الْکُبْرِی (مرکب توصیفی مفعول فیہ) سے مل کر صفت موصوف و صفت مل کر فاعِلِ فَعْلُ فاعِلِ مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ معطوف ثم لا یَمُوت جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَلَا یَحْیٰ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین کا عطف جملہ یُصَلِّی پر ہے۔ قد تحقیق اَفْلَحَ فَعْلُ مَن تَزَکٰی جملہ فعلیہ وَذَکَرَ اسْمِ رَبِّہُ فَعْلُ ضمیر فاعِلِ ومفعول بہ۔ جملہ فعلیہ فَصَلِّی جملہ فعلیہ ذَکَرَ پر معطوف۔ معطوفین کا عطف تَزَکٰی پر ہے۔ تمام معطوفات مل کر صلہ مَن اپنے صلہ سے مل کر فاعِلِ اَفْلَحَ کا جملہ فعلیہ ہوا بل اضراب عن المقدّر ہے۔ ای لا تَفْعَلُوْنَ مَا تَفُوْزُوْنَ بہ بَلْ تَوْثُرُوْنَ فَعْلُ باِفَاعِلِ الْحَیْوۃِ الدُّنْیَا مرکب توصیفی مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ۔ وَلَا خِسرَ مَبْتَدَا خِسرَ وَاَبْقٰی معطوفین خبر جملہ اسمیہ تَوْثُرُوْنَ کے فاعِل سے حال ہے اَنْ اپنے اسم ہذا اور خبر صُحُفِ اِبْرٰہِیْمَ وَمَوْسٰی مرکب اضافی بدل ہے الصُّحُفِ الْاَوَّلٰی سے۔ مبدل منہ اور بدل مل کر بحر و فی متعلق محذوف ہو کر خبر اِنْ۔ جملہ اسمیہ ہوا۔

## تفسیر:

سبح اسم ربک الا علی (اپنے پروردگار کے نام کی پاکی بیان کرو) اس آیت گرامی کی تفسیر حضرات مفسرین نے مختلف وجوہ سے کی ہے۔ (۱) بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نام میں کوئی الحاد نہ کرو۔ اور الحاد یہ ہے کہ اس کے نام کو نقص و عیب والی چیزوں پر استعمال کیا جائے۔ یا غیر اللہ پر اس کے مخصوص ناموں کو بولا جائے کہ یہ بھی

اس کی تزیہ و تقدیس کے خلاف ہے۔ جیسے رحمن، رزاق، غفار، قدوس وغیرہ اسماء کسی انسان پر بولے جائیں۔ آج کل اس معاملہ میں غفلت بڑھتی جا رہی ہے۔ ناموں میں اختصار کا شوق آتا جا رہا ہے۔ عبدالرحمن کو رحمن، عبدالقدوس کو قدوس، عبدالغفار کو غفار بے تکلف کہتے رہتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کے کہنے اور سننے والے دونوں گنہگار ہوتے ہیں اور یہ گناہ بے لذت رات دن بلاوجہ ہوتا رہتا ہے۔ (۲) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے نام کی تعظیم کرو۔ اور اپنی طرف سے اس کا کوئی نام نہ مقرر کرو۔ بلکہ وہی نام جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔ ان ناموں میں خشوع وخضوع، ادب واحترام کا لحاظ رکھو۔ حاصل یہ ہے کہ اپنی طرف سے اللہ کا نام تجویز کر کے یا بے ادبی سے اللہ کا نام لینا جائز نہیں۔ کیونکہ جس طرح اللہ کی ذات کو پاک جاننا اور اس کا ادب واحترام فرض ہے۔ اسی طرح اسکے ناموں کو پاک جاننا اور ان کا ادب واحترام بھی فرض ہے۔ (۳) ایک قول یہ ہے کہ زبان سے اپنے رب کی پاکی بیان کرو۔ اور بے دین لوگ جو اپنے رب کی صفات بیان کرتے ہیں ان سے حق تعالیٰ کا پاک ہونا ظاہر کرو۔ اس صورت میں لفظ اسم زائد اور تسبیح سے تسبیح قولی مراد ہوگی۔ اس قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبح اسم ربک الاعلیٰ تلاوت فرما کر سبحان ربی الاعلیٰ فرمایا۔ جس سے مفہوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کا مطلب تسبیح قولی سمجھ کر سبحان ربی الاعلیٰ فرمایا اور اس حکم تسبیح کی اس طرح تعمیل فرمائی۔ صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو موسیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ جب یہ سورت شروع کرتے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے۔ اسی لئے علماء نے تصریح کی ہے کہ نماز کے باہر جب قاری سبح اسم ربک الاعلیٰ کی تلاوت کرے تو اس کو سبحان ربی الاعلیٰ کہنا مستحب ہے۔ (۴) کچھ علماء کا خیال ہے کہ آیت شریفہ میں ہر نوع کی تزیہ کا حکم ہے وہ قولی ہو یا عملی یا اعتقادی، تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ حدیث مذکور میں تسبیح قولی کی تخصیص پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ تسبیح کی ایک خاص صورت (قولی) کا اس میں ذکر ہے یوں بھی زبانی تسبیح بلا تائید و عقیدہ قلبی ناقابل اعتبار اور بلا عمل ناقص ہے۔ (۵) اکثر مفسرین کے نزدیک اسم رب کنایہ ہے ذات رب سے۔ یعنی لفظ اسم سے کسی مراد ہے۔ اسکی نظیر قرآن میں آیت مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاءُكُمْ ہے کہ یہاں اسماء سے مسمیات مراد ہے۔ اسی طرح محاورہ عرب و عجم میں تعظیم و ادب کے مقام پر ذات کو نام کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ شاہوں کی بارگاہوں میں عرض کیا جاتا ہے کہ حضور عالی کے نام سے یہ کام ہوا۔ فلاں قلعہ فتح ہوا وغیرہ۔ (۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی ہیں صَلِّ بِاسْمِ رَبِّكَ الْاَعْلٰی یعنی اپنے رب کے نام (یا عظم) سے نماز پڑھو۔ قال السید محمود الالوسی لا اظن صحیحہ۔ (۷) عصام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مطلب آیت کا سَبَّحْ اِنَّ رَبَّكَ الْاَعْلٰی ہے۔ یعنی مخلوقات خداوندی میں عیب نہ نکالو۔ جیسا کہ ماترئی فی خلق الرحمن من تفوت سے معلوم ہوا لا یخفی بعدہ۔ (۸) اس سے نماز میں تسبیح پڑھنا مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب فسبح باسم ربک العظیم نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجعلوہا فی رُکُوعِکُمْ پھر جب سبح اسم ربک الاعلیٰ نازل ہوئی تو فرمایا اجعلوہا فی سجودکم۔ رکوع و سجود کی تسبیح کا مسئلہ سورۃ الحاقۃ کے اخیر میں گذر چکا ہے۔

## تبیح کا مطلب:

ذات باری کی تبیح کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات ہماری عقل اور وہم وادراک سے بالاتر ہے۔ کوئی صفت نقص و عیب اسکے جاہ و جلال کے سراپردوں کے گرد نہیں پھٹکتی۔ نہ وہ ذات پاک جسم و جوہر ہے۔ نہ عرض، کلیت و جزئیت، ترکیب و تحلیل، جہت و صورت، حد و نہایت، مکان و مجلس، تجرید و شرکت و مشابہت و غیر جملہ صفات محدثات و لوازم حدوث سے ذات حق جل مجدہ وراء الوراہ اور بلند و برتر ہے۔ لیس کمثلہ شیء فی الارض ولا فی السماء وهو السميع العليم۔

پھر جس طرح تنزیہ ذات ضروری ہے اسی طرح تنزیہ اسم بھی لازم ہے۔ (کما مر) لہذا اگر لفظ اسم کو زائد مانا جائے۔ تو روایات مذکورہ سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے۔ کہ اس حکم تبیح کی تعبیر و تفسیل سبحان ربی الاعلیٰ سے کی گئی نہ کہ سبحان اسم ربی الاعلیٰ سے۔ اور زائد ماننے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تبیح و تنزیہ ذات و اسماء سب کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ بیان سابق سے معلوم ہوا۔

الَّذِي خَلَقَ فَسْوٰی اس رب کی تبیح بیان کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اور یونہی بیڈول، اینڈ اور بے کار نہیں بنایا۔ بلکہ ہر مخلوق کو اس کے مناسب صورت، اعضاء، اجزاء وغیرہ دے کر درست اور ٹھیک بنایا۔ ماسوی فی خلق الرحمن من تفوٰت لفظ خلق میں عموم ہے۔ اسی خلق کل شیء اس سے معتزلہ کا رد ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ افعال کا بندوں کو خالق مانتے ہیں۔ کذا قال الزمخشری مع ان مذهبہ مذہبہم۔ حضرت کبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی بیان فرمائے ہیں خلق کل ذی روح فسوی بین یدہ و عینیہ ورجلیہ (اللہ نے ہر ذی روح کو پیدا فرمایا۔ اور اس کے ہاتھوں، آنکھوں اور پیروں کو برابر اور ہموار بنایا، زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خلق الانسان فعدل قامتہ ولم يجعلہ منکو ساً کا لبھا نم۔ انسان کو پیدا فرمایا اور اسکے قد کو سیدھا رکھا حیوانات کی طرح جھکا یا نہیں۔

## خلق و تسویہ:

خلق کے معنی صرف صنعت گری کے نہیں بلکہ بغیر کسی مادہ سابقہ کے عدم سے وجود میں لانا خلق ہے۔ اور یہ کام صرف خالق کائنات کی قدرت کا ہے۔ کسی مخلوق کے بس میں نہیں۔ کہ بغیر مادہ کسی چیز کو وجود میں لے آئے۔ اور تسویہ کے معنی برابر کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کو جو وجود بخشا۔ اس کی جسامت و شکل و صورت اور اجزاء و اعضاء کی ہیئت میں ایک خاص تناسب ملحوظ رکھ کر ایسا وجود بخشا گیا ہے کہ جو اسکی ضروریات کے مناسب ہو۔ اور ایسا مزاج دیا جو ہر چیز کے مناسب اکتساب کمال کا ذریعہ بنے۔ مثلاً انسان کے ہاتھ پاؤں اور انگلیوں کے پوروں میں ایسے جوڑے اور قدرتی اسپرنگ رکھے ہیں جو موڑے توڑے اور تہہ کئے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے اعضاء مزاج و عقل اور حواس دیئے ہیں جو اسکو کمالات انسانیہ تک پہنچا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر ذی روح میں اسکی کارگیری عیاں ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدٰی تقدیر کے معنی کسی چیز کو خاص اندازے پر بنانے کے ہیں۔ اور باہمی موازنہ و مناسبت کے بھی آتے ہیں۔ اور تقدیر قضاء و قدر کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی مشیت

کے مطابق تمام چیزوں کے اجناس، انواع، افراد، مقادیر، احوال، افعال، رزق، مدت بقا وغیرہ کو تجویز و مقرر فرمادیا ہے۔ یہاں پر یہی معنی مراد ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو تمام کائنات میں سے جس چیز کو جس کام کے لئے مقرر فرمادیا گیا ہے وہ اسی کام میں لگی ہوئی ہے، آسمان ستاروں اور برق و باران سے لے کر حیوانات، نباتات اور جمادات تک سب اپنے رب کی مقرر کردہ ڈیوٹی پر لگے ہوئے ہیں۔

ابر وبا دمہ خورشید و فلک درکارند مولانا جامی فرماتے ہیں کہ  
خاک وبا و آب و آتش بندہ اند با من و تو مردہ با حق زندہ اند  
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز مقدر ہے۔  
یہاں تک کہ فہم نارسائی و ہوشیاری بھی مقدر ہیں (رواہ مسلم)۔ الحاصل انسان و حیوان وغیرہ کا میلان اور ان کی رغبت قدرتی طور پر انہیں امور کی جانب ہے جن کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے۔

ہر یکے را بہر کارے ساختہ میل او را درویش انداختہ  
فہدیٰ یعنی خیر ہو یا شر جس کام کے لئے جس چیز کو پیدا کیا گیا اسی پر اسکو لگا دیا گیا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ انسان کو اچھائی، برائی، سعادت اور شقاوت کا راستہ بتا دیا اور حیوانات کو چراگا ہوں کا۔ مقاتل و کلبی رحمۃ اللہ علیہما نے کہا کہ مذکر کو مؤنث سے جفتی کا طریقہ بتا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہدایت تمام مخلوقات کو شامل ہے، وہ مخلوق ساوی ہو یا ارضی۔ اور وہ مخلوق میں سے ہر ایک کو اس کے مناسب عقل و شعور بھی عنایت فرمادیے ہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اعطی کل شیء خلقہ ثم ہدیٰ یعنی حق تعالیٰ نے ہر شئی کو اس کے مناسب وجود بخشا اور متعلقہ امور کی ہدایت بھی فرمادی۔ اسی ہدایت عامہ کا اثر ہے کہ علوی و سفلی مخلوقات میں سے ہر ایک ابتدائے آفرینش سے اپنے کاموں میں انتھک مصروف ہیں خصوصاً انسان اور حیوانات جن کے عقل و شعور مشاہد ہیں۔ ان میں سے ہر نوع ہر صنف بلکہ ہر فرد کو حق تعالیٰ نے اپنی اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے اور دفع مضرت و جلب منفعت کے کیسے کیسے دقیق ہنر سکھائے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے انسان تو سب سے زائد عاقل ہے ہی۔ لیکن درندوں، پرندوں اور حشرات الارض کے عجائبات زندگی کا مشاہدہ بھی حیران کن ہے۔ یہ سب کچھ خالق کائنات نے ان کو خود تعلیم فرمایا ہے۔ انہوں نے کسی اسکول اور کالج میں کسی استاذ سے یہ چیزیں نہیں سیکھیں۔ یہ سب ہدایت و تلقین ربانی ہی کے ثمرات اور کرشمے ہیں۔

سانس عطاے ربانی ہے:

حق تعالیٰ نے حضرت انسان کو عقل و شعور و احساسات سب سے زیادہ مکمل عطا فرمائے ہیں۔ اور زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی خدمت و نفع کے لئے پیدا فرما کر اسکو مخدوم کائنات بنایا ہے۔ اور اشیائے کائنات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے اور منافع حاصل کرنے کے لئے ایسی عقل رسا و فہم کامل انسان کو عطا فرمائی ہے کہ وہ مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز ایجاد کر لیتا ہے۔ پہاڑوں کو کھود کر، سمندروں اور دریاؤں میں غوطے لگا کر معدنیات اور دریائی خزانے حاصل کر لیتا ہے لکڑی، لوہے تانبے پیتل اور دوسری دھاتوں کو ملا کر نئی ایجادات کرتا ہے۔ یہ علم و ہنر فلاسفی تحقیقات اور کالجوں کی تعلیمات پر موقوف نہیں، ابتدائے دنیا سے یہ سب کام جاہل ان پڑھ بھی کرتے آئے ہیں۔ جبکہ صحیح اسلوب اور کالجوں کا



وجود بھی نہ تھا۔ اور یہی فطری سائنس ہے جو حق تعالیٰ نے انسانی فطرت میں ودیعت رکھی ہے پھر فنی و علمی تحقیقات کے ذریعہ اس میں ترقی کرنے کی استعداد بھی قدرت ربانی ہی کا عطیہ ہے۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ سائنس کسی چیز کو پیدا نہیں کرتی۔ بلکہ قدرت کی پیدا کردہ اشیاء کا استعمال سکھاتی ہے۔ اور فطرت انسانی میں چیزوں کے استعمال اور فنی تحقیقات کی استعداد بھی اسی نے رکھی ہے۔ پھر بقدر استعداد انسان اس وسیع میدان میں ترقی کرتا رہتا ہے۔ اسی فطری استعداد و صلاحیت کے مظاہر اسی سائنسی دور میں ہر روز نئے نئے سامنے آرہے ہیں۔ اور نہ معلوم آگے کیا کیا وجود میں آنے والا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ قرآن مقدس کے ایک لفظ فہدیٰ کی روشن تفسیر اور زندہ تصویر ہے۔ مگر افسوس ہے کہ سائنس میں ترقی کرنے والے اس حقیقت سے نا آشنا بلکہ اندھے ہیں۔

والذی اخرج المرعى الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نباتات کے متعلق اپنی قدرت و حکمت کا بیان فرمایا ہے کہ زمین سے سبز گھاس پیدا کی پھر اسکو خشک کر کے سیاہ رنگ بنا دیا اور اس کی وہ سرسبزی معدوم ہوگئی۔ اس میں انسان کے انجام کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ جسم کی شادابی اور خوبصورتی اور چستی و چالاکی عطیہ ربانی ہے۔ اور عارضی چار دن کی چاندنی ہے۔

فائدہ..... چیزوں کا کمال ذاتی جسمانی ہوتا ہے یا باطنی و روحانی یا غیر کو نفع پہنچانے کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ صفت خلق و تسویہ سے کمال کی قسم اول کو بیان کیا گیا ہے اور قَدْزُفْهَدٰی سے قسم دوم کو اور الذی اخرج المرعى سے قسم سوم کو بیان فرما کر اس بات پر تنبیہ کی کہ جملہ کمالات کی ابتدا و انتہاء اور ایجاد و بقاء و فنا حق تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے اور اسی کی ذات عالی مرجع کمالات و مبدائے کمالات ہے قائل۔

سنقرئک فلا تنسی الا ماشاء اللہ سابقہ آیات میں اپنی قدرت و حکمت کے چند مظاہر بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فریضہ پیغمبری کے متعلق چند ہدایات دی ہیں۔ اور ہدایات سے پہلے اپنے کام کو آسان کر دینے کی خوشخبری سنائی ہے۔ وہ یہ کہ ابتداء میں جب آپ پر قرآن نازل ہوتا اور جبرئیل امین علیہ السلام وحی سناتے تو آپ اس اندیشہ سے کہ ذہن سے نہ نکل جائے ان کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔ اس آیت میں اس اندیشہ کو ختم کر دیا گیا اور فرمادیا گیا کہ یاد کر ادینا اور صحیح صحیح پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ یعنی لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ کا جوشان نزول مذکور ہوا ہی اس آیت کا ہے۔

الا ماشاء للہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت سے قرآن کا کوئی حصہ محو کرنا چاہیں تو اسکو آپ کے ذہن سے نکال دیں گے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کے نسخ کا معروف طریقہ تو یہ تھا کہ کوئی صاف حکم پہلے حکم کے خلاف آگیا جس سے پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ ایک صورت منسوخ ہونے کی یہ بھی ہوتی تھی کہ جن آیات کو منسوخ فرمانا ہوتا ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مومنین کے ذہن سے محو فرمادیا جاتا۔ جیسا کہ مَا نَسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نَسِيْهَا نَاتِ بَخِيْرٍ منھا او مثلھا میں نسخ کی مذکورہ دونوں صورتوں کو بیان فرمادیا گیا ہے۔

بعض حضرات نے استشاء الا ماشاء اللہ کا مفہوم نسیان عارضی کو قرار دیا ہے۔ جس کو نسخ نہیں کہا جاسکتا۔ جیسا کہ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سورت تلاوت فرمائی جس میں کوئی آیت رہ گئی تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے (جو کا تب وحی اور بڑے قاری صحابی تھے) یہ خیال کیا کہ شاید یہ آیت منسوخ ہو

گئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی بلکہ سہو ترک ہو گئی تھی۔ اس استثناء کا پہلا مفہوم جمہور نے لیا ہے کہ اس سے منسوخ اتلاوات ہونا مراد ہے۔ اور دوسرا مفہوم بعض دیگر مفسرین کا بیان کردہ ہے کہ نسیان عارضی مراد ہے۔

آیت میں دو معجزے:..... اس تشریح کی بنا پر آیت مذکورہ دو معجزوں پر مشتمل ہے۔ (۱) نسیان بالکل نہ ہو نا باوجود یہ کہ نسیان انسان کے فطری عوارض میں سے ہے۔ (۲) آئندہ ہونے والی چیز کی پہلے سے خبر دینا (جو اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے)

تعمیم: یہ کل تفصیل اس سورت میں ہے جبکہ لَا تَنْسَى کو فعل مضارع منفی کا صیغہ مانا جائے۔ لیکن اگر صیغہ نہی قرار دیا جائے (جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ درحقیقت لَا تَنْسَى تھا سین کے بعد الف کی زیادتی رعایت فواصل کی بنا پر ہے) تو استثناء کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن کی یادداشت اپنی طاقت و قوت کے موافق واجب ہے لیکن اگر خدا ہی فراموش کر دینا چاہیں تو آدمی معذور ہے۔

آیت کی ایک اور تفسیر:..... بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب انسان کو ہے اور معنی یہ ہیں کہ اے انسان ہم عنقریب (بعد الموت) تجھ کو تیرا اعمال نامہ پڑھوائیں گے۔ تو اپنے اعمال میں سے کسی ایک عمل کو بھی فراموش نہ کر پائیگا۔ تجھ کو سب نیک اور بد اعمال یاد آجائیں گے۔ مگر وہ اعمال جن کو اللہ ہی بھلا دینا چاہیں گے۔ یعنی نیکوں کے وہ برے اعمال جن سے وہ توبہ و استغفار کر چکے ہیں۔ اور ان کا محفوظ رہنا باعث فخر و مندی ہے اعمال ناموں سے بھی منادیئے جائیں گے۔ اور مخلوق سے بھی بھلا دیئے جائیں گے۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى بے شک اللہ تعالیٰ ظاہر قول و فعل کو بھی جانتا ہے اور پوشیدہ گفتار و اطوار وغیرہ کو بھی یعنی وہ ظاہر و باطن دونوں سے یکساں واقف ہے۔ آپ کا آواز سے پڑھنا اور دل میں اندیشہ نسیان چھپانا یہ دونوں باتیں بھی حق تعالیٰ کو خوب معلوم ہیں۔ یہ جملہ ماقبل کی علت ہے شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر و پوشیدہ سے کمالات محمدیہ مراد ہے۔ اور اس میں پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم بھی دی گئی ہے اور خوشخبری بھی کہ آپ کی ذات عالی میں بے انتہا کمالات کی استعداد موجود ہے۔ جن میں سے بہت سے کمالات منصفہ شہود سے جلوہ گر ہو چکے ہیں۔ اور بہت سے ابھی پوشیدہ ہیں جو آئندہ رونما ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَى..... اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ (اور ہم آپ کو یسری کے لئے آسان کر دیں گے) حالانکہ مقام کا تقاضا یہ تھا کہ فرماتے وَنُيَسِّرُ لَكَ يُسْرَى (ہم آپ کے لئے یسری کو آسان کر دیں گے) اس قلب میں حکمت یہ ہے کہ اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہم آپ کو ایسی قوت تامہ و ملکہ راسخہ عطا فرمائیں گے کہ یسری آپ کی طبیعت ثانیہ بن جائے گی۔ ای نو ففک تو فبقاً مستمر للطريقة اليسرى في كل باب من ابواب الدين علماً وتعلیماً واهتداءً وهدايةً الى غير ذلك۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل کلام میں سہولت مطلوب ہے۔ اور رسول علیہ السلام طالب۔ اٹنے کے بعد سہولت طالب ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب۔ جیسے آدمی رزق کا طالب ہے اور رزق مطلوب۔ لیکن اگر رزق کا ملنا یقینی ہوتا ہے تو محاورہ میں کہہ دیتے ہیں کہ تمہارا رزق تمہیں ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ لہذا اس منکسر تعبیر میں مبالغہ ہے۔ اور خالص محبوبیت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ فافہم۔

اور یُسْرٰی سے مراد حفظ وحی کا آسان طریقہ ہے۔ یا شریعت مطہرہ جو تمام ادیان سے سہل ہے۔ کما قال اللہ ﴿وَمَا جَعَلْ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ یُرِیْدُ اللہ بِکُمْ یُسْرًا وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ﴿وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ﴾: السدین یُسْرٌ تیسرا قول یہ ہے کہ جملہ امور حسنہ مراد ہیں خواہ دنیوی ہوں یا آخری مثلاً نصرت خداوندی، دارین میں بلند درجات جس میں دین و شریعت اور حفظ وحی وغیرہ سب امور داخل ہیں۔ واللہ اعلم۔

فَذَکَرْنَا نَفْعَ الذِّکْرِ - سابقہ آیات میں تسبیح کا امر، تعلیم و شریعت اور جملہ امور حسنہ میں سہولت و آسانی عطا فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل کا ذکر تھا۔ اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں کی تکمیل اور وحی و شریعت کی تبلیغ کا حکم ہے۔ لفظی معنی آیت کے یہ ہیں کہ ”آپ نصیحت کیجئے اگر نصیحت نفع دیتی ہو“ اس آیت میں اگرچہ تذکیر بشرط نفع کا حکم ہے مگر مقصود تذکیر کو نفع کے ساتھ مشروط کرنا نہیں ہے بلکہ تاکید مقصود ہے کیونکہ بسا اوقات حکم کو تاکید کے لئے مشروط کر دیتے ہیں۔ مثلاً ہمارے عرف میں بولا جاتا ہے کہ اگر تو آدمی ہے تو فلاں کام کرنا ہوگا اگر تو فلاں کا بیٹا ہے تو تجھ کو ایسا کرنا چاہیے۔ یہاں شرط مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ تو آدمی ہے فلاں بزرگ یا شریف آدمی کا بیٹا ہے، اس لئے تجھ کو یہ کام لازم ہے، لہذا مطلب آیت کا یہ ہوا کہ نصیحت و تبلیغ کا نافع و مفید ہونا تو متعین و متیقن ہے۔ اس لئے آپ اس مفید کام کو کسی وقت نہ چھوڑیں۔ اس تقریر سے یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کا منصب تو تذکیر و نصیحت کا ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے قبول کرے یا نہ کرے۔ پھر حکم تذکیر کو نفع کے ساتھ کیوں مشروط کیا گیا ہے؟

اس اشکال کے علماء نے اور جوابات بھی دیئے ہیں مثلاً: (۱) بعض علماء نے کہا ہے کہ اصل عبارت فَذَکَرْنَا نَفْعَ الذِّکْرِ اَوَّلُ الذِّکْرِ اَوَّلُ الذِّکْرِ تَنْفَعُ تھی یعنی آپ نصیحت کیجئے نفع دے یا نہ دے۔ مگر دوسرے جزو (اَوَّلُ الذِّکْرِ تَنْفَعُ) کو حذف کر دیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ مقصود اصلی نفع ہی ہے۔ اس کی نظیر سَرَّابِلُ تَقِیْکُمُ الْجَرَ ہے کہ اس سے جزو ثانی وَالْبُرْدُ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ (۲) اس جملہ شرطیہ کو لانے سے غرض یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو اتنی عظیم مشقت اور تعب میں نہ ڈالیں کہ خود کو ان کے پیچھے پڑ کر گھلا دیں۔ بلکہ آپ ہمارا پیغام پہنچا دیجئے اور زیادہ فکر نہ کیجئے حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کو زائد مشقت سے روکا گیا ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ نفع کو ملحوظ رکھتے ہوئے دعوت دیں۔ اور جہاں نفع کی امید نہ ہو ان کے پیچھے پڑ کر اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا نہ کریں۔ جیسے دوسری آیات فَلِعَلَّکَ بَاجِعٌ نَفْسَکَ عَلٰی اٰثَارِہُمْ اِنْ لَّمْ

یُؤْمِنُوْا بِہٰذَا الْحَدِیْثِ اَسْفَا۔ وَمَا اَنْتَ عَلَیْہِمْ بِجَبَّارٌ وغیرہ سے بھی یہی مقصود ہے۔ (۳) وہ حکم جو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے وجود شرط کے وقت تو اس کا وجود ضروری ہے۔ لیکن انتقالے شرط کے وقت وہ حکم مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور وہ کسی دوسرے سبب یا شرط کی وجہ سے موجود بھی ہو سکتا ہے یہاں بشرط نفع تذکیر کا حکم ہے۔ لیکن نفع نہ ہونے کی شکل میں حکم تذکیر کا ثبوت دوسری نصوص سے ثابت ہے۔ (۴) بعض نے کہا ہے کہ اس شرط سے کفار کی مذمت مقصود ہے کہ ان پر نصیحت کا نفع غیر متوقع ہے جیسے کہ کوئی باپ اپنے ایسے نافرمان بیٹے کے بارے میں کسی سے کہے جس کی اصلاح کی توقع نہ ہو کہ آپ اس کو سمجھا کر دیکھ لیجئے۔ اگر وہ سمجھ جائے اس کا مفہوم سمجھانا تو ضروری اور اس کا نفع غیر متوقع ہوتا ہے ایسے ہی آیت کا بھی مفہوم ہے۔ (۵) تبلیغ و تذکیر میں فرق ہے۔ تبلیغ عام ہے۔ نفع ہو یا نہ ہو۔ بہر حال پہنچانا ضروری ہے۔ اور تذکیر ان لوگوں کو ہوتی ہے جن کو تبلیغ ہو چکی۔ جہاں عدم نفع اغلب ہو وہاں ترک تذکیر جائز ہے۔ اور یہاں تذکیر کا ذکر ہے۔

(۶) بعض علماء نے کہا کہ جہاں عدم نفع متیقن ہو وہاں ترک تبلیغ بھی جائز ہے۔ نمبر ۶۵، ۶۶ میں شرط میں کسی توجیہ کی ضرورت نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَيْنِدُ اور فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ وغیرہ آیات میں حکم ہے۔ (۷) بعض مفسرین نے آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ آپ تذکرہ کیجئے اگر تذکیر کسی کو فائدہ دے۔ ظاہر ہے کہ تذکیر سے کسی کو ضرور فائدہ ہوگا گو ہر کسی کو نہ ہو۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ تذکیر بہر حال ضروری ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حدیث میں ہے قَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأَمْثَلِ مَحْدَثُونَ فان یک فی امتی احد فانه عمر۔ ان میں وہ جوابات رائج ہیں جن میں شرط اپنی حقیقت پر باقی رہتی ہے۔ اور اگلی آیت سَيَذَكِّرُ مَنْ يَخْشَىٰ کے بھی یہی جوابات زیادہ مناسب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سَيَذَكِّرُ مَنْ يَخْشَىٰ اس آیت میں فائدہ اٹھانے والے کا ذکر ہے کہ نصیحت سے مستفید و بہرہ ور وہی ہوگا جسکو فی الحال یا فی المال (خدا کا خوف حاصل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ہر شخص کو نصیحت فرمائیے۔ لیکن فائدہ اس سے وہی اٹھائے گا جس میں استعداد ہے۔

اصل استعداد شرط محبت است ... مرد چوں کو رست عینک لعبت است  
بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فَذَكِّرْ باب تفعیل سے ہے۔ جس کے معنی میں تکرار ہے۔ یعنی آپ بار بار نصیحت کیجئے مطلب یہ ہے کہ ایک بار نہیں تو بار بار نصیحت سے فائدہ حاصل ہوگا کہ جس میں استعداد کسی بھی درجہ میں موجود ہے وہ نصیحت پذیر ہو جائیگا۔ کیونکہ آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) جو جزاؤں کے قائل اور اللہ جل شانہ کی عظمت و جلال سے خائف ہیں۔ یہ قسم تو اول بار ہی نصیحت قبول کر لیتی ہے۔ (۲) جو نہ قائل و خائف ہیں اور نہ منکر۔ بلکہ خالی الذہن ہیں یا متردد۔ یہ قسم بار بار سمجھانے سے اثر قبول کر لیتی ہے۔ آیت شریفہ دونوں قسموں پر مشتمل ہے۔ (۳) تیسری قسم منکرین اور سخت معاندین کی ہے۔ یہ ایسے پتھر ہیں جن میں تذکیر کی تیخ نہیں ٹھوکی جاسکتی۔ اور ایسی بنجر زمین ہیں جس سے نفع کا ایک پودا بھی نہیں اگتا۔ چنانچہ اگلی آیت میں ارشاد ہے۔

وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَىٰ (اور ذکر کرے) (نصیحت) سے وہی گریز کرے گا جو بڑا بد بخت ہے) الْأَشْقَىٰ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اور الف لام اس پر عہد کا ہے۔ مراد اس سے مخصوص و معبود کا فر یعنی ولید بن مغیرہ یا عتبہ بن ربیعہ ہے۔ لیکن بہتر ہے کہ یہاں الف لام جنسی مانا جائے اور ہر کافر کو اسمیں داخل مانا جائے۔ اسلئے کہ جس کا اعتقاد درست ہو اور عمل خراب یعنی فاسق۔ وہ بھی شقی اور بد نصیب ہے۔ لیکن جس کے اعتقادات و اعمال دونوں خراب ہوں یعنی کافر وہ بڑا بد نصیب اور شقی ہے۔ پھر نوع اشقی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جسکے اعمال و اعتقادات جہل بسیط یا کورانہ تقلید کا نتیجہ ہوں۔ اس قسم کے لوگوں کی ایت ممکن ہے۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو جہل مرکب اور سخت عناد کے شکار ہوں کہ جان بوجھ کر حق سے متنفر اور اسکے غمروں اس قسم کے لوگوں کی ہدایت ممکن نہیں۔

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند ... در جہل مرکب ابدالہ ہر بماند

وَمَا تَغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں وارد ہوا ہے۔ ان کی سزا یہ ہے کہ الَّذِي يَصْلَىٰ النَّارَ الْكُبْرَىٰ (وہ بڑی آگ میں داخل ہوگا) دنیا کی آگ صغریٰ ہے وہاں کی آگ کبریٰ ہے۔ حدیث میں وارد ہے۔ نَارُكُمْ هَذِهِ جزء من سبعین جزء امن نار جہنم (رواہ البخاری و مسلم عن ابی ہریرۃ)۔

یعنی تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کا ستر واں (۷۰) حصہ ہے۔ اور امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے ان  
 هذه النار جزء من مائة جزء من جهنم یہ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کا سوواں (۱۰۰) حصہ ہے۔ فلعل السبعین  
 وارد مورد التکثیر وهو کثیر۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے کہ نار صغریٰ دنیا کی آگ اور  
 نار کبریٰ جہنم کی آگ ہے۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں نار کبریٰ سے جہنم کے طبقہ سفلی (نچلے درجہ) کی آگ مراد ہے۔ جو دوسرے  
 طبقات جہنم کی آگ سے بہت شدید ہے۔ یہی ساتواں درجہ فرعونوں، منافقوں اور عیسیٰ علیہ السلام کے ماندہ کے منکروں کا مقام  
 ہے۔ پھر دنیا کے ناقابل برداشت مصائب سے موت چھٹکارا دیتی ہے۔ اسی لئے سخت مصیبت میں لوگ موت کی آرزو کرتے  
 ہیں اور بعض خودکشی بھی کر لیتے ہیں۔ مگر وہاں موت بھی نہ آئیگی کہ اس عظیم مصیبت سے چھٹکارا مل جائے۔

ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا (پھر اس آگ میں اس کو موت بھی نہ آئیگی) کیونکہ اس عالم میں روح کے احکام بدن پر  
 غالب ہوں گے۔ اور روح کبھی فنا نہ ہوگی تو ابدان بھی فنا نہ ہوں گے۔ اور جس طرح موت نہ آئیگی وہ ایسی حیات سے بھی  
 محروم ہوں گے جس کو حیات کہا جاسکے۔ وَلَا يَخْيِي اور نہ وہ زندہ رہیگا۔ کیونکہ وہ موت سے زائد شدید تلخی سے ہمہ وقت  
 دوچار ہوگا۔ ایسی بُری زندگی کو عرف میں زندگی نہیں کہتے۔

عمر چوں خوش گذر دزدنگی خضر کم است      دور بنا خوش گذر دینم نفس بسیار است

حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ کفار کو عذاب سے کبھی نجات نہ ہوگی اور ان کے لئے خلود فی النار ہوگا۔

فائدہ ۱:..... لفظ ثُمَّ اس جگہ تراخی زمان کیلئے نہیں بلکہ تراخی رتبہ کے لئے ہے۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ  
 نفس عذاب سے دوام عذاب زیادہ ہولناک ہے۔ گویہ ہولناکی اور شدت زمانہ کے اعتبار سے بھی موخر ہے۔

فائدہ ۲:..... جہنم میں موت کا نہ آنا کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ انکے برخلاف جو مسلمان گنہگار روزِ خ میں  
 جائیں گے۔ ان کو وہاں موت آجائیگی چنانچہ مسلم شریف میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اہل نار کفار نہ تو مرینگے نہ زندگی پائیں گے۔ لیکن گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ موت دے دیں گے۔ جب وہ  
 نخل کر کوئلہ ہو جائیں گے اور ان کے بارے میں شفاعت کی اجازت ہوگی تو ان کی جنت کی نہروں میں (نہر حیوۃ میں)  
 ڈال دیا جائیگا۔ وہ اس میں اس طرح آگیں گے جس طرح سیلاب کے خس و خاشاک میں دانہ اگتا ہے یعنی از سر نو ان کو حیات  
 ملے گی۔ حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ گنہگار مومنوں کی روحیں  
 دوزخ میں ان کے جسموں سے جدا ہو جائیں گی۔ اور اس کی تائید بزاز کی اس مرفوع روایت سے ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ  
 رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس میں ادنیٰ درجہ کے جنتیوں کا ذکر ہے۔ کہ ان کو دوزخ سے نکال کر ایک میدان میں ڈال دیا  
 جایگا۔ تو وہ بڑی طرح آگیں گے حتیٰ اذا دخلت الارواح اجسادهم فيقولون ربنا کما اخر جنتنا من النار  
 وار جعت الارواح الى جسادنا فا صر ف وجوهنا عن النار الخ۔ یہاں تک کہ جب روحیں انکے جسموں میں  
 داخل ہو جائیں گی۔ تو وہ یہ دعا کریں گے۔ اے پروردگار جس طرح آپ نے ہم کو دوزخ سے نکال دیا اور روحوں کو ہمارے  
 جسموں میں واپس کیا تو ہمارے چہروں کو بھی دوزخ سے دوسری طرف پھیر دیجئے الخ۔

اکثر علماء کا کہنا ہے کہ عقوبت کی مدت کے بعد ان کو موت دے دی جائے گی اور شفاعت تک وہ اسی میں پڑے  
 رہیں گے۔ اس مدت میں نہ انکو عذاب ہوگا نہ ثواب۔ درحقیقت یہ ان کی سزا کا تمہ ہوگا۔ جیسے دنیا میں کسی جرم کی سزا دے کر

کچھ عرصہ قید بھی کر دیا جاتا ہے۔ گو ان کو زندہ رکھتے ہوئے بھی غیر معذب رکھا جاسکتا ہے۔ لیکن رحمت خداوندی ان کو دوزخ کی ہولناکیوں کے دیکھنے سے بھی محفوظ فرما دے گی۔ اور ممکن ہے کہ یہ موت اور روح کا نکالنا بھی عقوبت کا تتمہ ہو۔ واللہ اعلم علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے دوزخ میں داخلہ کے وقت ہی ان کو موت دے دی جائے اور ان کی سزا صرف دخول جہنم اور ایک مدت تک جنت کی نعمتوں سے محرومی ہی ہو جیسا کہ دنیا میں بھی جیل میں بند کر دینا سزا شمار ہوتا ہے خواہ وہاں اس کو کوئی مشقت نہ ہو۔ واللہ اعلم (روح المعانی)۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى:..... یہاں اس شخص کا بیان ہے جو تذکیر سے نفع اٹھاتا ہے۔ تذکیر نصیحت سن کر اس سے متاثر ہونا ابتدائی درجہ ہے جس میں فلاح کی ضمانت نہیں۔ اصل فلاح و کامیابی کمال میں ہے۔ اور کمال دو چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ تمام ظاہری و باطنی گندگیوں اور آلودگیوں سے تخلیہ و پاکیزگی اور نیکیوں کے ساتھ تخلیہ و آراستگی جن میں سرفہرست ذکر اسم رب اور نماز ہیں، آیت مذکورہ میں تخلیہ کا بیان ہے۔

لفظ تزکى زکوٰۃ سے مشتق ہے جس کے اصل معنی پاک کر دینے کے ہیں۔ مال کی زکوٰۃ کو بھی اسی لیے زکوٰۃ کہتے ہیں کہ اس سے باقی مال اور زکوٰۃ دینے والے کا قلب بخل کی نجاست سے پاک ہو جاتا ہے۔ یہاں لفظ تزکى کا مفہوم ہر قسم کی پاکی کو مشتمل ہے جیسا کہ لفظ أَفْلَحَ میں تعیم ہے کہ ہر قسم کی فلاح اس میں آگئی۔

### پاکی کی اقسام:

(۱) دل کی پاکی۔ کفر و شرک، عقائد فاسدہ اور تمام رذائل نفسانیہ سے (۲) بدن کی پاکی۔ حدیث اکبر و حدیث اصغر اور جملہ نجاستوں سے (۳) کپڑوں کی پاکی۔ ہر قسم کی نجاستوں سے اور حرام مال سے۔ (۴) بدن اور لباس کی پاکی۔ خلاف شرع وضع سے (۵) مال کی پاکی۔ کمانے میں ممنوعات و محرمات سے اور کمانے کے بعد زکوٰۃ و صدقات نکال کر (۶) جگہ وغیرہ متعلقات کی پاکی۔ ان تمام پاکیوں کے حصول سے تخلیہ حاصل ہوگا۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصْلَى (اور اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی) ظاہر یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کی نماز (فرض و نفل) آگئی۔ بعض مفسرین نے خاص نماز عید سے اس تفسیر کی وہ بھی اس میں داخل ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دے اور اللہ کے شرکاء کو (قلب سے) باہر نکال دے۔ اور میرے رسول ہونے کی شہادت دے اور ذکر اسم ربہ فصلی سے مراد ہنچگانہ نمازیں اور ان کی نگہداشت و اہتمام ہے (منظہری)

جو روایت مرفوعہ سے تفسیر ثابت ہے وہ یقیناً راجح ہوگی۔ واللہ اعلم

### حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استنباط:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو صدقہ فطر ادا کرے اور عید گاہ کے راستہ میں تکبیرات پڑھے اور عید گاہ پہنچ کر نماز ادا کر لے تو میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اس بشارت (فلاح) کا مستحق ہو جائے گا۔ یعنی انہوں نے لفظ تزکى سے صدقہ فطر اور ذکر اسم رب سے تکبیرات اور لفظ فصلی سے صلوٰۃ عید مراد لی ہے۔ وجہ ان کی اس تفسیر کی یہ ہے کہ قرآن میں ہر

جگہ زکوٰۃ کا ذکر نماز کے بعد آیا ہے۔ اور یہاں نماز سے پہلے ذکر آیا ہے۔ تو اس سے کوئی مخصوص صورت مراد ہے۔ تو عید میں صدقہ فطر جس کو زکوٰۃ فطر بھی کہہ دیتے ہیں نماز سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔ بلکہ تینوں کام عید میں اسی ترتیب سے ہوتے ہیں۔ جس ترتیب سے آیت میں مذکور ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عطاء، ابن سیرین اور ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی کے مثل منقول ہے۔ مگر یہ سورت مکی ہے اور مکہ میں نہ عید تھی نہ زکوٰۃ نہ صدقہ فطر اس لئے یہ تفسیر مرجوح ہے۔ فقہائے احناف کا استنباط:

**مسئلہ (۱)** احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ رکن نہیں بلکہ شرط صلوٰۃ ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک رکن (جزو صلوٰۃ) ہے۔ حنفیہ نے کہا کہ ذکر اسم رب سے مراد تکبیر تحریمہ ہے اور فصلی میں فاء عاطفہ تعقیبہ ہے۔ عطف تعقیبی کا تقاضا یہ ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف غیر بھی ہوں اور معطوف معطوف علیہ کے بعد آئے۔ معلوم ہوا کہ ذکر اسم رب نماز سے باہر کی ایک جدائے ہے رکن اور جزو صلوٰۃ نہیں۔ ورنہ دونوں کے درمیان فاء نہ آتی۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ ذکر اسم رب کے بعد نماز پڑھی۔

**سوال:** جس طرح حافظ اعلیٰ الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَوةِ الْوُسْطٰی میں صَلَوةِ الْوُسْطٰی کا عطف الصَّلوات پر ہے۔ اور مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِکَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِیلَ وَمِیْکَالَ میں جبریل و میکال کا عطف ملئکہ پر ہے۔ کیا اس طرح صلی کا عطف ذکر اسم رب پر نہیں مان سکتے۔ اور جس طرح صلوٰۃ وسطیٰ صَلَوَات میں اور جبریل و میکال ملائکہ میں داخل ہیں اس طرح ذکر اسم رب کو صلوٰۃ میں داخل مان کر رکن قرار نہیں دے سکتے؟

**جواب:** آپ نے جو الصلوٰۃ الوسطیٰ اور جبریل و میکال کی دو مثالیں بیان کی ہیں وہ عطف الخاص علی العام کی مثالیں ہیں۔ جو زبان عرب میں مستعمل و رائج ہیں۔ اور ذکر اسم رب پر فصلی کا عطف عطف العام علی الخاص ہوگا۔ جس کی کلام عرب میں کوئی نظیر نہیں۔ اور اہل عربیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ اس لئے ذکر اسم رب اور صلوٰۃ کو دو جدا جدا چیزیں مانتے ہوئے عطف کیا جائے گا فہم۔

**ثمرہ اختلاف:**..... اگر بدن یا کپڑے پر نجاست ہو یا واجب الستر حصہ بدن کھلا ہو یا نماز ظہر میں زوال آفتاب نہ ہوا ہو، یا قبلہ کی طرف منہ نہ ہو اور اس حالت میں تکبیر تحریمہ کہہ لی جائے مگر تکبیر کا آخری لفظ کہتے کہتے یہ موانع ہو گئے ہوں مثلاً عمل قلیل کے ذریعہ ستر عورت کر لے۔ اور آفتاب ڈھل جائے اور قبلہ کو رخ کر لے، یا نجاست دور ہو جائے۔ تو چونکہ قیام صلوٰۃ کے ساتھ جس جزو تحریمہ کا اتصال ہے وہ صحیح شرائط کے ساتھ ہوا اس لئے احناف کے نزدیک نماز درست ہو جائیگی۔ شوافع کے نزدیک نہ ہوگی۔ چونکہ یہ موانع اندرون صلوٰۃ موجود ہیں۔ البتہ بعض احناف مثلاً امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ رکن صلوٰۃ ہے۔ ان کے نزدیک تفریع مذکور درست نہ ہوگی۔

اسی طرح اگر ذکر اسم رب سے مراد اذان و اقامت لی جائے جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے تو تکبیر تحریمہ کے عدم رکنیت پر ہی آیت دلیل نہ بن سکے گی۔

**مسئلہ (۲):** حنابلہ و مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تحریمہ میں اللہ اکبر کہنا فرض ہے۔ شوافع کے نزدیک اللہ اکبر اور اللہ الاکبر دونوں میں سے جو چاہے کہہ لے فرضیت ادا ہو جائیگی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار الفاظ میں سے کوئی بھی کہہ سکتا ہے۔ اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ کبیر، اللہ الکبیر۔ طرفین فرماتے ہیں کہ ہر ایسے

اسم رب سے نماز کا شروع کرنا درست ہے جو خالص تعظیم رب پر دلالت کرے اور اس میں اپنی حاجت کا شائبہ نہ ہو۔ مثلاً الفاظ مذکورہ میں سے کوئی کلمہ یا اللہ اجل۔ اللہ اعظم۔ اللہ الرحمن۔ الرحمن اعظم۔ لا الہ الا اللہ۔ سبحان اللہ وغیرہ ایسے تمام کلمات سے افتتاح صلوة صحیح ہو جائیگا۔ کیونکہ مطلق ذکر اسم رب کا حکم ہے (وہم کہم اللہ ربہ) البتہ اللہ اکبر کہنا واجب ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔ لیکن اللہم اغفر لی اللہم ارزقنی جیسے الفاظ سے نماز کی ابتدا درست نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ الفاظ ذکر خالص نہیں ہیں۔ بلکہ بندہ کی حاجت کی تلاوٹ بھی ان میں ہے۔

صوفیہ کا استنباط: شیخ یعقوب کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (۱) تزلجی سے توبہ و تزکیہ کی طرف اشارہ ہے: (۲) و ذکر اسم ربہ سے زبانی، قلبی، روحی اور سری ذکر کی پابندی کی طرف اشارہ ہے۔ (۳) فصلی سے دوام مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ نماز معراج المومنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک (انہماکی خوشی) ہے۔ اور یہی ہی پورے تصوف کا خلاصہ ہے۔

### ایک اور تفسیر:

بعض علماء نے فصلی کی تفسیر دعا سے کی ہے۔ اور دعا کا مسنون طریقہ (۱) خالق سے یکسو ہو کر حق کی طرف متوجہ ہونا پھر (۲) اللہ کی حمد و ثناء وغیرہ کرنا پھر (۳) دعاء مانگنا ہے۔ تزلجی سے امر اول ذکر اسم رب امر ثانی اور فصلی سے دعا مراد ہے والتفسیر الا ول اقوی واشہر وعلیہ جمہور المفسرین بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا اس میں خطاب کفار کو ہے۔ یعنی اے بد بختو! تم فلاح کے (مذکورہ) کام نہیں کرتے بلکہ تم دنیوی زندگی کو اخروی زندگی پر ترجیح دیتے ہو۔ یا کفار کے سوال کا اس میں جواب ہے۔ وہ یہ کہ ہم کو تو امور مذکورہ میں کوئی فلاح نظر نہیں آتی۔ تو جواب دیا کہ تمہاری نظریں تو اس حقیر زندگی پر مرکوز ہیں۔ فلاح کو تم کیسے دیکھ سکتے ہو۔ تمہاری عقل کی نگاہیں اس کی جانب مخالف لگی ہوئی ہیں۔ جس کی طرف پشت کر لی ہو اسکو انسان آخر کیسے دیکھ سکتا ہے؟ حالانکہ آخرت کی زندگی بہتر ہے۔ وہاں کی عظیم لذتیں تمام کدورتوں سے خالی ہیں۔ ہمیشہ کا دیدار وصال ربانی اور ابدی رضا و خوشنودی رحمانی جیسے بہترین تحفے آخرت ہی کے تحفے تو ہیں اور دنیوی زندگی کے برخلاف وہ زندگی ابدی و لازوال بھی ہے۔ یہاں دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کے بطلان پر نہایت اختصار کیساتھ دو مضبوط دلیلیں بیان فرمائی گئیں۔ خیر و ابقی عقل کا تقاضا ہے کہ بہتر اور پائیدار شی کو اپنایا جائے اور ان کے بدلے بدتر و ناپائیدار چیز کو اختیار کرنا خلاف عقل اور بدترین حماقت ہے۔ اللہم احفظنا منہ۔

إِنَّ هَذَا الْخُطْبَةَ كَامِثَارِ الْيَوْمِ مِثْلُهَا سَوْرَةُ هِيَ بِأَقْلَحٍ سَآخِرِ تَكْ يَأْوَ الْخَيْرَةِ خَيْرٌ وَأَبْقَى

ہے اور ضحیف مؤنسی سے مراد یا تو وہ صحیفے ہیں جو ان کو تورات سے قبل عطا ہوئے تھے یا تورات ہی مراد ہے۔

### تمام کتب آسمانی:

عبد بن حمید، ابن مردویہ اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کل کتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں۔ ارشاد فرمایا ایک سو چار کتابیں، حضرت شیت پر پچاس صحیفے، حضرت ادريس پر تیس صحیفے، حضرت ابراہیم پر دس صحیفے،



حضرت موسیٰ پر تورات سے قبل دس صحیفے نازل فرمائے۔ اور چار کتابیں (مشہور) تورات، انجیل، زبور، قرآن اور نازل فرمائیں (بعض روایات میں دس صحیفے حضرت آدم کے مذکور ہیں۔ حضرت موسیٰ کے نہیں ہیں)۔ اور طبری رحمۃ اللہ علیہ وحاشیہ کشاف میں کل تعداد ۱۱۴ ہے۔ وہاں حضرت موسیٰ و آدم دونوں کے دس دس صحیفے ذکر کئے ہیں۔) ابراہیمی صحیفوں کے مضامین:

مذکورہ روایت میں ہے کہ میں نے (ابو ذر نے) پوچھا یا رسول اللہ! صحف ابراہیم کیسے تھے؟ فرمایا ان میں تمام امثال (عبر و نصاریٰ) تھیں (ایک مثال میں ظالم بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ) اے لوگوں پر مسلط ہو جانے والے مغرور و مہملی میں نے تجھے حکومت اس لیے نہیں دی تھی کہ تو دنیا کا مال تہہ برتہ جمع کرتا چلا جائے۔ بلکہ میں نے تجھے اقتدار اسلئے عطا کیا تھا کہ تو مظلوم کی بددعاء مجھ تک نہ پہنچنے دے۔ کیونکہ میرا قانون یہ ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو رد نہیں کرتا اگرچہ وہ کافر کی زبان سے نکلی ہو۔ اور ایک مثال میں عام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ) عقل مند آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنے اوقات کے تین حصے کرے۔ ایک حصہ اپنے رب عبادت و مناجات کیلئے دوسرا حصہ اپنے اعمال کے محاسبہ اور اللہ تعالیٰ کی صنعت و قدرت میں غور و فکر کا تیسرا حصہ جائز طریقوں سے اپنی معاشی ضروریات اور طبعی حاجات کا۔ یہ تیسرا حصہ تمام اوقات کا معین اور اطمینان کا باعث ثابت ہوگا۔ اور صاحب عقل کے لئے لازم ہے کہ اپنے زمانے کے حالات سے واقف رہے اور اپنے مقصود کام میں لگا رہے۔ اپنی زبان کی حفاظت کرتا رہے۔ اور جو شخص اپنے کلام کو اپنا عمل سمجھ لے گا۔ اس کا کلام بہت کم صرف ضروری کاموں میں رہ جائے گا۔ اور دانشمند کو چاہیے کہ وہ تین چیزوں کا طالب رہے۔ معاش کی درستی کا آخرت کے توشہ کا حرام سے بچ کر لذت کا۔

موسوی صحیفوں کے مضامین:

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا کہ صحف موسیٰ کیا تھا؟ ارشاد فرمایا ان میں سب عبرتیں ہی عبرتیں تھیں۔ (ان میں سے چند کلمات یہ ہیں) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو مرنے کا یقین ہو پھر وہ کیسے خوش ہوتا ہے۔ اور مجھے تعجب ہے اس پر جو جہنم کا یقین رکھتا ہے پھر وہ ہنستا ہے۔ اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا اور اس کے انقلابات اور لوگوں کے عروج و زوال کو دیکھتا ہے پھر وہ دنیا پر مطمئن ہوا بیٹھا ہے اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر کا یقین رکھتا ہے۔ پھر وہ ناراض ہوتا ہے۔ اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو حساب کا یقین رکھنے کے باوجود عمل نہیں کرتا۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں سے آپ ﷺ پر بھی کوئی چیز نازل ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ذر رضی اللہ عنہ یہ آیات

قد افلح من تزكى الى قوله خير وابقى اتری ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بصحة هذا الحديث (روح المعانی)۔

تم تفسیر سورۃ الاعلیٰ بفضل اللہ سبحانہ و تعالیٰ و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صاحب قاب قوسین و ادنیٰ و علی الہ و صحبہ اولیٰ لعدل اولتقی و علی اتباعہم کما یحب ربنا و یرضی

## سُورَةُ الْغَاشِيَةِ

## سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ وَ عِشْرُونَ آيَةً

رکوع: ۱۰، آیات: ۲۶) سورۃ غاشیہ مکہ ہے۔ اور اس میں چھبیس آیات ہیں (کلمات: ۹۲، حروف: ۳۱۸)

رابط و مناسبت:

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں خصوصاً عشاء اور جمعہ و عیدین میں اس سورت کو سورہ اعلیٰ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ایک رکعت میں اس کو اور ایک میں اس کو (لہذا معلوم ہوا کہ دونوں سورتوں میں خاص مناسبت ہے۔ یوں بھی اگر غور کیا جائے تو دونوں سورتوں کے الفاظ اور مضامین نہایت مربوط و مناسب ہیں۔ مثلاً سورہ اعلیٰ میں تذکیر کا امر ہے فذکر ان نفع الذکر ی تو اس سورت میں بھی فذکر انما انت مذکر ہے وہاں یصلی النار الکبریٰ ہے تو یہاں بھی تصلی نار احمیہ ہے۔ پھر سورہ اعلیٰ کے اخیر میں مومن و کافر اور ان کے اخروی حالات جنت و نار کی طرف اشارہ تھا تو اس سورت میں بھی حالات کی تفصیل ہے وغیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ (۱) وَ جُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (۲) عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (۳) تَصَلِي نَارًا حَامِيَةً (۴)

ہل	اُنک	حدیث	الغاشیہ	وُجُوہ	یَوْمِئِذ	خَاشِعَہ	عَامِلَہ	نَاصِبَہ	فَصَلٰی	نَارًا	حَامِیَہ
کیا	اُنکی ہے تیرے	بات	دھماکے لینے والی	کتنے منہ	اس دن	ذلیل ہو نیوالے	عمل کر نیوالے	محنت کر نیوالے	داخل ہو گئے	آگ	جلتی

تُسْقَى مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ (۵) لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ (۶) لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ (۷)

تَسْقٰی	مِنْ	عَيْنٍ	اِنَّیْہُ	لَیْسَ	لَهُمْ	طَعَامٌ	اِلَّا	مِنْ	ضَرِیْعٍ	لَا یَسْمُنُ	وَلَا یَغْنٰی	مِنْ جَوْعٍ
پلائے جائیگے	سے	چشمہ	کھولتا ہوا	نہیں	انکے لئے	کھانا	مگر	سے	خادار گھاس	نہ موٹا کر گی	اور نہ کفایت کر گی	سے بھوک

وَ جُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ (۸) لِّسَعِيهَا رَاضِيَةٌ (۹) فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (۱۰) لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةٌ (۱۱)

بہت سے چہرے اس دن تروتازہ اپنی محنت پر خوش ہوں گے۔ وہ عالیشان جنت میں رہیں گے۔ جہاں کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے۔

وَجُودٌ	يَوْمَئِذٍ	نَاعِمَةٌ	لَسَعِيهَا	رَاضِيَةٌ	فِي	جَنَّةٍ	عَالِيَةٍ	لَا تَسْمَعُ	فِيهَا	لَاغِيَةٌ
کتنے منہ	اس دن	تروتازہ	اپنی کوشش سے	خوش خوش	میں	باغ	بلند	نہیں سنتے	انہیں	بیہودہ

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (۱۲) فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ (۱۳) وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ (۱۴) وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ (۱۵)

وہاں بہتا ہوا چشمہ ہوگا۔ وہاں اونچے تخت ہوں گے۔ اور آنچورے (گلاس) رکھے ہوں گے۔ اور ترتیب سے لگے ہوئے گاؤں جیسے ہونگے

فِيهَا عَيْنٌ	جَارِيَةٌ	فِيهَا سُرُرٌ	مَرْفُوعَةٌ	وَأَكْوَابٌ	مَوْضُوعَةٌ	وَنَمَارِقُ	مَصْفُوفَةٌ
اچیں	چشمہ	بہتا ہوا	اچیں	تخت	اونچے اونچے	اور آنچورے	پچنے ہوئے اور عاچے
							برابر رکھے ہوئے

وَزَّرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ (۱۶) أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (۱۷) وَاللّٰهُ السَّمَاءُ كَيْفَ رُفِعَتْ (۱۸)

اور قالین بچے ہوں گے۔ پھر کیا لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح بنایا گیا؟ اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ وہ کیسا بلند کیا گیا؟

وَزَّرَابِيُّ	مَبْثُوثَةٌ	أَفَلَا يَنْظُرُونَ	إِلَى الْإِبِلِ	كَيْفَ خُلِقَتْ	وَاللّٰهُ	السَّمَاءُ	كَيْفَ رُفِعَتْ
اور قالین	بکھرے ہوئے	کیا وہ نہیں دیکھتے	طرف اونٹ	الہی	اگر	آسمان	کیسے بلند کئے

وَالِى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ (۱۹) وَالِى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (۲۰) فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ (۲۱)

اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ وہ کس طرح کھڑے کئے گئے اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ وہ کس طرح بچھائی گئی۔ پھر آپ تو سمجھاتے رہتے آپ کا کام سمجھانے ہی کا ہے۔

وَالِى الْجِبَالِ	كَيْفَ نُصِبَتْ	وَالِى الْأَرْضِ	كَيْفَ سُطِحَتْ	فَذَكِّرْ	إِنَّمَا أَنْتَ	مُذَكِّرٌ
اور طرف	پہاڑوں	کیسے	نصب کئے گئے	اور	طرف زمین	الہی

لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُصِيطِرٍ (۲۲) إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ (۲۳) فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ (۲۴)

آپ ان پر نگہبان نہیں ہیں۔ لیکن جو روگردانی او رکفر کریگا۔ تو اس کا اللہ تعالیٰ بڑی سزا دیں گے۔

لَسْتُ عَلَيْهِمْ	بِمُصِيطِرٍ	إِلَّا مَنْ تَوَلَّى	وَكَفَرَ	فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ	الْعَذَابَ	الْأَكْبَرَ
نہیں تو ان پر	داروغہ	بمضطرب	الّا	مَنْ تَوَلَّى	و	کفر کیا

إِنَّ إِلَيْنَا أِيَابَهُمْ (۲۵) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (۲۶)

یقیناً ان کو ہمارے پاس لوٹ آنا ہے۔ پھر ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا۔

إِنَّ إِلَيْنَا	أِيَابَهُمْ	ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا	حِسَابَهُمْ
ہماری طرف	ان کا لوٹنا	پھر	حساب ان کا

## لغات:

الغاشیہ غشی غشاء (س) سے اسم فاعل واحد مونث ہر چھپانے والی، ڈھانک دینے والی، چھاجانے والی چیز، یہ اسکے اصل وضعی معنی ہیں، لیکن اس سے مراد قیامت ہے۔ اسلئے کہ اس کی ہولناکیاں سب پر چھا جائیں گی۔ الحاصل اس کو وصفیت سے علمیت کی طرف منتقل کیا گیا۔ عاملۃ ایضاً (س) محنت کرنے والی، عمل کرنے والی (ناصبۃ ایضاً) (س) عاجز، مصیبت میں مبتلا ہونے والی۔ حامیۃ ایضاً (س) دہکتی ہوئی، جلتی ہوئی مصدر حَمِيَاً حُمِیَاً حُمُوً اتیز گرم ہونا، غضبناک ہونا، آیۃ ایضاً (ض) سخت کھلتی ہوئی مصدر انبأ انبی انی انما تقریب ہونا، پک جانا، ضریع خاردار جھاڑ۔ کانٹے۔ بخاری شریف کتاب التفسیر میں ہے کہ ضریع ایک گھاس ہے جس کو شبرق کہا جاتا ہے۔ یہی گھاس جب سوکھ جاتی ہے تو اہل حجاز اس کو ضریع کہتے ہیں۔ اور یہ زہریلی ہوتی ہے۔ بدرالدین عینی کہتے ہیں کہ یہ فراء کا قول ہے۔ خلیل نے کہا یہ

ایک بد بودار گھاس ہوتی ہے۔ جس کو سمندر کنارہ پر ڈال دیتا ہے۔ (یعنی ج ۹/۳۲۵) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ ایک خاردار گھاس ہوتی ہے۔ جوزین سے چسپاں رہتی ہے۔ قریش اسکو شرق کہتے ہیں اور سوکھ جانے کے بعد ضریح کہلاتی ہے یہ سب سے زائد غبیث اور بری خوراک ہے۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ گھاس خشک ہو جاتی ہے تو جانور اس کے قریب بھی نہیں آتا۔ ابن زید کہتے ہیں کہ دنیا میں تو ضریح خشک کانٹے ہیں کہ یہ گھاس خشک ہو جاتی ہے۔ تو جانور اسکے قریب بھی نہیں جاتا۔ اور آخرت میں آگ کے کانٹے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت میں ہے کہ ضریح دوزخ میں کانٹوں کی طرح ایک درخت ہے جو ایلوے سے زیادہ تلخ، مردار سے زیادہ بد بودار اور آگ سے زیادہ گرم ہے۔ (جمل ج ۴/۵۳۱) لا یسمن واحد مذکر غائب مضارع منفی بلا (افعال) سَمِنَ سَمِنًا وَهَمَانَةً (س) موٹا ہونا سمن لکھی (ن) گھی ڈالنا، مرغن کرنا، جوع بھوک (ن) بھوکا رہنا۔ نَاعِمَةً اسم فاعل واحد مونث نعومة (س) خوش اور تروتازہ ہونا۔ لَاغِيَةً ایضاً بیہودہ، لغو، کارہ بات، بابۃ نصر وسمع۔ سُرُز جمع سریو کی تہج جس پر سرور سے بیٹھا جائے، کیونکہ سریو ارباب نعمت ہی کے پاس ہوتا ہے۔ اکواب جمع کوب کی پیالے، کوزے۔ نَمَارِقُ جمع نمرة کی تکیے، چھوٹے تکیے۔ گاو تکیے یا گدے۔ رَزَابِی زرب کی جمع ہے۔ نخل کے نہالچے، ایک قسم کا آراستہ کپڑا، غالیچے، فرش یا ہر وہ چیز جو بچھائی جائے اور اس پر تکیہ لگایا جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا واحد رُذِی بسرا الزاء وضمہا ہے۔ مَبْثُوثَةٌ اسم مفعول واحد مونث (نض) بچھی ہوئی۔ الابل اونٹ۔ یہ اسم جنس ہے واحد جمع سب پر اطلاق آتا ہے۔ سطحت واحد مونث غائب ماضی (ف) بچھانا مُصْبِطٌ یہ لفظ دراصل مسیطر بالسن تھا۔ سین کو صا د سے بدل دیا گیا۔ سیطرة مصدر ہے۔ کسی کام پر مقرر کرنا۔ ذمہ دار ہونا۔ نگران ہونا۔ اِنَاب مصدر (ن) اَوْتَا وَاِیَابَا لوٹنا۔

### ترکیب:

ہل استفہام کا ہے۔ مقصود اس سے غاشیہ کی بات سننے کا شوق دلانا ہے۔ اور اس کے عجیب غریب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یاہل برائے تحقیق بمعنی قد ہے۔ ہل اتک حدیث الغاشیة جملہ فعلیہ مرثلہ وجوہ مبتدا (ولا باس بتنکیرھا لان التنوین فیہ عوض عن المضاف الیہ کما مرفی القیمة ای وجوہ الکفار) یومینذای یوم اذ کان کذا یہ خاشعہ کا ظرف ہے خاشعہ خبر اول عاملہ خبر ثانی ناصبہ خبر ثالث تصلی فعل ضمیر مونث عائداً الى وجوہ فاعل نارا احامیة موصوف وصف ظرف جملہ فعلیہ خبر رابع (ومن قال ہی خبرھا وما قبلھا صفات للوجوہ فلم یفہم ان الصفة لا بد لھا ان یکون المخاطب عالماً بالتصاف الموصوف بها قبل جعلھا صفة له والخبر محکوم به والحکم بالمجهول اولی فافہم) ہاں یہ ممکن ہے کہ جملہ تصلی الخ اور اسکے بعد کے دونوں جملوں کو متنافہ قرار دیا جائے کہ یہ احوال وجوہ کی تفصیل ہیں۔ گویا کہ سائل نے مذکورہ احوال وجوہ کے بارے میں تفصیل کا سوال کیا اور یہ جملے اسکے جواب میں واقع ہوئے۔ تسقی فعل مجہول ضمیر نائب فاعل من حرف جر عین انیبة مرکب توصیفی مجرور متعلق تسقی جملہ فعلیہ وجوہ کی خبر خاص 'لیس' فعل ناقص لہم متعلق مخذوف خبر مقدم طعام مستثنیٰ منه الا حرف استثناء لغو من زائدہ ضریع موصوف لا یسمن فعل فاعل جملہ فعلیہ معطوف علیہ ولا یغنی من جوع فعل فاعل متعلق جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین صفت۔ ضریع اپنی صفت سے مل کر مجرور طعام سے مستثنیٰ یا اس سے

بدل کر طعام اپنے مستثنیٰ یا بدل سے مل کر اسم لیس جملہ فعلیہ حال ضمیر تسقی سے یا جملہ متانفہ۔ اسی طرح تسقی میں بھی دو احتمال ہیں۔ تَصْلٰی کی ضمیر سے حال یا خبر خامس وجوہ اپنی پانچوں خبروں سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

وجوہ یومئذ ناعمة الی قولہ تعالیٰ مبنیۃ بھی حسب سابق سوال مقدر کا جواب جملہ متانفہ ہے۔ وجوہ مبتدا حسب سابق ناعمة اپنے ظرف یومئذ اور متعلق لسعیاہ سے مل کر خبر اول راضیۃ خبر ثانی فی جنۃ موصوفۃ عالیۃ صفت اول لا تسمع فعل ضمیر فاعل عائد الی وجوہ فیہا ای فی الجنۃ متعلق لاغیۃ مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ صفت ثانیہ ہے۔ جنۃ کی فیہا ای فی الجنۃ خبر مقدم عین جاریۃ مرکب توصیفی معطوف۔ اسی طرح ونما راق مصفوفۃ اور وزرا بسی مبنیۃ جملہ معطوفات مل کر مبتدا موخر۔ جملہ اسمیہ صفت رابعہ جنۃ کی جنۃ اپنی تمام صفات سے مل کر بحرور فی ای دائمۃ فی الجنۃ الخ خبر ثالث وجوہ کی۔ جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ افلا یظنون ہمزہ استفہام انکاری کا ہے اور فاء عاطفہ ہے۔ معطوف علیہ مقدر ہے۔ ای اینکرون ما ذکر من البعث واحوال الاخرۃ ویستعبد ونہا وقوعہ من قدرۃ اللہ فلا یظنون الخ۔ جملہ فعلیہ مقدر معطوف علیہ فاء عاطفہ یظنون فعل ضمیر عائد الی اہل مکہ فاعل المذکورون (معنی) الی الابل متعلق خلقت فعل ضمیر ذوالحال کیف حال۔ ذوالحال حال سے مل کر نائب فاعل۔ ای علی انی حال۔ خلقت یا مصدر مخذوف کی صفت ہے۔ ای خلقت خلقاً حاصلًا علی صفة۔ استفہامیت کی بنا پر مقدم کر دیا گیا۔ بہر دو صورت جملہ الابل سے بدل اشتمال ہے۔ اسی طرح اگلے تینوں جملے ہیں۔ اور چاروں الی کا تعلق لا یظنون سے ہے۔ فذکر فاء تعقیبیہ ذکر امر حاضر معروف واحد مکمل فعل با فاعل مفعول مخذوف جملہ انشائیہ۔ انما کلمہ حصر انت مبتدا مذکور خبر جملہ اسمیہ علت امر۔ لست فعل ناقص ضمیر بارز اسم علیہم متعلق بمضیطر خبر اس میں باء زائدہ تاکید فی و تحسین کلام کے لئے ہے۔ جملہ فعلیہ الاحرف استثناء من موصولہ متضمن لمعنی الشرط ولذٰلک دخل الفاء فی خبرہ۔ تولی فعل فاعل جملہ فعلیہ معطوف علیہ و کفر جملہ فعلیہ معطوف، معطوفین صل۔ موصول وصل مل کر مبتدا فیعذبہ اللہ فعل مفعول بہ فاعل العذاب الاکبر مرکب توصیفی مفعول مطلق جملہ فعلیہ خبر۔ ان اپنی خبر مقدم الینا اور اسم موخر ایابہم سے مل کر جملہ اسمیہ معطوف علیہ ثم ان علینا حسابہم بعینہ اسی ترکیب سے معطوف۔ تعلیل لتعذیبہ تعالیٰ۔ و جمع الضمیر باعتبار معنی من وافر داہ فیما سبق باعتبار لفظہا۔

تفسیر:

هل اتک حدیث الغاشیہ هل بمعنی قد ہے۔ ای قد جاء یا محمد حدیث الغاشیہ، لیکن جمہور کے نزدیک هل استفہامیہ تشویق و تعجب کے لئے ہے۔ محمد بن کعب وابن جبیر رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ الغاشیۃ سے مراد دوزخ کی آگ ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں دوسری آیات تعشی وجوہم النار اور من فوقہم غواش سے مفہوم ہوتا ہے۔ لیکن الغاشیۃ کے بعد چونکہ احوال مومنین کا بھی ذکر ہے۔ اسلئے یہاں غاشیہ سے مراد نار جہنم نہیں ہے۔ بلکہ قیامت مراد ہے۔ اور جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ کما قال تعالیٰ: افامنوا ان تا تیہم غاشیۃ من عذاب اللہ (۲) وہ دن سب کے ہوش و حواس اپنی ہولناکیوں میں چھپا لے گا (۳) اس دن کا عذاب مجرموں کے بدنوں کو چاروں طرف سے ڈھانک لے گا۔ کما قال تعالیٰ ﴿یوم یغشہم العذاب من فوقہم ومن تحت ارجلہم﴾ (۴) مومنوں کی

خطاؤں اور لغزشوں کو بھی چھپایا گیا کہ ان کی مغفرت ہو جائیگی۔ اور کفار کے نیک اعمال کو بھی کیونکہ وہ قبول نہیں ہوئے۔ اسی کو حظ اعمال سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ وغیرہ۔  
کفار مجرمین کے حالات:

وجوه يومئذ خاشعة الخ سابقہ آیت میں قیامت کے حادثہ اور اس کے حالات کے سننے کی طرف متوجہ فرما کر یہاں سے اس کے حالات کی قدرے تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ قیامت کے دن دونوں فریق مومن و کافر، الگ الگ ہو جائیں گے ان کے حالات جدا جدا ہونگے ان کے چہروں میں امتیاز ہوگا۔ اول ان آیات میں کافروں کے چہروں کے چند حالات کا ذکر ہے۔ (۱) **خاشعة**: خشوع کے معنی جھکنے اور ذلیل ہونے کے ہیں۔ نماز میں خشوع کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک کر اپنے اوپر ذلت و پستی کی کیفیت طاری کی جائے۔ جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کے سامنے تدلل و خشوع اختیار نہیں کیا اس کی سزا ان کو قیامت کے دن یہ ملیگی کہ وہاں ان کے چہروں پر ذلت و رسوائی کے آثار نمایاں ہوں گے۔ (۲، ۳) **عاملة ناصبة**: عاملۃ کے معنی عمل اور محنت کر نیوالے کے ہیں۔ محاورات میں عامل اور عاملہ اس شخص کیلئے بولا جاتا ہے جو مسلسل عمل و محنت میں تھک کر چور ہو گیا ہو۔ اور ناصبة نصب سے مشتق ہے جسکے معنی تھکنے اور مشقت میں پڑ جانے کے ہیں۔ بظاہر کفار کے ان دونوں حالات (عمل و محنت سے تھک جانے) کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے۔ کیونکہ آخرت میں کوئی عمل و محنت نہیں ہے۔ اسی لئے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ پہلے حال (خاشعة) کا تعلق آخرت سے ہے۔ اور عاملۃ ناصبة یہ دونوں حال ان کے دنیا ہی میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ بہت سے کفار، فجار اور رہبان مشرکانہ عبادات اور باطل طریقوں میں ریاضت و مجاہدہ دنیا میں کرتے ہیں۔ بہت سے ہندو جوگی اور نصرانی راہب ایسے بھی ہیں جو اخلاص کیساتھ اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی و خوشنودی کیلئے دنیا میں عبادت و ریاضت کرتے اور اس میں زبردست محنتیں کرتے ہیں۔ مگر طریقہ کار غلط ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے لئے کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ تو ان باطل پرستوں کے چہرے دنیا میں عاملہ اور ناصبہ ہیں اور آخرت میں خاشعہ ہوں گے۔  
بوڑھے راہب کا واقعہ:

حضرت حسن بصریؒ نے روایت کیا کہ حضرت فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ ملک شام تشریف لے گئے تو ایک نصرانی راہب آپ کے پاس آیا جو بہت بوڑھا تھا۔ اور اپنے مذہب کے موافق عبادت و ریاضت میں ایسا لگا ہوا تھا کہ مجاہدہ و مشقت سے اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا، اس کا بدن خشک، لباس خستہ اور حالت بہت بڑی ہو رہی تھی۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ حال دیکھا تو رو دیئے۔ لوگوں نے آپ سے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس بوڑھے کے حال پر رحم آرہا ہے کہ اس بیچارے نے ایک عظیم مقصد کے پیش نظر بڑی محنت و جانفشانی کی مگر اس مقصد یعنی رضا الہی کو نہ پاسکا۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وجوه يومئذ خاشعة عاملۃ ناصبة۔ اس واقعہ کو قرطبی نے اپنی تفسیر مذکور کی تائید میں پیش کیا ہے۔

یہی تفسیر سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے۔ مگر مہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ وہ لوگ دنیا میں گناہوں کی مشقت اور آخرت میں دوزخ کا دکھ اٹھانے والے ہوں گے۔ صاحب تفسیر حقانی فرماتے ہیں کہ کفار دنیا میں

عبادت اور دینی کاموں میں مشقت اٹھانے سے یکسورہ کر آرام طلبی و عیش کوئی کرتے، روزوں کی خشک لبی سے بچ کر سزا ان کو یہ ملے گی کہ وہ وہاں مشقت میں پڑے ہوں گے۔ کسی کو دوزخ کے صعود پہاڑ پر چڑھایا اتارا جائیگا۔ سَاَزْهَقُوْا صَعُوْدًا کوئی میدان قیامت میں سہارے تلاش کرتا سرگرداں پھریگا۔ کسی کو ملائکہ زنجیروں اور جھکڑیوں میں جکڑ کر کھینچتے پھریں گے۔ کسی پر مار پکڑی جائیگی۔ اور جہنم کے عذابوں میں کھیٹا جائیگا۔ یہ مشقتیں ہوں گی جن کے نتیجے میں وہ تھک کر چور چور ہو جائیں گے۔ کلبی و ضحاک رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی قسم کی تفسیریں منقول ہیں۔

**تصلیٰ ناراحامیہ** حامیہ کے لفظی معنی گرم کے ہیں۔ اور آگ کا گرم ہونا اسکی طبعی کیفیت ہے۔ پھر نار کی صفت اس کو بنانے کا منشاء یہ بتلاتا ہے کہ وہ آگ دنیوی آگ کی طرح نہیں کہ کسی وقت کم یا ختم ہو جائے بلکہ وہ شدید بھی ہے اور دائم بھی۔ یہ دہکتی ہوئی آگ کفر و فجور، حب مال، حب جاہ اور حب باہ کا نتیجہ اور پھل ہوگی۔ اور دنیوی آرام و عیش کے مکانوں میں نافرمانی کی زندگی بسر کرنے کے بدلہ اسکو یہ تکلیف دہ مکان (دوزخ) ملے گا۔

**نسفی من عین الہیہ** جب دوزخ کی گرمی سے دوزخی سخت پیاس کی مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔ اور پینے کے لئے پانی مانگیں گے تو ان کو دوزخ کے کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔ جس کے سامنے آتے ہی چہرہ کا گوشت اور پیٹ میں بہہ نچتے ہی پیٹ کے اندر کی آنتیں وغیرہ کھڑے ہو کر گر پڑیں گی۔ یہ دنیا کے ان ٹھنڈے پانیوں، لذیذ شربتوں اور برف آمیز شرابوں کا بدلہ ہوگا۔ جن کی لذتوں کا شکار ہو کر وہ خدا کو بھول گئے تھے۔ **انیۃ** کے معنی ہیں گرمی کی آخری حد کو پہنچا ہوا۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ جس چیز کی گرمی اس کی آخری حد کو پہنچ جائے تو اہل عرب اس کے بارے میں کہتے قدانی سخوہ (اس کی گرمی انتہاء کو پہنچ چکی) تفسیر مظہری میں ہے کہ ابتدائے آفرینش سے جہنم اس چشمہ پر دہک رہی ہے۔ اسلئے اسکی گرمی آخری نقطہ پر پہنچ چکی ہوئی ہے۔ اور اس کا پانی ایسا کھولتا ہوا ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا کے پہاڑوں پر گر جائے تو پہاڑ پگھل جائیں۔

**لیس لہم طعام الا من ضریع** دوزخیوں پر بھوک کا عذاب مسلط ہوگا۔ اور وہ بھوک بھوک پکاریں گے۔ تو ان کو دنیا کی ان لذیذ و مرغن غذاؤں کے عوض جن کو کھا کر وہ خدا کی بغاوت کرتے تھے۔ **ضریع** کے علاوہ کوئی مفید خوراک نہ ملے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ضریع ایک چیز ہے جو ایلوے سے زیادہ تلخ، مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم کانٹے کی طرح ہوگی۔ جب کسی دوزخی کو کھلائی جائیگی تو وہ نہ پیٹ میں اترے گی نہ منہ سے باہر نکلے گی، نہ فرہی پیدا کریگی، نہ بھوک کو دفع کریگی۔ ایک حدیث میں ہے کہ دوزخیوں پر بھوک مسلط کیجا جائیگی وہ ان سب عذابوں کے برابر ہوگی جن میں وہ مبتلا ہوں گے۔ نوٹ: ضریع کی حقیقت میں علماء کے مختلف اقوال ہیں عنوان لغات میں ملاحظہ فرمائیں۔

**شبہات اور جوابات:**

(۱) یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ گھاس اور درخت تو آگ میں جل جاتے ہیں اور ضریع گھاس ہے تو وہ دوزخ کی آگ میں کیسے باقی رہے گی۔ کیونکہ جس خالق و مالک نے نباتات کو دنیا میں ہوا اور پانی سے پالا ہے۔ اس کو یہ بھی قدرت ہے کہ جہنم میں ان درختوں کی غذا آگ میں انکا بقا ناممکن ہے۔ اور خاک و آب و ہوا سے ان کی بقاء وابستہ ہے۔ اور دوزخ کے حیوانات و نباتات کا مزاج آتشیں ہوگا۔ جو ہرناری کا ان کی طبیعتوں پر غلبہ ہوگا۔ اسلئے ان میں اور آگ میں زبردست مناسبت ہوگی۔ اور آگ انکی غذا اور سبب بقا بن جائیگی۔ (۲) قرآن پاک میں دوزخیوں کی غذا کے بارے میں مختلف چیزوں کا

ذکر آیا ہے۔ کہیں زقوم ہے تو کہیں غسلین اور یہاں ضریح کا ذکر ہے۔ اور یہاں پراسکو حصر کیساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ضریح کے سوا ان کی غذا اور کچھ نہ ہوگی۔ حالانکہ زقوم و غسلین بھی ان کی غذا ہوگی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ حصر حقیقی نہیں حصر اضافی ہے۔ یعنی ان کھانے کے اعتبار سے حصر ہے جو چیزیں کھانے کے لائق، خوشگوار اور جزو بدن بننے کے قابل ہیں۔ اور ضریح کو بطور مثال لایا گیا ہے۔ حاصل مطلب یہ ہوگا کہ دوزخیوں کو کوئی کھانے کے لائق غذا نہ دی جائیگی بلکہ ضریح جیسی تکلیف دہ اور مضر چیزیں دی جائیں گی۔ کیونکہ ضریح میں حصر مقصود نہیں ہے۔ اسلئے اسمیں زقوم و غسلین بھی داخل ہیں۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ دوزخ کے مختلف طبقات ہیں۔ اور ان کی مختلف غذائیں ہیں۔ کسی طبقہ والوں کے لئے زقوم، کسی طبقہ والوں کے لئے غسلین اور کسی طبقہ میں ضریح۔ تو یہ حصر خاص اسی طبقہ جہنم کے اعتبار سے ہے۔ (معارف ج ۱/۶۴)

لا یسمن ولا یغنی من جوع جب اوپر کی آیت نازل ہوئی اور اسمیں دوزخیوں کی غذا ضریع بتلائی گئی تو بعض کفار نے کہا کہ ضریع گھاس کھا کر تو اونٹ خوب موٹے ہو جاتے ہیں۔ ان کے جواب میں فرمایا گیا کہ جہنم کے ضریع کو دنیا کے ضریع پر قیاس نہ کرو۔ وہاں کے ضریع سے نہ موٹا پائا آریگا اور نہ بھوک کے عذاب سے نجات ملے گی غذا کے یہی دو فائدے ہوتے ہیں۔ بھوک دور ہو جائے اور جسم کی پرورش ہو۔ دوزخ کی غذا میں یہ دونوں فائدے معدوم ہیں۔

وجوہ یومئذ ناعمة دوزخیوں کے حالات اور ان کے کھانے پینے اور رہنے کی جگہ کو بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں جنتیوں کے حالات اور ان کے کھانے پینے اور رہنے کے مکانات کا ذکر فرماتے ہیں کہ بہت سے چہرے اس دن خوش و خرم اور تروتازہ ہوں گے، تعب و مشقت، ذلت و مصیبت سے وہ قطعی متبرا ہوں گے۔ کیونکہ دنیا میں رضاء الہی کیلئے انہوں نے تکالیف شاقہ اور مجاہدات عظیمہ برداشت کئے تھے۔

لسعیھا راضیة۔ دنیا میں رہ کر جو کوششیں انہوں نے کی تھیں ان کا اجر و ثواب دیکھ کر وہ خوش ہوں گے۔ جہنمی جنة عالیة وہ عالی مرتبہ اور بلند مقام والی جنت میں رہیں گے۔ جنت مرتبہ کے اعتبار سے بھی بلند ہے اور مکان کے اعتبار سے بھی بلند ہے۔

لا تسمع فیہا لاغیة لا تسمع کی ضمیر وجوہ کی طرف راجع ہے۔ اور ظاہر و رائج نیز سیاق کلام کا تقاضا بھی یہی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ یا مخاطب غیر معین ہے۔ لاغیة بیہودہ اور بے فائدہ کلام، اسمیں کلمات کفریہ، گالی گلوچ، افتراء و بہتان، غیبت و الزام تراشی اور دلخراش و تکلیف دہ باتیں سب ہی داخل ہیں۔ دوسری جگہ ہے لا یسمعون فیہا لغوا ولا تأثیما یعنی جنت میں کوئی لغویا گناہ کی بات نہ سنیں گے قرآن پاک میں یہ مضمون مختلف پہلوؤں سے بہت سی جگہوں پر آیا ہے۔

فیہا عین جاریة عین میں توین تعظیم کیلئے ہے۔ یعنی جنت میں عظیم الشان چشمہ رواں ہوگا جو کبھی منقطع نہ ہوگا حدیث میں ہے کہ جنت کے دریا مشک کے پہاڑ سے پھوٹ کر نکلتے ہیں۔ (مظہری)

فیہا سرور مرفوعة جنت میں بلند تخت ہوں گے جن پر کمال عزت و عظمت کیساتھ بادشاہوں کی طرح جنتی بیٹھیں گے۔ یہ تخت مرتبہ کے اعتبار سے بھی بلند ہوں گے اور مکانیت کے اعتبار سے بھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان تختوں (ممبروں) کے تختے سونے کے ہوں گے۔ اور ان کا حاشیہ زمرود، موتی اور یاقوت سے آراستہ ہوگا۔ لیکن



جب بیٹھنے والا ان پر بیٹھنا چاہے گا تو وہ نیچے جھک جائیں گے۔ اور پھر بلند ہو کر اپنے مقام پر چلے جائیں گے۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ان کی بلندی پانچ سو برس (۵۰۰) چلنے کی مقدار یعنی زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ کے برابر بتائی گئی ہے۔ ابن ابی الدینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرش مرفوعہ کے بارے میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر بالائی فرش زیریں فرش پر گر جائے تو وہ اسپر چالیس برس میں بھی نہ پہنچے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اوپر کا فرش انتہائی نشیب میں سو (۱۰۰) سال تک گرتا چلا جائیگا۔

### معاشرت کا ایک اہم ادب:

واکواب مَوْضُوعۃ - اکواب جمع کوٹ کی ہے۔ پانی کے برتن کو کہا جاتا ہے۔ جیسے آبخورہ، گلاس وغیرہ۔ اکواب کی صفت مَوْضُوعۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آبخورے اپنی مقررہ جگہ پر قرینہ سے رکھے ہوں گے۔ اس میں آداب معاشرت کے ایک اہم اصول کی تلقین ہے۔ کہ پانی پینے کا برتن پانی کے قریب مقررہ جگہ پر رکھنا چاہئے۔ تاکہ وقت ضرورت تلاش کرنے میں پریشان نہ ہونا پڑے۔ اہل خانہ کو اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔ کہ سب چیزوں کے لئے جگہ مقرر کریں۔ اور ہر چیز کو استعمال کر کے اسکے مقام پر رکھ دیا جائے۔ تاکہ وقت ضرورت تلاش کرنے میں زحمت اور تنصیع اوقات نہ ہو۔ خصوصاً ایسی چیزیں جو سب گھر والوں کے کام میں آتی ہیں۔ جیسے لوٹا، گلاس، صابن، تولیہ، منجن وغیرہ ان سب کی جگہ مقرر ہونی چاہئے۔ اور ہر استعمال کرنیوالا استعمال کے بعد ان چیزوں کو ان کی مقررہ جگہ پر رکھ دیا کرے۔ تاکہ کسی کو تکلیف اور زحمت نہ ہو۔ یہ اشارہ لفظ مَوْضُوعۃ سے اسلئے نکلا کہ حق تعالیٰ نے اہل جنت کی راحت و آسائش کیلئے اسکے ذکر کا اہتمام فرمایا ہے کہ ان کے پانی پینے کے برتن پانی کے قریب رکھے ہوئے ملیں گے۔

افلا ينظرون ..... سابقہ آیات میں قیامت کے حالات اور مومن و کافر کی جزا و سزا کا بیان تھا۔ ان آیتوں میں ان جاہل معاندین کو ہدایت کی طرف توجہ فرمائی گئی ہے جو اپنی بیوقوفی سے قیامت اور حشر و نشر وغیرہ کو ناممکن سمجھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں اپنی قدرت کی چند نشانیاں ذکر فرما کر ان میں غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ یوں تو زمین و آسمان میں قدرت خداوندی کی بیشمار نشانیاں موجود ہیں۔ مگر ان سب میں سے یہاں چار چیزوں کو عرب کے بادیہ نشین لوگوں کے حال کے مناسب ذکر فرمایا ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں اہل عرب اونٹوں پر سوار ہو کر بڑے طویل سفر طے کرتے تھے۔ اس وقت ان کے سب سے زیادہ قریب اونٹ ہوتا، اوپر آسمان، نیچے زمین اور ان کے دائیں بائیں آگے پیچھے پہاڑوں کا سلسلہ ہوتا تھا۔ انہیں گرد و پیش کی چار چیزوں میں غور و فکر کی ان کو دعوت دی گئی ہے۔ اگر ان چار چیزوں ہی میں غور کر لیا جائے تو حق تعالیٰ کی قدرت کا مکملہ کا مشاہدہ ہو کر دل میں ان اللہ علیٰ کل شیء قدیدر کا یقین پیدا ہو سکتا ہے۔

### ان چار چیزوں کی خصوصیات:

جب مذکورہ آیات کا نزول ہوا جن میں دوزخیوں اور جنتیوں کے حالات کا بیان ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفصیلات بیان فرمائیں تو کفار و مشرکین نے مذاق اڑایا اور کہا۔ تعجب ہے کہ دوزخیوں کا کھانا پینا ایسا ہوگا۔ اور وہ اتنے سخت عذاب سے نہ مریں گے۔ بلکہ ابد الآباد تک زندہ رہیں گے۔ حالانکہ کوئی جاندار اتنی شدید تکلیف میں ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور اہل جنت کو کسی قسم کا رنج و غم نہ ہوگا۔ اور وہ لوگ اتنی بلند مسہریوں پر بیٹھیں گے جتنی بلندی زمین سے آسمان کی ہے ان مسہریوں پر اتنا چڑھنا کس قدر دشوار ہوگا؟ اور اہل جنت کے لئے جن نعمتوں کا ذکر کیا جاتا ہے وہ تو بڑے

بڑے بادشاہوں کو نصیب نہیں ہیں۔ وغیرہ۔ مشرکین و کفار کے اس تعجب و حیرت کو دور کرنے کیلئے ان چیزوں میں غور کرنے کی دعوت دی گئی جو ان کے سامنے ہمہ وقت موجود ہیں۔ اور ان میں بہشت و دوزخ کے نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔ اور وہ چیزیں اس قادر مطلق کی قدرت کا ملہ پر ایسے روشن دلائل بھی ہیں جن کو ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ سفر کی حالت میں آدمی کا رو بار اور اہل و عیال کے جھمیلوں سے فارغ البال ہوتا ہے۔ اسی لئے مسافر سفر میں کوئی نہ کوئی مشغلہ ڈھونڈھتا ہے، رفقاء سفر سے گفتگو، دنیوی امور میں غور و خواص، اہل دل ذکر و فکر اور شعراء سفر میں غزلیں، قصیدے اور نعتیں کہہ ڈالتے ہیں۔

عرب کے لوگ اونٹ پر سوار ہوتے تو اونٹ انکے قریب تر ہوتا، عموماً شعراء عرب اپنے اونٹ کی رفتار وغیرہ کے تذکروں میں سفر ہی میں قصیدے تیار کر لیتے تھے۔ اسلئے انکو والا اس عجب الخلقت جانور کی خلقت میں غور و فکر کی دعوت دی گئی۔ اونٹ پر بیٹھنے والا اونٹ کی رفتار سے حرکت کرتا ہے تو اس کا رخ آسمان کی طرف ہوتا ہے۔ اسلئے ثانیاً آسمان کی بلندی میں غور کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی۔ جب وہ سیدھا ہوتا ہے تو اسکے سامنے پہاڑوں کا سلسلہ موجود ہے۔ تو اس تیسری چیز (پہاڑ) میں فکر و تامل کو کہا گیا۔ انکے عجائبات پر جب عبرت کی نگاہ پڑے گی تو عرب کا انسان حق تعالیٰ کی قدرت کا ملہ کا معترف ہو کر سر جھکا لیا گا تو اسکی نگاہ زمین پر پڑے گی۔ چوتھی چیز جس میں غور و فکر کو کہا گیا وہ زمین ہی ہے۔ یہ چاروں چیزیں مشاہد ہیں۔ اور ان میں جنت و جہنم اور عذاب و ثواب کے بیشمار نمونے موجود ہیں۔ اسلئے خصوصیت سے ان چار چیزوں کو ذکر کر کے مضمون سابق پر گویا ان کو دلائل قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

### اونٹ کی خصوصیات:

اونٹ میں کچھ ایسی خصوصیات و عجائبات ہیں کہ جو خاص طور پر غور کر نیوالے کیلئے حق تعالیٰ کی قدرت کا ملہ و حکمت بالذکا آئینہ بن سکتی ہیں۔ اس کی خلقت میں جنت و جہنم دونوں کے نمونے موجود ہیں۔ وہ اپنی ذات و معاش میں اگر دوزخیوں کی زندگی سے مشابہت رکھتا ہے تو منافع و فوائد میں جنت کی نعمتوں کے نمونے پیش کرتا ہے۔ اونٹ اتنے بڑے ذیل و ذول کا جانور ہونے کے باوجود اتنا ذلیل و خوار ہے کہ ایک بچہ بھی اسکی مہار پکڑ کر جہاں چاہے لئے پھرے۔ اور پھر جب چاہے بٹھلا دے، جو چاہے لاد لے، ورنہ لاڈ کر جہاں جی چاہے لے جائے۔ اس کی اس ذلت و تابعداری سے صفت خشوع آشکارا ہے۔ اس کی باریک بینی، اعمال شاقہ، طویل اسفار اور پہاڑوں پر اترنا چڑھنا عاملۃ اور ناصبۃ کے مظاہر ہیں۔ اکثر اسکے رہنے کی جگہ کا گرم مقام اور ریگستان کا ہونا، گرم ہواؤں اور لوؤں میں سفر اور شدید گرمی میں سخت پیاس کا جھیلنا۔ یہ سب چیزیں تصلیٰ نازاً حامیۃ کی مثال پیش کرتی ہیں۔ پیاس میں گرم پانی پر اکتفاء کر لینا تسقی من عین انیۃ کا منظر دکھاتا ہے۔ اور ”گوکھرو، جو اسما“ جیسے خاردار اور تلخ درختوں سے غذا حاصل کرنا ضریع کے مشابہ ہے۔ اگر اس کے فوائد و منافع میں غور کریں تو اس کی پیٹھ ایک بلند تخت ہے جو چار ستونوں پر قائم ہے۔ اور اس بلندی کے باوجود جب چاہیں اس کو بٹھلا کر اس پر سوار ہو جائیں۔ جنت کی بلند مسہریوں کی خصوصیت بھی یہی ہے کہ جب جنتی ان پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ اتنی پست ہو جائیں گی کہ جنتی آرام سے ان پر بیٹھ جائے۔ پھر وہ خود بلند ہو جائیں گی۔ اس کے چاروں تھن گویا دودھ کے بھرے ہوئے آنخورے ہیں یا دودھ کے بہتے چشمے ہیں، اس کی اون سے مندے، قالین اور مخملیں مسدیں اور عمدہ فرش فروش تیار ہوتے ہیں اس کا دودھ پینے، گوشت کھانے اور پیٹھ سوار ہونے کے کام آتی ہے اس کے بالوں سے پہننے، اوڑھنے کے اسباب تیار ہوتے ہیں اس کو لاد کر چلیں تو ایک کشتی معلوم ہوتی ہے جو خود بخود چل رہی ہے پورے گھر کا اسباب اس پر لاد جاسکتا ہے

اس کا دودھ سارے گھر کو اور گوشت سارے محلے کو کافی ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے الابل عز لاھلھا والغنم برکۃ والخیل معقود بنو اصبہ الخیر الی یوم القیمۃ (اونٹ اونٹ والوں کے لئے عزت کا سبب ہے اور بکریوں میں برکت ہے اور گھوڑوں کی پیشانیوں سے قیامت تک خیر وابستہ ہے) اونٹ کی یہ سب خصوصیات جنت کی نعمتوں کے نمونے پیش کرتی ہیں لیکن یہ عجیب الخلق جانور ہر وقت قریب رہتا ہے اس لئے اس کی خصوصیات و عجائبات کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ اونٹ کے اور چند عجائبات:..... مذکورہ خصوصیات کے علاوہ اونٹ میں اور بھی بہت سے عجائبات پائے جاتے ہیں جن میں سے چند ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) اس عظیم الجثہ جانور میں اطاعت کی شان حد درجہ نمایاں ہیں کہ سوسا اونٹوں کی قطاریں ایک چھوٹا سا بچہ جہاں چاہے لیجائے (۲) کمال درجہ کا صبر اس میں پایا جاتا ہے کہ آٹھ دس دن تک پیاسا رہ جاتا ہے مگر محنت و مشقت میں قصور کو ٹالتا ہی نہیں کرتا۔ (۳) اس کے عجائبات میں سے یہ بات بھی ہے کہ رو بھلہ چلتا ہے۔ (۴) اس کے بالوں کو جلا کر زخم پر رکھ دیں تو جاری خون بند ہو جاتا ہے۔ (۵) اس کا پیشاب اور دودھ مرض استقاء، تلی اور بواسیر والوں کے لئے نہایت مفید ہے۔ (۶) عرب کے جنگلوں میں پانی بہت کمیاب ہے قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزروٹنکی ایسی لگا دی ہے کہ یہ اس میں ہفتہ بھر کا پانی بھر لیتا ہے۔ اور اس سے تدریجی طور پر اپنی ضرورت پوری کرتا رہتا ہے۔ (۷) اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی لگانی پڑتی ہے، مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے لگا دیئے ہیں کہ ان کو طے کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اس پر چڑھنا اور اتارنا آسان ہو جاتا ہے۔ (۸) اونٹ کی کلنی کو اگر عاشق کی آستین پر باندھ دیں تو اس کا عشق زائل ہو جاتا ہے۔ (۹) اونٹ کی غیرت وحیا جانوروں میں سب سے زیادہ مشہور ہے وہ اپنی ماں بہن سے کبھی دانستہ جھتی نہیں کرتا۔ (۱۰) اس میں سچے عاشقوں کی صفت پائی جاتی ہے وہ مستی کے وقت کھانا پینا بھی ترک کر دیتا ہے، نیز جنون کے جوش اور دلولے بھی اس میں نظر آتے ہیں۔ (۱۱) اس کی گردن کی درازی بھی عجائبات میں سے ہے، کسی حکیم کے سامنے بیان کیا گیا کہ ایک جانور ایسا ہے جس کو بٹھلا کر اس پر خوب گراں وزن لا دیتے ہیں پھر وہ خود کھڑا ہو جاتا ہے اس حکیم نے کہا شاید اس کی گردن لمبی ہوگی اس کے بل پر وہ کھڑا ہو جاتا ہے اس طرح بوجھ لیکر کھڑا ہو جاتا بھی اونٹ ہی کی خصوصیت ہے۔ (۱۲) اس کی خوراک بیشتر بلند درختوں کے پتے ہیں، اگر اس کو لمبی گردن نہ ملتی تو وہ ایسی خوراک سے محروم ہوتا۔ (۱۳) اس کے جثہ کے اعتبار سے اس کا آکھ تناسل انتہائی چھوٹا اور پیچھے کی جانب لگا ہوتا ہے۔ (۱۴) عرب کے میدانوں میں گرمی کی وجہ سے دن میں سفر دشوار ہوتا ہے قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنا دیا ہے علاوہ ازیں بیٹے و عجبائے اس میں پائے جاتے ہیں۔

یہاں ہاتھی کو کیوں ذکر نہیں کیا؟

ہاتھی بھی اگرچہ عظیم الجثہ و عجیب الخلق جانور ہے لیکن اول تو وہ سرزمین عرب میں پایا نہیں جاتا اور قرآن کے وہی لوگ اول مخاطب ہیں۔ دوسرے اس میں وہ فوائد و منافع نہیں جو اونٹ میں پائے جاتے ہیں، نہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہے، نہ دودھ پیا جاتا ہے نہ اسکے ایسے بال ہیں جن سے لباس اور پوشاک وغیرہ تیار ہو سکیں نہ اس میں اطاعت و صبر و مسکنت اونٹ کی طرح ہے نہ اس کو پالنا اتنا آسان ہے کہ غریب و مفلس اس کو پال لے اور وہ خود اپنا پیٹ بھر لے، علاوہ ازیں جنت و دوزخ کے نمونے بھی اس کی ذات میں یکجا نہیں ہیں۔ فافہم۔

فائدہ..... بعض لوگوں نے کہا کہ اِبل سے مراد یہاں ابر ہے، اِبل اس ابر کو کہتے ہیں جو پانی سے بھرا ہوا ہوتا ہے، حدیث قدسی میں ہے کہ میرے سوا کوئی اِبل (ابر) کی طرح پیدا کر سکتا ہے؟ اور کوئی آسمان جیسی (چھت) بلند کر سکتا ہے؟ اور پہاڑوں کی طرح (کوئی چیز) پیا کر سکتا ہے؟ اور زمین جیسا (فرش) بچھا سکتا ہے؟ (مظہری) لیکن اول قول جمہور کا ہے اور وہی صحیح ہے بلکہ اس حدیث میں بھی اِبل سے مراد اونٹ ہی ہے۔ واللہ اعلم

والی السماء کیف رفعت (اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا) یہ دوسرا نمونہ ہے جس کا دنیا میں بسنے والے سب ہی مشاہدہ کرتے ہیں، آسمانوں کی بلندی اللہ کی قدرت کاملہ پر دلیل بھی ہے اور بہشت بریں کا نمونہ بھی پیش کرتی ہے اس کے روشن ستارے جو جنت کے اکواب کی مثال پیش کرتے ہیں گرنے اور ٹوٹ جانے سے بھی محفوظ ہیں، قدرت خداوندی پر تائید دلیلیں ہیں، آفتاب کو دیکھئے جو زمین سے لاکھوں حصے زائد بڑا جسم رکھتا ہے، یہ کس نے بنایا اور اس میں نور اور اس کے نور میں گرمی کس نے بھری، یہ اس ظلمت کدہ کا روشن چراغ ہے اگر یہ نہ ہو تو بحر و بر کو کوئی شمع روشن کر سکتی ہے اور کس تنور کی گرمی سے پھل دھول اور غلے پک سکتے ہیں؟ اس کا کیسا انعام عام ہے اگر یہ نہ ہو تو دنیا والوں کی زندگی دو بھر ہو جائے، قدرت حق پر اس سے زیادہ روشن اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ یہی چشمہ آفتاب اہل عقل کو بہشت بریں کی ان نورانی نہروں کا نمونہ پیش کرتا ہے جس میں شراب طہور تیز و تند فارے کی طرح جوش مارتی ہے، مہتاب اپنی خنک و شیریں روشنی سے عالم کو سیراب کرتا ہے، یہ عالم ناسوت کو رات کے مناسب نور پہنچاتا ہے جو بنی آدم کے آرام میں خل نہیں ہوتا، بلکہ راحت میں اضافہ کرتا ہے اور اہل دل حضرات کو جنت کی سر دجائے شیر کا نمونہ دکھلاتا ہے اور اگر آسمان میں دوسرے اعتبار سے غور کیا جائے مثلاً شیاطین کے رجم سے ان کی ذلت و خواری، سورج کی تپش وغیرہ تو اس میں دوزخ کے نمونے بھی موجود ہوں گے۔

والی الجبال کیف نصبت (اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح قائم کئے گئے ہیں) یہاں قدرت خداوندی کا تیسرا نمونہ پہاڑوں کو قرار دیا گیا ہے، پہاڑ زمین کا ایک جزء ہونے کے باوجود اس سے کس طرح ممتاز ہیں، ان کی بلندی، ان کا مضبوط قیام قابل حیرت اور طول و عرض قابل دید ہے، عقلاء اور فلاسفہ نے عقلاً کھوڑے خوب دوڑائے تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ پہاڑوں کو یہ امتیازات (رفعت و بلندی، سختی اور گونا گوں رنگینیاں) کیوں حاصل ہیں، لیکن آج تک وہ کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے، جس طرح پہاڑ قدرت خداوندی کے آئینے ہیں اسی طرح یہ جنت و دوزخ کے نمونے بھی پیش کرتے ہیں، پہاڑ بلندی کے باوجود اپنی جگہ پر ایسے مضبوطی سے قائم ہیں کہ بارشوں اور زلزلوں اور آندھیوں سے نہیں گرتے ان کی یہ مضبوطی جنت کے محلات اور اکواب موضوعہ کی مثال پیش کرتے ہیں، پہاڑوں کی بلندی صاف اور عمدہ فضاء کہ وہاں مکدر ہوا، بد بو اور زمین کے موزی جانوروں کی رسائی نہیں ہوتی، گندے بخارات، بیہودہ بکواس، لڑائی، جھگڑے اور اقسام و انواع کی خرافات وہاں نہیں پہنچتیں، جگہ جگہ میٹھے پانی کے چشمے، خوشنما آبشار، ہرے بھرے سبزہ زار، درختوں پر مختلف رنگوں کے میوے، جنت کی بہاروں اور فضاؤں کے مناظر کے نمونے ہیں، صاف ستھرے، اونچے اونچے پتھر سرد مر فرو عہ کی یاد تازہ کرتے ہیں، اس کے برعکس پہاڑوں پر اترنے چڑھنے کی مشقت، ناموافق آب و ہوا، کوہ آتش فشاں وغیرہ دوزخ کا نقشہ پیش کرتے ہیں، وہاں کے خاردار درخت اور کڑوے کیلے پیڑ پودے، ضریع و زقوم کے نمونے ہیں۔

والی الارض کیف سطحت (اور زمین پر نظر نہیں کرتے کہ وہ کس طرح بچھائی گئی) یہ قدرت خداوندی کا چوتھا نمونہ ہے اگر غور کیا جائے تو زمین ایسا عجیب و غریب فرش ہے جس کے اندر حق تعالیٰ نے بیشمار دولتیں رکھی ہیں جن سے

ضروریات کائنات پوری ہوتی ہیں یہ زندوں اور مردوں سب کے لئے ایک عظیم نعمت ہے باوجود کروی الشکل ہونے کے اس قادر مطلق نے اس میں ایسی وسعتیں رکھی ہیں کہ یہ عالم انسان کے لئے جنت نشان، راحت کدہ بنا ہوا ہے، جس قادر مطلق نے ایسی نعمتوں بھری زمین پیدا کی، کیا وہ اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی جنت نہیں بنا سکتا جسمیں وہ عظیم الشان انعامات موجود ہوں جن کا ذکر اس سورت میں فرمایا گیا ہے؟ اگر اہل دولت و اصحاب ثروت کی زندگی کا مشاہدہ کیا جائے تو یہی زمین جنت کا نمونہ ہے اور اگر محتاجوں، مفلسوں اور بد نصیبوں کی حیات پر آفات کو دیکھا جائے تو یہی زمین دوزخ کی مثال ہے، حاصل یہ ہے کہ اہل عقل کو ان مذکورہ چاروں چیزوں میں ایک طرف تو اس قادر و قیوم کی قدرت کے جلوے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف ان کو جنت و جہنم کے نمونوں کا بھی ان میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

### حکمت انتخاب

اس کلام اعجاز نظام کے مخاطبین اولین اہل عرب ہیں جن کے نزدیک عمدہ مال اونٹ تھا، ان کی گذر بسر اسی پر تھی اسی کا گوشت کھاتے اسی کا دودھ پیتے اسی پر سوار ہوتے، اسی کی کھال کے خیمے بنا کر ان میں رہتے اور اسی کے بالوں کا لباس پہنتے تھے۔ اسلئے اہل تجربہ کا قول ہے کہ اہل عرب کی زندگی اونٹ پر موقوف ہے، اہل ایران کی خنجر پر، اہل توران کی گھوڑے پر، اور اہل ہند کی بیل پر۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ جو لوگ جانور پالتے ہیں وہ جنگلوں میں بیشتر زندگی گزارتے ہیں، اور جانوروں کے لئے چارے اور پانی کے محتاج ہوتے ہیں اس لئے ان کی نظر آسمان پر ہوتی ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ کونسی ہوا چل رہی ہے اور بارش کب ہوگی اور پہاڑوں میں پناہ لیتے ہیں خصوصاً سبزہ کی تمایابی اور قحط کے زمانہ میں وہ لوگ پہاڑوں میں چلے جاتے ہیں، پھر اس قسم کے لوگ بلکہ تمام بنی آدم خواہ وہ بادشاہ ہوں یا فقیر اپنی غذاؤں، دواؤں، لذتوں اور قسم کی ضرورتوں میں زمین کے محتاج ہوتے ہیں لہذا یہ چاروں چیزیں ہمیشہ ان کے دل و مانغ پر چھائی رہتی ہیں، اور قرآن مقدس محسوسات و مشاہدات میں فکر کی دعوت دیتا ہے تاکہ غیر محسوس و غیر مشاہد چیزوں کی طرف سہولت کے ساتھ عقلوں کی رسائی ہو سکے، اسلئے یہاں مذکورہ غیر مشاہد احوال جنت و جہنم کو ان چاروں چیزوں کی مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔

فائدہ.....: ۱: قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت کی معرفت کے لئے عام انعامات کو ذکر فرمایا ہے ان نعمتوں کو جو خاص طور پر کسی کو عطا ہوئی ہیں ذکر نہیں فرمایا اور ان میں فکر و تدبر کی دعوت نہیں دی، زمین و آسمان، چاند سورج وغیرہ میں غور و فکر کرنے پر متوجہ کیا ہے، کسی کے حسن و جمال، کسی کے مال، کارخانہ، سر و سامان میں غور و فکر کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ ان خصوصی انعامات کی طرف متوجہ کرنے سے غور و فکر کرنے والوں میں حرص و طمع اور حسد و عداوت پیدا ہوا جانے کا خطرہ ہے۔

فائدہ.....: ۲: بعض علماء نے لفظ سطحت سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ زمین مسطح ہے، کروی (گول) نہیں لیکن یہ استدلال ضعیف ہے، اسلئے کہ یہ ممکن ہے کہ زمین واقعہ میں کروی ہو، لیکن اس کی عظمت و وسعت کی بنا پر زمین پر بسنے والوں کو سطح معلوم ہوتی ہو، اور باشندوں کے مشاہدہ کے اعتبار سے سطحت کا لفظ استعمال ہوا ہو۔

فذکر انما انت مذکور (پس آپ سمجھاتے رہیں آپ کا کام سمجھانے ہی کا ہے) یعنی جب ترغیب و ترہیب کی آیات مع دلائل آچکیں، اور اچھے برے کاموں کا انجام بھی معلوم ہو چکا، تو اے ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنے فرض منصبی پر قائم رہیے، اور ان لوگوں کو دلائل کی روشنی میں وعظ و نصیحت فرماتے رہیے اگر وہ قبول نہ کریں تو اس میں

آپ کا کچھ حرج نہیں آپ کی ڈیوٹی تو سمجھانا ہے کیونکہ آپ کو مذکر بنا کر ہی بھیجا گیا ہے، ہدایت کرنا نہ کرنا ہمارے اختیار میں ہے۔  
لست علیہم بمصیطر (آپ کو ان پر مسلط نہیں کیا ہے) اور آپ ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں، کہ آپ زبردستی ان کو ایمان پر لائیں، یہ کام تو مقلب القلوب کا ہے۔

فائدہ..... بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات اَقْلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ جیسی آیات جہاد سے منسوخ ہیں، لیکن یہ رائے صحیح نہیں اس لئے کہ لا اکراه فی الدین قد تبین الرشد من الفی کا حکم ان آیات جہاد کے بعد نازل ہوا ہے اور بالاتفاق غیر منسوخ ہے ہاں وقت قتال وجہاد اَقْلُوا کا حکم ہے۔

اَلَا مِنْ تَوَلٰی وَ کفر (لیکن جو منہ پھیر لے اور منکر ہو جائے) بعض مفسرین نے اس کو ذکر کے مفعول عام محذوف سے استثنائے متصل مانا ہے اسی فذکر کل واحد منهم الا من تولى و کفر یعنی آپ سب کو نصیحت کیجئے، مگر اس کو نصیحت کرنا آپ کے ذمہ ضروری نہیں جو منہ موڑ لے اور ہٹ دھرمی سے کفر پر ڈٹا رہے یعنی جس سے قبول نصیحت کی امید نہیں اس کو اگر آپ نصیحت نہ کریں تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ فذکر ان نفعت الذکریٰ میں مفصل ذکر ہو چکا ہے، بعض مفسرین نے اسکو علیہم کی ضمیر سے استثنائے منقطع مانا ہے اور الا لکن کے معنی میں ہے، یعنی آپ ان پر مسلط نہیں ہیں، لیکن جو منہ موڑے اور انکار کریگا اللہ تعالیٰ اس پر قابو رکھتا ہے وہ اس کو بڑی سزا دیگا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وقتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو الا کلمۃ تنبیہ قرار دیا ہے تب بھی یہی معنی ہوں گے۔

فیعذبه الله العذاب الا کبر (اللہ تعالیٰ اس کو بڑی سزا دیگا) عذاب اکبر کا مصداق عذاب دوزخ ہے۔ اِنَّ الْیٰسٰ اِیَابَهُمْ ..... (یشک ان کو ہمارے پاس واپس آنا ہے پھر ان سے حساب لینا ہمارا ہی کام ہے)

ان دونوں آیتوں میں لست علیہم الخ کی وضاحت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید تسلی دینا مقصود ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ کا کام بس پیغام پہنچا دینا ہے، منوانا آپ کے فرض منصبی اور اختیار میں نہیں ہے، پھر ماننے اور نہ ماننے والوں (سب ہی کو) ہمارے پاس آنا ہے اور ہم سب کا حساب لیکر استحقاق کے موافق ہر ایک کو جزاء و سزا دیں گے حق سے منہ پھیر لینا اور ہدایت و ایمان سے روگردانی کر کے کفر و بغاوت اختیار کر لینا سب سے بڑا جرم ہے ایسے مجرموں کو سزا بھی سب سے بڑی اور بیکدر کڑی دی جائیگی۔

فائدہ..... اِنَّ الْیٰسٰ اِیَابَهُمْ میں احوالِ برزخ کی طرف اشارہ ہے اور ثم اَنْ عَلٰیْنَا حِسَابَهُمْ میں احوالِ قیامت کی طرف اشارہ ہے اس لئے پہلی آیت کو لفظ ثم سے شروع نہیں کیا گیا، اور دوسری آیت کو لفظ ثم سے شروع کیا گیا جو ترانی و مہلت دراز پر دلالت کرتا ہے اور قیامت بھی مدت دراز کے بعد آئیگی۔ واللہ اعلم

تم تفسیر سورة الغاشية فالحمد لله حمدایو صلنا الی الجنة عالیة والصلوة والسلام علی نبیہ والہ

واصحابہ واتباعہ الی یوم الواقعة

## سورۃ الفجر

### سورۃ الفجر مکیہ وہی ثلثون آیہ

(رکوع: ۱، آیات: ۳۰) سورۃ فجر مکہ میں نازل ہوئی اس میں تیس آیات ہیں (کلمات: ۱۳۹: حروف: ۵۹۷)

ربط و مناسبت:

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے، جمہور کا اس پر اتفاق ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے، سورت سابقہ کی طرح اس سورت میں بھی قیامت اور جزاء و سزا کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے مگر مضامین کا تکرار ہر سورت میں ایک نئے دلکش اور پراثر انداز سے ہوتا ہے جو انسان کو قعر شقاوت سے نکال کر رفعت سعادت پر پہنچانے کے لئے کافی ہوتا ہے، اور یہی بعثت انبیاء علیہم السلام کا مقصود اصلی ہے، اس لئے اس سورت کی ابتدا چند ایسی قسموں سے ہوئی ہے کہ ان میں غور و فکر مقصود کو واضح اور شبہات کو زائل کر دیتا ہے دونوں سورتوں کے مضامین کی مناسبت ادنی تامل سے واضح ہو جاتی ہے، مثلاً سابقہ سورت میں نیکیوں کے لئے لَسَعِيهَا رَاضِيَةً تھا اس سورت میں رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً ہے، وہاں فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ تھا، یہاں لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ہے وغیرہ۔ اس سورت کا نام سورۃ الفجر ہے اور وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ اس کی ابتدا والفجر سے ہے۔

### شان نزول

اس سورت کے نزول کا سبب کفار و مشرکین کے شبہات ہیں جن کو اس سورت میں زائل کیا گیا ہے مثلاً (۱) بندوں کے گناہوں سے اللہ کا کوئی نقصان نہیں، اور نیکیوں سے کوئی فائدہ نہیں، لہذا حساب و کتاب اور اس کے لئے شتر و شتر وغیرہ بے سود ہیں (۲) اگر وہ نیکیوں سے خوش اور گناہوں سے ناخوش ہوتا تو نیکیوں پر نوازش ہوتی اور بروں کو سزا مل جاتی، تاخیر بے فائدہ ہے، معلوم ہوا کہ جزا و سزا کا تصور عبث ہے حالانکہ اگر غور کیا جائے تو یہ شبہات خود بخود زائل ہو جاتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ خالق و مالک اور منعم ہیں، ظاہر ہے کہ مالک و منعم اپنے انعامات اور عطاؤں کا حساب لینے کا حق رکھتا ہے خواہ اس کا اس میں کوئی نفع و نقصان نہ ہو، (۲) دنیا دار الجزاء نہیں، یہاں بندوں کو حسب حکمت و مصلحت دیا جاتا ہے لیکن کسی کو دینے میں قہر کی نظر ہوتی ہے اور کسی کو دینے میں مہر کی نگاہ، جیسے طوطے کے چنجرہ میں نکلا لگاتے ہیں تو مہر و محبت سے، اور چوہے دان میں قہر و غضب سے، بلکہ بسا اوقات چوہے دان میں نکلا لگھی چپڑ کر لگاتے ہیں تاکہ اس کو جلد پکڑ لیا جائے (۳) عالم دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء، عمل کا مقام دنیا میں بھی اور پھل کا دوسرا، جرم گھر اور بازار میں ہوتا ہے اصل سزا جیل خانہ میں ملتی ہے۔ ڈیوٹی کسی اور جگہ ہوتی ہے اور خواہ دفتر سے ملتی ہے۔ دنیا دار آخرت کے درمیان ایک اور عالم ہے جس کو عالم برزخ کہتے ہیں، وہ دونوں کے درمیان ایک عالم ہے۔ بعض احکام کے اعتبار سے وہ بھی دار العمل (دنیا) کا حکم رکھتا ہے، کیونکہ اعزاء و اقرباء کا بھیجا ہوا ثواب اس کو وہاں ملتا ہے، اور یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ عمل ختم ہونے کے بعد ہی اس کا بدلہ ملتا ہے اس لئے دنیا اور برزخ کے بعد دار الجزاء (آخرت) کو بدلہ کے لئے معین و مقرر فرمایا گیا۔ فَتَأْمَلُ وَتَتَفَكَّرُ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

وَالْفَجْرِ (۱) وَلَيَالٍ عَشْرٍ (۲) وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۳) وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ (۴) هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ

تم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت وطاق کی ۔ اور رات کی جب وہ ڈھلے۔ بیشک ان چیزوں کی قسم

قَسَمٌ	ذَلِكَ	فِیْ	هَلْ	یَسْرِ	إِذَا	اللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ	وَالشَّفْعِ	وَالْعَشْرِ	وَاللَّیْلِ	وَالْوَتْرِ
--------	--------	------	------	--------	-------	-----------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------	-------------

لِذِي حَجَرٍ (۵) أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (۶) إِرْمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۷) الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا

تھکنے کے لئے کافی قسم ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی اس قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کے قد ستونوں جیسے تھے۔ جسٹکل

لِذِي	حَجَرٍ	أَلَمْ	تَرَ	كَيْفَ	فَعَلَ	رَبُّكَ	بِعَادٍ	إِرْمَ	ذَاتِ	الْعِمَادِ	الَّتِي	لَمْ	يُخْلَقْ	مِثْلُهَا
واسطے صاحب	عقل	کیانہ	تو نے دیکھا	کیونکر	کیا	پروردگار تیرے	ساتھ عاد	ارم	والے	ستونوں	وہ جو	نہیں	پیدا کیا گیا	مثلاً

فِي الْبِلَادِ (۸) وَتَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (۹) وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ (۱۰) الَّذِينَ

دنیا بھر میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا۔ اور اس قوم ثمود کے ساتھ جو وادی قریٰ میں پتھر تراشتے تھے۔ اور میمون والے فرعون کے ساتھ کیا کیا؟ ان سب نے

فِي	الْبِلَادِ	و	تَمُودَ	الَّذِينَ	جَابُوا	الصَّخْرَ	بِالْوَادِ	و	فِرْعَوْنَ	ذِي	الْأَوْتَادِ	الَّذِينَ
میں	شہروں	اور	ثمود	جنہوں	تراشنا تھا	پتھروں	وادی	اور	فرعون	والا	میتوں	جنہوں

طَغَوْا فِي الْبِلَادِ (۱۱) فَكَثُرُوا فِيهَا الْفُسَادُ (۱۲) فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۱۳)

دنیا میں سرکشی کر کے بہت فساد مچا رکھا تھا، پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوزا برسایا۔

طَغَوْا	فِي	الْبِلَادِ	فَكَثُرُوا	فِيهَا	الْفُسَادُ	فَصَبَّ	عَلَيْهِمْ	رَبُّكَ	سَوْطَ	عَذَابٍ
سرکشی کی	میں	شہروں	پس بہت کیا	میں ان	فساد	پس ڈالا	اوپر ان کے	رب تیرے	کوزا	عذاب

إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (۱۴) فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ

بیشک آپ کا رب گھات میں ہے۔ لیکن انسان کا یہ حال ہے کہ جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے یعنی اس کو عزت و انعام دیتا ہے، تو وہ کہتا ہے

إِنَّ	رَبَّكَ	لَبِالْمِرْصَادِ	فَأَمَّا	الْإِنْسَانُ	إِذَا	مَا	ابْتَلَاهُ	رَبُّهُ	فَأَكْرَمَهُ	وَنَعَّمَهُ	فَيَقُولُ
تحقیق	رب تیرا	البتہ گھات	پس ایسا	انسان	جب	آزماتا ہے	رب اس کا	پس عزت دیتا ہے اس	اور	نعمت دیتا ہے اس	پس کہتا ہے

رَبِّي أَكْرَمَنِ (۱۵) وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ (۱۶)

کہ میرے رب نے مجھ کو عزت دی اور جب اس کو یوں آزماتا ہے کہ انکی روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو ذلیل کر دیا ہے۔

رَبِّي	أَكْرَمَنِ	و	أَمَّا	إِذَا	مَا	ابْتَلَاهُ	فَقَدَرَ	عَلَيْهِ	رِزْقَهُ	فَيَقُولُ	رَبِّي	أَهَانَنِ
رب میرے	بزرگ کیا مجھ	اور	ایسا	جب	آزماتا ہے اس	پس تنگ کرتا ہے	اوپر اس	رزق اس	پس کہتا ہے	رب میرے	ذلیل کیا مجھ	

كَلَّا بَلْ لَّا تَسْمَعُ رُمُوزَ الْيَتِيمِ (۱۷)

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم یتیم کی قدر نہیں کرتے

كَلَّا	بَلْ	لَّا	تَسْمَعُ	رُمُوزَ	الْيَتِيمِ
ہرگز یوں نہیں	بلکہ	نہیں	تم	یتیم کی	قدر نہیں کرتے



وَلَا تَخْضَوْنَ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ (۱۸) وَتَاْكُلُوْنَ التَّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا (۱۹) وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ

اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔ اور تم میراث کا سارا مال سمیٹ کر چٹ کر جاتے ہو۔ اور تم لوگ مال سے بہت

وَلَا	تَخْضَوْنَ	عَلَى	طَعَامِ	الْمُسْكِينِ	وَلَا	تَاْكُلُوْنَ	التَّرَاثَ	اَكْلًا	لَّمًّا	وَلَا	تُحِبُّوْنَ	الْمَالَ
اور	نہیں	رغبت کرتے تم	اوپر	کھلانے	اور	کھاتے ہو تم	میراث	کھانا	پے درپے	اور	دوست رکھتے ہو	مال

حُبًّا جَمًّا (۲۰) كَلَّا اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا (۲۱) وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (۲۲)

محبت رکھتے ہو۔ ہرگز نہیں جب زمین کو چکنا چور کر دیا جائیگا اور آپ کا رب اور جوق جوق فرشتے آجائیں گے

حُبًّا	جَمًّا	كَلَّا	اِذَا	دُكَّتِ	الْاَرْضُ	دَكًّا	دَكًّا	وَلَا	جَاءَ	رَبُّكَ	وَلَا	الْمَلَكُ	صَفًّا	صَفًّا
دوست	رکھنا	بہت	ہرگز نہیں	جسوقت	توڑی جائیگی	زمین	ریزہ	ریزہ	اور	آئیگا	رب تیرا	اور	فرشتے	صف باندھ کر

وَجِئَا یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ تَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّکْرٰی (۲۳) یَقُوْلُ کَلِیْتَنِیْ قَدْ مَت

اور اس دن دوزخ کو لایا جائیگا۔ اس دن انسان کی سمجھ میں آجائیگا اور اس وقت سمجھنا بے سود ہوگا۔ وہ کہے گا اے کاش! میں اپنی زندگی کے لئے

وَجِئَا	یَوْمَئِذٍ	بِجَهَنَّمَ	یَوْمَئِذٍ	تَتَذَكَّرُ	الْاِنْسَانُ	وَاَنّٰی	لَهُ	الذِّکْرٰی	یَقُوْلُ	کَلِیْتَنِیْ	قَدْ	مَت
اور لایا	جائیں	اس دن	دوزخ	اس دن	بھیجت پڑیگا	انسان	اور کہاں	اسکے لئے	نصیحت پڑنا	کہے گا	اے کاش کہ میں	پہلے بھیج لینا

لِحَیَاتِیْ (۲۴) فِیْوَمَئِذٍ لَا یُعَذِّبُ عَذَابُهُ اَحَدًا (۲۵) وَلَا یُؤْنِقُ وَاَقْفَهُ اَحَدًا (۲۶) یَاٰتِیْهَا النَّفْسُ

کچھ آگے بھیج دیتا۔ پھر اس دن اس جیسی سزا دینے والا کوئی نہ ہوگا۔ اور نہ اس جیسا جکڑنے والا کوئی اور ہوگا۔ اے اطمینان والی روح

لِحَیَاتِیْ	فِیْوَمَئِذٍ	لَا یُعَذِّبُ	عَذَابُهُ اَحَدًا	وَلَا یُؤْنِقُ	وَاَقْفَهُ	اَحَدًا	یَاٰتِیْهَا	النَّفْسُ
اپنی زندگی کیلئے	پس اس دن	نہ عذاب دیگا	کوئی	اور نہ باندھ کر رکھے	اسکا باندھنا	کوئی	اے	جان (روح)

الْمُطْمَئِنَّةُ (۲۷) اَرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (۲۸) فَادْخُلِیْ فِیْ عِبْدِیْ (۲۹) وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (۳۰)

تو اپنے پروردگار کے پاس ایسی حالت میں چل کہ تو اس سے خوش رہے اور وہ تجھ سے خوش ہے۔ پھر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں چل جا

الْمُطْمَئِنَّةُ	اَرْجِعِیْ	اِلٰی	رَبِّکِ	رَاضِیَةً	مَّرْضِیَّةً	فَادْخُلِیْ	فِیْ	عِبْدِیْ	وَادْخُلِیْ	جَنَّتِیْ
اطمینان والی	لوٹ چل	طرف	اپنے رب	خوش	پسند کی	پس داخل ہو	میں	میرے بندے	اور داخل ہو	میری جنت

## لغات:

وَالْفَجْرِ مصدر (ن) پو پھٹنا، صبح کی روشنی نمودار ہونا، پھاڑ کر بہانا، وقت فجر، نماز فجر وغیرہ۔ قرآن میں وقت فجر، نماز فجر اور طلوع سحر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لَیَالٍ دراصل لَیَالِی تھائی لَیْل کی جمع: رات۔ عَشْر دس، یہ بغیر ہاء مونث کا عدد ہے جو پہلی دھائی کے لئے مستعمل ہے اور جب اَحَد سے تِسْعَة تک کسی لفظ سے ملا کر استعمال کرتے ہیں تو عشر کے شین کو فتح دیتے ہیں عشر عشر اَوْ عَشْرًا (ن) دسواں حصہ لینا، دسواں ہونا۔ الشَّعْخُ جفت (جوڑا) جوطاق (الوتر) کی ضد ہے، شَفْع شفعاً (ف) چوڑا کرنا، دہرا کرنا، جفت کرنا، شَفَاعَة (ف) سفارش کرنا، شفع جفت عدد جو برابر تقسیم ہو سکے۔ الوتر شفع کی ضد (ض) گھبرا دینا، ستانا، تکلیف دینا، گھٹا دینا، جفت کو طاق کرنا وغیرہ یَسْر (ض) رات میں چلنا، زائل ہونا، ڈھلنا حجر عقل بمنوع، اصل میں جس مکان کا پتھروں سے احاطہ کر دیا جائے اس کو حجر کہتے ہیں قوم شمد کی بستیوں کو اسی لیے حجر کہا گیا ﴿كَذَّبَ اَصْحَبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ حَجَرَ حَجْرًا وَحُجْرًا

بتثلیث الحاء فیہما (ن) منع کرنا، روکنا، محروم کرنا۔ العمداء ستون (ج) عمدۃ، قاموس میں ہے کہ بلند عمارتوں کو عمداء کہتے ہیں، اور العمداء العمادۃ کی جمع ہے بعض نے ذات العمداء کے معنی بلند قامت بیان کئے ہیں، بعض نے ستونوں والی عمارت اور بعض نے بلند عمارتوں والے ترجمہ کیا ہے۔ البلاد البلد کی جمع شہر (ن) اقامت کرنا، شہر بنانا (س) کشادہ ابرو ہونا (ک) سست و کند ذہن ہونا۔ جابوا صیغہ جمع مذکر غائب ماضی جویاً (ن) قطع کرنا، تراشنا، الصخر صخرۃ کی جمع سخت پتھر۔ الواد دو پہاڑوں کے درمیان کامیدان۔ الاودیۃ اس کی جمع ہے۔ الواد اصل میں الوادی تھا یہاں وادی القرئی سے مراد وہ موضع ہے جو مدینہ کے قریب بجانب شام ہے، یا وہ پہاڑی وادی مراد ہے جہاں پتھروں کو تراش کر مکان نما غار بنا کر قوم شہور بنتی تھی۔ ذی الاوتاد، اوتاد جمع وتد بفتح التاء و کسر ہا و عند اهل النجد بسکون ہا کھوٹی، میخ، یہاں اوتاد سے مراد جنود (الشکر) ہیں لان الملک یشد بہا، فرعون کو ذوالاوتاد کہنے کی مختلف وجوہ تفسیر میں آرہی ہیں۔ الفساد مصدر (ن، ض، ک) خراب ہونا، بگڑ جانا، افعال سے متعدی۔ صب (ن) انڈیلنا، مصیبت ڈالنا، بہانا (ض) گرنا۔ سوط کوڑا، چابک، جمع اسواط، سیاط، ساط سوطا (ن) کوڑے مارنا۔ اکرم افعال سے تعظیم کرنا (ن) کرم میں غالب ہونا (ک) عزیز و نفیس ہونا، بخشش کرنا، فیاض ہونا۔ اکرم من صیغہ واحد مذکر غائب نون و قایہ ی تکلم محذوف اکرمنی تھا اسی طرح اهانن اهاننی تھا اہانۃ ذلیل کرنا حذف الیاء منہما اتباعا لرسم المصحف و بقیۃ الکسرۃ دلیلا علیہا۔ ولا تخضون محاضۃ (مفاعلتہ) مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر، یعنی تم ایک دوسرے کو رغبت نہیں دلاتے، مجرد میں نصر سے گذر چکا۔ الترات میراث، مردے کا مال، اصل میں وراثۃ تھا واد کو تاء سے بدل دیا گیا، ورت، ورتنا، وارثنا، وارتنا، ورتنا، ورتنا (ح) وارث ہونا۔ لسا مصدر (ن) اپنا اور دوسروں کا حصہ کھالینا، سمیٹ لینا جمعا مصدر (ن) ہر شئی کی کثرت اور زیادتی میں مستعمل ہے یہاں معنی ہیں بہت، جی بھر کر۔ دکت دکا (ن) ریزہ ریزہ کرنا، ڈھا کر برابر کرنا، کوٹ کر ہموار کرنا، صفا مصدر (ن) قطار باندھنا، صف قطار کے معنی میں بطور اسم مستعمل ہے ج۔ صفوف یہاں بمعنی قطار ہے، بوثق باب افعال سے باندھنا جکڑنا، وثاق اسم بندھن وثق، وثقا، وثقۃ و وثوقا (ض ک) بھروسہ کرنا وثاقۃ (ک) قوی و مضبوط ہونا، مضبوط کرنا، استوار کرنا۔

ترکیب:

وَالْفَجْرِ مثل والسماء جملہ قسمیہ اور ولیال کا اس پر عطف ہے (منصرف بعد حذف الیاء لعدم بقائہا علی صیغۃ منتہی الجموع والتنوین للصرف وقیل غیر منصرف لان المحذوف کالمذکور فالتنوین فیہا عوض عن الیاء المحذوفۃ او عن حرکتہا فافہم) عشر لیل کی صفت ہے والشفع والوتر دون کا عطف وَالْفَجْرِ پر ہے واللیل اذا یسر مثل واللیل اذا عسعس یہ بھی حسب سابق وَالْفَجْرِ پر معطوف ہے هل استفہامیہ فی ذلک جار مجرور متعلق خبر محذوف مقدم کا (ای هل یحق عند ذلی حجر ان یقسم بھذہ الاشیاء او هل دلالة فی الاقسام المذکور لذلک حجر علی ما قلناہ) قسم مبتدأ مؤخر لذلک حجر متعلق محذوف اقسام یا مسکت کے ہو کر لغت قسم کی (ای اقسام لذلک حجر و مقبول عنہ ابرائے استفہام تقریری لم تر فعل کیف مصدر محذوف فعلا کی صفت ہو کر مفعول مقدم ای فعل فعلا حاصل علی ای صفیاً حال ہے ربک سے جو فاعل فعل ہے، دونوں صورتوں میں تقدیم کی علت صدارت استفہامیت ہے اس لئے یہ تر کا

مفعول نہ بنایا جائیگا کیونکہ صدارت کلام فوت ہو جائیگی ارم عطف بیان ہے عاد کا، ذات العماد مرکب اضافی ارم کی صفت اول التي اسم موصول اپنے صلہ جملہ لم یخلق مثلها فی البلاد سے مل کر صفت ثانی وثمود اپنی صفت سے مل کر صفت الذین الخ سے مل کر عاد پر معطوف، اسی طرح فرعون اپنی صفت سے مل کر دوسرا معطوف، معطوفات مل کر موصوف الذین اسم موصول طغوا فی البلاد جملہ فعلیہ معطوف علیہ فاکثروا فیہا الفساد جملہ فعلیہ معطوف، جملہ فصب الخ بھی اسی طرح معطوف ماسبق جملہ معطوفات صفت مرکب توصیفی مجرور باء متعلق فعل کا ہوا، جملہ فعلیہ لم تر کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہو کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ان ربک لبا لمرصاد ان الابرار لفی نعیم کی طرح ہے اور جملہ ماقبل کی علت ہے اور مذکورہ قسموں کا جواب محذوف ہے ای ليعذب الذین الکافر یا یہی جملہ اخیرہ ان ربک الخ جواب قرار دیا جائے، فاطر تعبیہ اما تفصیلیہ الانسان مبتداء اذا ظرفیہ متضمن لمعنی الشرط ما زائدہ ابتلی فعل اپنے فاعل ربہ اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ اذا کا مضاف الیہ جو آنے والے بقول کا ظرف ہے اور شرطیہ ہونے کے اعتبار سے وہی اس کی جزا ہے۔ فاکرمہ ونعمہ اس میں فاء تفسیریہ ہے دونوں جملے ابتلی کی تفسیر اور اس پر معطوف ہیں، ف جزائیہ بقول فعل ضمیر الانسان کی طرف عائد فاعل ربی مرکب اضافی مبتدا اکرم جملہ فعلیہ خبر، مبتدا خبر جملہ اسمیہ بقول کا مقولہ مفعول بہ اور یہ جملہ جزا، شرط و جزا مل کر مبتدا الانسان کی خبر، جملہ اسمیہ ہوا، واما اذا ما الخ مثله کلا حرف ردع بل للانتقال من بیان سوء اقواله الی سوء افعاله لا تکرمون الخ جملہ فعلیہ ولا تحضون الخ جملہ فعلیہ معطوف اول و تاکلون الخ جملہ فعلیہ معطوف ثانی اکلا لما مفعول مطلق ہے و تحبون الخ مثله معطوف ثالث کلا ردع لهم عن تلك الافعال السيئة، دکت الارض الخ فعل مجہول نائب فاعل مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہ، دکتا ثانی اول کی تاکید ہے و جاء ربک الخ جملہ فعلیہ معطوف اول والملک کا عطف ربک پر ہے و جای فعل مجہول اپنے ظرف یومئذ اور بجہنم فعل مالم یسم فاعلہ سے مل کر جملہ معطوف ثانی اور بجہنم میں بقاء تعدیہ کے لئے ہے یتذکر فعل الانسان فاعل اور ظرف مقدم یومئذ سے مل کر جملہ فعلیہ، اذا دکت کی جزا، وانی استنبہا میہ خبر مقدم الذکری اپنے متعلق مقدم لہ سے مل کر مبتدا، جملہ اسمیہ معترضہ ہوا (جسی بہ لاستبعاد الذکر منہ) بقول فعل اپنے فاعل ضمیر غائب راجع الی الانسان اور مقولہ مفعول بہ (جواگلا جملہ ہے) سے مل کر جملہ متانفہ ہوا (کسانہ قبل ماذا بقول عند تذکرہ) یہ بھی احتمال ہے کہ جملہ یتذکر سے بدل اشتہال ہو، یا تنبیہ کے نیلے، لیت حرف تنہی مشبہ بہ فعل ن وقایہ ی اسم لیت قدمت فعل با فاعل لحیاتی متعلق جملہ فعلیہ خبر لیت قدمت کا مفعول بہ محذوف ہے (ای قدمت فی حیاتی الدنیویۃ اعمالا صالحۃ او قدمت لاجل حیاتی هذه الاخریۃ اعمالا صالحۃ أنتفع بها اليوم) لا یعذب اپنے فاعل احد مفعول مطلق عذابه اور ظرف مقدم یومئذ سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہ ولا یوثق الخ مثله معطوف، یا حرف نداء قائم مقام ادعوا کے، آیۃ منادی مفرد معرفہ، ہا تنبیہ کے لئے مضاف الیہ کے عوض النفس موصوف المطمئنة صفت، مرکب توصیفی صفت منادی، جملہ فعلیہ ندا ارجعی اپنے ضمیر مخاطبہ اور متعلق الی ربک سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہ راضیۃ مرضیۃ یہ دونوں ارجعی کی ضمیر سے حال مترادفہ یا حال متداخلہ ہیں، فادخلی فعل با فاعل فی عبدی متعلق، جملہ فعلیہ معطوف علیہ و ادخلی جتنی فعل فاعل مفعول بہ، جملہ فعلیہ معطوف معطوفین مل کر جملہ ارجعی الخ پر عطف، پھر معطوفین مل کر جواب نداء۔

تفسیر:

اس سورت میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر اس مضمون کی تاکید کی گئی جو آگے ان ربک لبا لموصاد میں بیان ہوا ہے یعنی اس دنیا میں تم جو کچھ کر رہے ہو اس پر جزاء و سزا ہونا لازمی و یقینی ہے، تمہارا رب تمہارے سب اعمال کی نگرانی کر رہا ہے خواہ اسی آیت مذکورہ ان ربک کو جواب قسم قرار دیا جائے یا جواب قسم محذوف مانا جائے جیسا کہ ترکیب میں معلوم ہوا۔

پہلی قسم..... والفجر (قسم ہے فجر کی) فجر سے کیا مراد ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں (۱) روزانہ کی صبح مراد ہے، حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے یہی منقول ہے (۲) ماہ محرم کے پہلے دن کی صبح مراد ہے، اسی سے نیا سال شروع ہوتا ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و قنادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے (۳) اس سے مراد سوس ذی الحجہ (یوم النحر) کی صبح ہے، مجاہد و عکرمہ کا بھی یہی قول ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک قول ایسے ہی منقول ہے۔

وجہ تخصیص یوم النحر کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن کے ساتھ ایک رات لگائی ہے جو اسلامی اصول کے مطابق دن سے پہلے آتی ہے صرف یوم النحر ایسا دن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی رات نہیں کیونکہ یوم النحر سے پہلے جو رات ہے وہ یوم النحر کی نہیں بلکہ شرعاً وہ عرفہ ہی کی رات قرار دی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی حج کر نیوالا عرفہ کے دن میدان عرفات میں نہ پہنچ سکا تو وہ رات کو صبح صادق سے پہلے پہلے کسی وقت بھی عرفات پہنچ جائے تو اس کا وقوف معتبر اور حج صحیح ہو جائیگا، اس سے معلوم یہ ہوا کہ عرفہ کے دن شرعاً دو راتیں ہیں ایک اس سے پہلے دوسری اس کے بعد اور یوم النحر کی کوئی رات نہیں، اس لحاظ سے یوم النحر کی صبح دنیا کے تمام ایام میں ایک خالص نزالی شان رکھتی ہے۔

(۴) ماہ ذی الحجہ کی پہلی صبح مراد ہے کیونکہ اس سے ذی الحجہ کی دس راتیں (لیال عشر) متصل ہیں (۵) عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز فجر مراد ہے، لیکن قول اول مشہور و مختار جمہور ہے۔

اس قسم کی حکمت..... جمہور مفسرین کے نزدیک والفجر سے روزانہ کی صبح مراد ہے، صبح میں قیامت پانا ہونے کا پورا نمونہ موجود ہے، رات میں ایک ساننا ہوتا ہے، انسان اور تمام حیوانات نیند کی آغوش میں بے خبر پڑے ہوتے ہیں، النوم أحو الموت، رات کا منظر قبرستان اور اس کے مردوں کے مشابہ ہے، صبح ہوتے ہی سب انسان و حیوانات چرند پرند بیدار ہو جاتے ہیں اور دنیا کی چہل پہل حشر کا منظر پیش کرتی ہے پھر جس کا دن کسی مصیبت میں گزرتا ہے وہ دوزخ کا نمونہ ہے اور عیش و آرام والوں کا دن جنت کا نمونہ ہے علاوہ ازیں قیامت کی طرح وقت صبح بھی متعین ہے ہر حیوان و انسان اسی وقت معین پر اٹھ کر اپنے کاروبار اور مقاصد کی طرف چلتا ہے۔ اور اگر خاص دن کی صبح مراد ہے تب بھی یہی مناظر وہاں موجود ہیں مثلاً محرم کی پہلی صبح پورے سال کے دنوں کا دیباچہ و پیش خیمہ ہے تو پورے سال کے ایام کا منظر اس سے مفہوم ہوتا ہے۔

اور یوم النحر کی فجر مراد ہے، تو یہ دن مناسک ابراہیم و حج بیت اللہ ادا کرنے کا ہے وہاں کا اجتماع حشر کا نمونہ ہے روحانی راحتیں اور جسمانی مشقتیں اخروی راحت و کلفت کے نمونے ہیں اور ماہ ذی الحجہ کی پہلی صبح مراد ہے تو یہ حج کے خاص عشرہ کی ابتدا ہے جس میں حشر کا نمونہ کھلی آنکھوں دیکھا جاسکتا ہے خصوصاً میدان عرفات میں، نیز یہ سب ایام اپنی تعیین سے قیامت کی تعیین کی خبر بھی دیتے ہیں۔

دوسری قسم..... و لیسال عشر (اور دس عظیم الشان راتوں کی قسم) وہ دس عظیم الشان راتیں کونسی ہیں؟ اس بارے میں بھی کئی اقوال ہیں (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، مجاہد، سدی، کلبی، ضحاک رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک ماہ ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں، کیونکہ حدیث میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت کرنے کے لئے اللہ کے نزدیک سب دنوں میں عشرہ ذی الحجہ سب سے افضل ہے اس کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور اس میں ہر رات کی عبادت شب قدر کی برابر ہے۔ (مظہری بحوالہ الترمذی و اسنادہ ضعیف):

اور ابو الزبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والفجر و لیل عشر کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ دس راتیں وہی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہیں، و اقمنا ہا بعشر کیونکہ یہی دس راتیں سال بھر کی راتوں میں سب سے افضل ہیں، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور سے ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کا سال بھر کے تمام ایام و لیل سے افضل ہونا معلوم ہوا، اس سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی یہی دس راتیں (چلہ پورے ہونے کے لئے) مقرر کی گئی تھیں۔ جمہور مفسرین نے اسی قول کو اپنایا ہے ان میں دور دراز کے حجاج بارگاہ خداوندی میں جمع ہوتے ہیں اس اجتماع کی خاص تاریخیں متعین ہیں (جیسے قیامت کا وقت مقرر ہے) اور یہ اجتماع حشر کا نمونہ بھی ہے، اور حسب بیان سابق تکلیف و راحت ہر دو چیزیں اس اجتماع میں موجود ہیں۔

(۲) دوسرا قول بعض مفسرین کا یہ بھی ہے کہ لیسال عشر سے ماہ رمضان کی اخیر دس راتیں مراد ہیں جن میں شب قدر بھی ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان راتوں میں پوری توجہ اور اہتمام کیساتھ شب بیداری و اعتکاف فرماتے اور اہل خانہ کو بھی ترغیب دیتے تھے (ہکذا روی عن ابی الطیبان رحمۃ اللہ علیہ) (۳) تیسرا قول ضحاک کا بروایت ابو ذرق یہ ہے کہ اس سے ماہ رمضان کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں۔ (۴) ایمان بن رباب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان راتوں سے محرم کا پہلا عشرہ مراد ہیں جس کا دسواں دن یوم عاشوراء کہلاتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے بعد افضل روزے ماہ محرم کے ہیں، اور فرض نماز کے بعد افضل نماز تہجد کی ہے (مسلم) صوم عاشوراء کے فضائل احادیث میں بہت ہیں اسی تاریخ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے تاکہ ان کے لئے رفع درجات کا سبب ہو۔

(۵) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دس راتیں سال بھر کی متفرق راتیں ہیں جن میں سے پانچ راتیں رمضان کے عشرہ اخیرہ کی ہیں (۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹) انہیں میں عموماً لیلۃ القدر واقع ہوتی ہے اور ایک رات عید الفطر کی، ایک عرفہ کی، ایک یوم النحر کی، ایک لیلۃ المعراج یعنی رجب کی ستائیسویں رات) اور ایک شب برأت، چونکہ یہ راتیں اپنے اندر وہ خصوصیات رکھتی ہیں جن میں قیامت و آخرت کے کھلے نمونے موجود ہیں ذرا سی فکر سے یہ بات خوب سمجھ میں آ سکتی ہے۔

فائدہ..... چونکہ یہ راتیں فی الجملہ مبہم تھیں، اس لئے ان کی تعیین میں اختلاف ہے نیز ان کی تعظیم بھی مقصود تھی اس لئے ان کی قسم کھائی گئی اور اسی لئے لیل کو منکر لایا گیا اور توین تنکیر اس پر برائے تعظیم ہے اس طرح لیل میں ہر احتمال مذکور کی گنجائش بھی ہوئی۔ بعض صوفیہ نے ان دس راتوں کا مصداق حواس عشرہ (پانچ ظاہری حواس اور پانچ باطنی) کو قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کو رات سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جب انوار الہیہ کی تجلیات سالک کے قلب پر پڑتی ہیں تو یہ

جسمانی آلات معطل اور شب تاریک کی طرح مکدر ہو جاتے ہیں مگر چونکہ کسب کمالات کا یہ ذریعہ ہیں اس لئے ان کی قسم کھائی گئی ہے، واللہ اعلم  
تیسری اور چوتھی قسم: ..... والشفع والوتر (قسم ہے جفت وطاق کی) یہاں قرآن پاک کے الفاظ میں یہ متعین نہیں ہے کہ شفع ووتر سے کیا مراد ہے؟ اس لئے ائمہ تفسیر کے اقوال اس میں بے شمار ہیں، مگر اس سلسلہ میں حدیث مرفوعہ جو ابوالزبیرؓ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

﴿والفجر و لیل عشر﴾ هو الصبح وعشر النحر. والوتر یوم عرفہ والشفع یوم النحر (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والفجر و لیل عشر کے متعلق فرمایا کہ فجر سے مراد صبح اور عشر سے مراد عشرہ فجر (ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہے جس میں یوم نحر بھی ہے اور وتر سے مراد عرفہ کا دن اور شفع سے مراد یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ اسناد کے اعتبار سے اصح ہے اس حدیث سے جو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور اس میں شفع ووتر نماز کا ذکر ہے (یعنی شفع سے دو یا چار رکعات والی اور وتر سے تین رکعات والی نمازیں مراد ہیں) اسی لئے حضرت ابن عباس، عکرمہ رضی اللہ عنہم، نحاس رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ شفع سے مراد یوم النحر اور وتر سے مراد یوم عرفہ ہے۔

اور بعض ائمہ تفسیر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ابن سیرین، عوفی، مسروق، ابوصالح، قتادہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور مجاہد وغیرہ نے فرمایا کہ شفع سے مراد تمام مخلوقات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا ہے، کما قال تعالیٰ ومن کل شیء خلقنا زوجین یعنی ہم نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے، جیسے کفر و ایمان، زمین و آسمان، سعادت و شقاوت، نور و ظلمت، لیل و نہار، گرمی و سردی، جن و انس، مرد و عورت وغیرہ اور ان سب کے بالمقابل وتر حق تعالیٰ کی ذات عالیشان ہے، هو اللہ احد اللہ الصمد۔

(۲) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ شفع سے مراد مخلوق کے احوال و صفات ہیں جن میں باہمی تضاد ہے، جیسے زندگی و موت، عزت و ذلت، عجز و قدرت، ضعف و قوت، علم و جہالت وغیرہ، اور وتر سے مراد حق تعالیٰ کی صفات ہیں کہ وہاں حیات بغیر موت ہے، عزت بغیر ذلت ہے، قدرت بغیر عجز ہے، قوت بغیر ضعف ہے، علم بغیر جہالت ہے، غنا بغیر فقر ہے، کلام بغیر سکوت ہے وغیرہ۔ (۳) حسن بصری، ابن زید رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے کہ شفع ووتر دونوں مخلوق ہی ہیں، کوئی مخلوق شفع ہے کوئی وتر، مثلاً یوم النحر شفع ہے اور یوم عرفہ وتر، یوم النحر میں قربانی ہوتی ہے اور یوم عرفہ میں حج کا سب سے بڑا رکن وقوف ہوتا ہے (۴) ربیع بن انس و ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ دونوں سے مراد نماز مغرب ہے کہ اس کی پہلی رکعتیں شفع ہیں اور تیسری رکعت وتر ہے (۵) ضحاک عطار رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ شفع ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے اور وتر اس کے بعد کے تین دن ہیں۔ (۶) بعض کہتے ہیں کہ آدم و حواء مراد ہیں کہ پہلے آدم وتر (اکیلے) تھے حضرت حواء پیدا ہوئیں تو شفع (جوڑا) بن گیا۔ (۷) مقاتل کہتے ہیں کہ شفع تمام ایام ہیں، رات و دن مل کر۔ اور وتر آخری دن ہے یعنی قیامت کا کہ اس کی رات نہیں ہوگی۔ (۸) حسین بن فضیل کہتے ہیں کہ شفع جنت کے درجات ہیں کیونکہ وہ آٹھ ہیں اور وتر جہنم کے طبقات ہیں کیونکہ وہ سات ہیں (۹) شفع انسان کے بعض اعضاء ہیں دو کان، دو ہاتھ، دو پیر، دو آنکھیں وغیرہ، اور وتر بھی اعضاء ہی ہیں جیسے ناک، سر، قلب وغیرہ۔ (۱۰) شفع سجدہ اور وتر رکوع ہے۔ (۱۱) شفع بارہ برجیں اور وتر سات ستارے (سیارات) ہیں۔ (۱۲) شفع سے مراد چار

وقتوں کی نمازیں اور وتر سے مغرب اور وتر مراد ہیں۔ (۱۳) شفع سے وہ چاند مراد ہے جو پورے تیس دن کا ہوا اور وتر سے وہ چاند مراد ہے جو انتیس کا ہو۔ (۱۴) شفع سے مراد وہ بارہ چشمے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے پتھر سے جاری ہوئے تھے اور وتر سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات ہیں ولقد اتینا موسیٰ تسع ایت بینات۔ (۱۵) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے شفع وتر سے اعداد مراد ہیں کوئی عدد جفت ہے کوئی طاق، اور انہی پر دنیا کے کاروبار اور معاملات دائر ہیں ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں اور قرآنی الفاظ میں بڑی وسعت ہے مگر ان میں ٹھیک وہی اقوال ہیں جن کی طرف احادیث صحیحہ میں اشارہ ہو مثلاً سب سے پہلا قول جس کو جہور مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ..... اگر ان سب اقوال میں غور کیا جائے تو قیامت کا ثبوت اور آخرت کے نمونے ان میں موجود ہیں طوالت کے خوف سے ہم مزید تفصیل کرنا نہیں چاہتے۔

پانچویں قسم..... والیل اذا یسر (اور رات کی قسم ہے جبکہ وہ ڈھلے) اسی مفہوم کی آیت سورۃ مدثر میں والیل اذا دب اور سورۃ نکویر میں والیل اذا عسعس گذر چکی ہے، یسر، سری سے مشتق ہے جس کے اصل معنی رات کو چلنے کے ہیں، یہاں مجازاً رات کو کہا گیا ہے کہ وہ چلنے لگے، یعنی ختم ہونے اور ڈھلنے لگے، ابو العالیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اذا یسر کا ترجمہ کیا ہے اذا جاء و اقبل، یعنی آتی ہوئی رات کی قسم، لیل سے مراد جنس لیل ہے کوئی رات بھی ہو، رات کا جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و انعامات کثیرہ پر دلالت کرتا ہے، اخیر شب کے احادیث میں بہت سے برکات و فضائل آئے ہیں اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور صالحین کا دستور پچھلی رات میں جاگنے اور عبادت کرنے کا رہا ہے، اسی طرح رات کا آنا بھی بہت سے انعامات پر مشتمل ہے جس طرح مخلوق رات کے جانے کی منتظر ہوتی ہے اور رات کے جانے کے لئے وقت معین ہوتا ہے اور وہ حشر و نشر اور جنت و دوزخ کا نمونہ ہے اسی طرح رات کا آنا بھی انہیں چیزوں پر دلالت کرتا ہے، نیکوں، بدوں، چوروں، عیاشوں، عاشقوں وغیرہ کورات کے آنے کا انتظار رہتا ہے اس میں پردہ پوشی و سامان راحت بھی ہے جو جنت کی مثال ہے، مریضوں، مسافروں اور مجبور عاشقوں کے لئے دوزخ کا نمونہ ہے اور اللہ جل شانہ کی قدرت و رحمت پر یہ سب چیزیں روشن دلائل اور کھلی ہوئی نشانیاں تو ہیں ہی۔

حاصل کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ ان پانچ قسموں سے قیامت میں شکوک و شبہات کا ازالہ فرما دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ اللہ کی حکمت کاملہ کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اعمال کی جزاء کے لئے ایک مقرر دن ہو جس کا انتظار کیا جائے کیونکہ (۱) یہ زندگانی عمل کے لئے ہے پھل کے لئے نہیں۔ (۲) اس عالم میں جزاء و سزا کا تحمل نہیں۔ (۳) فوراً پکڑ کر لینا حلم کے خلاف ہے (۴) عمل اور گناہوں سے توبہ کے لئے مہلت اللہ کی رحمت کا تقاضا اور اس کی مہربانی پر دلیل ہے (۵) مجرم کو اس عذر کا موقع بھی نہ ہوگا کہ توبہ و اصلاح حال کی فرصت و مہلت نہ دی گئی۔ (۶) یہاں سزا سے متعلقین اور اہل و عیال پر مصیبت کا دروازہ کھل جاتا، (۷) ایک کے حق پر سزا دینا دوسرے اہل حقوق کو محروم کر دیتا۔ (۸) بہت سے مظلوم ظالموں سے پہلے مر جاتے ہیں انہیں ظالم کی سزا کا علم و مشاہدہ نہ ہوگا جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل کوتسلی ہوتی اور عدل خداوندی ان پر آشکارا نہ ہوتا (۹) بندوں کی آزادی ختم ہو جاتی اور اس عالم میں آزمائش کا سلسلہ ختم ہو جاتا۔

ان امور کی روشنی میں ان پانچوں چیزوں میں غور کیا جائے جن کی قسمیں کھائی گئیں ہیں تو ان میں قدرت و حکمت اور رحمت کی روشنیاں نظر آئیں گی وقت کی تعیین اور مخلوق خداوندی کو اس کا انتظار معلوم ہوگا، بعض لوگوں کے لئے یہ چیزیں باعث راحت ہیں تو دوسروں کے لئے سبب کلفت، حشر و نشر کے نمونے بھی سب میں موجود ہیں پھر شب و روز میں جو دنیا کے حاکموں اور محکموں کی عادتیں اور معمولات ہیں وہ ان شبہات کو جو کفار و مشرکین نے پیش کئے زائل کر دیتے ہیں۔

هل فی ذالک قسم لذی حجر (کیا ان چیزوں کی قسم اہل عقل کے نزدیک کافی قسم ہے) حجر کے لفظی معنی روکنے کے ہیں، انسان کی عقل اس کو برائی اور مضرت رساں چیزوں سے روکتی ہے اس لئے حجر بمعنی عقل بھی استعمال ہوتا ہے یہاں یہ بمعنی عقل ہی ہے، آیت کے معنی یہ ہیں کہ کیا عقل والے آدمی کو یہ قسمیں کافی ہیں یا نہیں، یہ صورت استفہام کی ہے، مگر درحقیقت انسان کو غفلت سے بیدار کر نیک ایک طریقہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت پر اور اس کے قسم کھا کر ایک بات کو بیان کرنے پر اور خود ان چیزوں کی عظمت و قدرت پر جنکی قسم کھائی گئی ہے ذرا سا غور کرو تو جس چیز کو ثابت کرنے کے لئے قسم کھائی ہے اس کا یقینی ہونا ثابت ہو جائیگا کہ انسان کے ہر عمل کا آخرت میں حساب ہونا اور اس پر جزاء و سزا ہونا شک و شبہ سے بالاتر ہے، یہ جواب قسم اگرچہ صراحتہ مذکور نہیں مگر سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ان ربک لبا لمصراد کو جواب قسم بنایا جائے کما مر۔ صاحب مظہری رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مذکورہ میں هل کو استفہام تقریری کے لئے قرار دیا ہے۔

الْمَ تَرَ کَیْفَ ..... (آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے رب نے قوم عادی کی کیا حالت کر دی الخ) بیوقوفوں کو شاید تعجب ہو کہ ایک دن میں ایک جگہ تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے، ایک بڑے مجمع کو سزا دینا بڑا مشکل کام ہے پھر اگر اتنی مخلوق بگڑ جائے اور سب متحد ہو جائیں تو ان پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے دنیا میں جب گورنمنٹ کا کوئی محکمہ اسٹراٹک کر دیتا ہے یا کارخانہ کے مزدور یا کسی کالج کے لڑکے کے لڑکے متحد ہو جاتے ہیں تو ذمہ داروں کو ان پر کنٹرول کرنا دوہرا ہوتا ہے جبکہ اسٹرائیکوں کی تعداد اتنی کثیر نہیں ہوتی اس لئے گورنمنٹ کسی خطہ یا قوم پر قبضہ پانے کے لئے پہلے وہاں کی جمیعت کے ٹکڑے کرتی ہے پھر گرفتاریاں کر کے ان کو کمزور کرتی ہے تب بڑی تدبیروں سے اس پر قابو پاتی ہے اسی طرح بہت سے مجرموں کو ایک لخت سزا نہیں دیتی۔

اگلی آیات میں اس قسم کے شبہات کا ازالہ فرما دیا گیا ہے کہ اس قادر مطلق کو ضعیف انسانوں پر قیاس نہ کرو اسی سلسلہ میں تین قوموں کے قصے بیان کئے ہیں وہ تینوں قومیں شوکت و قوت میں مشہور تھیں حق تعالیٰ نے جب اسی دنیا میں ان کی پکڑ فرمائی تو ان کی قوت و شوکت اور اسباب کچھ کام نہ آئے اور تین قصے اس لئے بیان فرمائے کہ ایک آدھ واقعہ اتفاقات میں شمار کر لیا جاتا ہے اور مکرر سہ کر رہے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ کام اس کے کرنے والے پر آسان ہے۔ الحاصل ان واقعات سے یہ معلوم ہوا کہ مجرموں کو سزا ملنا آخرت میں طے ہے اللہ کی قدرت میں ہے کہ کبھی کبھی نمونہ کے طور پر دنیا میں بھی اسکا ظہور ہو جاتا ہے جیسے ان تین معذب قوموں میں ہوا، یہ واقعات بھی قیامت کے اور جزا و سزا کے نمونے ہیں۔

(فائدہ ..... ۱) الم تر سے اس طرف اشارہ کیا کہ یہ واقعات اپنی شہرت کی وجہ سے اس قابل ہیں کہ ہر ایک کو ان کا علم ہونا چاہئے اسی لئے ان قصوں کو جن کا سماعت (سننے) سے تعلق ہے روایت (دیکھنے اور مشاہدہ کرنے) سے شروع کیا گیا۔ فافہم



(فائدہ.....۲) صفت ربوبیت کو اس سورت میں اور دوسری سورتوں میں ذکر کر کے اس بات پر تنبیہ کر دی گئی کہ صفت ربوبیت کا تقاضا ہی عدل و انصاف کا قیام ہے جس میں مجرموں اور سرکشوں کی ہلاکت ضروری ہے۔ پہلا واقعہ:

ان تین واقعات میں سے پہلا واقعہ قوم عاد کا ہے، قوم عاد کے دو لقب ہیں، عاد اور ارم، کیونکہ یہ قوم عاد بن عاص بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد تھی، اس کو کبھی باپ کے نام پر عاد اور کبھی پردادا کے نام پر ارم کہہ دیتے ہیں، اور خود بن عاص بن ارم کی اولاد ثمود کے نام سے مشہور ہے تو عاد و ثمود دونوں ایک ایک واسطہ سے ارم میں جا ملتے ہیں یہاں عاد کے ساتھ ارم اس لئے بڑھا دیا کہ قوم عاد میں دو طبقے تھے ایک متقدمین کا جن کو عاد اولیٰ کہتے ہیں دوسرا متاخرین کا جنہیں عاد آخریٰ کہا جاتا ہے لفظ ارم بڑھا کر اشارہ کر دیا گیا کہ یہاں متقدمین (عاد اولیٰ) مراد ہیں کیونکہ قرب اور واسطوں کی قلت کی بنا پر ارم کا اطلاق عاد اولیٰ پر ہوگا، (مزید تحقیق سورہ الحاقہ میں ملاحظہ فرمائیں) بعض کہتے ہیں کہ ارم اس قوم کی بستی کا نام بھی تھا جس میں بڑی عالیشان عمارتیں تھیں انہوں نے اپنے دادا کے نام پر اس بستی کا نام ارم رکھا تھا اور یہ بستی عدن کے قریب تھی جس میں یہ قوم (عاد اولیٰ) آباد تھی۔

ذَاتُ الْعِمَاد ..... قوم عاد کو ذَاتُ الْعِمَاد اس لئے فرمایا گیا کہ ان کے قد و قامت بڑے طویل تھے اور یہ قوم اپنے ذیل و ذول اور طاقت و قوت میں دوسری سب قوموں سے ممتاز تھی اس کے امتیاز کو خود قرآن عزیز نے بڑے واضح الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا کہ لَمْ يَخْلُقْ مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ (یعنی ان جیسے قد آور لوگ دنیا میں پیدا نہیں کئے گئے، قرآن کریم نے ان کے طول قامت اور ذیل و ذول کو دنیا کی ساری قوموں سے زائد ہونا تو بیان فرمادیا مگر ان کی کوئی پیمائش ذکر کرنا ضرورت سے زائد کام تھا اس لئے اس کو چھوڑ دیا، اسرائیلی روایات میں ان کے قد و قامت اور قوت کے متعلق عجیب اقوال مذکور ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا طول قامت بارہ ہاتھ یعنی اٹھارہ فٹ (گز) منقول ہے، بظاہر یہ روایت بھی اسرائیلی ہے، صاحب مظہریؒ نے بیان کیا، مقاتل کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذراع سے بارہ ذراع ان کے قدموں کا طول تھا، بعض نے اس سے بھی زائد کہا ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ ان میں سے کم سے کم قد کا آدمی بارہ گز کا ہوتا تھا اور ایسے بڑے پتھروں کو جن کو بہت سے لوگ مل کر مشکل سے اٹھا سکتے ہوں، ان میں کا ہر شخص ایک ہاتھ سے اٹھا کر پھینک دیتا تھا، بعض مفسرین نے کہا کہ یہ قوم اپنے خیمے، خیموں کے ستون اور موسیقی لے کر موسم بہار میں جنگلوں کو نکل جاتی اس لئے اس کو ذَاتُ الْعِمَاد کہا گیا۔ بعض لوگوں نے قوم عاد کو ذَاتُ الْعِمَاد کہنے کی ایک اور وجہ بتلائی ہے کہ وہ اونچی عمارتیں اور بلند ستون تعمیر کرتے تھے۔ شہر ارم یا شہر اد کی جنت:

کہتے ہیں اس قوم میں دو بادشاہ بڑے زبردست ہوئے ہیں ایک شدید، دوسرا شداد، شداد نے اپنے بھائی شدید کے مرنے کے بعد سلطنت کو کمال عروج پر پہنچا دیا تھا، کہ چار سو سے زائد بادشاہ اس کے مطیع و فرمانبردار تھے اور روئے زمین کے کسی بادشاہ کو اس سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے مغرور اور متکبر ہو کر اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا اس زمانہ کے علماء نے اس کو بہت سمجھایا، خدا کا خوف دلایا، اللہ کی عبادت کی رغبت دلائی، مگر وہ نہ مانا اور کہا میرے پاس سب کچھ موجود ہے کسی کی عبادت سے اور کیا حاصل کروں؟ اس سے کہا گیا کہ دنیا کی یہ دولت و سلطنت فانی ہے اللہ کی عبادت سے ایسی جنت ملے

گی جو ہمیشہ رہنے والی ہے کبھی فنا نہ ہوگی اور وہ اس تمام دنیا سے بہتر ہوگی اس نے پوچھا اس جنت کی اور کیا خوبیاں ہیں؟ چنانچہ انہوں نے جنت کی خوبیاں بیان کیں، اس نے کہا مجھے جنت کی ضرورت نہیں میں تو دنیا میں ایسی جنت بنا سکتا ہوں چنانچہ اس نے اپنے سو معتبر اور فن تعمیر کے ماہرین کو جنت کی تعمیر پر مقرر کیا اور ہر ایک کے ساتھ ہزار ہزار آدمی متعین کئے اور حکم دیا کہ سونے چاندی کی کائیں تلاش کرو اور ان کی اینٹیں بناؤ، دھینے اور خزانے سب نکلوا لو، اور کوہ عدن کے قریب ایک چالیس کوس مربع شہر ارم کی بنیاد ڈال دی۔

کہتے ہیں کہ اس کی بنیادیں اتنی گہری کھودی گئی کہ پانی کے قریب پہنچ گئی تھیں اور ان کو سنگ سلیمانی سے بھر دیا تھا جب بنیادیں زمین کے برابر ہو گئی تو اوپر سونے چاندی کی اینٹوں سے تعمیر کی گئی اور پانچ سو گز کی بلندی دیواروں کی رکھی گئی، جب سورج نکلتا تو دیواروں کی روشنی اور چمک سے آنکھیں چکا چوند ہو جاتیں پھر اس چار دیواری میں ہزار محل اور ہر محل میں ہزار ستون تعمیر کئے گئے اور ہر ستون کو جواہرات سے مرصع کیا گیا اور درمیان شہر میں ایک نہر جاری کی گئی اور ہر مکان میں حوض بنائی گئیں اس نہر سے ہر مکان تک ایک چھوٹی نہر جاری کی گئی جن سے وہ حوضیں لبالب بھری رہتیں، اور ہر مکان میں نوارے اچھلتے رہتے تھے ان نہروں کی پٹریاں یا قوت، زمر در جان اور نیلیم سے سجائی گئی تھیں نہروں کے کناروں پر درخت لگائے گئے تھے جن کی جڑیں شاخیں اور پتے زمر کے اور پھول پھل موتیوں اور یاقوتوں کے تھے محلات کی دیواروں پر مشک و زعفران، عنبر و گلاب کی لپائی کی گئی تھی اور سونے چاندی کے پانی سے ترائی کرائی گئی تھی یا قوت و جواہرات کے خوبصورت و خوش آواز پرندے بنا کر درختوں پر بٹھائے گئے تھے، شہر کے ارد گرد سونے کے ہزار مینار تعمیر کرائے تھے جن پر حفاظتی فوجیں بیٹھتیں۔

جب شہر بن کر تیار ہو گیا تو حکم دیا کہ پورے شہر میں عمدہ قالین اور بشتی فرش بچھادیئے جائیں اور سونے کے برتنوں سے محلات کو سجادیا جائے اور کسی نہر میں دودھ، کسی میں شہد، کسی میں شراب و شربت اور کسی میں پانی جاری کر دیا جائے، بازاروں اور دوکانوں کو بھی خواب و زلفت سے سجادیا گیا، سب کو حکم دیا گیا کہ اپنے کام میں مصروف رہیں اور شہر کے باشندوں کو انواع و اقسام کے پھل عمدہ کھانے پہنچائے جائیں، بارہ برس میں (اور صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں کہ تین سو برس میں) یہ شہر ارم تعمیر ہوا اور حکم ہوا کہ تمام امراء و ارکان دولت اس شہر میں جا کر آباد ہوں اور خود بڑے غرور کیا تھ اپنے لشکروں کے ہمراہ اپنی اس جنت کی طرف چلا اور واعظوں سے کہا کہ تم ایسی جنت کے لئے مجھے کہتے ہو کہ کسی دوسرے کے سامنے پست و ذلیل بنوں اور سر جھکاؤں؟ میری شان و شوکت والی جنت، میری بے نیازی اور دولت و ثروت کا تم کھلی آنکھوں مشاہدہ کر لو، جب وہ اپنی جنت کے قریب پہنچا تو لوگ غول کے غول شہر ارم (جنت) کے دروازوں پر آئے اور زر و جواہر اس پر نچھاور کرنے لگے، جب وہ اپنی خود ساختہ جنت کے دروازہ پر پہنچا تو ایسی حالت میں کہ اس کا ایک قدم دروازہ کے اندر اور ایک یا ہر تھا آسمان سے ایک ایسی کڑک (سخت آواز) آئی کہ وہ سب وہیں ہلاک ہو گئے اور بادشاہ بھی دروازہ پر گر کر مر گیا اور اپنی بنائی ہوئی جنت کے دیدار کی حسرت بھی اپنے دل میں لے گیا۔

بعض کتابوں میں یہ ہے کہ ملک الموت سے حق تعالیٰ نے یہ پوچھا کہ کسی کی روح قبض کرتے ہوئے تجھ کو رحم بھی آیا؟ عرض کیا دو شخصوں پر رحم آیا اگر آپ کا حکم نہ ہوتا تو میں ہر گز ان کی روح نہ نکالتا، ایک تو جب سمندر میں کشتی الٹ گئی تھی اور وہ اپنی ماں کے ساتھ ایک تختہ پر رہ گیا تھا اور حکم ہوا کہ اس کی ماں کی روح قبض کر لے، اس وقت اس بے آسرا بچہ پر مجھے

بہت رحم آیا تھا، دوسرا وہ بادشاہ جس نے دنیا میں جنت تعمیر کروائی تھی اور وہ اس کو ایک نظر دیکھ بھی نہ سکا، حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا: یہ بادشاہ وہی ہے آسمان پر ہی تو تھا اس کو ہم نے اپنی قدرت سے پالا پوسا اور اس مرتبہ اور جاہ و جلال تک پہنچایا، مگر اس نے ہماری عبادت سے تکبر کیا اور وہ بد نصیب اس طرح ہلاک کر دیا گیا وہ تختہ بہتا ہوا جب کنارے پر پہنچا تو دھوبی نے اسکو کھینچ کر اس کی ماں کی لاش کو دفن دیا اور اس بچہ کو اس مہتر کو دیدیا تھا جس کی کوئی اولاد نہ تھی جب وہ سات سال کا ہوا تو وہ ایک دن بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ یکبارگی شور ہوا کہ بادشاہ کی سواری آتی ہے، سب بچے مارے خوف کے بھاگ گئے مگر یہ وہیں کھڑا بادشاہ اور اس کے لشکر کا تماشا دیکھتا رہا، بادشاہ مع لشکر گزر گیا گری بڑی چیز اٹھانیا لے جو لشکر کے پیچھے چلا کرتے تھے گزرے تو ان میں سے ایک کو ایک پوٹلی ملی جس میں سرمہ دانی اور سلانی تھی اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا اگر تمہاری رائے ہو تو میں اسے استعمال کر لوں، شاید یہ میری آنکھوں کی تکلیف کے لئے مفید ہو، انہوں نے کہا کہ مناسب نہیں، نہ معلوم فائدہ دے یا نقصان کرے، پہلے کسی اور کی آنکھوں میں لگا کر دیکھ، اگر فائدہ ہو تو تو بھی لگا لینا، اس نے ادھر ادھر دیکھا تو ایک نیلہ پر اس لڑکے کو کھڑے ہوئے دیکھا اور یہ سرمہ اس کی آنکھوں میں لگا دیا، اس سرمہ کے لگتے ہی زمین کے خزانے اس کو نظر آنے لگے یہ لڑکا بڑا چالاک تھا شور مچانے لگا اے ظالمو! تم نے میری آنکھیں پھوڑ دیں، میں بادشاہ سے تمہاری شکایت کروں گا وہ لوگ گرتے پڑتے سرمہ دانی وہیں چھوڑ کر بھاگے، یہ گھر آیا اور مہتر سے یہ حقیقت بیان کر دی، مہتر نے کہا یہ گدھے خچر موجود ہیں رات میں مخصوص اور معتبر مزدوروں کو لیجا کر کھود لائیں گے۔ چنانچہ بہت سماں جمع کر لیا اور سب گاؤں والوں کو اپنی طرف مائل کر کے اس گاؤں کے سردار کو مار ڈالا اور یہ لڑکا خود گاؤں کا سردار بن گیا۔ حکام کو خبر پہنچی تو انہوں نے اس کو سزا دینی چاہی مگر اس نے اپنی فوج تیار کر کے ان کا مقابلہ کیا اور کامیاب ہوا، چند روز میں بادشاہ مر گیا تو اسکے تخت و تاج پر بھی قبضہ کر لیا پھر اس کی بادشاہت کو اتنی ترقی ہوئی کہ بہت سے بادشاہ اس کے اطاعت گزار بن گئے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ معتبر تفسیروں میں لکھا ہے کہ جب یہ بادشاہ اور اس کا لشکر آسمانی کڑک سے ہلاک ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس شہر ارم کو دنیا کی نگاہوں سے چھپا دیا، مگر کبھی کبھی عدن کے گرد و نواح کے لوگوں کو اس کی روشنی اور جھلک اس جگہ محسوس ہوتی ہے اور یہ اس کی دیواروں کی روشنی ہے۔ عبداللہ بن قلابہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اتفاق سے صحابہ کی ایک جماعت کا گذر اس طرف کو ہوا وہاں جا کر ایک اونٹ بھاگ گیا جب لوگ اس کو ڈھونڈنے نکلے تو اس شہر کے میناروں اور دیواروں کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ تو اس جنت کا نمونہ ہے جس کی خبر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے سو چا شاید یہ خواب ہے اندر پہنچے شہر کو دیکھا کوئی آدمی وہاں نہ تھا کچھ جواہرات اور یاقوت نظر پڑے تو اپنی چادر میں بھر لئے اور امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کیا پوچھا کہ تم نے یہ خواب میں دیکھا ہے یا بیداری میں؟ انہوں نے کہا صاحب! بیداری میں دیکھا ہے اس شہر کی تفصیلات بتاتے ہوئے وہ یاقوت و جواہر بھی پیش کر دیئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا، اہل علم سے معلوم کیا کہ دنیا میں کوئی شہر ایسا بھی ہے، علماء نے قرآن کی یہ آیت ارم ذات العماد بڑھ کر بتایا کہ شہر ارم ہے جو لوگوں کے نظروں سے پوشیدہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک شخص وہاں جائے گا جس کا حلیہ یہ ہوگا کہ وہ کوتاہ قد، سرخ رنگ کا ہوگا اور اس کی آبرو و گردن پر دو تل ہوں گے وہ اپنے اونٹ کو تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچے گا، دیکھا گیا تو وہ سب نشانیاں اس شخص میں ثابت ہوئیں (ملخص از فتح العزیز)

اس واقعہ کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ واقعہ قوم عاد کے ایک خاص شخص شداد بن عاد کا ہوگا، کہ اس پر اور اس کی بنائی ہوئی جنت پر عذاب نازل ہوا، اور پہلی تفسیروں پر (جن کو جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے) یہاں قوم عاد کے معذب ہونے کا بیان ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

دوسرا واقعہ:

وَتَمُودُ الَّذِي جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (اور آپ کے رب نے اس قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا جنہوں نے وادی قرئی میں چٹانیں تراشیں) قوم ثمود عرب کے شمال میں رہتی تھی مقام حجر سے وادی القرئی تک ان کی بستیاں تھیں، فتح العزیز میں ان کی بستیوں کی تعداد سترہ سو لکھی ہے حجاز کے متصل ان کا شہر وادی القرئی تھا اور ملک شام کی طرف ان کا آخری شہر حجر تھا یہ قوم فن سنگ سازی میں نہایت ماہر تھی عمدہ مکانات خوبصورت تصویریں، پھولوں پھلوں کی خوشنما صورتیں پتھر تراش کر بنالیا کرتی، اس کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام تھے قوم عاد کے قصہ کی طرح اس قوم کا قصہ بھی قرآن پاک میں بار بار آیا ہے۔

تیسرا واقعہ:

وَفِرْعَوْنُ ذِي الْأَوْتَادِ (اور آپ کے رب نے میخوں والے فرعون کے ساتھ کیا معاملہ کیا) اوتاد وتد جمع ہے وتد میخ کو کہتے ہیں، فرعون کو میخوں والا کہنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں (۱) درمنثور میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مقاتل، کلبی، سعید بن جبیر، مجاہد، حسن، اور سدی رحمۃ اللہ علیہم سے اس کی تفسیر میں منقول ہے کہ وہ جس کو سزا دیتا تھا اس کے چاروں ہاتھوں پاؤں کو چار میخوں میں باندھ کر سزا دیتا تھا، بعض علماء نے لکھا ہے کہ چاروں ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ دیتا اور سانپ بچھو چھوڑ دیتا تھا، (۲) لفظ ذی الاوتاد سے اس کی حکومت کی مضبوطی و استحکام کی طرف اشارہ ہے، عرب کہتے ہیں کہ: هُمْ فِي الْعِزِّ ثَابِتُ الْأَوْتَادِ (انہوں نے عزت کی میخیں گاڑ دیں اور وہ دوامی عزت کے مالک ہیں) مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ ص میں ذوالاوتاد کا ترجمہ: ”جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے“ کیا ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ الاوتاد کے معنی مضبوط عمارتیں ہیں (۴) بعض کہتے ہیں کہ وہ رستی اور میخوں سے کوئی خاص کھیل کھیلتا تھا (۵) عطیہ کا قول ہے کہ اوتاد سے مراد فوجیں ہیں، فوجیں اپنے ساتھ بکثرت خیمے رکھتی تھیں اور جہاں پڑاؤ کرنا ہوتا تھا میخیں گاڑ کر ڈیرے قائم کرتی تھیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بروایت عطیہ یہی منقول ہے۔ (۶) بعض کہتے ہیں کہ گھوڑوں، ہاتھیوں اونٹوں اور خچروں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ سب جانور کھونٹوں میں بندھتے ہیں۔

فائدہ.....: اس مقام پر مفسرین نے چو میخا کئے جانے والوں کے دو واقعات بھی ذکر کئے ہیں (۱) حضرت حزقیل (مومن آل فرعون) کی بیوی کا جو فرعون کی لڑکی کی لکھی چوٹی کرتی تھی (۲) حضرت آسیہ بنت مزاحم کا جو فرعون کی بیوی تھی، اور جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں داخل ہوں گی، ان قصوں کے ذکر میں طوالت ہے اس لئے جو چاہیں مظہری وغیرہ بڑی تفاسیر میں دیکھ لیں۔

الَّذِينَ طَفَّوْا فِي الْبِلَادِ ..... (جنہوں نے بستیوں میں حد سے بڑھ کر نافرمانیاں کی تھیں) مذکورہ تینوں قصوں کو اجمالاً بیان کر کے اس آیت میں اور اس سے اگلی آیت میں ان کی بدکاریوں کا اجمالی بیان اور ان پر قہر و عذاب خداوندی ٹوٹ پڑنے کی وجہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ..... (تو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا) لفظ صَب سے اشارہ ہے کہ ان پر عذاب بارش کی طرح برسا اور سَوْط عَذَاب میں اضافت اخلاق ثیاب کی طرح (اضافۃ الصفة الی الموصوف) ہے عذاب کے کوڑے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوڑا بدن کے مختلف اطراف میں پڑتا اور چاروں طرف سے لپٹ جاتا ہے اسی طرح ان پر عذاب ہمہ گیر اور انکے ہر طرف سے آیا، بلکہ سَوْط کے لغوی معنی مخلوط کرنے اور ملانے کے ہیں، اور کوڑے کو بھی بل دیکر مخلوط کیا جاتا ہے اس لئے کوڑے کو سوط کہتے ہیں اسی طرح مختلف عذابوں سے بھی کنایہ ہو سکتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان تینوں قوموں پر جو عذاب نازل ہوا وہ بارش کی طرح مسلسل اور کوڑوں کے مانند ہمہ جہتی کے ساتھ مختلف الانواع بھی تھا پھر آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کا عذاب ایسا ہی ہے جیسے تلوار کے مقابلہ میں کوڑا، یعنی دنیا کا عذاب ادنیٰ اور آخرت کا عذاب اکبر ہے اسلئے اس دنیوی عذاب کو کوڑے سے تشبیہ دینا نہایت بر محل ہے، قنادہ کہتے ہیں کہ یہاں اضافت بتقدیر من ہے ای سوطاً من عذاب جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ آپ کے رب نے ان پر عذاب سے بنا ہوا کوڑا برسایا۔

إِنَّ رَبَّكَ لَبِاْلْمُرْصَادِ..... مرصاد اور مرصد، رصد گاہ، انتظار گاہ، گھات، یعنی انیابلند مقام جہاں بیٹھ کر کوئی شخص دور دور تک لوگوں کو دیکھ سکے، اور انکے افعال و اعمال کی نگرانی کر سکے اور وہ لوگ اس کو نہ دیکھ سکیں، یہ کلام بطور تشبیہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے تمام اعمال اور حرکات و سکنات حق تعالیٰ کی نظر میں ہیں، گو وہ انسانوں کی نگاہوں سے اوجہل ہے یہ جملہ مذکورہ پانچوں قسموں کا جواب ہے یا جواب محذوف کی تاکید ہے۔

### رزق کی فراخی اور تنگی مقبول یا مردود ہونے کی علامت نہیں

فاما الانسان الخ یہاں انسان سے مراد دراصل کافر انسان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جو چاہتا ہے خیال باندھ لیتا ہے لیکن عام مفہوم کے اعتبار سے وہ مسلمان بھی اس میں شامل ہیں جو اس جیسے خیالات میں مبتلا ہوں، اور وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو رزق میں وسعت، مال و دولت، صحت و تندرستی سے نوازتے ہیں تو شیطان اس کو دو باطل خیالوں میں مبتلا کر دیتا ہے اول یہ کہ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ سب کچھ میری ذاتی صلاحیت اور میری عقل و فہم اور سعی عمل کا لازمی نتیجہ ہے اور میں اس کا بجا طور پر مستحق ہوں، دوسرے یہ کہ ان چیزوں کے حصول سے وہ اس دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ میں اللہ کے نزدیک مقبول ہوں اگر مردود ہوتا تو وہ مجھے یہ نعمتیں کیوں دیتا، اسی طرح جب کسی انسان پر تنگی و تنگدستی اور فقر و فاقہ آ جاتا ہے تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مردود ہونے کی دلیل خیال کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو جاتا ہے کہ میں تو انعام و اکرام کا مستحق تھا اس نے بلا وجہ مجھے حقیر و ذلیل کر دیا، ایسے خیالات کفار و شرکین میں تو ہوتے ہی ہیں اور قرآن عزیز نے ان کے ان خیالات کو متعدد جگہوں میں بیان اور رد بھی فرمایا ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل بہت سے مسلمان بھی اس گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں حق تعالیٰ نے ان آیات میں ایسے انسانوں کا حال بیان فرما کر کھلا سے ان کے ان خیالات فاسدہ کی تردید کی ہے کہ تمہارا یہ خیال بالکل باطل اور بے بنیاد ہے اس دنیا میں وسعت رزق نیک اور مقبول عند اللہ ہونیکی علامت ہے اور نہ تنگدستی مردود و ذلیل ہونے کی دلیل، بلکہ اکثر معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے فرعون کو دعوائے خدائی کی ساتھ کبھی درد سر بھی نہ ہوا، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک مردود و ذلیل تھا اور بعض پیغمبروں کو دشمنوں نے شہید کیا، آری سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا مگر وہ حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول و باعزت تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات مہاجرین میں سے جو مفلس تھے وہ

انبیاء مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے (رواہ مسلم ع عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ)  
 اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے محبت فرماتے ہیں اس  
 کو دنیا سے ایسا بچاتے ہیں جیسا کہ تم اپنے بیمار کو پانی سے پرہیز کراتے ہو (رواہ احمد والترمذی، مظہری) اگر افلاس و فقر کے  
 ساتھ صبر و رضا بھی ہو تو ایسا فقر نعمت ہے، بے عزتی نہیں اور مال داری کیساتھ اگر شکر گزاری نہیں تو وہ وجہ ذلت و باعث  
 مصیبت ہے، فقیر صابر اور غنی شاکر ہی اللہ تعالیٰ کے محبوب و باعث بندے ہیں، اور بے صبر فقیر اور ناشکر غنی اللہ کے نزدیک  
 مردود و ذلیل بندے ہیں۔

### چند سوالات اور ان کے جوابات

(س ۱) فاما میں فتفریعیہ ہے اور لفظ اما مجمل کی تفصیل کے لئے ہوتا ہے تو یہاں کس چیز پر یہ تفریع ہو رہی ہے  
 اور وہ مجمل کہاں ہے جس کی تفصیل لفظ اما سے ہو رہی ہے؟

(ج) ان ربک لباً المرصاد کے مضمون سے اجمالاً یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ اللہ جل شانہ بندوں کے  
 اعمال پر نگاہ رکھتے ہیں اور وہ احوال عباد سے غافل نہیں ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ بندے ہوشیار رہیں، مگر وہ غفلت کا شکار  
 ہو گئے جس کی تفصیل فاما سے ہے اور اسی مضمون سابق سے فاما کے بعد والا مضمون مقرر ہے۔

(س ۲)..... اللہ تعالیٰ نے بندوں کی آزمائش دو طرح پر کی ہے (۱) عزت و دولت اور عیش و راحت دیکر، (۲)  
 فقر و مصیبت اور ذلت و آفت دے کر، اور پہلے حال کے بیان میں اکرم اور اکرمین ہے اس کے مقابلہ میں اہان او  
 راہانن ہونا قرین قیاس تھا مگر اکرمین کے مقابلہ میں بندہ کی زبانی تو اہانن ہے لیکن اکرم کے مقابلہ میں اللہ کی جانب سے  
 اہانن نہیں ہے؟ (ج)..... درحقیقت رزق کی تنگی یا مصائب و آلام اہانت کی علت نہیں بلکہ وہ بسا اوقات راحت و عزت کا  
 پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں تنگدستی و مصیبت کو باعث اہانت سمجھنا غافل بندہ کا شیوہ ہے اگر فقر و مصیبت اہانت کا سبب ہوتے  
 تو انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کو یہ چیزیں ہرگز نہ پہنچتیں حالانکہ ان کو یہ چیزیں پیش آتی رہی ہیں۔

(س ۳)..... قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ کلام اس طرح ہوتا فاما الانسان فیقول ربی اکرم من اذا ما ابتلہ  
 فاکرمہ اسی طرح اس سے اگلا جملہ بھی اسی ترتیب سے ہوتا کیونکہ الانسان مبتدا اور فیقول معہ مقولہ خبر اور اذا معہ مدخول ظرف  
 ہے مگر ترتیب آیت میں بدلی ہوئی ہے؟ (ج)..... درحقیقت لفظ اما سے انسان کی تفصیل مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی آزمائش  
 کے دونوں حالات (دولت و فقر) کی تفصیل مقصود ہے لیکن فقط انسان کو مقدم کر کے اتنا سے متصل اس لئے ذکر کیا کہ وہ آنے  
 والی صائر کا مرجع بن رہا ہے جو ہنوز غیر مذکور ہے اس کے بعد ابتلا جو مقصود تھا لایا گیا ورنہ قیاس ترکیبی کے تقاضے پر اصل کلام  
 اس طرح ہے ان ربک لباً المرصاد والانسان غافل عن ذالک فی کلنا الحالتین فاما اذا ما ابتلہ ربہ  
 فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرم من واما اذا ما ابتلہ فقد رزقہ فیقول ربی اہانن۔ بلکہ یہاں دو چیزوں کی  
 تفصیل مقصود ہے ایک انسان کی غفلت کی دونوں قسم کے حالات میں دوسرے غفلت انسانی کی نوعیت کی تفصیل دونوں  
 حالات میں لفظ انسان اما کے قریب لاکر تفصیل اول کی جانب اشارہ کیا گیا اس کے بعد ابتلاء کا ذکر کر کے نوع ثانی کی تفصیل  
 کی گئی، فافہم ولا تکن من الغافلین۔

(س ۴)..... اللہ تعالیٰ نے بندہ کی اول الذکر حالت کو اکرام سے تعبیر فرمایا اور دوسری حالت کو پہلی حالت کے

مقابلہ پر ذکر کیا جس کا مطلب اگر مہ کے مقابلہ میں اہانہ کے سوا کچھ نہیں کہا ہو سکتا، اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے تو اگر انسان دَیْ اَنْکَرَمَنْ اور دَیْ اَہَانَنْ کہتا ہے تو اللہ کے کلام کے موافق اور واقع کے مطابق کہتا ہے پھر اس کہنے پر انسان کی مذمت و تردید کیوں کی گئی؟ (ج)..... یہ انکار و مذمت جو لفظ اَنْکَرَمَنْ و اَہَانَنْ ہے مفہوم ہے گواہی کے کہنے میں انسان سچا بھی ہے اور اس کی بات واقع کے مطابق بھی ہے مشہور ہے عَزَّة الدنیا بالمال و عَزَّة الاخرۃ بالاعمال، لیکن اس اعتبار سے وہ اس بات کے کہنے میں قابلِ مذمت ہے کہ وہ دنیا کے اکرام و اہانت کی تو فکر رکھتا ہے اور اس اکرام و اہانت کی حکمت اس کے منشاء و مقصود اور اسباب پر غور نہیں کرتا اور اس سے بڑھ کر وہ آخرت کے اکرام و اہانت کی فکر سے بے نیاز ہے گویا وہ دنیوی فکر میں گرفتار و منہمک ہے اور آخرت سے قطعاً غافل، تو اس کے دنیا دار ہونے پر حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی مذمت کی جارہی ہے نہ کہ صرف ان الفاظ کے کہنے پر اور انسان بے شعور بچے کی طرح ہے کہ شکر آلود ہر کو شکر سمجھ کر کھالینے کی طرف راغب ہے اور اس بد مزہ دوا سے منہ موڑتا ہے جو اس کے حق میں نافع و شافی ہے تو یہ جھڑکیاں اس کی اس حماقت کی بنا پر ہیں کہ وہ حقیقت کو نظر انداز کرتا اور ظاہر پر مرتکب تھا ہے اور اپنی خداداد عقل کو کام میں نہیں لاتا۔

(س) عرفا ابتلاء و آزمائش کے معنی فقر و تنگدستی میں ظاہر ہیں، عیش و فراخ دستی میں آزمائش کا کیا مطلب ہے؟ (ج) جس طرح فقر و مصیبت میں اس کے صبر کا امتحان ہے اسی طرح آرام و راحت میں اسکے شکر کی آزمائش منظور ہے، حاصل یہ ہے کہ امتحان کے عرفی معنی یہاں مراد نہیں لغوی معنی مراد ہیں۔

(س) امتحان تو قابلیت و صلاحیت معلوم کرنے کے لئے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ازل ہی سے سب کچھ معلوم ہے تو امتحان و ابتلاء عبث کا ارتکاب ہوا؟ (نعمذ باللہ) (ج) کسی کا امتحان دو وجہ سے ہوتا ہے، خود قابلیت معلوم کرنے کے لئے یا دوسروں کو اس کی قابلیت پر آگاہ کرنے کے لئے جس کا امتحان کیا جا رہا ہے حق تعالیٰ جب کسی بندہ کی آزمائش فرماتے ہیں تو منشاء دوسروں پر اس کی قابلیت ظاہر کرنا ہوتا ہے کلا بل لا تمکرمون الیتیم، یعنی ہرگز ایسا نہیں کہ دولت و فراخ دستی عزت کا سبب اور مصیبت و تنگدستی ذلت کا سبب ہو، بلکہ عزت و ذلت کا مدار اعمال پر ہے، فراخ دستی کیساتھ بد اعمالیاں ذلت کا سبب ہیں، او تنگدستی کے باوجود اچھے اعمال عزت کا باعث ہیں بلکہ اے کافرو! تمہاری یہ بد اعمالیاں اور بری خصلتیں جن کے تم خوگر ہو تمہاری ذلت کا پیش خیمہ ہیں، (۱) تم یتیموں کی عزت و قدر نہیں کرتے، حالانکہ وہ بے سہارا، بے آسرا، مصیبت زدہ اور کم سن ہیں، باپ کا سایہ ان کے سروں سے اٹھ چکا ہے۔ (۲) تم غریب و مسکین کو خود تو کیا کھانا کھلاتے دوسری کو بھی ترغیب نہیں دلاتے حالانکہ محتاج پر رحم کرنا سارے ہی انسانوں کے نزدیک مسلم نیکی ہے۔ (۳) مردوں کا مال خود سمیٹ لیتے ہو، یتیموں، بیواؤں اور کمزوروں کو نہیں دیتے اس مال کے ذریعے خود گل چھڑے اڑاتے اور عیاشی کرتے ہو، (۴) مال سے بیحد محبت رکھتے ہو، جس کی وجہ سے تمہارے اندر ذلت کے اسباب طمع لالچ حرص بخل اور کبر جیسے موزی امراض پیدا ہو گئے ہیں، اسی وجہ سے تم قتل و غارتگری، بے رحمی، حق تلفی جیسی مکینہ خصلتوں میں گرفتار ہو، یہ ہیں اسباب ذلت نہ تنگی و تنگدستی۔

یتیموں کی پرورش کے ساتھ احترام کا حکم

لا تمکرمون میں کفار کی یتیموں کی حق تلفی پر مذمت کی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ یتیموں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام ضروری ہے اور صرف حق کی ادائیگی کافی نہیں ان کا اکرام و احترام بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو مال عطا فرمایا ہے

عقل اور انسانیت کا تقاضا ہے کہ اس کے شکر یہ میں یتیموں اور محتاجوں کی پرورش کی جائے اور ان کو ذلت و حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ اپنے بچوں کے مقابلہ میں یتیموں کو ذلیل و حقیر نہ سمجھیں، یہ بھی ان کے اکرام میں داخل ہے۔ کفار مکہ اکرام تو کیا کرتے وہ ان کا حق واجب بھی نہ دیتے تھے، مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قدامہ بن مظعون یتیم، امیہ بن خلف کی پرورش میں تھا مگر امیہ قدامہ کی حق تلفی کیا کرتا تھا ابو جہل اور دوسرے کفار بھی اس جرم میں مبتلا تھے بلکہ اس کا عام رواج تھا جس کو اسلام نے مٹایا اور یتیموں کے حقیقی کی ادائیگی کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیا، یتیم کی پرورش اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر احادیث میں بڑے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں افسوس ہے کہ دور حاضر میں زمانہ جاہلیت کا یہ رواج مسلمانوں میں عام ہوتا جا رہا ہے بہت سے لوگوں کو اس کا احساس تک نہیں اور بہت سے دیندار قسم کے لوگ خود ساختہ رسوم میں یتیموں کا مال اڑا دیتے ہیں، افسوس صد افسوس۔

کَلَّا اِذَا دَكَّتْ اِلَاحِضُ ..... جس مضمون کو ثابت کرنے کے لئے شروع سورت میں پانچ قسمیں ذکر کی گئی تھیں۔ یہاں سے اسی مضمون جزا و سزا کی طرف عود ہے اول قیامت کے آنے کا ذکر ہے اول بار صور پھونکے جانے کے بعد جب ایک زبردست زلزلہ آریگا تو زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بلندی و پستی ہموار ہو جائیں گی پھر دوسرا جہاں پیدا ہوگا اور مردے زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے تمام اولین آخرین عدالت خداوندی میں حاضر ہوں گے ملائکہ کا نزول ہوگا، حق تعالیٰ تخت پر جلوہ افروز ہوں گے حساب کتاب کے بعد فیصلے ہوں گے اور ہر شخص اپنے اپنے استحقاق کے موافق اپنے اعمال کا پھل جنت یا جہنم میں پالے گا۔

وَجَاءَ رِبْكَ ..... حق تعالیٰ کے آنے کی کیا شان ہوگی، اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ ان آیات متشابہات میں سے ہے جن کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور فرشتوں کا صف بہ صف آنا ظاہر ہے اس میں کوئی اشکال نہیں فرشتوں کے نزول کی تفصیل سورہ الحاقة میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَجَاءَ ..... جہنم کو لائے جانے کا کیا مطلب ہے؟ اس کی حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے ظاہر یہ ہے کہ جہنم جواب ساتویں زمین کے نیچے ہے اس وقت وہ بھڑک اٹھے گی اور سمندر سب آگ ہو جائیں گے اور جہنم میدان حشر میں سامنے آجائیں گی اس کا بیان سورہ تکویر و سورہ تطفیف وغیرہ میں بھی آگیا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ ..... یہاں تذکر سے مراد سمجھ میں آ جانا ہے اور الانسان میں الف لام عہد کا ہے مراد انسان کا کافر ہے یعنی اس دن کافر کی سمجھ میں آجائے گا کہ مجھے دنیا میں کیا کرنا چاہئے تھا اور میں نے کیا کیا، مگر اس وقت یہ سمجھ میں آنا بے سود ہوگا کیونکہ دار العمل اور اصلاح حال و اعمال کا وقت گزر چکا ہوگا، آگے اس تذکر کی تفصیل ہے۔

يَقُولُ يٰلَيْتَنِي ..... کافر تمنا کریگا کاش میں اچھے اعمال آگے بھیجتا تو آج ان مصائب سے جو کفر و شرک اور سرکشی کے نتائج سامنے آرہے ہیں دوچار نہ ہوتا لیکن یہ تمنا عبث ہے، اب تو عذاب اور پکڑ کا وقت ہے اور اللہ کی پکڑ ایسی سخت ہے کہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ لَحْيَاتِي میں لام بمعنی وقت، اور حَيٰوة سے مراد دنیوی زندگی ہے مطلب یہ ہے کہ کاش میں اپنی دنیوی زندگی کے زمانہ میں اعمال صالحہ پہلے ہی کر لیتا، یا لام اجلہ ہے اور حَيٰوة سے مراد اخروی حیات ہے، یعنی اے کاش میں اپنی اس زندگی کے لئے اچھے اعمال بھیج دیتا تو آج مصائب کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

فِيَوْمَئِذٍ ..... عذابہ اور وثاقہ دونوں مفعول مطلق ہیں بیان نوع کے لئے ای کعذابہ اور کو وثاقہ، پھر دونوں



کی ضمیر (ہ) میں بھی دو احتمال ہیں فاعل (اللہ) کی طرف راجع ہوں یا مفعول (الانسان) کی طرف راجع ہوں اول صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جس طرح عذاب دیگا اور جکڑ بندی کرے گا دوسرا کوئی نہ کر سکے گا، کیونکہ الامر یومئذ للہ سارا اختیار اسی کو ہوگا اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ (یادوزخ کا امور فرشتہ) جیسا عذاب انسان کا فرکودے گا اور کسی کو نہ دے گا اور جیسی گرفتاری و جکڑ بندی وہ کافر کی کرے گا کسی اور کی نہ کرے گا۔

پھر یومئذ میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کو لایعذب اور لایوثق کا ظرف زمان مانا جائے تو مذکورہ بالا مطالب اس پر چپاں ہوں گے اور اگر عذابہ اور وفاقہ کا اس کو ظرف قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ازل سے ابد تک کسی نے کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا جیسا کہ اس دن اللہ تعالیٰ کافر کو دے گا اور کبھی کسی نے کسی کو نہ باندھا ہوگا اور نہ باندھے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس دن کافر کو باندھے گا، یہ تمام مطالب مشہور قرأت کی بنا پر ہوئے۔

امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ و امام یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے لایعذب اور لایوثق کو مجہول کا صیغہ قرار دیا ہے اس صورت میں مطلب صاف ہے کہ اس دن کسی کو ایسا عذاب نہ دیا جائیگا جیسا کہ کافر کو دیا جائیگا الخ، پھر ما قبل میں الانسان سے مراد عام کافر ہے یا خصوص کافر، یعنی امیہ بن خلف، تو یہاں ضمیر میں بھی دونوں احتمالات ہوں گے۔ فافہم

### بے مثال عذاب کی وجوہات

(سوال) کافر کو عذاب اور اس کی بندش کے بے مثال ہونی کی وجہ کیا ہے؟ (جواب) کفر و شرک بغاوت ہے، اور بغاوت سب جرائم سے بڑا جرم ہے اس لئے اس کا عذاب اور بھی سخت ترین اور بے مثال ہوگا (۲) وہ عذاب جسمانی بھی ہوگا اور روحانی بھی۔ (۳) دنیا میں ایسا عذاب ممکن نہیں اور آخرت میں اہل ایمان کو بھی اتنا سخت عذاب نہ ہوگا (۴) دنیا کے عذاب کی انتہاء ہے، آخر کار موت تو چھٹکارا دلا ہی دے گی، اور وہاں کا عذاب ابدی ہے موت بھی نہ آئیگی، اسی طرح بعض اہل ایمان کو جو سزا ہوگی وہ بھی عارضی ہوگی ابدی نہ ہوگی۔

یائنها النفس المطمئنة!..... یہاں یقال محذوف ہے اور یہ جملہ متانفہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کافر کا انجام اور اس کی آخری حالت کا تو علم ہو گیا مگر مومن کو آخرت میں کیا حالات پیش آئیں گے اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ تو یہاں سے اس سوال کا جواب ہے، کہ مومن کے حالات ایسے ہوں گے، آیات کا مطلب یہ ہے کہ اس خوف و ہراس کے عالم میں فرشتے مومن کو تسلی دیں گے اور اس سے کہا جائیگا اے نفس مطمئنہ خوشی خوشی اپنے رب کی عدالت و بارگاہ میں ایسی حالت میں پیش ہو جا کہ وہ تجھ سے راضی ہے، اور تو اس سے خوش ہے جب وہ بندہ مومن بارگاہ حق میں پہنچے گا تو پروردگار عالم بصد اکرام و عنایت ارشاد فرمائیگا، جا میرے خاص معزز مقرب بندوں میں شامل ہو جا، اور میری سدا بہار جنت کے عالیشان محلات کو اپنا وطن بنا لے۔

فائدہ..... نفس مطمئنتہ وہ نفس ہے جس کو اللہ کی عبادت و ذکر میں ایسا لطف و سکون حاصل ہوتا ہے جیسا کہ مچھلی کو پانی میں حاصل ہوتا ہے اور نفس کی یہ کیفیت اہل معرفت ہی کو حاصل ہوتی ہے نفس کے اقسام (امارہ، لوامہ، مطمئنتہ) کی تفصیلات ہم ”سورہ قیامت“ کے شروع میں لکھ آئے ہیں وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

مؤمن کی روح اپنے وطن اصلی کی جانب واپس ہوتی ہے:

از جمعی السی ربک از جمعی کے لفظ سے معلوم ہوا کہ اس کا پہلا مقام بھی رب کے پاس تھا اب پھر وہیں واپس جانے کا حکم ہو رہا ہے اس سے اس روایت کی تقویت ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ مؤمنوں کی روحوں کو اپنے اعمال ناموں کے ساتھ علیین میں رہیں گی اور علیین ساتویں آسمان پر عرش کے سایہ میں کوئی مقام ہے، تمام روحوں کا اصلی مستقر وہی ہے وہیں سے روح لا کر انسان کے جسم میں ڈالی جاتی ہے پھر موت کے بعد مؤمنین کی روحوں وہیں واپس ہو جاتی ہیں۔

مقام رضائے حق:

صاحب نفس مطمئنہ اللہ جل شانہ سے اس کے تکوینی و شرعی احکام پر راضی رہتا ہے جس سے اس کو رضائے حق نصیب ہوتی ہے کیونکہ بندہ کا اللہ تعالیٰ کے تقدیری احکام پر راضی ہونا ہی حق تعالیٰ کی رضا کی علامت اور دلیل ہے اگر حق تعالیٰ اس سے راضی نہ ہوتا تو اس کو رضا بالقضا کی توفیق ہی نہ ہوتی، یہ نفس اپنی موت کے وقت اپنی موت پر بھی راضی ہوتا ہے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ احب لقاء الله احب لقاء الله ومن كره لقاء الله كره لقاءه (جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند فرماتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں) یہ حدیث سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ سے ملاقات تو موت ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے اور موت کسی کو بھی پسند نہیں، ارشاد فرمایا یہ بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ موت کے وقت مؤمن کو فرشتوں کے ذریعہ اللہ کی رضا و خوشنودی، جنت اور اس کے انعامات کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو مؤمن کو موت محبوب ہو جاتی ہے اور کافر کو موت کے وقت عذاب و سزا اور اللہ کی ناراضگی کی خبر دیجاتی ہے تو اس کے دل میں موت کی سب سے زیادہ نفرت و کراہیت پیدا ہو جاتی ہے (راوہ البخاری و مسلم، مظہری)

خلاصہ یہ ہے کہ موت کی محبت و کراہت اس وقت کی معتبر نہیں بلکہ نزع روح کے وقت جو مرنے اور اللہ سے ملنے پر راضی ہے اللہ بھی اس سے راضی ہے، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب نفس مطمئنہ کو قبض کرنا چاہتے ہیں تو نفس کو اس سے سکون میسر آتا ہے اور وہ اس سے راضی ہوتا ہے اور اللہ اس سے راضی ہوتا ہے اس سلسلہ میں احادیث بھی بکثرت وارد ہیں جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

نیکوں کی صحبت جلتی ہو نیکی علامت ہے:

نفس مطمئنہ سے (موت کے وقت یا قبر سے اٹھتے وقت یا حشر میں) یہ کہا جائیگا کہ میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا، فدا دخلی فی عبادی و ادخلی جنتی اس میں پہلے مخلص بندوں میں شمول کا حکم ہے پھر جنت میں داخلہ کا۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ جنت میں داخلہ مخلص بندوں کی جماعت میں شامل ہونے پر موقوف ہے معلوم ہوا کہ جو لوگ دنیا میں صالحین کی صحبت و معیت اختیار کرتے ہیں یہ ان کے جنتی ہونے کی علامت ہے اسلئے علوم سے فراغت کے بعد خصوصاً کسی تتبع سنت شیخ سے بیعت کر کے اس کی معیت و صحبت میں رہنا ہمارے اکابر کا معمول رہا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ہے: و ادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین اور حضرت یوسف علیہ السلام کی

دعا ہے: **والحقنی بالصلحین**، معلوم ہوا کہ صالحین کی معیت و صحبت ایسی نعمت کبریٰ ہے کہ انبیاء علیہ السلام نے بھی اپنی دعاؤں میں اسکا اہتمام فرمایا ہے۔

فائدہ..... **وادخلنی جنتی**، اس میں جنت کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف سے منسوب کر کے میری جنت فرمایا جو بڑا اعزاز و اکرام ہے اور اس میں اشارہ ہے پایا جاتا ہے کہ جنت میں صرف یہی نہیں کہ ہر طرح کی دائمی راحتیں جمع ہیں بلکہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے۔  
یہ خطاب کب ہوگا؟

مومنوں کی ارواح کو **یائتھا النفس المطمئنة** کہہ کر خطاب کب ہوگا؟ بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ قیامت میں حساب کتاب کے بعد یہ خطاب ہوگا اور اوپر کی آیات سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان میں کفار کے عذاب کا بیان ہوا ہے جو آخرت میں ہوگا، اور مومنوں کے اجر و ثواب کو ان کے مقابلہ میں ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ خطاب بھی اسی وقت ہوگا اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب موت کے وقت دنیا ہی میں ہوتا ہے بہت سی صحیح احادیث اس پر شاہد ہیں۔

اس لئے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ دونوں وقتوں میں مومنوں کی روحوں کو یہ خطاب ہوگا، موت کے وقت بھی پھر قیامت میں بھی، شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل وقت اس نداء و بشارت کا فزع اکبر کا وقت ہے لیکن موت کے وقت بھی اس کا نمونہ ظاہر ہوتا ہے وہ احادیث جن سے اس خطاب کا موت کے وقت ہونا معلوم ہوتا ہے ایک تو عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی وہی حدیث ہے جو اوپر گزر چکی ہے اور ایک طویل حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسند احمد، نسائی، اور ابن ماجہ میں ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا (جنتی کفن) سامنے کر کے اس کی روح کو خطاب کرتے ہیں: **اخرجی راضیة مرضیة الی روح اللہ وریحانہ** یعنی اس بدن سے ایسی حالت میں نکل کہ تو اللہ سے راضی ہے اور اللہ تجھ سے راضی ہے اور یہ نکلنا اللہ تعالیٰ کی رحمت و جنت کی دائمی راحتوں کی طرف ہوگا۔ (الحدیث)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے ایک دن یہ آیت **یائتھا النفس المطمئنة** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو مجلس میں موجود تھے کہنے لگے یا رسول اللہ یہ کتنا اچھا خطاب اور اکرام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لیجئے فرشتہ موت کے بعد آپ کو یہ خطاب کریگا (ابن کثیر) **چند عجیب واقعات**

(۱) حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا طائف میں انتقال ہوا جنازہ تیار ہونے کے بعد ایک ایسا عجیب و غریب پرندہ (کہ اس جیسا کبھی نہ دیکھا گیا تھا) آیا اور نعش میں داخل ہو گیا پھر کسی نے اس کو نکلنے ہوئے نہیں دیکھا جس وقت نعش قبر میں رکھی گئی تو قبر کے کنارہ سے ایک غیبی آواز نے یہ آیت **یائتھا النفس المطمئنة** پڑھی سب نے تلاش کیا کون پڑھ رہا ہے؟ لیکن کسی کو معلوم نہ ہو سکا (ابن کثیر)

(۲) امام طبرانی نے کتاب العجایب میں اپنی سند سے قتادہ بن رزین بن ابی ہاشم سے ان کا اپنا واقعہ نقل کیا ہے وہ

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمیں بلادِ روم میں قید کر کے وہاں کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اس کا فر بادشاہ نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اسکا دین اختیار کریں اور جو اس سے انکار کرے اس کی گردن مار دی جائیگی، ہم چند آدمی تھے ان میں سے تین آدمی تو جان کے خوف سے مرتد ہو گئے اور بادشاہ کا دین اختیار کر لیا، چوتھا آدمی پیش ہوا تو اس نے اس بادشاہ کا دین (کفر) اختیار کرنے سے انکار کر دیا لہذا اس کا سر کاٹ کر ایک قرمبی نہر میں ڈال دیا گیا اس وقت تو وہ سر پانی کی تہ میں چلا گیا اس کے بعد پانی کی سطح پر ابھر آیا اور ان لوگوں کی طرف دیکھ کر اور ان کا نام لے لے کر آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا یتہا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة ، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اس کے بعد پھر پانی میں غوطہ لگا دیا۔

یہ عجیب واقعہ سب حاضرین نے دیکھا اور سنا اور وہاں کے نصاریٰ یہ دیکھ سن کر تقریباً سب ہی مسلمان ہو گئے اور بادشاہ کا تخت ہل گیا وہ تین آدمی بھی جو مرتد ہو گئے تھے پھر مسلمان ہو گئے خلیفہ ابو جعفر منصور نے ہم سب کو اس کی قید سے رہا کرایا۔ (معارف بحوالہ ابن کثیر (ف) ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت یا یتہا النفس الخ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوا تھا، (مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے سب حضرات آیت کے مفہوم میں داخل ہیں) واللہ اعلم۔ بعض صوفیہ نے اس آیت مذکورہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اے وہ نفس جو دنیا پر مطمئن ہو بیٹھا ہے دنیا چھوڑ کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو اور میرے خاص بندوں میں شامل ہو کر میری جنت میں آ جا (مظہری)

تم تفسیر سورۃ الفجر فالحمد للہ رب الشفع والوتر والصلوة والسلام علی من قال اناسید ولد ادم ولا فخر وعلی الہ وصحبہ مادام البحر والبر

## سورۃ البلد

سورۃ البلد مکہ کی وہی عشرون آیہ

(رکوع: ۱، آیات: ۲۰) سورۃ بلد مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں بیس آیات ہیں۔ (کلمات: ۸، حروف: ۳۲۰)

## رابط و مناسبت

اس سورت کا سورۃ فجر سے رابطہ یہ ہے کہ سورۃ فجر میں اکرام یتیم و اطعام مساکین کی ترغیب اور نہ کرینوالوں کی مذمت تھی اس صورت میں بھی یہی مضمون ایک دوسرے انداز سے ہے، سورۃ فجر میں محبت مال کی مذمت تھی اس سورت میں بھی یہی مضمون ہے، سورۃ فجر میں عاد، ثمود اور فرعون جیسے سرکشوں کی ہلاکت کے واقعات بیان ہوئے ہیں تو اس سورت میں بھی کفار کو دھمکی دی گئی ہے۔

## نزول و شان نزول

یہ سورت بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی، حضرت ابن عباس و حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس سورت کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک شخص کلہ بن اسید نامی پہلوان تھا، ابولاشد اس کی کنیت تھی، یہ شخص بڑا قوی ہیکل و زور آور تھا، اس کی قوت کا یہ عالم تھا کہ یہ گائے کا عکاظی چمڑہ یا اونٹ کا چمڑہ اپنے پیر کے نیچے دبا لیتا اور لوگوں سے کہتا کہ اس کو کھینچو! لوگ کھینچتے تو وہ چمڑہ پھٹ کر ٹکڑے ہو جاتا مگر اس کے پیر کے نیچے سے نہ نکلتا، جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور اخروی عذابوں سے ڈرایا تو وہ کافر ایمان نہ لایا اور سخت کلامی پر اتر آیا کہا کہ آپ مجھ کو دوزخ کے ان فرشتوں سے ڈراتے ہیں جن کی تعداد بس انیس ہے، میں تو ان کو بانئیں ہاتھ سے دھکیل دوں گا، ایسا کون ہے جو میرا مقابلہ کر سکے؟ آپ مجھ کو ایک باغ (جنت) کا لالچ دیتے ہیں، میں نے شادیوں میں اور دعوتوں میں اتنا کثیر مال خرچ کر دیا ہے کہ اگر آپ حساب لگائیں تو وہ آپ کے اس باغ، سرو سامان، نہروں اور درختوں سے بہت زائد ہے، اسکی ان گستاخانہ باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

## مضمون سورت

اس سورت کا مضمون یہ ہے کہ آدمی کو اپنی قوت و زور اور زرو مال پر نازاں اور اپنے جاہ و مرتبہ پر مغرور نہ ہونا چاہئے، بلکہ اپنی ابتداء (ولادت) اور انتہا (موت) پر نظر رکھنی چاہئے اپنی اس زندگی کی نختیوں کو بھی انظر انداز نہ کرنا چاہئے، کہ بغیر امداد الہی ان سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں اور مال اگر اخروی مصائب سے چھٹکارا دلوادے تو واقعی وہ مفید چیز ہے، ورنہ تو اس کی چمک دمک ایک دھوکہ ہے، اس لئے اپنے مال کو اچھے مصارف میں صرف کر کے مؤمنین کا یلین کے زمرے میں داخل ہو جانا اور اپنے انجام کو درست کر لینا چاہئے۔

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو ہے ہر رحم والا ہر مہربان ہے

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ (۱) وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ (۲) وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ (۳) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ

لَا أُقْسِمُ	بِهَذَا الْبَلَدِ	وَأَنْتَ	حِلٌّ	بِهَذَا الْبَلَدِ	وَوَالِدٍ	وَمَا	وَلَدَ	لَقَدْ خَلَقْنَا	الْإِنْسَانَ
قسم کھاتا ہوں میں	اس شہر	اور آپ	داخل ہونے والے	میں اس شہر	اور جنم والے	اور جس کو جنم	تعمین پیدا کیا ہم	انسان	

فِي كَبَدٍ (۴) أَيْحَسِبُ أَنْ لَنْ يُفْعِدَ عَلَيْهِ أَحَدٌ (۵) يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُبَدًا (۶) أَيْحَسِبُ أَنْ

فِي كَبَدٍ	أَيْحَسِبُ	أَنْ لَنْ	يُفْعِدَ	عَلَيْهِ	أَحَدٌ	يَقُولُ	أَهْلَكْتُ	مَالًا	لُبَدًا	أَيْحَسِبُ	أَنْ
میں محنت	کیا گمان کرتا ہے	یہ کہ	ہرگز نہ	قادر ہوگا	اور اس کوئی	کہتا ہے	خرچ کیا میں	مال	بے برد	کیا گمان کرتا ہے	یہ کہ

لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ (۷) أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ (۸) وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ (۹) وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (۱۰)

لَمْ يَرَهُ	أَحَدٌ	أَلَمْ	نَجْعَلْ	لَهُ	عَيْنَيْنِ	وَلِسَانًا	وَشَفَتَيْنِ	وَهَدَيْنَاهُ	النَّجْدَيْنِ
نہیں دیکھا اس	کسی	کیا نہیں	کے	ہم نے	دو آنکھیں	اور زبان	اور دو ہونٹ	اور راہ دکھائی ہم اس	دو راہیں

فَلَا تَفْتَحْ عَاقِبَةَ (۱۱) وَمَا أَذْرَكَ مَا الْعَقَبَةُ (۱۲) فَكُّ رَقَبَةٍ (۱۳) أَوْ إِطْعَمَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ (۱۴)

فَلَا تَفْتَحْ	عَاقِبَةَ	وَمَا أَذْرَكَ	مَا الْعَقَبَةُ	فَكُّ رَقَبَةٍ	أَوْ إِطْعَمَ	فِي يَوْمٍ	ذِي مَسْغَبَةٍ
پس نہیں	داخل ہوا	گھائی	گھائی	گھائی	یا	کھانا کھانا	میں دن والا بھوک

يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (۱۵) أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ (۱۶) ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

يَتِيمًا	ذَا مَقْرَبَةٍ	أَوْ	مِسْكِينًا	ذَا مَتْرَبَةٍ	ثُمَّ	كَانَ	مِنَ الَّذِينَ	آمَنُوا	وَتَوَاصَوْا	بِالصَّبْرِ
یتیم	قرابت دار	یا	مسکین	خاک افادہ	پھر	ہوا	میں سے	جو ایمان لائے	اور ہا ہم نصیحت کی	صبر کی

وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (۱۷) أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ (۱۸) وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ

وَتَوَاصَوْا	بِالْمَرْحَمَةِ	أُولَئِكَ	أَصْحَابُ	الْمَيْمَنَةِ	وَالَّذِينَ	كَفَرُوا	بِآيَاتِنَا	هُمْ
اور ہا ہم نصیحت کی	رحم کھانے کی	یہی وہ لوگ	صاحب	بیمین (خوش نصیب)	اور جن لوگوں	کفر کیا	ہماری آیات	وہ

أَصْحَبُ الْمَشْئِمَةِ (۱۹) عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ (۲۰)

وہ بد بخت ہیں، ان پر آگ بند کر دی جائیگی۔

أَصْحَبُ الْمَشْئِمَةِ	عَلَيْهِمْ	نَارٌ	مُؤَصَّدَةٌ
نحوست والے، بد بخت	ان پر	آگ	موندی (بند) کی ہوئی

لغات:

الْبَلَدُ شہر جمع بلاد، بَلَدٌ بَلُوذًا (ن) اقامت کرنا، شہر بنانا، بَلَدٌ بِلَادَةٌ (ک) سست ہونا، کندہ بن ہونا (س) کشادہ ابرو ہونا۔ جَلَّ مصدر (ض) حلال ہونا، الْحِلُّ مکہ معظمہ کے ارد گرد محترم کے علاوہ جگہ، کسی جگہ میں اترنے والا، كَبِدٌ دشواری، سختی، مشقت كَبِدٌ كَبِدٌ جگر (ن ض) جگر پر مارنا كَبِدٌ كَبِدًا (س) جگر میں درد ہونا، لَبَدًا مَرَّطِي سورة الجن، لِسَانًا زَبَانٌ جمع لِسَانَاتٍ، أَلْسِنَةً أَلْسُنٌ (س) زبان آور ہونا، فَصَحَّ ہونا، شَفَتَيْنِ دھوئٹ شَفَاةٌ کاشنیہ، بعض کے نزدیک اس کا لام کلمہ ہا ہے، کہ اصل شَفْهَةٌ تھا، ہائے اصل یہ حذف کی گئی اور ہائے تانیث باقی رکھی گئی اور بعض کے نزدیک اس کی اصل شَفْوَةٌ تھی واو کو حذف کر کے اس کا فتح ماقبل فاء کو دیدیا گیا، ج شَفَاةٌ وَشَفَوَاتٌ ہے، النَّجْدَيْنِ النَّجْدُ کی تثنیہ ہے، دور وشن راستے یعنی نیکی اور بدی کے راستے، ج اَنْجَدَ، اَنْجَادٌ، نَجَادٌ، نُجُودٌ، نُجْدٌ (ن) جاری ہونا، راستہ کا روشن ہونا، غلبہ پانا (س) تھک جانا، تھک کر پسینہ آ جانا (ک) دلیر ہونا، اَفْتَحَمَ الفتحال سے داخل ہونا، گھس پڑنا، جھونک دینا، فَحَمَ فَحْوَمًا (ن) بے سوچے سمجھے کسی معاملہ میں گھس پڑنا، قریب ہونا (ف) طے کرنا، الْعَقَبَةُ گھائی، پہاڑ میں چڑھائی کا دشوار گزار راستہ، ج عُقْبٌ اور عِقَابٌ، عَقَبَ عَقْبًا (ن ض) ایڑی مانا، پیچھے آنا، جانشین ہونا، فَكَّ (ن) چھڑانا، جدا جدا کرنا، گرہ کھولنا وغیرہ، رَقَبَةٌ گردن ج رِقَابٌ، رَقَبَاتٌ، رُقْبٌ، اَرْقُبُ (ن) نگہبانی کرنا، انتظار کرنا، مَسْغَبَةٌ اسم مصدر، بھوک سَغَبٌ سَغَبًا وَسُغُوبًا وَسَغَابَةً وَمَسْغَبَةً (س ن) بھوکا ہونا، مَتْرَبَةٌ اسم سخت ناداری، ایسی مفلس جو زمین سے چٹا دے، تُرَابٌ خاک (س) محتاج ہونا، خاک آلود ہونا، تَوَاصَوْا تفاعل سے صیغہ جمع مذکر غائب مضارع، ایک دوسرے کو وصیت اور نصیحت کرنا، وَصَّى وَصِيًّا (ض) ملنا، مرتبہ کے بعد خیس ہونا، الْمَيْمَنَةُ سیدھا ہاتھ، دائیں سمت، أَصْحَبُ الْمَيْمَنَةِ، دائیں سمت یا ہاتھ والے، اہل سعادت، مَشْئِمَةٌ اس کی ضد ہے، مُؤَصَّدَةٌ افعال سے اسم مفعول اِنْصَادٌ بند کرنا، وَصَدَ وَصْدًا (ن) ثابت ہونا، اقامت کرنا، پائیدار ہونا، بٹنا، وَصِيدٌ، وَصِيدَةٌ چوکت، جھن، باڑہ۔

ترکیب:

أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ کی ترکیب: اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِيَمَةِ کی طرح ہے۔ وَحَالِیہ۔ اَنْتَ مَبْتَدَا جَلِّ اپنے متعلق بِهَذَا الْبَلَدِ سے ملکر خبر، جملہ اسمیہ خبریہ، هَذَا الْبَلَدِ سے حال ہے (وإنما قید القسم بحلوله عليه السلام للاظهار بمزيد فضلها وللشعار بان شرف المكان بشرف اهله) بعض کا قول ہے کہ یہ جملہ قسم اور مقسم علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے، اس صورت میں واو اعتراضیہ ہوگی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و وعدہ فتح، وَأَنْتَ جَلَّ کا مفہوم ہوگا۔ والتفصیل فی التفسیر۔ واو عاطفہ علی الاصح والید میں توین بعوض مضاف الیہ معطوف قسم پر۔ و

عاطفہ ماموصولہ یا موصوفہ وَلَدَ فعل ضمیر فاعل جملہ فعلیہ صلہ یا صفت والعائد مفعول محذوف اس کا عطف بھی مثل سابق ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق علی الترتیب بل کر جملہ فعلیہ جواب قسم، اہمزہ توتخ وزجر کے لئے یَحْسَبُ فعل فاعل ضمیر فاعل، اَنْ خَفِيفَةً مِنَ الْأَمْثَلَةِ اسم محذوف ای اِنَّہُ لَنْ یَقْدِرَ عَلَیْہِ اَحَدٌ فعل متعلق اور فاعل علی الترتیب جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مجرور۔ اَنْ اپنے اسم و خبر سے مل کر بتاویل مفرد یَحْسَبُ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہوا۔ جملہ فعلیہ، یہاں پر وقف لازم ہے، آگے سے اس کا تعلق نہیں۔ یَقُولُ فعل ضمیر فاعل اَهْلَكَتُ فعل با فاعل مَا لَا بُدَّ اِیَّاهُ موصوف صفت مل کر مفعول بہ، جملہ فعلیہ مقولہ مفعول بہ۔ یَقُولُ اپنے فاعل و مفعول بہ سے مل کر جملیہ فعلیہ ہوا۔ اِیَّ حَسْبُ الخ کی ترکیب اِیَّ حَسْبُ الخ سابق کے مثل ہے۔ اہمزہ استفہام انکاری کے لئے، لَمْ نَجْعَلْ فعل با فاعل لَمْ متعلق عِیْنِیْنِ اپنے دونوں معطوفات وَلِسَانًا وَشَفَتَیْنِ، سے مل کر مفعول بہ جملہ فعلیہ، معطوف علیہ۔ وَهَدِیْنِہُ التَّجْدِیْنِ فعل با فاعل اور مفعولین علی الترتیب جملہ فعلیہ معطوف۔ فَ تَفْرِیْعِیْہِ لَا نَافِیْہِ اَفْتَحَمَ فعل ضمیر غائب فاعل۔ الْعَقَبَةُ مفعول فیہ جملہ فعلیہ۔ اعلم ان لا النافیة لا تستعمل فی الماضی الا مکررة وإنما لم تکرر فی هذا الکلام الا فصح لأنه لمافسر الاقتحام بثلاثة أشياء صار كأنه أعيد "لا" ثلاث مرات تقدیره فلا فک رقبة ولا اطعم مسکینا الخ وَمَا أَذْرَاکَ الخ مر مثله، فَکَ رَقَبَةً مرکب اضافی معطوف علیہ اَوْ عاطفہ اطعم مصدر یَوْمِ اپنی صفت ذی مَسْغَبَةٍ (مرکب اضافی) سے مل کر مجرور فی متعلق مصدر یتیمنا موصوف ذَا مَقْرَبَةٍ مرکب اضافی صفت۔ پھر مرکب توصیفی معطوف علیہ۔ اَوْ مَسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ اسی طرح معطوف۔ معطوفین مل کر اطعام کا مفعول بہ، اور وہ اپنے متعلق و مفعول بہ سے مل کر معطوف۔ معطوفین مبتداء محذوف هُوَ کی خبر، جملہ اسمیہ ای اقتحام العقبة هو فک رقبة الخ ثُمَّ عاطفہ کَانَ تامہ ضمیر غائب فاعل مِنَ الذِّیْنِ اٰمَنُوْا الخ متعلق جملہ فعلیہ۔ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور اس سے اگلے جملہ کا عطف اٰمَنُوْا پر ہے۔ اُولَئِکَ مَبْتَدَا اصْحَابِ الْمِیْمَنَةِ مرکب اضافی خبر جملہ اسمیہ۔ وَالذِّیْنِ کَفَرُوْا موصول وصلیل کر مَبْتَدَا هُمْ اصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ خبر علیہم متعلق محذوف خبر مقدم نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ مرکب توصیفی مبتداء مؤخر۔

تفسیر:

لَا اَقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی) حرف لا اس جگہ زائد ہے، اور قسموں میں یہ حرف زائد لانا عرب کے محاورہ میں مشہور ہے اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حرف لا مخاطب کے خیال باطل کی تردید کے لئے قسم کے شروع میں لایا جاتا ہے، جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ "جو تم نے خیال باندھ رکھا ہے وہ صحیح نہیں بلکہ میں قسم کے ساتھ کہتا ہوں کہ حقیقت وہ ہے جو میں بیان کرتا ہوں" اور الْبَلَد سے مراد مکہ مکرمہ ہے، "سورۃ الْیٰسِیْن" میں بھی اسی شہر مکہ کی قسم کھائی گئی۔ اور اس میں صفت "الْاٰمِیْن" کا اضافہ ہے وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاٰمِیْنِ۔ شہر مکہ کی قسم کیوں کھائی گئی:

شہر مکہ کی قسم کھا کر اس کی افضلیت اور عظمت و شرافت کو ظاہر کرنا ہے، مکہ معظمہ کو دنیا کے شہروں کے مقابلہ میں فضیلت و عظمت بہت سی وجوہ سے حاصل ہے، (۱) وہاں پر بیت اللہ ہے (۲) وہ مقام امن ہے وَمَنْ دَخَلَهُ کَانَ اٰمِناً (۳) وہ مرجع خلق ہے، ہر سال دنیا بھر سے لاکھوں انسان حج و عمرہ کے لئے وہاں جاتے ہیں (۴) وہ حج و عمرہ کا مقام ہے،



(۵) دنیا کی سب سے پہلی بنا (کعبہ) وہیں ہے، اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ (۶) وہ شہر قبلہ عالم ہے (۷) وہاں مقام ابراہیم ہے (۸) زمزم ہے (۹) وہاں جنت کا پتھر (حجر اسود) ہے (۱۰) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سراپا سعادت وہیں ہوئی (۱۱) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت وہیں ہوئی (۱۲) قرآن مقدس کا نزول وہیں شروع ہوا (۱۳) اللہ کے نزدیک تمام روئے زمین میں سب سے زیادہ محبوب و برتر مکہ مکرمہ ہے حضرت عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت مکہ معظمہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم تو ساری زمین سے اللہ کے نزدیک بہتر اور محبوب تر ہے، اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا جاتا تو میں تیری زمین سے نہ نکلتا۔ (مظہری بحوالہ ترمذی وابن ماجہ) (۱۴) علاوہ ازیں شہر مکہ تمام روئے زمین کی اصل ہے ہمیں سے پوری زمین پھیلانی گئی تھی۔

**حَلَّ کے معنی:**

لفظ **حَلَّ** میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ بمعنی حلول ہو، جس کے معنی باب نصر سے کسی فہی کے اندر رہنے، سمانے اور اترنے کے آتے ہیں، اس اعتبار سے حل کے معنی اترنے والے اور رہنے والے کے ہوں گے، اور مطلب آیت شریفہ کا یہ ہوگا کہ شہر مکہ خود بھی محترم و مقدس ہے، خصوصاً جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس شہر میں تشریف فرما ہیں تو مکین کی عظمت سے بھی مکان کی فضیلت بڑھ جاتی ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہونے سے اس شہر کی عظمت و حرمت میں چار چاند لگ گئے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ حل بمعنی حلت ہو، باب ضرب سے، اس کے معنی حلال ہونے کے آتے ہیں، اس اعتبار سے لفظ حل کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آپ کو کفار مکہ نے حلال سمجھ رکھا ہے، کہ وہ آپ کے قتل کے درپے ہیں، حالانکہ وہ لوگ خود شہر مکہ میں کسی شکار کو بھی حلال نہیں سمجھتے، چہ جائیکہ کسی انسان کے قتل کو حلال سمجھتے ہوں، مگر ان کا ظلم اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ جس مقدس مقام پر کسی جانور کا قتل بھی جائز نہیں، اور خود ان کا عقیدہ بھی یہی ہے، وہاں انہوں نے اللہ کے محبوب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل و خون کو حلال سمجھ لیا ہے، دوسرے معنی (حَلَّ کے) یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے حرم مکہ میں قتل مستقبل قریب میں حلال ہونے والا ہے، چنانچہ فتح مکہ میں ایک ساعت کے لئے آپ سے احکام حرم اٹھائے گئے تھے، اور کفار کا قتل آپ کے لئے حلال کر دیا گیا تھا، آیت کے الفاظ میں تینوں معنی کی گنجائش ہے، صاحب مظہری نے تینوں احتمالات ذکر کئے ہیں، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تیسرے معنی کو اختیار کیا ہے، اور یہی معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، ابی صالح، عطیہ، ضحاک، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ سے منقول ہیں۔

یہ قسم کفار کے مطالبہ کا جواب بھی ہے:

بچھلی قوموں کی ہلاکت کے واقعات سن کر کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو ہم پر بھی عادی و عادی عذاب نازل کر دیجئے، اور ان کی بستیوں کی طرح مکہ کو بھی برباد کر دیجئے، **حَلَّ** کی پہلی توجیہ پر جواب یہ کہ مکہ کو ایسی خصوصیات مثلاً وہاں کعبہ ہونا، اول معبد ہونا وغیرہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے حاصل ہیں کہ ہم اس کو غارت نہ کریں گے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف رکھتے ہیں وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ دوسری توجیہ پر جواب اس طرح ہے کہ یہ امن کا شہر ہے، محرم و محترم ہے، اس کو یہ بھی

تسلیم کرتے ہیں، پھر ہم نے اس کو محترم و مامون بنایا ہے، تو ہم خود ہی اس کو کیسے تباہ کریں؟ لیکن اہل مکہ اس کا دھیان نہیں رکھتے، اپنے عقیدہ کو پامال کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم ڈھاتے ہیں، اور مَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا کے اصول سے بغاوت کرتے ہیں، تیسری توجیہ پر مطلب یہ ہوگا کہ ذرا صبر کیجئے عنقریب ہم آپ کے لئے مکہ کو حلال کئے دیتے ہیں، اور ان ظالموں کی گردنیں مارنے کا حکم دئے دیتے ہیں، گویا ان کے مطالبہ کی منظوری ہو چکی ہے، چنانچہ فتح مکہ کے دن اس حکم کو نافذ کر دیا گیا۔

وَالِدٌ وَمَا وَلَدٌ وَالِدٌ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جو سب انسانوں کے باپ ہیں۔ اور مَا وَلَدٌ سے ان کی اولاد مراد ہے، جو ابتدائے دنیا سے قیامت تک ہوگی۔ اس طرح اس لفظ میں حضرت آدم اور تمام بنی آدم کی قسم ہوگئی۔ بعض نے والد و ولد سے عام معنی مراد لئے ہیں، کوئی بھی اولاد دہو اور کوئی بھی ولد ہو، اور والد سے بھی مراد ذو ولد ہے جو ماں اور باپ دونوں کو شامل ہے، ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ولد سے ان کی نسل کے پیغمبر مراد ہیں، خصوصاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کیونکہ ماہرے تکثیر تعظیم پر دل ہے، اور بمعنی من ہے، جیسے واللہ اعلم بما وضعت میں معنی من ہے، اور سب سے معظم اولاد ابراہیم علیہ السلام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات گرامی ہے۔ واللہ اعلم

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ (پیشک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے) مطلب یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ پوری عمر محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، کہ ابتدائے حمل سے رحم مادر میں محسوس رہا، پھر ولادت کے وقت کی محنت و مشقت برداشت کی، پھر ماں کا دودھ پینے کے زمانہ کی اور دودھ چھوٹ جانے کے بعد کی محنت، پھر اپنے معاش اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کی مشقت، پھر بڑھاپے کی تکالیف پھر موت کی پھر قبر کی پھر حشر کی مصیبتیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال کی جوابدہی پھر جزا و سزا۔ یہ سب دور انسان پر محنتوں ہی کے آتے ہیں، اور مشقت کے حالات گو انسان کے ساتھ مخصوص نہیں، حیوانات بھی ان میں شریک ہیں، مگر انسان کی محنت و مشقت کو خاص طور پر اس لئے بیان فرمایا گیا کہ اول تو وہ سب جانوروں سے زائد شعور و ادراک رکھتا ہے، اور محنت کی تکلیف اور اس کا احساس بھی بقدر شعور ہوتا ہے، دوسرے سب سے بڑی اور آخری محنت و مشقت محشر میں حساب کتاب اور سزا کی صرف اسی کو ہوگی، دوسرے جانور اس میں اس کے شریک نہیں ہیں، زائد سے زائد حیوانات کو زندہ کر کے آپس میں ان کے ایک دوسرے کے بدلے ہو جائیں گے، اور ان سب کو مٹی بنا دیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ کوئی مخلوق اتنی مشقتیں نہیں جھیلی جتنی انسان برداشت کرتا ہے، حالانکہ جسم و جسد میں وہ اکثر حیوانات سے کمزور ہے، ظاہر یہ ہے کہ انسان دماغی قوت اور عقل و ادراک میں سب سے بڑھ کر ہے، اسی لئے اس کو سخت دشواریوں میں مبتلا کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

قسمیں اور ان کے جواب میں مناسبت:

مکہ مکرمہ اور والد و ولد کی جو قسمیں کھائی گئیں اور ان کا جواب لَقَدْ خَلَقْنَا..... ہے اس میں سوال یہ ہے کہ ان میں مناسبت کیا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ شہر مکہ جس کی قسم کھائی گئی ہے تمام روئے زمین کی اصل ہے یہیں سے پوری زمین پھیلانی گئی ہے اور زمین سے انسان پیدا ہوا ہے، یعنی اول انسان (آدم) خاک کا پتلہ ہے، اور ہر انسان کی پیدائش کا مادہ بھی خاک سے منتقل ہوتا ہوا آیا ہے، اور رحم میں بھی اسکے مدفن کی مٹی ملائی جاتی ہے جیسا کہ سابق میں اس کی تفصیلات گزر چکی

ہیں، حاصل یہ ہے کہ سرزمین مکہ انسان کی اصل الاصل ہوئی، اور شہر مکہ مشقتوں کا مرکز ہے اسلئے کہ: (۱) سرزمین مکہ ریگستان و سنگلاخ اور ناقابل زراعت ہے، وہاں پانی بھی گہرائی میں ہے اور اس کی اکثر جگہوں کا پانی کھاری بھی ہے وہاں کنواں کھودنا یا نل گاڑنا بہت دشوار ہے، اسی لئے زمانہ قدیم میں خشک سالی و افلاس کی فراوانی رہی ہے۔ (۲) وہاں شدید گرمی ہوتی ہے، پہاڑوں اور ریت کے تودوں کی تپش اور ہلاکت خیز لوؤں کے جھونکوں کی وجہ سے موسم گرما نہایت صبر آزما ہوتا ہے، عیاشوں اور تفریح بازوں کے لئے وہ خطہ قطعاً ناقابل التفات ہے، اسی لئے زمانہ قدیم میں کسی بادشاہ نے اس کو فتح کر کے وہاں حکومت کرنے کا ارادہ نہیں کیا، جو وہاں گیا یا جاتا ہے وہ حج و زیارت کی نیت سے جاتا ہے۔ (۳) حرمین کی زیارت کے لئے جو لوگ جاتے ہیں ان کے بحری و بری اور فضائی سفروں کی محنت و مشقت بھی کسی پر مخفی نہیں۔ (۴) بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اختلافات کی مشقتیں اور رات دن کی مصیبتیں بھی سب پر ظاہر ہیں۔

اسی طرح والد (ماں باپ) کی مشقتیں اولاد کے سلسلہ میں سب کو معلوم ہیں، حمل وضع اور پرورش کی نختیوں سے کون واقف نہیں۔ اور والد سے مراد اگر آدم یا ابراہیم ہیں تو ان کے شدید مصائب اور بے مثال مجاہدے بھی سب کو معلوم ہیں، اسی طرح ولد کی مشقتیں، حمل کی قید و بند، ولادت کے خطرات، بچپن کی محتاجی وغیرہ سب پر عیاں ہیں، اور ولد سے حضرت اسماعیل یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں تو حضرت ذبیح اللہ و حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشقتوں، مصیبتوں اور عظیم مجاہدوں سے کون بے خبر ہے؟ غرض یہ تمام نمونے اور دلائل ہیں اس دعوے کے کہ، ”ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے“ اس اجمالی تحریر سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ قسم اور جواب قسم میں نہایت مناسبت ہے۔

ہر انسان محنت کے لئے تیار رہے:

اس قسم و جواب قسم میں انسان کو اس بات پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ انسان کی یہ خواہش کہ اس کو کسی تکلیف سے سابقہ نہ پڑے، اور وہ راحت و آرام ہی میں رہے۔ یہ اس کا خیال خام اور فطرت کے خلاف ایسا جذبہ ہے جس کا حصول ممکن نہیں۔ اس دنیا میں یہ ضروری ہے کہ ہر انسان محنت و مشقت اور رنج و غم میں مبتلا ہو۔

دریں دنیا کسے بے غم نباشد اگر باشد بنی آدم نباشد

اور جب رنج و کلفت کا پیش آنا ضروری ہے، تو عقلمند کو چاہئے کہ وہ محنت اس چیز کے لئے کرے جو ہمیشہ اس کے کام آئی والی ہو اور اس کے لئے دائمی راحت کا سامان بنے اور وہ صرف ایمان و عمل کی محنت ہے، لہذا ہر آدمی کو اس عظیم مقصد کے لئے ہر وقت چاق و چوبند رہنا چاہئے۔

اَيْحَسِبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پاسکے گا یہاں سے منکر آخرت غافل و جاہل انسان کی چند جاہلانہ غصلتوں کا بیان فرما کر اس کے خیالات فاسدہ کی تردید کی گئی ہے، ان آیات میں مذکورہ افعال کا فاعل الانسان ہے، اس سے جنس انسان (عام انسان) بھی مراد ہو سکتی ہے، لیکن خارج میں کلی کا وجود و تحقق چونکہ افراد و اشخاص کے ضمن ہی میں ہو سکتا ہے اس لئے بعض خصوصی افراد کا لحاظ کر کے ایسے مخصوص لوگ اس سے مراد ہوں گے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایزد پہنچی تھی، خواہ ابوالاشد ہو یا ولید بن مغیرہ ہو، اور اگر الانسان میں الف لام عہد کا ہے تو اس سے مراد خاص کافر (ابوالاشد) ہوگا، بہر حال ان آیات میں ولید و ابوالاشد جیسے کفار کو زجر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور دللاسا مقصود ہے۔

آیات کا مطلب یہ ہے کہ انسان زندگی بھر محنت کش اور دکھیا رہنے کے باوجود غرور میں مبتلا ہے، اور وہ اس خیال فاسد میں گرفتار ہے کہ میں کسی کے قابو میں نہ آؤں گا، مجھے کوئی سزا نہیں دے سکے گا، وہ حشر و نشر اور حساب، کتاب کا منکر ہے، تھوڑے سے دنیوی اسباب پر گھمنڈ کر کے یوں کہتا ہے کہ وہ اور ہی لوگ تھے جن کو عذاب سے ہلاک کر دیا گیا، میں نے تو بہت مال خرچ کر کے اپنی حفاظت کے اسباب مہیا کر لئے ہیں، اپنی عز و جاہ، پارٹی، اسباب و اسلحہ وغیرہ پر اکڑیوالا انسان کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال صرف کر دیا ہے، اور اپنی حفاظت و قیام دوام کا انتظام کر لیا ہے، اس بیوقوف کو یہ پتہ نہیں کہ وہ ایک قطرہ مٹی سے پیدا ہوا ضعیف البیان انسان ہے جو ہر قدم اور ہر سانس میں آج بھی اپنے رب کا محتاج ہے، اس کی کمزوری سے سب واقف ہیں، وہ یہ بھی خیال نہ کرے کہ میرے عمال بد کو، ریاء کاری و مکاری، فخر و غرور و کبر کو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت و مخالفت اور اس کے کفر و شرک و سرکشی کو کوئی نہیں جانتا، اس کا خالق اس کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔

آنکھیں، زبان اور ہونٹ عظیم انعامات ہیں:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ..... (کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے) اوپر کی آیات میں انسان کو اس کی غفلت و جہالت پر تنبیہ تھی، کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس پر حق تعالیٰ کو بھی قدرت نہیں، اور اس کے اعمال بد کو کوئی دیکھنے والا نہیں، اسلئے وہ مواخذہ سے غافل و بے فکر ہے، ان دونوں آیتوں میں ان چند ایسی نعمتوں کا ذکر ہے کہ اگر انسان ان ہی میں غور و فکر کر لے تو اس کو حق تعالیٰ کی بے مثال صنعت و حکمت اور قدرت و رحمت کا مشاہدہ و نظارہ کھلی آنکھوں ہو جائے، ان میں سے اول دو آنکھوں کا ذکر فرمایا، آنکھ کے نازک پردے، نازک شرائین (رگیں) ان میں قدرتی روشنی پھر آنکھوں کی وضع و ہیئت اور ان نازک ترین اعضاء کی حفاظت کا سامان پہنوں اور پلکوں کے ذریعہ جو آٹومیک (خود کار) مشین کی طرح آنکھوں کی ہمہ وقت حفاظت میں مصروف ہیں، جب کوئی مضرت رساں چیز سامنے آتی ہے تو یہ پردے بلا اختیار خود بخود آنکھوں کو چھپا لیتے ہیں، پلکوں کے بال گرد و غبار اور تنکوں سے آنکھوں کی حفاظت کرتے ہیں، آنکھوں کے اوپر سے بھوؤں کے بال محافظ ہیں، تاکہ اوپر سے آنیوالی چیز براہ راست آنکھوں میں نہ پہنچ جائے، ان کو چہرہ میں اس طرح فٹ کیا گیا کہ ان کے چاروں طرف سے ہڈیوں کا ایک ایسا دائرہ بنا دیا گیا کہ انسان چہرے کے بل گر جائے یا اس کے چہرہ پر کوئی چیز آ پڑے تو اوپر نیچے کی ہڈیاں آنکھوں کی محافظ بن جائیں۔

دوسری چیز زبان ہے، اس کی عجیب و غریب تخلیق اور دل کی باتوں کی ترجمانی جو اس پر اسرار و خود کار مشین کے ذریعہ ہوتی ہے، اس کے اس حیرت انگیز طریقہ کار پر غور کیجئے کہ دل میں ایک مضمون آیا، دماغ نے اس پر غور کیا، اسکے لئے عنوان و الفاظ تیار کیجئے اور وہ الفاظ اس زبان کی مشین سے نکلنے لگے، یہ اتنا بڑا کام کتنی تیزی سے ہوتا ہے کہ سننے والے کو یہ احساس بھی نہیں ہو سکتا کہ ان الفاظ کے زبان پر آنے میں اس کے پیچھے کتنی مشینوں نے کام کیا ہے، تب یہ کلمات زبان پر آئے ہیں۔

تیسری چیز شفہتین ہیں، شفہتین یعنی ہونٹوں کا ذکر اسلئے بھی فرمایا کہ وہ زبان کے کام میں بڑے مددگار ہیں، آواز حروف کی ممتاز شکلیں وہی بناتے ہیں اور شاید ان کا ذکر اسلئے بھی ہوا ہے کہ قدرت نے زبان ایسی سرچ عمل مشین بنائی ہے، کہ بل بھر میں اس سے ایسا کلمہ بھی بولا جاسکتا ہے جو اس کو جنت کے اعلیٰ مقامات پر پہنچا دے، مثلاً کلمہ ایمان بولدے، یا دنیا میں بدترین دشمن کا محبوب بنادے، مثلاً پچھلے قصور کو معافی یا صلح کی عاجزانہ درخواست وغیرہ، اور اتنے ہی وقفہ میں ایسا کلمہ

بھی بولا جاسکتا ہے جو بولنے والے کو جہنم کا مستحق بنادے جیسے کلمہ کفر، یا بہترین دوست کو دشمن بنادے، جیسے گالی گلوچ وغیرہ۔  
الغرض جس طرح زبان میں منافع پیشا رہیں اس کی ہلاکت آفرینی اور معزیتیں بھی بہت ہیں، گویا زبان ایسی تیز  
تکوار ہے کہ وہ دشمن پر بھی چل سکتی ہے، اور اس سے اپنا گلا بھی کاٹا جاسکتا ہے، اس لئے اس حکیم مطلق نے اس تکوار کو دو ہونٹوں  
کے غلاف اور میان کے اندر رکھا ہے، اس جگہ ہونٹوں کے ذکر میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس مالک نے انسان کو زبان  
دی تو اس کو روکنے اور بند کرنے کے لئے ہونٹ بھی دئے ہیں، اس لئے اس کا استعمال احتیاط سے کیا جائے، بے موقع اس کو  
ہونٹوں کے میان سے نہ نکالا جائے۔

دو چیز از طیرہ عقل است لب فرداستن بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

(دو چیزیں حماقت کی نشانیاں ہیں، کہنے کے وقت خاموشی اور خاموشی کی وقت بکواس کرنا)

ترمذی میں عقبہ بن عامر کی روایت ہے، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ نجات کس  
چیز میں ہے؟ ارشاد فرمایا: اپنی زبان بند کر لو اور اپنے گھر میں گوشہ نشین بن جاؤ، اور اپنے گناہوں پر رویا کرو، بزگوں کا مقولہ  
ہے کہ زبان سانپ ہے، اور اس کا بل منہ ہے، اسی کو کسی شاعر نے اس طرح کہا ہے۔

اِحْفَظْ لِسَانَكَ اَيُّهَا الْاِنْسَانُ لَا يَلْدُ غَنَكُ اِنَّهُ تُعْبَانُ

یعنی اے انسان اپنی زبان کی حفاظت رکھ۔ یہ سانپ ہے تجھے ڈس نہ لے

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حدیث میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد مذکور ہے، کہ اے ابن آدم اگر تیری زبان  
ناجائز باتوں کیلئے تجھ سے کشاکش کرے تو میں نے اس کے خلاف تیری مدد کیلئے دو ڈھکن (ہونٹ) تجھے دیدیئے ہیں، تو  
اسے ان ڈھکنوں میں بند کر دے، (اور ناجائز بات زبان سے نہ نکال) اور اگر تیری نگاہ ناجائز چیزوں کی طرف تجھ کو کھینچے تو  
میں نے تیری مدد کیلئے دو غلاف دیدیئے ہیں، تو ان غلافوں میں ان کو بند رکھ، اور اگر تیری شرمگاہ تجھ کو ناجائز امور کی طرف  
لیجانا چاہے تو میں نے اسی کے مقابلہ میں تجھ کو دو پردے (پیر) دیدیئے ہیں ان کے درمیان اس کو محفوظ رکھ۔

ان تینوں اعضاء کی تخصیص کیوں کی گئی؟

یہاں خاص طور پر ان تین اعضاء ہی کو کیوں ذکر کیا گیا؟ اس کی مذکورہ وجوہ کے علاوہ اور بہت سی وجوہ ہیں، جن  
میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) یہ تینوں نعمتیں معرفت ربوبیت و قدرت کے اولین باب ہیں، کیونکہ جب بچہ ماں کے  
پیٹ سے اس دنیا میں آتا ہے تو وہ بے سروسامان مسافر بھوکا ہوتا ہے، اس کی پرورش کا قدرتی سامان ماں کا دودھ ہوتا ہے،  
دودھ پینے میں یہ تینوں اعضاء کام آتے ہیں، آنکھوں سے دودھ پلانیوالی کو دیکھتا ہے، ہونٹوں سے پستانوں کو چوستا اور زبان  
کی مدد سے دودھ کا ذائقہ لیکر اس کو حلق میں اتارتا ہے، اس طرح وہ اپنے پیٹ کو بھرتا ہے، ایسا انسان جو دنیا میں آ کر اپنی کمائی  
سے پیٹ نہ بھر سکتا ہو اللہ کی نعمتوں اور رحمتوں کے سہارے پرورش پا کر قوت پاتا ہو، پھر اس قوت کے ذریعہ مال کما کر وہ  
اتراتا پھرے، یہ اس کے لئے نہایت نازیبا ہے۔ (۲) جس انسان کا آیات میں ذکر ہے اس کو اللہ نے اندھانئیں بنایا وہ  
آنکھوں سے دیکھ لے کر کہ وہ مال کو بیجا خرچ کر رہا ہے یا بجا صرف کر رہا ہے، یہ بات گویا ایسی محسوس ہے کہ آنکھوں سے اس کا  
مشاہدہ کر سکتا ہے، اگر خود آنکھوں سے کام نہیں لیتا تو وہ کسی سے پوچھ لے، زبان اور ہونٹ اسی لئے بنائے ہیں۔ (۳) اللہ

نے آنکھیں اور زبان دی ہیں جن کی وجہ سے اس نے علم و ہنر سیکھے اور مال کمایا، اگر قدرت یہ آلات انسان کو نہ دیتی تو وہ کس طرح مال کما لیتا، جس پر انسان بچا کرتا ہے۔ (۴) انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کوئی دیکھ نہیں رہا ہے، جس نے تجھ کو آنکھیں دیکر بینا بنا دیا کہ تو کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے تو کیا خالق کائنات ایسا بینا نہیں کہ ساری کائنات کی عیاں اور نہاں چیزوں کو دیکھ سکے اور اگر دل میں یہ شیطانی خیال پیدا ہو کہ وہ دیکھتا تو ہوگا لیکن میرے دل میں چھپی ہوئی نیتوں کو کس طرح جان سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک زبان اور دو ہونٹ دیے ہیں جو دل کے اسرار اور بھیدوں کو ظاہر کر دیتے ہیں تو وہ خالق جس نے زبان کو اسرار قلب مطلع فرمایا اور ان کو ظاہر کرنیکی قدرت بخشی وہ کیوں دلوں کے بھیدوں پر مطلع نہ ہوگا؟

(فائدہ) حکماء کا قول ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو دو آنکھیں اور ایک زبان دیکر تنبیہ فرمادی کہ بولنا دیکھنے سے کم ہونا چاہئے، دیکھنا تو خیر و شر سب کو عام ہے لیکن بولنا خیر کے ساتھ مخصوص ہے، کلمہ شر بولنے کی اجازت نہیں، اسی لئے زبان کے دو چوکیدار (ہونٹ) بھی مقرر کر دیے گئے ہیں، بلکہ زبان کو ایک گھر میں بند کر کے تیس فوجیوں کا دستہ اس کے ارد گرد کھڑا کر دیا ہے، اور گھر کے دروازے پر دو مضبوط کواڑ (ہونٹ) لگا دیے ہیں، حفاظت کا اتنا اہتمام بدن کے اور کسی حصہ کا نہیں کیا گیا، حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلی بات کہے یا چپ رہے۔

وَهَذِیْنِہُ النَّجْدَیْنِ (اور ہم نے انسان کو دونوں راستے سمجھا دیئے) یہ حق تعالیٰ شانہ کا مستقل انعام ہے کہ اس نے انسان کو خیر و شر اور بھلے برے کی تمیز عطا فرمادی، اس کے نفس میں ایسی استعداد ودیعت کی گئی ہے، کہ اگر وہ اس سے کام لے تو حق و باطل، خیر و شر اور مفید و مضر میں بخوبی امتیاز کر سکتا ہے، سب سے پہلا ہادی خود انسان کا ضمیر ہے، پھر اس ہدایت کی تائید و تقویت کیلئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے، کتب آسمانی کا نزول ہوا، اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے ناسخین راہنمائی کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے، حاصل یہ ہے کہ ایک غافل و جاہل انسان بارگاہ خداوندی میں یہ عذر نہیں کر سکتا کہ مجھے حق و باطل کا علم نہ تھا یا میں اپنے طرز زندگی کو درست سمجھتا تھا، ایک منکر اپنے وجود ہی کی چند نمایاں چیزوں میں غور کر لے تو وہ قدرت و حکمت حق کے کمالات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کر سکتا ہے، آنکھیں، زبان اور ہونٹ ہی اس کی رہبری کر سکتے ہیں۔

فائدہ..... نجدین سے جمہور مفسرین نے تو خیر و شر کے دو واضح راستے ہی مراد لئے ہیں، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن المسیب اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہما سے منقول ہے کہ اس سے ماں کی چھاتیاں مراد ہیں، ان دونوں کو دو بلند راستوں سے تشبیہ دی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے شعور بچہ کے قلب میں دودھ پینے کا الہام کیا، اور ان بلند اور واضح راستوں تک پہنچایا، جس سے وہ پلا بڑھا۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ..... جبکہ انسان پر اس کی اپنی استعداد اور روشن دلائل سے خیر و شر ممتاز ہو گئے، حق و باطل کی راہیں واضح ہو گئیں، تو پھر وہ یقین کامل کی طاقت سے نیک اعمال کی بلند یوں پر کیوں نہیں چڑھتا، وہ مخلوق کے ساتھ پوری پوری ہمدردی کا معاملہ بھی کرے، لوگوں کو پریشانوں سے چھڑائے، بھوکے، یتیموں، محتاجوں کی پرورش کرے، اور خالق و مالک سے بھی رواداری کا برتاؤ کرے، ایمان و عمل پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کو بھی حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرنے کی دعوت دیتا رہے اس طرح وہ اللہ کے کامیاب و مبارک بندوں میں شامل ہو جائے، کیونکہ جو لوگ یہ کام نہیں کرتے بلکہ احکام خداوندی کا انکار کرتے ہیں وہ ناکام و نامبارک لوگ ہیں جن کو اللہ کے جیل خانہ (دوزخ) میں بدترین اور دائمی سزا بھگتنی پڑے گی۔

## گھائی میں گھسنے کا مطلب:

عقبہ پہاڑ کی بڑی چٹان کو بھی کہتے ہیں اور دو پہاڑوں کے درمیانی راستے (گھائی) کو بھی کہتے ہیں، دشمن سے بچاؤ کے لئے انسان پہاڑ پر چڑھ جائے یا گھائی میں داخل ہو کر نکل جائے تو اس کو دشمن سے نجات مل جاتی ہے، اس جگہ طاعات و عبادات کو عقبہ سے تعبیر فرمایا گیا۔ (۱) کیونکہ جس طرح عقبہ کے ذریعہ دشمن سے نجات میسر ہو سکتی ہے اسی طرح عبادات و اعمال صالحہ کے ذریعہ عذاب خداوندی سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ (۲) جس طرح گھائی میں داخل ہو کر انسان خود کو دشمن سے محفوظ کر لیتا ہے اسی طرح عبادات کا پابند ہو کر وہ خود کو شیطان اور اس کے حملوں سے بچا سکتا ہے۔ (۳) نیکیاں چونکہ نفس پر دشوار ہیں اسلئے نیکیوں پر عمل پیرا ہونے کو اونچی چڑھائی اور دشوار گزار گھائی پر چڑھنے سے تعبیر فرمایا گیا، اور بدی کا راستہ خواہش نفسانی کے موافق ہوتا ہے اسلئے اس پر چلنا سہل ہوتا ہے۔ مگر نیکیوں کی دشوار گزار راہوں کو تو وہ جو امر دہی طے کرتے ہیں جن کو بارگاہ حق سے سعادت ازلی مقدر ہو چکی ہے۔

گوئے توفیق و سعادت در میاں افگندہ اند کس بمیدان در نمی آید سواراں را چہ شد آگے نیکیوں کی چند اہم اقسام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

**پہلی قسم..... فَكَّرَ رَبِّهٖ** (گردنوں کا چھڑانا) گردن چھڑانائی طرح سے ہوتا ہے۔ (۱) غلام یا باندی کو آزاد کر دینا، خواہ اپنے غلام یا باندی کو آزاد کر دینا یا مالک کو قیمت ادا کر کے آزاد کر دینا۔ یا مکاتب کا کل بدل کتابت ادا کر کے یا کچھ حصہ ادا کر کے مکاتب کی مدد کر دینا، زمانہ جاہلیت میں غلاموں، باندیوں پر بڑی سختی ہوتی تھی، اسلام نے اس رسم کی اصلاح کی، اول تو آزادی کی بڑی ترغیبات دیں اور آزادی کی مختلف راہیں کھولیں، اس کے باوجود جو غلام یا باندیاں کسی کے پاس رہ جائیں تو ان کے ایسے حقوق قائم کر دیئے کہ غلامی کو رسمی آزادی سے بہتر بنا دیا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لیجائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو نے اگرچہ لفظ چھوٹا سا بولا ہے مگر درخواست بڑی لمبی چوڑی اور اہم ہے، غلام آزاد کرو اور گلو خلاصی کرو، اعرابی نے عرض کیا یہ دونوں چیزیں تو ایک ہی ہیں، فرمایا غلام آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم تنہا پورا غلام آزاد کرو، اور گلو خلاصی کا مطلب یہ ہے کہ (مکاتب) غلام (یا باندی) کی قیمت ادا کرنے میں مدد کرو، اور منہ (بخشش) یہ ہے کہ تم مہربانی کر کے اپنے ظالم رشتہ دار کی طرف رجوع کر لو، اگر اسکی تم میں طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور پیاسے کو پانی پلاؤ، اچھا کام کرنے کی ترغیب دو، اور بری بات سے روکو۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کلمہ خیر کے علاوہ سے زبان بند رکھو۔ (مظہری بحوالہ تہذیبی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے مسلمان غلام آزاد کیا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو دو زخ سے آزاد فرما دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کے مقابلہ میں اس کی شرمگاہ کو بھی آزاد فرما دیتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) (۲) جو قصاص میں گرفتار ہو تو صاحب حق قصاص معاف کر کے دیت لے لے، یا کوئی دوسرا دیت دیکر اس سے قصاص معاف کرا دے۔ (۳) کسی نادار قرضدار کا قرضہ معاف کر کے اس کو قرض سے سبکدوش کر دے، یا ادا کرا کر یا معاف کرا کر اس پھندے سے مقروض کی گردن

چھڑا دے۔ (۴) کسی ظالم کے پنجے سے قوت بازو یا مال کے ذریعہ مظلوم کی گردن چھڑا دے۔ (۵) بندہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کر کے خداوند تعالیٰ کے قہر و عذاب سے خود اپنی گردن چھڑا لے۔ یہی وہ حریت کبریٰ و اصل آزادی ہے جو سعادت عظمیٰ کا وسیلہ ہے۔ (۶) حضرت عمرؓ نے کہا کہ فَکُ رَقَبَةً سے مراد گناہوں سے توبہ کر کے اپنے نفس کو آزاد کرنا ہے۔

دوسری قسم..... اَوْ اٰطَعْتُمْ..... یتیم و مسکین کو کھانا کھلانا بہر حال کارِ ثواب ہے، لیکن شدید حاجت کے وقت مثلاً قحط سالی ہے، غلہ کی نایابی ہے، یا سیلاب زدگی کے ایام ہیں ایسے اوقات میں کھانا کھلانا دوسری بہت سی نیکیوں سے بڑھ جاتا ہے، اسی طرح یتیم و مسکین کو کھانا کھلانا کارِ ثواب ہے لیکن اگر وہ قرہبی رشتہ دار بھی ہو تو ثواب دوہرا ہو جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے عمدہ کام دریافت کئے گئے تو فرمایا: کھانا کھلانا، اور سب مسلمانوں کو سلام کرنا خواہ ان سے جان پہچان ہو کہ نہ، اور رات میں جب لوگ پڑے سوتے ہوں اس وقت نماز پڑھنا۔

اک ٹیس جگر میں اٹھتی ہے اک درد سادل میں ہوتا ہے ہم رات کو رویا کرتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے پھر مسکین اس کو بھی کہہ دیتے ہیں جس کے پاس معمولی سامان اور نا کافی گذران ہو، جیسے قرآن میں وَأَمَّا السَّائِفِيْنَ فَمَا كَانَتْ لِمَسَاكِيْنٍ فرمایا گیا ہے، ایسے مساکین کو کھلانا بھی ثواب ہے، لیکن ایسے مسکین کو کھلانا جس کے پاس اسباب معاش بالکل نہیں، اور وہ بے چارہ عاجز و خاک نشین ہے، بہت ضروری بھی اور اس کو کھانا کھلانے میں ثواب بھی اور بہت سی نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔ اسی لئے يَتِيْسُمَا کے ساتھ ذَا مَقْرَبَةٍ اور مُسْكِيْنًا کے ساتھ ذَا مَقْرَبَةٍ کی قید لگائی گئی ہے۔ یہاں تک وہ نیکیاں بتلائی گئی ہیں جن کا صرف مال سے تعلق تھا۔ اور ان مصارف میں مال صرف کرنا تمام اہل عقل کے نزدیک بہتر ہے، کسی مذہب و ملت کے ماننے والے کا اس میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن کوئی بڑے سے بڑا عمل ایمان کے بغیر عند اللہ مقبول و معتبر نہیں ہوتا اس لئے اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا تَمَّ كَسَانِ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی ان تمام چیزوں کے باوجود اس کو اہل ایمان کے زمرہ میں بھی شامل ہونا ضروری ہے، کیونکہ ایمان ہی ایسی بنیاد ہے کہ جس پر تمام اعمال صالحہ کی عمارت قائم ہوتی ہے۔

فائدہ..... لفظ تَمَّ تراخی زمانی کیلئے آتا ہے، یعنی تَمَّ کے مابعد کا زمانہ اس کے ماقبل کے زمانہ سے مؤخر ہوتا ہے، اس لئے بظاہر یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کا زمانہ مقدم ہوگا اور ایمان کا مؤخر۔ حالانکہ ایمان تو تمام اعمال کی قبولیت کے لئے شرط ہے، اور شرط کا مشروط پر تقدم ضروری ہے، اس لئے یہاں پر تَمَّ یا تو تراخی زمانی کے لئے نہیں ہے بلکہ تراخی ذکر و بیان کے لئے ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ محاورات میں بولتے ہیں کہ نماز اس وقت قبول ہوتی ہے جبکہ اول سے اخیر تک ارکان ترتیب سے ادا کریں۔ پھر وضو بھی کیا ہو، حالانکہ وضو نماز کے لئے شرط اور اس سے مقدم ہے، یا تاخیر رتبی کے لئے ہے، یعنی ایمان کے مرتبہ کی بلندی و بعد کو بیان کرنے کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ ایمان کا مرتبہ اعمال کی بہ نسبت انتہائی بلند ہے، کیونکہ اعمال بغیر ایمان مقبول و معتبر نہیں ہیں، اور ایمان بغیر اعمال بھی مقبول و معتبر ہے، نجات ایمان پر موقوف ہے، اعمال نہیں، اگر بغیر لفظ تَمَّ پہلے ہی ایمان کا ذکر کر دیا جاتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ عقبہ کی ایک قسم ایمان بھی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہاں لفظ تَمَّ تاخیر وقوع کے لئے ہے، کیونکہ کفار کے اعمال خیر موقوف رہتے ہیں، اگر خاتمہ ایمان پر ہو جائے تو نیک اعمال جو حالت کفر میں ہوئے ہیں مقبول ہوں گے اور ان پر ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔ اور آیت



کا مطلب یہ ہوگا کہ ان اعمال صالحہ مذکورہ کے بعد اگر خاتمہ ایمان پر ہو گیا تو یہ اعمال مقبول ہو جائیں گے، چنانچہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں نے حالت کفر میں بہت سے نیک کام کئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے ایمان نے ان تمام اعمال کو مقبول بنا دیا۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ فَكَرَّ قَلْبَهُ میں عموم ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کر کے خود اپنی گردن چھڑانے کو بھی شامل ہے، جس میں نفس ایمان بھی آگیا، اس کے بعد شان نزول کے مناسب اعلیٰ درجہ کے مالی مصارف کو بیان فرما کر اعلیٰ درجہ کے ایمان والوں کے زمرہ میں شامل ہونے کی ترغیب دی گئی ہے، اور اعلیٰ ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اپنی تکمیل کے بعد اوروں کو بھی تکمیل و کمال کی دعوت دیتے ہیں اور ایمان والے کو یہ مقام کمال اس کے بعد حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ جانی و مالی قربانیوں اور اچھے اعمال کو اپنا وظیفہ حیات بنالے۔

صوفی نشود صافی تا در کشد جاے بسیار سفر باید تا پختہ شود خاے  
اس صورت میں لفظ قَمَّ میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ اپنے حقیقی معنی تراخی زمانی پر رہے گا۔  
ایک ترکیبی شبہ:

یہاں پر ایک مشہور ترکیبی شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ کلام عرب میں فعل ماضی کی نفی لفظ لَا کیساتھ آتی ہے تو اس کا دوبار آنا ضروری ہے، جیسے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّى اس کا اجمالی حل عنوان ترکیب میں ہو چکا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں معنی کے اعتبار سے تکرار موجود ہے، فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَلَا فُكَّ أَوْ لَا أَطْعَمَ دوسری بات یہ ہے کہ قواعد نحو یہ قرآن اور زبان عرب کے محتاج ہیں اور قرآن و زبان قواعد کے محتاج نہیں ہیں، لہذا اس فصیح الکلام کو مورد اشکال قرار نہ دیا جائیگا بلکہ قاعدہ نحو یہ ناقص ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ قاعدہ اکثر یہ ہیں، چوتھا جواب بعض نے یہ دیا ہے کہ لا یہاں بد دعاء کیلئے ہے ای لا یوزقہ اللہ خیرا۔ اس صورت میں تکرار ضروری نہیں ہوتا۔ جیسے۔

أَلَا لَا بَارَكَ اللَّهُ فِي سَهْلٍ ☆ أَذَا مَا بَارَكَ اللَّهُ فِي الرِّجَالِ

یعنی اللہ تعالیٰ سہیل میں برکت نہ دے جب اللہ تعالیٰ دیگر مردوں میں برکت دے

اس شعر میں لَا بَارَكَ میں لَا ماضی پر داخل ہے، اور بد دعاء کے لئے ہے، اس لئے تکرار نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی بد دعاء کے لئے ہے جس میں تکرار کی ضرورت نہیں ہے، پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ أَلَا کا مخفف ہے جو ہلا کی طرح تخصیض و تنذیم کے لئے آتا ہے۔

کمال کا تقاضا دوسروں کی تکمیل ہے:

برف ٹھنڈک میں کمال رکھتا ہے تو وہ دوسری اپنے پاس والی چیزوں کو بھی ٹھنڈا کر دیتا ہے، اور آگ کو گرمی میں کمال حاصل ہے تو وہ اپنے ماحول کو بھی گرم کر دیتی ہے، اسی طرح جب کسی کو ایمان و اعمال صالحہ کا کمال حاصل ہوتا ہے تو اس کے اثرات ماحول پر پڑنے ضروری ہیں، اسی لئے جب کسی بندہ خدا کو ایمان و اعمال صالحہ میں کمال حاصل ہوتا ہے تو وہ دوسروں کو بھی ان کی دعوت دیتا اور اپنے رنگ میں رنگ لینے کی کوشش کرتا ہے جس سے اس کے کمال میں چار چاند لگ جاتے ہیں، اور اس کا وہ کمال پائیدار و لازوال ہو جاتا ہے، ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ آگ کی طرح بجھ کر نہ رہ جائے، چنانچہ وَكُونُوا

بِالصَّبْرِ میں اسی کمال کے فطری تقاضے کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے، کہ اعمال مذکورہ کرنے والا صرف اپنے ایمان و عمل پر اکتفاء نہ کر بیٹھے بلکہ ان مؤمنین کا ملین کے زمرہ میں خود کو شامل کر لے جو ایک دوسرے کو صبر کی وصیت و تاکید اور ایک دوسرے کو خلق خدا پر رحم و ہمدردی کی تلقین کرتے رہتے ہیں، سابقہ سورت (سورۃ النجر) کے اخیر میں فَاذْكُرْ خَلْقَ فِیْ عِبَادِیْ کے ضمن میں بھی اسی حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے، جس کو ہم اس مقام پر لکھ چکے ہیں، اس سے دونوں سورتوں میں کمال مناسبت کی ایک صورت اور بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔

### صبر اور اس کی قسمیں:

صبر کی مختصر وضاحت مع اقسام سورۃ القلم ص ۷۷ ج ۱ میں عنوان لغات کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں، یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن پاک میں چونتیس مقامات پر صبر کی تاکید و فضیلت مذکور ہے، صبر کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ آدمی خود کو عقل و شرع کے تقاضوں پر ثابت قدم رکھے، اسی کو بعض نے حبس النفس علی ماتکروہ سے تعبیر کیا ہے، صبر کی اولاً دو قسمیں ہیں جسمانی اور نفسانی۔ جسمانی صبر یہ ہے کہ جسم کو عقل و شرع کے تقاضوں پر استعمال کیا جائے، ان میں سستی و کاہلی نہ ہونے پائے۔ نفسانی صبر یہ ہے کہ انسان کو جو حق تعالیٰ نے تین قوتیں (قوت عقلیہ، قوت شہویہ، قوت غصبیہ) دی ہیں ان کو اعتدال پر قائم اور افراط و تفریط سے محفوظ رکھے، تاکہ اس کو حکمت و عفت اور شجاعت کے جواہر حاصل ہوں، اور وہ عدالت کے مقام پر آکر تقویٰ کی کرسی پر جلوہ افروز ہو جائے اعدلوا هو اقرب للتقویٰ کیونکہ قوت عقلیہ کے افراط کو جزبرہ، تفریط کو بلاوت، اور قوت شہویہ کے افراط کو فجور، تفریط کو عنتہ اور اعتدال کو عنت سے تعبیر کرتے ہیں، اور قوت غصبیہ کے افراط کو تہور، تفریط کو جبن اور اس کے درمیانی درجہ کا نام شجاعت ہے۔ ان تینوں قوتوں کے افراط و تفریط کے دونوں پہلو مذموم ہیں، ان سے اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں، اور ان کا توسط و اعتدال محمود ہے، ان سے اخلاق حمیدہ وجود میں آتے ہیں، او یہ تینوں وصف (حکمت، عفت اور شجاعت) تمام خوبیوں کے اصل الاصول ہیں، جو انسان ان تینوں اوصاف کو جامع ہے وہ مؤمن کامل، صاحب عدالت و تقویٰ کہلاتا ہے۔

بعض حضرات نے صبر کی تین قسمیں بیان کی ہیں، صبر علی الطاعات، صبر علی البلیات، صبر عن المنہیات، ان مذکورہ اقسام و تقسیمات کے علاوہ صبر مختلف معانی میں مستعمل ہے۔ مثلاً: (۱) صبر مطلق، اس کی ضد اضطراب ہے۔ (۲) صبر بمعنی تحمل و استقلال، اس کا مقابل جزع و فزع اور تردد ہے۔ (۳) وسعت حوصلہ اور بلندی ہمت، اس کے مقابلہ میں کم ہمتی و تنگدلی ہے۔ (۴) شجاعت و بہادری۔ اس کا مقابل جبن و بزدلی ہے۔ (۵) حلم اس کی ضد طیش ہے۔ (۶) کتمان اسرار، اس کی ضد اظہار ہے۔ (۷) امانت اس کی ضد خیانت ہے۔ (۸) زہد و قناعت اس کے مقابل حرص و طمع ہیں۔ (۹) رضا بالقضاء، اس کے مقابل عدم رضا بالقضاء وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اول الذکر دونوں تقسیمیں صبر کی جملہ اقسام اور اس کے تمام اطلاقات کو شامل ہیں۔

اس بیان سے یہ ثابت ہوا کہ صبر ایک ہمہ گیر حقیقت کا نام ہے۔ اکثر اخلاق حمیدہ و اوصاف ایمانیہ صفت صبری سے پیدا ہوتے ہیں، اسی لئے صحیح حدیث میں وارد ہے: الصبر نصف الایمان۔ صبر آدھا ایمان ہے۔ کیونکہ مؤمن مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر کرتا ہے، اور تیسرا کوئی حال نہیں ہے، اس لئے صبر کو آدھا ایمان قرار دیا گیا ہے، قرآن

پاک میں کہیں پر صبر اولو العزم رسولوں کا کام قرار دیا گیا ہے، کہیں نماز سے بھی مقدم ذکر فرمایا گیا ہے، کہیں صابرین کو بے حساب اجر دینے کا وعدہ فرمایا گیا ہے، کہیں امامت اور مقتدا بننے کی بنیاد صبر کو قرار دیا گیا ہے، غرض قرآن پاک واحادیث میں صبر کے بیشمار فضائل آئے ہیں۔

خصائل حمیدہ کا دوسرا رکن رحمت ہے:

جس طرح صبر اخلاق ایمانیہ کا سرچشمہ ہے، اسی طرح رحمت بھی صد باخصائل حمیدہ کا رکن اعظم ہے، یتیموں پر شفقت، چھوٹوں پر مہربانی، بیسوس، بیواؤں، بے زبانوں کی چارہ سازی، اہل ملک و ملت کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی، بھوکوں، تنگوں کو کھانا پلانا اور پہنانا بیماروں کی دوا و تیمارداری کرنا، بھولوں، بھٹکوں کو راستہ بتانا، کمزوروں کی مدد کرنا وغیرہ سب مرحمت کی شاخیں ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الراحمون یوحمہم الرحمن الرحیمون فی الارض یرحمکم فی السماء (ترمذی، ابوداؤد) رحم کر نیوالوں پر رحم رحمت کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

حق تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ میں رحیم بھی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں رؤف و رحیم اور رحمۃ للعالمین فرمایا گیا، قرآن پاک کو ہدایت و رحمت کے القاب دیئے گئے، حلم و غفو، لطف و کرم جیسی صفات کا سرچشمہ یہی صفت رحمت ہے، احادیث میں بکثرت رحمت و ہمدردی کی ترغیب دی گئی ہے، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (۱) حق تعالیٰ رحم کر نیوالوں پر رحم فرماتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص رحم کرتا ہے، فرمایا اپنی جان یا اعزہ واقربا پر رحم کرنا مراد نہیں، رحیم تو وہ ہے جو تمام مسلمانوں پر مہربان ہو، بڑے کو باپ برابر والوں کو بھائی اور چھوٹوں کو اپنی اولاد سمجھے۔ (طبرانی) (۲) حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ تم میری رحمت چاہتے ہو تو میری مخلوق پر رحم کرو۔ (کامل ابن عدی) (۳) جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہمارا نہیں۔ (بخاری و مسلم) (۴) اہل ایمان کو تم باہمی رحم دلی و نرمی میں ایسا پاؤ گے جیسے کہ ایک جسم ہوتا ہے، اس کا ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارے اعضاء میں درد بخار پیدا ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)۔

بنی آدم اعضاء یکدیگر اند کہ در آفرینش زیک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضو ہارا نمائد قرار

الحاصل تمام نیکیوں کی اصل دو چیزیں ہیں۔ (۱) التسعیم لامر اللہ جو صبر سے متعلق ہے (۲) الرحمة لخلق اللہ جس کو مرحمت سے تعبیر فرمایا گیا، اور امر اللہ کی تعظیم خلق اللہ پر شفقت سے مقدم ہے، اسی لئے صبر کو مرحمت پر مقدم کیا گیا۔ لطیفہ:..... بعض جگہ بے صبری محمود اور صبر مذموم ہوتا ہے، چنانچہ عرب کا مقولہ ہے صبرک فی مصیبتک خیر من جزعک و جزعک فی مصیبتک اخیک خیر من صبرک۔

اولئک اصحاب المیمنة یعنی جو لوگ مذکورہ اوصاف حمیدہ سے متصف ہیں وہ یمن و برکت والے ہیں، کیونکہ ان کی تاکید صبر و تلقین مرحمت کا فیض ان کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد بندگان خدا کو برابر پہنچتا رہے گا۔ بعض علماء نے یمین کا مطلب داہنی جانب یعنی داہنا ہاتھ بتایا ہے، اس صورت میں اس کے معنی اصحاب الیمین کے ہوں گے، اسی طرح مشیمۃ کے بھی دونوں معنی ہیں، منحوس و نامبارک اور شمال (بایاں) مؤمنین کے مقابلہ میں کفار کو، اہل برکت کے

مقابلہ میں اہل نحوست کو اور اصحاب الیمین کے مقابلہ میں اصحاب الشمال کو ذکر کرنے سے ترغیب و ترہیب، ایضاح و تبیین کے علاوہ کلام میں اعتدال کی ایک خاص شان پیدا ہو جاتی ہے۔ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ ان پر ایسی آگ مسلط ہوگی جس کو بند کر دیا جائے گا، تاکہ اس کی گرمی اور جس کم نہ ہو۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔

تَمَّ تَفْسِيرُ سُورَةِ الْبَلَدِ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اِلٰی الْاَبَدِ۔

### سُورَةُ الشَّمْسِ

سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسَ عَشْرَةَ آيَةً

(رکوع: ۱، آیات: ۱۵) سور شمس مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پندرہ آیات ہیں۔ (کلمات: ۵۴، حروف: ۲۲۷)

### فضائلِ سورت:

یہ سورت بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے، حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا اور ایسی ہی سورتیں پڑھا کرتے تھے (احمد، ترمذی، نسائی) طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ نماز صبح میں وَالْيَسَلِ اِذَا يَغْشَى اور وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا پڑھا کریں، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہم چاشت کی نماز کی دو رکعتوں میں وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا اور وَالضُّحَى پڑھا کریں، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ تم سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی، اور وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا اور وَالْيَلِ اِذَا يَغْشَى کیوں نہیں پڑھتے۔ (یہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا جبکہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عشاء میں سورۃ بقرہ پڑھی تھی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے طوالتِ صلوٰۃ کی شکایت کی گئی تھی)

### رابط و مناسبت

اس سورت کا سورۃ بلد سے رابطائی طرح ہے۔ (۱) سورۃ بلد کو اصحاب میمنہ و اصحاب مشئمہ کے ذکر پر ختم کہا گیا تو اس سورت میں قَدْ اَفْلَحَ سے اسی مضمون کا تہذ ذکر کر دیا گیا۔ (۲) سورۃ بلد میں وَهٰذِيْنَةُ النَّجْدِيْنَ سے خیر و شر کی راہوں کو واضح کر دینے کا ذکر تھا، اس سورت میں فَجُزِئْتُوْا قَوْلِيْ كَاذِبًا اور اِذَا يَغْشَى کا ذکر ہے، اس سورت کے خاتمہ پر کافروں کے اخروی احوال بیان کئے گئے تھے، اس سورت کے خاتمہ پر مواخذہ کفار کے دنیوی حالات کا ذکر ہے۔ (۳) اور سب سے بڑھ کر مناسبت یہ ہے کہ خیر کی رہنمائی اور شر سے اجتناب میں آفتاب نبوت کی روشنی درکار ہے، اسی سے نیک و بد میں تمیز ہو سکتی ہے، اس لئے سورۃ بلد میں خیر و شر کی رہنمائی کا ذکر کر کے سورۃ شمس نازل کی گئی۔ اور ترتیب میں بھی اس کے بعد رکھی گئی۔ تاکہ معلوم ہو کہ شمس یعنی آفتاب کے بغیر جس طرح حیات دنیوی دشوار ہے اسی طرح آفتاب نبوت کے بغیر حیات روحانی اور ہدایت خیر و شر ممکن نہیں۔ واللہ اعلم

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا (۱) وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا (۲) وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّهَا (۳) وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا (۴)

قمر آفتاب کی اور آگنی دھوپ کی اور قمر ہے چاند کی جب وہ سورج غروب ہونے کے بعد آئے اور قمر ہے دن کی جب وہ سورج کو خوب روشن کرے اور قمر ہے رات کی جبکہ وہ سورج کو چھپا دے

قَمَرٌ	و	ضُحَاهَا	و	القَمَرِ	إِذَا	تَلَّهَا	و	النَّهَارِ	إِذَا	جَلَّهَا	و	الَّيْلِ	إِذَا	يَغْشَاهَا
قمر	اور	دھوپ اس	اور	قمر ہے	جب	پچھپچھپے آئے اس	اور	قمر	دن	جب	ظاہر کرے اس	اور	ایل	رات جب ڈھانک لے

وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا (۵) وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَّهَا (۶) وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا (۷) فَالْهَمَّهَا

اور قمر ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی، اور قمر ہے زمین کی اور اس کے بچانے والے کی۔ اور قمر ہے نفس انسانی کی اور اس کی جس نے اس کو درست بنایا۔ پھر اس کے

و	السَّمَاءِ	و	مَا	بَنَاهَا	و	الْأَرْضِ	و	مَا	طَحَّهَا	و	نَفْسٍ	و	مَا	سَوَّاهَا	فَالْهَمَّهَا
اور	آسمان	اور	اس	ذات	اور	پیدا کیا اس	اور	قمر	زمین	اور	جس	اور	ما	سَوَّاهَا	فَالْهَمَّهَا
اور	آسمان	اور	اس	ذات	اور	پیدا کیا اس	اور	قمر	زمین	اور	جس	اور	ما	سَوَّاهَا	فَالْهَمَّهَا

فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (۸) قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (۹) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (۱۰)

دل میں اس کی بدی اور اسکی نیکی ڈال دی، وہ کامیاب ہوا جس نے روح کو پاک کیا۔ اور وہ ناکام ہوا جس نے اس کو گندہ کر دیا

فُجُورَهَا	و	تَقْوَاهَا	قَدْ	أَفْلَحَ	مَنْ	زَكَّاهَا	و	قَدْ	خَابَ	مَنْ	دَسَّاهَا
بدکاری اس	اور	پرہیزگاری اس	تحقیق	مراؤ کو پہنچا	جس	پاک کیا اس	اور	تحقیق	نامراد ہوا	جس	گاڑ دیا اس

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا (۱۱) إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا (۱۲) فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ

قوم ثمود نے اپنی شرارت کی وجہ سے جھٹلا دیا۔ جبکہ ان کا سب سے بڑا بد بخت اٹھا تو ان لوگوں سے اللہ کے رسول نے فرمایا کہ

كَذَّبَتْ	ثَمُودُ	بِطَغْوَاهَا	إِذِ	انْبَعَثَ	أَشْقَاهَا	فَقَالَ	لَهُمْ	رَسُولُ	اللَّهِ
جھٹلایا	ثمود	بسبب شرکی اپنی	جب	اٹھا	بڑا بد بخت ان	پس کہا تھا	واسطے ان	پیغمبر	خدا

نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا (۱۳) فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا (۱۴) فَدَمْدَمَ

اللہ کی اونٹنی اور اسکے پانی سے تعرض نہ کرنا، تو انہوں نے ان کو جھٹلا دیا اور اونٹنی کو مار ڈالا پھر ان کے رب نے ان کی اس نافرمانی کی وجہ سے

نَاقَةَ	اللَّهِ	و	سُقْيَاهَا	فَكَذَّبُوهُ	فَعَقَرُوهَا	فَدَمْدَمَ
اونٹنی	خدا	اور	پانی پلانے اس	پس جھٹلایا اس	پس پاؤں کاٹے اس	پس ہلاک ڈالی

عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ فَسَوَّاهَا (۱۵) وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا (۱۶)

ان پر ہلاکت نازل فرمادی پھر اس ہلاکت کو عام کر دیا، اور اس نے اس کے انجام کی پرواہ ہی نہ کی۔

عَلَيْهِمْ	رَبُّهُمْ	بِذُنُوبِهِمْ	فَسَوَّاهَا	و	لَا	يَخَافُ	عُقْبَاهَا
اوپر ان	رب ان	بسبب گناہ ان	پس برابر کر دیا ان	اور	نہ	ڈرا	پچھاڑی (انجام) ان

## لغات

**ضَحَى** وقت چاشت، دن چڑھے کا وقت، اس کے معنی دھوپ کے پھیلنے اور دن کے چڑھنے کے ہیں۔  
**ضَحَى** مثل **هَدَى** مؤنث ہے جبکہ **ضَحْوَةٌ** کی جمع مائیں، اور **صَرَدَ** کے وزن پر اسم مائیں تو مذکر ہے (ن س) دھوپ کھانا،  
 دھوپ لگنا، **تَلَّى** واحد مذکر غائب **تَلَّوْا** (ن) پیچھے چلنا، **تَلَاوَةٌ** پڑھنا، **جَلَّى** ایضاً باب **تَفَعَّلَ** سے ظاہر کرنا، **جَلَّوْا**  
**جَلَاءَ** (ن) واضح کرنا، ظاہر کرنا **طَحَّى** ایضاً **طَحَّوْا** (ف) پھیلانا، دراز کرنا، پھیلانا، دراز ہونا (ن) بعید ہونا، ہلاک ہونا،  
 دفع کرنا۔ **أَلْهَمَ** (افعال) دل میں ڈالنا (س) **أَلْهَمْنَا** **تَقَوَّى** پر ہمیز گاری، بچنا، یہ اتقی سے اسم ہے، اس کے لغوی  
 معنی نفس کو خوف والی چیز سے بچانے کے آتے ہیں، لیکن کبھی کبھی خوف کو تقویٰ سے اور تقویٰ کو خوف سے بھی موسوم کرتے  
 ہیں، جس طرح سبب بول کر مسبب بول کر سبب مراد لیتے ہیں، عرف شرع میں تقویٰ نفس کو ہر اس چیز سے بچانے  
 کا نام ہے جو گناہ کی طرف لیجائے، یہ بات ممنوعات کے اجتناب سے حاصل ہوتی ہے، مگر اس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے  
 جبکہ بعض مباحات کو بھی احتیاط ترک کر دیا جائے، چنانچہ حدیث میں مروی ہے **أَلْهَمْنَا** **تَقَوَّى** **وَالْحَرَامَ** **بَيْنَ** **وَمَنْ**  
**وَقَعَ حَوْلَ الْحِمَىٰ فَحَقِيقٌ أَنْ يَقَعَ فِيهِ** (حلال کھلا ہوا ہے اور حرام کھلا ہوا ہے، اور جو خیرہ گاہ کے گرد چرائے گا تو وہ  
 اس میں واقع ہو جائے گا) تقویٰ کے تین درجے ہیں، ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ ادنیٰ درجہ ایمان ہے، جس کے ذریعہ دوزخ کے  
 دائمی عذاب سے نجات حاصل ہوتی ہے، اوسط درجہ کبار سے مکمل پر ہمیز اور صغائر پر اصرار سے اجتناب ہے، اور اعلیٰ درجہ یہ  
 ہے کہ باطن کو ماسوی اللہ سے بالکل پاک رکھا جائے، اور یہی حقیقی تقویٰ ہے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ ناشی شاید کہ نگاہے کند آنگاہ ناشی

**أَفْلَحَ** **إِفْلَاحٌ** سے ہے کہ جس کے معنی کامیابی و مقصدوری کے ہیں، **فَلَاحٌ** کی دو قسمیں ہیں۔ دنیوی، اخروی،  
 دنیوی **فَلَاحٌ** ان کامیابیوں کا حصول ہے جن سے دنیوی زندگی سنور جائے۔ مثلاً مال و دولت، صحت عزت، اور اخروی **فَلَاحٌ**  
 چار چیزوں میں ہے بقاء، بلافا، غنا بلا فقر، عزت بغیر ذلت، علم بغیر جہالت، **فَلَحَّ** **فَلَحَّ** (ف) کا شکار کرنا، دھوکہ دینا، بکر  
 کرنا (س) نیچے کے ہونٹ کا چھٹنا، صفت **أَفْلَحَ** ہے، **خَابَ** **خَبِيئَةً** (ض) محروم ہونا، ناامید ہونا، ناکام ہونا، افعال سے  
 متعدی **دَسَى** صیغہ واحد مذکر غائب ماضی **تَدَسَّيْتُ** (باب **تَفَعَّلَ**) سے ہے، جس کے معنی چھپانے اور گمنام کرنے کے ہیں،  
**دَسَّ** **دَسَا** (ن) دھنسانا، چھپانا، گاڑنا، حیلہ و مکر کرنا، سازش کرنا، **دَسِيسَةٌ** خفیہ سازش و عداوت، **أَنْبَعَثَ** **الْأَفْعَالُ** سے ماضی  
 کا واحد مذکر غائب، اٹھ کھڑا ہوا **أَنْبَعَثَ** **بَعَثًا** **وَتَبَعًا** (ف) بھیجنا، برا بھیجتے کرنا، ابھارنا، جوش دلانا، اکسانا، بیدار کرنا، زندہ  
 کرنا وغیرہ، (س) نیند سے بیدار ہونا، ظاہر ہونا، **أَشْقَى** اسم تفضیل بڑا بد بخت، بڑا بد قسمت، یہ **شَقَاوَةٌ** (س) سے ہے جس  
 کے معنی بد بختی کے ہیں، یہاں قوم ثمود کا وہ بدکار مراد ہے جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں اس کا  
 نام **قَدَارُ** بن سالف تھا، **قَدَارُ** بروزن غلام، اس کے معنی اونٹ ذبح کرنے والے کے ہیں، عرب میں مثل مشہور ہے **فَلَانٌ**  
**أَشْشَمُ مِنْ قَدَارٍ** (یعنی فلاں قدر سے بھی زیادہ منحوس ہے) **نَاقَةُ** **أَوْنَمِي** ج **نَاقٍ**، **نِيسَاقٍ**، **أَنَوَاقٍ**، **نُوقٍ** جمع **الْجَمْعُ** **أَيْنُقٍ**،  
**أَنَاقِي**، **نِيسَاقَاتٍ**، **عَقَرُوا** صیغہ جمع مذکر غائب ماضی (ض) کوچیں کاٹنا، کوچیں پاؤں کے وہ پٹھے کہلاتے ہیں جو پیچھے ایزی کی  
 طرف ہوتے ہیں، عرب میں دستور تھا کہ اونٹ کو حلال کرنا ہوتا تو اس کی کوچیں کاٹ دیتے تاکہ وہ بھاگ نہ سکے پھر اس کو نحر

کرتے تھے، غُفَر کا لفظ اصل کو نجس کا نئے ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، مگر کبھی کبھی بمعنی خروذج بھی مستعمل ہوتا ہے، دمدم صیغہ واحد مذکر غائب ماضی، اس نے الٹ مارا، اس نے تباہی لا ڈالی۔ اس نے ہلاکت ڈال دی، اس نے غصہ کیا، یہ دُمْدَمَہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہلاکت و غصہ کے ہیں، دَمٌ دَمًا (ن) ہموار کرنا، ہلاک کرنا، پاٹ دینا، پوری طرح عذاب دینا، دَمَامَہ (ن ض س) تحقیر و بد صورت ہونا غُفٰی عاقبت، بدلہ، انجام الغُفٰی خاتمة الشئ وما یجی من الامور علی عقبہ (ابو حیان) کام کی جزاء (مظہری) کیونکہ جزاء کام کی انجام دہی کے بعد ملتی ہے عُقُبٌ، غُفٰی، عَاقِبَہ کا استعمال نیکی کے ثواب اور جزاء کے ساتھ مخصوص ہے، عُقُوبَہ، مُعَاقِبَہ، اور عِقَاب کا استعمال عذاب اور برائی کی سخت سزا کے لئے خاص ہے، لیکن ایسا اکثر ہے، گاہے غُفٰی کا استعمال عذاب و ثواب دونوں میں ہوتا ہے، کما قال اللہ تعالیٰ ﴿يُلَکْ غُفٰی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَ غُفٰی الْکُفْرِیْنَ النَّارِ﴾ غُفٰی مصدر بھی ہو سکتا ہے، جیسے سُورِی، قُرْبِی، رُجْعِی، اس قسم کے مصادر بھی فَعْلٰی کے وزن پر بھی آتے ہیں، جیسے نَسْجُو، دَعُو اور فَعْلٰی کے وزن پر بھی، جیسے ذُکْرُو، ضِیْرُو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اسم ہو عَقَبَ عَقَبًا (ن ض) ایڑی مارنا، پیچھے آنا، جانشین ہونا (س) ایڑی میں درد ہونا۔

### ترکیب

وَالشَّمْسُ جَارِجٌ وَرَمَتْهُ اُفْسِمْ مَحْذُوفٌ كَے وَضَحَهَا مرکب اضافی معطوف عند ظلیل و سیویہ و کذا ما بعده وعند البعض هو قسم ثان مستقل والقول الثاني ضعيف وقد حققنا من قبل. وَالْقَمَرُ مطوف اور اِذَا تَلَّهَا اُفْسِمْ کا ظرف ہے۔ اسی طرح اس سے اگلے دونوں جملے ہیں، وَالسَّمَاءُ بھی وَالْقَمَرُ کی طرح معطوف ہے۔ اور مَا موصولہ اپنے صلہ بِنَہَا سے مل کر بھی معطوف ہے، اسی طرح اس سے آگے کے دونوں جملے ہیں، اور مَا یہاں تینوں موقوفوں پر بمعنی مَنْ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان تینوں افعال پر مَا مصدریہ ہے، فَالْهَيْمَهَا فعل ضمیر فاعل ہا مفعول پہ اول فَعُورَہَا مرکب اضافی اپنے معطوف وَتَقَوَّہَا سے مل کر مفعول بہ ثانی، جملہ سَوَّہَا پر معطوف وَقَدْ لِلتَّحْقِیْقِ، اَفْلَحَ فعل مَنْ موصولہ یا موصوفہ رَکَّہَا فعل فاعل (ضمیر غائب) مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ صلہ یا صفت موصول وصلہ یا موصوف و صفت مل کر فاعل، اَفْلَحَ اپنے فاعل (ضمیر غائب) مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّہَا مثلاً، معطوف معطوفین جواب قسم۔ تَكْذَبَتْ فعل ثَمُودُ فاعل بَطَغَوْہَا متعلق (والباء فیہ للسبب) جملہ فعلیہ استینافیہ۔ وَقَدْ خَابَ کے مضمون کی تقریر و تائید کے لئے ہے اِذْ مِضاف اَنْبَعَتْ فعل اَشَقَّہَا فاعل، جملہ فعلیہ مضاف الیہ ظرف ہوا تَكْذَبَتْ کا یا طَغَوٰی، کا، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ فعل، متعلق اور فاعل علی الترتیب نَاقَۃُ اللّٰهِ معطوف علیہ وَسَقَّیہَا معطوف، معطوفین مفعول بہ، جملہ فعلیہ، و الفاء فیہ للتفريع والمراد برسول الله صالح عليه السلام و اضافة الناقة الى الله للتشريف كما في بيت الله فَكَذَّبُوْهُ جملہ فعلیہ، و الفاء فیہ للتعقيب والضمير (ه) راجع الى رسول الله. فَعُورُہَا مثل سابق والضمير ها راجع الى الناقة. فَمَدَّمْ فعل عَلَيْهِمْ متعلق رَبَّہُمْ فاعل بَدَّ نِبَہُمْ متعلق، جملہ فعلیہ، ما قبل پر عطف اور اسی پر مرتب ہے فَسَوَّہَا فعل، فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ دَمَدَمَ پر عطف ہا دُمْدَمَہ کی طرف راجع ہے، جس پر لفظ دَمَدَمَہ دلالت کر رہا ہے، دو اور احتمال یہ ہے کہ ثمود کی طرف راجع ہو باعتبار جماعت، اس لئے کہ ضمیر ہم لانے میں رعایت فواصل نہ رہتی، وَلَا يَخَافُ عُقْبَهَا جملہ رَبَّہُمْ سے حال ہے، یا یہ جملہ متانفہ ہے اور ضمیر ہا مثل سابق عائد ہے دُمْدَمَہ کی طرف یا ثمود کی طرف ہے۔

تفسیر:

اس سورت کے شروع میں سات چیزوں کی قسم آئی ہے، اور ساتوں چیزوں کے ساتھ ان کی حالت کمال کے مناسب ان کے اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔

**پہلی قسم** ..... وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا یہاں اگر چہ ضحیٰ کو واؤ عطف کے ساتھ ذکر کیا ہے، لیکن بقرینہ سیاق یہ الشمس کا وصف ہے یعنی آفتاب کی قسم جب کہ وہ وقت ضحیٰ میں ہو، ضحیٰ اس وقت کو کہا جاتا ہے جب سورج طلوع ہو کر اتنا بلند ہو جائے کہ اس کی روشنی زمین پر خوب پھیل جائے، اس وقت سورج آدمی کو قریب معلوم ہوتا ہے، اور تمازت و تیزی زیادہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پوری طرح دیکھا بھی جاسکتا ہے۔

**دوسری قسم** ..... وَالْقَمَرَ إِذَا قَلَّهَا یعنی چاند کی قسم جبکہ وہ آفتاب کے پیچھے آئے، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب چاند سورج چھپنے کے بعد طلوع ہو، اور یہ مہینہ کے درمیان میں ہوتا ہے جبکہ چاند تقریباً مکمل ہوتا ہے، اور یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح ضحیٰ کے وقت آفتاب پورا دکھائی دیتا ہے اسی طرح جبکہ چاند کامل ہونے میں اس کے تابع ہو جائے۔

**تیسری قسم** ..... وَالنَّهَارَ إِذَا جَلَّهَا جَلَّهَا کی ضمیر ارض یا دنیا کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے، گو یہاں پہلے اس کا ذکر نہیں آیا، مگر محاورات عرب میں وہ چند چیزیں جو عموماً انسان کے سامنے رہتی ہیں، بغیر ماضی میں ذکر ہوئے ضمیر کا مرجع بن جاتی ہیں، قرآن کریم میں بھی مختلف مقامات پر اس کے نظائر موجود ہیں، اس اعتبار سے آیت کے معنی یہ ہوں گے، کہ قسم ہے دن کی اودنیاز زمین کی جبکہ اس کو دن نے روشن کر دیا ہو، اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ دن کی قسم بھی اس کی حالت کمال کے اعتبار سے ہے، لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ضمیر الشمس کی طرف ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ قسم ہے دن کی جبکہ وہ آفتاب کو روشن کر دے، اور یہ اسناد مجازی ہے، مطلب یہ ہوگا کہ دن پھیل جانے کے سبب سے آفتاب خوب روشن نظر آنے لگے۔

**چوتھی قسم** ..... وَاللَّيْلَ إِذَا يَغْشَاهَا یعنی قسم ہے رات کی جبکہ وہ آفتاب پر چھا جائے، یعنی آفتاب کی روشنی کو مستور کر لے، یعنی خوب تاریک ہو جائے، اور یہ رات کی حالت کمال ہے۔

**پانچویں قسم** ..... وَالسَّمَاءَ وَمَا بَنَاهَا یعنی قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے کی جبکہ ما کو مصدر یہ مانا جائے اور سباق کے اعتبار سے یہی معنی زیادہ واضح ہیں، جیسے بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي میں ما مصدر یہ ہے۔ کشاف، بیضاوی، قرطبی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، اور ما کو یہاں اور اس کے بعد دونوں جگہ مصدر یہ مانا ہے، بعض دوسرے مفسرین نے ما کو بمعنی مَنْ مان کر اس سے حق تعالیٰ کی ذات مراد لی ہے، اور معنی یہ ہیں کہ قسم ہے آسمان اور اس کے بنانے والے کی۔

**چھٹی قسم** ..... وَالْأَرْضَ وَمَا طَحَّهَا، یعنی قسم ہے زمین اور اس کے بچھانے (اور پھیلانے) کی یا قسم ہے زمین اور اس کے پھیلانے والے کی، ما کے اندر مذکورہ دونوں احتمالات کی بنا پر یہ دونوں ترجمے ہوں گے۔

**فائدہ** ..... پانچویں اور چھٹی قسم میں آسمانوں کے ساتھ اس کے بنانے اور زمین کے ساتھ اس کے پھیلانے کا ذکر بھی اسی حالت کمال کو بتانے کے لئے ہے، یعنی قسم ہے آسمان کی اس حالت میں کہ اسکی تخلیق مکمل ہو گئی، اور زمین کی جبکہ اس کو پھیلا کر اس کی تخلیق مکمل کر دی گئی۔



ساتویں قسم..... وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا مَا کو مصدر یہ مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ قسم ہے انسانی جان کی او اس کے درست کرنے کی، اور اگر مَا کو بمعنی مَنْ لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی، تسویہ (برابر، ہموار اور درست کرنے) کا مفہوم سورۃ الفطار میں تفصیل سے آچکا ہے۔ (فائدہ) ایک بات یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ یہاں جتنی قسمیں مذکور ہیں، وہ سب مخلوقات کی قسمیں ہیں، درمیان میں ذات حق کی قسم آجانا نسق و ترتیب کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اور بعض مخلوقات کی قسم کی ذات باری پر تقدیم بھی لازم آتی ہے، اس لئے ان تینوں مقامات پر ”مَا“ کو اگر مصدر یہ مانا جائے تو یہ دونوں اشکالات بھی پیش نہ آئیں گے، اور ان کے جوابات کے لئے تکلف بھی نہ کرنا پڑیگا، فافہم۔

فَالْهَمَّهَا فَجُورَهَا وَتَقْوَاهَا یہ جملہ بھی ساتویں قسم (وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا) کے ساتھ مربوط ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو بنایا، پھر اس کے دل میں فُجُور و تقویٰ دونوں کا الہام کر دیا، یعنی نفس انسانی میں گناہ و طاعت دونوں کی استعدادیں ودیعت فرمادیں، پھر انسان کو ایک خاص قسم کا اختیار دیا کہ گناہ یا طاعت وہ اپنے قصد و اختیار سے کر کے ثواب، یا عذاب کا مستحق بن سکے، اس سے یہ شبہ رفع ہو جاتا ہے کہ جب تخلیق انسانی میں خالق نے فُجُور و تقویٰ دونوں کی استعداد رکھ دی ہے، تو وہ ان کے ارتکاب پر مجبور ہے اور کسی عذاب و ثواب کا مستحق نہیں۔

یہ تفسیر ایک حدیث مرفوعہ سے مستفاد ہے جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ تقدیر کے متعلق سوال کیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمائی تھی اس آیت سے مسئلہ تقدیر پر شبہ کا جواب اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ الہام فُجُور و تقویٰ سے یہ مراد ہو کہ حق تعالیٰ نے نفس انسانی میں فُجُور اور تقویٰ دونوں کے مادے اور استعدادیں رکھ دی ہیں، اور اختیار دیدیا ہے کہ وہ دونوں میں سے جس کو چاہے اپنالے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو بلند آواز سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ نَفْسِیْ تَقْوَاهَا اَنْتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلَاهَا وَزَجَّجَهَا وَاَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَجَّجَهَا (اے اللہ میرے نفس کو تقویٰ کی توفیق عطا فرمائیے آپ میرے نفس کے مالک و مربی ہیں اور میرے نفس کو پاک فرمادیجئے آپ بہتر پاک فرمانے والے ہیں)

جواب قسم..... قسموں کے بعد ان ساتوں قسموں کا جواب ہے، یعنی وہ شخص کامیاب و بامراد ہو جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا اور وہ محروم و نامراد ہو جس نے اس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا، تزکیہ کے اصل معنی باطنی پاکی کے ہیں اور ”دس“ کے معنی زمین میں دفن کر دینے کے ہیں، زنجی اور دشنی دونوں کی ضمیریں مَنْ کی طرف راجع ہیں، جس سے مراد انسان ہے، لیکن بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دونوں فاعلی ضمیریں اللہ کی طرف لوٹ رہی ہیں، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ کامیاب ہو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا، اور نامراد و محروم ہو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں میں دھنسا دیا۔ اس آیت نے سب انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا، ایک کامیاب و بامراد دوسرا محروم و نامراد۔ چنانچہ آگے دوسرے گروہ کا ایک واقعہ بطور مثال ذکر کر کے نامرادوں کو ان کے انجام بد سے خبردار کیا گیا، اور ڈرایا گیا ہے، کہ نامرادوں کو آخرت میں تو سخت سزا ملنی ہی ہے، لیکن بعض اوقات دنیا ہی سے ان کی سزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جیسے کہ قوم شمود پر دنیا میں بھی عذاب آیا۔

## قسمیں اور ان کی خصوصیات

اہل عرب کے نزدیک کسی بات کا یقین دلانے کے لئے سب سے آخری چیز قسم ہوتی تھی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ خلاف واقعہ قسم کھا کر کوئی سرسبز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قرآن پاک میں اگر توحید اور نبوت و رسالت وغیرہ مضامین کو دلائل سے ثابت کیا گیا، تو عرف عرب کے مطابق قسموں سے بھی ان مضامین کو ثابت کیا گیا ہے، اس سورت کے شروع میں سات قسمیں مذکور ہیں: (۱) جو مضمون مقصود (جواب قسم) پر دلائل بھی ہیں، اور (۲) قدرت خداوندی کے نمونے بھی (۳) ضرورت رسالت پر شواہد بھی ہیں (۴) اور سلسلہ نبوت کا تعارف بھی، کفار و مشرکین کے لیے یہ وعیدیں بھی ہیں (۶) اور پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے لئے ان میں سامان تسلی بھی ہے، اگر غور کیا جائے تو ان قسموں کی تفصیلات میں اتنی وسعتیں ہیں کہ ہماری اس مختصر کتاب کے دامن میں ان کی قطعاً گنجائش نہیں، ذیل صرف ایک پہلو کی مختصر توضیح ملاحظہ فرمائیں۔

پچھلی سورت (سورت البلد) میں لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ سے ایک حقیقت ثابتہ کو مدلل طریقہ پر بیان کیا گیا تھا اور وہ یہ کہ انسان کی فطرت میں محنت و مشقت رکھی گئی ہے، اس سورت (سورۃ الشمس) میں اس محنت کی وضاحت و تفصیل دی گئی ہے، دنیاوی کاروبار کو تو سب ہی لوگ جانتے اور کرتے ہیں، لیکن حضرت انسان کی پیدائش کا مقصد یہ محنت نہیں بلکہ وہ محنت ہے جو آخرت میں کام آئے، اور وہ محنت عبادت خداوندی کی محنت ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ نیز حدیث پاک میں دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے: الدُّنْيَا مَزْرَعَةٌ الْآخِرَةُ. اور اس دنیوی کھیتی کیلئے اس عالم مادہ میں نفس انسانی کے علاوہ چیزوں کی ضرورت ہے، بغیر ان چھ چیزوں کے زراعت کا عمل ممکن نہیں۔

(۱) آفتاب: کہ اس کی حرارت سے قوت نامیہ زمین میں ابھرتی ہے، اور کھیتیاں اگتی ہیں، گویا سورج کھیتوں کے حق میں ایسا ہے جیسے حیوانات کے لئے حرارت عزیز ہے، آفتاب کی گرمی سے پھل پھول آتے ہیں، اور کھیتیاں پک کر تیار ہوتی ہیں، اسی کی گردش سے موسم بدلتے ہیں۔ (۲) مہتاب: کہ اس کی رطوبت سے پھلوں پھولوں میں رس پڑتا ہے، سمندروں میں اسی سے مد و جزر کی کیفیات نمودار ہوتی ہیں، اور تاریکی میں آفتاب کی قائم مقامی بھی چاند ہی کرتا ہے۔ (۳) دن: کہ اس میں تمام کام کاج کئے جاتے ہیں۔ (۴) رات: کہ اس میں دن کے تھکے ماندے آرام کرتے ہیں، رات کی شبم دن کی حرارت کا تدارک کرتی ہیں۔ (۵) آسمان: کہ بارش کا نزول وہیں سے ہوتا ہے، ہوا وہیں سے چلتی ہے، آفتاب و مہتاب اسی میں چمکتے ہیں۔ (۶) زمین: کہ بشرط قابلیت اسی میں کھیتی اور تخم ریزی ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان جو دنیا میں آخرت کی کھیتی کرنے آیا ہے اس کو اپنی اخروی کھیتی میں بھی چھ چیزوں کی ضرورت ہے۔

(۱) آفتاب نبوت: کہ اسی کی روشنی و گرمی سے سب کام بنتے ہیں۔ (۲) چاند: یعنی آفتاب نبوت کے جانشین و نائبین کہ نور نبوت کے بعد ان کا نور ولایت چاند کے مثل ہے، جس طرح چاند کی روشنی آفتاب کا پر تو ہے اسی طرح نور ولایت بھی نور نبوت کا پر تو ہے۔ (۳) دن: یعنی عمر گرانمایہ کا وہ حصہ جس میں آخرت کے لئے کھیتی کر سکے۔ (۴) رات: یعنی انسان کے دنیوی کاروبار اور راحت کا وقت۔ چونکہ اس میں اللہ سے کسی نہ کسی درجہ میں غفلت ضرور ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کو رات سے تشبیہ دیجاتی ہے۔ یہ وقت بھی نفس انسانی کے لئے ضروری ہے، کیونکہ اس میں انسان اپنے نفس و اہل و عیال اور خلق خدا کے حقوق کی ادائیگی کرتا ہے، اگر اس کے لئے یہ رات نہ ہوتی تو وہ دنیا سے بیکار و معطل ہو جاتا۔ اور

انسانیت کے مرتبہ سے نکل کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتا۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک عابد و زاہد صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا، سوؤ بھی اور نماز تہجد بھی پڑھو، اور یہ بھی فرمایا کہ تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی حق ہے۔ اور پڑوسی کا بھی حق ہے، وغیرہ (مطلب یہ ہے کہ خالق و مخلوق سب کے حقوق ادا کرتے ہوئے زندگی گزارو)۔

صحیح روایت میں وارد ہے کہ حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راستہ میں ملے اور کہنے لگے کہ حظلہ تو منافق ہو گیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کیوں؟ حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس لئے کہ جب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخرت اور دوزخ و جنت سب کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اور جب مجلس مقدس سے واپسی پر بال بچوں میں مشغول ہوتا ہوں تو وہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ حال تو میرا بھی ہے، چلو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں، چنانچہ دونوں نے جا کر ماجرا عرض کر دیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم پر وہی حال طاری رہے جو میری مجلس میں رہتا ہے تو تم اپنی بیویوں سے لذت نہ اٹھا سکو بلکہ نعرے مارتے ہوئے جنگوں کو نکل جاؤ، اور فرشتے راستوں میں تم سے مصافحے کرنے لگیں۔ لیکن یہ حالت ہمیشہ نہیں رہتی۔ کبھی یہ حالت ہوتی ہے اور کبھی وہ۔ (تا کہ حق کی طرف بھی توجہ ہو اور دوسرے وقت خلق کی طرف بھی۔ اور دونوں قسم کے حقوق یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ممکن ہو سکے) اس سے معلوم ہوا کہ وقت راحت و غفلت بھی اللہ کی عظیم الشان نعمت ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جس طرح تہجد گزاری و شب بیداری میں ثواب کی توقع رکھتا ہوں رات کو سوئے اور آرام کرنے میں بھی اجر و ثواب کی امید رکھتا ہوں۔

تنبیہ:..... البتہ جو غفلت خلاف شرع ہو، معین طاعت نہ ہو یا معاصی کی طرف مقلی ہو وہ شرعاً مذموم و حرام ہے۔

(۵) آسمان شریعت: جو آخرت کے کاشفکار کو ہر طرف سے محیط ہے۔ اور عقائد و اعمال و احوال کی بارش بھی وہیں سے برسی ہے، وہیں سے شوق کی ہوائیں چلتی ہیں، جو شخص شریعت مطہرہ سے باہر نکل کر آخرت کی کھیتی کرنا چاہتا ہے، وہ گویا آسمان سے باہر نکلتا چاہتا ہے، جو ہرگز ممکن نہیں۔ (۶) زمین: اور اس سے مراد انسان کی وہ خداداد قابلیت و استعداد ہے جس میں عقائد و اعمال اور احوال سرسبز ہوتے اور پروان چڑھتے ہیں جس قدر اس میں فرخانی، پاک و اور صفائی ہوگی۔ اور جس قدر اعلیٰ استعداد و صلاحیت کی یہ زمین ہوگی اسی قدر اس میں عقائد و اعمال اور احوال کی بہاریں نشوونما پائیں گی۔

مفسرین نے ان قسموں کی تعبیرات اپنے اپنے رجحانات کے موافق متعدد کی ہیں جن میں رطب و یابس شامل ہیں، ہم نے اختصار و تظہر لکھ کر ایک تعبیر کی وضاحت کر دی ہے، اور اس کے شروع میں ان فوائد کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے، جن کو مفسرین نے مستقل تعبیرات کی شکل دیکر طویل مباحث ذکر کی ہیں۔ فمن شاء فليطالع في المطولات.

گَدَبْتُ ثَمُودَ بِطُغُوها یہاں سے سورت کے ختم تک خَاب کی تاکید معنوی ہے، اور ضلالت و طغیان کے نتیجہ میں خضبت و خسران کی ایک نظیر ہے، گَدَبْتُ کا مفعول بہ بُسُوۃ صَالِحِ محذوف ہے۔ بِطُغُوها میں باء سیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قوم ثمود چونکہ کفر کی آخری حد سے بڑھ چکی تھی اس سبب سے اس نے حضرت صالح علیہ السلام کے پیام توحید و نبوت کی تکذیب کی۔ حضرت صالحؑ نے قوم سے فرمایا اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اٰمِیْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْا۔ مگر آپ کی قوم نے جواب دیا مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاتِّبَاعِیْہِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ یعنی معجزہ طلب کیا اور ایک معین پتھر سے دس ماہ کی گاہن اونٹنی برآمد کرنے کی خواہش ظاہر کی، حضرت صالح علیہ السلام کی دعاء سے ایک گاہن اونٹنی اس پتھر سے

برآمد ہوئی، اور فوراً اس کے پیٹ سے اسی جیسا بچہ پیدا ہو گیا، یہ اونٹنی سب جانوروں کا پانی پی جاتی تھی۔ اس لئے پانی کی باری مقرر کر دی گئی، کہ ایک دن کا پانی صرف اونٹنی پیا کرے گی اور دوسرے دن کا دوسرے جانور، کافروں کو یہ تقسیم ناگوار گذری، اس لئے انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا تا کہ یہ دقت ہی ختم ہو جائے۔ ایک فاحشہ عورت نے (جس کی ملک میں کافی جانور تھے، اور قد ار بن سالف بد معاش سے اس کی آشنائی بھی تھی اس) قد ار بد کردار کو اونٹنی کے قتل پر آمادہ کر لیا، اس قد ار نے اپنے چند ساتھیوں سمیت اونٹنی کے قتل کا عزم کر لیا، جب حضرت صالح علیہ السلام کو ان لوگوں کی بدنیتی کا علم ہوا تو انہوں نے ان کو اس حرکت سے منع کیا، چنانچہ ارشاد ہے:

إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا فَقَالَ لَهُمْ (قوم ثمود نے تکذیب اس وقت کی جبکہ ان میں سے سب سے بڑا بد بخت اونٹنی کی کوئیں کاٹنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ تو اللہ کے رسول نے فرمایا: اللہ کی اونٹنی کو رہنے دو، اور اس کے قتل سے ڈرو، اور اونٹنی کے پانی پینے سے بھی تعزیر نہ کرو) حضرت صالح علیہ السلام نے سمجھایا۔ عذاب سے ڈرایا، مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا (حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلادیا اور اونٹنی کو کوئیں کاٹ دیں) اونٹنی کو قتل کر نیوالا قد ار اگرچہ بد کردار تھا، لیکن مشورہ میں سب شریک تھے، اس لئے قتل کی نسبت سب کی طرف کر دی گئی، مقاتل نے کہا کہ قتل کرنے والے نو آدمی تھے، اور اسم تفصیل کا صیغہ أَشْقَىٰ اگرچہ واحد ہے، مگر اسم تفصیل جب مضاف ہوتا ہے تو اس سے مراد واحد بھی ہو سکتا ہے اور جمع بھی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تین دن تم اپنی زندگی سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہو، اس کے بعد تم پر عذاب آئے گا، اور اس کی علامت یہ ہے کہ تین دن گزرنے کے بعد پہلے دن تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے، دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ اور تین دن کے بعد تم سب ہلاک کر دیے جاؤ گے۔ اونٹنی کو جب یہ بد نصیب مار چکے تو بچہ پہاڑوں میں جا چھپا، حضرت صالح علیہ السلام نے تب بھی قوم کو بچانے کی کوشش کی، فرمایا: جاؤ بچہ کو تلاش کر لو، اگر وہ مل گیا تو شاید تم عذاب سے بچ جاؤ، لیکن جب بچہ نہ ملا تو آپ نے اس وقت عذاب کی خبر صاف صاف سنا دی، کہ تین دن کی مہلت ہے اگر صدق دل سے توبہ کر لو تو ٹھیک ہے ورنہ عذاب میں پکڑ لئے جاؤ گے، تین دن گزرنے پر جب عذاب کے آثار شروع ہوئے اور سب کے چہرے زرد ہو گئے تو قسداں اور اس کے ساتھیوں نے یہ طے کر لیا کہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل و عیال کو راتوں رات شہید کر دو، چنانچہ رات کے وقت یہ نو بد معاش حملہ کرنے کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کے مکان پر جا پہنچے، اللہ تعالیٰ نے وہیں ان بد معاشوں کو ہلاک کر دیا، یہ دیکھ کر قوم کو اور بھی جوش آیا، اور وہ آمادہ جنگ ہو گئی، ادھر اہل ایمان (ریس قوم جندع بن عمر و اور اس کے رفقاء جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے) بھی ان کا جواب دینے کے لئے تیار ہو گئے، مگر گفت و شنید پر یہ طے پایا کہ اہل ایمان شہر سے نکل جائیں، چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام مؤمنوں کو لیکر شہر سے باہر نکل گئے، یہ دوسرے دن کی بات ہے جبکہ سب کے چہرے سرخ ہو چکے تھے، اگلے دن سب کے چہرے سیاہ ہو گئے اور ان کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا، اس لئے وہ اپنے بنائے ہوئے مضبوط مکانات اور قلعوں میں محفوظ ہو گئے، ادھر سیاہ آندھی چلی، زلزلہ آیا، اور تین بار سخت کڑک کی ایسی ہمتاک آوازیں آئیں کہ ان کی ناپاک روئیں ان کے منہوں جسموں سے جدا ہو گئیں، اور سب اپنے مکانات میں منہ کے بل مردہ پڑے رہ گئے۔ فَبَعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَ اخْفَظْنَا مِنْ غَضَبِكَ وَعَذَابِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ فَتَمَدَّمْ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ یعنی تین دن کے بعد ان کے رب نے ایک ہمہ گیر عذاب سے

ان کو بچ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ بِذَنبِهِمُ اِنَّہ کے گناہ کے سبب سے، گناہ و نافرمانی سے مراد بکنذیب صالح علیہ السلام کو قتل ناقہ ہے۔ فَسَوَّھا (تجانی و ہلاکت ایک سی کردی، کہ اس بدکردار قوم کا کوئی ایک فرد بھی زندہ باقی نہ رہا۔) وَلَا یَخَافُ عُقْبَھا لَا یَخَافُ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے، یعنی اللہ کو اس دمدمہ (تجانی) یا شمود کی بربادی کے انجام کا کوئی اندیشہ و فکر نہ تھا، کہ وہ کسی قدر ان میں سے کسی پر رحم فرما کر کسی کو زندہ چھوڑ دیتا۔ ضحاک، سدی اور کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لَا یَخَافُ کی ضمیر اشقیٰ کی طرف راجع ہے، اور کلام میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے، اصل کلام اس طرح تھا اِذْ اُنْبِغَتْ اَشْقَیْھا وَلَا یَخَافُ عُقْبَھا یعنی سب سے بڑا بد بخت اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے فوراً تیار ہو گیا، اور اسکے نتیجہ کی طرف سے اس کو کچھ خوف نہ ہوا۔ لیکن آیت کا صاف اور بے غبار مطلب یہی ہے کہ حق تعالیٰ کے عذاب دینے اور کسی قوم کو تباہ کر دینے کے معاملہ کو دنیا کے معاملات پر قیاس نہ کرو، کہ جب کوئی بڑے سے بڑا صاحب قوت و شوکت بادشاہ بھی کسی قوم کے ساتھ ایسا بربادی کا معاملہ کرتا ہے تو اس کو خود بھی خطرہ رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے باقی ماندہ یا حامی لوگ ہم سے ان کا انتقام لے لیں۔ یا رعایا بغاوت پر آمادہ ہو جائے، حاصل یہ ہے کہ دنیا میں دوسروں کو مارنے والا خود بھی کبھی بے خطر نہیں ہوتا، دوسروں پر حملہ کرنے والے کو لازمی طور دوسروں کے حملے کا خطرہ ہوتا ہے، لیکن حق تعالیٰ شانہ کو کبھی کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ۔

(فائدہ) قدر بروزن غلام، یہ باجی، پستہ قد، چستکبراء، نیلی آنکھوں والا، سرخ رنگ، بڑا موٹا تازہ، شریرو متکبر اور شہوت پرست شخص تھا، یہ ایسا منحوس تھا جس نے خود کو بھی ہلاک کیا، اور اپنی بدکرداری سے پوری قوم کو غارت کر دیا، اس لئے عرب میں یہ مثل مشہور ہو گئی فَلَانٌ اَشْأَمٌ مِنْ قَدَّارٍ فَلَانٌ غُلَامٌ مَنْحُوسٌ و بد بخت ہے۔  
قدر کو اشقیٰ کیوں کہا گیا؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے بڑا بد بخت ناقہ شمود کی کوچیں کاٹنے والا اور آدم علیہ السلام کا وہ بیٹا تھا جس (قائیل) نے اپنے بھائی (ہانیل) کو قتل کیا تھا، اس نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ نکالا، اس لئے دنیا میں جو بھی خون بہایا جائیگا اس (کے عذاب) کا ایک حصہ اس کو پہنچے گا۔ (سندہ صحیح مظہری) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بار بار ارشاد فرمایا کہ میں تم کو بتاؤں، سب سے بڑا شقی کون ہے؟ عرض کیا فرمائیے، ارشاد فرمایا ایک تو وہ جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا، اور اس سے بڑا بد بخت وہ ہے جو تمہارے سر پر تلوار مار کر تمہاری ڈارھی خون سے رنگین کر دیگا، (رواہ احمد وغیرہ سند صحیح) اب چند امور سمجھئے تاکہ ان کا اشقیٰ ہونا سمجھ میں آجائے۔ (۱) ہر قسم کی شہوت و وجہ خسرت اور موجب ذلت ہے، کیونکہ گرفتار شہوت میں تعلق، چالپوسی، خوشامد جیسی گھناؤنی خصلتیں اور انفعالی کیفیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ (۲) شہوتوں میں فرج کی شہوت سب سے زیادہ بدترین ہے، کیونکہ وہ جگہ شرمناک بھی ہے، گندگیوں سے پر بھی ہے، اس کا ذکر بھی ناپسندیدہ ہے، گالی اسی کی دی جاتی ہے۔ وغیرہ۔ (۳) غضب سے جب حق تلی ہونے لگے، تو وہ بھی بے حد معیوب شمار ہوتا ہے، اب سمجھئے کہ سب سے زیادہ بد بخت قدر نے نہایت گندی شہوت (شہوت فرج) کی خاطر اللہ کی اونٹنی کو مار کر اللہ کی حق تلفی کی، اپنی حق تلفی کی کہ خود ہلاکت و عذاب میں گرفتار ہوا، اپنی قوم کو برباد کر کے ان کی بھی حق تلفی کی۔ حاصل یہ کہ بدترین شہوت کی وجہ سے ہر قسم کی حق تلفی کا ارتکاب کر کے قدر بن سالف پہلی امتوں میں اشقیٰ قرار پایا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل نے بھی بالکل اسی قسم کے جرم کا ارتکاب کیا، تو وہ امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اشقیٰ کہلایا، اس کی مزید تفصیل تفسیر فتح العزیز میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

تم تفسیر سورہ الشمس بکمالہ فالحمد للہ علیٰ نوالہ والصلوٰۃ والسلام علی النبی والہ  
بقدر حسنہ وجمالہ ومتبعی امرہ بامثالہ

## سُورَةُ الْيَلِّ

سُورَةُ الْيَلِّ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ إِحْدَى وَعِشْرُونَ آيَةً

(رکوع: ۱، آیات: ۲۱) سورۃ یل مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اکیس آیات ہیں۔ (کلمات: ۷۱، حروف: ۳۱۰)

رابط و مناسبت:

سورۃ الشمس اور سورۃ الیل میں ربط و مناسبت کئی وجوہ سے ہے۔ (۱) دونوں سورتوں کی ابتداء ایسی چیزوں کی قسموں سے ہوئی جو باہم نہایت مناسبت رکھتی ہیں۔ (۲) سورۃ الشمس میں نفوسِ انسانیہ کا باہمی اختلاف مذکور تھا، کہ بعض کو الہامِ فُجور اور بعض کو الہامِ تقویٰ ہوتا ہے، اس سورت میں بھی نفوسِ انسانیہ کا یہی تفاوت آیات إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى اور فَأَمَّا مَنْ میں مذکور ہے۔ (۳) سابقہ سورت میں الہامِ فُجور و تقویٰ کا ذکر تھا اس میں اس کا انجام و اثر مذکور ہے۔ (۴) وہاں اشقی کا بیان تھا یہاں جماعتِ اشقیاء کا بیان ہے۔ (۵) وہاں امتِ صالح علیہ السلام کے اٹھنی (قدار بن سالف) کا بیان تھا یہاں امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اشقی (امیہ بن خلف) کا ذکر ہے، اس نے نفاقہ اللہ پر ظلم کیا تھا، اور امیہ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و صحبت بابرکت سے ایک بڑا مقام حاصل کیا تھا، گویا وہ نفاقہ اللہ کے مشابہ تھے، کیونکہ وجودِ ناقہ معجزہ صالح علیہ السلام تھا، اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیگر اصحاب کی طرح معجزہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

سورۃ الیل کی اہمیت:

سنن بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں وَالْيَلِّ إِذَا يَغْشَى جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک بار نمازِ ظہر پڑھائی، اس میں کسی قدر آواز بلند ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ سورۃ الشمس اور سورۃ الیل پڑھ رہے ہیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو اس نماز میں کسی خاص سورت کے پڑھنے کا حکم ہے؟ فرمایا نہیں! لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے (اندازہ) وقت مقرر کر دوں۔ (حقانی)

تنبیہ: ..... فجر و ظہر میں مقتدیوں کے حال کے مناسب طوالت مفصل (سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک کی سورتوں) میں سے اور عصر و عشاء میں اوساط مفصل (سورۃ بروج سے سورۃ بینہ تک کی سورتوں) میں سے اور مغرب میں قصار مفصل (سورۃ بینہ سے سورۃ ناس تک کی سورتوں) میں سے پڑھنا مسنون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمازِ ظہر میں مفصل کے بجائے سورۃ الشمس اور سورۃ الیل کو پڑھنے سے ان کی اہمیت مفہوم ہوتی ہے۔

شان نزول:

امیہ بن خلف مکہ معظمہ کا بڑا مالدار اور مشہور دشمنِ اسلام تھا، اس کے پاس تجارت، کھیتیاں اور باغات مختلف ذرائع آمدنی تھے، اس نے اپنے بارہ غلاموں کو تربیت دیکر ایک ایک کام کی ذمہ داری و نگرانی ایک ایک غلام کے حوالہ کر دی تھی،

بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی ذلیل و خلیل دشمن اسلام کے غلام تھے، ان کے حوالہ خزانے اور بت خانہ کا انتظام تھا، گو اس کے پاس ہر قسم کا مال و سر و سامان تھا مگر اس کے باوجود اعلیٰ درجہ کا بخیل اور کنجوس تھا، راہ خدا میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتا تھا، اگر کوئی غلام کچھ خرچ کر دیتا تو اس پر آفات کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے، اور کسی نے اگر اس کو غریبوں پر خرچ کرنے کی ترغیب دیدی تو بہت ناراض ہوتا، اس سے کوئی کہتا کہ آخرت میں تیرے کام آئے گا کچھ خرچ کر دیا کرو تو کہتا کہ آخرت ہے کہاں؟ اور اگر ہوئی بھی تو میرے پاس سب کچھ ہے، یہ میرے کام آئے گا، مجھے اس جنت اور ان نعمتوں کی ضرورت نہیں، جن کا لالچ دلا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) محتاجوں اور کنگالوں کو اپنا معتقد بناتا ہے، اور بھائی اپنا حال تو یہ ہے۔

صبح جام سے گذرتی ہے شب دل آرام گذرتی ہے عاقبت کی خبر کسے معلوم یاں تو آرام سے گذرتی ہے

اس کے غلاموں میں سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوشیدہ طور سے مشرف باسلام ہو گئے تھے، رفتہ رفتہ اس بد بخت امیہ کو خبر ہو گئی، تو ان کو خزانے اور بت خانہ کی نظامت سے معزول کر کے طرح طرح کی تکلیفیں ان کو دینے لگا۔ اور کوشش کرتا رہا کہ یہ دین اسلام کو چھوڑ دیں، غلاموں سے رات بھر کوڑے لگواتا بدن میں ببول کے کانٹے اور سونیاں جھوٹاتا۔ گرم ریت پر لٹا کر سینہ پر پتھر رکھواتا، گرمی میں ان کے پاس آگ جلواتا، مگر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر تکلیف کے وقت اُحد اُحد کا نعرہ لگاتے، یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔

ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کے مکان کی طرف گذر ہوا، آہ وزاری اور شور و فریاد کی آوازیں سن کر پوچھا کیا بات ہے؟ کسی نے پورا ماجرا سنا دیا کہ ایک حبشی غلام کو اسلام قبول کر لینے کے جرم میں ستایا جا رہا ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بہت رحم آیا اور آپ امیہ سے ملے اور فرمایا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا، اس بیکس غریب پر اتنا ظلم کرتا ہے، اس نے کہا کہ اگر تو خدا ترس اور اسلام کا حامی ہے تو اس کو خرید لے، آپ نے فرمایا: بتا کیا مانگتا ہے، اس نے کہا کہ اپنا رومی غلام نسطاس دیدے اور بلال کو لے لے، نسطاس رومی بڑا ہوشیار اور قابل غلام تھا، دو ہزار دینار بھی اس نے اپنی کمائی کے جمع کر رکھے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بخوشی منظور فرمالیا، اور نسطاس رومی غلام بلکہ اس کے ساتھ چالیس اوقیہ چاندی امیہ کے حوالہ کر کے حضرت بلال کو اس کی قید سے چھڑا لائے، آپ ان کو چھڑا کر لارہے تھے اور وہ بد بخت ہنس ہنس کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل و دانائی کے باوجود کیسا دھوکہ کھایا ہے، کہ وہ ایک قیمتی غلام مجھے دے گئے اور کٹما غلام اس کے بدلہ میں لے گئے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، اور سب ماجرا سنا کر عرض کیا کہ آپ گواہ رہئے کہ میں نے صرف حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے بلال کو آزاد کر دیا، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ فارغ البال اور مطمئن ہو کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے رہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے بہت سے مظلوم غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد فرمایا تھا، مثلاً (۱) عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بنی جدعان کے غلام تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایک رطل سونے کے عوض میں خرید کر آزاد کیا تھا، یہ ہجرت کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، اور جنگ بیر معونہ میں شہید ہوئے۔ (۲) زبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ باندی تھیں، ان کو خرید کر آزاد کیا، آزادی کے بعد ان کی بیٹائی جاتی رہی تھی، کفار کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو خوب طعنے دیئے اور کہا: دیکھا ہمارے لات اور عزئی کی کرامت کہ انہوں نے اس کو کیسا اندھا کیا؟

حضرت زبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تمہارے ان بے جان معبودوں میں یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ کسی کا کچھ بنا لگاڑ سکیں، اللہ مالک و قادر ہے وہ جو چاہے کرے حق تعالیٰ کو ان کی یہ بات ایسی پسند آئی کہ ان کی آنکھیں فوراً روشن ہو گئیں۔ (۳۳)

مہدیہ اور بنت مہدیہ، یہ دونوں (ماں اور بیٹی) قبیلہ بنی عبد الدار کی ایک عورت کی باندیاں تھیں، وہ عورت بھی ان دونوں پر بڑا ظلم ڈھاتی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بھی نصیحت کی کہ ان بیچاروں کو تکلیف نہ دے، اور ان کی جتنی قیمت ہو مجھ سے لے لے، اس عورت نے ان دونوں کی قیمت بہت مانگی آپ نے بلا چون و چرا اتنی ہی قیمت ادا کر کے ان کو خرید لیا، یہ دونوں ماں اور بیٹی اس وقت اپنی مالکہ کا آٹا پیسنے میں مشغول تھیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خوش ہو جاؤ میں نے تم کو خرید کر اللہ کی رضا جوئی کے لئے آزاد کر دیا، اب تم دونوں اٹھو اور میرے ساتھ آؤ، ان دونوں نے عرض کیا اے صدیق ایک مدت سے ہم دونوں اس گھر میں پرورش پا رہی ہیں، ان کا نمک کھایا ہے، اب ان کا کام ادھورا چھوڑنا مناسب نہیں ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے، ان کو شاباشی دی، اور وہ دونوں اس عورت کا کام مکمل کر کے اس سے رخصت ہو گئیں۔ (۵) مملوکہ بنی مؤمل۔ بنی مؤمل قبیلہ بنی عدی کا ایک خاندان تھا، اسی قبیلہ بنی عدی کے ایک فرد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جو ابھی مشرف باسلام نہ ہوئے تھے، اس مملوکہ کو بھی سخت تعذیب کجا رہی تھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خرید کر لوبہ اللہ آزاد کیا۔ (۶) ام عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مظلومہ کو بھی آپ نے خرید کر آزاد فرمایا۔ اور کفار کے ظلم و ستم سے نجات دلائی۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے غلاموں اور باندیوں کو آزاد فرمایا، اس کے باوجود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چالیس ہزار درہم بچ رہے، جو آپ نے پیغمبر اسلام اور مسلمانوں پر بے دریغ خرچ کئے، ہجرت کے وقت صرف چھ ہزار درہم باقی تھے، جن میں سے کچھ سفر ہجرت میں اور باقی مسجد نبوی کی زمین خریدنے میں خرچ کر ڈالے، غرض یہ کہ آپ نے تمام اپنا سرمایہ نیک کاموں میں صرف فرمادیا۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان جن آمنۃ الناس علی فی صحبہ و مالہ ابو بکر ولو کنت متخذاً خلیلاً لاتخذت ابابکر خلیلاً ولكن اخوة الاسلام (متفق علیہ) یعنی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جان و مال سے مجھ پر تمام لوگوں سے بڑھ کر احسان کیا ہے، اگر اللہ کے سوا میں کسی کو اپنا ظلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنانا لیکن اخوة سلامی کافی ہے) ایک جگہ ارشاد ہے ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر (مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تمام مال اسلام کی شان و شوکت کو چار چاند لگانے میں صرف فرمادیا، اور خود مفلس ہو گئے، تو ایک دن کبیل لیسٹکے اٹھکانٹوں کے اس میں تلکے لگا کر حاضر خدمت ہوئے ادھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال پوچھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے اپنا تمام سرمایہ مجھ پر اور اسلام و مسلمین پر خرچ کر دیا ہے، اب ان کے پاس کچھ نہیں رہا، اسلئے یہ حال ہے، حضرت جبریل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام فرمایا ہے اور پوچھا ہے کہ وہ اس حالت فقر میں بھی مجھ سے راضی ہیں یا نہیں، یہ سن کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور بار بار کہتے رہے انا عن ربی راضی انا عن ربی راضی (میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں) اس سورت میں امیہ بن خلف جیسے دشمن اسلام و خلیل اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے فدائے اسلام و وحی کے حالات کا نقشہ کھینچ کر ان کی سعادت و شقاوت اور بنی آدم کی مختلف کوششوں کے اچھے اور برے انجام کو بیان فرمایا گیا ہے، تاکہ نیک بخت لوگ اہل شقاوت کی راہ سے بچ کر اہل سعادت کا راستہ اختیار کریں۔ (والاعتبار لعوموم الالفاظ لالخصوص الاسباب)



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

وَاللَّیْلِ إِذَا یُعْشِی (۱) وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى (۲) وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثٰی (۳) اِنَّ سَعِیْكُمْ لَشَتٰی (۴)

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے، اور دن کی جب وہ روشن ہو جائے، اور اس کی جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا، بیشک تمہاری کوششیں مختلف ہیں،

قسم	رات	جب	ڈھانک لے	و	یُعْشِی	و	النَّهَارِ	اِذَا	تَجَلَّى	و	مَا	خَلَقَ	الذَّكَرَ	و	الْأُنثٰی	اِنَّ	سَعِیْكُمْ	لَشَتٰی
پہر	رات	جب	ڈھانک لے	اور	یُعْشِی	اور	دن	جب	روشن ہو	اور	جس	پیدا کیا	مرد	اور	عورت	حق	سعی تمہاری	مختلف

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی (۵) وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی (۶) فَسَنُیَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰی (۷) وَامَّا مَنْ بَخِلَ

پھر جس نے دیا اور پرہیز گاری اختیار کی، اور اچھی بات کی تصدیق کی، تو ہم اس کے لئے راحت کی چیز آسان کر دیں گے، اور جس نے کجی کی

فَاَمَّا	مَنْ	اَعْطٰی	وَ	اتَّقٰی	وَ	صَدَّقَ	بِالْحُسْنٰی	فَسَنُیَسِّرُهُ	لِلْيُسْرٰی	وَ	اَمَّا	مَنْ	بَخِلَ
پس	ایسر	جس	دیا	اور	پرہیز گاری کی	اور	کچ مانا	کواچھی بات	پس آسان کریں گے	واسطے آسانی	اور	ایسر	جس

وَاسْتَعْنٰی (۸) وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی (۹) فَسَنُیَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰی (۱۰) وَمَا يُغْنِی عَنْهُ مَالُهُ اِذَا

اور بے پروائی اختیار کی، اور اچھی بات کو جھٹلادیا، تو ہم اس کے لئے تکلیف کی چیز آسان کر دیں گے، اور اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا جب

وَ	اَسْتَعْنٰی	وَ	كَذَّبَ	بِالْحُسْنٰی	فَسَنُیَسِّرُهُ	لِلْعُسْرٰی	وَ	اَمَّا	یُغْنِی	عَنْهُ	مَالُهُ	اِذَا
اور	بے پروائی کی	اور	جھٹلایا	کواچھی بات	پس آسان کریں گے	واسطے سختی	اور	نہ	کفایت کریگا	سے اس	مال اس	جب

تَرَدٰی (۱۱) اِنَّ عَلَیْنَا لِلْهُدٰی (۱۲) وَاِنَّ لَنَا لِلْاٰخِرَةِ وَالْاُولٰی (۱۳) فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظٰی (۱۴)

وہ بر باد ہونے لگے گا، بیشک ہم پر تو راہ دکھانا ہے، اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا پھر میں تم کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں

تَرَدٰی	اِنَّ	عَلٰی	نَا	وَاِنَّ	لَنَا	لِلْاٰخِرَةِ	وَالْاُولٰی	فَاَنْذَرْتُكُمْ	نَارًا	تَلَظٰی
نیچے گرے گا	بیشک	ہم پر	البتہ راہ دکھانا	اور بیشک	ہمارے لئے	آخرت	اور دنیا	پس میں تمہیں ڈراتا ہوں	آگ	بھڑکتی ہوئی

لَا یُصْلِحُهَا اِلَّا الْاَشَقٰی (۱۵) الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلٰی (۱۶) وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتَقٰی (۱۷) الَّذِیْ یُؤْتِی

اس میں وہی بد بخت گرے گا، جس نے جھٹلادیا اور منہ موڑ لیا، اور اس آگ سے وہ پرہیز گار دور رہے گا جو اپنا مال اس غرض سے دیتا ہے کہ

لَا	یُصْلِحُهَا	اِلَّا	الْاَشَقٰی	الَّذِیْ	كَذَّبَ	وَ	تَوَلٰی	وَ	سَيُجَنَّبُهَا	الْاَتَقٰی	الَّذِیْ	یُؤْتِی
نہیں	داخل ہوگا اس	مگر	بڑا بد بخت	جس	جھٹلایا	اور	منہ پھیرا	اور	البتہ اکطرف کیا جائیگا	بڑا پرہیز گار	وہ جو	دیتا ہے

مَالُهُ یَتَزَكٰی (۱۸) وَمَا لِحٰدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی (۱۹)

وہ پاک ہو جائے، اور اس پر کسی کا کوئی احسان بھی نہیں جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو۔

مَالُهُ	یَتَزَكٰی	وَ	مَا	لِحٰدٍ	عِنْدَهُ	مِنْ	نِّعْمَةٍ	تُجْزٰی
مال اپنا	پاک ہوتا ہے	اور	نہیں	کسی کیلئے	اس پر	سے	نیعمت	بخاری

إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى (۲۰) وَلَسَوْفَ يَرْضَى (۲۱)

وہ صرف اپنے عالیشان رب کی رضا جوئی کے لئے دیتا ہے، اور وہ عنقریب خوش ہو جائے گا۔

الَا مگر	الْبِغَاءُ چاہنا	وَجْه رضا	رَبِّهِ اپنا رب	الْأَعْلَى بلند و برتر	وَلَسَوْفَ اور عنقریب	يَرْضَى راہی ہوگا
-------------	---------------------	--------------	--------------------	---------------------------	--------------------------	----------------------

لغات:

**شَتَّى** طرح طرح، جدا جدا، مختلف، متفرق، پراگندہ، بعض کے نزدیک یہ لفظ مفرد ہے، اور بعض نے اس کو **شَيْئَاتٍ** کی جمع کہا ہے، **شَتْ شَتًا، شَتَاتًا شَيْئَاتًا** (ض) متفرق ہونا **أَعْطَى** عطاء سے دینا، **عَطَاءٌ عَطْوًا** (ن) لینا، بلند کرنا، **الْحُسْنَى** اچھی، عمدہ، اچھا کام، اچھا انجام، بروزن **فَعْلَى**۔ **حَسَنَ** (ک) سے اسم تفضیل کا صیغہ واحد مؤنث، یہاں اس سے مراد یا تو کلمہ طیبہ ہے یا جنت یا وعدہ خداوندی۔ **فَسَنِيَسِرُهُ** باب تفعیل سے آسان کرنا، مجرد میں (ض) سے آسان ہونا۔ **الْيُسْرَى** سہولت، راحت، عمل جنت، شریعت، یہ **أَيْسَرُ** اسم تفضیل کے صیغہ کی مؤنث ہے، **بَخِلَ** (س) کجوی کرنا، یعنی خرچ کرنے کے مواقع پر خرچ نہ کرنا، اس کے مقابل جو ہے، بخل کی دو قسمیں (۱) خود مناسب جگہ پر خرچ نہ کرنا (۲) دوسروں کو خرچ کرنے سے روکنا۔ **الْعُسْرَى** دشواری، مصیبت، دوزخ یا وہ عمل جو دوزخ میں لیجائے۔ یہ **أَعْسَرَ** صیغہ اس تفضیل کا مؤنث ہے۔ (س ک) دشوار ہونا۔ **تَوَدَّى** واحد مذکر غائب ماضی تفعیل سے نیچے گرا، گڑھے میں گرا **رَدَّى رَدًىا** (ض) دھکا دینا، توڑنا **رَدَّى** (س) ہلاک ہونا، گرنا۔ **تَلَطَّى** مضارع کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے، اصل میں **تَلَطَّى** تھا ایک تاء حذف ہوگئی، بھڑکنا، مجرد میں (س) سے اسی معنی میں۔

ترکیب:

اول کی تینوں آیات کی ترکیب مثل ترکیب **وَالشَّمْسِ** ہے، **مَا خَلَقَ** میں **مَا** موصوفہ یا موصولہ بمعنی **مَنْ** ہے **إِنْ** اپنے اسم **سَعْيِكُمْ** اور خبر **لَشَتَّى** سے مل کر جواب قسم ہے (والسعی مصدر بمعنى الجع لاضافته الى ضمير الجمع ولهذا اخبر عنه بالجمع) **فَأَمَّا مَنْ** الى **الْعُسْرَى** مر مثله غیر مرة۔ **وَمَا نَافِيَةٍ** ويجوز ان تكون للاستفهام الانكارى منصوبة بما بعدها، **يُغْنِي** فعل **عَنْهُ** متعلق ضمير عائد الى **مَنْ** مَالَهُ فاعل۔ **مَا نَافِيَةٍ** ماننے کی صورت میں مفعول بہ **عَذَابًا** محذوف ہوگا۔ اور استفہامیہ کی صورت میں خود مفعول بہ ہے، جو صدارت کلام کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا، **إِذَا تَوَدَّى** جملہ فعلیہ **إِذَا** ظرفیہ کا مضاف الیہ ہو کر **يُغْنِي** کا ظرف ہوا۔ **إِنْ عَلَيْنَا لِلْهُدَى**، خبر مقدم اسم مؤخر مر مثله **والجملة استئنافية مقررة لما قبلها**۔ **وَأَنْ لَّنَا** ..... معطوف ہے ماسبق پر۔ **فَاءَ** تفریعیہ **أَنْذَرْتُ** فعل با فاعل **كَمْ** مفعول بہ اول **نَارًا** موصوفہ **تَلَطَّى** فعل ضمیر فاعل، جملہ فعلیہ صفت اول **لَا يَصْلُهَا** فعل ومفعول بہ **إِلَّا** حرف استثناء **لَوْ** **الْأَشْقَى** موصوفہ **الَّذِي** اسم موصول **كَذَّبَ** فعل فاعل جملہ معطوف علیہ **وَتَوَلَّى** جملہ فعلیہ معطوف معطوفین صلہ موصول وصلل کر صفت **الْأَشْقَى** اپنی صفت سے مل کر فاعل، جملہ فعلیہ صفت ثانی، **نَارًا** کی مرکب توصیفی مفعول بہ ثانی، جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ **وَاعَظُهُ** **وَسَيَجْزِيهَا** الاتقی فعل مفعول بہ فاعل علی الترتیب اور **الَّذِي** اسم موصول اپنے صلہ **يُؤْتِي** سے مل کر **الْأَتَقَى** کی صفت ہے، اور **يَتَزَكَّى** **يُؤْتِي** سے بدل ہے، یا اس کی ضمیر سے حال ہے، جملہ فعلیہ معطوف۔ **وَاعَظُهُ** **مَا** حرف مشابہ بلیس لاحد خبر مقدم **عِنْدَهُ** ظرف ہے خبر کا یعنی **لَا حَيْدَ**

متعلق کا مِنْ نِعْمَةٍ اسم ما ہے اور مِنْ زائد ہے تحسین کلام کے لئے تجزائی فعل مضارع مجہول ضمیر نائب فاعل۔ جملہ نِعْمَةٍ کی صفت ہے، الأحراف استثناء لغو ابتغاء مضاف وجہ مضاف الیہ مضاف ربہ مرکب اضافی موصوف الاغلی صفت، موصوف صفت مل کر مضاف الیہ، مرکب اضافی مفعول مطلق فعل محذوف کا ای الا لمن یتغی بهذا العمل ابتغاء یا مفعول لہ ہے فعل محذوف کا ای لکن لطلب رضاء ربہ الاعلیٰ، عندہ کی ضمیر مفعول مطلق ہونے کی صورت میں اللہ کی طرف عائد ہوگی، اور دوسری (مفعول لہ ہونے کی) صورت میں الاتقی کی طرف راجع ہوگی جس کا مصداق صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور استثناء منقطع ہوگا۔ وَلَسَوْفَ پر لام ابتدائیہ ہے جو جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کے لئے آتا ہے، اور مبتداء محذوف ہے ای وَلَهُوَ سَوْفَ یَرْضٰی، اس طرح یہ جملہ اسمیہ ہو جائیگا، اور یہ لام قسم نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ لام قسم (لام تاکید) فعل مضارع پر نون تاکید ہی کے ساتھ داخل ہوتا ہے، لہذا اس لام کا لام ابتداء ہونا متعین ہے، اور وہ مضمون جملہ اسمیہ کی تاکید کے لئے مبتداء ہی پر داخل ہوتا ہے، اس لئے مبتداء (ہو) کا محذوف ماننا ضروری ہوا۔ اور یَرْضٰی کی ضمیر فاعل میں دو احتمال ہیں، اس کا مرجع رب ہوگا یا الاتقی ہوگا، اور ضمیر مفعول محذوف ہے رعایت فاصلہ کی وجہ سے ای یرضاه، یہ جملہ فعلیہ مبتداء محذوف ہو کی خبر ہے، اور جملہ اسمیہ کا ماسبق پر عطف ہے۔

(فائدہ) صاحب کشاف نے اس لام کو لام قسم ہی مانا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ مقسم علیہ پر داخل ہے اور اس کے ساتھ نون تاکید اس وقت ضروری ہے جبکہ لام قسم و لام ابتداء میں التباس کا اندیشہ ہو، اور یہاں پر لفظ سوف اس کا قرینہ موجود ہے کہ یہ لام قسم ہے، کیونکہ لام ابتداء سوف پر داخل نہیں ہوتا، بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ یہ لام لام قسم ہی ہے، اور لام قسم و نون تاکید میں فعل مضارع کے اندر تلازم ضروری ہے، مگر اس سے دو صورتیں متشبی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ لام قسم اور فعل مضارع کے درمیان حرف تنفیس (سین یا سوف) آجائے، سوف کی مثال یہی زیر بحث آیت ہے، اور سین کی مثال وَاللّٰہُ سَاعُطِیْکَ دِرْہَمًا ہے۔ (۲) لام قسم فعل مضارع کے درمیان معمول فعل فاصل بن جائے جیسے لَا اِیُّ اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ۔ ابوعلی فارسی کہتے ہیں کہ اس آیت (وَلَسَوْفَ یَرْضٰی) میں لام اِنَّ زَیْدًا لِّقَانِمٌ جیسا نہیں ہے بلکہ لَا قَوْمٌ جیسا ہے اور اس مذکورہ آیت میں سَوْفَ نون تاکید کے قائم مقام ہے، گویا کہ یہ لَیْرَضِیْنِ تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تفسیر:

وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ..... قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے یا نور آفتاب کو چھپا کر دنیا کو تاریک کر دے۔ رات قصیر و طویل، سرد و گرم ہونے کے اعتبار سے بھی حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانی ہے، اور موت و قیامت کا بھی نمونہ ہے جس طرح یکے بعد دیگرے سب پر نیند ہو جاتی ہے اسی طرح اس دنیا میں یکے بعد دیگرے سب پر موت طاری ہو جائیگی، آخر کار قیامت آجائگی، رات دنیا میں ایک انقلاب عظیم بھی ہے، نیز انسان کی ظلمانی حالت کی تصویر ہے، کہ جب ظلمت نور قلب پر محیط ہو جاتی ہے تو اس سے اعمال بدرزد ہوتے ہیں، جیسے رات کی تاریکی میں چوروں، ڈکیتوں، زنا کاروں، جادو گروں اور بدکرداروں کو بدکرداریوں کا موقع ملتا ہے، اسی طرح نفس امارہ کو حالت ظلمت میں اپنی کارروائی کرنے کا موقع میسر ہوتا ہے۔

وَالنَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی اور دن کی قسم کھاتا ہوں جب وہ روشن ہو جائے۔ یہ اللہ کی قدرت کاملہ کا دوسرا نمونہ ہے، اس میں بعث و حشر کا منظر بھی ہے، اور اس میں انسان کی نورانی حالت کی طرف بھی اشارہ ہے، دن میں چور بد معاش چھپ

جاتے اور لوگ اچھے اور جائز کاموں میں جہد و کوشش کرتے ہیں۔

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ..... اور قسم ہے نروادہ کو پیدا کرنے کی (اگر ما کو مصدر یہ مانا جائے) یا قسم ہے اس ذات کی جس نے نروادہ کو پیدا کیا (جبکہ ما کو موصولہ بمعنی من مانا جائے) اور نروادہ سے کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا آدم علیہ السلام وحواء علیہ السلام مراد ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ہر ایک نروادہ مراد ہے خواہ وہ انسانی ہو یا حیوانی، یا اور کسی مخلوق کے نروادہ ہوں۔ یہ بھی اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ پر بڑی دلیل ہے کہ مادہ اور تخم ایک ہے مگر اس سے دو صنفیں (نروادہ) بن جاتی ہیں۔ پھر ہر ایک کے اعضاء کی تخلیق اور ان میں کمال تناسب، آپس میں مقناطیسی کشش، یہ سب امور اللہ کی قدرت و کاریگری کے کھلے کرشمے ہیں، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح ایک مادہ میں دو صنفوں کی قابلیت ہے اسی طرح نروادہ میں خیر و شر، کمال و نقصان کی صلاحیت بھی موجود ہے، جس طرح نروادہ کے میل سے اولاد وجود میں آتی ہے، اسی طرح انسانِ قویٰ کے باہمی اختلاط سے عجائب و غرائب رونما ہوتے ہیں، اور اس سے مختلف اعمال سرزد ہوتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَى (بیشک تمہاری کوشش مختلف ہے) مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت سے کسی نہ کسی مقصد کے پیش نظر سعی و عمل اور جدوجہد کرنے کا خوگر ہے (جیسا کہ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلَى رَبِّكَ كَذَّحًا اور لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ کے تحت معلوم ہو چکا ہے۔) پھر بعض لوگ اپنی محنت و کوشش سے دائمی راحت کا سامان کر لیتے ہیں اور بعض دائمی مصیبت و عذاب کا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ہر انسان جب صبح کو نکلتا ہے اور اپنے نفس کو چپتا ہے، تو کچھ لوگ اپنے لئے سامانِ نجات مہیا کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے آپ کو ہلاک کر لیتے ہیں۔

قسم و جواب قسم میں مناسبت:

رات دن اور نروادہ کی تین قسموں کا جواب إِنَّ سَعْيَكُمْ ہے۔ قسموں اور ان کے جواب میں بہت سے مناسبتیں ہیں، مثلاً: (۱) نروادہ کی مختلف کوششیں لیل و نہار ہی میں ہوتی ہیں۔ (۲) لیل و نہار دو مختلف و ممتاز چیزیں ہیں، اسی طرح مؤمن و کافر کے اعمال ایک دوسرے سے ممتاز ہیں، کافر کے اعمال و مساعی رات کی طرح ظلمانی و تاریک اور مؤمن کے اعمال دن کی طرح نورانی و روشن ہوتے ہیں۔ (۳) رات اور دن موسموں کے اعتبار سے درازی و کوتاہی، سردی و گرمی اور اعتدال وغیرہ میں مختلف ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے اچھے برے اعمال مختلف احوال و کیفیات کے اعتبار سے مختلف ہوتے رہتے ہیں، مؤمن سے نیکیاں ہوتی ہیں، اور کبھی کبھی غفلت و ظلمت نفس سے وہ گناہوں کا مرتکب بھی ہو جاتا ہے، مگر آفتاب ایمان و مہتاب عرفان کی جلوہ گری سے وہ تمام ظلمتیں دور ہو جاتی ہیں، اسی طرح کافر سے بھی بعض حالات میں نیکیاں (مثلاً صدقات، انصاف، ہمدردی وغیرہ) سرزد ہوتی ہیں۔ مگر ظلمت شب کفر میں وہ چھپ کر کالعدم اور نسیا منسیا ہو جاتی ہیں۔ (۴) إِنَّ سَعْيَكُمْ ..... میں اس طرف اشارہ ہے ہر مردوں اور عورتوں میں سے ہر ایک کے لئے الگ میدانِ عمل مقرر ہے۔ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر اک ایک دائرہ میں گھومتا ہے) تو جس طرح رات دن اور آفتاب و مہتاب کے لئے دائرہ عمل مقرر ہے، اسی طرح نروادہ کے لئے فطری طور پر دائرہ عمل ہے، سیاست، امامت، خلافت، طلب معاش وغیرہ مردوں کا دائرہ عمل ہے۔ اور فراش بننا، تربیت اولاد کرنا، اور گھر کا نظم و نسق، یہ عورتوں کے فطری

فرائض ہیں، ان فطری حدود کو تو ذکر عورتوں کو مردوں کے دائرہ عمل میں لانا ظلم ہے مساوات نہیں، اور جو اس کو مساوات سمجھتے ہیں ان کو عورتوں کے خاص کاموں میں ہاتھ بٹانا چاہئے، مثلاً دو چار بچے وہ بھی جن لیں تو مساوات ہو سکتی ہے۔  
مختلف کوششیں:

انسانوں کی مختلف مساعی کو احاطہ بیان میں نہیں لایا جاسکتا، نرمادہ کی مساعی جدا جدا، اور کافر و مومن، مصلح و مفسد، متقی و فاسق کی کوششیں الگ الگ ہیں، پھر ہر انسان کی مختلف اوقات کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ہیں، مگر ان بیشمار مساعی مختلفہ کو تین قسموں میں سمویا جاسکتا ہے۔ (۱) خالص خیر جس میں شرکاً شائبہ نہ ہو (۲) شرمض جس میں خیر کی بو بھی نہ ہو (۳) خیر و شر دونوں سے مرکب لیکن یہ تیسری قسم حکماء دوسری ہی میں داخل ہے، کیونکہ نتیجہ ارذل کے تابع ہوتا ہے، البتہ صفات رزیدہ و صفات حمیدہ کے حاملین میں ایمان ہے۔ تو قاعدہ شرعیہ کی رو سے آکر ایسے لوگوں کو نجات ضرور میسر آ جائیگی۔ قسم اول کے لئے تین شرطیں ہیں۔ (۱) اعتقاد صحیح و یقین کامل ہونا (۲) صورت و ظاہر عمل شریعت کے موافق ہونا (۳) اخلاص نیت کا تحقق اور قسم ثانی میں ان تینوں شرطوں کا فقدان شرط ہے، یا یہ کہو کہ اس میں فساد اعتقاد و نا موافقت شریعت اور فساد نیت کا تحقق شرط ہے۔

اور تیسری قسم میں کئی صورتیں نکل سکتی ہیں (۱) صورت و نیت دونوں درست ہوں لیکن اعتقاد فاسد ہو، جیسے کفار کے نیک اعمال۔ (۲) اعتقاد و صورت دونوں درست ہوں، نیت خالص نہ ہو، جیسے ریا کاری کی نماز یا اور کوئی نیک عمل (۳) نیت و اعتقاد درست ہوں مگر صورت شریعت کے خلاف ہو، جیسے شہداء کر بلا کا ماتم اور مجلس سماع شوق و ذوق حق کی ترقی کے لئے (۴) اعتقاد درست ہو، صورت و نیت غیر صحیح ہوں جیسے محرم داری بہ نیت ریا کاری (۵) صورت درست ہو، اعتقاد نیت فاسد ہوں، جیسے کافر کا نماز وغیرہ کسی مصلحت دنیوی کے لئے ادا کر لینا (۶) نیت درست ہو اور اعتقاد و صورت غلط ہوں جیسے مبتدعین کا ارتکاب بدعات۔ یہ ان بیشمار اقسام و انواع کا خلاصہ ہے، جن کی تفصیل میں بڑی تطویل ہے، اعمال و اشغال کا یہی اختلاف مذکور جزا و سزا کے اختلاف کا سبب ہے۔

سعی و عمل میں دو گروہ:

آگے قرآن حکیم نے سعی و عمل کے اعتبار سے انسانوں کو دو گروہ میں تقسیم فرمایا ہے، اور دونوں کے تین تین اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ پہلا گروہ کامیاب لوگوں کا ہے، ان کے تین اوصاف یہ ہیں۔ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ، وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ یعنی راہ خدا میں مال خرچ کرنا۔ اللہ سے ڈر کر زندگی کے ہر شعبہ میں احکام الہیہ کی خلاف ورزی سے بچتے رہنا اور اچھی بات کی تصدیق کرنا۔ دوسرا گروہ پہلے گروہ کے بالقابل نام کام لوگوں کا ہے، ان کے بھی تین ہی اوصاف و اعمال بیان فرمائے گئے ہیں۔ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ، وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ایک وصف بخل ہے، یعنی راہ خدا میں مال خرچ کرنے اور زکوٰۃ و صدقات واجبہ ادا کرنے سے گریز کرنا، دوسرا وصف استغناء یعنی اللہ سے ڈر کر اس کی اطاعت کرنے کے بجائے بے نیازی و بے رخی اختیار کرنا اور تیسرا وصف اچھی بات کو جھٹلانا ہے۔

فریقین کے نتائج:

مذکورہ دونوں گروہوں میں سے پہلے گروہ کا نتیجہ فَسَنِيْسِرُهُ لِّلْیُسْرَىٰ سے بیان فرمایا ہے یعنی ہم اس کو سہولت

دیدیں گے یا توفیق دیدیں گے یسریٰ کی، یسریٰ کے لفظی معنی آسانی اور آرام و راحت کے ہیں۔ مراد اس سے (۱) ایسے نہ خصلت ہیں جو اس کو راحت تک پہنچادیں (۲) یا اللہ کی خوشنودی و جنت تک پہنچادیں (۳) یا اس سے شریعت مراد ہے جو رضاء الہی و جنت تک رسائی کا ذریعہ ہے، اس کے مقابل دوسرے گروہ کے متعلق ارشاد ہے فَسَيَسِّرُهُ لِّلْغُسْرَىٰ یعنی ہم ان اعمال بد کے مرتکب کے لئے عسریٰ کو آسان کر دیں گے۔ عسریٰ کے لفظی معنی مشکل اور تکلیف دہ چیز کے ہیں، مراد اس سے (۱) وہ خصلت جو مصیبت میں ڈالنے والے ہوں (۲) اور اللہ کی ناراضگی و جہنم تک پہنچانے والے ہوں (۳) یا وہ اعمال جو خلاف شرع ہوں۔

فوائد:

فائدہ: ..... ۱۔ الْحُسْنَىٰ سے مراد کلمہ توحید ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ ہے، قالہ ضحاگ و ابو عبد الرحمن سلمیٰ و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، یا جنت مراد ہے۔ بدیل لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ (ای الجنة) قالہ مجاہد و عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وقتادہ یا وعدہ خداوندی مراد ہے۔ قالہ مقاتل و کلبی۔ فائدہ: ..... ۲۔ اول الذکر گروہ کے تین اوصاف میں سے اول دو اوصاف وہ ذکر کئے گئے ہیں جن کا تعلق عمل سے ہے۔ یعنی مال کا حکم خداوندی کے مطابق خرچ کرنا، اور گناہوں سے پرہیز کر کے عذاب سے بچنا، تیسرے نمبر پر وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ میں ایمان کو بیان فرمایا گیا ہے، حالانکہ ایمان بنیادی چیز ہے، اعمال کی روح اور سب سے مقدم ہے، اس کو یہاں مؤخر بیان کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں سعی اور جدوجہد کا ذکر ہے، اور وہ اعمال ہی ہیں۔ ایمان تو ایک قلبی چیز ہے۔ اس کو اعمال کی فہرست میں شمار نہیں کیا جاتا۔ ہاں کوئی عمل بغیر ایمان مقبول و معتبر نہیں ہوتا۔ فافہم۔ فائدہ: ..... ۳۔ یہاں یہ فرمایا گیا فَسَيَسِّرُهُ لِّلْغُسْرَىٰ (ہم اس کو آسان کر دیں گے جنت یا راحت یا شریعت کے لئے) اور فَسَيَسِّرُهُ لِّلْغُسْرَىٰ (ہم اس کو آسان کر دیں گے مصیبت، دوزخ یا معصیت کے لئے) حالانکہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ فرمایا جاتا فسنیرہ الیسریٰ ہم اس کے لئے یسریٰ کو آسان کر دیں گے فَسَيَسِّرُهُ لِّلْغُسْرَىٰ (ہم اس کے لئے عسریٰ کو آسان کر دیں گے) کیونکہ آسان یا دشوار ہونا اعمال کی صفت ہو سکتا ہے نہ کہ اشخاص و ذوات کی، مگر قرآن کریم نے تعبیر اس طرح فرمائی کہ ہم ان کی ذات کو آسان فرمادیں گے یسریٰ یا عسریٰ کے لئے، اس انداز تعبیر میں شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہم ان کی طبیعتوں اور مزاجوں کو ایسا بنادیں گے کہ پہلے گروہ کے لئے شریعت و اعمال جنت ان کی طبیعت ثانیہ بن جائیں گے، اور اسکے خلاف کرنے میں وہ تکلیف محسوس کرنے لگیں گے، اسی طرح دوسرے گروہ کا مزاج ایسا ہو جائے گا کہ اعمال جہنم سے ہٹنا اس کو انتہائی گران ہوگا۔ دونوں گروہوں کو اپنی اپنی لائن میں ملکہ حاصل ہو جائے گا۔ تَحْسِلُ حِزْبًا بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ اس لئے مذکورہ آیات میں ان کی کیفیت نفسانیہ راخہ کے لئے خود ان کو آسان کر دینے سے تعبیر فرمادیا گیا ہے، ایک حدیث مرفوعہ سے اس کی تائید ہوتی ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا جنت اور دوزخ کا ٹھکانہ لکھ نہ دیا گیا ہو، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ تو پھر کیا اس نوحۃ تقدیر پر اعتماد کر کے ہم عمل نہ چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اعملوا فکل میسر لما خلق له اما من کان من اهل السعادة فسیسر لعمل السعادة واما من کان من اهل الشقاوة فسیسر لعمل اهل الشقاوة (تم عمل کرتے رہو کیونکہ ہر شخص کے لئے وہی کام آسان کر دیا گیا جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے،

جو اہل سعادت ہیں تو اہل سعادت کے اعمال ہی ان کے طبعی رغبت بن جاتے ہیں، اور جو بد نصیب ہیں تو اہل شقاوت کے اعمال ہی ان کا مزاج بن جاتے ہیں) پھر آپ نے بطور استشہاد آیات تلاوت فرمائیں۔ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى (متفق علیہ) مگر یہ دونوں چیزیں باختیار خود خدا واد صلاحیت کے استعمال کے نتیجہ میں ملتی ہیں۔ جس کی بناء پر عذاب و ثواب کا ترتیب بے محل نہ ہوگا۔ آگے بد نصیب گروہ اہل جہنم کو تنبیہ ہے کہ راہ خدا میں خرچ نہ کرنا تمہارے لئے باعث خسران و نقصان ہے، ارشاد ہے وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّى اس آیت میں مانا فیہ ہے، یا استفہام انکاری کے لئے ہے، تَرَدَّى کے معنی ہلاک ہونا اور ہلاکت سے مراد استحقاق عذاب ہے، یا اس کے معنی گرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد قبر میں اور پھر قیامت کے دن جب وہ جہنم میں گرے گا تو اس کا مال اس کو کوئی نفع نہ دیگا۔ عموماً بخیل، بخل اسی لئے کرتا ہے کہ یہ مال وقت پر کام آئے گا۔ اس لئے فرمادیا گیا کہ مال کنجوسی کی شدید حاجت کے وقت کوئی کام نہ دے گا۔ بلکہ اس کے لئے وبال جان بن جائے گا۔

### شبہات کا حل:

اوپر یہ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نیکوں کے لئے راحت کا راستہ اور بدوں کے لئے مصیبت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔ اس سے چند شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) جب سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو سب کے لئے راہ نجات و راحت کیوں نہیں آسان فرمادیتے۔ (۲) جب سب کچھ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے تو پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ (۳) جب اسی کی توفیق یا خذلان سے نیک و بدی ہے۔ تو پھر ثواب و عذاب کا استحقاق کیوں ہے؟ ان شبہات کو اگلی دو آیتوں سے دفع فرمادیا گیا ہے۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ (بیشک رہنمائی ہمارے ذمہ ہے) دراصل حق تعالیٰ شانہ پر کوئی چیز لازم و واجب نہیں۔ لیکن چونکہ اس نے ازل میں فیصلہ فرمادیا ہے، اور رہنمائی کا وعدہ فرمالیا ہے، نیز اس کی حکمت اور رحمت کا تقاضا بھی یہی ہے، اس لئے وہ رہنمائی کا خود ذمہ دار بن گیا ہے، یہاں لفظ علی کو تاکید کے لئے لایا گیا ہے، (زجاج و قوادہ) فراء اس علی کو بمعنی الی قرار دیکھ آیت کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ جو شخص ہدایت پر چلتا ہے اس کا راستہ ہم ہی تک پہنچتا ہے، جیسا کہ دوسری آیت وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ کے معنی یہی ہیں، کہ اللہ ہی تک سیدھا راستہ پہنچتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو راہ ہدایت پر چلتا ہے وہ اللہ تک پہنچ جاتا ہے، تو اس آیت میں بھی علی بمعنی الی ہے۔

### رہنمائی کس طرح ہوئی:

حق تعالیٰ نے ہدایت کے لئے اس عالم میں بہت سے اسباب قائم فرمادیئے ہیں (۱) انسان کو حواس ظاہری (قوت سامعہ، قوت باصرہ، قوت لامسہ، قوت شامہ، قوت ذائقہ) اور حواس باطنی (حس مشترک، خیال، وہم، حافظہ، اور قوت متصرف) عنایت فرمائے ہیں (۲) عقل و ادراک سے نوازا جس کے ذریعہ معرفت حق ہو سکتی ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر حق جل مجدہ رسولوں کو نہ بھیجتا تب بھی انسان قوت عقلیہ کی وجہ سے معرفت و توحید کا مکلف تھا (۳) پیغمبر بھیجے اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں، شرائع و احکام دیئے (۴) انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے جانشین علماء، صلحاء، اولیاء کے ذریعہ رہنمائی فرمائی (۵) بیشمار دلائل عقلیہ و نقلیہ، نفسیہ و آفاقیہ قائم فرما کر ان میں تفکر و تدبر اور اعتبار

واختیار کا حکم دیا۔ لیکن باایں ہمہ کسی فرد کو مجبور روئے اختیار نہیں کیا گیا، اگر قدرت کی طرف سے زبردستی کی جاتی تو حکمت تکلیف باطل ہو جاتی۔ اور ثواب و عقاب کا مسئلہ ختم ہو جاتا، بلکہ ممتاز تخلیق انسانی کا منشاء ہی معطل اور فوت ہو جاتا، اس آیت شریفہ سے فرقہ باطلہ جبریہ کا رد ہو گیا، جو یہ کہتا ہے کہ ہم شجر و حجر کی طرح مجبور محض ہیں۔

وَإِنَّ لَنَا لِلْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ (اور بیشک آخرت و دنیا ہماری ہی ملکیت و تصرف میں ہے، ہماری ہی مخلوقات ہیں) (۱) کیونکہ دنیا و آخرت کے خالق و مالک و بادشاہ ہم ہیں، تو ہم ہی کو ان میں تصرفات اور اپنی مخلوق کو احکامات صادر فرمانے کا حق ہے (۲) کیونکہ دنیا و آخرت کے ہم مالک و متصرف ہیں، اس لئے دنیا کی نعمتیں، آخرت کی راحتیں یا دونوں جہاں کی دولتیں ہم سے ہی مانگی جاسکتی ہیں، کسی دوسرے کو ہمارے ملک اور ہماری ملک میں کوئی اختیار نہیں (۳) ہم چونکہ بالادست ہیں، ہم پر نہ کوئی چیز واجب و لازم ہے، ہماری شان ﴿فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ اور ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ﴾ ہے (۴) چونکہ کونین کے مختار ہم ہی ہیں، اس لئے ہم اپنے اختیار سے جس کو جو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں (۵) دونوں جہاں آباد کرنے کے لئے ہم نے اپنی حکمت و اختیار سے لوگوں کے رجحانات مختلف کر دیے ہیں۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند میل اور اور دلش انداختند

اس آیت مبارکہ سے قدر یہ کی تردید ہوتی ہے، جن کا خیال ہے کہ افعال کے خالق و مختار ہم خود ہیں، الحاصل ان دونوں آیات سے جبر و قدر کا ابطال ہو گیا، اور اہل سنت کا درمیانی صاف اور سیدھا راستہ نکھر گیا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْد۔

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى (اس لئے میں تم کو بھڑکتی آگ سے ڈراتا ہوں) یہ عمری کی تفسیر و تفصیل بھی ہے اور اِنَّ عَلَيْنَا اور وَاِنَّ لَنَا کی تکمیل بھی یعنی چونکہ ہدایت ہمارے ذمہ ہے، اور ہم مالک دارین و خالق کونین ہیں، اس لئے ہم نے تم کو شعلہ مانے والی آگ سے ڈرایا ہے۔ لَا يَصْلُهَا إِلَّا الْاَشْقَى (اس میں بد نصیب ہی داخل ہوگا) آگے اشقی کی تفسیر خود ہی فرمادی۔ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّى (اشقی وہ ہے کہ جس نے رسول یا حق کی تکذیب کی اور ایمان سے روگردانی کی)۔

شقاوت کے اقسام:

شقاوت، بد بختی و محرومی اور ناکامی کو کہتے ہیں، شقاوت کی دو قسمیں ہیں دنیوی اور اخروی۔ شقاوت دنیوی، بیماری، تنگدستی، مرگ، حبس، شکست و ناکامی، ذلت و بدنامی وغیرہ ہیں، اور شقاوت اخروی کی چند قسمیں ہیں (۱) عبادت میں کوتاہی و کاہلی اور صغائر کا ارتکاب (۲) فسق و نافرمانی اور ارتکاب کبائر کے ساتھ توفیق توبہ کا میسر نہ آنا (۳) کفر و شرک کا ارتکاب۔ دنیوی شقاوت عارضی اور چند روزہ محرومی ہے جو چند ادا قابل اعتناء نہیں۔ اخروی شقاوت بہت اہم ہے، اس کی بھی پہلی قسم ادنیٰ درجہ کی ہے، جو تکالیف و مصائب عبادات وغیرہ سے زائل ہو جائیگی، دوسری قسم بھی ابدی نہیں۔ عذاب قبر، مصائب، حشر یا شفاعت ہے یا اللہ کے فضل و کرم سے دور ہو جائیگی، زائد سے زائد دوزخ میں ایک عرصہ رہ کر زائل ہو جائے گی، البتہ شقاوت اخروی کی تیسری قسم ابدی ہے جو کسی طرح کبھی زائل نہ ہوگی۔ اسی تیسری قسم والوں کو قرآن نے لفظ اشقی سے تعبیر فرما کر اس کی وضاحت الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّى سے فرمائی ہے۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات:

الْاَشْقَىٰ کی صفت الذی کذب و تولى اور حصر بالا سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ گنہگار مومن جو تکذیب



وتولی کا مجرم نہیں دوزخ میں نہ جائے گا، حالانکہ بیشمار نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گنہگار مومن نے اگر توبہ نہ کی یا کسی کی شفاعت سے یا خاص رحمت سے اس کو معاف نہ کر دیا گیا تو وہ (مومن فاسق) بھی جہنم میں جائے گا، اور اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر ایمان کی برکت سے آخر کار جنت میں داخل ہو جائے گا، اہل سنت اسی کے قائل ہیں، لیکن آیت کے ظاہری الفاظ چونکہ اس کے خلاف ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آیت شریفہ کا مطلب ایسا ہو جو دوسری آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ کے خلاف نہ ہو۔ مفسرین نے اس آیت کی بہت سی توجیہات کے ذریعہ اس شبہ کو حل فرمایا ہے۔

(۱) الْأَشْقَى (صیغہ اسم تفضیل) بمعنی شقی (صیغہ صفت مشبہ) ہے، اور كَذَّبَ و تَوَلَّى کی قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے کیونکہ عموماً ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ مومن شقی نہیں ہوتا۔ ایمان پر بیہزگاری و سعادت ہی کو چاہتا ہے، شقی و گنہگار عموماً کافر ہی ہوتا ہے، مومن سے اگر گناہ سرزد بھی ہو جاتا ہے تو جب تک وہ رو دھو کر اس کو معاف نہ کرالے اس کو چین نہیں ہوتا۔ (۲) الْأَشْقَى بمعنی شقی ہے۔ اور تکذیب و تولی عام ہے، اعتقاد یا لساناً ہوں یا صرف عملاً، قلبی و لسانی تکذیب و تولی کفر اور نفاق ہے، اور عملی فسق ہے کہ فاسق حرمت کا اعتقاد و اقرار کرنے کے باوجود ممنوعات کا ارتکاب کرتا ہے، لہذا یہ لفظ کافر، منافق اور فاسق سب کو مشتمل ہے۔ (۳) الْأَشْقَى اپنے تفضیلی معنی پر ہے، اور اس سے مراد کافر ہی ہے، مگر یہاں دخول جہنم سے مراد وہ دخول ہے جو ہمیشہ کے لئے ہوگا۔ اور ایسا دخول صرف کافر کے ساتھ مخصوص ہے، مومن بالآخر کسی نہ کسی وقت اپنے گناہوں کی سزا پوری کرنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ (۴) لَا يَصْلُهَا کی ہائے ضمیر اس نار کی طرف لوٹ رہی ہے جس کی صفت تَلَطَّطْسِي مذکور ہے، صرف نار کی طرف راجع نہیں، مطلب یہ ہے کہ بھڑکتی ہوئی نار شدید میں صرف کافر ہی داخل ہوگا۔ مومن فاسق نار شدید میں داخل نہ ہوگا۔ بلکہ جہنم کے بالائی طبقہ میں داخل ہوگا جہاں کم درجہ کی آگ ہوگی، اس توجیہ پر بھی لفظ أَشْقَى اپنے تفضیلی معنی پر ہوگا۔ (۵) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک الْأَشْقَى کا مصداق کافر ہی ہے، اور لفظ نادر بھی اپنے عموم پر ہے، کیونکہ جب دنیا کی آگ بھی شعلہ زن ہوتی، اور بھڑکتی ہے تو جہنم کی آگ تو اس دینیوی آگ سے بدرجہا تیز ہے، خواہ وہ کسی بھی طبقہ کی ہو، وہ ضرور شعلہ زن ہوگی، مگر اس آیت شریفہ میں حصر حقیقی نہیں جس کا مطلب یہ ہو کہ کافر ہی جہنم میں جائیں گے بدکار مومن نہ جائیں گے، بلکہ حصر اضافی ہے، جس کے پیش نظر مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو مومن موجود تھے وہ جہنم میں نہیں جائیں گے، اس طرح اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی صحابی جہنم میں نہ جائے گا، چنانچہ اہل السنۃ والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم عادل اور جنتی تھے، کوئی ان میں فاسق نہ تھا، آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ اس پر شاہد ہیں جن کا انکار کفر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب جہنم سے محفوظ ہیں:

وجہ یہ ہے کہ اول تو ان حضرات میں سے کسی سے گناہ کا صدور بہت ہی شاذ و نادر ہوا ہے۔ اور اگر اتفاقاً کسی سے کوئی گناہ سرزد بھی ہوا تو اس نے توبہ کر لی ہے، ان کے خوف و خشیت اور اتقاء و امتثال کے حالات اس پر شاہد ہیں، دوسرے ان کی حسنات اتنی زیادہ ہیں کہ گاہے کسی سبب کا صدور یقیناً معاف ہوگا۔ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (نیک اعمال برے اعمال کا کفارہ بن جاتے ہیں) اور صحبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا عمل ہے جو تمام اعمال حسنہ پر غالب ہے،

صلیائے امت کے بارے میں بخاری و مسلم کی حدیث ہے، ہم قوم لایشفیٰ جلیسہم ولا یغاب انیسہم (یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا شقی و محروم نہیں ہو سکتا اور جو ان سے مانوس ہو وہ محروم نہیں رہ سکتا) تو جو تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیس و انیس ہو گا وہ کیسے شقی و محروم ہو سکتا ہے، بہت سی احادیث صحیحہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب ہی عذاب جہنم سے بری ہیں۔ مثلاً (۱) عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تمس النار مسلما رانی او رای من رانی۔ رواہ الترمذی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۴) (حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مسلمان کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھ کو دیکھا یا اس کو دیکھا جس نے مجھ کو دیکھا۔)

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم فباہم اقتدیتم اقتدیتم رواہ رزین (مشکوٰۃ ص ۵۵۴) (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی اقتدا بھی کر لو گے ہدایت پا جاؤ گے۔) اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جس کو دیکھو کہ میرے صحابہ کو برا بھلا کہتا ہے اس پر لعنت بھیج دو۔ اذا رايتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة اللہ علیہم۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۴) شرک م۔

قرآن کریم میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشاد ہے ﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنٰی﴾ یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے اللہ تعالیٰ نے حسی یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ دوسری جگہ ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ﴾ یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے حسی مقدر ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گے، ان میں سے پہلی آیت میں سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جنتی ہونے کا بیان ہے، اور دوسری میں سب کے جہنم سے بری ہونے کا۔ علاوہ ازیں قرآن مقدس کی ہزاروں آیات مدح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں موجود ہیں، کہیں ان کی صفات مذکور ہیں کہیں جنت و رضوان اور مغفرت کا وعدہ ہے، کہیں ان کے ایمان کو معیار قرار دیا گیا ہے، تو کہیں ان کے اعمال کو، اسی وجہ سے متقدمین نے ان روافض کے کافر ہونے پر اجماع و اتفاق کیا ہے جو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہتے اور ان پر تبر کرتے ہیں، کیونکہ وہ قرآن و احادیث صحیحہ کے منکر ہیں اور ایسی ہی وجوہات کی بناء پر ہم مودودی صاحب کو گمراہ سمجھتے ہیں۔

### آیت شریفہ سے فرق باطلہ کا استدلال:

مرحہ ایک فرقہ باطلہ تھا جس کا یہ خیال تھا کہ آدمی تصدیق قلبی حاصل ہو جانے سے مؤمن ہو جاتا ہے، پھر اس کو کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا۔ اگر وہ کوئی بھی نیکی نہ کرے اور گناہ کرتا رہے تب بھی وہ سیدھا جنت میں جائے گا، اور دوزخ میں بالکل نہ جائے گا۔ ترک فرائض و ارتکاب محرمات سے صرف درجات عالیہ سے محرومی ہو جائیگی، رافضیوں کا بھی یہی خیال ہے۔ (کذا فی المظہری)

ایک فرقہ باطلہ کرامیہ ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی قلب فارغ کے ساتھ شہادتین کا اقرار کر لے تو وہ مؤمن ہے، قلب فارغ کا مطلب یہ ہے کہ قلب میں تصدیق ہو نہ تکذیب۔ (کذا قال البیہاوی) یہ فرقے اس آیت مذکورہ سے

استدلال کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جہنم میں داخلہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ آیت میں داخلہ جہنم کا حصر صرف ایسے اشقی کے لئے ہے جس میں تکذیب اور تولی کی صفت موجود ہو۔

معتزلہ و خوارج کہتے ہیں کہ کبیرہ کا مرتکب مخلد فی النار ہوگا۔ اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں، اس لئے کہ مرتبہ وغیرہ چند فرقوں کے علاوہ سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ ارتکاب کبار موجب جہنم ہے، اگر مرتکب کبیرہ کو مؤمن کہیں گے تو وہ اشقی نہ ہوگا۔ اور اشقی نہ ہوگا تو جہنم میں کیسے جائے گا۔ جبکہ آیت میں ہے کہ جہنم میں اشقی ہی جائے گا۔ ان سب کے جوابات آیت کی توجیہات میں وضاحت سے آچکے ہیں۔ اور ان توجیہات کی ضرورت مختلف نصوص میں ظاہری تعارض دور کرنے کے لئے پیش آئی تھی، پھر تمام علمائے سلف و خلف کا اجماع اور قرآن مقدس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک معاف نہ فرمائے گا۔ اور شرک کے سوا صغائر و کبائر جس کے چاہے گا معاف فرمادے گا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ اور ﴿قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ﴾ (الایہ (پ ۲۳ ع ۴)) (کہہ دیجئے اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر (گناہ کا ارتکاب کر کے) زیادتی کی ہے نا امید نہ ہوں، اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دے گا۔ بلاشبہ وہی غفور رحیم ہے) اور ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (زلزال) جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کے سامنے آجائے گی اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ بھی اس کے سامنے آجائے گی۔ اس قسم کی آیات قرآن پاک میں ہزاروں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گنہگار معذب بھی ہو سکتا ہے اور مخلد فی النار بھی نہ ہوگا۔ اختصار کے پیش نظر اشارات پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى (اور دوزخ سے اتقی ضرور بچ جائے گا) اس میں سین تحقیق کے لئے ہے، اتقی سب سے بڑا متقی، یہ مقام اس شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو شرک جلی و خفی اور جسمانی و قلبی اور نفسانی تمام گناہوں سے پرہیز کا خوگر اور صاحب نفس حزکی و مطمئن ہو جائے۔

الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالًا يَنْزَحِي (وہ مصارف خیر میں اس غرض سے مال خرچ کرتا ہے کہ پاک ہو جائے) ریاء کاری، شہرت طلبی وغیرہ اغراض فاسدہ اس کے پیش نظر نہیں ہوتیں۔ بلکہ طہارت و پاکیزگی اور اپنے درجات کی پیاپے ترقی اس کا مقصود ہوتا ہے۔ یَنْزَحِي زکوٰۃ سے ماخوذ ہے، زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی کے آتے ہیں اور افزائش کے بھی، یہاں دونوں معنی صادق آتے ہیں۔

ایک شبہ کا حل:

چونکہ ہمارے (احناف) کے نزدیک نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں۔ اس لئے آیت سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ جو اتقی نہ ہو یعنی متقی ہو وہ جہنم میں جائے گا، نیز قاعدہ ہے کہ ذکر شئی لئی ماعدا کو مستلزم نہیں۔ علاوہ ازیں یہاں آیت میں تعجب اتقی کو بطور حصر بھی بیان نہیں کیا گیا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ گو مفہوم مخالف کا اعتبار فرماتے ہیں، مگر ان کے نزدیک بھی یہاں اتقی کے داخل جہنم ہونے کا مفہوم غیر معتبر ہے کیونکہ بعض جگہ قید یا وصف کو صرف کسی خاص خوبی وغیرہ بیان کرنے کے لئے لایا جاتا ہے، احترازی معنی مقصود نہیں ہوتے۔ اس کی نظیر قرآن پاک میں ﴿وَلَا تُكْرَهُوا قِتَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْتُمْ

تَحَصُّنًا ہے کہ یہاں تحصن کی شرط صرف پاکدامنی کی خوبی اور اظہار واقعہ کے طور پر مذکور ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر باندیاں پاکدامنی کا قصد نہ کریں تو ان کو زنا پر مجبور کیا جائے (یہ آیت ابن ابی منافق کے بارے میں اتری ہے کہ وہ اپنی باندیوں سے زنا کرتا اور ان کی کمائی کھاتا تھا) اسی طرح یہاں اٹھی کی خوبی بیان کرنا مقصود ہے، اور جس ذات گرامی (صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی وہ واقعہ اٹھی تھے، اس لئے اس سے اظہار واقعہ بھی مقصود ہے۔ لیکن اگر کسی کو مفہوم مخالف مان لینے پر اصرار ہے تب بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ کبار و صغائر سے بھی انسان قابل مواخذہ ہوتا ہے جس کی سزا نار جہنم بھی ہو سکتی ہے گو اس میں داخلہ ہمیشہ کے لئے نہ ہو، یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یا تو بہ سے یا نیکوں سے یا مصائب وغیرہ سے اس کو بالکل معاف فرمادیں۔

اشقی اور اتقی کی تعبیر:

آیات کے الفاظ میں عموم ہے، جو شخص بھی بخیل، بے پرواہ، منکر اور بے رخی کر نیوالا ہو گا وہ اشقی کا مصداق ہو گا۔ اور جو شخص صاحب ایمان، راہ خدا میں اس کی رضا جوئی کے جذبہ سے خرچ کرنے والا اعلیٰ درجہ کا پرہیزگار ہو گا وہ اتقی کا مصداق قرار پائے گا، سبب نزول اگر خاص بھی ہوتا ہے تو آیات کے عموم پر خصوص سبب اثر انداز نہیں ہوتا۔ کلام الہی کے نزول سے مقصود ہدایت و تزکیہ کا عام نفع ہوتا ہے ہاں کسی خاص واقعہ سے اس نوع کے واقعات کی وضاحت مقصود ہوتی ہے، مثلاً یہاں کسی خاص اشقی اور مخصوص اتقی کے حال و مال کو ذکر فرما کر عام اہل سعادت و اہل شقاوت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، قرآن مقدس کے عام مفہیم کو کسی شخصیت یا اشخاص کے ساتھ مخصوص کر دینا یا خود تراشیدہ خیالات کے سانچہ میں ڈال دینا سخت غلطی ہے، مثلاً شیعہ حضرات اہل سعادت کے احوال و نتائج کو اہل بیت کے ساتھ اور اہل شقاوت کے حالات و انجام کو ان لوگوں کے ساتھ جن کو انہوں نے اہل بیت کا مخالف قرار دیا ہے چسپاں کر دیتے ہیں۔ یا اہل بدعت نصوص کو کھینچ کر اور تاویلات رکیکہ کے ذریعہ اپنی بدعات کا مستدل بناتے ہیں، یا متصوفین تمام آیات کو توحید و جود، نفس و روح، قرب و احوال و مقامات وغیرہ پر چسپاں کرتے ہیں، حالانکہ نزول قرآن کے وقت ان مسائل کا وجود بھی نہ تھا، میرا مقصد یہ نہیں کہ قرآن میں علماء، صلحاء، اولیاء صحابہ و اہل بیت کے کارناموں کی مدح نہیں، یا اس میں روح و نفس، مقامات و احوال، مواحید و اشواق کی طرف ایمان نہیں، ضرور ہے۔

مقصد یہ ہے کہ تمام آیات قرآنیہ کو اسباب نزول پر منحصر کر دینا یا اپنے ذہنی رخ پر موڑ دینا کلام اللہ پر یقیناً زیادتی اور نزول کلام الہی کے مقصد کے خلاف ہے ان آیات میں بھی نزول قرآن کے وقت کے اشقی و اتقی کی طرف اشارہ ضرور ہے، چنانچہ اتقی سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ آیات مکی ہیں، اور اس وقت مسلمانوں میں یونسی مالہ کا مصداق اگر کوئی بھی فرض کیا جائے تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر اور کوئی نہ نکلے گا، اول تو اس وقت مسلمانوں میں ان کے سوا کوئی مالدار ہی نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ اور کوئی۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا مال اس وقت راہ خدا میں بے دریغ صرف ہوتا۔ پریشان حال مسلمان غلاموں کو آزاد کرنا، پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر مال صرف کرنا اسی جاں نثار و یار غار کا کام تھا، اسی لئے تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اتقی کے مصداق اول صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور یہ آیات

انہیں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، گو ان صفات مذکورہ کا حامل جو بھی ہوگا وہ مصداق آیت قرار پائے گا۔ اور اشقی کا مصداق اول امیہ بن خلف ہے، گو اس جیسے تمام اشخاص اس کے مفہوم میں آجاتے ہیں، ہم اس سورت کی تفسیر کے شروع میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیہ کے واقعات کو عنوان شان نزول کے تحت تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

**صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امت میں سب سے افضل ہیں:**

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہیں، بیشمار دلائل میں سے یہ آیت ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى﴾ بھی افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک دلیل ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتقی فرمایا ہے۔ اور سورہ حجرات میں ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَى﴾ بیشک سب سے بڑا بزرگ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے بڑا پرہیزگار ہے۔ آیا ہے، ان دونوں آیات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے نزدیک امت میں سب سے افضل و اکرم ہیں۔

فرقہ تفضیلیہ (جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل کہتا ہے) نے یہاں اتقی کو اتقی کے معنی میں لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اتقی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پیغمبر کے علاوہ پر اس لفظ کو اتقی کے معنی میں لیا جائے گا۔ اور جب یہ لفظ اتقی اپنے تفضیلی معنی پر نہیں تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امت میں سب سے افضل ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ اہل سنت فرماتے ہیں کہ اتقی کو اتقی کے معنی میں لینا لغت کے خلاف، محاورے کے خلاف اور عرف شرع کے خلاف ہے، کسی لفظ کو اس کے معنی مجازی پر جب محمول کریں گے کہ اس کے حقیقی معنی درست نہ ہوں اور مجاز پر کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو، یہاں ایسی کوئی مجبوری ہے اور نہ قرینہ صارفہ۔

درحقیقت قواعد شرعیہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام مخلوق میں سب سے افضل ہیں، ان کی افضلیت قطعاً مسلم ہے، اس لئے اگر دوسرے لوگوں کی نسبت افضلیت و مفضولیت بیان ہوگی تو وہ امتیوں ہی کی ہوگی، یہ تخصیص عرفی ہے جو تخصیص ذکر سے قوی تر ہوتی ہے، مثلاً کوئی شخص کہتا ہے کہ گیسوں کی روئی دوسری روئیوں سے اچھی ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ گیسوں کی روئی بادام کی روئی سے بھی بہتر ہوتی ہے، بلکہ عرفاً مطلب یہ ہوتا ہے کہ غلوں سے بنی ہوئی روئیوں میں سب سے بہتر گیسوں کی روئی ہوتی ہے، اسی طرح دیگر تمام مومنین سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتقی و اکرم اور افضل ہیں، امتوں کا مقابلہ پیغمبروں سے اور پیغمبروں کا امتوں سے نہیں کیا جاسکتا۔

بعض نے کہا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطلقاً سب سے افضل ہیں، لیکن اس کا مصداق اخیر عمر کا وقت ہے جب آپ منجائے کمال کو پہنچ چکے تھے یعنی اپنے زمانہ خلافت میں آپ ان سب سے اتقی و اکرم اور افضل ہوئے جو دنیا میں موجود تھے، گویا آیت میں نایہ دل کے اعتبار سے بطور پیشینگوئی آپ کو اتقی فرمایا گیا، لہذا اس توجیہ کے اعتبار سے کوئی اشکال ہی نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ کے اخیر دور میں نہ کوئی نبی دنیا میں موجود تھا اور نہ کوئی آپ سے افضل تھا، لیکن یہ توجیہ اشکالات سے خالی نہیں۔

**چند احادیث افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں:**

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر اپنی صحبت و ہم نشینی اور اپنے مال میں سب سے زیادہ احسان کرینا لے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ

عنه کو خلیل بناتا۔ لیکن ہمارے درمیان اخوت و محبت اسلام ہے، مسجد کی طرف کسی کی کھڑکی کھلی نہ رہے ابو بکر کی کھڑکی کے سوا (خلیل اس دوست کو کہتے ہیں جس کی محبت دل کی گہرائی میں اتر گئی ہو)۔

(۲) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور صحابی ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہارے صاحب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنا خلیل بنالیا ہے۔ (۳) عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب غزوہ ذات السلاسل میں امیر لشکر بنا کر بھیجا تو فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ سب سے زائد محبوب آپ کے نزدیک کون ہے؟ فرمایا عائشہ! میں نے عرض کیا مردوں میں سے؟ فرمایا ان کے والد، میں نے پوچھا ان کے بعد؟ فرمایا عمر۔ پھر چند مردوں کو شمار کیا تو میں اس اندیشہ سے خاموش ہو گیا کہ مجھے سب کے اخیر میں نہ کر دیں۔

(۴) محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے پوچھا: لوگوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر کون ہے؟ فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ، میں نے کہا پھر فرمایا عمر رضی اللہ عنہ۔ میں نے اندیشہ کیا کہ اب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ فرمادیں۔ اس لئے میں نے کہا کہ پھر آپ ہیں؟ تو فرمایا میں تو مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں۔ (۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کسی کو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر، ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر کسی کو نہ جانتے تھے، پھر ان کے بعد آپس میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک دوسرے پر فوقیت و فضیلت نہ دیتے تھے، ابو داؤد کی روایت میں یہ ہے کہ ہم (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اس وقت جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل ابو بکر ہیں پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم۔ (۶) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے آقا اور ہم سب میں افضل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ (۷) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا، تو میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہوں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیاں اتنی ہیں، میں نے عرض کیا کہ پھر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتنی ہوں گی؟ فرمایا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک نیکی ہی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام نیکیوں کے برابر ہے۔ (۸) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو دیئے، اور فرمایا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ میری تمام نیکیاں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک دن یا ایک رات ہی کے عمل کے برابر ہو جائیں۔ رات سے مراد غار ثور والی رات ہے۔ اور دن سے مراد وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دن۔ (مختصر) (۹) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور کسی معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوبارہ حاضر ہونے کا حکم دیا، عورت نے عرض کیا کہ اگر میں حاضر ہوں اور آپ کو نہ پاؤں، مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو مجھے نہ پائے تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ جانا۔

(۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے مجھ سے اپنے مرض الوفا میں فرمایا کہ ابو بکر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے بھائی (عبدالرحمن) کو بلا لوتا کہ میں ان کے لئے ایک دستاویز لکھوا دوں، مجھے اندیشہ ہے کہ تمنا کرنے والے (خلافت کی) تمنا کریں گے، اور کہنے والا کہے گا کہ میں مستحق (خلافت) ہوں۔ اور وہ مستحق خلافت نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا (کے استحقاق کو) تسلیم نہ کریں گے۔

(۱۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہم پر جس نے بھی احسان کیا ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے مگر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسانات کا بدلہ تو حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن ہی چکائیں گے، جتنا ابو بکر کے مال نے مجھ کو نفع پہنچایا کسی کے مال نے نہیں پہنچایا۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو اپنا خلیل بناتا۔ لیکن یاد رکھو کہ تمہارے صاحب (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ نے اپنا خلیل بنا لیا ہے۔ (۱۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا: کہ آپ میرے ساتھی غار میں بھی رہے ہیں آپ میرے ساتھی ہوں گے حوض کوثر پر بھی۔ (۱۳) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس قوم میں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہوں اس کے لئے مناسب نہیں کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کوئی اس کی امامت کرے۔ (۱۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میرے پاس جبریل آئے، میرا ہاتھ پکڑا، اور مجھ کو جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت داخل ہوگی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوتا اور باب جنت کو دیکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سنئے یقیناً میری امت میں سب سے پہلے آپ ہی جنت میں جائیں گے۔ (مشکوٰۃ شریف باب المناقب) (۱۵) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ کے پاس بہت سے انصار و مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمع تھے، آپس میں لوگوں کی فضیلتیں بیان کرنے لگے، آوازیں بلند ہو گئیں، تو حضور رسالت اب صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ سے باہر تشریف لائے، اور پوچھا کیا بات ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ بعض حضرات کے مرتبوں کا ذکر ہو رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خبردار! ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں کسی کو فضیلت نہ دینا، کیونکہ وہ دنیا و آخرت میں تم سب سے افضل ہیں۔

(۱۶) دارقطنی میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے، ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے آگے چل رہا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں مل گئے تو ارشاد فرمایا: تم اس کے آگے آگے چل رہے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے، خدا کی قسم انبیاء و مرسلین کے سوا کسی پر سورج نے طلوع و غروب نہیں کیا جو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہو۔ ابن السمان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتاب الموافقة میں یہی روایت نقل کی ہے، کہ پیغمبروں کے سوا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر و افضل پر سورج نے طلوع و غروب نہیں کیا۔ (۱۷) خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس وقت ایک شخص ایسا آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد اس سے بہتر کسی کو پیدا نہیں کیا۔ اور قیامت کے دن اس کی شفاعت پیغمبروں کے مثل ہوگی، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ تھوڑی ہی دیر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے آں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور خوب بغل گیر ہو کر ملے۔

تنبیہ:..... اس مقام پر چند احادیث کا ترجمہ فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اس لئے لکھ دیا گیا ہے کہ اس پر فتن دور حاضر میں شیعوں کی تقلید میں بہت سے لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین و تنقیص کے درپے ہیں، مودودی صاحب نے ہندو پاک میں اخوانیوں نے مصر و مالک عربیہ میں اور دوسری جماعتوں اور افراد نے امت مسلمہ کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بدظن کر کے دین و مذہب کی جڑوں کو کھوکھلا کر دینے کی نامبارک کوششیں کی ہیں، ہمارے اکابر و اسلاف نے قرآن و سنت کی روشنی میں عظمت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کی وقعت و محبت ہمیشہ امت کے دلوں میں پلانے اور پیوست کرنے کی کوشش کی ہے۔

انتہائی افسوس ہے اسی طبقہ دیوبند سے تعلق رکھنے والے بعض حضرات بھی اس سلسلہ میں شیعوں اور مودودیوں کی تقلید میں صرف ان کا اتباع ہی نہیں بلکہ ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں، مثلاً قریب ہی میں مفتی حبیب الرحمن خیر آبادی نے اپنی نام نہاد و بدنام کتاب ”محرم“ میں دیگر خرافات (قرآن و سنت میں تحریف، اکابر کی تکفیر وغیرہ) کے ساتھ حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین، حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کی توہین کی، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے افضل امت ہونے کا بھی انکار کیا ہے، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین کفر ہے، اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کے انکار سے بھی اندیہ کفر ہے، ہم نے ”محرم“ کا کافی و ثانی جواب بنام ”محرم پر ماتم“ لکھ کر الحمد للہ ”محرم“ کی گمراہ تحریرات کا پردہ چاک کر دیا ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر ہم نے یہاں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت پر قدرے کلام کیا اور چند احادیث بھی لکھ دی ہیں، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار پر دانوں کے ذکر سے اگر کتاب طویل ہو جائے تو ہمیں پرواہ نہیں ہمارا مقصود تقریر و تحریر نہیں بلکہ مراد زندگی ہی یہ ہے۔

خدا کرے کہ یہ محنت قبول ہو جائے رضا و رحمت حق کا حصول ہو جائے

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ (اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ دیا جاتا) مستدرک حاکم میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ عادت بھی تھی کہ جس مسلمان کو کفار کے ہاتھ میں قیدی دیکھتے اس کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے، اور یہ لوگ عموماً کمزور غلام تھے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا: کہ جب تم غلاموں کو آزاد ہی کرتے ہو تو اتنا کام کر لو کہ ایسے غلاموں کو آزاد کیا کرو جو قوی و بہادر ہوں تاکہ وہ کل تمہارے دشمنوں کا مقابلہ اور تمہاری حفاظت کر سکیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ میرا مقصد یہ ان آزاد کردہ غلاموں سے کوئی فائدہ اٹھانا نہیں بلکہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ان کو آزاد کرتا ہوں، باری تعالیٰ نے اس صدق نیت و خلوص کامل کی تصدیق فرمائی إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ یعنی ان کا مقصد عالی شان پروردگار کی رضا کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(فائدہ) گوا احسان و سلوک کے بدلہ میں مال دینا بھی نیک کام ہے، آیت شریفہ میں رضائے رب کے سوا ہر غرض کی نفی فرمادی گئی نام کے لئے تو کیا غلاموں کو آزاد کرتے اور اپنا مال صرف کرتے وہ تو کسی کے احسان کا بدلہ چکانے کی نیت سے بھی نہیں دیتے، ان پر ان لوگوں میں سے کسی کا احسان ہے بھی نہیں جن کی آزادی پر وہ اپنا مال صرف کر رہے ہیں، اور نہ ان پر احسان رکھنا ہی مقصود ہے، صرف رضائے مولیٰ ان کے پیش نظر ہے اور بس! اس آیت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ



تعالیٰ عنہ کے کمال مرتبہ کا پتہ چلتا ہے، کہ اس سے بڑھ کر کمال اور کیا ہو سکتا ہے؟ ﴿ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ﴾ ان آیات کے بعد بھی اگر کوئی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رتبہ کو نہ پہچانے تو بقول حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے قلب پر آفتاب ایمان کا پرتو بھی نہیں پڑا۔

گر نہ بیند بروز شہرہ چشم  
چشمہ آفتاب کا را چہ گناہ

وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ يَرْضَىٰ کی ضمیر اگر رب کی طرف راجع ہے تو معنی یہ ہیں کہ ان کا پروردگار ان سے ضرور راضی ہوگا۔ اور اگر ضمیر يَرْضَىٰ، اَلْاٰتِفٰی کی طرف راجع ہے تو مطلب یہ ہے کہ جب اس اتقی (صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو حق تعالیٰ کی طرف سے عطاء و جزاء اور عزت آخرت کی دولتیں ملیں گی تو وہ خوش ہو جائیں گے۔ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اسی طرح ہے جس طرح سورۃ الضحیٰ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا: گِیَا ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾ یہاں دونوں مطلب درست ہیں۔ اور دونوں کا مآل ایک ہی ہے۔

بخت گرد و کند دامنش آورم بکف  
گر بکشم زہے طرب در یکشد زہے شرف

یعنی اگر قسمت کی مدد سے محبوب کا دامن ہاتھ میں آجائے پھر میں اس کو کھینچ لوں تو زہے نصیب اور اگر وہ کھینچ لے تو زہے شرف اَلَّذِیْ يُؤْتِیْ مَا لَہٗ سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کمال اخلاص اور ان کے مصارف کی عند اللہ مقبولیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

تم تفسیر سورۃ الیل بفضل اللہ سبحانہ و تعالیٰ فالحمد للہ ربنا الاعلیٰ والصلوٰۃ والسلام علی سید الوریٰ وامام الانبیاء وعلیٰ الہ وصحبہ نجوم الدجی اولی الدرجات العلیٰ وآئمۃ الہدیٰ

## سُورَةُ الضُّحَىٰ

سُورَةُ الضُّحَىٰ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً

(رکوع: ۱، آیات: ۱۱) سورۃ مخفی مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں گیارہ آیات ہیں۔ (کلمات: ۴۰، حروف: ۱۷۲)

### رابط و مناسبت

اس سورت کی مناسبت سورۃ لیل سے بہت ہی ظاہر ہے۔ اس سورت کو شب و روز کی قسم سے شروع کیا گیا تھا تو اس سورت کو بھی روز و شب کی قسم سے شروع کیا گیا۔ وہاں اشقیٰ کی مذمت اور اس کے لئے وعید تھی یہاں بھی اشقیاء کی تردید و مذمت ہے، وہاں شان صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان تھا یہاں شان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اطہر کا بیان۔ وہاں وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ میں رضاء صدیق عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر تھا تو یہاں وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ میں خوشنودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے، وہاں مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ میں اشارۃ شکر نعمت کا حکم تھا تو یہاں بھی وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ میں صراحۃ شکر نعمت کا حکم ہے، وغیرہ۔

## شان نزول:

اس سورت مبارکہ کے سبب نزول کے سلسلہ میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں۔ (۱) حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انگلی زخمی ہو گئی، اس سے خون جاری ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنِّي أَنْتَبِ إِلَّا إِضْبَعُ ذَمِينَتِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتُ

ترجمہ: تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہو گئی اور جو کچھ تجھے تکلیف پہنچی وہ راہِ خدا میں ہے

حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ اس کے بعد چند روز جبرئیل امین کوئی وحی لیکر نہیں آئے تو مشرکین مکہ نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا، اور وہ ان سے ناراض ہو گیا ہے، اس پر سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی۔ (بخاری و مسلم و ترمذی)

(۲) حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طبیعت کے ناساز ہو جانے کی وجہ سے ایک دو راتوں میں (نماز کے لئے) اٹھ نہ سکے، یہ دیکھ کر ایک عورت کہنے لگی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا شیطان تم کو چھوڑ گیا ہے، اس پر یہ سورت اتری، بغویٰ نے بیان کیا کہ جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کا نام بتلایا کہ وہ ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔ (بخاری و مسلم) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ چند روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی نہیں ہوئی۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل نے کہا ایسا لگتا ہے کہ تیرے ساتھی نے تجھے چھوڑ دیا اور وہ تجھ سے نفرت کرنے لگا ہے۔ اس پر سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی۔ (۳) ابن جریر نے شداد بن عبد اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا خیال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے صبری دیکھ کر آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا ہے اس پر یہ صورت نازل ہوئی۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ام جمیل و حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں نے یہ بات کہی تھی، مگر ام جمیل نے خوش ہو کر (بطور استہزاء) اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اظہارِ دردمندی و خیر خواہی کے جذبہ سے یہ بات کہی تھی۔ (۴) ابن ابی شیبہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہما نے ایک ایسی سند سے جس میں ایک راوی مجہول ہے حفص بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے وہ اپنی ماں سے اور ان کی ماں اپنی ماں (حفص کی نانی) سے نقل کرتی ہیں، اور یہ حفص کی نانی (خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ کتے کا ایک پلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوٹھری میں گھسا اور تخت کے نیچے چھپ کر وہیں مر گیا۔ اس وجہ سے چار روز تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خولہ! دیکھ تو میری کوٹھری میں کیا نئی بات ہو گئی کہ جبرئیل نہیں آتے۔ میں نے سوچا صفائی کرنی چاہئے، چنانچہ میں جھاڑ و لیکر تخت کے نیچے جھکی اور اس مرے ہوئے پلے کو نکالا، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت آپ کی ریش مبارک پر لرزہ تھا۔ اور جب نزول وحی ہوتا تو ایسی ہی کیفیت ہوتی تھی۔ تو وَالضُّحٰی سے قرطبی تک وحی اتری۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پلے کی وجہ سے جبرئیل علیہ السلام کی آمد میں تاخیر کی روایت تو مشہور ہے،

مگر اس قصہ کا واضحی کے نزول کا سبب ہونا غریب بلکہ شاذ ہے، جو قابل قبول نہیں۔ (۵) جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں دعوت اسلام شروع کی تو مکہ والوں نے یہود مدینہ کے پاس ایک وفد بھیجا کہ ہم میں سے ایک شخص ایسا پیدا ہوا ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، آپ لوگ پڑھ لکھے ہیں اس لئے کوئی ایسی بات بتلائیے کہ ہم ان کی صداقت کا امتحان کر لیں۔ علمائے یہود نے کہا کہ ان سے تین باتیں معلوم کرو اگر وہ بتادیں تو وہ اللہ کے نبی ہیں ان کی اطاعت کر لینا ورنہ جو تمہارا بی چاہے کرنا۔

(۱) ذوالقرنین کون تھے؟ (۲) روح کی حقیقت کیا ہے؟ (۳) اصحاب کہف کون تھے؟ اور ان کا قصہ بڑا عجیب ہے۔ چنانچہ مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تینوں باتوں کی معلومات کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ کل جواب دوں گا اور انشاء اللہ نہ فرمایا۔ تو ایک عرصہ تک وحی نازل نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت غم ہوا۔ ادھر دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنے دینے لگے، ابولہب نے کہا اِنَّ مُحَمَّدًا وَدَّعَهُ رَبُّهُ وَقُلِّی (محمد کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور ان سے ناراض ہو گیا) اس کی بیوی ام جمیل نے کہا مَا اُرٰی شَیْطَانَكَ اِلَّا تَرٰکَ (معلوم ہوتا ہے کہ تیرا شیطان تجھ کو چھوڑ گیا) ان و نحرش باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا، آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی ان باتوں کا تذکرہ فرمایا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد وحی آئی۔ جس میں سورۃ کہف اور سورۃ النضحی کا نزول ہوا۔ اور روح کے متعلق یَسْتَلُوْکَ عَنِ الرُّوْحِ آیات کا نزول ہوا۔

### مختلف روایات کا حاصل:

یہ ضروری نہیں کہ یہ سب واقعات ایک ہی زمانے میں پیش آئے ہوں، اور سب اس سورت کے نزول کے اسباب ہوں۔ تاخیر وحی کے واقعات متعدد مرتبہ پیش آئے ہیں، ایک واقعہ تاخیر وحی کا شروع نزول قرآن کے وقت پیش آیا، جس کو زمانہ فطرت وحی کہتے ہیں، اس میں ایک طویل عرصہ تک وحی موقوف رہی، بظاہر حقیقت روح وغیرہ کے سوال کے جواب میں تاخیر کا واقعہ سورۃ نضحی کے سبب نزول کے علاوہ ہے۔ گو علامہ محلی و شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے اسی کو اس سورت کا سبب نزول قرار دیا ہے، باقی اوپر کے واقعات میں کوئی تعارض نہیں۔ یاد رکھئے کہ کسی سورت یا آیت کے اسباب نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں اور متعدد آیات کا سبب نزول ایک بھی ہو سکتا ہے۔

### انقطاع وحی کی مدت:

وحی کس واقعہ میں کتنے دنوں موقوف رہی۔ اس کا فیصلہ بھی مشکل ہے، صاحب مظہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انقطاع وحی کی مدت کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں۔ ابن جریج رحمۃ اللہ نے بارہ دن اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس دن کی تعیین کی ہے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے دس، پندرہ اور اس سے زائد چالیس دن تک کے اقوال لکھے ہیں واللہ اعلم۔

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

وَالضُّحَىٰ (۱) وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ (۲) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ (۳) وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ

قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب چھا جائے، آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بیزار ہوا۔ اور آپ کیلئے آخرت دنیا سے

ضُحَىٰ	وَاللَّيْلِ	إِذَا	سَجَىٰ	مَا	وَدَّعَكَ	رَبُّكَ	وَمَا	قَلَىٰ	وَالْآخِرَةُ	خَيْرٌ	لَّكَ	مِنَ
دن چڑھے	اور	رات	جب	ڈھانڈلے	نہیں	چھوڑ دیا تجھ	رب تیرے	اور	نہ	خوش رکھا	اور	البتہ
بہتر ترے واسطے												بہتر ترے واسطے

الْأُولَىٰ (۴) وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (۵) أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ (۶) وَوَجَدَكَ ضَالًّا

بہت بہتر ہے، اور آپ کا رب آپ کو اتا دیا کہ آپ خوش ہو جائیے۔ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانہ دیا، اور اس نے آپ کو ناواقف پایا

الْأُولَىٰ	وَلَسَوْفَ	يُعْطِيكَ	رَبُّكَ	فَتَرْضَىٰ	أَلَمْ	يَجِدْكَ	يَتِيمًا	فَآوَىٰ	وَوَجَدَكَ	ضَالًّا		
پہلی حالت	اور	غقریب	دیگا تجھ	رب تیرا	پس راضی ہوگا تو	کیا نہیں	پایا تجھ	یتیم	پس جگہ دی	اور	پایا تجھ	ناواقف

فَهْدَىٰ (۷) وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (۸) فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ (۹) وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۱۰)

تو آپ کی رہنمائی کی، اور آپ کو نادار پایا تو غنی کر دیا، تو آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے، اور سائل کو نہ جھڑکے۔

فَهْدَىٰ	وَوَجَدَكَ	عَائِلًا	فَأَغْنَىٰ	فَأَمَّا	الْيَتِيمَ	فَلَا	تَقْهَرْ	وَأَمَّا	السَّائِلَ	فَلَا	تَنْهَرْ	
پس راہ دکھائی	اور	پایا تجھ	فقیر	پس غنی کیا	پس جو	یتیم	پس مت	تہر کر	اور	جو	مانگنے والا	پس مت
ڈانٹ												ڈانٹ

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۱۱)

اور اپنے رب کے احسان کا ذکر کیا کیجئے۔

و	أَمَّا	بِنِعْمَةِ	رَبِّكَ	فَحَدِّثْ
اور	جو	نعمت	پروردگار تیرے	پس بیان کر

لغات:

سَجَى سَجَوْا سَجَوْا (ن) سنان ہونا، ہمیشہ رہنا، چھا جانا، سیاہ ہونا، وَدَّعَ باب تفعیل سے چھوڑ دینا  
رخصت کرنا، وَدَّعَ وَدَّعَا (ف) چھوڑنا، امانت رکھنا قَلَى قَلَوْا (ن ض) بغض رکھنا، بھوننا، نفرت کرنا، اَوَى اِغْنَى  
سے ٹھکانا دینا، رَحْمَ کھانا مَرَّ فِی النَّزْعَتِ - ضَالًّا ناواقف، حیران، بے خبر، ضلال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، عَائِلًا عِیْلَةً  
سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، تنگ دست، فقیر، مفلس، نادار، عیالدار، (ض) عیالدار ہونا محتاج ہونا، (ف) بے انصافی کرنا،  
لَا تَقْهَرْ (ف) غالب ہونا، دبانے سختی کرنا، لَا تَنْهَرْ (ف) ڈانٹنا، جھڑکنا، زور سے بہنا، حَدِّثْ تفعیل سے بیان کرنا،  
روایت کرنا خبر دینا، حَدَّثَ حَدُّوْنَا (ن) نوپید ہونا، واقع ہونا۔

ترکیب:

وَالضُّحَىٰ الِی سَجَى - مَرَّ مِثْلُهُ فِیْمَا تَقَدَّمَ - مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ فعل مفعول بہ فاعل علی الترتیب جملہ

فعلیہ۔ معطوف علیہ۔ وَمَا قَلَىٰ فعل ضمیر فاعل، مفعول (ک) محذوف لرعاية الفاصلة۔ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین جواب قسم وَلِلْآخِرَةِ مَبَدَا خَيْرٌ اپنے دونوں متعلقوں لَکَ اور مِنَ الْاُولٰی سے مل کر خبر۔ یا تو یہ مقسم علیہ میں داخل، یا قبل پر عطف ہے یا جملہ متانفہ ہے، اور اوواو عاطفہ نہیں بلکہ متانفہ ہے، وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فعل، مفعول بہ اور فاعل جملہ فعلیہ يُعْطٰی کا مفعول ثانی مثلاً مَقَامَ الشَّفَاعَةِ محذوف ہے، ف تفریعیہ ہے، جملہ ماقبل پر مفرع اور اسی سے مربوط و معطوف ہے، آگے تینوں جملوں کی ترکیب اسی طرح ہے۔ فَاَمَّا ف تفریعیہ اَمَّا تفصیلیہ متضمن بمعنی الشرط الیَّتیم اپنے بعد والے فعل کا مفعول بہ ہے، تقدیم مفعول حصر کے لئے نہیں۔ بلکہ اہل عرب فاء کے اتصال کو حرف شرط کے ساتھ پسند نہیں کرتے۔ اس لئے اَمَّا حرف شرط اور فاء میں فصل کرنے کے لئے مفعول بہ کو مقدم کر دیا گیا، یہ جملہ انشائیہ ہے، اسی طرح اگلے دونوں جملے ہیں۔

تفسیر:

وَالصُّحٰی (قسم وقت چاشت کی یاد کی) قتادہ و مقاتل رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ اس سے سورج چڑھنے کا وقت یعنی وقت چاشت مراد ہے، اور خصوصیت اس کی یہ ہے کہ ہر موسم میں اس وقت اعتمادی کیفیت رہتی ہے، ہر چیز روشن ہو جاتی ہے، اور کمال نہار کا ظہور ہونے لگتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ صُحٰی سے لیل کے مقابلہ میں نہار ہی مراد ہے، جیسا کہ اِنَّا یَأْتِيَهُمْ بِاَسْنَا صُحٰی میں صُحٰی سے نہار مراد ہے۔

وَاللَّیْلَ اِذَا سَجٰی (اور رات کی قسم جب وہ چھا جائے) یعنی تاریکی کا ل ہو جائے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سَجٰی کا ترجمہ اَقْبَلَ بِظِلَام (تاریکی سے ساتھ آتی رات کی قسم) کیا ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی قول ہے، بعض نے اس کا ترجمہ ذَهَب (جاتی رات کی قسم) سے کیا ہے، عطاء و ضحاک رحمۃ اللہ علیہما نے اس کا ترجمہ ڈھانپ لینا کیا ہے، مجاہد نے ٹھیک ہو جانا، قتادہ و ابن سکین رحمۃ اللہ علیہم نے کہا جب اس کی تاریکی ٹھہر جائے، کہ اس کے بعد اندھیرے میں زیادتی نہ ہو، یعنی رات اپنے کمال کو پہنچ جائے، یا یہ معنی ہیں کہ رات کی قسم جب لوگ اس میں سکون پذیر اور خاموش ہو جائیں، لِئَلَّ سَاحِج وہ رات جس میں سکون پیدا ہو جائے۔ بَحْرٌ سَاحِج ساکن سمندر۔

صُحٰی اور لیل کی دو قسمیں:

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں، ایک یہ کہ قسمیں کیوں کھائی گئیں، دوسرے قسموں کے ساتھ صُحٰی اور لیل کو کیوں خاص کیا گیا؟ پہلی بات..... پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار نے یہ بہتان باندھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ناراض ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے چھوڑ دیا تو وہ لوگ مدعی ہوئے، مدعی کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کو گواہوں سے ثابت کرے، ورنہ مدعی علیہ کی قسم پر مقدمہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے، البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر اس مقدمہ میں کفار اپنے دعویٰ کو دلیل و شاہد سے ثابت نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے (جو یہاں مدعی علیہ ہے) قسم کھائی، گو دعوے کے رد کے لئے ایک قسم بھی کافی ہوتی ہے، مگر دو قسموں میں تاکید و تقویت اور تردید میں شدت پیدا ہو گئی، نیز کفار نے دو باتوں کا دعویٰ کیا تھا۔ (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے چھوڑ دیا آپ کا رب ناراض ہو گیا۔ تو دونوں دعووں کو دو ہی قسموں سے رد کر دیا گیا۔

دوسری بات..... قسم کے لئے انتخابِ صُحٰی و لیل کی متعدد وجوہ ہیں۔ (۱) جس طرح اللہ تعالیٰ ظاہر میں

اپنی قدرت و حکمت کی مختلف نشانیاں ظاہر کرتا ہے، کبھی دن کی تابانی اور کبھی رات کی تاریکی اور دونوں کو ایک دوسرے کے بعد لاتا رہتا ہے، اسی طرح کیفیت باطنی کو سمجھنا چاہئے۔ اگر سورج کی دھوپ اور روشنی کے بعد رات کی تاریکی کا آنا حق تعالیٰ کی خفگی و ناراضگی کی دلیل و ثبوت نہیں۔ تو چند روز وحی کی بندش بھی اس کی علامت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبرؐ سے خفا اور ناراض ہو گیا ہے بلکہ جس طرح رات کے بعد روشن دن کا آنا ضروری ہے۔ اسی طرح وحی کی چند روزہ بندش کے بعد وحی کا آنا ضروری ہے، کفار کا یہ دعویٰ خدا تعالیٰ کے علم محیط و حکمت بالغہ پر اعتراض ہے، گویا حق تعالیٰ کو اس کی خبر نہ تھی کہ جس کو میں رسول منتخب کر رہا ہوں وہ آئندہ وحی و رسالت کا اہل نہ رہے گا۔ (نعوذ باللہ منہ) (۲) اس میں آپ کو بشارت بھی دی گئی ہے کہ جس طرح روز و شب کی آمد مسلسل ہے۔ اسی طرح آپ پر وحی کا تسلسل رہے گا۔ (۳) اس میں خبر ہے کہ جس طرح رات کے بعد دن کا آنا ضروری ہے اسی طرح انقطاع وحی کی وحشت کے بعد وحی و لقائے جبریل علیہ السلام کا انس میسر آئے گا۔ (۴) اس میں آپ کو تسلی بھی دی گئی ہے، کہ جس طرح روز و شب گھٹتے بڑھتے اور مختلف کیفیات سے دوچار ہوتے ہیں اسی طرح آپ کو بھی غم و سرور، خوشی و حزن و ملال اور زبان خلق سے مدح و طعن و تشنیع کی مختلف کیفیات و حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ فائدہ..... دن میں سے وقت ضحیٰ کی اور ساری رات کی قسم میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا کے غم اس کی خوشیوں سے زائد ہیں۔ واللہ اعلم۔

### ضحیٰ اور لیل سے کیا مراد ہے؟

اس سلسلہ میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جن میں سے چند ذیل میں مذکور ہیں۔ (۱) وہی معروف معنی مراد ہیں جو مذکور ہوئے، یعنی ضحیٰ سے وقت چاشت یا دن اور لیل سے رات مراد ہے۔ (۲) ضحیٰ سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا دن اور لیل سے لیلة المعراج مراد ہے۔ (۳) ضحیٰ سے مراد آپ کا رخ انور اور لیل سے گیسوئے مبارک مراد ہے (۴) ضحیٰ سے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن اور لیل سے مراد غزوہ بخیش کا خلق ہے، کیونکہ وفات کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم غیب کے اسرار منکشف ہوئے اور غنویں ستر عیوب ہے۔ (۵) ضحیٰ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال ظاہری اور لیل سے احوال باطنی مراد ہیں۔ (۶) ضحیٰ سے اسلام کی ترقی کا زمانہ مراد ہے۔ اور لیل سے اسلام کے تنزل کا زمانہ مراد ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: الاسلام بدء غریبا و سيعود کما بدا۔ (۷) ضحیٰ سے مراد وقت حیات اور لیل سے مراد قبر والی زندگی ہے۔ (۸) ضحیٰ سے جنت کی روشنی اور لیل سے جہنم کی تاریکی مراد ہے۔ (۹) ضحیٰ سے قلوب عارفین کا نور اور لیل سے قلوب کافرین کی ظلمت مراد ہے۔ چونکہ الفاظ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے، اس لئے ہر ایک احتمال کی گنجائش ہے، یہ بھی قرآن پاک کے اعجاز کا ایک پہلو ہے کہ اس کے الفاظ وسیع المعنی اور بہت سے عمدہ احتمالات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

### لیل اور ضحیٰ کی تقدیم و تاخیر:

اس سورت میں ضحیٰ (دن) کو لیل (رات) سے پہلے لایا گیا۔ اور اس سے پہلی سورت (سورۃ اللیل) میں لیل کو نہار پر مقدم کیا گیا تھا۔ اس کی بھی علماء کرام نے بہت سی وجوہ ذکر کی ہیں۔ (۱) پہلی سورت میں لیل کو نہار پر اسلئے قدم کیا کہ واقعہ رات پہلے آتی ہے، اور دن بعد میں (لیل کو تقدیم طبعی حاصل ہے اس لئے ذکر ابھی اس کو مقدم لایا گیا) اور یہاں ضحیٰ کو

لیل پر مقدم کیا گیا۔ کیونکہ دن کو رات پر فضیلت ہے۔ (مظہری) (۲) سورۃ لیل میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل تھے، چنانچہ اس کو سورۃ ابی بکر بھی کہتے ہیں۔ اور اس سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل مذکور ہیں، اسی لئے اس کو سورۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی کہتے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات و انوار آفتاب نبوت کے عکس اور پرتو تھے۔ آفتاب نبوت کے جلوں ہی سے آئینہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جگمگایا تھا۔ آفتاب نبوت کی جلوہ گری سے پہلے آئینہ صدیق بے نور رات کے مانند تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام پیدائشی با کمال تھے۔ ان کے قلوب آغاز خلقت ہی سے تجلی و تجلیات ربانی کی آماجگاہ ہوتے ہیں، کفر یا فسق کی تاریکیوں سے ان کے قلوب مبراء ہوتے ہیں، اسی لئے سورۃ ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (سورۃ اللیل) میں قسم میں رات کو مقدم کیا، اور سورۃ النبی (والضحیٰ) میں دن کو مقدم کیا، تاکہ معلوم ہو کہ نور صدیقی تاریکی کے بعد آیا ہے، اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا ہی سے نور ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ (۳) سورۃ سابقہ میں رات کا پہلے ذکر کرنا اور اس سورت میں دن کا پہلے ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صدیقیت کے اوپر محمدیت (نبوت) کا مرتبہ ہے، اور محمدیت کے بعد دنیا میں صدیقیت باقی رہ جاتی ہے۔

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب بونے گل را از کہ جویم جز گلاب

اور یہ ان دونوں حضرات میں کمال اتحاد کی دلیل ہے جس کا نتیجہ دنیا، برزخ اور آخرت میں رفاقت ابدی ہے، نیز یہاں سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت با فضل کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ (۴) بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض اعتبارات سے رات کو فضیلت دی ہے کہ وہ راحت و آرام سکون و پردہ پوشی کا وقت ہے، اور بعض اعتبارات سے دن کو فضیلت بخشی ہے، کہ وہ معیشت اور کاروبار وغیرہ کا وقت ہے، تو ایک سورت میں رات کو مقدم کیا تو دوسری میں دن کو تاکہ دونوں کی فضیلت و اہمیت عیاں ہو جائے، اور بندے دونوں کی حکمت پر نظر کر کے عبرت و معرفت حق حاصل کریں۔ (۵) اصل تو یہی ہے کہ لیل مقدم ہو جیسا کہ سورۃ سابقہ میں ہے، کیونکہ رات کو تقدم طبعی بھی حاصل ہے، اور آفتاب نبوت ﷺ کے طلوع سے قبل اندھیرا تھا، بعد میں اجالا ہوا۔ مگر اس سورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے، تو ابتدا ہی سے تسلی کا مضمون مذکور ہے، وہ اس طرح کہ ضحیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا دور اور لیل سے وفات کے بعد قیامت تک کا زمانہ مراد ہے، شاید اسی لئے بجائے نہار کے لفظ ضحیٰ لایا گیا، تاکہ قلیل زمانہ مفہوم ہو۔ اور لیل ذکر کر کے طویل زمانہ کی طرف اشارہ ردیا گیا، گویا ظاہری حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روز روشن کے بعد شب تاریک بھی صدق صدیقی، عدل فاروقی، حیائے عثمانی، ولایت علوی کے انوار سے تاباں رہے گی اور (تاقیامت) اس رات میں ہزاروں علمائے حقانی و مشائخ ربانی کے چراغ روشن رہیں گے۔ نَهَا رُهَا وَلَيْلُهَا سَوَاءٌ اسی حقیقت کو وللا حصرۃ خیر لک من الاولیٰ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

مَا وَدَّ عَنكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ (آپ کے رب نے نہ آپ کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور نہ ہی آپ سے نفرت کی ہے) مَا قَلَىٰ مَا قَلَاكَ تھا۔ ک مفعول بہ کو ماقبل (مَا وَدَّ عَنكَ) کے قرینہ سے نیز رعایت فاصلہ کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ یہ جواب قسم اور مشرکین کے دعویٰ کی تردید ہے۔

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰی (اور پچھلی گھڑی آپ کے لئے اگلی گھڑی سے بہت بہتر ہے) یہاں آخرت کو اس کے مشہور معنی میں اور اولیٰ کو اس کے مقابلہ میں دنیا کے معنی میں لیا جائے تو تفسیر یہ ہوگی کہ کفار و مشرکین جو آپ

کو طعنے دے رہے ہیں وہ دنیا میں تو اس کا مشاہدہ کر ہی لیں گے کہ وہ سراسر غلطی پر تھے اور ان کی یہ بیجا طعن و تشنیع لغو کذب تھی۔ اس سے آگے ہم اخروی انعامات ابدی کا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کرتے ہیں، کہ وہ دنیوی انعامات سے بہت زیادہ اور بہت بہتر ہوں گے۔ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ آخرۃ اور اولی کے لغوی معنی مراد لے لئے جائیں، کہ ہر پچھلی گھڑی ہر پہلی گھڑی سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد کی ہر حالت پہلی حالت سے بہتر ہی ہوتی چلی جائے گی، اور مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی ترقیات میں ہر آن اضافہ ہوتا چلا جائے گا، اس تفسیر کے اعتبار سے آیت کے مفہوم میں بے حد عموم ہو جاتا ہے، جس میں ظاہری و باطنی، دنیوی و اخروی جملہ انعامات آ جاتے ہیں۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (اور آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے) صاحب مظہری نے بیہقی طبرانی اور حاکم رحمۃ اللہ علیہم سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ امت کی آئندہ فتوحات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (بحالت کشف) پیش کی گئیں تو آپ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ سے بیحد انعامات و عطیات دنیوی و اخروی کا وعدہ فرمایا گیا ہے، مثلاً دشمنوں پر فتح، اقتدار کامل، کثرت امت، اسلام کی اشاعت، آخرت میں شفاعت، کثرت ثواب، درجات قرب وغیرہ ایسے بیشمار عطیے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی عموم کے لئے بُعْطِي کا مفعول ثانی حذف کر دیا گیا۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ يُعْطِيكَ رَبُّكَ کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شفاعت (کی اجازت) عطا فرمائیں گے اور آپ کی امت کو بخش دیں گے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جائیں گے، حضرت علی و حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

### رضائے حبیبِ خدا:

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا لَا أَرْضُصِي وَوَأَحْذَ مِنْ أُمِّي فِي النَّارِ یعنی جب یہ بات ہے تو میں اس وقت تک راضی نہ ہوگا جب تک کہ میری امت میں سے ایک آدمی بھی جہنم میں رہے گا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیں گے، یہاں تک کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا رَضِيتُ يَا مُحَمَّدُ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ راضی ہیں) تو میں عرض کروں گا يَا رَبِّ رَضِيتُ (اے میرے رب میں راضی ہو گیا)

مسلم شریف میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیت تلاوت کی جس میں ابراہیم علیہ السلام کا قول مذکور ہے: ﴿فَمَنْ تَبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَافُورٌ رَّحِيمٌ﴾ پھر دوسری آیت تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ﴿إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ پھر آپ نے دعاء کے لئے دونوں ہاتھ اٹھا کر گریہ و زاری شروع کر دی۔ اور بار بار یہ فرمایا: ﴿اللَّهُمَّ أَتَيْتُ أُمَّتِي﴾ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو بھیجا کہ وہ آپ سے پوچھیں کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ (اور یہ بھی فرمایا اگرچہ ہم کو سب کچھ معلوم ہے) جبریل امین نے آکر رونے کا سبب دریافت کیا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی مغفرت چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو دوبارہ بھیجا اور فرمایا کہ جا کر یہ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم آپ کو امت کے بارے میں راضی کر دیں گے، رنجیدہ نہ کریں گے۔



حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے گروہ عراق! تم کہتے ہو کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید دلانے والی آیت: **يُغِيثُ الْحَيَاةَ الْمَيِّتَةَ وَيُغِيثُ الْحَيَاةَ الْمَيِّتَةَ وَيُغِيثُ الْحَيَاةَ الْمَيِّتَةَ** ہے۔ اور ہم اہل بیت کہتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ امید آفرین آیت **وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى** ہے۔

### انعاماتِ سابقہ:

**وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ** میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے دنیوی و اخروی انعامات دینے کا وعدہ کیا گیا ہے، کہ آپ خوش ہو جائیں۔ اس وعدہ کی تائید و تصدیق اور مزید اطمینان قلبی نیز استحقاق انعامات کی دلیل کے طور پر چند گزشتہ انعامات کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے، چونکہ پہلے سے عنایات ربانی کا مسلسل فیضان آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات عالی پر ہوتا رہا ہے تو آئندہ بھی اس رب کریم کی طرف سے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ گزشتہ انعامات میں سے صرف ان تین مخصوص نعمتوں کا آئندہ ذکر ہوا ہے۔ جن کا فیضان زندگی کے تین اہم ترین اور نازک ترین اوقات میں ہوا۔

پہلی نعمت..... **اَلَمْ يَجْعَلْكَ يَتِيْمًا فَآوَى** (اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم پایا تو ٹھکانا دیا) حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دنیا میں تشریف نہ لائے تھے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا سین جوانی میں انتقال ہو گیا۔ انہوں نے اپنی بیوہ اور ہونے والے فرزند کے لئے کوئی جائیداد چھوڑی نہ سرمایہ اور مال و متاع۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں تشریف لائے تو یتیمی و یکسی کے ساتھ۔ حق تعالیٰ نے مہربان ماں کی آغوش شفقت اور دادا عبدالمطلب کی ایسی مہر و عنایت کے سایہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش فرمائی کہ خوابہ عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی اولاد کو بھی بھلا دیا۔ چند سال کے بعد شفقت مادری کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، تو شفیق دادا نے اپنی تمام تر توجہات اپنے مہربان پوتے پر مرکوز کر دیں۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے سر سے مہربان دادا کا سایہ عاطفت بھی جاتا رہا ہے تو حق تعالیٰ نے آپ کے چچا کے قلب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی محبت ڈال دی کہ وہ اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ اور دل و جان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان و مہربان ہو گئے۔ یہ بہت بڑی نعمت حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو بچپن ہی میں یتیمی و یکسی کی حالت میں عطا فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین پرورش فرمائی۔

دوسری نعمت..... **وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى** (اور اللہ جل شانہ نے آپ کو ضال و گمراہ پایا تو رہنمائی فرمائی) دور یتیمی کے بعد شعور و شباب کا زمانہ آیا۔ شباب کے ولولوں اور جوانی کی امنگوں کا دور بھی بڑا عجیب دور ہوتا ہے، مگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مادرزاد نبی، معصوم اور بچپن ہی سے رئیس الموحدین تھے، خدا پرستی و مکارم اخلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت، اور نیکی و نیک خوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی، مگر بنو محبت و مراتب قرب کی سنگلاخ گھائیوں اور وحی و شریعت اسلام کی ان حقیقتوں سے واقف نہ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد میں عطا فرمائی گئی۔ **مَا كُنْتَ تَذَرِي مَا الْكَسْبُ وَلَا الْإِيمَانُ** آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کرتے تھے مگر تفصیلات سے بے خبر تھے، آتش عشق و محبت الہی قلب میں شعلہ زن تھی، مگر اس کی ترقی کے آداب و قوانین معلوم نہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم طالب و حیران تھے جو لفظ ضالاً سے تعبیر فرمایا گیا، تو حق تعالیٰ شانہ نے وحی کے ذریعہ آپ کی دیکھیری و رہنمائی فرمائی، جو لفظ ہدی سے بیان فرمایا گیا ہے۔

## آیت شریفہ کی دیگر تفاسیر:

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکپن میں بڑے بوڑھوں سے سنا تھا کہ ہمارا اصل دین دین ابراہیمی ہے، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفرو بت پرستی اور جاہلی رسوم سے نہایت بیزار و متنفر تھے ہی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کوشش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہو جائے کہ دین ابراہیمی کی تفصیلات کیا ہیں؟ تاکہ اس طریقہ پر میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں۔ لیکن دین ابراہیمی کو لوگ فراموش کر چکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ میں بہت بے قرار تھے کہ صحیح طریقہ حیات کا سراغ لگ جائے۔ آخر کار طہارت، غسل جنابت، مناسک حج، عبادت و تسبیح و تہلیل اور اع تکاف و خلوت گزینی وغیرہ جس قدر امور آپ کو معلوم ہو سکے ان پر عمل درآمد فرماتے رہے، یہاں تک کہ سلسلہ وحی شروع ہوا۔ اور دین اسلام کے اصول و فروع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرما دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیتیقراری کو ضلال اور آگاہی کو ہدایت سے تعبیر فرمایا گیا، یہ قول تفسیر اول کے قریب قریب ہے۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ ضلال سے راستہ بھولنا اور نااہری بھٹکانا مراد ہے، اور اس نوع کے کئی واقعات آپ کو لڑکپن میں پیش آئے ایک بار ملک شام کے سفر میں راستہ بھول گئے تھے، حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام میسرہ کے قافلہ میں ابوطالب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے، تاریک رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار جارہے تھے، کہ ابلیس نے اونٹنی کی مہار پکڑ کر راستہ سے رخ موڑ دیا۔ فوراً حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر ابلیس پر پھونک ماری تو وہ وحش میں جاگرا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا۔

ایک مرتبہ حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواجہ عبدالمطلب کے پاس پہنچانے آئیں تو مکہ معظمہ کے قریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گم ہو گئے، وہ بیتیقرار ہو کر مکہ کے بڑے بت ہبل کے سامنے رونے اور فریاد کرنے لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام اس کے سامنے لیا فوراً سارے بت منہ کے بل گر پڑے۔ اور ان میں سے آواز آئی کہ اے حلیمہ جن کا نام تم لے رہی ہو انھیں کے ہاتھوں ہم برباد ہوں گے۔ ادھر جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان کے پاس پہنچا دیا۔ بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مایوس ہو کر خواجہ عبدالمطلب کو اطلاع کرنے گئیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پاس تشریف فرما دیکھ کر مطمئن ہو گئیں۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے کسی پہاڑ میں گم ہو گئے۔ اتفاق سے ابو جہل اونٹنی پر سوار ادھر سے آ نکلا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوار کر کے آپ کے دادا کے پاس لے آیا، اور کہا کہ آپ کے اس بیٹے سے نہ معلوم ہم کو کیا کچھ پہنچے گا۔ عبدالمطلب نے پوچھا کیوں؟ ابو جہل نے کہا کہ یہ بچہ فلاں درے میں راستہ بھول گیا تھا میں نے اس کو اٹھا کر اپنے پیچھے بٹھالیا تو اونٹنی وہیں بیٹھ گئی، بہت کوشش کی نہیں چلی، پھر میں نے اس بچہ کو اپنے آگے بٹھالیا تو اونٹنی اٹھ کر چلنے لگی (گویا جس طرح فرعون سے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کرائی گئی اس طرح اس امت کے فرعون (ابو جہل) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے دادا تک پہنچانے کی خدمت لی گئی)۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ ضلال سے مراد ہجرت کا رخ معلوم نہ ہونا ہے اور ہدایت سے مراد اس کی تعیین

ہے۔ (۴) سمت قبلہ کے سلسلہ میں بے قراری مراد ہے۔ (۵) اول و بلہ میں جبرئیل امین علیہ السلام کو نہ پہچانا ضلال ہے،

پھر تعارف ہدایت ہے۔ (۶) دنیوی کاروبار سے ناواقفیت کو ضلال سے تعبیر فرمایا گیا۔ (۷) یا آسمانی راہوں سے ناواقفیت کو ضلال اور شب معراج میں ان کی رہنمائی کو ہدایت سے تعبیر فرمایا گیا۔ (۸) بعض کہتے ہیں کہ ضلال کے معنی ملنے کے آتے ہیں ضَلَّ الْمَاءُ فِي اللَّيْلِ دودھ میں پانی مل گیا، مطلب یہ ہوا کہ وحی سے قبل آپ ﷺ (باوجود موحّد و معصوم ہونے کے) اہل مکہ میں ملے جلے رہتے، لیکن نزول وحی نے فرق و امتیاز پیدا کر دیا۔ تو پہلی حالت کو ضلال اور دوسری حالت کو ہدایت فرمایا گیا۔ (۹) بعض نے کہا کہ کمال عشق و محبت کو بھی ضلال کہتے ہیں، چنانچہ اولاد یعقوب علیہ السلام نے کمال عشق یوسف کو ضلال سے تعبیر کیا۔ ﴿تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾۔ اور ﴿اِنَّ اَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾۔ خواتین مصر نے زلیخا کے بارے میں کہا تھا۔ ﴿اِنَّا لَنَرٰهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾۔ حاصل یہ ہے کہ عشق و محبت جب قلب پر مستولی ہو جاتے ہیں، اور جذب کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو اس کو ضلال سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اطلاق المسبب علی السبب کے قبیل سے ہے، جیسا کہ ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا﴾ میں رزق مسبب بول کر سبب یعنی (بارش) مراد لی گئی ہے، تو یہاں ضلال سے مراد پروردگار عالم کا کمال عشق ہے، اور ہدایت سے محبوب حقیقی کے وصل کی رہنمائی مراد ہے۔ حضرات مفسرین نے اس قسم کی بہت سی باتیں کہی ہیں، و الاول اصح و اظهر۔ واللہ اعلم۔

**فائدہ**..... جمہور اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ابتداء ہی سے کفر و شرک و کبار اور ہر قسم کی ظاہری و باطنی گندگیوں اور تمام عیوب سے مبرا اور پاک ہوتے ہیں، ان میں کوئی بات قابل نفرت نہیں ہوتی۔ ان کو اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ خاندان، اعلیٰ صورت و سیرت پر پیدا کیا جاتا ہے، اور قبل النبوت و بعد النبوت ان کی حفاظت کی جاتی ہے، کیونکہ ان کو مخلوق کا ہادی و رہبر بننا ہوتا ہے، اس لئے ان میں کوئی چیز قابل نفرت ہونا عقل و مقصود خداوندی کے خلاف ہے، لہذا جن لوگوں نے لفظ ضلال سے استدلال کرتے ہوئے، (نعوذ باللہ) گمراہ کہنے کی جرأت کی ہے، اگر نادانستہ طور پر ان سے یہ حرکت ہوئی ہو تو وہ جانیں، لیکن اگر متعصب عیسائیوں، معاند ہندوؤں اور بدخواہ دشمنوں کی طرح آفتاب پر غبار ڈالنا مقصود ہے تو انتہائی کمینہ پن اور دارین کی رو سیاہی ہے، وَمَنْ اِهَانَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ۔

**تیسری نعمت**..... وَوَجَدَكَ عَانِلًا قَاغْنِي (اور اللہ نے آپ کو تنگ دست و عیا لدار پایا تو غنی کر دیا) تیسری حالت عمر شریف کا وہ حصہ ہے، جس میں آپ عیا لدار تھے، اور ظاہری اسباب میں آپ کے پاس زراعت، تجارت اور صنعت وغیرہ کوئی چیز نہ تھی، مگر حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو غنی کر دیا، غناء قلبی آپ کو اس درجہ عطاء ہوا کہ آپ سید الانبیاء ہیں، انما الغنی غنی النفس۔ اور غنائ ظاہری اس طرح عطاء فرمایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ شانہ نے بیوی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عطاء فرمائیں جو مکہ کی رئیسہ تھیں، اور سرداران قریش ان سے نکاح کرنا چاہتے تھے، مگر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو پسند کیا، اور دل و جان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر اپنا سارا مال نثار کر دیا، ان سے پہلے خواجہ عبدالمطلب و خواجہ ابوطالب (آپ کے دادا چچا) کا مال آپ کی پرورش پر خرچ ہوتا رہا، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے چالیس ہزار درہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیئے، اور انصار و مہاجرین نے اپنا اپنا سرمایہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا، و خوشنودی پر صرف کیا۔ پھر فتوحات سے غنائم کے دروازے کھلے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوروں کو بیشمار اموال تقسیم فرمائے۔

## چند نکات:

اہل حکمت نے اس مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ تینوں احوال سے بہت سے نکات اخذ کئے ہیں۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) حق تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم کیوں کیا؟ (الف) تاکہ آپ ﷺ اپنی یتیمی کو یاد رکھتے ہوئے یتیموں کی قدر اور ان پر رحم کریں۔ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی بھی آپ کی پیروی میں یتیموں پر رحم کریں۔ (ب) آپ کی امت اپنے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یتیمی کو یاد کر کے یتیموں کی خدمت کرے۔ ان کو ذلیل و حقیر نہ جانے۔ آپ ﷺ تمام جن وانس کی طرف مبعوث ہوئے ہیں، آپ کے ماننے والے ساری دنیا میں قیامت تک یتیموں اور بیسکوں کی خدمت کرنا باعث فخر خیال کریں۔ (ج) آپ کو متوکلین کا امام بنانا تھا، شروع ہی سے اسباب تو ذکر آپ ﷺ کو توکل کا اعلیٰ ترین مرتبہ عطاء کیا گیا۔ اس طرح شروع ہی سے آپ کا اعتماد اور بھروسہ مسبب الاسباب کی ذات عالی پر پختہ ہو گیا تھا۔ (د) آپ کے بلند اخلاق کسی کی تربیت کے مرہون منت نہ رہے، بلکہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اخلاق و عادات اور آداب خود ہی سنوارے تھے۔ اَذْبَنِي رَبِّي فَأُحْسِنَ تَأْدِيبِي (ه) آپ کے اخلاق معلیٰ اور آداب مجلیٰ بھی ایک زبردست معجزہ اور دلیل نبوت قرار پائے۔ کیونکہ عموماً یتیم بچے مربی کے نہ ہونے کے سبب بے ادب و بداخلاق ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ ﷺ یتیم ہونے کے باوجود ابتداءً عمر ہی سے بلند اخلاق تھے۔ آپ دنیا میں تشریف لائے تو ناواقف و بے خبر تھے، پروان چڑھے اور اپنے محبوب حقیقی کی طلب میں سرگرداں رہے، حق تعالیٰ نے آپ کو ایسا باخبر فرمایا کہ اُوْتِيتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ کا مقام یعنی سب سے زائد علم عطا فرما کر امام الاولین والآخرین، ہادی اعظم اور اپنا محبوب بنا لیا، حق تعالیٰ شانہ کی یہ وہ نعمت ہے جو اپنے حبیب کے سوا اس نے کسی کو عطاء نہیں فرمائی۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناداری اور فقر و مسکینی میں دادا، چچا، اہلیہ محترمہ، یار غار اور انصار جاں نثار کے اموال سے مستغنی کیا گیا۔ اور خود آپ کو مالدار نہیں بنایا گیا، وجہ یہ ہے کہ (۱) مالداروں میں عموماً غرور و خود بینی اور خود پسندی پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ نشست و برخاست بھی غرباء و مساکین کے ساتھ پسند نہیں کرتے، اور یہ باتیں شان نبوت و مقصد رسالت کے خلاف تھیں، اس لئے ظاہری مالداری سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی گئی (۲) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ظاہری دولت و ثروت ہوتی تو لوگ غریب اہل ایمان پر بدگمانی کرتے۔ اور یہ تہمت لگاتے کہ مال کے لالچ میں یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہو گئے ہیں، لیکن جب مومنین خود اپنے جان و مال کو آپ پر نثار کرتے تھے تو یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکینی کی زندگی محبوب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مُسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مُسْكِيْنًا وَاَحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ۔ کیونکہ اس میں شان عہدیت، تواضع کی رفعت، توکل کی خلعت، مناجات کی لذت اور تمام بکھیروں سے فرصت ہے، صرف محبوب حقیقی کے لئے فراغت ہو جاتی ہے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

(۴) امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ دین کی محنت و دعوت اور اشاعت ظاہری اسباب دولت و ثروت اور شوکت

و سطوت کی محتاج نہیں (۵) ہر انسان خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، تنگدست و جہیدست پیدا ہوتا ہے، پھر یا تو وہ تحصیل مال میں سرگرداں

پھرتا ہے، تو دوسروں کی نگاہوں میں اس کی وقعت و عزت نہیں ہوتی۔ یا وہ کمال اخلاق و عقلمندی و دانائی سے دوسروں کو اپنا گرویدہ و تابعدار بنا کر ان کے مال سے فائدہ اٹھاتا ہے، تو یہ باعث عزت و شوکت ہوتا ہے، چنانچہ بادشاہ رعیت کے مال سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور صاحب عزت و شوکت ہوتا ہے، اور فقیر مال جمع کرتا ہے اور لوگوں کو سخر کئے بغیر مال طلب کرتا ہے، تو وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مال کا ہونا عزت کا سبب ہو اور نہ ہونا ذلت کا سبب ہو، یہ ضروری نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جو مال طمع و لالچ سے آتا ہے ذلت و خواری لاتا ہے، اور جو غنائے قلب و قناعت کے ساتھ آتا ہے وہ عزت و شوکت لاتا ہے، فافہم۔

فائدہ..... آیت میں اصل فَاغْنِیْ سے غنائے نفس و دولت قناعت مراد ہے، مقاتل و فراء رحمۃ اللہ علیہما نے اسی کو پسند کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کامیاب ہو گیا وہ شخص جس کو دولت اسلام مل گئی۔ اور بقدر ضرورت رزق نصیب ہوا۔ اور دولت قناعت میسر آ گئی۔ (مسلم) آگے اخیر سورت تک تین آیات میں مذکورہ تین انعامات کا شکریہ ادا کرنے کے سلسلہ میں تین احکام دئے گئے ہیں۔

پہلا حکم..... پہلا حکم یتیموں پر رحم و کرم اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا ہے، چنانچہ ارشاد ہے فَاَمَّا الْيَتِيمَ (پھر آپ یتیم کو نہ دبا یئے) زمانہ جاہلیت میں عرب میں بھی سنگدلی و بدکاری اور ظلم و ستم کی کوئی حد نہ تھی۔ یتیموں، ضعیفوں، بیواؤں، کمزوروں اور بے کسوں پر زیادتیاں کرنا اپنے تھوڑے سے نفع کی خاطر دوسروں کا نقصان کر دینا کوئی بات ہی نہ تھی، اس لئے یہاں خطاب تو بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، مگر مقصود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہدایت کرنا ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیم و کریم اور معصوم ذات گرامی سے تو اندیشہ بھی ممکن نہیں کہ آپ کسی پر زیادتی کریں گے۔ لَا تَفْهَرْ کا لفظ بہت عام ہے، اس میں ہر قسم کی بدسلوکی و زیادتی سے منع کیا گیا ہے۔

نکتہ..... یہاں یہ فرمایا، قبر نہ کرنا، یہ نہیں فرمایا کہ ”رحم کرنا“ کیونکہ اس میں دفع مضرت ہے جو جلب منفعت سے مقدم ہے، اور جب قبر نہیں تو رحم ہی رحم ہوگا۔ علاوہ ازیں یتیم پر رحم و حسن سلوک کا حکم دوسری بے شمار نصوص میں بھی وارد ہے، اس لئے یہاں قبر سے ممانعت ہے جس کا اس وقت رواج تھا، اور دوسری نصوص میں رحم و کرم کی ترغیب ہے۔

یتیم کے ساتھ اچھا سلوک:

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تو رحمۃ للعالمین ہے، آپ تو سارے عالم کے لئے سراپا رحمت و شفقت ہیں ہی، خصوصاً بیسوس، ضعیفوں، کمزوروں، اور بے سہارا یتیموں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہارا اور مربی و والی بنے، اور دوسروں کو بھی ان کے ساتھ حسن سلوک و رعایت کی بار بار تاکید فرمائی، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (۱) ہر مؤمن کیساتھ مجھ کو اس کی جان سے بھی زیادہ تعلق ہے، اس لئے جو شخص قرض یا عیال چھوڑے وہ ہمارے ذمہ ہیں۔ اور جو مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا ہے، میں اس کا مولیٰ ہوں جس کا کوئی مولیٰ نہیں۔ (۲) مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو، اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو، اور مسلمانوں کا بدترین مکان وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔ (۳) جو کسی یتیم کے سر پر (شفقت سے) ہاتھ پھیر دے۔ اس کا ہاتھ جتنے بالوں پر گزرے گا اتنی ہی نیکیاں اس کے لئے لکھ دی جائیں گی، اور جو کسی ایسی یتیم لڑکی یا لڑکے کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا جس کی وہ پرورش کرتا

ہے تو میں اور وہ جنت میں ان دونوں انگلیوں کی طرح (قریب قریب) ہوں گے۔ اور آپ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر اشارہ فرمایا۔ (۴) جو شخص کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شامل کر لے تو حق تعالیٰ اس کے لئے یقیناً جنت واجب فرمادیتے ہیں، بشرطیکہ وہ کوئی ایسا گناہ نہ کرے جو معاف نہ ہو سکے، یعنی کفر و شرک نہ کرے۔ (۵) ایک شخص نے دل کی سختی کی شکایت کی، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر دے۔ یا کسی مسکین کو کھانا کھلا دے۔ سلف صالحین میں سے کسی بزرگ کا قول ہے کہ یتیم روتا ہے تو عرش الہی ہلنے لگتا ہے، پھر جو اس کو بہلا کر خاموش کر دیتا ہے، تو گویا عرش الہی کو وہ ہلنے سے روک دیتا ہے۔

دوسرا حکم..... وَأَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَرْ (اور آپ سائل کو نہ جھڑکئے) اس میں وہ سائل بھی داخل ہے جو روپیہ، پیسہ، روٹی، کپڑا کسی دنیوی حاجت کا سوال کرتا ہے، اور وہ بھی جو کسی مسئلہ اور علمی تحقیق کا سوال کرتا ہے، دونوں کو جھڑکنے اور ڈانٹنے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے منع فرمایا گیا، اور اس سے امت کو ہدایت دینی مقصود ہے، کیونکہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے مستعبد تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سائل کو جھڑک دیں، لہذا بہتر یہ ہے کہ سائل کو کچھ دیکر رخصت کیا جائے، اور نہیں دے سکتا ہو تو عذر کر کے نرمی سے اس کو واپس کر دیا جائے، اسی طرح کسی مسئلہ کا سوال کرنے والے کے جواب میں بھی سختی و بد خوئی ممنوع ہے، نرمی، شفقت اور خوش اخلاقی سے جواب دینا چاہئے، اگر مطلوب مسئلہ کی تحقیق نہ ہو تو سائل سے نرمی کے ساتھ عذر کر دیا جائے۔ مفتیان عظام و اساتذہ کرام کو اس بات کا خصوصیت سے دھیان رکھنا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عالم سے کوئی علم کی بات پوچھی جائے (اور سائل کو اس کی احتیاج بھی ہے) اور عالم اس کو چھپالے (نہ بتائے) تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم) ہاں اگر سائل بلا ضرورت سوال کرتا ہے، کسی عذر و معذرت اور نرمی سے نہیں مانتا تو زبردستی جائز ہے۔

جو دو کرم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سید الاحیاء، اجود بنی آدم تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہنا جانتے ہی نہ تھے، جو میر آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطاء فرمادیا، نہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا، بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی سائل نے جو کچھ بھی سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کے جواب میں لائیں فرمایا۔ فرزدق شاعر نے اسی مضمون کو نظم میں اس طرح کہا ہے

مَا قَالَ لَا قَطُّ إِلَّا فِي تَشْهَدِهِ لَوْلَا التَّشَهُّدُ كُنَّا لَآؤُهُ نَعَمْ

ترجمہ:..... نہ فرمایا کبھی لا آپ نے لیکن تشہد میں نہ ہوتا اگر تشہد تو وہ لا ان کا نعم ہوتا

ایک مرتبہ بحرین سے نوے ہزار درہم آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ہی تقسیم فرمادیئے، اتفاق سے ایک ضرورت مند سائل آ نکلا آپ نے فرمایا جو کچھ میرے پاس تھا وہ سب تقسیم ہو چکا، اب تم بازار جا کر اپنی ضرورت کی چیزیں خرید کر میرے ذمہ لکھوادو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: حضور حق تعالیٰ نے وسعت سے زائد کا مکلف نہیں بنایا، پھر آپ قرض کا بارگراں کیوں اپنے سر لیتے ہیں۔ اس سے آپ کے رخ انور پر ناگواری ظاہر ہوئی، تو ایک

انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اَنْفَقْ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلًا لَا (یا رسول اللہ خرچ کیجئے اور مالک عرش سے کمی کا اندیشہ نہ فرمائیے) اس سے آپ سرور ہوئے، علاوہ ازیں آپ کے جود و کرم کے ہزار ہا واقعات حدیث و سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

تنبیہ:..... آیت میں سائل سے مراد وہی محتاج سائل ہے جس کے لئے شرعاً سوال جائز ہو، پیش ور گداگری کر نیوالے اس سے مراد نہیں، گداگری کو پیشہ بنالینا شرعاً حرام ہے، اور ان کو بھیک دینا حرام کام پر ان کی اعانت ہے، شرعاً حرام کام پر اعانت بھی حرام ہے، وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

تیسرا حکم..... وَأَمَّا بِسَعْمَةٍ رَبِّكَ فَحَذِّثْ (اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے) مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا کریں، یہ بھی شکر گزاری کا ایک طریقہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والا صبر کرنے والے روزہ دار کے مثل ہے، اگر کوئی آدمی کسی پر احسان کرے تو اس کا بھی شکریہ ادا کرنا حکم ہے، حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ شکر گزار وہ ہے جو لوگوں کا بہت شکر ادا کر نیوالا ہو، ایک روایت میں ہے کہ جس نے انسانوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا، احسان کا بدلہ دینا بھی شکر کا ایک طریقہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، تو اس کو اس احسان کا بدلہ دو، اگر بدلہ دینے کی استطاعت نہیں تو کم از کم لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو، کیونکہ جس نے (اپنے محسن کی) لوگوں کے سامنے تعریف کر دی اس نے احسان کا شکر ادا کر دیا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر ارشاد فرما رہے تھے جس نے تھوڑے کا شکریہ ادا نہیں کیا، اس نے زیادہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا، اور جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔ اللہ کی نعمت کو یاد کرنا بھی شکر ہے اور نہ یاد کرنا ناشکری ہے، جماعت اللہ کی رحمت ہے، اور تفرقہ اللہ کا عذاب ہے، ان احادیث کا تقاضا ہے کہ مشائخ اور ساتذہ کا بھی شکر ادا کیا جائے، ان کے احسانات کی تعریف اور ان کا بھلائی سے ذکر کیا جائے۔

نعمت سے کیا مراد ہے؟

نعمت کا لفظ عام ہے کوئی بھی نعمت ہو دنیوی ہو یا دینی، ظاہری ہو یا باطنی، مقاتلؒ نے کہا کہ تحدیث نعمت سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جو آپ کو ٹھکانا دیا، ہدایت دی اور غناء سے نوازا، ان سب کا شکر ادا کیجئے، مجاہدؒ و زجاج رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے کہ نعمت سے مراد نبوت ہے، اور تحدیث سے مراد تبلیغ و پیغام رسانی ہے، لیث و کلبی کا قول اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہم کی ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مقدس ہے، اور تحدیث کا مطلب قرآن کی تلاوت و تبلیغ ہے، لیکن نعمت کو عام رکھنا یا مقاتلؒ کے قول کے مطابق مذکورہ بالا تینوں نعمتوں کو مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر ۱..... ہر نعمت کا شکر واجب ہے، اور شکر نعمت کا مطلب یہ ہے کہ اس نعمت کو منعم کے منشا کے مطابق صرف کیا جائے، لہذا نعمت مالیہ کا شکر اخلاص کے ساتھ شریعت کے مطابق راہ خدا میں خرچ کرنا ہوگا۔ اور نعمت بدنہ کا شکر بدن کو عبادات و اوامر میں استعمال کرنا اور منہیات و معاصی سے اس کو بچانا ہوگا، اور علم و عرفان کی نعمت کا شکر دوسروں کو سکھانا اور خلق خدا کو ان سے سیراب و فیضیاب کرنا ہوگا۔

مسئلہ نمبر ۲..... چونکہ نعمت کا ذکر کرنا بھی اس کا شکر ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّا سَيِّدُ

وَلَدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ وغیرہ امتی بھی حق تعالیٰ کے انعامات کو بیان کر سکتا ہے، بشرطیکہ تعالیٰ و استکبار اور ریا کاری نہ ہو، بلکہ دوسروں کو حق تعالیٰ کی عطاء وجود کی طرف رغبت دلانا مقصود ہو، یا شکر کو رواج دینا مقصود ہو، یا اس لئے ذکر کرنا ہو کہ لوگ میری اس نیکی میں پیروی کریں گے وغیرہ، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی شب بیداری و عبادت کا حال لوگوں کے سامنے بیان کر دیتے تھے، بعض بیوقوفوں نے ان پر اعتراض کیا کہ اس میں ریا کا شائبہ ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ پڑھی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سب سے بڑی نعمت، توفیق عبادت عطاء فرمائی ہے، میں اس کا اظہار کیوں نہ کروں، اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری سے کیوں محروم رہوں، بہت سے اہل اللہ سے بھی اس قسم کی باتیں منقول ہیں، کہ وہ اپنے کمالات یا عبادات کا اظہار کر دیا کرتے تھے، مثلاً شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں۔

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهُ قَدَمٌ وَاِنِّي عَلَى قَدَمِ النَّبِيِّ بَذَرُ الْكَمَالِ

ترجمہ..... ہر ولی کا ایک قدم ہے (جس پر وہ چلتا ہے) اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر چلتا ہوں، جو بدر کمال تھے، یعنی مجھ کو مکمل اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل ہے۔

اہل اللہ کے یہ تذکرے بطور تحدیثِ نعمت ہوتے ہیں، اگر کوئی اس قسم کے اقوال کو خلاف شرع قرار دیتا ہے تو وہ اس آیت کریمہ کا منکر ہے، ہاں اس طرح سے تحدیثِ نعمت کے لئے شرط یہ ہی ہے کہ آلائش نفس پاک ہو چکا ہو، ورنہ ایسی جرأت جائز نہیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ بلیس کی طرح اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ کہہ کر تباہ نہ ہو جائے۔ (العیاذ باللہ۔ مظہری)

مسئلہ نمبر ۳..... سورہ الضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے، اور اس تکبیر کے الفاظ شیخ صالح مصری رحمۃ اللہ علیہ نے لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ بتلائے ہیں۔ (مظہری) لیکن اگر صرف اللہ اکبر کہہ لے تب بھی سنت ادا ہو جائیگی، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ہر سورت کے ختم پر اور بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر سورت کے شروع میں ایک مرتبہ تکبیر کہنے کو سنت کہا ہے۔ دونوں میں سے جس کو بھی اختیار کر لیا جائے، بہر دو صورت سنت ادا ہو جائیگی۔

### خاصیت:

اس سورت کی مجرب خاصیت یہ ہے کہ گمشدہ چیز کے لئے سات بار اس کی تلاوت کرے اور شہادت کی انگلی اپنے سر کے چاروں طرف گھماتا رہے، پھر اصباحُ فی امان اللہ وَاَمْسِیْثُ فی جِوَارِ اللّٰهِ، اَمْسِیْثُ فی امانِ اللّٰهِ وَاَصْبَحُثُ فی جِوَارِ اللّٰهِ سات مرتبہ پڑھ کر دستک دے تو گمشدہ چیز انشاء اللہ مل جائیگی۔

فائدہ..... سورہ ضحیٰ سے اخیر قرآن کریم تک اکثر سورتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کے انعامات اور آپ کے خصوصی فضائل کا ذکر ہے، اور چند سورتوں میں احوالِ قیامت بیان ہوئے ہیں، قرآن حکیم کا شروع خود قرآن کی عظمت اور ناقابلِ شبہ و شک ہونے سے کیا گیا، اور ختم قرآن اس ذات کی عظمت پر کیا گیا ہے جس پر قرآن پاک نازل ہوا۔

تَمَّ سُوْرَةُ الضُّحٰی فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْوَرٰی مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی وَآلِهِ الْمُجْتَبٰی وَصَحْبِهِ نَجْوٰمِ الْهُدٰی وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنْ اَهْلِ التَّقٰی



## سُورَةُ الْإِنْشِرَاحِ

## سُورَةُ الْإِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانُ آيَاتٍ

(رکوع: ۱، آیات: ۸) سورۃ انشراح مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں آٹھ آیات ہیں۔ (کلمات: ۲۷، حروف: ۱۰۳)

## رابط و مناسبت

یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی، سورہ سابقہ سے اسکی مناسبت بہت واضح ہے، پہلی سورت میں ان انعامات کو بیان فرمایا گیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے، اس سورت میں بھی ان افضال کا ذکر ہے، جو آپ کی ذات گرامی پر فائز ہوئے، گویا اس سورت کے مضامین سورہ سابقہ کا بقیہ ہیں، پھر دونوں سورتوں کی عبارت کا طرز بھی ملتا جلتا ہے، اسی شدت ربط و مناسبت کاملہ کی وجہ سے فرقہٴ روانض نے دونوں سورتوں کو ایک ہی سورت قرار دیا ہے، اور وہ دونوں سورتوں کو ایک رکعت میں اس طرح پڑھتے ہیں کہ درمیان سے بسم اللہ شریف کو بھی حذف کر دیتے ہیں، لیکن اگر غور کیا جائے تو دونوں سورتوں میں لفظاً اور معنی دونوں طرح سے فرق و امتیاز ہے جس کی بنا پر دونوں کو ایک سورت قرار دینا غلط ہے، لفظی فرق تو یہ ہے کہ سورہٴ ضحیٰ میں استفہام غائب کے صیغوں کے ساتھ ہے۔ الْمَ يَجِدْكَ اور اس سورت میں متکلم کے صیغوں کے ساتھ الْمَ نَشْرَحْ اور معنوی فرق یہ ہے کہ (۱) حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں دو قسم کے کمالات ودیعت رکھے ہیں، ایک تو وہ جن کا تعلق مخلوق سے ہے، دوسرے وہ کمالات جن کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خاص سے ہے، اول قسم کے کمالات کو سورہٴ ضحیٰ میں الْمَ يَجِدْكَ سے فاعل غنی تک بیان فرمایا، اور دوسری قسم کے کمالات کو اس سورت میں بیان کیا گیا (اور وہ ہیں شرح صدر و وضع وزر اور رفع ذکر) یا یہ کہئے کہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جن ظاہری کمالات و انعامات سے نوازا تھا ان کا ذکر سورہٴ سابقہ میں ہے، اور جو باطنی کمالات و انعامات عطاء کئے گئے تھے ان کا بیان اس سورت میں ہے، اب رہی یہ بات کہ دونوں سورتوں میں جب انعامات کا ذکر ہے تو شدت اتصال اور کمال مناسبت کی وجہ سے دونوں کو ایک قرار دیا جائے اور بسم اللہ کو درمیان سے حذف کر دیا جائے، تو اولاً اس میں اجتہاد و قیاس کو دخل نہیں، تمام سورتیں توقیفی ہیں، دوسرے پورے قرآن کی تمام سورتوں میں نہایت ربط ہے، اور اکثر سورتوں میں اسی قسم کی شدید مناسبت موجود ہے، تو سارے قرآن کی سب سورتوں کو ایک کر دیا جائے اور بسم اللہ کو ہر جگہ سے حذف کر دیا جائے۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں مثلاً کار پطلاں تمام خواہد شد

## شان نزول:

مفسرین نے اس سورت کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الہی میں عرض کیا، بار الہی! آپ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلعتِ خلعت عنایت فرمائی، موسیٰ علیہ السلام کو ربیہٴ کلیمی بخشا، داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے اور پہاڑوں کو مسخر فرمایا، اور سلیمان علیہ السلام کو جن و انس اور ہوا پر سلطنت عطا کی، مجھ کو آپ ﷺ نے خصوصی امتیاز کیا عنایت فرمایا، اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی، جس میں ان مخصوص انعامات (شرح صدر و وضع وزر اور رفع ذکر) کا بیان فرمایا گیا جو آپ کے سوا کسی کو میسر نہیں آئے، بظاہر یہ سوال معراج سے پہلے کا ہو سکتا ہے، کیونکہ معراج

میں اور اس کے بعد حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مخصوص و عظیم نعمتیں مرحمت فرمائیں کہ انبیاء سابقین میں سے کسی کو ان کا عشر عشر بھی حاصل نہ ہو سکا۔

وجہ تسمیہ:

لفظی اعتبار سے ظاہر ہے کہ اس کے شروع میں اَلَمْ نَشْرَحْ موجود ہے، اور معنوی اعتبار سے اس سورت کا مضمون کمالات محمدیہ (علیہ التسلیم والتحیة) کھولتا ہے، اس میں شرح صدر کا ذکر ہے، کہ آپ کے صدر معنوی کو وسعت و کشادگی عطا کی گئی، اور اس کو انوار الہی و تجلیات لامتناہی سے پر کر دیا گیا۔ اور کمالات محمدیہ کی اصل حقیقت یہی ہے

لَقَدْ اَعْطِیْتَ مَا لَمْ یُعْطَ خَلْقٌ عَلَیْكَ صَلَوةُ رَبِّكَ بِالْسَّلَامِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۱) وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ (۲) الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (۳) وَرَفَعْنَا لَكَ

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ نہیں کھول دیا، اور کیا ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ نہیں اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی،

اَلَمْ	نَشْرَحْ	لَكَ	صَدْرَكَ	و	وَضَعْنَا	عَنكَ	وِزْرَكَ	الَّذِیْ	اَنْقَضَ	ظَهْرَكَ	و	رَفَعْنَا	لَكَ
کیا نہ	کھول دیا ہم نے	تیرا	سینہ تیرا	اور	اتار رکھا ہم	سے تجھ	بوجھ تیرا	جس	توڑی تھی	پٹھہ تیری	اور	بلند کیا ہم	تیرے واسطے

ذِكْرَكَ (۴) فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۵) إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۶) فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ (۷)

اور کیا ہم نے آپ کیلئے آگاہ کر بلند نہیں کر دیا، پھر یقیناً ہر مشکل کیساتھ آسانی ہے، چھک ہر مشکل کیساتھ آسانی ہے۔ پھر جب آپ فارغ ہو جایا کریں تو محنت کیا کیجئے۔

ذِكْرَكَ	فَإِنَّ	مَعَ	الْعُسْرِ	يُسْرًا	إِنَّ	مَعَ	الْعُسْرِ	يُسْرًا	فَإِذَا	فَرَغْتَ	فَانصَبْ
ذکر تیرا	پس تحقیق	ساتھ	الغسر	یُسْرًا	اِنَّ	مَعَ	الغسر	یُسْرًا	فَإِذَا	فارغ ہو تو	پس محنت کر

وَالِی رَبِّكَ فَارْغَبْ (۸)

اور اپنے رب ہی سے لو لگا کیے۔

وَالِی	رَبِّكَ	فَارْغَبْ
اور طرف	اپنا رب	رغبت کریں

لغات:

اَلَمْ نَشْرَحْ جمع متکلم مضارع منفی بلم شَرَحْ مصدر (ف) کھولنا، پھیلانا، معانی کا اظہار، مبہم کی توضیح اور مجمل کی تفصیل کرنا، وَوَضَعْنَا عَنكَ جمع متکلم وَضَعًا وَمَوْضِعًا وَمَوْضُوعًا (ف) رکھنا، جتنا، ذلیل کرنا، بصلہ من گرانہ، گھٹانا، بصلہ عن چھوڑ دینا، ہٹانا،۔ (س) نقصان اٹھانا، (ک) لئیم ہونا، دنی و خیس ہونا، وَزَرَ گناہ، گرانی، بھاری بوجھ، پہاڑ۔ جمع اوزار۔ اَنْقَضَ صیغہ واحد مذکر غائب افعال سے توڑنا، نقص نقصان (ن) توڑنا، ڈھانا، کھولنا، خراب کرنا، رَفَعْنَا لَكَ (ف) اٹھانا، بلند کرنا، فَرَغْتَ صیغہ ماضی (ف ن س) فارغ ہونا، خالی ہونا، پورا کرنا، تمام کرنا۔ اِلَیْہ قصد کرنا۔

(ک) رنجیدہ ہونا، گھبرانا۔ فَانْصَبْ صیغہ امر حاضر (س) تھکنا، فَارْغَبْ ایضا (س) بصلہ فی خواہش کرنا، بصلہ عَنْ اعراض کرنا بصلہ الی خواری و عاجزی ظاہر کرنا، (ک) فراخ و کشادہ ہونا، بہت کھاؤ ہونا۔  
ترکیب:

اَلَمْ نَشْرَحْ فَعْلَ بِاِفَاعِلْ لَكَ متعلق صَدْرَكَ مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ و عاطفہ وَضَعْنَا فَعْلَ بِا فاعل عَنْكَ متعلق وَزَرَكَ مفعول بہ اور الَّذِی اسم موصول اپنے صلہ انْقَضَ ظَهَرَكَ (فعل ضمیر فاعل و مفعول بہ) جملہ فعلیہ سے مل کر صفت ہے مفعول بہ وَزَرَكَ کی۔ جملہ فعلیہ معطوف اول و عاطفہ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ جملہ فعلیہ مثل سابق معطوف ثانی ف تعلیلیہ اِنَّ اپنی خبر مقدم مَعَ الْعُسْرِ اور اسم مؤخر یُسْرًا سے مل کر جملہ اسمیہ مؤکد اور جملہ ثانیہ تاکید۔ ف تفریعیہ اِذَا ظرفیہ برائے شرط فَرَّغْتَ (فعل با فاعل) جملہ فعلیہ شرط ف جزائیہ اَنْصَبْ فعل فاعل جملہ انشائیہ معطوف علیہ اِلَى رَبِّكَ فعل اِرْغَبْ کے متعلق، جملہ انشائیہ معطوف، معطوفین مل کر جزاء، یا یہ فَارْغَبْ اِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ تھا یعنی مَا اَضْمَرَ عَامِلُهُ کے قبیل سے ہے، فاء عاطفہ ہے، اور یہ عطف تفسیری ہے۔  
تفسیر:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا) سینہ کو کھول دینا اس کو علوم و معارف اور اخلاق حسنہ کے لئے وسیع کر دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ایک دوسری آیت میں ہے فَمَنْ يُّرِدِ اللَّهُ اَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ (جس کو حق تعالیٰ ہدایت دینا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو باطنی کمالات اور روحانی انعامات عطاء فرمائے ہیں اس سورت میں ان میں سے تین عظیم الشان کمالات کا ذکر ہے، ان میں سے پہلا کمال شرح صدر ہے جس کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا۔  
پہلا کمال شرح صدر اور اس کی تشریح:

شرح صدر ہدایت کا آخری مرتبہ ہے، اس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں، یہ مرتبہ اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے شایان شان ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مرتبہ کی درخواست کی تھی ﴿رَبِّ اشرحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾ لیکن شرح صدر کا درجہ کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا طلب ملا۔  
بن مانگے موتی ملے مانگے ملے نہ بھیک

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کبریٰ کے لئے یہ مرتبہ کمال ضروری بھی تھا، اس شرح صدر کا مفہوم بڑا وسیع ہے جس میں تمام رذائل و معائب سے پاکیزگی کے بعد جملہ خصائل حمیدہ سے قلب کا مزین ہونا، اعلیٰ درجہ کے تحمل و بردباری ایمان و حکمت اور علم سے دل کا پُر ہو جانا بھی داخل ہے، اس مرتبہ میں ملک و ملکوت اور لاہوت و جبروت کے حقائق مشکشف ہو جاتے ہیں، قلب، علم و عرفان، اسرار و حکم کا خزانہ اور زبان اسرار غیبیہ کی ترجمان بن جاتی ہے، عالم غیب کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے، پھر خلق کی طرف توجہ خالق کی طرف توجہ میں نخل نہیں ہوتی۔ اصطلاح صوفیہ میں کمال عروج و کمال نزول کا آخری مرتبہ بھی یہی ہے، بعض حضرات نے شرح صدر کو حوصلہ کی فراخی سے تعبیر کیا ہے، اور حوصلہ کی فراخی ہر شخص کی استعداد اور کمال

و مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے۔ اور کمال حوصلہ کو اہل کمال ہی پہچان سکتے ہیں، چنانچہ بادشاہوں کے حوصلے تک عوام الناس کی رسائی نہیں ہو سکتی، اور نہ وہ ان کے کمال حوصلہ کو پہچان سکتے ہیں، اسی لئے مشہور ہے، ولی را ولی می شناسد، اور شرح صدر محمدیؐ و حوصلہ مصطفویؐ بھی ان کے کمال مرتبہ کے مطابق ہے، کسی اور کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں، کیونکہ آپ کا کمال مرتبہ ختم نبوت ہے، جو کسی اور کو حاصل نہیں، اور نہ کما حقہ کوئی آپ کے کمال مرتبہ کو دریافت کر سکتا ہے۔

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرِ      بِوَجْهِكَ الْمُنِيرِ لَقَدْ نُورَ الْقَمَرُ  
لَا يُمَكِّنُ الْفَنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهُ      بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اسی شرح صدر، کمال حوصلہ اور مرتبہ ختم نبوت کی وجہ سے آپ مرجع خلائق، امام الاولین والآخرین، سید البشر اور حبیب اکبر ہیں، شاہ و گدا، اہل سیاست و حکومت، ارباب عدالت و عبادت، اصحاب علم و معرفت سب ہی آپ ﷺ کے محتاج ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے رہبر اعظم و ہادی عالم ہیں:-

صَلَاةُ اللَّهِ مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ عَلَيْهِ لَا تَحُولُ وَلَا تَزُولُ

شرح صدر ظاہری اور اس کی شرح:

شرح صدر کا جو پہلو بیان ہوا وہ باطنی شرح صدر کہلاتا ہے جس کا اصل تحقق عالم غیب میں ہے، اور اصل وہی ہے، عالم ظاہر یا عالم محسوس اس کے مقابلہ میں فرع اور عکس ہے، اسی لئے مشہور ہے کہ جو کچھ عالم ارواح و عالم غیب میں ہے وہ اصل اور مصدر ہے، اور جو کچھ عالم اجسام و عالم ظاہر میں ہے، وہ اس کا مظہر و فرع ہے، لہذا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر باطنی و غیبی حاصل ہوا جو عبارت ہے اس کمال ختم نبوت سے جس تک کسی مخلوق کی رسائی اور اس کے عرفان کی پہنچ نہیں ہو سکتی، اسی طرح آپ کا شرح صدر ظاہری وحسی بھی ہوا۔ اسی ظاہری شرح صدر کو شق صدر کا معجزہ بھی کہا جاتا ہے، اور یہ ظاہری وحسی شرح صدر چار بار ہوا ہے۔

پہلی بار ..... جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پرورش میں تھے، اس وقت جبریل و میکائیل نے آکر آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا اور قلب مبارک نکالا، اس نے خون کی پھٹکی نکال کر پھینک دی اور دل کو دھو کر اس میں سیکنہ بھردی، اور قلب و صدر کی سوائی کر دی، اس شرح صدر سے مقصود یہ تھا کہ بچکانہ لہو و لعب کی عادت اور نازیبا حرکات کے میلان سے آپ کے قلب اطہر کو پاک کر دیا جائے، اور زمانہ طفولیت ہی سے تمکین و وقار اور عمدہ و پاکیزہ جذبات سے اس کو مزین کر دیا جائے۔

دوسری بار ..... جب آپ ﷺ کی عمر شریف دس برس کی تھی انہیں دونوں فرشتوں نے سینہ چکا کیا، اور قلب مقدس کو ایک سونے کے طشت میں آب قدس سے دھویا اور شکم مبارک کو بھی دھویا، اور کوئی نورانی چیز دل میں ڈال دی اور اوپر سے بھی چھڑک دی، فرشتوں نے کہا کہ کینہ و بدخواہی کے جذبات سے دل کو پاک کر کے اس میں ہم نے شفقت و مہربانی بھردی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت سے میں اپنے قلب میں ہر چھوٹے بڑے پر شفقت و مہربانی پاتا ہوں، اس عمر شریف میں چونکہ آپ جوانی کے قریب تھے اس لئے اس شق صدر سے جوانی کے غلط رجحانات، جذبات شہوت و غضب وغیرہ سے قلب مبارک کو پاک رکھنا مقصود تھا۔

تیسری بار..... زمانہ بعثت کے قریب جب آپ ﷺ غار حراء میں معکف اور یکسوئی سے عبادت خداوندی میں مشغول تھے، حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی خدمت اقدس میں حاضر تھیں۔ اس وقت تیسری مرتبہ انھیں دونوں فرشتوں نے آپ کا سینہ چاک کیا، اور قلب مقدس کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا اور سلائی کر دی، نیز پشت پر مہر نبوت ثبت کر دی۔ اس شرح صدر کا مقصود بار نبوت کے تحمل اور وحی الہی کے اٹھانے کی صلاحیت کو بیدار و مستعد کرنا تھا۔

چوتھی بار..... چوتھی مرتبہ شرح صدر شب معراج میں ہوا۔ اس واقعہ میں ایمان و حکمت سے دل کو پر کرنا بھی مذکور ہے، سفر معراج پر جانے سے قبل اس لئے شق صدر ہوا کہ آپ کو عالم ملکوت کی سیر اور عالم بالا کی تجلیات برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو جائے۔ یہ چار بار آپ کا شق صدر معنوی شرح صدر کا نمونہ ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ شق صدر صرف دو بار ہوا ہے، ایک بار بچپن میں دوسری بار شب معراج میں۔ واللہ اعلم۔

فائدہ..... الْم نَشْرَحْ لَكَ میں لفظ لَكَ سے یہ بتلانا ہے کہ مرتبہ شرح صدر آپ کی خصوصیت ہے، اور شرح صدر میں آپ ہی کا نفع ہے، کہ اس سے آپ کو وہ اعلیٰ کمالات حاصل ہوئے جو آپ ﷺ ہی کے شایان شان تھے، دوسرے لفظ قَلْبِكَ کی بجائے لفظ صَدْرِكَ فرمایا، کیونکہ قلب (دل) صدر (سینہ) کے اندر ایک محفوظ مقام پر ہے، جب سینہ محفوظ و منور ہو گیا تو قلب بدرجہ اولیٰ محفوظ و منور ہوگا، مثلاً اگر پورے شہر کی حفاظت ہو جائے تو گھر ضرور محفوظ ہو جائے گا ماور پورے شہر کو جگمگ کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہر گوشہ پور نور ہو گیا۔ لایعکسہ۔ فافہم۔

### دوسرا کمال:

وَوَضَعْنَا عَنكَ (اور ہم نے آپ کے اوپر سے آپ کے اس بوجھ کو اتار دیا جس نے آپ کی پیٹھ توڑ ڈالی تھی) اس جملہ کا عطف جملہ الْم نَشْرَحْ پر ہے، کیونکہ اس کا ہمزہ برائے استفہام انکاری ہے جو فعل منفی پر داخل ہے، اور نفی کی نفی اثبات ہوتا ہے، تو الْم نَشْرَحْ شَرَحَا کے معنی میں ہوا، لہذا معطوف علیہ و معطوف میں پوری مناسبت ہو گئی۔ اور خبر و انشاء کا فرق بھی نہ رہا، ان دونوں آیتوں (۳، ۲) میں آپ کے دوسرے کمال کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور وہ ہے وضع وزر، وزر کے لفظی معنی بوجھ کے ہیں، اور نقض ظہر کے لفظی معنی کمر توڑ دینے یعنی کمر جھکا دینے کے ہیں، جب انسان پر کوئی بڑا بوجھ لا دیا جائے تو اس کی کمر جھک جاتی ہے، ان دونوں آیتوں میں اشارہ یہ ہے کہ وہ بوجھ جس نے آپ کی کمر جھکا دی تھی ہم نے اس کو آپ سے ہٹا دیا۔

### وضع وزر کی تفسیر:

مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی مختلف تفسیریں کی ہیں (۱) وہ جائز و مباح کام ہیں جن کو بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت سمجھ کر اختیار فرمایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مصلحت و منشاء خداوندی کے موافق نہ تھا، یا وہ خلاف اولیٰ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی علو شان اور تقرب الہی میں خاص مقام حاصل ہونے کی بناء پر ایسی چیزوں پر بھی ایسا سخت رنج و ملال اور صدمہ ہوتا تھا جس طرح کسی گناہ کے سرزد ہونے پر کوئی مرد مومن مغموں ہو سکتا ہے، حالانکہ یہ امور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان معصومیت کے خلاف بھی نہ تھے، مگر ”نزدیکان را بیش بود جیرانی“ کے اصول سے ذات اقدس پر ان امور کا بار گراں تھا، لہذا اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت ہے کہ ایسے امور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مواخذہ نہ

ہوگا۔ اس تفسیر کی بناء پر یہ بشارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبار ہوئی، اول مکہ میں اس سورت کے ذریعہ، دوسری بار سورۃ فتح میں صلح حدیبیہ سے واپسی پر يَغْفِرْ لَكَ اللَّهُ الْآيَةَ سے۔ (بیان القرآن)

(۲) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ابتدائے نبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا اثر بھی سخت ہوتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ساری دنیا میں کلمہ حق پہنچانے، اسلام پھیلانے اور کفر و شرک مٹا کر خلق خدا کو توحید کی دعوت دینے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی، اور ذمہ داری پر فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ سے ایسی استقامت کا حکم تھا جس میں کسی طرف جھکاؤ نہ ہو۔ اس کا بار عظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محسوس فرماتے تھے، اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ڈاڑھی کے کچھ بال سفید ہو گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت فَاسْتَقِمْ نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے، اس لئے حق تعالیٰ نے ان امور کی انجام دہی کے اسباب مہیا فرما کر اس ذمہ داری کے بار کو ہلکا کر دینے کی بشارت اس آیت میں دے دی، اور اسی کی وضاحت اگلی دو آیتوں میں اس طرح کر دی گئی کہ ہر مشکل کے بعد آسانی آنے والی ہے، نیز حق تعالیٰ نے شرح صدر کے ذریعہ آپ کا حوصلہ اتنا بلند فرمادیا کہ آپ کو سب مشکلات آسان نظر آنے لگیں۔ اور وہ بوجھ بوجھ نہ رہا، مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے گو اسباب ظاہری کا فقدان تھا لیکن اس میں ان کے مہیا ہو جانے کی بشارت اور قوی وعدہ ہے، اور اس وعدہ کے یقینی ہونے کی وجہ سے محاورہ کے مطابق اس کو ماضی کے صیغہ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔

(۳) وَزِدْ سے مراد تکلیفات شرعیہ (وامر و نواہی) کی تبلیغ اور ان پر عمل ہے، کیونکہ تکالیف شرعیہ کی پابندی بڑی دشوار ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ (ہم نے امانت یعنی تکالیف شرعیہ آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے ان کو برداشت کرنے سے انکار کر دیا اور وہ ان سے ڈر گئے۔ اور انسان ظلوم و جہول نے ان کی ذمہ داری قبول کر لی) نماز کے سلسلہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا وَأَنهَآ لَكَبِيسْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (بیشک نماز بہت بھاری ہے مگر ان لوگوں پر آسان ہے جو اہل خشوع ہیں) ان آیات سے معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کی پابندی بہت دشوار ہے، اللہ جل شانہ نے شرح صدر فرما کر آپ کا حوصلہ بلند فرمادیا۔ اور تکالیف شرعیہ آپ کے لئے محبوب و مرغوب اور فطری مقتضیات بن گئیں کہ ان کی ادائیگی میں دشواری کے بجائے لذت و حلاوت اور فرحت و راحت محسوس ہونے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قِرَّةٌ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ (میری آنکھ کی ٹھنڈک یعنی دل کا چین نماز میں ہے) اسی مرتبہ کو اللہ تعالیٰ نے وضع وزر (ازالہ بار) سے تعبیر فرمایا۔ صوفیہ کے نزدیک ایمان حقیقی اور نسبت کاملہ سے اسی کیفیت کو تعبیر کرتے ہیں، کہ تکالیف شرعیہ مرغوبات طبعیہ اور طبیعت ثانیہ بن جائیں، صوفیہ کے اس قول کہ ”تکالیف شرعیہ صوفیہ سے ساقط ہو جاتی ہیں“ کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ وہ تکالیف شرعیہ تکالیف نہیں بنتیں۔ بلکہ مرغوب و محبوب اور باعث راحت و سراپا حلاوت بن جاتی ہیں، شرح صدر کا یہ مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر و باطن علی الاعلان بدرجہ کمال حاصل ہوا تھا، مگر اولیاء امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ اور آپ کی اتباع کی برکت سے باطنی طور پر اس رتبہ کی نسبت حاصل ہوتی ہے، اور یہ کیفیت اس وقت عطا ہوتی ہے جب صوفی مقام فناء پر پہنچ جائے۔ (منشہری)۔

جو مشقت خاک تھا وہ بن گیا امین حیات بلند ہو گئی افلاک سے زمین حیات

(۴) بعض صوفیہ کا قول ہے کہ وہ نبوت اور اس کے لوازمات کا بوجھ تھا کیونکہ شرح صدر کے بعد تجلیات الہیہ اور

آفتاب ذات حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فوج پر جلوہ گر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام شہود میں خالق کے سوا

کوئی دکھائی نہ دیتا تھا، وجود مخلوق کا عدم ہو چکا تھا، افعال خلق اور خیر و شر کا تو ذکر ہی کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس کو کس چیز سے منع فرماتے اور کس کو کس چیز کا حکم دیتے۔

بسا میری نظروں میں تو خوب رہا ہے جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

اس عالم شہود سے مخلوق کی طرف توجہ اور اس اعلیٰ مقام سے نزول بڑا بھاری تھا، تو اس بوجھ کو اس طرح اتارا کہ مقام بقاء میں حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسی ثابت قدمی عطا فرمادی، کہ کثرت وحدت کا حجاب نہ بن سکے، اور عین توجہ الی الخلق کے وقت تجلیات ربانی کا بھی مشاہدہ قائم رہے، اور کمال عروج، وقت نزول بھی بحال رہے، یہ کمال عروج و کمال نزول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، یہی مرتبہ شرح صدر ہے، جو سبب بنا وضع وزر کا۔ (۵) بعض کہتے ہیں کہ وہ بوجھ بیولانیت و امکان کا بوجھ تھا، جو عالم قدس سے لحوق میں مانع ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے وجوب و تقدس کی تجلیات سے اس کو خفیف کر دیا۔ اور باطناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم قدس کے مقربین میں داخل ہو گئے، بلکہ تقرب میں سب سے ارفع و اعلیٰ ہو گئے۔ (۶) بعض نے کہا وزر کافروں کی شرارت اور ان کے ظلم و ستم کا غم تھا، حق تعالیٰ نے اپنی تائید و نصرت سے اسلام کو غلبہ دیا۔ اس طرح وہ غم کا بوجھ آپ سے اتر گیا۔ (۷) بعض نے کہا کہ دین و شریعت کے احکام کے نہ پانے کا غم تھا، اللہ تعالیٰ نے احکام شرعیہ نازل فرما کر غم کے اس بوجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کر دیا۔ (۸) بعض نے کہا کہ وہ امت کا غم تھا، مقام شفاعت عطا فرما کر اس بوجھ کو آپ سے دور فرما دیا۔ (۹) بعض نے کہا کہ مکہ معظمہ سے نکلنے کے غم کا بوجھ تھا، مدینہ پہنچا کر اس بوجھ کو اتار دیا گیا۔ (۱۰) بعض نے کہا کہ اسی غم کا بوجھ مراد ہے جو سورۃ الصضحیٰ کے سبب نزول میں گذرا۔ حق تعالیٰ نے سورۃ الضحیٰ اور سورۃ انشراح نازل فرما کر کفار کے بیہودہ اقوال کی تردید کر دی، اور انقطاع وحی و فراق کو دور فرما کر سلسلہ وحی، مسلسل فرما دیا گیا۔ (۱۱) بعض لوگوں نے کہا کہ وزر سے مراد وہ لغزشیں اور خطائیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل النبوة سرزد ہوئیں۔ اس آیت میں ان کی معافی سے اس بوجھ کو اتار دینے کی اطلاع ہے، لیکن یہ قول بالکل غلط ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم و پاکیزہ ذات گرامی خطاؤں سے مبرا و پاک ہے، اس کے علاوہ باقی مذکورہ اقسام میں مقام و مرتبہ شرح صدر ہی کے سمندر کے قطرات ہیں۔ واللہ اعلم

تیسرا کمال:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اور ہم نے آپ کے لئے آپ کا ذکر بلند کیا) بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اس آیت کے معنی پوچھے تو انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ذکر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی کیا جائے گا۔

جس دل میں ہے اللہ وہیں رہتے ہیں محمد بھی اللہ جو کہتا ہے وہی کہتے ہیں محمد بھی

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت وحدیث کا تقاضا یہ ہے کہ ملائکہ اعلیٰ (آسمانی فرشتے) جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اسی کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ لوح محفوظ پر لکھا ہوا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ

دِیْنُهُ الْإِسْلَامُ وَمُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ (ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا دین، اسلام ہے، محمد اس کے بندے اور رسول ہیں) جو اللہ پر ایمان رکھے گا، اللہ کے وعدہ کی تصدیق کرے گا اور اس کے پیغمبروں کا اتباع کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں (رفع ذکر سے مراد) اذان، اقامت، شہد اور خطبہ منبر (میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر) ہے، مگر کوئی شخص اللہ کی عبادت اور اس کی تصدیق کرے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (رسالت کی) شہادت نہ دے تو یہ اس کے لئے بے سود ہے، وہ کافر ہی رہے گا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ۔

أَغْرَرَّ عَلَيْهِ بِالنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ مِنْ آلِهِ مَشْهُودٌ يَلُوحُ وَيُشْهَدُ  
وَضَمَّ إِلَالَهُ اسْمَ النَّبِيِّ بِاسْمِهِ إِذَا قَالَ فِي الْخُمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ  
وَشَقَّ لَهُ مِنْ اسْمِهِ لِجَلِّهِ قَدْ وَاعَرُشَ مُحَمَّدٌ وَذَاكَ مُحَمَّدٌ

ترجمہ..... ۱۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی وہ ہے کہ مہر نبوت اس پر چمک رہی ہے اللہ کی طرف سے یہ شہادت ہے جو چمکتی ہے اور دیکھی جاتی ہے ۲۔ اور اللہ نے اپنے نام کے ساتھ نبی کا نام ملایا ہے، جبکہ اذان و بخگانہ میں مؤذن اشہد کہتا ہے ۳۔ اور ان کی عزت افزائی کے لئے اپنے ہی نام میں سے ان کا نام نکالا ہے۔ پس مالک عرش تو محمود ہے اور وہ محمد ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ رفعت ذکر نبی یہ ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کے لئے (ازل میں) تمام انبیاء علیہم السلام سے یشاق لیا تھا اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کو لازم کیا تھا۔ نیز آپ کی فضیلت کا اقرار کر لیا تھا۔

رفع ذکر:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کمالات عطا فرمائے جو مخلوق کے لئے ممکن ہو سکتے ہیں، انبیاء علیہم السلام اگر نجوم ہدایت ہیں تو آپ ﷺ آفتاب رسالت ہیں، نبوت و رسالت کا مبتداء و منہجا آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے، آپ ﷺ صفات ربانی کا مظہر اور ظل رحمانی ہیں، اس لئے جہاں حق تبارک و تعالیٰ کا ذکر ہوگا وہاں آپ ﷺ کا ذکر بھی ہوگا۔ کلمہ طیبہ میں اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر ہے، اذان و تکبیر و درود و شہد اور خطبوں میں ذکر خداوندی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے، امر اطاعت میں و نہی معصیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ مذکور ہیں۔ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ. وَمَنْ يُعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ . عالم بالا کے فرشتے اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں، قبر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے کہ ربو بیت و دین کے ساتھ آپ ﷺ کے بارے میں بھی سوال ہوتا ہے، حشر میں آپ ﷺ کا ذکر ہوگا۔ خلقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے استفادہ کریں گی۔ تمام کتب آسمانی و صحف ربانی میں آپ ﷺ کا ذکر ہے، سب سے اول آپ ﷺ کا نور پیدا ہوا۔ خلق میں اول آپ ﷺ ہی لائق ذکر ہوئے، قلم کی زبان پر آپ ﷺ ہی کا اسم گرامی پہلے آیا۔ لوح محفوظ کی پیشانی، سر عرش بریں اور جنت کے کنگروں پر آپ ﷺ کا مبارک نام لکھا گیا۔ الغرض تمام ازمان و اکوان میں ہر لمحہ آپ ﷺ مذکور ہیں، کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا کہ اشہدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللَّهِ مؤذِنوں کی زبانوں سے فضاؤں میں نہ گونجتا رہتا ہو۔ ہر جگہ ہر وقت اللہ کا نام ہے اور اس کے ساتھ اللہ کے



رسول کا نام بھی ہے، مگر تین مقام پر صرف اللہ کا نام ہے۔ (۱) اذان کے اخیر میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ (۲) چھینکنے کے بعد الحمد للہ (۳) اور ذبح کے وقت بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُ اکبر

رُوحِي الْفِدَاءُ لِمَنْ أَخْلَقَهُ شَهِدَتْ  
بِأَنَّهُ خَيْرُ مَوْلُودٍ مِّنَ الْبَشَرِ  
عَمَّتْ فَضَائِلُهُ كُلَّ الْعِبَادِ كَمَا  
عَمَّ الْبَرِيَّةَ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ

ترجمہ..... ۱۔ میری جان ان پر قربان جن کے اخلاق مشاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں سب سے افضل ہیں۔ ۲۔ ان کے فضائل تمام بندوں پر عام ہیں جس طرح سورج اور چاند ساری دنیا میں چھائے ہوئے ہیں۔

فائدہ: ..... یہاں تین انعامات و کمالات کا ذکر ہوا ہے، (شرح صدر، وضع وزر، رفع ذکر) ان تینوں کو تین جملوں میں ذکر فرمایا ہے۔ اور سب میں فعل و مفعول کے درمیان حرف لک یا عنک لایا گیا ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور خاص فضیلت و عظمت کی طرف اشارہ ہے، کما مر۔

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (پھر یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے) یعنی یہ کمالات و انعامات آپ کو مصیبتوں اور سختیوں پر صبر کرنے کی برکت سے عطا ہوئے ہیں، کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کی عادت یہ ہے کہ وہ ہر مشکل و مصیبت کے ساتھ ایسی سہولت و آسانی بھی عطا فرماتے ہیں جس سے وہ مصیبت آسان ہو جاتی ہے، اگر مصیبت کے گزر جانے کے بعد اس کو یاد کریں یا آنے سے پہلے اس کا تصور کریں تو اپنے اندر اس کے برداشت کرنے کی طاقت نہ پائیں گے۔ اس قسم کی آسانیاں آپ کو شرح صدر و فراخی موصولہ کے سبب حاصل ہوئیں کہ کمالات کے حاصل کرنے میں موانع پیش آنے کے باوجود تنگدلی، مایوسی یا تردد سے آپ محفوظ رہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ ایک اسم کو دوبارہ معرفہ لایا جاتا ہے تو اس سے عین اول مراد ہوتا ہے۔ خواہ پہلی بار وہ نکرہ آیا ہو یا معرفہ۔ اول کی مثال کَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رُسُلًا، فَعُصِيَ فِرْعَوْنُ رُسُلًا اس آیت میں رُسُلًا اور الرُّسُلُ دونوں کا مصداق ایک (موسیٰ علیہ السلام) ہی ہے، ثانی کی مثال یہی آیات زیر بحث ہیں کہ ان میں الْعُسْرُ پہلی بار بھی معرفہ ہے اور دوسری بار بھی۔ اور اگر دوبارہ نکرہ لایا جائے تو دونوں کے مصداق الگ الگ ہوتے ہیں۔ اول بار خواہ وہ اسم معرفہ لایا گیا ہو یا نکرہ، اول کی مثال جاء نسی الرجل وجاء نسی رجل۔ اس میں ثانی رجل غیر اول ہے۔ ثانی کی مثال ان آیات زیر بحث میں لفظ يُسْرًا ہے کہ پہلی اور دوسری بار نکرہ ہی آیا ہے، تو ثانی يُسْر غیر اول ہوگا۔ حاصل یہ ہوا کہ ان دونوں آیتوں میں ایک عُسْر (دشواری) پر دو یُسْر (آسانیاں) کا وعدہ ہے، اور دو سے مراد بھی دو کا عدد نہیں۔ بلکہ متعدد ہونا مراد ہے، مطلب یہ ہوا کہ ایک تنگی اور مشکل جو آپ ﷺ کو پیش آئی یا آئے گی اس کے ساتھ آپ ﷺ کو بہت سی آسانیاں میسر ہوں گی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسل مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس آیت سے بشارت دیتے ہوئے فرمایا لَنْ يُغْلِبَ عُسْرُ يُسْرَيْنِ یعنی ایک مشکل دو آسانوں پر غالب نہیں آسکتی۔ چنانچہ تاریخ و سیرت کی سب کتابیں جو اپنوں نے اور غیروں نے لکھی ہیں اس پر شاہد ہیں کہ مشکل سے مشکل کام بلکہ لوگوں کی نظروں میں جو کام ناممکن نظر آتے تھے آپ ﷺ کے لئے وہ سب آسان ہوتے چلے گئے۔ مذکورہ روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس آیت میں العصر کا الف لام عہد کے لئے ہے۔ اور مراد آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا عمر ہے، یعنی یہ وعدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کے لئے ہے، جس کو حق تعالیٰ نے ایسا پورا فرمایا کہ دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب اگر دنیا میں کسی شخص کو عمر کے بعد یسر نصیب نہ ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ البتہ عادیۃ اللہ اب بھی یہی جاری ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے، سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے، یکسو ہو کر اسی سے لو لگائے، اور اسی کے فضل کا امیدوار و طلب گار رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں آسانی فرمادے گا۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس میں تمام مومنوں سے بھی وعدہ ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عمر کے بعد ایک یسر دنیا میں اور ایک یسر آخرت میں حاصل ہوگا۔ اور مومنوں کو عسر دنیوی کے بعد یسر اخروی ملے گا۔ لیکن اگر آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اہل ایمان کے لیے عام رکھا جائے کہ ایک مشکل پر دو آسانیاں میسر ہوں گی۔ خواہ دنیا میں ہوں خواہ دنیا و آخرت دونوں میں ہوں تو اطلاق نظم قرآن کے زیادہ مناسب ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر دشواری کسی سوراخ کے اندر بھی ہوگی تو آسانی اس کی تلاش میں سوراخ کے اندر بھی جا گھسے گی۔ اور ایک دشواری دو آسانوں پر کبھی غالب نہ ہوگی۔ اسی کو کسی شاعر نے کہا ہے

اذا اشتدت بك البلوى ففكر في الم نشرح

فعسر بين يسرين اذا فكرته فافرح

ترجمہ..... جب تجھ پر مصیبت سخت ہو جائے تو الم نشرح میں غور کر، کہ اس میں ایک تنگی دو آسانوں کے درمیان ہے، جب تو یہ بات سوچ لے تو خوش ہو جا۔

عسر و یسر سے کیا مراد ہے؟

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ العسر سے مراد ناداری اور وہ مصیبت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کے ہاتھوں پہنچی تھی، اور آپ ﷺ نے اس کا شکوہ اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ اور یسر سے مراد غناء اور اس مصیبت کا ازالہ ہے، بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ العسر کا مصداق سینہ کی تنگی، کمر توڑ بوجھ، قوم کی گمراہی اور ان کی ایذا رسانی ہے، اور اول یسر سے مراد شرح صدر، وضع وزر، قوم کا ہدایت کی توفیق پانا اور طاعت کرنا ہے، اور ثانی یسر سے سب کے نزدیک ثواب آخرت مراد ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ مع العسر کا مطلب بعد العسر ہے، لفظ بعد کے بجائے لفظ مع کا استعمال یہ بتانے کے لئے ہے کہ عسر کے بعد یسر کا حصول اتنا متصل و متیقن ہے کہ گویا دونوں ساتھ ہی ساتھ ہیں۔

صاحب مظہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک مقام نزول میں خالق کی طرف رخ ہونا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ رنجیدہ نہ ہوں کہ تجلیات ربانی سے نزول کر کے توجہ الی الخلق موجب ملال ہوگی۔ اسی کے ساتھ یسر اور توجہ الی الخلق بھی ہے کہ آخرت میں آپ ﷺ کے اور خالق کے درمیان کوئی حجاب اور مانع نہ رہے گا۔ (مظہری)

لیکن یہ توجیہ تمام اس طرح ہو سکتی ہے کہ پہلے یسر سے مراد مقام بقاء میں استقامت ہے جس میں توجہ الی الخلق توجہ الی الحق سے مانع نہیں ہوتی۔ اور دوسرے یسر سے اخروی بشارت مراد ہے، اس توجیہ پر آیتوں کی بشارت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ماننا پڑے گا۔ واللہ اعلم۔



تکرار و تاکید ہے، پہلی رغبت انعامات و صفات ربانی کی طرف اور دوسری رغبت حق تعالیٰ کی ذات مجردہ کی طرف جو تمام کیفیات و اعتبارات سے منزّہ ہے۔

### تعلیم و تبلیغ والوں کی خلوت و ذکر کی ضرورت:

مذکورہ تفسیروں میں سب سے اچھی تفسیر یہ ہے کہ یہاں تبلیغ و اصلاح کے کاموں سے فراغت پر نماز، ذکر، استغفار اور دعا میں مشغول ہونے کا حکم ہے، تبلیغ و تعلیم اور اصلاح خلق اگرچہ بہت بڑی عبادت ہے، مگر بواسطہ خلق ہے، کیونکہ اس میں مخلوق اور ان کی اصلاح کی مدائیر کی طرف توجہ ہوتی ہے جس سے کیفیت قلب میں کچھ نہ کچھ تغیر آ جانا ضروری ہے، اس کے بعد ایسی عبادت کا جس میں خالق کے علاوہ کسی کی طرف توجہ نہ ہو حکم ہے، کیونکہ انسان کا اصلاً مقصد حیات یہی ہے، توجه الی المخلوق ایک ضرورت کے لئے ہے، اور توجه الی الحق مقصود حیات ہے، جب اس ضرورت سے فارغ ہوں تو مقصود کی طرف رجوع ضروری ہو جاتا ہے، اور اس سے مؤمن کو فراغت ممکن نہیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علماء جو تعلیم و تبلیغ اور اصلاح خلق کا کام کرتے ہیں اس سے ان کو غفلت نہ ہونی چاہیے کہ ان کا کچھ وقت خلوت، ذکر، توجہ الی اللہ اور استغفار و دعا کے لئے مخصوص ہو جیسا کہ علمائے سلف کی سیرتیں اس پر شاہد ہیں، اس کے بغیر تعلیم و تبلیغ انوار و برکات سے خالی اور غیر مؤثر ہوتی ہیں۔

فائدہ نمبر ۱..... فَانْصَبْ کے لفظ سے یہ معلوم ہوا کہ عبادت و ذکر کو اتنی مقدار میں کیا جائے کہ تھکن اور مشقت محسوس ہونے لگے۔ صرف نفس کی راحت و خوشی پر اس کا مدار نہ رہے، اور معمولات کی پابندی خواہ وہ مختصر ہی کیوں نہ ہوں بجائے خود تعب و مشقت کا باعث ہے۔

فائدہ نمبر ۲..... سورۃ الانشراح کے خواص میں سے ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ جو شخص اس سورت کو سوتے وقت سترہ بار پڑھ کر اپنے سینہ پر دم کر لیا کرے تو اس کی خطرات و وسوساں شیطانی سے حفاظت رہتی ہے اور بھول چوک کی عادت جاتی رہتی ہے، ہر نماز کے بعد سات بار سینہ پر دم کرنا بھی یہی تاثیر رکھتا ہے۔

تم تفسیر سورۃ الانشراح بفضل العزیز الوہاب الذی انزل علی عبدہ الکتاب تبصرة لا ولی الا للباب  
وصلی اللہ علی رسولہ المبعوث من اکرم الشعوب و اشرف الشعاب و علی الہ وصحبہ الانجباب  
وسلم علیہم دائماً الی یوم المآب

## سُورَةُ التِّينِ

### سُورَةُ التِّينِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانُ آيَاتٍ

(رکوع: ۱، آیات: ۸) سورۃ تین مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں آٹھ آیات ہیں۔ (کلمات: ۳۳، حروف: ۱۰۵)

### رابط و مناسبت

اس سورت کا نام سورۃ التین ہونا ظاہر ہے کہ اس کے شروع میں التین کا ذکر ہے، اس سورت میں مبداء اور معاد کے مضامین بیان فرمائے گئے ہیں۔ اور آغاز چار قسموں سے ہوا ہے، دو درختوں (تین وزیتون) کی، ایک پہاڑ (طور) اور ایک شہر (مکہ) کی، اور یہ چاروں چیزیں کثیر البرکتہ اور کثیر المنافع ہیں، جہاں مذکورہ دونوں درخت پیدا ہوتے ہیں وہ جگہ، انبیاء علیہم السلام کا معدن ہے، ابراہیم علیہ السلام جو پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں اسی ملک میں مقیم رہے، اسی طرح ان قسموں میں وہ تمام مقامات مقدسہ آگئے ہیں، جہاں مخصوص انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، طور حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا مقام ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد وہ پہاڑ ہے جہاں انجیر اور زیتون کے درخت بکثرت ہیں، مکہ مکرمہ خاتم الانبیاء علیہ السلام کا مولد و مسکن ہے۔ اس تقریر سے سابقہ سورت کے ساتھ اس سورت کا ربط عیاں ہو جاتا ہے، کہ سورۃ انشراح میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کا بیان تھا، اس میں آپ کے ساتھ مجملہ دوسرے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے، وہاں بھی آپ ﷺ کی رفعت کا بیان تھا، یہاں بھی آپ ﷺ کی رفعت کا بیان اس طرح ہے کہ آپ ﷺ اس اشرف المخلوقات کے سر تاج ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ خوبصورت بنایا ہے، آپ ﷺ اس شہر میں پیدا ہوئے، اور حیات ظاہری کا بیشتر حصہ اس میں گزرا جو اشرف البلاد اور اصل البلاد (ام القریٰ) ہے، نیز پہلی صورت میں آپ ﷺ کو بشارت و خوشخبری دی گئی تھی، اس میں ان مومنوں کو بشارت ہے جو آپ ﷺ کی پیروی کر کے ایمان و عمل صالح سے مزین ہو جائیں، مزید فکر سے بہت سی لطیف مناسبات معلوم ہوں گی۔

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

وَالزَّيْتُونِ (۱) وَطُورِ سَيْنِينَ (۲) وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ (۳) لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي

شمر	التین	و الزیتون	و طور	سینین	و	ہذا	البلد	الامین	لقد	خلقنا	الانسان	فی
شمر	انجیر	اور	زیتون	اور	طور	سینین	اور	اس	شہر	البلد	امین	لقد
شمر	انجیر	اور	زیتون	اور	طور	سینین	اور	اس	شہر	البلد	امین	لقد
شمر	انجیر	اور	زیتون	اور	طور	سینین	اور	اس	شہر	البلد	امین	لقد

أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (۴) ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (۵) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ

احسن	تقویم	ثم	رددناه	اسفل	سافلین	الا	الذین	امنوا	و	عملوا	الصلحت	فلهم
احسن	ترکیب	پھر	پھر	پھر	پھر	مگر	جو لوگ	ایمان لائے	اور	عمل کئے	اچھے	پس واسطے ان

أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (۶) فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالذِّينِ (۷) أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَكَمِينَ (۸)  
تو ان کو نہ ختم ہونے والا ثواب ملے گا۔ تو اے انسان پھر کیا چیز تجھ کو بدلہ کا مگر بتا رہی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ سارے حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟

أَجْرٌ	غَيْرُ	مَمْنُونٍ	فَمَا	يُكَذِّبُكَ	بَعْدُ	بِالذِّينِ	أَلَيْسَ	اللَّهُ	بِأَحْكَمَ	الْحَكَمِينَ
ثواب	نہ	کاٹا گیا	تو	جھٹلاتی ہے تجھ	پچھے	میں جزا	کیا نہیں	اللہ	خوب حکم کرنا	سب حکم کرنا والوں

## لغات:

التَّيْنِ انجیر جو ایک عمدہ اور کثیر النفع میوہ ہے، الزَّيْتُونُ ایک مشہور درخت کا نام ہے، اس کے پھل کو بھی زيتون کہتے ہیں، اور اس کے تیل کو زيت کہتے ہیں، نیز زيت کا اطلاق مطلقاً تیل پر بھی آتا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی چیز کا ہو۔ طُورٌ سِينِيْنٌ اور طُورٌ سِينَاءُ ایک مخصوص پہاڑ یا جگہ کا نام ہے۔ والطور فی کلام العرب الجبل وقال بعض اهل اللغة لا يسمى طورا حتى يكون ذا شجر ولا يقال للاجود طور (تجمل البلدان ص ۶۷۲) یعنی ہرے بھرے پہاڑ کو طور کہتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سریانی زبان میں طور پہاڑ کو کہتے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر) ابن ابی حاتم وضاح رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ طور بمعنی پہاڑ بھٹی زبان کا لفظ ہے، معلوم ہوا کہ طور عربی، سریانی اور بھٹی تینوں زبانوں میں یکساں طور پر پہاڑ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن اہل عرب سرسبز پہاڑ ہی کو طور کہتے ہیں۔ قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: طور ما انبت من الجبال وما لم ينبت فليس بطور. وفي البحر انه لم يختلف في انه جبل بالشام وتعقبه الشهاب بانه خلاف المشهور فان المعروف اليوم بطور سيناء ما هو بقرب التيه بين مصر وعقبة.

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سِينَاءُ جمہور کے نزدیک بھٹی یا حبشی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی اچھے یا مبارک کے ہیں، اور اس کو عربی میں سناء بالمد بمعنی رفعت یا سنا بالقصر بمعنی نور سے ماخوذ مانتے ہیں۔ الْبَلَدُ الْأَمِينُ مکہ مکرمہ۔ کیونکہ وہ مامون ہے مَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا۔ اور اپنے باشندوں کا امانت دار و محافظ بھی ہے، اس لئے اس شہر کو بلد امین کہا جاتا ہے، تقویم مصدر تفعلیل ہے بمعنی درست کرنا، ٹھیک کرنا، مجرد میں (ن) سے کھڑا ہونا رَدَدْنَا (ن) واپس کرنا، لوٹا دینا، اَسْفَلَ ضد اَعْلَى۔ سب سے نیچا۔ (ن۔ س۔ ك) پست ہونا۔ حقیر ہونا۔

## ترکیب:

وَالَّتَيْنِ سے الْبَلَدُ الْأَمِينُ تک چار قسمیں ہیں، لَقَدْ سے تَقْوِيمُ تک جملہ فعلیہ جواب قسم ہے تَمَّ رَدَدُنَا فعل بافاعل ومفعول بہ اَسْفَلَ منصوب بنزع الخافض ای فِی اَسْفَلٍ متعلق یا مکان محذوف کی صفت ہو کر رَدَدُنَا کا مفعول ثانی یا مفعول اول سے حال ہوگا۔ اِلَّا الذِّينِ پورا جملہ رَدَدُنَا کے مفعول سے استثنائے متصل ہے اگر اَسْفَلَ سَافِلَيْنِ سے طبقہ نار وغیرہ مراد ہو۔ اور اگر ازل عمر مراد ہو تو استثنائے منقطع ہوگا۔ او ليس المقصود اخراج المؤمنين من الحكم بارذل العمر وان كان المستثنى من جنس المستثنى منه۔ فافهم۔ فَلَهُمْ خبر مقدم أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ مرکب توصیفی مبتدائے مؤخر، جملہ اسمیہ خبر ہوا موصول کی۔ اور فاء اس میں جزا ایہ ہے، کیونکہ اسم

موصول مبتدا متضمن لمعنی الشرط ہے و دخولہ هنا دون فی سورۃ الانشقاق للاشارة بان دخولہ وعدمہ جائزان۔ ف تفریعیہ ما استفہامیہ بمعنی ای شی یا بمعنی مَنْ مبتدا ایگذبک بغد بالذین جملہ فعلیہ خبر، اور اس میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا انسان کذب کو آبرائے استفہام انکاری۔ لیس فعل ناقص اپنے اسم اللہ اور خبر باخکم الحکیمین سے مل کر جملہ فعلیہ۔

تفسیر:

حق تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء چار عظیم البرکتہ و کثیر النفع چیزوں کی قسموں سے فرمائی ہے۔ پھر خلقت انسانی کا کمال بیان فرما کر سعادت و شقاوت کے اعتبار سے اس کا انجام و آل بیان فرمایا ہے۔

چار مخصوص چیزوں کی قسمیں:

اس سورت میں شروع کی تین آیات میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، جن میں سے دو درخت ہیں تین اور زیتون، ایک پہاڑ ہے (کوہ طور) اور ایک شہر ہے، یعنی مکہ مکرمہ۔ ان چار چیزوں کی وجہ تخصیص یہ ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں درخت کثیر النفع اور کثیر البرکتہ ہیں جس طرح کوہ طور مکہ مکرمہ کثیر البرکتہ ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تین و زیتون کے ذکر سے وہ جگہ مراد ہو جہاں یہ درخت بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ ملک شام ہے جو معدن و مرکز انبیاء علیہم السلام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے وطن سے ہجرت فرما کر وہیں مقیم ہوئے، اور ملک شام اکثر انبیاء علیہم السلام کا وطن و مسکن رہا ہے، کوہ طور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا مقام ہے، اور سینین یا سینا اس مقام کا نام ہے جہاں پر کوہ طور واقع ہے، بلد امین مکہ مکرمہ ہے، اس طرح ان قسموں میں وہ سب مقامات مقدسہ آگئے جہاں خاص خاص بلکہ اکثر انبیاء علیہم السلام پیدا اور مبعوث ہوئے۔

دوسرے یہ چاروں چیزیں اہل کمال کے ساتھ کثیر المنافع و کثیر البرکتہ ہونے میں انتہائی مناسبت بھی رکھتی ہیں، تیسرے یہ اشیاء قدرت خداوندی اور بعثت انبیاء پر دلائل بھی ہیں، جس خالق اکبر نے اپنی قدرت سے یہ اشیاء پیدا کیں جن میں بے شمار منافع و برکات ہیں اسی ذات برحق و قادر مطلق نے اپنے بندوں کی نفع رسانی اور برکات جسمانی و روحانی کے لئے انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ چوتھے بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان قسموں میں جن مقامات کا ذکر ہوا ہے ان مکانات سے مراد ان کے مکین ہیں۔ یعنی اس پہاڑ سے جس کو انجیر اور زیتون کے درختوں نے چھپا رکھا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ کیونکہ اسی مقام پر وہ پیدا ہوئے تھے۔ اور کوہ طور سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ وہ اس جگہ رب تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے تھے۔ اور بلد امین سے مراد حمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پیدا ہوئے۔ اور حیات ظاہری کا اکثر حصہ وہیں گزرا۔ اور یہ ہستیاں تقویم کے نمونے ہیں۔ یا یہ کہیے کہ اس دعویٰ پر کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔ یہ دلائل اور ثبوت دعویٰ کے لئے گواہ ہیں۔

انجیر کے منافع اور خصوصیات:

انجیر میں بہت سی خصوصیات ہیں۔ کچھ ظاہری ہیں اور کچھ باطنی، چند ظاہری خصوصیات یہ ہیں کہ وہ غذا بھی ہے

اور ایک عمدہ میوہ بھی۔ بہت لطیف اور ہلکا چھلکا ہے، سربلج البھنم ہے، طبیعت کو نرم کرتا ہے۔ فاسد مواد کو پسینہ کے ذریعہ بدن سے خارج کرتا ہے۔ اس لئے باوجود گرم ہونے کے بخار میں بھی مفید ہے۔ بلغم کو تحلیل کرتا ہے۔ گردہ اور مثانہ سے سنگریزوں کو صاف کر دیتا ہے بدن کو موٹا کرتا ہے۔ مسامات کھول دیتا ہے، جگر اور لی کے سدے کھولنے میں بے نظیر ہے۔ بواسیر کا قاطع ہے۔ درونقرس کو تانیق ہے۔ حضرت علی موسیٰ رضاحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ہمیشہ انجیر کھانا گندہ دہنی کو دفع کرتا ہے۔ سر کے بالوں کو بڑھاتا ہے۔ فالج سے امن دیتا ہے۔ اس کے عجائبات میں سے یہ بات ہے کہ اس میں نہ چھلکا ہے نہ گٹھلی۔ نہ کوئی اور پھینکنے کی چیز ہے۔ پورے کا پورا کھانے میں آتا ہے۔ قرآن مقدس کی طرح بالکل مغز ہی مغز ہے۔ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک طباق بھرا ہوا انجیروں کا ہدیہ پیش کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تناول فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین کو بھی ارشاد فرمایا کہ اس میوہ کو کھاؤ اس میں گٹھلی نہیں ہے۔ یہ جنت کے پھلوں کے مثل ہے۔ یہ پھل بواسیر کے مادہ کو دفع کرتا ہے۔ اور درونقرس میں مفید ہے۔ انیس ایک عجیب بات یہ ہے کہ وہ ایک لقمہ کی برابر ہوتا ہے۔ نہ چھوٹا نہ بڑا۔ تاکہ کھانے والے کو کسی قسم کی زحمت و مشقت نہ ہو۔

### انجیر کی باطنی خصوصیات:

اس پھل میں ظاہری خوبیوں کے علاوہ بہت سی باطنی خصوصیات بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ بچند وجوہ اہل کمال کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے (۱) اہل اللہ کی طرح اس کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے۔ کیونکہ گٹھلی چھلکا اور فضلہ اس میں نہیں ہوتا۔ اور دوسرے پھلوں میں ظاہر و باطن کا فرق ہوتا ہے۔ (۲) اس کا درخت بھی عجیب ہوتا ہے کہ دعوے سے پہلے اس کا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے پھلتا ہے پھر پھولتا ہے۔ اور دوسرے درختوں پر پہلے پھول آتے ہیں بعد میں پھل آتے ہیں۔ گویا اس درخت میں اہل کمال کی طرح صفت ایثار بھی ہے۔ کہ وہ پہلے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے، اپنی آراستگی نفع اندوزی بعد میں کرتا ہے۔ اور دوسرے درخت معاملہ داری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اول اپنا بھلا کر لیتے ہیں پھر دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اول خویش بعد ازاں درویش (۳) اس کا فیض اور چھلدار درختوں سے زائد ہے۔ کیونکہ یہ ایک سال میں کئی بار پھلتا ہے اور دوسرے درخت عموماً ایک بار پھلتے ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس کو درختوں کی بہ نسبت انسان سے اس لئے بھی زیادہ مناسبت ہے کہ جنت میں جب حضرت آدم علیہ السلام کا لباس چھن گیا تھا تو انہوں نے انجیر کے پتوں ہی سے اپنا بدن چھپایا تھا۔ اسی وجہ سے اس کو انسان کی جامعیت و احسینیت پر دلیل بنایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (۴) اس میں کاٹنا بھی نہیں ہوتا۔ نہ وہ زیادہ بلند ہوتا ہے۔ گویا سہل الحصول ہے۔ اور اس سے ایذا کا اندیشہ بھی نہیں۔ اہل اللہ کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ وہ بد اخلاق نہیں ہوتے۔ اور طالبوں کے قریب ہوتے ہیں۔ تاکہ افاضہ و استفادہ بہولت ہو سکے۔

**سوال.....** بعض کسان کہتے ہیں کہ کامل درخت وہ ہے جس میں ۱۰ چیزیں موجود ہوں۔ جزو الیاء، پتے پھول، پھل، گٹھلی، گوند، چھال، چھلکا، اور شیرہ۔ مثلاً کھجور کا درخت ان دس چیزوں کو جامع ہے۔ اور جس میں یہ دس چیزیں نہ ہوں وہ ناقص ہے۔ اور انجیر میں گٹھلی چھلکا اور کانٹے وغیرہ نہیں ہوتے تو یہ ناقص ہوا۔ **جواب.....** یہ نقص بھی اس کا کمال ہے۔ کیونکہ اس میں فضول اور تکلیف دہ چیزیں نہیں ہوتیں۔ جیسے انسان خیر و شر کا مجموعہ ہے۔ مگر کامل و اکمل وہی انسان ہے جس میں خیر ہو اور شر سے وہ محفوظ و معصوم ہو۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام، اس پہلو سے بھی یہ پھل کاملین کے مشابہ ہوا۔



## زیتون کے فوائد و برکات:

زیتون کے ظاہری و باطنی فوائد و منافع بھی انجیر کی طرح بہت ہیں۔ بلکہ جو فوائد انجیر میں ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ اور ان کے علاوہ بھی بہت سے فائدے ہیں۔ گویا زیتون انجیر سے بھی زائد جامع اور خصوصیات کا حامل ہے۔ اس کے چند فوائد یہ ہیں (۱) اس کے پھل کو سرکہ میں اچار بنا کر استعمال کرنا تقویتِ معدہ کے لئے بے نظیر ہے اور بھوک بڑھاتا ہے۔ (۲) زیتون کا پختہ پھل سیر ہو کر کھا سکتے ہیں۔ (۳) وہ بدن کو مونا کرتا ہے (۴) قوتِ باہ کے لئے اکثیر ہے۔ (۵) مغزِ مخ زیتون چربی اور آٹے میں ملا کر بدن پر ملیں تو یہ کوڑھ کا تیر بہدف علاج ہے۔ (۶) اگر شیرہ زیتون کا عورت فرزند لیوے تو سیلانِ الرحم کے لئے بہت مجرب ہے۔ (۷) نمک پانی میں زیتون کا پھل ڈال کر کلی کریں تو دانتوں کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ (۸) زیتون کے فوائد انجیر کے بہ نسبت بہت پائیدار ہیں۔ (۹) یہ غذا بھی ہے اور دوا بھی اور عمدہ میوہ بھی (۱۰) اس کے کچے پھلوں کا تیل زیت الانفاق کہلاتا ہے۔ چراغ وغیرہ میں جلانے کے کام آتا ہے، روشنی اس کی بہت صاف شفاف ہوتی ہے۔ (۱۱) کچے زیتون کا تیل زیت الطیب کہلاتا ہے جو نہایت خوشبودار فائدوں میں بے نظیر ہوتا ہے۔ زیت الطیب دفعِ قویج کے لئے، سدوں کے لئے، اسہال کے لئے ارغلی کے تیل کے شل ہے۔ اور مالش کرنے اور لپ کرنے میں روشنِ گل کی مانند ہے۔ اور شیریں، جمرہ، قوبا، صداع، بالوں کی سیاہی، در و نقرس، و جمع مفاصل، بسل اور پلکوں کی رطوبت غلیظ کے لئے بہت مفید ہے، بجھو کے کاٹے پر لگانا بھی بہت مفید ہے۔ (۱۲) اس کا پھل کھانے، تیل لگانے اور جلانے وغیرہ کے کام آتا ہے۔ (۱۳) اس کی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے۔ اور اس کی راکھ صابن کا کام دیتی ہے۔

## زیتون کی باطنی خصوصیات:

(۱) اس کے تیل میں چمک ہوتی ہے۔ اور اس کو جب جلاتے ہیں تو اعلیٰ درجہ کی روشنی پیدا کرتا ہے۔ اور اس کی روشنی دھوئیں سے پاک ہوتی ہے۔ اہل کمال کی نورانیت بھی سیاہی اور کدورتوں سے پاک ہوتی ہے۔ (۲) اس کو علماء کے فکر و استدلال سے بھی کمال مناسبت ہے کہ معلومات کے احوال میں فکر کی قوت سے ایسی روشنی پیدا ہوتی ہے کہ مجہولات کے حقائق روشن ہو جاتے ہیں (۳) اس کو قرآنی الفاظ سے بھی نہایت مناسبت ہے کہ اس کے معانی کو اگر لفظوں کی آمیزش سے جدا کر دیں تو حقائق و انوارِ الہیہ کی صاف شفاف روشنی نمایاں ہو جاتی ہے (۴) اس درخت کی عمر تمام درختوں سے زائد ہوتی ہے چنانچہ یونانیوں کے لگائے ہوئے درخت آج تک ملک شام میں موجود ہیں۔ جن پر تقریباً ڈھائی ہزار سال گزر چکے ہیں۔ ایسے ہی اہل کمال کے اعمال کے کمال کے درخت دنیا میں مدتوں پھلتے پھولتے رہتے ہیں (۵) معدنِ انبیاء و مصدرِ اولیاء اس درخت کا وطن ہے۔ اہل وطن کو اپنے اہل وطن سے خاص مناسبت ہوتی ہے۔ (۶) ابراہیم علیہ السلام اور دیگر ۷۰ انبیاء علیہم السلام نے اس کے لئے برکت کی دُعا فرمائی ہے۔ جس طرح وہ دوسرے اہل اللہ مومنین و مومنات کے لئے دعا کرتے ہیں۔ (۷) قرآن پاک میں اس کو شجرہ مبارکہ فرمایا گیا ہے شَجَرۃٌ مُّبَارَکَۃٌ زَیْتُونۃٌ اس کے تیل کی روشنی سے نورِ خداوندی کو تشبیہ دی گئی ہے (۹) اس کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر ہدایت کا ملہ اور عسرة الوثقی کا نصیب ہونا ہے۔ (۱۰) ایک مریض نے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا خواب بیان کیا کہ مجھے خواب میں یہ بتایا گیا ہے کہ تیرا علاج دولا کے

درمیان ہے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جاؤ زیتون تمہارے لئے دوا ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے اسی کے ذکر میں لاشَرْقِيَّةً وَلَا غَرْبِيَّةً فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کَلُوا مِنْ الزَّيْتِ وَادْهِنُوا بِهِ فَاِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مَسْرُكَةٍ (زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کی مالش کرو کیونکہ وہ برکت والے درخت کا تیل ہے) حاصل یہ ہے کہ زیتون کو اہل کمال سے انجیر سے بھی زائد مناسبت ہے۔

وَطُورٍ سِينِيْنٍ اور پر معلوم ہو چکا کہ طور سرسبز اور ہرے بھرے پہاڑ کو کہتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ بے آب و گیاہ خشک پہاڑ کی بہ نسبت وہ پہاڑ کامل ہے جو درختوں سے ڈھکا ہوا ہو۔ پھر ان درختوں میں بہت سے کارآمد اور پھلدار ہوتے ہیں۔ بہت سے دواؤں، غذاؤں وغیرہ کے کام آتے ہیں۔ ہزاروں قسم کی جڑی بوئیاں ان میں ہوتی ہیں۔ بہت سے حیوانات شکاری وغیرہ شکاری ہوتے ہیں۔ اور ان تمام اشیاء میں انسان کے لئے بیشمار منافع و فوائد ہیں۔ پھر ہرے بھرے پہاڑوں میں بھی وہ پہاڑ سب سے زیادہ کامل و نافع اور عظیم البرکت ہے جو تجلی گاہ ربانی ہو۔ اور پیغمبر خدا نے بھی عبادت و ریاضت اور انوار نبوی سے اسکو مالا مال کیا ہو۔ وہ اکمل ترین پہاڑ جسمیں ظاہری منافع و فوائد کے ساتھ ساتھ باطنی برکات و تجلیات بھی حاصل ہیں وہ کوہ طور ہے جس کو طورِ سینین اور طورِ سینا کہتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے والتین سے اصحاب کہف کی مسجد مراد لی ہے۔ اور زیتون سے کوہ زیتا مراد لیا ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے اور بیت المقدس سے جانب مشرق میں واقع ہے۔ جب ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیت المقدس تشریف لے گئیں تو مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھ کر کوہ زیتا پر تشریف فرما ہوئیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ اسی مقام سے قیامت کے دن لوگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ ایک گروہ جنت میں دوسرا گروہ دوزخ میں چلا جائیگا، اس مقام کی نصاریٰ بہت تعظیم کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اس کو مصعدِ عیسیٰ علیہ السلام بھی کہتے ہیں جہاں ایک فرنگی عورت ہیلانہ نے ایک قبہ تعمیر کرایا تھا۔ جو مدتوں نصاریٰ کا گرجا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسجد اصحاب کہف انوارِ ولایت سے تاباں ہے۔ تو کوہ زیتا انوارِ نبوت سے پُر نور و با عظمت ہے۔

وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ۔ امین کے معنی امانتدار کے ہیں۔ شہر مکہ اپنے باشندوں کا امانتدار محافظ بھی ہے۔ اور امین کے معنی مامون و محفوظ کے بھی ہیں۔ چنانچہ یہ صفت بھی اس میں ظاہر اور منصوص ہے وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا۔ اس اعتبار سے شہر مکہ سب شہروں کی بہ نسبت عظیم البرکت و کثیر النفع اور جامع ترین شہر ہے۔ وہاں وہ سب کچھ ہے جو اور شہروں میں ہوتا ہے انسان، تعمیرات، حیوانات، وغیرہ۔ اور ان سے زائد اس میں وہ صفت ہے جو لفظ امین نے بیان کی۔ اس کے علاوہ وہ نبی آخر الزمان کا مولد و مسکن، وطن اور مہبط وحی، ہے اور کعبہ و قبلہ (بیت اللہ) کو اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور اس سر زمین پر ہمہ وقت تجلیات ربانی کا نزول ہوتا ہے۔ یہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ گنا بڑھ جاتا ہے۔ حَسَنَاتِ الْحَرَمِ كُلِّ حَسَنَةٍ بِمِائَةِ أَلْفِ حَسَنَةٍ۔ نیز حدیث میں ہے: مَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْأَمْنِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اور مَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ فَكَانَ مَاتَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا۔

تنبیہ..... ان مذکورہ اشیاء کے متعلق مزید تفصیلات و تحقیقات تفسیر عزیز پ ۳۰ لغات القرآن از ۹۹ ص ۲۱۰ ص ۲۶۰ تا ۲۶۲ علاوہ ازیں حمید الدین فراہی کی تفسیر نظام القرآن و تفسیر حقانی وغیرہ میں ملاحظہ فرمائی جائیں۔ اس مختصر میں ان سب کی گنجائش نہیں۔

## انسان جامع ترین مخلوق ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (بیشک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا ہے) یہ مذکورہ قسموں کا جواب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جبلت و فطرت، شکل و ہیئت ہر اعتبار سے تمام مخلوق سے بہتر پیدا فرمایا ہے۔ اس سے بہتر، حسین، کامل اور جامع دوسری کوئی مخلوق نہیں۔ انسان میں عالم روح کے نازک حقائق، عالم خلق کے عناصر، اور عالم عناصر کی پیداوار، نفسِ ناطقہ جیسی اشیاء موجود ہیں۔ اس میں ملکی صفات، درندوں کے اوصاف، چوپاؤں کی کیفیات اور شیطانی خباثت بھی پائے جاتے ہیں۔ اس میں حیات، ارادہ، قدرت، سماع، بصر، کلام، محبت وغیرہ جیسی صفات کمالیہ، صفتِ الوہیت کا پرتو ہیں۔ یہ نور عقل و بصیرت قلبی اور حواسِ ظاہری و باطنی سے آراستہ ہے۔ جو کمالات کے ابواب ہیں۔ اسی لئے اس کو خلافتِ خلافت سے نوازا گیا۔ اِنْسَى جَسَاعِلَ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ درحقیقت ذاتِ انسان آئینہ ذات و صفاتِ ربانی ہے۔ اسکی ظاہری ساخت اور مزین صورت ہی کو اگر بغور دیکھا جائے تو یہ قادرِ مطلق کی کاریگری کا ایک عجیب تماشا ہے۔ یہ چھوٹے سے جسم و کھنڈہ والا انسان عالم اصغر ہے۔ جسمیں عالم اکبر (ارض و سماء) کے تمام نظارے اور نظائر موجود ہیں۔ اس کی پیشانی پر آفتاب و مہتاب جلوہ گر ہیں۔ تو اس میں حواسِ ظاہری و باطنی کے روشن ستارے بھی موجود ہیں۔ انہار و اشجار اور گلزار بھی موجود ہیں۔ زمین و آسمان، پہاڑ و غیرہ کے نمونے اور جملہ معدنیات کی مثالیں بھی اس میں موجود ہیں۔ عالم لاہوت، عالم ملکوت، عالم جبروت وغیرہ جملہ عوالم کے پرتو اسکی ذات میں جلوہ گر ہیں۔ عالم شہوات، عالم غضب، عالم وہم اور عالم خیال۔ سفلی عالموں کے نمونے بھی اس کی ذات میں پائے جاتے ہیں۔ الغرض مخلوقات میں جامع ترین مخلوق حضرت انسان ہے۔ اسی جامعیت کو احسن تقویم سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

## انسان تمام مخلوقات میں سے زیادہ حسین ہے:

انسانی فطرت ہے کہ وہ ہر اس چیز کی تمنا کرتا ہے جو اپنے پاس والی چیز سے بہتر ہو۔ مثلاً ایک جھونپڑی والا مکان کی، مکان والا کونجی کی تمنا کرتا ہے۔ ایک سائیکل والا موٹر سائیکل کی اور موٹر سائیکل والا کار کی اور وہ پہلی کا پٹر کی۔ ایک پولیس والا تھانہ داری اور وہ اس سے اوپر والے عہدہ کی۔ انہیں مثالوں سے مقصد واضح ہو گیا کہ کوئی بھی انسان منزل کی تمنا نہیں کرتا۔ اس نفسیاتی اصول اور انسانی افتاء طبع کی روشنی میں سوچیں کہ کوئی انسان دوسرے انسانوں سے کتنا ہی بد صورت، کانٹا، کھتر، اندھا، بھیڑنگا کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ ہرگز اس بات کی تمنا نہیں کرتا کہ میری صورت خوب صورت گدھے کے بچے یا کتے کے پلے یا اور کسی جانور یا اور کسی مخلوق جیسی ہو جائے۔ یہ اس بات کی عقلی دلیل بلکہ مشاہدہ ہے کہ انسان سے زیادہ خوب صورت کوئی دوسری مخلوق ہے ہی نہیں۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مخلوق میں انسان سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کو حیات کے ساتھ عالم، قادر، متکلم، مدبر اور حکیم بنایا ہے۔ اور یہ صفاتِ باری تعالیٰ کی تجلیات کا مرکز اور حق تعالیٰ کا خلیفہ قرار پایا ہے۔

## ایک عجیب واقعہ:

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو خلیفہ ابو جعفر کے خاص خاص

مصاحبین میں سے تھا۔ اپنی بیوی سے حد درجہ محبت رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ چاندنی رات میں اپنی بیوی سے کہا انست طالق ثلاثاً لم تکنی احسن من القمر (یعنی تجھ کو تین طلاقیں ہیں اگر تو چاند سے زیادہ حسین نہ ہو) یہ سنتے ہی بیوی یہ کہہ کر اٹھی اور پردہ میں چلی گئی۔ کہ آپ نے مجھ کو طلاق دے دی ہے۔ بات ہنسی دل لگی کی تھی مگر صریح طلاق کا حکم یہی ہے کہ وہ غصہ، مذاق اور ہنسی، دل لگی، ہر صورت میں پڑ جاتی ہے۔ اور صریح الفاظ میں نیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی سے کاٹی صبح کو خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس حاضر ہو کر اپنا قصہ سنایا۔ اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ منصور نے شہر کے فقہاء و مفتیان کرام کو جمع کر کے مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا۔ سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق مغلط ہوگئی۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی انسان چاند سے زیادہ حسین ہو سکے۔ مگر ایک عالم جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے تھے خاموش بیٹھے تھے۔ منصور نے کہا کہ آپ کیوں خاموش ہیں۔ آپ بھی فرمادیجئے، انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورۃ والتین کی تلاوت کی اور فرمایا کہ اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم (سب سے بہتر صورت) میں پیدا فرمایا ہے۔ کوئی شے اس سے زیادہ حسین نہیں، یہ سن کر سب علماء فقہاء حیران رہ گئے۔ اور سب نے متفقہ طور پر کہا کہ واقعی اس عورت کو طلاق نہیں ہوئی۔ اور علماء کی اس متفقہ رائے کے موافق خلیفہ ابو جعفر منصور نے طلاق نہ ہونے کا فیصلہ کر دیا۔

ثُمَّ رَدَّ ذَنَّهُ اسْفَلَ سَافِلِیْنَ اَلِیٰ قَوْلُهُ تَعَالٰی فَهَلْهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ پہلی آیت میں انسان کو ساری کائنات سے احسن بنانے کا بیان تھا اس جملہ میں اسکے بالمقابل یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح وہ اپنی ابتداء اور شباب میں ساری مخلوقات سے زائد حسین، معتدل و متوازن اور متناسب الاعضاء تھا۔ اخیر میں اس پر ایسا دور بھی آتا ہے کہ وہ بد سے بدتر شکل اور بُرے سے بُرا ہو جاتا ہے۔ مشہور ہے، بڑھا پائے آ یا ظاہر یہی ہے کہ بدتری اور برائی اس کی ظاہری جسمانی حالت کے اعتبار سے بتلائی گئی ہے کہ شباب ڈھلنے کے بعد اس کی شکل و صورت بدلنے لگتی ہے۔ بڑھا پائے اس کا رنگ و روپ بدل ڈالتا ہے۔ وہ بد شکل، معذور، بیکار اور دوسروں پر بار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور دوسرے حیوانات اخیر تک اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، انسان اُن سے دودھ، سواری، بار برداری اور دوسرے سکنکڑوں قسم کے کام لیتے ہیں۔ وہ ذبح کر دیئے جائیں یا مرجائیں، تو بھی انکی کھال، بال، ہڈی، بلکہ جسم کا ریزہ ریزہ انسانوں کے کام میں آتا ہے۔ مگر انسان بیماری و ضعف پیری میں عاجز و در ماندہ ہو جاتا ہے۔ تو دنیا داری کے اعتبار سے وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔ مرنے کے بعد بھی اسکے کسی جز سے کسی انسان یا جانور کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ اسفل السافلین میں پہنچ جانے سے مادی و جسمانی کیفیت مُراد ہے۔ یہ تفسیر ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے۔ اس تفسیر کی بنا پر اَلَا الذِّیْنِ سے مؤمنین صالحین کے استثناء کا مطلب یہ نہ ہوگا، کہ ان پر بڑھاپے کے حالات نہیں آتے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس جسمانی کمزوری، دنیاوی بیکاری اور مادی خرابی کا نقصان ان کو نہیں پہنچتا۔ یہ نقصان صرف ان لوگوں کو پہنچتا ہے جنہوں نے اپنی ساری فکر اور پوری توانائی اس مادی دنیا کی تحصیل پر صرف کی تھی۔ اب وہ ختم ہوگئی، آگے آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ بخلاف مؤمنین صالحین کے کہ ان کا اجر و ثواب کبھی ختم نہ ہوگا۔ بڑھاپے کی ناتوانی اور حالات کی پریشانی بھی عارضی ہے۔ آگے ان کے لئے جنت کے درجات عالیہ اور راحت و آرام کے اسباب نیز اعلیٰ زندگی اور پائدار توانائی کے انعامات موجود ہیں۔

(۲) دنیا دار عالم شباب و زمانہ قوت میں جو منافع حاصل کرتا تھا وہ ضعف پیری میں ان کے حاصل کرنے سے

عاجز ہو جاتا ہے۔ اور مؤمنین صالحین کے لئے ضعف و عجز کے زمانہ میں عمل کم ہو جانے کے باوجود تمام منافع اور اجور جاری رہتے ہیں اور ان کے اعمال ناموں میں درج ہوتے رہتے ہیں ان میں کمی نہیں آتی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دے دیتے ہیں کہ جو عمل خیر یہ اپنی زندگی میں کیا کرتا تھا وہ سب اس کے اعمال نامہ میں لکھتے رہو۔ دوسری حدیث میں بوڑھے، مریض اور مسافر یتیموں کے بارے میں یہی مضمون وارد ہوا ہے۔

(۳) دنیا دار مرنے کے بعد اپنی کمائی ہوئی دولت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے لیکن مؤمنین صالحین اپنے صدقات جاریہ، علوم نافعہ، اور اعمال خیر سے مرنے کے بعد بھی فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔ اور مسلسل ان کے اعمال ناموں میں ثواب کی دولتیں درج ہوتی رہتی ہیں۔ (۴) مؤمنین صالحین سے بڑھاپے میں بندگان خدا کو زیادہ فوائد پہنچتے ہیں، معذوری و ضعف کے باوجود ان کے مخلص رفقاء معتقدین باصفا بلکہ خلق خدا ان کی حیات کے آخری لمحات تک ظاہری و باطنی خصوصاً روحانی فوائد سے فیضیاب ہوتی رہتی ہے۔ اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کی کتب، ان کے جاری کردہ طرق خیر سے خلق خدا مستفیض ہوتی رہتی ہے۔ (۵) ناتوانی کے وقت حق تعالیٰ مؤمنین صالحین کو ایسے خدام باصفا عطا فرماتے ہیں جو ان کو پوری پوری راحت پہنچاتے ہیں۔ اور ان کی خدمت ان پر بار نہیں ہوتی بلکہ باعث فخر ہوتی ہے۔ یہ بات دنیا داروں کو حاصل نہیں ہوتی۔ غالباً انہیں وجوہات کی بنا پر مؤمنین صالحین کی جزاء جنت اور اسکی نعمتوں کو بیان کرنے کے بجائے لَہُمْ أَجْرٌ غَیْرُ مُمْسَوْنٍ فرمایا ہے۔ یعنی ان کے ایمان و عمل صالح کا اجر ہمیشہ رہتا ہے۔ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ ایمان و عمل کے منافع و فوائد اس عالم دنیا سے شروع ہو جاتے ہیں۔ (جن کو برکات، ایمان و اعمال سے تعبیر کیا جاتا ہے) اور ابدالاً بادان کے لئے یہ فائدہ جاری رہتے ہیں۔

### دوسری تفسیر:

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ رَدَّ ذُنْهٖ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ عام انسانوں کے لئے نہیں۔ بلکہ کفار و فجار کے لئے ہے۔ جنہوں نے خود کو خدا داد احسن تقویم، فطری صلاحیت، انسانی شرافت و کمالات اور عقل و شعور کو مادی لذتوں، اور ناپائیدار راحتوں کے پیچھے برباد کر دیا۔ تو اس ناشکری کی سزا میں ان کو اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ (جہنم کے نچلے) طبقہ میں پہنچا دیا جائیگا۔ اس تفسیر کی بنا پر اَلْاٰلِذِیْنَ کا استثناء اپنے ظاہری مفہوم پر رہے گا کہ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ میں پہنچنے سے وہ لوگ مستثنیٰ و محفوظ ہیں جو اصحاب ایمان و عمل صالح ہیں۔ کیونکہ ان کا اجر ہمیشہ جاری رہیگا۔ (یعنی اس صورت میں استثناء متصل ہوگا) دونوں تفسیروں کی بنا پر اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ میں گرجانے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ انسان سب سے بلند تھا۔ اور جتنی بلندی سے کوئی گرتا ہے اسی کے اعتبار سے تباہی آتی ہے۔ ریل کی قوت کو دیکھئے کہ ہزاروں ٹن بوجھ اور ہزار ہا انسان کو منزل مقصود تک لیجاتی ہے۔ لیکن جب لائن سے اسکا پیہ ہٹ جائے تو تباہی بھی ایسی ہی آتی ہے۔ حضرت انسان کو رفعت و قوت سب سے زائد ملی ہے اگر یہ اپنے مقام سے گرے گا تو تباہ و برباد بھی سب سے زائد ہوگا۔ انس و جن کے علاوہ کسی مخلوق کو دخول جنت اور تحصیل درجات اخروی کی استعداد و صلاحیت عطا نہیں ہوئی تو انس و جن کے علاوہ دوسری مخلوق اگر جنت میں بھی نہ جائیگی تو جہنم میں بھی تو نہ جائیگی۔ لیکن حضرت انسان اگر جنت و آخرت کی نعمت و راحت کو حاصل نہ کرے گا تو یقیناً دوزخ میں جائیگا۔ ظاہر ہے کہ یہ ال سب سے اسفل و بدتر ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ بِفَضْلِهِ۔

سوال..... سافلین جمع سالم کا صیغہ ہے جو ذوی العقول پر بولا جاتا ہے۔ اور سابقہ تفسیر سے مفہوم ہوا کہ اس کا اطلاق حیوانات وغیرہ (غیر ذوی العقول) پر ہوا ہے۔ جو بظاہر قاعدہ کے خلاف ہے۔

جواب..... سافلین سے مراد شیطین و حیوانات وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور شیطین و جنات ذوی العقول ہیں۔ ان کو دیگر مخلوقات (حیوانات وغیرہ) پر غلبہ دے کر (تغلبیا) سب پر ذوی العقول والا (جمع سالم کا) صیغہ استعمال کیا گیا۔ اور اس نوع کے اطلاقات عربی میں مشہور و مطرد ہیں۔

سوال..... بلاغت کا قاعدہ ہے کہ اگر مخاطب خالی الذہن ہے تو کلام تاکید سے خالی لایا جائے گا۔ اور مخاطب منکر ہو تو اس کے انکار کے بقدر تاکید کلام کیا جائے گا۔ مذکورہ مضمون میں انسان کا بہترین صورت میں پیدا ہونا پھر کسی کسی کا ناکارہ عمر کو پہنچنا وغیرہ کھلی ہوئی باتیں ہیں۔ کوئی ان چیزوں کا منکر نہیں۔ پھر اس کلام کو چار قسموں، لام تاکید اور لفظ قد کے ساتھ کیوں مؤکد کیا گیا۔

جواب..... اگر کسی چیز کی دلیل واضح ہو اور مدلول کا انکار کیا جائے۔ یا کسی چیز کا علم و مشاہدہ ہو اور اسکے مقتضی کے خلاف عمل کیا جائے تو یہ اس دلیل اور علم و مشاہدہ کا انکار ہی شمار ہوتا ہے۔ اب سمجھئے کہ احوال انسانی انقلابات اخروی زندگی کی جزا و سزا پر واضح دلیل ہے۔ انسان کا احسن تقویم میں ہونا اس کے سب سے اعلیٰ مقصود پر دلیل ہے لیکن جب انسان اس دلیل کے مقتضی سے روگردانی کر رہے ہیں۔ اور اپنے دلائل نفسی سے بھی آنکھیں بند کر کے اپنے مقصد عظیم سے بے رخی کر رہے ہیں۔ (من عرف نفسه عرف ربه) تو گویا وہ ان تغیرات و انقلابات کے منکر ہیں۔ اور منکر کے ساتھ تاکید کلام سے خطاب کیا جاتا ہے اور چونکہ منکرین کو اپنے انکار پر اصرار ہے اس لئے کئی تاکیدوں کیساتھ کلام لا کر مخاطبین منکرین کے انکار کو رد کر دیا گیا ہے قل فَمَا يَكْذِبُكَ بَعْدَ بِالذِّنِّ۔ پچھلی آیات میں تخلیق انسانی کے کمال اور اس پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام کا، پھر بڑھاپے کے حالات کے انقلابات کا ذکر فرما کر اس آیت میں منکرین قیامت کو تنبیہ ہے کہ قدرت الہیہ کے ایسے مناظر و انقلابات دیکھنے کے بعد بھی کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ تم آخرت و قیامت کی تکذیب کرو۔ کیا تم حق تعالیٰ کو سب سے بڑا حاکم تسلیم نہیں کرتے ہو؟ حالانکہ اس کی قدرت و حاکمیت کے کرشمے اور نظارے تم کھلی آنکھوں دیکھتے ہو۔ یہ تفسیر جب ہے کہ يَكْذِبُكَ میں خطاب منکر انسان کو ہو۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہو۔ اس صورت میں مانفی کے لئے ہوگا یا استفہام انکاری کے لئے نفی کے لئے ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ کوئی چیز آپ کو جھٹلانے والی نہیں ہے۔ آپ کی صداقت دلائل سے پختہ ہو چکی ہے۔ اور اگر ما استفہام یہ ہے اور یہ ما اپنے ہی معنی میں مستعمل ہے تو معنی یہ ہوئے کہ کیا کوئی چیز آپ کی دروغ گوئی پر دلالت کر رہی ہے؟ یعنی آپ کی سچائی پر کھلی دلیلیں موجود ہیں۔ تو کون سی چیز آپ کو قیامت کے بارے میں جھوٹا قرار دے سکتی ہے۔ اور اگر ما من کے معنی میں ہے تو مطلب یہ ہے کہ واضح دلائل آپ کی صداقت پر موجود ہیں تو کون آپ کو جھوٹا قرار دے سکتا ہے۔ کیونکہ جو آپ کے کاذب ہونے کا دعویٰ کرے گا اس کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں۔ قل هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمَ الْحٰكِمِيْنَ۔ میں ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ کفار کی تکذیب و عناد پر کبیدہ خاطر کیوں ہیں؟ کیا اللہ جل شانہ احکم الحاکمین نہیں؟ ضرور ہیں۔ لہذا وہ ضرور جزا و سزا کا فیصلہ فرمائیں گے۔ اور کفار کے لئے وعید بھی ہے جس میں عذاب کی دھمکی ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ گذشتہ جملہ کی علت ہو۔ یعنی اے انسان!

تھے تکذیب نہ کرنی چاہیے کیونکہ اللہ احکم الحاکمین ہے وہ تجھ کو عذاب دے گا۔

مسئلہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سورۃ التین پڑھے۔ اور آیت الیس اللہ یا حکم الحکیمین پر پہنچے تو وہ (اسکے بعد) بلیٰ وانا علی ذلک من الشہدین پڑھے۔ فقہاء رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سورت کے ختم پر اس کلمہ کا پڑھنا مستحب ہے۔ احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یہ کلمہ نماز میں زبان سے نہ پڑھے۔ ہاں نماز کے باہر اگر اس سورت کو تلاوت کرتا ہے تو ختم پر یہ کلمہ بھی پڑھے گا۔ دوسرے آئمہ کے نزدیک نماز اور خارج نماز بہر دو صورت یہ کلمہ پڑھا جائیگا۔

تم تفسیر سورۃ التین فالحمد للہ رب العالمین وھو احکم الحاکمین وانا علی ذالک من الشہدین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین ورحمۃ للعلمین وعلیٰ الہ وصحبہ الہادین المہتدین وعلیٰ من تبعہم الی یوم الدین

## سُورَةُ الْعَلَقِ

### سُورَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ آيَةً

(زکوع: ۱، آیات: ۱۹) سورۃ علق مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں انیس (۱۹) آیات ہیں۔ (کلمات: ۹۳، حروف: ۱۸۰)

ربط و مناسبت:

(۱) سورۃ التین میں لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ کے تحت انسان کا بہترین ساخت میں پیدا کرنا اور اس کا جامع الکمالات ہونا بیان فرمایا گیا تھا۔ اس سورت میں خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ میں اس کی پیدائش کا ایک حقیر چیز یعنی خون کی پھٹکی سے ہونا بیان کیا گیا ہے۔ گویا سابق میں انسان کی علت صوری کا ذکر ہے۔ اور یہاں علت مادی کا اظہار ہے۔ (۲) سابقہ سورت میں انسان کا جامع الکمالات ہونا مذکور ہے تو اس سورت میں اس حقیقت کو عیاں فرمایا گیا کہ انسان اپنی ذات کے اعتبار سے ایسا حقیر ہے کہ اس کا مادہ خون کی پھٹکی ہے لیکن علوم و معارف الہیہ نے اس کو جامع کمالات بنادیا۔ اور اشرف و افضل امانت کا حامل ہونے کی وجہ سے اس کو احسن تقویم میں پیدا کیا گیا ہے۔ کیونکہ مکان مکین کے مناسب ہوتا ہے (۳) اسی طرح سورۃ التین میں مکذبین اور ان کی تکذیب کے بے اثر ہو جانے کو اجمالاً بیان فرمایا گیا تو یہاں اشارۃً ایک کذب کی زبردست کوشش کے نصرت خداوندی سے ناکام ہو جانے کا واقعہ بھی ذکر فرمایا گیا۔ ان کے علاوہ دیگر لفظی و معنوی مناسبات غور و فکر سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

سب سے پہلی وحی:

سورۃ علق جس کو سورہ اقرأ بھی کہتے ہیں بالاتفاق مکہ ہے۔ اس سورت کی شروع کی پانچ آیات اقرأ سے مَالِمَ يَعْلَمُ تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا انہی پانچ آیات سے ہوئی ہے۔ جیسا کہ بخاری

و مسلم اور حدیث کی دوسری معتبر کتابوں سے ثابت ہے، جمہور سلف و خلف کا اس پر اتفاق اور اکثر مفسرین کی تحقیق یہی ہے۔  
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔ چنانچہ بعض علماء اسی کے قائل ہیں، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے اول نازل ہونے والی سورت سورۃ مدثر ہے۔ اور بعض حضرات اسی کے قائل ہیں۔ جمہور نے ان مختلف روایات میں توجیہات کی ہیں جن سے یہ ظاہری اختلاف دور ہو جاتا ہے۔

(۱) امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جمہور سلف و خلف کے نزدیک ثابت و صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلے سورہ اقرأ کی ابتدائی پانچ آیات کا نزول ہوا۔ اور جن روایات سے سورۃ مدثر کا نزول اول معلوم ہوتا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ فرقت وحی کے بعد سب سے پہلے سورۃ مدثر کی آیات نازل ہوئیں، پھر وحی کا نزول مسلسل ہو گیا۔ اور سورہ فاتحہ کا سب سے پہلے نزول جن روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ پوری سورت سب سے پہلے سورۃ فاتحہ ہی نازل ہوئی۔ اس سے پہلے چند سورتوں کی متفرق آیات گونا نازل ہو چکی تھیں مگر پوری سورت کوئی بھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ (۲) سب سے اول سورۃ اقرأ کی ابتدائی پانچ آیات ہی اتریں، مگر تعلیم سوال اور نماز میں پڑھنے کے لئے سب سے پہلے سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور ایک مدت وحی بند رہنے کے بعد سب سے پہلے سورۃ مدثر اتری۔ اس طرح تینوں کو تین اعتبارات سے اول ماسنزل من القرآن کہہ سکتے ہیں۔ (۳) وحی کے ابتدائی دور میں سورۃ اقرأ کی اولین آیات، سورۃ فاتحہ اور آیات سورۃ مدثر کا نزول ہوا۔ اس لئے سب کو بطور اولیت عرفی اول ماسنزل من القرآن کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اولیت حقیقیہ سورۃ اقرأ کی ابتدائی آیات ہی کو حاصل ہے۔ (۴) طریقہ تعلیم سکھانے کے لئے سب سے اول سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات اتریں۔ اور نماز میں پڑھنے کے لئے سب سے پہلے سورۃ فاتحہ اور دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں سب سے پہلے سورۃ مدثر کی آیات نازل ہوئیں۔ مگر ابتداء حقیقی سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات ہی کو حاصل ہے۔

### شان نزول:

بخاری و مسلم کی ایک طویل حدیث میں نبوت وحی کی ابتداء کا واقعہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس طرح منقول ہے کہ سلسلہ وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ واقعہ بن کر روز روشن کی طرح ظہور میں آ جاتا۔ اسکے بعد مخلوق سے یکسو ہو کر گوشہ نشینی و عبادت کا تقاضا قلب اطہر میں پیدا ہو گیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت و عبادت کے لئے غار حراء کو منتخب فرمایا۔

تصدّق اُن کی تنہائی پہ ہنگامہ دو عالم حراء کے غار کی قسمت کھلی عزت گزیر آئے

(غار حراء مکہ مکرمہ کے قبرستان جنة المعلیٰ سے کچھ آگے ایک پہاڑ پر ہے۔ اس پہاڑ کو جبل النور کہتے ہیں۔ اسکی بلند چوٹی دور سے نظر آتی ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ غار میں جا کر راتوں رات عبادت میں مشغول رہتے، جب تک اہل و عیال کی خبر گیری کی ضرورت پیش نہ آتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں مقیم رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ ضروری تو شہ لے جاتے اور تو شہ ختم ہونے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لاتے، پھر مزید کچھ دنوں کے لئے تو شہ لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اسی غار حراء میں تھے کہ اچانک آپ کے پاس حق آ گیا یعنی وحی پہنچی (غار حراء میں خلوت گزینی کی مدت میں علماء کا اختلاف ہے صحیحین کی روایت ہے کہ آپ نے ایک



ماہ یعنی پورے ماہ رمضان اس میں قیام فرمایا۔ ابن الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت میں اور زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب میں فرمایا کہ اس سے زائد مدت کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس غار میں رہنے کی مدت اکثر ماہ سے کم ہوتی تھی اور کبھی مکمل ایک ماہ بھی آپ ﷺ اس غار میں مقیم رہے ہیں۔ نزول وحی سے قبل آپ ﷺ کی عبادت اس غار میں کس طرح ہوتی تھی۔ بعض کہتے ہیں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعتوں کے مطابق آپ ﷺ عبادت کرتے تھے مگر نہ کسی روایت سے اس کا ثبوت ہے اور نہ آپ ﷺ کے امی ہونے کی وجہ سے یہ احتمال صحیح ہے۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عبادت مخلوق سے یکسو ہو کر اللہ کی طرف خاص توجہ اور تفکر یا تسبیح، تہلیل وغیرہ تھی (ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ وحی آنے کی صورت یہ ہوئی کہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس (انسانی شکل میں) آئے (چہرہ آفتاب کی طرح نورانی اور سر پر نورانی تاج تھا، سبز لہبانی ہوئی پوشاک تھی۔ اور آپ ﷺ سے کہا اقرأ یعنی پڑھئے آپ ﷺ نے فرمایا ما انا بقاری یعنی میں پڑھنے والا نہیں ہوں کیونکہ آپ ﷺ امی تھے) بعض روایات میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کے پاس ایک سبز ریشمی کپڑا بھی تھا۔ جس میں کچھ لکھا ہوا تھا وہ آپ ﷺ کو دکھا کر کہا پڑھئے۔ آپ ﷺ پر حضرت جبریل علیہ السلام کا مطلب اس وقت واضح نہ تھا۔ کہ آپ علیہ السلام کوئی تحریر پڑھوانا چاہتے ہیں یا اور کچھ (اس لئے آپ ﷺ نے ما انا بقاری فرما کر اپنے امی ہونے کا عذر فرمادیا) حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس جواب پر جبریل علیہ السلام نے مجھے آغوش میں لے کر اتنا دبا یا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا افسر! میں نے پھر وہی جواب دیا ما انا بقاری پھر انھوں نے دوبارہ مجھے آغوش میں لے کر اتنا دبا یا کہ مجھے تکلیف محسوس ہونے لگی۔ پھر چھوڑ دیا اور تیسری بار پھر کہا اقرأ میں نے پھر وہی جواب دیا ما انا بقاری تو تیسری مرتبہ پھر آغوش میں لے کر دبا یا اور

چھوڑ کر کہا افسر! باسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ، وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (یہ پانچوں آیات آپ ﷺ کو خوب یاد ہو گئیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد جو حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین پر پیر مارا تو ایک چشمہ ابل پڑا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو، غسل اور استنجاء کرنے کا طریقہ سکھایا پھر دو رکعت نماز پڑھوائی۔ اور سورہ فاتحہ بھی سکھائی کہ اس کو نماز میں پڑھا کریں) آپ قرآن کی یہ (سب سے پہلی پانچوں) آیات لے کر دولت کدہ پر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کانپ رہا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آ کر فرمایا ذَمِّلُونِي ذَمِّلُونِي، مجھے ڈھا پھو! کپڑا اڑھاؤ! حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کپڑے ڈالے) یہاں تک کہ یہ (لرزہ اور) ہیبت کی کیفیت رفع ہو گئی (یہ کپچی اور ہیبت کی کیفیت حضرت جبریل علیہ السلام کے خوف سے نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی اس سے بلند و بالا ہے۔ بلکہ اس وحی کے ذریعہ جو نبوت و رسالت کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپی گئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارگراں کا احساس فرما رہے تھے۔ پھر فرشتہ کو اس کی اصلی ہیبت میں دیکھنے سے اگر ایسا ہوا ہو تو طبعاً ہیبت کا طاری ہو جانا مستبعد نہیں۔

کپچی جسم میں دل منزلِ اجلالِ خدا لے کے یوں کوہِ حراء سے کوئی نامہ آیا  
حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کیفیت سے افاقہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غارِ حراء کا پورا ماجرا سنا دیا۔ اور فرمایا کہ اس سے مجھ کو ایسی کیفیت لاحق ہوئی کہ مجھ کو اپنی جان

کا اندیشہ ہو گیا۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ناکام نہ ہونے دیں گے۔ کیونکہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، بوجھ میں دے ہوئے لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں بے روزگاروں کو روزگار دلاتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اور مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں (حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ ان کو شاید کتب سابقہ سے یا ان کے جاننے والوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہوگی کہ جس شخص کے اخلاق و عادات ایسے کریمانہ و رجیمانہ ہوں وہ محروم نہیں ہوتا۔ اس لئے اس طریقہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی) اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئیں۔ یہ زمانہ جاہلیت ہی میں بت پرستی سے تائب ہو کر نصرانی ہو گئے تھے اور اس وقت دین حق یہی تھا (ورقہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھے لکھے آدمی تھے عبرانی زبان بھی جانتے تھے اور عربی تو تھی ہی ان کی مادری زبان) وہ عبرانی زبان میں لکھتے تھے، اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے۔ لیکن اس وقت وہ بہت بوڑھے تھے۔ بوڑھاپے کی وجہ سے بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے کہا۔ اے میرے چچا زاد بھائی ذرا اپنے سمجھنے کی بات سنئے۔ ورقہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حراء کا پورا واقعہ بیان فرمادیا۔ ورقہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنتے ہی کہا کہ یہ وہی ناموس اکبر یعنی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی اتارا تھا۔ کاش میں آپ ﷺ کی نبوت کے زمانہ میں قوی ہوتا۔ اور کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب کہ آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو (وطن سے) نکالے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تعجب سے) پوچھا۔ کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی؟ ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بلاشبہ ضرور نکالے گی۔ کیونکہ جب بھی کوئی آدمی وہ پیغام حق اور دین برحق لے کر آیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں تو اُس کی قوم نے اس کو ستایا ہے اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ ﷺ کی پرزور مدد و حمایت کروں گا۔ مگر ورقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے چند روز بعد ہی انتقال کر گئے۔ اور اس واقعہ کے بعد (ایک عرصہ کے لئے) وحی قرآن کا سلسلہ رک گیا (بخاری و مسلم) فترت وحی کی مدت سبیلی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق ڈھائی سال تھی۔ بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سال تھی۔ واللہ اعلم۔

فوائد:

(۱) کمالات ترقی بتدریج بنی آدم کی فطرت ہے۔ اسی فطری قاعدہ کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ازل سے خوابوں کے ذریعہ علوم غیبیہ کا القاء ہوتا رہا۔ اور عالم غیب سے مناسبت پیدا کی گئی تاکہ اسرار غیبیہ و حقائق کبریٰ کے تحمل کی رفتہ رفتہ عادت ہو جائے۔ اس کے بعد ترقی کا دوسرا مرتبہ شروع ہوا وہ یہ کہ حالت بیداری میں، خلوت و فراغ میں عالم ملکوت کا مشاہدہ ہونے لگا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت و گوشہ نشینی کا شوق ہوا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حراء میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔ اور الواہش بشریہ و کنذورات بہیمیہ سے آمینہ باطن پاک صاف ہو گیا۔ تو عیاناً عالم ملکوت کے بادشاہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی۔ یہ ترقی کا تیسرا مرتبہ تھا۔ (۲) اس تقریر سے یہ شبہ بھی حل ہو گیا کہ آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو کس طرح پہچان لیا۔ حل کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کو عالم ملکوت سے مناسبت تامہ بلکہ مشاہدہ کاملہ ہو چکا تھا۔ (۳) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین بار افسرأ کہا مگر آپ ﷺ عذر فرماتے رہے۔ اور ہر مرتبہ آپ کو دبوچا، آپ ﷺ کا عذر فرمانا تو اس لئے تھا کہ آپ ﷺ کو

افسوس کے معنی متعین طور پر معلوم نہ ہوئے تھے۔ کہ مجھ سے کیا پڑھوانا مطلوب ہے۔ اور یہ امر کوئی خلافِ شان نہیں تھا یا تعینِ مراد کے باوجود اس لئے عذر فرمایا کہ قرأت کا استعمال عموماً لکھی ہوئی چیز کے پڑھنے کے معنی میں ہوتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے حروفِ شنائہ نہ ہونے کے سبب عذر فرمایا۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام کا دباننا شاید اس لئے ہوگا کہ آپ ﷺ کے اندر باروحی کے تحمل کی استعداد کامل پیدا ہو جائے۔ یہ ایک خاص قسم کی توجہ تھی۔ اس کو صوفیہ کی اصطلاح میں توجہِ اتحادی کہتے ہیں۔ اس توجہ سے آپ ﷺ پر وحی کا بار گراں آسان ہو گیا۔ اور جو وحی نازل ہوئی آپ ﷺ نے اس کو ضبط فرمایا۔ (۴) حضراتِ صوفیہ کے نزدیک تاثیر کے اعتبار سے توجہ کی چار قسمیں ہیں۔ ان کو نسب اربع بھی کہتے ہیں۔

### (۱) نسبتِ انعکاسی

اس میں مرید کے اندر شیخ کا عکس آ جاتا ہے جب تک مرید شیخ کے سامنے رہتا ہے اسی وقت تک یہ اثر بھی رہتا ہے۔ جیسے آئینہ میں صورت اسی وقت تک نظر آتی ہے جب تک آئینہ سامنے ہو۔ یا جیسے کوئی شخص عطر لگا کر مجلس میں آیا تو اہل مجلس کے دماغ اس سے معطر ہو گئے۔ وہ شخص مجلس سے چلا گیا تو خوشبو بھی چلی گئی۔

### (۲) نسبتِ القائی

اس میں تاثیر تھوڑی دیر پا ہوتی ہے جو غفلت یا گناہ سے ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی اپنے چراغ میں تیل بقی وغیرہ درست کر کے لائے اور روشن کر کے لیجائے۔ تو جب تک اس میں تیل اور بقی ختم نہ ہوں گے وہ روشن رہیگا۔ ہاں ہوا، بارش وغیرہ کوئی مانع پیش آ جائیگا تو وہ چراغ بجھ جائیگا۔ بعض شیوخ اس نسبت کے حصول پر اجازت و خلافت بامید حفاظت عطا کر دیتے ہیں۔

### (۳) نسبتِ اصلاحی

شیخ اپنی روحانی طاقت و تصرف سے مرید کی اصلاح کر دیتا ہے۔ اور اس کے لطائف جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ پہلی دونوں نسبتوں سے قوی تر ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کارگر کسی پانی کے خزانہ سے نالی ملا دے۔ یا فوارہ جاری کر دے۔ یہ نالی اور فوارہ اسی وقت تک جاری رہ سکتے ہیں جب تک پانی کی نالیوں میں اور فوارہ کے پائپ میں کوڑا کرکٹ جمع ہو کر بند نہ ہو جائیں۔ یا پانی کا خزانہ ختم نہ ہو جائے۔ عموماً مشائخ اس نسبت پر خرقہ خلافت دیدیتے ہیں۔

### (۴) نسبتِ اتحادی

اس اعلیٰ درجہ کی تاثیر کا نام ہے جس میں مرشدِ کامل اور مرید باصفا کی روح ایک ہو جاتی ہے۔ جو کمالاتِ شیخ کی روح میں ہوتے ہیں وہ سب مرید کی روح میں آ جاتے ہیں۔ اس میں پھر بار بار استفادہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر یہ نسبت کم یاب ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

تاکس گلوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگر

یہی توجہِ اتحادی حضرت جبریل علیہ السلام نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر کی تھی۔ اس توجہ میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہمیشہ اتحادِ ظاہری و باطنی باقی رہے۔ چنانچہ یہ ملکیتِ کبریٰ آپ ﷺ کا ابتدائی حال تھا۔ پھر ترقی کا وہ مقام حاصل



إِنِّى رَّبِّكَ الرَّجُوعِ (۸) أَرَأَيْتَ الَّذِى يَنْهَى (۹) عَبْدًا إِذَا صَلَّى (۱۰) أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ

اِنْ	اِنِّى	رَبِّكَ	الرَّجُوعِ	اَرَأَيْتَ	الَّذِى	يَنْهَى	عَبْدًا	اِذَا	صَلَّى	اَرَأَيْتَ	اِنْ كَانَ
تحقیق	طرف	پروردگار ترے	پھر جانا	کیا دیکھا تو	اس شخص	منع کرتا ہے	بندہ	جب	نماز پڑھتا ہے	کیا دیکھا تو	اگر وہ

عَلَى الْهُدَى (۱۱) أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَى (۱۲) أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى (۱۳) أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ

اِذَا	عَلَى	الْهُدَى	اَوْ	اَمَرَ	بِالتَّقْوَى	اَرَأَيْتَ	اِنْ	كَذَّبَ	وَ	تَوَلَّى	اَلَمْ	يَعْلَمْ	بِأَنَّ	اللَّهَ
بھلاتا ہے	پر ہوا	یا پرہیزگاری	کا حکم دے	راہوں	بھلاتا ہے	اگر وہ جھٹلا دے	اور منہ موڑ لے	تو کیا اس کو معلوم نہیں کہ خدا	بھلاتا ہے	اگر وہ جھٹلا دے	اور منہ موڑ لے	تو کیا اس کو معلوم نہیں کہ خدا	بھلاتا ہے	اگر وہ جھٹلا دے

يَرَى (۱۴) كَلَّالٍ إِذَا يَتَتَبَعُ الْغُلَّابَ (۱۵) نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (۱۶) فَلْيَدْعُ

يَرَى	كَلَّالٍ	اِذَا	يَتَتَبَعُ	الْغُلَّابَ	نَاصِيَةٍ	كَادِبَةٍ	خَاطِئَةٍ	فَلْيَدْعُ			
دیکھتا ہے	ہرگز نہیں	اگر	نہ	بازر بیگ	البتہ گھٹنیں گے ہم	ساتھ پیشانی	پیشانی	جھوٹی	کاذبہ	خطا کار	پس چاہئے بلائے

نَادِيَهُ (۱۷) سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (۱۸) كَلَّا لَا تَطِعُهُ وَاسْجُدْوَاقْرَبْ (۱۹)

ہم بھی جہنم کے کارندے بنائے لیتے ہیں۔ ہرگز آپ اسکا کہنا نہ مانے اور نماز پڑھتے رہنے اور اللہ کا قرب حاصل کرتے رہنے									
نَادِيَهُ	سَنَدْعُ	الزَّبَانِيَةَ	كَلَّا	لَا	تَطِعُهُ	وَ	اسْجُدْوَاقْرَبْ	وَ	اقْرَبْ
مجلس اپنی	عقرب ہم بلا کیگے	فرشتوں دوزخ کے	ہرگز نہیں	مت	بہا مان اس	اور	سجدہ کر	اور	نزدیک ہو

لغات:

عَلَقَ جما ہوا خون جو خشک نہ ہوا ہو (راغب) قاموس میں ہے کہ علق بمعنی عام خون یا وہ خون جو بہت زیادہ سُرخ ہو۔ یا جما ہوا خون عِلْقَ عِلْقَةٍ کی جمع ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ عِلْقَتَہ جمع ہوئے اور بستے ہوئے خون کو مسنوح کہتے ہیں۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ اپنی متعلقہ رطوبت کے ساتھ معلق ہوتا ہے چنانچہ جب وہ رطوبت خشک ہو جائے تو پھر وہ علقہ نہیں کہلاتا عِلْقًا عِلْقًا (ن) اوپر اوپر سے چرنا، گالی دینا، چوسنا عِلْقُوقًا (س) حاملہ ہونا، بھنس جانا چمٹ جانا، محبت کرنا وغیرہ۔ الرَّجُوعِ (ض) لوٹنا، واپس ہونا۔ لَنْسَفَعًا صیغہ جمع مشکم مضارع معروف لام تاکید بانون تاکید خفیفہ۔ لَنْسَفَعَنَّ تھانون کو کتابت میں الف سے بدل دیا گیا حالت وقف کا اعتبار کرتے ہوئے۔ کیونکہ حالت وقف میں نون تاکید خفیفہ والف سے بدل دیتے ہیں۔ سَفَعًا سَفَعًا (ف) طمانچہ مارنا، زور سے کھینچنا، جھلس کر رنگ بدل دینا۔ سَفَعًا (س) سرفی مائل سیاہ ہونا۔ نَاصِيَةٍ پیشانی کے بال جبکہ لمبے ہوں ج نَوَاصٍ وَنَاصِيَتُوهَا (ن) پیشانی کے بال پکڑنا۔ پیشانی کے بالوں میں کنگھا کرنا۔ نَادَى مجلس جب تک لوگ اسمیں موجود ہوں جَ نَادِيَتُوهَا جج اَنَدِيَات۔ مَوْنَتُ نَادِيَةٍ ج نَوَادٍ وَنَادِيَات۔ نَدَانْدُوا (ن) جمع ہونا، مجلس میں حاضر ہونا، جمع کرنا، الزَّبَانِيَةُ الزَّبَانِيَةُ کی جمع ہے جیسے غَفْرِيَّة اور غَفْرِيَّت ہے بمعنی سخت جن وانس میں سے سرکش سپاہی، ان فرشتوں کو بھی کہتے ہیں جو گنہگاروں کو کھینچ کر دوزخ

میں لیجائیں گے۔ یہاں یہی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایسی جمع ہے جسکا کوئی مفرد نہیں۔ ذٰسُن سے ماخوذ ہے۔ ذٰسُن ذُنًا (ض) دفع کرنا، ٹکر لگانا، علیحدہ کرنا۔

ترکیب:

اقْرَأْ فَعْلَ بِاَفَاعِلْ مَفْعُولٌ بِهٖ مَا يُؤْحَى الْيُكْ مَحْذُوفٌ هَی، یا اپنے مجرور سے ملکر اَقْرَأْ کے متعلق ہوگا۔ یا مِلْصَقَا یا سَعْتِیْنَا کے متعلق ہو کر ضمیر فاعل سے حال ہوگا۔ الَّذِیْ خَلَقَ مَوْصُولٌ وَصْلہ مَبْدَلٌ مِنْهٖ یَا مِیْنِ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ فَعْلٌ ضَمِیْرٌ غَائِبٌ فَاعِلٌ مَفْعُولٌ بِهٖ اَوْرَ مُتَعَلِّقٌ سَے ملکر جملہ فعلیہ بدل یا بیان۔ مَبْدَلٌ مِنْهٖ بَدَلٌ سَے یا مِیْنِ بَیَانٌ سَے مَلْ کَرِصْفَتِ رَبِّ هُوَی۔ جملہ فعلیہ انشائیہ مؤکد۔ اَقْرَأْ فَعْلَ بِاَفَاعِلْ مَفْعُولٌ بِهٖ مَحْذُوفٌ جملہ فعلیہ انشائیہ۔ اَوَّلُ جملہ اَقْرَأْ الخ کی تاکید ہے و مستانفہ و رِبْکَ مَبْدَأُ الْاَلْکَرَمِ اپنی صفت سے مل کر خبر جملہ اسمیہ خبریہ، دوسرا احتمال یہ ہے کہ واو حالیہ ہو اور جملہ اَقْرَأْ کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو جائے۔ الَّذِیْ اِسْمٌ مَوْصُولٌ۔ عَلَّمَ فَعْلٌ ضَمِیْرٌ فَاعِلٌ دَوْنُوں مَفْعُولٌ مَحْذُوفٌ مِیْنِ اِیْ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ بِالْقَلَمِ مُتَعَلِّقٌ جملہ فعلیہ خبریہ صلہ۔ مَوْصُولٌ وَصْلہ مَلْکَرٌ مَبْدَلٌ مِنْهٖ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ جملہ بدل اشتمال مَبْدَلٌ مِنْهٖ بَدَلٌ سَے ملکر صفت ہوئی الْاَلْکَرَمِ کی (وفی حذف المفعولین اَوَّلًا وَذَكَرَ هُمَا ثَانِیًا وَالثَّانِی مِنْهُمَا مَنْکَرٌ، الدَّلَالَةُ عَلٰی کِمَالِ قُدْرَتِهِ وَکَرَمِهِ وَالْاِیْذَانِ بَاَنَّهُ تَعَالٰی یَعْلَمُهُ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَا یَحِیْطُ بِهٖ الْعُقُولُ وَاِنَّمَا اَظْهَرَ تَعَالٰی مَا اَنْعَمَ عَلٰی الْاِنْسَانِ تَرْقِیًّا مِنَ الْاَدْنٰی اِلٰی الْاَعْلٰی مِنَ الْمَرَاتِبِ تَقْرِیْرًا لِرُبُوبِیَّتِهِ وَتَحْقِیْقًا لَّا کَرَمِیَّتِهِ فَاَفْهَمُ، کَلَّالٌ لِّلرَّدِّ عَنِ الْحَذْفِ اَوْ بِمَعْنٰی حَقًّا۔ اِنَّ حَرْفَ تَحْقِیْقِ الْاِنْسَانَ اِسْمٌ لِّیَطْفِیْ فَعْلٌ ضَمِیْرٌ فَاعِلٌ اللّٰمُ فِیْهِ لِّلْاِکْثَادِ۔ اَنَّ مَخْفَفَهُ اِسْرَ مِیْنِ ضَمِیْرِ ثَانِیٍّ مَحْذُوفٍ اِیْ اَنَّهُ رَاٰی فَعْلٌ بِمَعْنٰی عَلَّمَ ضَمِیْرٌ فَاعِلٌ هٗ مَفْعُولٌ اَوَّلُ اِسْتَعْنٰی فَعْلٌ ضَمِیْرٌ فَاعِلٌ جملہ فعلیہ مَفْعُولٌ ثَانِیٌّ (رَاٰی بِمَعْنٰی الْعِلْمُ فَلِذٰلِکَ جَازٌ اِنْ یَّکُوْنُ فَاعِلُهُ وَمَفْعُولُهُ ضَمِیْرَیْنِ رَاجِعِیْنِ اِلٰی الْوَاحِدِ وَلَوْ کَانَ بِمَعْنٰی ابْصَرَ لَا مَتْنٌ الْجَمْعُ بَیْنَ الضَّمِیْرِیْنِ وَذَهَبَ جَمَاعَةُ اِلٰی اَنَّهُ بِمَعْنٰی ابْصَرَ یُعْطٰی لَهٗ حُکْمُ الْعِلْمِیَّةِ) یہ جملہ بتاویل مفرد یَطْفِیْ کا مَفْعُولٌ لہٗ ہوگا۔ اوروہ جملہ فعلیہ اِنَّ کی خبر ہوگا۔ اَنَّ اپنی خبر مقدمہ اِلٰی رَبِّکَ اَوْرَ اِسْمٌ مَوْخَرٌ لِّلرَّجْعِیِّ سَے مل کر جملہ و تقدیم الخبر للخصر و فی هذه الجملة التفات من الغيبة الى الخطاب۔ اَرَأَیْتَ فَعْلٌ بِاَفَاعِلْ الَّذِیْ اِسْمٌ مَوْصُولٌ یَنْتَهِیْ فَعْلٌ ضَمِیْرٌ فَاعِلٌ عَبْدًا مَفْعُولٌ بِهٖ اِذَا صَلَّی ظَرْفٌ جملہ فعلیہ مَوْصُولٌ وَصْلہ مَلْکَرٌ اَرَأَیْتَ کا مَفْعُولٌ بِهٖ۔ یہاں رُؤِیْتُ سے رُؤِیْتُ بصریہ مراد ہے۔ اَرَأَیْتَ بِمَعْنٰی اَخْبَرْنِیْ فَعْلٌ بِاَفَاعِلْ ضَمِیْرٌ مَحْذُوفٌ هٗ مَفْعُولٌ اَوَّلُ اِیْ اَخْبَرْنِیْ۔ اِنْ حَرْفٌ شَرْطٌ کَانَ فَعْلٌ نَاقِصٌ ضَمِیْرٌ اِسْمٌ ثَبَتَ عَلٰی الْهُدٰی مَعْطُوفٌ عَلَیْهِ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی جملہ مَعْطُوفٌ۔ مَعْطُوفِیْنِ خَبَرٌ کَانَ جملہ شرط ہے اور جزاء محذوف ہے جس پر اَلَمْ یَعْلَمْ دال ہے اِیْ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَطْلَعُ عَلٰی اَحْوَالِهِمْ فِیْ جَازِیْہِ، یہ جب ہے کہ کَانَ کی ضمیر ناہی کی طرف راجع ہو اور اِگر عَبْدٌ کی طرف راجع ہو تو جزاء فما تعجب منه یا مخاطب ہوگی اور جملہ شرطیہ جزائیہ اَرَأَیْتَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہوگا۔ اَرَأَیْتَ اِنْ کَذَبَ وَتَوَلٰی کی ترکیب مثل سابق (فرق یہ ہے کہ کَذَبَ اور تَوَلٰی کی ضمیر ناہی کی طرف لوٹیں گی۔ منہی یعنی عبد کی طرف نہ لوٹیں گی) اَلَمْ یَعْلَمْ پورا جملہ جزا ہوگا اگر اَوَّلُ اَرَأَیْتَ سے بھی رُؤِیْتُ قلبی ہی مراد لیجائے تو مَفْعُولٌ اَوَّلُ مَوْصُولٌ مَعہٗ صلہ ہوگا اور مَفْعُولٌ ثَانِیٌّ اَرَأَیْتَ

ثانی کے مفعول کی طرح جملہ شرطیہ محذوف ہوگا۔ جس کی جزا بھی محذوف ہوگی (ان تینوں جملوں کی ترکیب جن کے شروع میں اَرَاءَیْتَ ہے پوری تفصیل سے روح المعانی میں دیکھئے) کَلَّا بَرَاءَی رُوحَ لَیْنٍ (السلام فیہ لام الابتداء المفیدۃ للتأكيد عند الجمهور وعند الکوفیین لام القسم لان لام الابتداء عندهم لیس بموجود) اِنْ حُرِفَ شَرْطٌ، لَمْ یَنْتَه فَعْلٌ ضَمِیرُ فاعِلٍ جملہ فعلیہ شرط، لَنْسَفَعَا فَعْلٌ بِاِفاعِلٍ بِالنَّاصِیَةِ متعلق واللام فیہ عوض عن المضاف الیہ ای بناصیتہ۔ ناصیہ اپنی دونوں صفتوں کاذِبَہ خَاطِئَہ سے ملکر النَّاصِیَہ کا بدل یا بیان ہے۔ ف تَعْقِیْبِہ لَیْدَعُ فَعْلٌ امر۔ ضمیر غائب فاعِلٌ نَادِیَہ مفعول بہ ای اهل نَادِیَہ جملہ فعلیہ انشائیہ سَنَدُعُ الزَّیَّانِیَہ جملہ فعلیہ متافہ کَلَّا حُرِفَ رُوح۔ اگلے تینوں جملے انشائیہ ہیں۔

تفسیر:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ (پڑھئے آپ اپنے رب کے نام سے) یعنی جو قرآن پاک آپ ﷺ پر نازل ہونے والا ہے جس میں یہ اولین نازل شدہ پانچ آیات بھی داخل ہیں۔ جب آپ اس کی تلاوت کریں تو اپنے رب کے نام سے یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر تلاوت شروع کیا کریں۔ یہ ایسا ہی حکم ہے جیسا دوسری آیت اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اَنْ تَخْلُیْ اَعْوُذُ بِاللّٰهِ پڑھنے کا حکم ہے۔ اور بِسْمِ اللّٰهِ وَ اَعُوذُ بِاللّٰهِ کے حکم سے اصل مقصود تو کل واستعانت ہے جو واجب ہے۔ اور زبان سے کلمات تعوذ و تسمیہ کو آغاز تلاوت میں پڑھنا مسنون و مندوب ہے۔ گو اس آیت کے نزول کے وقت بسم اللہ کا آپ کو معلوم ہونا ضروری نہیں۔ بعض حکم اول اجمالاً آتا ہے اور تفصیل بعد میں ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو تسمیہ اولاً سکھا دی گئی ہو۔ چنانچہ واحدی نے عکرمہ و حسن رحمۃ اللہ علیہم سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا نزول ہوا۔ پھر سورۃ اقرأ کا ہوا۔ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ سب سے پہلے جبریل امین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لیکر آئے تو کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اعوذ باللہ پڑھیے۔ پھر کہیے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (روح المعانی) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی تو پہلے بِسْمِ اللّٰهِ نازل ہوتی تھی (تو جب سورۃ اقرأ کا نزول شروع ہوا تو پہلے بِسْمِ اللّٰهِ بھی ضرور نازل ہوئی ہوگی) (اتقان ۲۴-ج ۱) تفسیر مذکورہ پر باسم ربک میں باء زائد ہے۔ یا استبراک کے لئے ہے۔ یا الصاق یا استعانت کے لئے ہے۔

شبہ..... آغاز کلام میں اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ ہے جس کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے رب کے نام سے بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر قرآن پڑھیے تو یہ الفاظ قرآن میں داخل نہ ہونے چاہیں۔ کیونکہ ان میں تو قرأت قرآن کا امر ہے۔ اور امر بالشنی شنی سے خارج ہوتا ہے۔

جواب..... کلام ربانی محاورات انسانی میں نازل ہوا ہے۔ تو یہ اسم الہی سے قرأت کلام الہی شروع کرنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے: اَسْمَعْ مَا أَقُولُ لَکَ جو کچھ میں کہوں اس کو سن، تو اس جملہ کے بعد والے کلام کا سنانا جس طرح مقصود ہے، خود اس جملہ کا سنانا بھی مقصود ہوتا ہے۔ لہذا حاصل یہ ہوگا کہ خواہ ان آیتوں کو پڑھو (جن میں حکم قرأت باسم رب ہے) یا ان آیات کو پڑھو جو بعد میں نازل ہوں گی۔ سب کی قرأت باسم رب ہونا چاہیے۔ یہی شبہ وہاں

پیش آئے گا جہاں لفظ قل آیا ہے مثلاً قل اَوْحٰی۔ قل بَاٰیٰہِہَا الْکُفْرُوْنَ۔ قل هُوَ اللّٰهُ۔ قل اَعُوْذُبِرَبِّ الْفَلٰقِ۔ قل اَعُوْذُبِرَبِّ النَّاسِ وغیرہ اور یہی جواب مذکورہ وہاں بھی ہوگا کہ جس طرح اور اولمر قرآن یہ ہیں اسی طرح قل اور اقرا بھی ہیں۔ اور تمام اوامر جو قرآن میں ہیں قرآن میں داخل ہیں۔ خطوط، کلام اور محاورات میں، جانا چاہیے، توجہ فرمائیے، سوچئے سنئے جیسے الفاظ اور دوسری زبانوں میں ان کے مفہام جاری ہوتے ہیں اور وہ خطوط و گفتگو کے اجزاء ہوتے ہیں فافہم۔

### اسم رب کی خصوصیت:

آیت میں بِاسْمِ رَبِّکَ فرمایا باسم اللہ نہیں فرمایا کیونکہ لفظ اللہ ذات واجب الوجود کا علم ہے۔ اور معرفت ذات کا طریقہ صرف آثار و صفات میں غور و فکر ہے۔ اور صفات باری میں سب سے زیادہ واضح اور نمایاں تعلق ہم سے صفت ربوبیت و تخلیق کا ہے۔ تخلیق ربوبیت کی صفات اس بات پر دلیل ہیں کہ تمام ممکنات متغیر و زوال پزیر اور فانی ہیں۔ جو ان کے حادث ہونے کی علامت ہے۔ اور ہر حادث کے لئے ایسے خالق کی یقیناً ضرورت ہے جو زلی، ابدی ہو۔ اور جو حدوث و نقصان، فنا و زوال اور تغیر احوال سے مبرا ہو۔ اسلئے معرفت ذات کے لئے معرفت ربوبیت اولین شرط ہے۔ لہذا بِاسْمِ رَبِّکَ نہایت مناسب و بر محل ہے۔

سوال: حضرات صوفیہ اسمائے صفات سے قطع نظر کر کے اسم ذات کو ذکر کے لئے کیوں اختیار کرتے ہیں؟ جواب: کیونکہ سفر طریقت ذات واجب تعالیٰ پر ایمان کے بعد اسی کی طرف شروع ہوتا ہے۔ اس کے لئے صوفی کے حق میں اسم ذات ہی اولیٰ ہے۔ پھر اسم ذات میں تمام صفات اجمالاً آ جاتی ہیں۔ کیونکہ اسم ذات متجمع و حاوی ہوتا ہے تمام صفات پر، اسلئے اسم ذات ہی ذات سے زیادہ قرب رکھتا ہے۔ اور صوفی کا مقصود اعلیٰ و اصلی ذات ہی ہے۔ (ف) لفظ رب سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم آپ کی مکمل تربیت کریں گے۔ اور نبوت و رسالت کے اعلیٰ درجات پر پہنچائیں گے۔

### دوسری تفسیر:

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَقْسَرُ آئیں مطلق قراءت کا حکم ہے۔ قرآن وغیرہ کسی چیز کی تخصیص نہیں۔ نفس فعل عدم تعین مفعول میں الف لام جنسی کی طرح قلیل و کثیر کو حاوی اور عام ہوتا ہے۔ اس صورت میں باء استعانت کی ہوگی۔ اور یہ جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مَسَاٰنَا بِقَارِی کا جواب ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ آپ پڑھئے۔ اپنی قوت و علم کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے رب کی مدد سے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح پر بِاسْمِ رَبِّکَ میں لفظ اسم زائد ہوگا جیسے سَبَّحَ اسْمُ رَبِّکَ میں اسم زائد ہے۔

فائدہ..... پہلی ہی وحی میں اس طرف اشارہ ہو گیا کہ جس کتاب کی یہ پہلی وحی ہے وہ پڑھی جانے اور لکھی جانے والی کتاب ہے۔ دیگر کتب کی طرح نہیں کہ ٹونوں، ٹوکوں کی طرح چھپائی جائے۔ نیز جس ذات گرامی پر یہ کلام اتر رہا ہے۔ اس نبی امی کا خصوصی معجزہ اور ان کی امت کا امتیازی نشان علم ہوگا۔ چنانچہ قرآن مقدس جتنا لکھا پڑھا گیا دنیا میں کوئی کتاب اس کی مقابل نہیں اور نبی امی کا سب سے عظیم معجزہ بھی کتاب علم (قرآن مقدس) ہی ہے۔ اور آپ کی شان اقدس اَوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ کی صفت سے مزین ہے۔ اور آپ کی امت کو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں



کی برکت سے جس قدر علم ملا ہے ساری دنیا کو ان کے پاسنگ بھی نہیں ملا۔ کیونکہ جس طرح ذاتِ نبی صفاتِ ربّانی کا آئینہ ہوتی ہے اسی طرح امت بھی اپنے نبی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ الَّذِي خَلَقَ یہ لفظ رب کی صفت کا شفعہ ہے۔ تخلیق تقاضہ ربوبیت ہے۔ کیونکہ ربوبیت کے معنی ہیں کسی چیز کو عدم سے وجود اور نقص سے کمال کی جانب بتدریج و کمال شفقت لیجانا۔ خَلَقَ کا مفعول بہ مذکور نہیں جس کا فائدہ عموم ہے۔ کوئی خاص مفعول ذکر کیا جاتا تو تخصیص کا وہم ہو سکتا تھا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ یا یہ کہنے کے خَلَقَ فعل متعدی کو فعل لازم کی جگہ میں استعمال کیا گیا۔ کیونکہ مقصود اس سے رب کی صفتِ تخلیق و تکوین کی خصوصیت کا بیان کرنا ہے۔ نیز حق تعالیٰ کی نعمتوں میں اولاً ظہور اسی نعمت کا ہوتا ہے۔ اس لئے مقام تذکیر میں رب کے بعد اسی صفتِ تخلیق کو لایا جانا مناسب ہوا۔ رب کی اضافت کا ف خطاب کی طرف کر کے بتایا گیا کہ حق تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کی طرف متوجہ ہیں۔ اس لئے تربیت میں آپ تمام مخلوقات سے ممتاز و منتخب ہیں۔ اب یہ خیال کہ کلام قدیم کو کس طرح پڑھایا جائیگا جبکہ بندہ حادث ہے۔ تو اللہ کی صفتِ خلق کو یاد کیجئے جس نے اپنی صفتِ قدیمہ خالقیت کا مظاہرہ فرما کر کائنات کو پیدا کیا۔ وہ رب کائنات و خالق مخلوقات اپنے کلام قدیم کو محاوراتِ انسانی کے قالب میں ڈھال کر اپنے بندوں کی زبان پر جاری فرمادے تو یہ اس قادر مطلق و خالق برحق کی قدرت میں ہے۔ اب رہا یہ خیال کہ انسان ذلیل و کلام عزیز میں کوئی مناسبت نہیں۔ تو جس حق تعالیٰ نے انسان کو ایک خون جھسی چیز سے پیدا فرما کر عزت و کرامت کا تاج اس کے سر پر رکھا۔ اس کو اشرارِ مخلوقات بنایا اور احسنِ تقویم میں پیدا فرما کر ایسی روح سے نوازا دیا کہ وہ اسرارِ البیہ کی حامل ہے۔ تو وہ اس کو اپنے کلام کا حامل بھی بنا سکتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے: خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ پوری کائنات کی تخلیق کے بعد اس آیت میں حضرت انسان کی تخلیق کا بیان ہے۔ کیونکہ تمام کائنات کا خلاصہ انسان ہے۔ اس عالم اصغر میں عالم اکبر کے تمام نمونے اور نظائر موجود ہیں۔ نبوت و رسالت اور قرآن و احکام کے نازل کرنا مقصد احکامِ البیہ کی تکمیل و تنفیذ ہے۔ وہ انسان ہی کیساتھ مخصوص ہے۔ نیز ربوبیت خداوندی کا مظہر اتم انسان ہی ہے۔ اسی طرح معرفتِ حق کا فرد اکمل بھی انسان ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے كنت كنزاً مخفياً فاحببت ان اعرف فخلقت المخلوق۔

فائدہ..... ۱: علق کے معنی مطلق خون یا منجمد خون کے ہیں۔ انسان کی تخلیق پر مختلف دور گزرتے ہیں۔ اسکی ابتداء مٹی اور عناصرِ راجعہ ہیں۔ پھر نطفہ اسکے بعد علقہ یعنی منجمد خون پھر مضغہ یعنی گوشت پھر ہڈیاں وغیرہ۔ علقہ ان تمام ادوار میں ایک درمیانی حالت ہے اس کو ذکر کرنے سے اس کی دونوں طرفوں (اول و آخر) کی طرف اشارہ ہو گیا۔ دوسرے خون انسان کی خلقت و پیدائش اور بقاء سب کے لئے ضروری ہے۔ بخلاف مٹی اور منی وغیرہ کے کہ وہ ابتداء میں ضروری ہیں اور بقاء میں نہیں۔ اس لئے انسان کے ایسے مادہ کا ذکر کیا جو اول سے اخیر تک ہمہ وقت انسان کے ساتھ موجود رہتا ہے۔

پھر اسی خون سے جو ذلیل بھی ہے اور ناپاک بھی اعضائے جسمانی بھی وجود میں آتے اور قائم رہتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ پاکیزہ روح بھی یگانگت و اتحاد پیدا کر لیتی ہے۔ جملہ ظاہری و باطنی قوی کا تعلق اسی سے ہوتا ہے۔ ان متضاد اشیاء کا اتحاد بتاتا ہے کہ حضرت انسان وحی و اسرارِ البیہ کا حامل بھی بن سکتا ہے۔ یہ اللہ جل شانہ کی قدرت کا عجیب کرشمہ اور معرفتِ البیہ کے لئے ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔

فائدہ..... ۲: اول خَلَقَ کا مفعول بہ عام مانا گیا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ کافِ خطاب مفعول بہ محذوف ہو ای

اللّٰہی خَلَقَک سوال پیدا ہوا کہ کس چیز سے پیدا کیا؟ تو بطور استیفاف خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ جنس انسان کی تخلیق بیان کر کے مخاطب کی تخلیق پر اشارہ الٰہی طریقہ پر فرمادیا۔ کیونکہ کنا یہ تصریح سے الٰہی ہوتا ہے۔ اس میں آپکا زبردست احترام بھی ہے۔ اور کلام بلکہ ہر کمال کی عطا کی خوشخبری بھی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ فعل اول کا مفعول بہ محذوف الْاِنْسَانَ ہو اور ثانی خَلَقَ الْاِنْسَانَ اس کی تاکید اور توضیح ابہام کے لئے ہو۔ اور اس سے عظمت انسانی کا اظہار بھی مقصود ہو۔ اور تخلیق انسانی کے متعلق کلام کو مخاطب کے لئے دل نشین بنانا بھی منظور ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ الْاِنْسَانَ سے بھی ذاتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہو اور خصوصیت ذکر آپ کے شرف کی وجہ ہو۔ واللہ اعلم۔

اِقْرَآ یہ تکرار مبالغہ و تاکید کے لئے ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ پہلے اِقْرَآ میں آپ کو خود اپنے لئے تلاوت قرآن پاک کا حکم ہے اور دوسرے اِقْرَآ میں تبلیغ امت کے لئے پڑھنے کا حکم ہے، کیونکہ اوروں کی طرح آپ بھی احکام کے مکلف ہیں اور تبلیغِ تعلیم پر بھی مامور ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اول اِقْرَآ میں نماز میں قرأت کا حکم ہے اور دوسرے میں خارج نماز۔ بعض کہتے ہیں پہلا حکم خود حضرت جبریل علیہ السلام سے سیکھنے کے لئے ہے اور دوسرا دوسروں کو سکھانے کے لئے ہے۔ واللہ تعالیٰ۔

وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ صفتِ اکرم میں اس طرف اشارہ ہے کہ تخلیق عالم و تخلیق انسان میں اللہ تعالیٰ کی نہ اپنی کوئی غرض ہے نہ اپنا کوئی نفع بلکہ یہ سب کچھ اس کی جود و کرم کا تقاضا ہے۔ کہ بن مانگے کائنات کو جود کی نعمت عظمیٰ عطا فرما کر اس پر دیگر دوسری بیشمار نعمتوں کی بارش فرمادی۔ اکرم: اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ یعنی وہ ان کریموں میں سب سے بڑا کریم ہے جن کا وجود واقعی یا فرضی مانا جائے یا بمعنی کریم صفت مشبہ ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ صفات خداوندی میں اَفْعَل و فَعِل کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی کریم ہے اس کی ذات و صفات میں چونکہ کوئی شریک نہیں اس لئے اللہ کی صفتِ کرم و رحمت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ دوسرے جو کرم و رحمت خداوندی کے آئینے ہیں ان کو مجازاً کریم و رحیم کہہ دیا جاتا ہے۔ اس جملہ میں اس عذر کو بھی رفع فرمایا گیا جو آپ نے جبریل امین کے سامنے مانا بھاری فرما کر کیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ گواہی ہیں۔ مگر آپ کا رب تو بہت بڑا کریم ہے۔ وہ ایک امی کو اگر کائنات کے داناؤں کا امام و تاجدار بنادے تو اس کے کرم سے کیا بعید ہے۔

الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ بعض علماء کہتے ہیں کہ عَلَّمَ کا مفعول بہ محذوف ہے۔ اور بِالْقَلَمِ کا تعلق اسی سے ہے اِی عَلَّمَ الْخَطَّ بِالْقَلَمِ یعنی اس رب اکرم نے قلم سے لکھنے کا طریقہ سکھایا۔ تاکہ علوم اور کتابیں مفید ہوں اور باقی رہ سکیں۔ اور دُور دراز علوم کی اشاعت ہو سکے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ بِالْقَلَمِ کا تعلق عَلَّمَ سے ہے۔ یعنی قلم کے ذریعہ سے اللہ نے علوم سکھائے۔ پھر الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ (مرکب توصیفی) کی خبر ہے۔ یا یہ دوسری خبر ہے۔ اور پہلی الْاَكْرَم ہے۔ یا الْاَكْرَم صفتِ اول ہے اور یہ دوسری صفت کا حشفہ ہے جس سے رب تعالیٰ کی اکریمیت کی وضاحت ہوتی ہے۔ کیونکہ علوم کا سکھانا اور افادہ علوم کے اسباب کا پیدا کرنا اللہ کا بڑا کرم ہے۔ اور قلم جیسی بے جان چیز سے علوم کے سمندر بہا دینا اس کی عجیب قدرت اور شانِ اکریمیت کا حیرت انگیز کرشمہ ہے۔

تعلیم کا اول اور اہم ذریعہ قلم ہے:

سب سے پہلے تعلیم تحریر کا ذکر، تحریر کی عظمت کو ظاہر کر رہا ہے۔ کیونکہ علوم کا تحفظ اکثر تحریر سے ہوتا ہے۔ اور سیکھنے

سے مقصد تحفظِ علوم ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لما خلق اللہ الخلق کتب فی کتابہ فہو عندہ فوق العرش ان رحمۃ علی غلبت علی غضبی یعنی اللہ تعالیٰ نے ازل میں مخلوق کو پیدا فرمایا تو اپنی کتاب میں جو عرش پر اللہ کے پاس ہے یہ لکھ دیا تھا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے اول ما خلق اللہ القلم فقال لہ اکتب فکتب ما یكون الی یوم القیمۃ فہو عندہ فوق عرشہ یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو لکھنے کا حکم دیا۔ اس نے وہ تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھ دیں۔ یہ کتاب اللہ کے پاس عرش پر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ نے قلم کو پہلے پیدا فرمایا۔ لکھوانے کا اہتمام فرمایا۔ یہاں بھی اقرأ کے بعد تعلیم انسان سے پہلے تعلیم بالقلم کا ذکر فرمایا۔ جس سے تحریر کی اہمیت واضح ہوتی ہے القلم صیاد العلوم ولولا القلم لمقام الدین ولا صلح العیش۔ تمام امور دنیویہ و دینیہ کا نظام و تحفظ قلم ہی کے ذریعہ ہے۔ والتفصیل فی تفسیر عزیزی۔ علمائے سلف و خلف نے ہمیشہ تعلیم و تعلم میں کتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے جس پر ان کی تصانیف آج بھی شاہد ہیں۔ مگر دورِ حاضر میں اس سے بہت غفلت ہے۔

### کتابت اللہ کی بڑی نعمت ہے

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو دین قائم نہ رہتا نہ دنیا کا نظام۔ کما مر آنفا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو وہ نہ جانتے تھے۔ اور ان کو جہالت کی تاریکی سے نورِ علم کی طرف نکالا۔ اور علم کتابت کی ترغیب دی اس میں بی شمار منافع ہیں جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ تمام علوم و حکم کی تدوین اولین و آخرین کی تاریخ، ان کے حالات و مقالات، اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں ہیں سب علم ہی کے ذریعہ لکھی گئیں۔ اور دنیا میں باقی رہیں۔ اگر قلم نہ ہوتا تو دین و دنیا کے تمام کام معطل و محفل ہو جائیں۔

### قلم کی تین قسمیں:

پہلا قلم وہ ہے جس کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے فرما کر اس سے تقدیر کائنات لکھوائی۔ دوسرا فرشتوں کا قلم ہے جس سے وہ اوقات و مقادیر و اعمال لکھتے ہیں۔ تیسرا انسانوں کا قلم ہے۔ تفصیل ہم سورہ قلم میں لکھ چکے ہیں۔ امام تفسیر حضرت حجازی نے ابو عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دستِ قدرت سے بنائی ہیں۔ ان کے سوا باقی مخلوقات امرِ گن سے پیدا کیں۔ وہ چار چیزیں قلم، عرش، جنت عدن اور آدم علیہ السلام ہیں۔

### علم کتابت دُنیا میں سب سے پہلے کس کو دیا گیا؟

بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے فن کتابت ابو البشر آدم علیہ السلام کو سکھایا گیا۔ (کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ) بعض نے فرمایا کہ سب سے پہلے یہ فن حضرت ادریس علیہ السلام کو ملا ہے۔ اور سب سے پہلے کاتبِ دنیا میں وہی تھے (ضحاک رحمۃ اللہ علیہ) بعض کہتے ہیں کہ جو بھی کتابت کرتا ہے وہ تعلیمِ منجانب اللہ ہے۔

کتابت و وحی میں کمالِ مناسبت ہے:

تعلیمِ قلم کا سلسلہ اس طرح ہے کہ اول معنی ذہن میں متعین ہوتے ہیں۔ پھر قوتِ خیالیہ ان کو الفاظ کا جامہ پہناتی ہے۔ اس کے بعد قلم کے ذریعہ وہ نقوشِ خطیہ کی صورت میں کاغذ پر ظہور کرتے ہیں۔ پھر پڑھنے والا ان کو معلوم کرتا اور سمجھتا ہے۔ سلسلہ وحی بھی اسی طرح سے ہے۔ کہ اول کلامِ نفسی اشکال و الفاظ سے مبرا تھا۔ پھر لوحِ محفوظ میں الفاظ کی صورت اختیار کی۔ پھر بواسطہ جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفحہ خیال میں منقش ہوا۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیضِ ترجمان سے ہر خاص و عام کو پہنچا، اور انہوں نے اس کو سمجھا۔ لہذا نعمتِ قلم کو امکانِ وحی ربانی کے اثبات میں دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ شاید تعلیمِ بالقلم کو اس موقع پر ذکر کرنے میں یہ حکمت بھی مضمر ہو۔ واللہ اعلم۔

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیمِ کتابت کیوں نہ دی گئی؟

حق جل مجدہ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کو لوگوں کے فکر و قیاس سے بالاتر بنانے کے لئے اول سے اخیر تک آپ کے ایسے حالات بنائے تھے کہ جن میں کوئی انسان اپنی ذاتی کوشش و محنت سے کوئی کمال حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ جائے پیدائش کے لئے صحرائے عرب تجویز ہوا۔ جو متمدن دنیا اور علم و حکمت کے گہواروں سے بالکل کٹا ہوا تھا۔ اور راستے اور مواصلات اتنے دشوار گزار تھے کہ شام، عراق اور مصر وغیرہ کے متمدن شہروں سے یہاں کے لوگوں کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ اس لئے اہل عرب سب کے سب امیین کہلاتے تھے۔ ایسے ملک اور ایسے قبائل میں آپ پیدا ہوئے۔ اور پھر حق تعالیٰ نے ایسے سامان و اسباب فراہم کئے کہ عرب کے لوگوں میں جو خال خال علم و خط و کتابت سیکھ لیتا تھا۔ آپ کو اس کے سیکھنے کا بھی موقع نہ دیا گیا۔ ان حالات میں پیدا ہونے اور پلنے بڑھنے والے انسان سے علم و حکمت اور اخلاقِ فاضلہ عالیہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کو اسی ماحول میں رکھ کر حق تعالیٰ نے اخلاقِ معلیٰ پر تربیت دی۔ اور خلعتِ نبوت و رسالت سے سرفراز فرما کر علم و حکمت و تربیت کا ایک غیر منقطع سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے جاری فرمادیا۔ آپ نے وہ کلامِ بلاغت نظامِ پیش فرمایا کہ اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے عرب کے بڑے بڑے فصحاء، بلغاء، شعراء، اور زبان آور دم بخود اور عاجز و سرنگوں ہو گئے۔ یہ ایک ایسا گھلا ہوا معجزہ تھا کہ کوئی ادنیٰ عقل والا انسان بھی یہ یقین کے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کے کمالات کسی سعی و عمل کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ نبی عطیات ہیں جس ذاتِ گرامی نے کسی معلم و ادیب، شاعر و کاتب کے سامنے ایک مرتبہ بھی زانوئے ادب نہ کئے ہوں، چالیس سالہ پاکیزہ زندگی میں علم، شعر و کتابت کا جس ذات میں کوئی تصور بھی نہ ہو سکتا ہو وہ ایک بیک ایسا علم و حکمت، فصاحت و بلاغت سے لبریز کلامِ قوم کے سامنے پیش کر دے یہ ایک نبوی معجزہ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ آپ کی علم کتابت نہ سکھانے میں یہ عظیم حکمت پوشیدہ تھی۔

يَا خَاتَمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَكِ صُنْوَ. صَلَّى عَلَيْكَ مُنْزِلَ الْقُرْآنِ

تعلیم کے اور بھی بہت سے ذریعے ہیں:

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ اس سے پہلی آیت میں تعلیم کے ایک خاص ذریعہ کا ذکر تھا۔ جو عام طور پر تعلیم کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی قلم کے ذریعہ تعلیم، اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اصل تعلیم دینے والا تو حق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ وہی مؤثر بالذات ہے۔ اگر وہ تعلیم نہ دینا چاہے تو قلم بھی اس کے حق میں بے سود ہے۔ اور وہ تعلیم دینا چاہے تو تعلیم دینے

میں اس مسبب الاسباب و معلم حقیقی کو قلم کی حاجت نہیں۔ وہ بغیر کسی سبب ظاہری کے بھی تعلیم سے سکتا ہے۔ اور قلم کے علاوہ دوسرے اسباب اور ذریعوں سے بھی دے سکتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ ناواقف تھا۔ آیت میں قلم یا کسی دوسرے ذریعہ تعلیم کا ذکر نہ فرمانے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی یہ تعلیم انسان کی ابتدائے آفرینش سے جاری ہے۔ اول اس میں عقل پیدا کی۔ جو سب سے بڑا ذریعہ علم ہے۔ انسان اپنی عقل سے خود بغیر کسی تعلیم کے بہت سی چیزیں سمجھتا ہے پھر اس کے پس و پیش میں اپنی قدرت کاملہ کے ایسے مناظر و دلائل قدرت نے رکھ دیئے ہیں کہ جن کا مشاہدہ کر کے وہ اپنی عقل کے ذریعہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان سکتا ہے۔ پھر وحی و الہام کے ذریعہ بہت سی چیزوں کا علم انسان کو دیا۔ اور کتنی چیزوں کا علم انسان کے ذہن میں بلا کسی واسطہ کے خود بخود پیدا فرما دیا۔ ایک بے شعور بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے بعد اپنے مرکز غذا یعنی ماں کی چھاتیوں کو پہچان لیتا ہے۔ پھر ان سے دودھ حاصل کر نیکا طریقہ بھی خود ہی جان لیتا ہے۔ یہ اس کو کون سکھا سکتا تھا۔ کہ چھاتیوں کو دبا کر اس ترکیب سے دودھ چوس کر دبا کر اس ترکیب سے دودھ چوس کر نگل لے۔ یہ معلم حقیقی کی قدرتی تعلیم ہی کا کرشمہ ہے پھر رونے کا ہنر اس کو قدرت نے ولادت کے ساتھ ہی سکھا دیا۔ بچہ کا یہ رونا اس کی تمام ضروریات کے پورا ہونیکا ذریعہ بنتا ہے۔ اس کو روتا ہوا دیکھ کر ماں باپ اس فکر میں پڑ جاتے ہیں کہ اس کو کیا تکلیف یا کیا ضرورت ہے۔ اس کی بھوک، پیاس، سردی، گرمی وغیرہ کی تمام ضروریات اس رونے ہی سے پوری ہوتی ہیں۔ یہ رونے کی تعلیم قدرت کے سوا بچہ کو کون دے سکتا تھا۔ اور کس طرح دے سکتا تھا۔ اس قسم کے تمام علوم وہی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار خصوصاً حضرت انسان کے ذہن میں بغیر کسی ذریعہ کے اپنی قدرت سے پیدا فرمادیئے ہیں۔ اس کے بعد پھر زبانی تعلیم، قلبی تعلیم وغیرہ کے ذریعہ ان علوم و ہیہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰی۔

یہاں مَا لَمْ يَعْزَمْ (جس کو وہ جانتا تھا) کی قید کی بے ظاہر ضرورت تھی کیونکہ تعلیم تو ایسی چیز کی ہوتی ہے جس کو انسان نہیں جانتا۔ یہ قید اس وجہ سے بڑھائی کہ خدا داد علم و ہنر کو انسان اپنا ذاتی کمال نہ سمجھ بیٹھے۔ مَا لَمْ يَعْزَمْ سے تنبیہ کر دی کہ ہر انسان پر ایسا وقت بھی آیا ہے جب وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا (اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے) معلوم ہوا کہ انسان کو جو بھی علم و ہنر ملا ہے وہ اس کا اپنا ذاتی کمال نہیں۔ سب خالق و مالک ہی کا عطیہ ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان میں جن کو تعلیم دی گئی۔ وَعَلَّمَ اَدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ آخری پیغمبر ہیں جن کی ذات گرامی میں تمام انبیائے سابقین کے علوم اور لوح و قلم کے علوم موجود ہیں۔

فان من جودك الدنيا وما فيها ومن علومك علم اللوح والقلم  
یعنی دنیا و ما فیہا آپ کی سخاوت کا ایک جزء ہے۔ اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کا ایک حصہ ہے

انسان کا علم لوح محفوظ سے بھی زائد ہے:

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ کو یا قلم کی قید سے متقید نہیں فرمایا اور مفعول بہ الْاِنْسَانَ کو ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے جملہ میں مفعول بہ کو ذکر نہیں کیا۔ اور بِالْقَلَمِ کی قید کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے اشارہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا علم اور

کائنات سے زائد ہے کیونکہ پہلے جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور دوسری مخلوق (ملائکہ وغیرہ) سب کو قلم کے ذریعہ سے علم دیا ہے۔ اور قلم سے دیا ہوا علم تمام کام لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ کوئی چھوٹی بڑی، خشک و تر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں درج نہ ہو۔ لیکن انسان کو دیا ہوا علم مکتوب لوح محفوظ کے علاوہ بھی ہے حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ اگر علم آدم صرف وہی تھا جو لوح محفوظ میں مکتوب ہے تو فرشتے جواب کیوں نہ دے سکے۔ اور ﴿سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا﴾ کے ساتھ معذرت کیوں کی؟ پھر اللہ تعالیٰ کا علم حضوری قدیم ہے۔ حصولی نہیں، کہ لوح محفوظ اس کو محیط ہو سکے۔ اور قلم اس کو لکھ سکے۔ (مظہری) یہاں تک سورۃ اقرآ کی وہ پانچ آیات تھیں جو سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ اس کے بعد آیات کافی عرصہ کے بعد نازل ہوئیں ہیں۔ کیونکہ باقی آیات اخیر سورۃ تک ابوجہل کے ایک خاص واقعہ سے متعلق ہیں۔ اور ابتدائے وحی و نبوت کے وقت مکہ میں کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف نہ تھا۔ اہل مکہ آپ کو صادق اور امین جیسے القاب سے پکارتے اور آپ سے محبت و تعظیم کا برتاؤ کرتے تھے۔ ابوجہل کی مخالفت و دشمنی خصوصاً نماز سے روکنے کا واقعہ جو آگے آنے والی آیات میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ اس وقت کا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت و دعوت کا اعلان فرمادیا تھا۔ اور شب معراج میں آپ کو نماز کا حکم ہو چکا تھا۔

### انسان کی سرکشی:

ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی کہ ابوجہل نے لوگوں سے کہا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری موجودگی میں خاک پر چہرہ رگڑتا (سجدہ کرتا) ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں ابوجہل بولالات وعزائی کی قسم اگر میں نے اس کو ایسا کرتے دیکھ لیا تو پاؤں سے اس کی گردن روٹا دوں گا۔ اور اس کے منہ کو مٹی میں رگڑ دوں گا۔ اس پر کلاماً سے اخیر تک آیات نازل ہوئیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے روکا اور کہا کہ آئندہ اگر نماز پڑھیں گے تو ایسا ایسا کر دوں گا یعنی اوپر ذکر کی ہوئی دھمکی دی تھی۔

﴿كَذَٰلِكَ الْإِنْسَانُ لِرَبِّهِ لَٰطِفٌ﴾ اس آیت کا روئے سخن اگرچہ خاص شخص یعنی ابوجہل کی طرف ہے۔ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی۔ مگر عنوان عام ہے۔ جس میں عام انسانوں کی ایک کمزوری بیان کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ انسان جب تک دوسروں کا محتاج رہتا ہے تو وہ سیدھا چلتا ہے۔ اور جب اس کو یہ گمان ہو جائے کہ میں کسی کا محتاج نہیں ہوں۔ اور میں سب سے بے نیاز ہوں تو اس میں سرکشی اور ظلم و جور کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ عموماً اہل دولت، ارباب حکوم اور اصحاب شوکت و کثرت میں اس کا بکثرت مشاہدہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے تمول و اقتدار اور جتنے کی طاقت میں مست ہو کر کسی کو نظر میں نہیں لاتے۔ چونکہ ابوجہل کا بھی یہی حال تھا کہ وہ مکہ کے خوشحال لوگوں میں سے تھا۔ اور اکثر لوگ اس کی تعظیم کرتے۔ اور اس کی بات مانتے تھے وہ بھی اسی پندار میں مبتلا ہوا۔ یہاں تک کہ سید الانبیاء اشرف الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی میں گستاخی کر بیٹھا۔ اگلی آیات میں ایسے سرکشوں کے انجام بد پر تنبیہ ہے۔

﴿إِنَّ إِلٰهَ رَبِّكَ الرَّجْعِيُّ﴾ اس کے معنی یہ ہیں کہ سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اور اپنے اچھے بُرے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس وقت سرکش اپنی سرکشی کا مزہ چکھ لیگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طافی اور سرکش انسان کو خطاب کیا گیا ہو۔ اور کلام میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہو۔ اور الرجعی میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہو۔ ای

دجھاک مطلب یہ ہے کہ اوسرکش ظالم تجھ کو اپنے رب کے پاس جا کر اس کی بارگاہ میں حساب دینا پڑے گا یہ بھی ممکن ہے کہ اس جملہ میں مغرور انسان کے غرور کا علاج بتایا گیا ہو۔ کہ اے احمق تو خود کو مستغنی و خود مختار سمجھتا ہے۔ اگر تو غور کرے تو تو اپنی ہر حالت اور ہر حرکت و سکون میں اپنے رب تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اگر اس نے تجھے بظاہر کسی انسان کا محتاج نہیں بنایا تو کم از کم اس پر تو غور کر لے کہ اپنے مالک کا تو تو ہر وقت ہر چیز میں محتاج ہے، اور انسانوں کی محتاجی سے بھی خود کو بے نیاز سمجھنا ایک مغالطہ ہی ہے۔ کیونکہ ہر انسان مدنی الطبع اور ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ وہ اکیلا اپنی کسی ایک ضرورت کو بھی پورا نہیں کر سکتا۔ اگر انسان اپنے ایک لقمہ ہی میں غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ ہزاروں انسانوں، حیوانوں اور دوسری مخلوقات کے عمل اور مدت دراز تک کام میں لگے رہنے کا نتیجہ ہے جس وہ نہایت بے فکری کے ساتھ خلق سے اتار لیتا ہے۔ اور ہزار ہا انسانوں کو اپنی خدمت میں لگا لیتا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہی حال اس کے لباس اور دوسری تمام ضروریات کا ہے کہ ان کے مہیا کرنے میں ہزاروں لاکھوں انسانوں اور جانوروں کی محنت کا دخل ہے۔ جو نہ کسی انسان کے غلام ہیں اور نہ نوکر، مگر ایک نظام قدرت ہے کہ ہر انسان و حیوان اس قدرتی نظام کی لڑی میں منسلک ہے ان باتوں میں غور و فکر سے انسان پر یہ راز کھلتا ہے کہ میری تمام ضروریات مہیا کرنے کے لئے خالق کائنات نے ایک عجیب و غریب نظام اپنی قدرت کا ملہ و حکمت بالغہ سے بنایا اور چلایا ہے۔ کسی کو کاشت میں لگایا، کسی کو کاشت کے آلات تیار کرنے کے لئے بنجارا و آہنگر بنایا۔ کسی کو محنت و مزدوری پر راضی کر دیا۔ کسی کو صنعت و تجارت پر راغب کر دیا وغیرہ، نہ کوئی حکومت قانون کے ذریعہ اس کا نظم کر سکتی ہے۔ نہ کوئی جماعت یا فرد۔ اس لئے اس غور و فکر کا لازمی نتیجہ السی ذئک الرجعی ہے۔ یعنی انجام کار سب چیزوں کا حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے تابع ہونا مشاہدہ میں آ جاتا ہے۔ غرور و خود فریبی کی جڑیں کٹ کر قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت و معرفت جاڑیں ہو جاتی ہے۔

اَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا اِذَا صَلَّى سے سرکش انسان کی سرکشی کی مثال ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل نے نماز سے روکا تھا۔ اس سلسلہ میں یہاں سے خاطئة تک آیات کا نزول ہوا تھا۔ اور دوسرے مفسرین کی تحقیق اوپر مذکور ہوئی۔ اَرَأَيْتَ میں ہمزہ استفہام تقریری کے لئے (قد کے معنی میں) ہے۔ اور مقصود اقرار و مخاطب ہے۔ اور خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ یا استفہام برائے تعجب ہے۔ بمعنی اخبِرْنی۔ اور روایت سے مراد روایت قلبی ہے۔ ایک مفعول الَّذِي سے صلی تک ہے اور دوسرا محذوف ہے ای کیف یطغی۔ ینہی سے مراد ابو جہل ہے۔ اور عبداً سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اَرَأَيْتَ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے عَبْدًا اِذَا صَلَّى بصورت غائب ہے۔ یعنی خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے۔ اس طرح تعبیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی کمالی عبودیت کی صراحت ہے۔ آپ کا برحق ہونا اور کمالی عبودیت سے متصف ہونا اور روکنے والے کا طغیان یہ امور اس سے واضح ہو رہے ہیں۔

عبادت سے منع کرنا ظلم و سرکشی:

اس سے واضح ہوا کہ عبادت سے روکنا جرم عظیم ہے، کیونکہ بندہ ہر حق ہے کہ وہ اپنے قلب و قالب، زبان اور دھیان سے حق تعالیٰ کی عبادت کرے۔ اور ایسی جامع عبادت جو انسان کے ظاہر و باطن پر حاوی ہو نماز ہے۔ اور اللہ جل

شانہ کا حق ہے کہ وہ بہر حال معبود رہے۔ اور بندوں پر نظر کرم فرمائے۔ لہذا جو شخص نماز سے روکتا ہے وہ عہد و معبود دونوں کی حق تلفی کرتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر سرکشی و ظلم اور کیا ہوگا؟ یہ آیت گواہ جہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ لیکن جو بھی ایسا کریگا وہ بھی ظالم و سرکش اور ابو جہل کی طرح مجرم قرار پائیگا۔

**بعض اوقات نماز سے منع کیا جائیگا:**

بعض موقعوں پر شریعت ہی نے نماز سے منع کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً اوقات مکروہہ میں نماز سے روکنا ضروری ہے۔ اوقات مکروہہ پانچ ہیں۔ صبح صادق سے لیکر شمس تک۔ (۲) عصر کے فرض پڑھ لینے کے بعد مغرب تک۔ ان دونوں وقتوں میں نوافل ممنوع ہیں۔ (۳) طلوع آفتاب کے وقت (۴) استواء کے وقت (۵) غروب کے وقت۔ ان تینوں اوقات میں فرائض نوافل اور صلوٰۃ جنازہ و سجدہ تلاوت ممنوع ہیں۔ البتہ اس دن کی نماز عصر میں اگر دیر ہوگئی ہے تو غروب کے وقت بھی ادا کر لینی چاہیے۔ اسی طرح مقصود بہ زمین میں نماز سے منع کیا جائیگا۔

غلام یا باندی کو آقا نوافل اور تہجد سے منع کر سکتا ہے۔ تاکہ وہ خدمت میں کوتاہی نہ کریں۔ شوہر بیوی کو اپنی خدمت کی وجہ سے نوافل و اعتکاف، اسی طرح فطری روزوں سے منع کر سکتا ہے۔ یہ منع درحقیقت نماز سے منع کرنے میں داخل نہیں۔ کیونکہ یہ ایک عبادت سے روک کر دوسری عبادت میں لگا دینا، بلکہ نوافل سے روک کر فرائض کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ یا شریعت مطہرہ کے حکم کی وجہ سے روکنا ہے نہ کہ سرکشی کی وجہ سے۔ اور اصل قابل مذمت منع وہی ہے جس کا منشاء سرکشی ہے۔

**جائز منع میں بھی ادب ملحوظ رہے:**

ممنوع اوقات اور مکروہہ مواقع پر بھی نماز کو منع کیا جائے تو ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ مثلاً یہ نہ کہے کہ نماز نہ پڑھو۔ بلکہ حکم بیان کر دیا جائے کہ اس وقت نماز ممنوع ہے۔ یا یہ وقت نماز کا نہیں وغیرہ۔ ایسے الفاظ مذکور ہوں کہ صراحۃً نماز سے نفی نہ ہو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار نماز عید سے قبل لوگوں کو نوافل میں مشغول پایا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں سے یہ کہہ دو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز عید سے پہلے عید گاہ میں کبھی نوافل پڑھتے نہیں دیکھا۔ لوگوں نے یہ بات نہ سنی اور نوافل پڑھتے رہے۔ عرض کیا گیا اے امیر المؤمنین حکم فرمائیں تو ان کو زبردستی روک دیا جائے۔ فرمایا میں اس آیت أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو معلوم ہے کہ اگر وہ بندہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے میں ہدایت پر ہو۔ یا پرہیز گاری کی دعوت دینے میں حق پر ہو تو ان خیر کے کاموں سے روکنے والے کا انجام کیا ہوگا۔ یقیناً وہ تباہ و برباد ہو جائیگا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابو جہل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز اور دعوت دونوں چیزوں سے روکا تھا۔ لیکن اس سے پہلی آیت میں صرف نماز سے روکنے کا ذکر ہے۔ کیونکہ آیات کا

آراء یست ان کذب و تولیٰ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو معلوم ہے کہ اگر وہ بندہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے میں ہدایت پر ہو۔ یا پرہیز گاری کی دعوت دینے میں حق پر ہو تو ان خیر کے کاموں سے روکنے والے کا انجام کیا ہوگا۔ یقیناً وہ تباہ و برباد ہو جائیگا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابو جہل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز اور دعوت دونوں چیزوں سے روکا تھا۔ لیکن اس سے پہلی آیت میں صرف نماز سے روکنے کا ذکر ہے۔ کیونکہ آیات کا



نزول نماز سے روکنے ہی کے واقعہ پر ہوا۔ یوں تو ابو جہل اور دوسرے کفار دعوت تو حید سے بھی روکتے ہی تھے۔ اسی لئے اس دوسری آیت میں امر بالتقویٰ کا تذکرہ بھی کر دیا گیا۔ پھر نفھی العبد سے مُراد عام ہے۔ یعنی ہر خیر سے روکنا اس میں داخل ہے لیکن اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمومی حالات انہیں دونوں چیزوں (نماز و دعوت) پر منحصر تھے۔ تکمیل نفس کے لئے نماز اور دوسروں کی تکمیل کے لئے دعوت و تبلیغ، اسلئے یہاں انہیں دونوں چیزوں کا ذکر فرمایا گیا۔

### آیت کی دوسری تفسیر:

تفسیر سابق تو اس پر مبنی ہے کہ کان کا اسم عبد کی ضمیر کو مانا جائے۔ لیکن اگر نا ہی یعنی ابو جہل کو کان کی ضمیر کا مرجع مانا جائے تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر یہ سرکش اپنی سرکشی کا علاج کر لیتا، ہدایت پر آ جاتا۔ اور دوسروں کو بھی نصیحت کر کے تقویٰ پر ہیز گاری کی دعوت دیتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ بہر دو صورت لفظ اومع خلو کے لئے ہے۔ انفصال حقیقی یا منع جمع کے لئے نہیں ہے۔ جیسے جَالِسِ الْحَسَنِ اَوِ الْبَنِ سَبْرَيْنِ میں ہے اَرَاَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى اس جملہ میں ان خفہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اسم ضمیر شان ہوگی۔ اِیْ اِنَّہٗ اور ان شرطیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور جزاء جملہ اَلَمْ یَعْلَمْ ہوگا۔ یا جزاء محذوف ہوگی مطلب یہ ہے کہ اگر اس بدنصیب سرکش نے تصدیق کے بجائے آپ کو جھٹلادیا۔ اور حق سے منہ موڑ لیا۔ تو کیا اس کو معلوم نہیں کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اس کو اس کی سزا دیگا۔ یا وہ عذاب خداوندی سے کس طرح بچے گا۔

اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ہمزہ اس میں استفہام انکاری کے لئے ہے۔ اور یَعْلَمْ کی ضمیر کا مرجع الَّذِیْ یَنْہٰی ہے یعنی اس روکنے والے کو معلوم ہے کہ اللہ اس کی شرارتوں کو دیکھ رہا ہے۔ اور اس کو سزا کا بھی یقین ہے۔ اول تو اس لئے کہ اللہ کی قدرت اور اسکے سمیع و بصیر ہونے پر دلائل آفاقی و نفسی بیشمار قائم ہیں۔ دوسرے ابو جہل بھی تنہائیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا کہتا اور کہتاؤ اللہ اِنَّ مُحَمَّدًا الصّٰدِقُ محض ضد وعناد کی وجہ سے تکذیب کرتا تھا۔ پہلے جملہ شرطیہ کی جزاء محذوف ہے اور یہ جملہ اَلَمْ یَعْلَمْ الخ دوسرے جملہ شرطیہ کی جزاء ہے۔ اور تیسرے کی محذوف ہے۔ یا یہ تیسرے شرطیہ کی جزاء ہے۔ اور دوسرے کی جزاء یہی جملہ محذوف ہے، یا اس کے برعکس ہے۔ مفسرین نے اس میں مختلف احتمالات بیان کئے ہیں۔

اسی طرح لفظ اَرَاَيْتَ یہاں تین جگہ آیا ہے۔ تینوں میں مخاطب عام ہے۔ یعنی جو شخص بھی یہ کلام سنے۔ یا تینوں میں مخاطب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یا اول و ثابث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں اور ثانی میں ابو جہل۔ ہر احتمال کے مناسب آیات کے معانی ہوں گے۔ اور ان خطابات میں التفات حاکمانہ انداز کے ہیں۔ کہ حاکم کسی معاملہ میں کبھی کسی کو مخاطب بناتا ہے کبھی کسی کو۔ اور اَرَاَيْتَ کو تین بار لانا انتہائی تعجب کے اظہار کے لئے ہے۔ اور حق تعالیٰ تعجب سے بری ہیں۔ تعجب صرف مخاطب کے اعتبار سے ہے۔ واللہ اعلم۔

کَلَّا یعنی وہ ہرگز نماز سے نہ روکے۔ یا ہرگز ایسا نہیں کہ اس سرکش کو یونہی چھوڑ دیا جائیگا۔ اور انکے دنیوی مرتبہ و عزت کے لحاظ سے اس کو سزا نہ دی جائیگی۔ لٰسِنَّ لَمْ یَنْتَہِ اگر وہ اپنی دھمکی اور شرارت و سرکشی اور تکذیب و بے رخی سے باز نہ آیا لَنْتَسْفَعًا بِالنَّاصِیَةِ تو ہم اسکی چٹیا (پیشانی کے بال) پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ نَاصِیَۃً کَاذِبَۃً عَاطِیۃً ایسی پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار پیشانی ہے سَفَع کے معنی جس طرح گھسیٹنے کے ہیں۔ سیاہی کے بھی آتے ہیں۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم اس کو سیاہ کر دیں گے۔

## پیشانی پکڑ کر گھیننے کا مطلب:

پیشانی کے بال پکڑ کر گھیننے کو اس لئے خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ (۱) جس کی پیشانی (سر) کے بال قبضہ میں آ جاتے ہیں وہ مجبور و مقہور ہو جاتا ہے۔ (۲) پیشانی اثر الاعضاء ہے، اس کو پکڑ کر گھیننے میں انتہائی توہین و حقارت ہے (۳) غرور و کبر کا مصدر و مرکز سر ہی ہے۔ کیونکہ غرور و ہم و خیال اور حواسِ خمسہ ظاہرہ (باصرہ، سامعہ، لامسہ، ذائقہ اور شامہ) سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ سب قوتیں سر میں موجود ہیں۔ تو منشائے کبر و غرور جب سر ہوا تو سزا بھی اسی مقام کو دی گئی۔ جیسے چور ہاتھ سے چوری کرتا ہے تو اس کی سزا بھی ہاتھ کاٹنا ہی ہے (۴) بنے سنور نے کا تعلق بھی بیشتر سر اور اس کے قریبی اعضاء سے ہے۔ مثلاً سر میں تیل لگانا، کنگھی کرنا، عمامہ باندھنا، آنکھوں میں سرمہ لگانا، چہرہ کو صاف اور مرین کرنا وغیرہ، تو پیشانی کے بال پکڑ کر اس کو خاک میں آلودہ کرنا۔ اس کے مناسب سزا اور گویا علاج بالضد کے قبیل سے ہے۔

## خاطی اور مخطی میں فرق:

خاطی وہ شخص ہے جو قصد اُضد و عناد کے جذبہ سے گناہ کرتا ہے۔ اس کا گناہ ناقابل معافی ہوتا ہے۔ اور مخطی وہ ہے کہ اس سے نادانستہ طور پر یا معمولی غفلت کی وجہ سے غلطی ہوگئی۔ خاطی کے لئے قرآن پاک میں سخت عذاب کی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً مِنْ غَسَلِينَ لَا يَأْتِيهِمْ إِلَّا الْخَاطِئُونَ یعنی غسلیں، خاطئین ہی کھائیں گے۔ اور مخطی کے لئے معافی کا وعدہ مذکور ہے۔ مثلاً رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ اِثْمًا وَآخِطَانًا جب یہ آیت نازل ہوئیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر لوگوں کو سنائیں۔ تو رفتہ رفتہ ابو جہل تک بھی ان کی خبر پہنچی۔ وہ ملعون نہایت غضبناک ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ اے نادان تجھے معلوم ہے کہ تو کس کو ڈراتا ہے؟ اگر میں چاہوں تو ابھی سواروں اور پیادوں سے اس میدان کو بھردوں۔ لیکن اس کی مجھے ضرورت ہی نہیں۔ تجھ کو اور تیری قوم کو تو وہی لوگ کافی ہیں جو میری مجلس میں حاضر رہتے ہیں۔ اگر میں ان کو ابھی بلا لوں تو حقیقت معلوم ہو جائیگی۔

امام ترمذی وابن جریر رحمۃ اللہ علیہما نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل کی۔ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل آ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے تجھے اس کام سے منع نہیں کر دیا تھا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جھڑک دیا۔ تو وہ بولا تجھے خوب معلوم ہے کہ مکہ میں میری جو پال سے بڑی کسی کی چوپال نہیں ہے۔ (یعنی میں بہت بڑے جتھے والا ہوں) تو مجھے جھڑکتا ہے۔ خدا کی قسم تیرے مقابلہ میں، میں اس وادی کو شہ سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا۔ اس پر مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔

فَلْيَسُدَّ نَادِيَهُ سَنَدُ الزَّانِيَةِ (وہ اپنی مجلس والوں اور اپنے جتھے کو بلا لے) ہم بھی اپنی دوزخ والی پولیس کو بلا لیتے ہیں) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ اپنے کنبہ قبیلہ والوں کو بلا لیتا تو جہنم کے کارندے علی الاعلان آنکھوں دیکھتے اس کو پکڑ لیتے۔ علامہ محلی نے اس قول کو حدیث مرفوع کہا ہے۔ مسلم و نسائی اور مسند احمد کی روایت ہے کہ پھر ایک بار حسب دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے تو ابو جہل لعین نے دیکھا اور حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ جب قریب آیا تو کسی چیز کو ہاتھوں سے ہٹاتا ہوا جلدی سے پچھلے پیروں لوٹا۔

لوگوں نے دیکھ کر پوچھا۔ کیا بات ہے کیا آفت ہے؟ پچھلے پیروں کیوں بھاگے۔ تو اس نے کہا کہ میرے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آگ کی ایک خندق حائل ہوگئی۔ جس میں پروں کی حرکت محسوس ہو رہی ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ابو جہل نے یہ بھی کہا کہ ایک بڑا اثر دھامیری طرف: لڑکا۔ اس سے مجھے بہت دہشت معلوم ہوئی اگر میں ذرا ٹھہر جاتا تو آگ میں جل جاتا۔ یا اثر دھامجھے نکل جاتا۔ لوگوں نے کہا یہ کیا بات؟ اس نے کہا کہ یہ شخص بڑا جادوگر ہے۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم اگر وہ آگے بڑھتا تو فرشتے اس کو اچک لیتے اور تم سب کے سامنے اس کے ٹکڑے کر ڈالتے۔ آخر کار قرآن پاک اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پورا ہوا کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب ابو جہل سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی جمعیت کو لیکر نکلا تو اس پر قہر الہی نازل ہوا۔ اور اس کا جتھا اور اہل مجلس اس کے کچھ کام نہ آئے کچھ تو مارے گئے کچھ شکست خوردہ ذلیل ہو کر بھاگے اور کچھ گرفتار ہوئے۔ اور یہ ناہنجار دو بچوں کے ہاتھوں زخمی ہو کر زمین پر گرا۔ اس کی پرغور پیشانی خاک آلود ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی گردن کاٹی۔ اور اس کے کان میں سوراخ کر کے رسی باندھی۔ اور گھسیٹے ہوئے اس ناپاک کنویں کے پاس لائے جس میں کفار کی لاشیں لاکر ڈالی جا رہی تھیں۔ اس کی ناپاک، جھوٹی اور خطا کار پیشانی کے بال پکڑ کر اس کو بھی اس کنویں میں ڈال دیا گیا۔ فلعلہ اللہ علی اعداء رسول اللہ والصلوة والسلام علی رسول اللہ.

### زبانیہ کون ہیں؟

زبانیہ بظاہر وہی انیس ۱۹ فرشتے ہیں جن کا ذکر سورۃ مدثر میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قد کی لمبائی زمین سے آسمان تک ہے۔ اور ایک کاندھے سے دوسرے کاندھے تک کا فاصلہ ایک سال کی مسافت ہے۔ ان کی آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی ہیں۔ اودانت بارہ سینگھے کے سینگوں کی طرح مڑے ہوئے ہیں۔ ان کے بال اتنے لمبے ہیں کہ زمین پر گھسنتے ہیں۔ اور ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ ان کی ہتھیلیاں اتنی وسیع ہیں کہ ایک ہتھیلی پر ستر ہزار انسان ماسکتے ہیں۔ انکا سردار مالک (داروغہ جہنم) ہے۔ اور باقی اٹھارہ مالک کے تابع ہیں۔ (عزیزی)

كَلَّا لَا تَطَّعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو زبردستی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و تسکین کے بعد اس بات کی ہدایت کی جاتی ہے کہ آپ اس معاند کی بات نہ مانیں۔ نماز و سجدہ میں مشغول رہیں۔ اور اس طرح حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے رہیں۔ اس آیت میں لفظ کلاماً معنی حقا ہے۔ تو معنی یہ ہیں کہ یقیناً ایسا ہوگا کہ اگر وہ اپنے جتنے کو بلا کر لائے گا تو ہم دوزخ کے جلا دوں کو بلا لیں گے اور اگر زبردستی کے لئے ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ وہ اپنے جتنے کو بلا لائے۔ (سجدہ سے مراد نماز ہے نہ صرف کہ سجدہ۔ یہ تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہے)

### سجدے میں دعا کی قبولیت:

ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرب ما یمکون العبد من ربہ وهو ساجد فاکثروا الدعاء (بندہ اپنے رب سے قریب ترین سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ لہذا سجدہ کی حالت میں خوب دعا کیا کرو) فانہ فَمِنْ اَنْ یستجاب لکم (کیونکہ سجدہ کی حالت دعا قبول ہونے کے لائق ہے)

مسئلہ:..... انوافل کے سجدہ میں دعاء کرنا ثابت ہے بعض روایات میں دعاء کے خاص الفاظ بھی آئے وہ ماثورہ الفاظ پڑھے جائیں تو بہتر ہے۔ فرائض میں سجدہ کی حالت میں دعاء ثابت نہیں کیونکہ فرائض میں اختصار مطلوب ہے اگر سجدہ میں دعاء کرنی ہو تو نفل نماز پڑھے۔ اور سجدہ کی حالت میں ماثورہ دعاء یا بزبان عربی اور کوئی دعاء کر سکتا ہے۔ مسئلہ ۲:..... اگر سجدہ میں دعاء کرنی ہو تو نفل نماز پڑھے۔ اور سجدہ کی حالت میں ماثورہ دعاء یا بزبان عربی اور کوئی دعاء کر سکتا ہے۔ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں دعاء نہ کرے نیز صرف سجدہ کر کے اس میں دعا مانگنا احناف کے نزدیک مکروہ ہے۔

مسئلہ ۳:..... اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت پر سجدہ تلاوت کرنا ثابت ہے۔

(۱) جس آیت میں لفظ کلا آیا ہے وہ یقیناً مکہ ہے مدنی آیات میں کہیں کلا نہیں آیا، کیونکہ یہ لفظ غضب پر دلالت کرتا ہے، جس کے مستحق کفار مکہ تھے نہ کہ مومنین مدینہ۔ (۲) لفظ کلا قرآن پاک کے نصف اول میں نہیں ہے۔ نصف آخر میں خصوصاً اخیر کے چند پاروں میں بہت آیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اول نرمی سے سمجھایا جاتا ہے، اور جب سمجھانے سے سمجھ میں نہ آئے تو جھڑکنا اور دھمکانا پڑتا ہے۔ قرآن کا انداز بھی یہی ہے۔ نصف اول میں ہر طرح سمجھایا گیا۔ اور اخیر میں کلا کے ذریعہ دھمکایا بھی گیا۔

وما نزلت کلابہ ببشر فاعلمن ولا جاء فی القرآن فی نصفہ الاعلیٰ  
(۳) اس سورت کے شروع میں علم کی فضیلت اس کے بعد مال کی مذمت مذکور ہے۔ معلوم ہوا کہ علم پسندیدہ اور

مال ناپسندیدہ۔

رضینا قسمة الجبارینا لنا علم وللجهال مال

فان المال یفنی عن قریب وان العلم باق لا یزال

(۴) سورۃ انفطار میں انسان کے اعتدال جسمانی اور تسویۃ اعضائے انسانی کو بیان کرتے ہوئے لف کریم ذکر کیا۔ اور یہاں تعلیم کی اہمیت و علم کی فضیلت کے موقع پر لفظ اکرم مذکور ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم نعمت صحت و حسن و جمال سے بڑھ کر ہے۔ (۵) ابو جہل کے متعلق استمرار پر دلالت کرنے والا مضارع کا صیغہ جس کے شروع میں لام تاکید بھی ہے (لَیَطْفِی) لایا گیا۔ اور فرعون کے حق میں لفظ طغی صیغہ ماضی لایا گیا۔ اس فرق و تغیر اسلوب میں اشارہ ہے کہ ابو جہل سرکشی و کبر میں فرعون سے بڑھ کر تھا۔ کیونکہ (۱) فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو صرف زبانی اذیت پہنچائی اور اس خبیث نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان اور ہاتھ وغیرہ سے ہر طرح ایذا میں پہنچائیں (۳) فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ابتداء میں اچھا سلوک کیا۔ پالا پوسا اور اخیر میں ڈوبتے وقت اَمْنْتُ اِنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا الذی اٰمَنْتُ بہ بنو اسرائیل وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِینَ اس کی زبان سے نکلا تھا۔ یعنی اس کا تکبر کم از کم موت کے وقت تو ٹوٹ گیا تھا۔ گو بے وقت ٹوٹا۔ اور ابو جہل شروع سے آپ سے حسد رکھتا تھا اور مرتے وقت بھی اس کا تکبر کم نہ ہوا۔ زخمی ہو کر گرا تو کہا کاش کسان کے لڑکوں کے علاوہ کوئی بہادر مجھے قتل کر دیتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے سینہ پر سر کاٹنے کے لئے چڑھے تو کہا۔ او بکریوں کے چرواہے! تو بلند مقام پر بیٹھا ہے۔ پھر کہا کہ کیا تم لوگوں نے مجھ سے زیادہ بلند مرتبہ آدمی کو قتل کیا ہے؟ غرض اس کا غرور مرتے دم تک کم نہ ہوا۔ فَبَشِّرْهُ بِمَوْتِ الْمُتَكَبِّرِینَ . اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْہُ

تم تفسیر سورۃ العلق فالحمد للہ رب الفلق الذی خلق الانسان من علق وعلمہ ما لم یعلم وشرفہ وکرمہ وصلى اللہ علیہ وسلم ربنا الاکرم علی حبیبہ سید ولد آدم محمد النبی الاعظم وعلی آلہ واصحابہ وسلم عَدَدُ ذُو الْعَرْشِ وَاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

## سُورَةُ الْقَدْرِ

### سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

(حروف ۱۱۲ کلمات ۳۰) سورۃ القدر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پانچ آیات ہیں۔ (آیات: ۵، رکوع: ۱)

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ سورت مکہ ہے یا مدنیہ۔ امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی یہی منقول ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں لکھا ہے کہ اس سورت کے بارے میں دو قول ہیں۔ لیکن اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ سورت مکہ ہے امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ اور واقدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنیہ ہے۔ اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ واحدی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ مدینہ میں سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی تھی۔ شان نزول کی روایت میں بنی اسرائیل اور منبر کا ذکر آتا ہے جو اس کے مدنیہ ہونے کے قرینے ہیں۔ اسی لیے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

### رابط مناسبت

سابقہ سورت سے اس کا ربط یہ ہے کہ (۱) اس میں قرأت قرآن کا امر تھا۔ اور اس سورت میں اس کی علت اور وجہ کو بیان کیا گیا ہے گویا کہ یہ فرمایا گیا اقرء القرآن لان قدرہ عظیم وشانہ فخمیم۔ چنانچہ خطابی نے اِنَّا نَزَّلْنَاهُ فِي ضَمِيرِ (۱) کا مرجع اقرءاً مفعول بہ محذوف (القرآن) کو قرار دیا ہے۔ جو سابقہ سورت میں گزر چکا۔ اور اسی لئے سورۃ قدر کو سورۃ علق کے بعد رکھا گیا ہے۔ اور قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے خطابی کی اس توجیہ کو پسند فرماتے ہوئے یہ کہا ہذا بدیع جداً (یہ بات بہت عجیب اور عمدہ ہے) والکنہ خلاف الظاہر فافہم (۲) سورۃ علق میں پہلی وحی مذکور ہے۔ اور مخالفین وحی پر سرزنش اور وعید و عتاب ہے۔ اس سورت میں پورے قرآن کے نازل کرینکا ذکر اور موافقین پر عنایات اور ان کے ثواب کا بیان ہے (۳) اس میں عالم دنیا کی طرف نزول قرآن کا ذکر ہے۔ تو اس میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا بیت العزۃ کی طرف نزول قرآن کا ذکر ہے۔ (۴) سورۃ اقرء میں انسان پر عنایات اور اسکے لئے ترقیات کا پھر اس کی سرکشی اور سرکشی کی سزا کا ذکر ہے اس سورت میں اطاعت شعاروں کے لئے مزید عنایات و ترقیات کا بیان ہے۔ اول یہ کہ انسان کی تہذیب و سعادت ابدی کے لئے قرآن نازل کیا گیا۔ دوسرے لیلۃ القدر مرحمت فرمائی۔ کہ سال بھر میں ایک بار وفاداروں کو شہانہ عنایات اور خسرانہ انعامات سے نوازا جائے۔ اور امت محمدیہ علی رسولہا الصلوۃ والسلام کو اس ایک ہی رات میں وہ لازوال دولتیں میسر آجائیں کہ ہزار مہینوں کی کوششوں سے بھی کسی کو نہ حاصل ہو سکیں۔

## شان نزول:

ترمذی، حاکم، اور ابن جریر نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ بنی امیہ کے ظالم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بندروں کی طرح کود رہے ہیں۔ آپ کو اس خواب سے صدمہ ہوا تو آپ کی تشفی کے لئے سورۃ کوثر اور سورۃ القدر نازل ہوئی۔ روایت کی روشنی میں مطلب یہ ہوا کہ بنی امیہ کی ہزار ماہ حکومت سے ایک شب قدر بہتر ہے۔ قاسم بن الفضل ہمدانی نے کہا کہ ہم نے بنی امیہ کی حکومت کا زمانہ شمار کیا تو پورے ہزار مہینے ہوئے۔ لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو غریب اور امام مزنی وحافظ ابن کثیر نے اس کو بہت منکر قرار دیا ہے۔ (۲) ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا ذکر فرمایا جو مسلسل ایک ہزار ماہ تک جہاد میں مشغول رہا۔ اور کبھی ہتھیار نہیں اتارے۔ مسلمانوں کو یہ بات سکر تعجب ہوا۔ اس پر سورۃ قدر نازل ہوئی جس میں امت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد بنی اسرائیل کی عمر بھر یعنی ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر قرار دیا ہے۔

(۳) ابن جریر نے مجاہد سے ایک دوسرا واقعہ یہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا کہ وہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتا۔ اور صبح سے شام تک جہاد کرتا۔ اس نے ایک ہزار مہینہ تک مسلسل یہ عمل کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ القدر نازل فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جو افسوس اور غم اس کا ہوا تھا کہ ہماری عمریں اتنی کہاں ہیں جو ہم اتنی عبادت کر سکیں۔ تو اس سورت کے ذریعہ ان کو تسلی و تشفی بھی دیدی گئی۔ اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بھی تمام امتوں پر ثابت فرمادی گئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شب قدر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

(۴) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ میں نے ایک معتبر عالم سے یہ بات سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی عمریں چونکہ تھوڑی ہیں اس لئے اس کے اعمال دوسری امتوں کے اعمال کے برابر تو نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ان کی عمریں زیادہ تھیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب قدر عطا ہوئی۔ جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن اُن کی امت کی عمریں دکھائی گئیں کہ ساٹھ ستر برس کی ہیں۔ آپ کو صدمہ ہوا کہ میری امت کی عمریں پہلی امتوں کے مقابلہ میں تھوڑی ہیں۔ پہلی امتیں اعمال اور ثواب میں بڑھ جائیں گی۔ اور میری امت شرمندہ ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے یہ سورۃ قدر نازل فرمائی۔

(۵) ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار حضرات حضرت ایوب، حضرت زکریا، حضرت حزقیل، حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ کہ یہ حضرات ۸۰-۸۰ سال تک عبادت میں مشغول رہے۔ اور پل جھپکنے کی مقدار بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیرت ہوئی۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور سورۃ القدر سنائی۔ اس سورت کے سبب نزول میں اس قسم کی مختلف روایات ہیں۔ اختلاف روایات کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی زمانہ میں مختلف واقعات کے بعد جب کوئی آیت! سورت نازل ہوتی ہے تو اس کی ہر واقعہ کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے۔ بہر حال سبب نزول کچھ بھی ہوا ہو۔ لیکن امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ اللہ جل شانہ کا بہت ہی بڑا انعام ہے۔

## فضیلت سورۃ القدر:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سورۃ القدر ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ یعنی اسکے پڑھنے سے چوتھائی قرآن پاک پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ (روح المعانی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بید رحم والا بڑا مہربان ہے

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (۱) وَمَا اَدْرَاکَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ (۲) لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (۳)

بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کیسی ہے شب قدر؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے

اِنَّا	اَنْزَلْنٰهُ	فِیْ	لَیْلَةِ	الْقَدْرِ	وَمَا	اَدْرَاکَ	مَا	لَیْلَةُ	الْقَدْرِ	خَیْرٌ	مِّنْ	اَلْفِ	شَهْرٍ
تحقیق	نازل کیا ہم نے اس قرآن	میں	رات	قدر	اور	کیا جانے تو	کیا ہے	رات	قدر	بہتر	سے	ہزار	مہینے

تَنْزِیْلُ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرِ (۴) سَلَّمَ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ (۵)

اس میں فرشتے اور روح اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر امر لیکر۔ وہ سراپا سلام ہے۔ وہ صبح روشن ہونے تک رہتی ہے۔

تَنْزِیْلُ	الْمَلٰٓئِکَةِ	وَالرُّوْحِ	فِیْهَا	بِاِذْنِ	رَبِّهِمْ	مِّنْ	کُلِّ	اَمْرِ	سَلَّمَ	هِیَ	حَتّٰی	مَطْلَعِ	الْفَجْرِ
اترتے ہیں	فرشتے اور	روح	میں اسکے	ساتھ حکم	پروردگار اپنے	واسطے	ہر	کام	سلامتی	وہ	یہاں تک کہ	طلوع ہو	فجر

## لغات:

شَهْرٌ مہینہ ج اشْهُرٌ و شْهُوْرٌ، مہینہ کو شہر اسلئے کہتے ہیں کہ اس کے شروع ہونے اور گزر جانے کی شہرت ہوتی ہے شَهْرٌ شَهْرًا (ف) مشہور کرنا۔ بلند کرنا۔ مَطْلَعٌ مصدر می یا اسم ظرف طَلَعَ طُلُوعًا وَمَطْلَعًا (ن) نکلتا، متوجہ ہونا۔ بصلہ من غائب ہونا۔ دُور ہونا۔ (ف ن س) چڑھنا، جاننا، قصد کرنا۔

## ترکیب:

اِنَّا اَصْلُهُ اِنَّا فَحَذَفَتْ نُونُهُ تَخْفِیْفًا حَرْفٌ مِّثْلُ مَعَا سَمِ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ فَعْلٌ بِاَفَاعِلٍ، مَفْعُولٌ بِهِ اور متعلق جملہ فعلیہ خبر ان جملہ اسمیہ۔ وَمَا اَدْرَاکَ اَلْح تَرْکِیْبُہٗ فِیْمَا سَبَقَ۔ لَیْلَةُ الْقَدْرِ مرکب اضافی مبتدا۔ خَیْرٌ صیغہ اسم تفضیل اپنے متعلق مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ بیان ماقبل تَنْزِیْلُ فَعْلٌ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ معطوفین فاعل فِیْہَا متعلق اول بِاِذْنِ رَبِّهِمْ متعلق ثانی یا متعلق محذوف ہو کر فاعل سے حال۔ مِّنْ اپنے مجرور کُلِّ اَمْرِ سے ملکر متعلق ثالث اگر وقف امر پر ہو۔ اور اگر سَلَامٌ پر وقف ہو تو اسی کے متعلق ہوگا۔ اور جملہ تَنْزِیْلُ مستاتفہ بیان فضیلت کے لئے ہے۔ سَلَامٌ خبر مقدم ہے اور هِیَ مبتدأ مؤخر ہے۔ حَتّٰی حرف جر مطلع اسم ظرف ہے۔ اور یا مصدر ربی ہے تو مضاف محذوف ہے۔ وَتِلْکَ الْفَجْرِ مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور۔ جار مجرور متعلق سَلَامٌ کا ہوگا۔

## تفسیر:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا) اس جملہ میں قرآن مقدس کی عظمت کا اظہار کئی طرح سے کیا گیا ہے۔ (۱) فعل کی عظمت فاعل کے اعتبار سے ہوتی ہے یعنی فاعل کی عظمت فعل کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ یہاں قرآن پاک کے نازل کرنے کی نعت حق تعالیٰ نے اپنی جانب فرمائی ہے۔ (۲) مسند الیہ (إِنَّا) کو خبر فاعلی (أَنْزَلْنَاهُ) سے پہلے ذکر کیا گیا۔ اس سے حکم میں تاکید و قوت اور حصر و خصوصیت فاعل مفہوم ہوتی ہے (۳) پھر بغیر ذکر مرجع کے ضمیر (ہ) کو لا کر اس کا اداء ہے کہ قرآن حکیم کے علاوہ ذہن اور کسی چیز کی طرف منتقل ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی عظمت کے اظہار کے لئے آگے فرمایا۔ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ یعنی اس کا وقت نزول بھی بڑا عظیم الشان ہے۔ کیونکہ لیلۃ القدر اتنی عظمت والی رات ہے کہ ہزار مہینوں کی عبادت سے اس ایک رات کی عبادت فوقیت و فضیلت میں بدرجہا بڑھ جاتی ہے۔

### لَيْلَةُ الْقَدْرِ کے معنی:

قدر کے معنی عظمت و شرف کے ہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات علماء نے اس جگہ یہی معنی لئے ہیں۔ اور اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ اس رات کی عظمت و شرافت بتائی ہے۔ ابو بکر و راق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس وجہ سے کہا گیا کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ اس رات میں توبہ و استغفار اور عبادت کے ذریعہ وہ صاحب قدر و شرف بن جاتا ہے۔ قدر کے دوسرے معنی تقدیر و حکم کے بھی آتے ہیں اس معنی کے اعتبار سے لَيْلَةُ الْقَدْرِ کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ تمام مخلوقات کے لئے جو تقدیر ازلی میں لکھا تھا اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے آئندہ رمضان تک پیش آنے والا ہے وہ اس رات میں ان فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جو تدبیر کائنات و تعفیذ امور پر مامور ہیں۔ اس میں ہر انسان کی موت و حیات اور بارش و رزق وغیرہ کی مقررہ مقداریں فرشتوں کو لکھوا دی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال حج نصیب ہو گا وہ بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جن فرشتوں کے یہ جملہ امور حوالہ کئے جاتے ہیں وہ بقول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ چار ہیں۔ اسرائیل، میکائیل، جبرائیل، عزرائیل علیہم السلام۔

### لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ دونوں ایک ہیں:

سورۃ دخان کی آیت إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مَبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ میں بھی لیلۃ مبارکہ سے جمہور مفسرین و علمائے محققین کے نزدیک شب قدر ہی مراد ہے کیونکہ اس شب میں حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر بیشمار برکات کا نزول ہوتا ہے۔ ملائکہ و روح اترتے ہیں۔ شام سے صبح تک تجلی ربانی بندوں کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ صلحاء و عباد کے مراتب بلند ہوتے ہیں وغیرہ نزول قرآن کا بھی آیت مذکورہ میں ذکر ہے کہ اسی شب میں اترتا ہے۔

اسی طرح دوسرے پارہ کی آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ سے معلوم ہوا کہ قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا۔ تینوں آیات سے یہ بات صاف سمجھ میں آ جاتی ہے کہ قرآن مقدس لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔ اور اسی شب کو لیلۃ مبارکہ بھی فرمایا گیا ہے۔ اور یہ رات لیلۃ القدر یا لیلۃ مبارکہ رمضان میں تھی جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ چونکہ بعض روایات حدیث میں شعبان کی چند صویریں شب (شب جزاءت) کے متعلق آیا ہے کہ اس رات میں آجال و ارزاق کے فیصلے لکھے جاتے ہیں۔ اور سورۃ دخان کی مذکورہ آیت (جس میں لیلۃ مبارکہ میں قرآن نازل کر نیکا ذکر ہے) کے بعد



﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ (یعنی اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ ہماری طرف سے کیا جاتا ہے) اس لئے بعض مفسرین عکرمہ وغیرہ نے ان روایات کو سورۃ دخان کی آیات سے جوڑ کر لیلہ مبارکہ کی تفسیر لیلۃ البرات سے کر دی ہے۔ جس کی وجہ سے سورۃ القدر و سورۃ دخان کی آیات میں سخت تعارض ہو جاتا ہے۔ مگر لیلہ مبارکہ کی تفسیر لیلۃ البراءۃ سے کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ لیلہ مبارکہ میں نزول قرآن کا ذکر ہے اور آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ﴾ سے قرآن کا نزول ماہ رمضان میں متعین اور متفق علیہ ہے اب رہی یہ بات کہ روایات سے ارزاق وغیرہ کے فیصلے شب براءت میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور آیت سورۃ دخان سے لیلہ مبارکہ میں فیصلوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ تو حافظ ابن کثیرؒ نے اس روایت کو (جس میں شب براءت میں فیصلے ہونا مذکور ہے) مرسل قرار دیا ہے۔ اور ایسی روایت نصوص صریحہ کے مقابلہ میں قابل اعتماد و لائق قبول نہیں ہو سکتی۔

قاضی ابوبکر بن عربیؒ نے فرمایا کہ شب براءت کے بارے میں کوئی روایت قابل اعتماد ایسی ثابت نہیں ہے۔ جس سے اس رات میں رزق و موت و حیات وغیرہ کے فیصلے ہونا معلوم ہوتا ہو۔ بلکہ انہوں نے فرمایا کہ شب براءت کی فضیلت میں کوئی قابل اعتماد روایت ہی موجود نہیں۔ لیکن روح المعانی میں ایک بلا سند روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مضمون کی منقول ہے۔ کہ رزق و موت و حیات وغیرہ کے فیصلے نصف شعبان کی رات میں لکھے جاتے ہیں۔ اور شب قدر میں وہ فرشتوں کے حوالہ کئے جاتے ہیں۔ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو اس طرح دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ اصل بات جو تصریح قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یہی ہے کہ سورۃ دخان کی آیت میں لیلۃ مبارکہ اور فیہا یفروق وغیرہ کے سب الفاظ شب قدر ہی کے متعلق ہیں۔ رہا شب براءت کی فضیلت کا معاملہ سو وہ ایک مستقل علیحدہ چیز ہے۔ اور اس کی فضیلت کی روایات اکثر ضعیف ہیں۔ اسی لئے قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے شب براءت کی فضیلت کے ثبوت کا انکار کیا ہے۔ لیکن شب براءت کی فضیلت والی روایات کو باعتبار سند ضعیف ہیں لیکن تعدد طرق سے ان کو ایک گونہ قوت حاصل ہو گئی ہے۔ اس لئے بہت سے مشائخ نے ان کو اس لئے قبول کر لیا ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔

اور بعض حضرات نے لیلۃ مبارکہ سے شب براءت مراد لیکر ﴿فِيهَا يُفْرَقُ﴾ ..... کا تعلق اسی سے جوڑا ہے۔ اور اس طرح تطبیق دی ہے کہ ابتدائی فیصلے امور تقدیر کے اجمالی طور پر شب براءت میں ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی تفصیلات شب قدر میں لکھ کر فرشتوں کے حوالہ کر دی جاتی ہیں۔ اس کی تائید ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابوالضحیٰ نقل کیا ہے۔ مہدوی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شب میں امور تقدیر کے فیصلے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو امور تقدیر الہی سے پہلے (ازل ہی میں) طے شدہ تھے وہ اس رات میں متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ قرآن و سنت کی دوسری نصوص اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلے انسان کی پیدائش سے بھی پہلے ازل ہی میں لکھ دیئے تھے تو اس رات میں طے کرنے اور لکھنے کا حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ سال بھر کا نظام ملامتہ مدبرین کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ کما قالہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

## فضائل لیلة القدر:

شب قدر کے فضائل میں بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ ہم اختصاراً ان میں سے چند احادیث کا مفہوم بطور نمونہ لکھتے ہیں۔ (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لیلة القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لئے) کھڑا ہو اس کے پچھلے گناہ تمام معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اوپر ایک مہینہ ایسا آیا ہے کہ جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا تو گویا ساری ہی خیر سے محروم رہ گیا۔ اس کی خیر سے تو صرف بدنصیب ہی محروم رہتا ہے۔ (۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شب قدر میں جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آتے ہیں اور اس شخص کے لئے جو کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر اللہ کا ذکر کر رہا ہو۔ دعاء رحمت کرتے ہیں۔ الحدیث۔ (۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک طویل روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک بڑی جماعت کو لیکر زمین پر اترتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے۔ جس کو وہ کعبۃ اللہ پر قائم فرما دیتے ہیں۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سو ۱۰۰ بازو ہیں جن میں سے دو بازو صرف اسی رات میں کھولتے ہیں جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات میں کھڑا ہو یا بیٹھا ہو نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو اس کو سلام کریں اس سے مصافحہ کریں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہیں۔ صبح تک یہی حالت رہتی ہے جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام آواز دیتے ہیں۔ اے فرشتوں کی جماعت اب چلو۔ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مؤمنوں کی حاجتوں اور ضرورتوں میں کیا معاملہ فرمایا۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی۔ اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرما دیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ چار شخص کون ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا ایک شراب کا عادی دوسرا والدین کا نافرمان۔ تیسرا رشتہ ناطہ توڑنے والا۔ چوتھا دل میں کینہ رکھنے والا۔ الحدیث۔ (۵) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب قدر میں وہ تمام فرشتے جن کا مقام سدرة المنتہی پر ہے جبرئیل امین علیہ السلام کے ساتھ دنیا میں اترتے ہیں۔ اور کوئی مؤمن (مرد یا عورت) ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اس کو سلام نہ کرتے ہوں۔ بجز اس شخص کے جو شراب پیتا ہو یا سوراگ گوشت کھاتا ہو۔

## شب قدر کی سب سے بڑی فضیلت:

لیلة القدر کی سب سے بڑی فضیلت وہی ہے جو اس سورت میں بیان ہوئی۔ (۱) اس میں کلام الہی کا نازل ہونا (۲) اس رات کی عبادت کا ہزار مہینوں یعنی تراویح ۸۳ سال کی عبادت سے بھی بہتر ہونا۔ بعض علماء نے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے شب قدر کی فضیلت میں قرآن نازل کیا۔ یعنی قرآن کی آیت میں شب قدر کی فضیلت بیان کی کہ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔

فائدہ..... رمضان بارہ مہینوں میں سب سے افضل ہے اور رمضان کی راتوں میں شب قدر سب سے افضل ہے۔ اسی طرح تمام انسانوں میں انبیاء علیہم السلام افضل اور سارے نبیوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔ نیز تمام کتابوں میں آسمانی کتب افضل ہیں۔ اور آسمانی کتب میں قرآن مقدس سب سے افضل ہے۔ تو حق تعالیٰ نے افضل الرسل کو دی جانے والی افضل الکتاب کو افضل اوقات میں نازل فرمایا۔ اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کتب آسمانی ماہ رمضان المبارک ہی میں نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ پورا قرآن مقدس اسی ماہ میں شب قدر میں (۲۴ رمضان کو) لوح محفوظ سے آسمان دنیا (بیت العزۃ) میں یک بارگی نازل ہوا۔ پھر تھوڑا تھوڑا دنیا میں تیس ۲۳ سال کے عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفہ کیم رمضان کو عطا ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور ۱۸ یا ۱۲ رمضان کو اُتری۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات ۶ رمضان کو ملی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل ۱۲ یا ۱۳ رمضان کو عطا ہوئی۔

### لیلۃ القدر کی تعیین:

شب قدر کون سی تاریخ میں ہوتی ہے؟ اس کی تعیین میں احادیث و آثار میں بہت اختلاف ہے۔ اسی لئے اس کے بارے میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں۔ صاحب مظہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں علماء کے تقریباً چالیس ۴۰ اقوال بتائے ہیں۔ اور حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ۵۰ اقوال بتائے ہیں۔ لیکن علمائے محققین کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ یہ رات کسی خاص تاریخ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ کسی سال کسی تاریخ میں ہوتی ہے اور کسی سال کسی اور تاریخ میں ہوتی ہے۔ بلکہ روایات و آثار کے مختلف ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ وہ تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اور درمنثور کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص تمام سال کی راتوں میں جاگے وہ شب قدر کو پا سکتا ہے۔ یعنی وہ تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ دوسرا قول حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ تمام رمضان میں دائر رہتی ہے۔ جیسا کہ بہت سی احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہا فرماتے ہیں کہ شب قدر تمام رمضان میں کوئی ایک متعین رات ہے جو معلوم نہیں ہے۔ شافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ اکیسویں شب کا شب قدر ہونا اقرب ہے۔ امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے کہ وہ رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں دائر رہتی ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ رمضان کی ستائیسویں رات میں زیادہ امید ہے، شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ان لوگوں کا قول زیادہ صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ شب قدر تمام سال میں دائر رہتی ہے اس لئے کہ میں نے دو مرتبہ اس کو شعبان میں دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ پندرہ کو اور ایک مرتبہ انیس ۱۹ کو اور دو مرتبہ رمضان کے درمیانی عشرہ میں ۱۳ اور ۱۸ کو۔ اس کے علاوہ رمضان کے اخیر عشرہ کی ہر طاق رات میں دیکھا ہے۔ اس لئے مجھے اس کا یقین ہے کہ وہ سال بھر کی راتوں میں پھرتی رہتی ہے لیکن رمضان المبارک میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شب قدر سال بھر میں دو بار ہوتی ہے۔ ایک وہ رات ہے جس میں احکام خداوندی نازل ہوتے ہیں اور اسی رات میں قرآن شریف بھی لوح محفوظ سے اُتر ا تھا۔ یہ رات رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ لیکن جس سال قرآن نازل ہوا اس سال رمضان

میں تھی اور اکثر رمضان ہی میں ہوتی ہے اور دوسری شب قدر وہ ہے جس میں روحانیت کا ایک خاص انتشار ہوتا ہے اور اس میں ملائکہ بکثرت زمین پر اترتے ہیں شیاطین بند رہتے ہیں۔ دعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں یہ رات رمضان کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہر رمضان میں خصوصاً اس کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں ہوتی ہے۔ اور بدلتی رہتی ہے۔ حضرت شیخ کے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ نے اسی قول کو رائج قرار دیا ہے۔ (از فضائل رمضان) تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب (۴۰ چالیس) اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے۔ مگر اخیر عشرہ کی کوئی تاریخ متعین نہیں۔ وہ اس میں کسی بھی رات میں ہو سکتی ہے بلکہ ہر رمضان میں بدلتی رہتی ہے۔ احادیث کے تعارض کو دور کر نیکابی ایک طریقہ ہے۔ پھر اخیر عشرہ میں بھی احادیث صحیحہ کی رو سے طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کا زیادہ احتمال ہے اگر شب قدر کو ان مذکورہ راتوں میں وائر اور ہر رمضان میں منتقل ہونے والی قرار دیا جائے تو وہ تمام احادیث جمع اور اپنی اپنی جگہ بلا تاویل و تکلف درست ہو جاتی ہیں۔ جو تعین شب قدر کے متعلق مذکورہ تاریخوں میں سے کسی تاریخ کے متعلق آئی ہیں۔ اکثر فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے، ابو قلابہ، امام مالک، امام احمد، سفیان ثوری، ائحق بن راہویہ، ابو ثور، مزنی، ابن خزیمہ وغیرہ نے یہی فرمایا ہے۔ اور ایک روایت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی کے موافق منقول ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تسحر والیلۃ القدر فی العشر الاواخر من رمضان یعنی شب قدر کو رمضان کے اخیر عشرہ میں تلاش کرو۔ اور مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:- فاطلبوها فی الوتر منہا یعنی شب قدر کو رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (مظہری) اور یہ بات جو مشہور ہے کہ شب قدر ستائیسویں شب ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ وہ اکثر اسی شب میں واقع ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ لفظ لیلۃ القدر میں نو حروف ہیں۔ اور یہ لفظ اس سورت میں تین بار مذکور ہے۔ اور نو کو تین سے ضرب دینے سے ستائیس بنتے ہیں۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ستائیسویں شب قدر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سورت میں تیس کلمات ہیں۔ اور ستائیسواں کلمہ ہی ہے۔ جس کا مرجع لیلۃ القدر ہے۔ اس سے ستائیسویں شب قدر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی اندازے ہی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

### لیلۃ القدر مخفی کیوں ہے؟

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے باہر تشریف لائے کہ ہمیں شب قدر کی اطلاع دیں مگر وہ مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں شب قدر کی خبر دینے آیا تھا مگر فلاں فلاں میں جھگڑا ہو رہا تھا اس وجہ سے اس کی تعین اٹھائی گئی۔ ممکن ہے کہ یہی تمہارے حق میں بہتر ہو۔ لہذا اب اس رات کو نویں، سا تویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔ (بخاری شریف) اس روایت سے ایک تو آپس میں جھگڑا کرنے کی نحوست معلوم ہوئی کہ نزاع محرومی کا باعث ہے۔ شب قدر کی تعین اس کی وجہ سے بھلا دی گئی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ شب قدر کی تعین اٹھالینا ہی شاید امت کے حق میں بہتر ہو۔ علماء نے اس کے اخفاء میں چند مصالح بیان فرمائی ہیں۔

(۱) عدم تعین کی صورت میں بہت سی راتوں میں جاگ کر عبادت کرنے کی توفیق میسر آ جائیگی۔ ورنہ تو بہت سے

لوگ صرف شب قدر میں عبادت کر لیا کرتے (۲) بہت سے لوگ گناہ کے ایسے عادی ہوتے ہیں کہ وہ بغیر گناہ نمیے رہ نہیں سکتے تھے۔ اگر شب قدر معلوم ہوتے ہوئے گناہ کرتے تو یہ نہایت خطرناک تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوتے ہوئے دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ان کو جگا دو تا کہ وضو کر لیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو خیر کی طرف بہت سبقت فرماتے ہیں آپ نے خود کیوں نہ جگا دیا۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟ فرمایا اگر میرے کہنے پر وہ انکار کر بیٹھتا تو کافر ہو جاتا۔ اور تمہارے قول کا انکار کفر نہ ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت نے گوارا نہ کیا کہ اس عظمت والی رات کے معلوم ہوتے ہوئے کوئی گناہ کی جرأت کر کے تباہ ہو جائے۔ (۳) تعیین کی صورت میں اگر کسی سے وہ رات اتفاقاً چھوٹ جاتی تو مایوسی و افسردگی کی وجہ سے پھر کسی رات میں جاگنا نصیب نہ ہوتا اور یہ محرومی پر محرومی ہو جاتی۔ (۴) جتنی راتیں شب قدر کی تلاش و جستجو میں صرف ہوتی ہیں اس کی وجہ سے مستقل ثواب کا استحقاق ہوتا ہے (۵) رمضان کی عبادت پر حق تعالیٰ فرشتوں کے سامنے فخر فرماتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ اس صورت میں تفاخر کا موقع زائد ہے کہ بندے صرف شب قدر کے احتمال و خیال پر راتوں جاگتے اور عبادت کے مشقت برداشت کرتے ہیں۔ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ یہی شب قدر ہے تو پھر ان کی کوشش کا حال کیا ہوتا؟ غالباً اسی قسم کی مصلحتوں کی وجہ سے اللہ کی عادت جاری ہے کہ ایسی اہم چیزوں کو مخفی فرمادیتے ہیں۔ جیسے اسم اعظم۔ ساعت جمعہ، صلوة وسطی، موت کا وقت، قیامت کا دن اور اولیاء اللہ وغیرہ تاکہ ان چیزوں کی جستجو کی جائے۔ اور اس لائن کی سب چیزوں کی قدر ہو۔ واللہ اعلم ہر شب شب قدر راست اگر قدر بدانی۔ تیسری بات حدیث میں نویں، ساتویں، پانچویں تاریخیں ہیں۔ دوسری احادیث کی بنا پر تو یہ طے شدہ امر ہے کہ یہ راتیں اخیر عشرہ کی ہیں۔ پھر یہ عشرہ اول سے شمار کریں تو حدیث کا محمل ۲۹، ۲۷، ۲۵، کی راتیں ہیں۔ اور اخیر سے شمار کیا جائے تو پھر ۲۹ کے چاند کی صورت میں ۲۱، ۲۳، ۲۵، اور تیس ۳۰ کے چاند کی صورت میں ۲۲، ۲۴، ۲۶ ہوں گی۔ واللہ اعلم۔

### اخیر عشرہ کی ابتداء:

جمہور کے نزدیک اخیر عشرہ کی ابتداء ۲۱ ویں شب سے ہوتی ہے مہینہ خواہ ۲۹ کا ہو یا تیس ۳۰ کا اس حساب سے طاق راتیں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ ہوں گی۔ مگر ابن حزم کہتے ہیں کہ عشرہ کے معنی دس دن کے ہیں۔ لہذا اگر تیس (۳۰) کا چاند ہوگا تو ۲۱ ویں شب سے شروع ہوگا۔ اور اتنیس (۲۹) کا ہوگا تو اخیر عشرہ بیس ۲۰ سے شروع ہوگا۔ اس صورت میں طاق راتیں ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۶، ۲۸ ہوں گی۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخیر عشرہ کا اعتکاف بالاتفاق اکیسویں شب سے شروع ہوتا تھا۔ اس لئے جمہور کا قول صحیح اور رائج ہے۔

### علامات شب قدر:

- (۱) وہ رات کھلی ہوئی روشن، چمکدار، صاف شفاف ہوتی ہے (۲) معتدل ہوتی ہے نہ زیادہ سرد نہ زیادہ گرم۔
- (۳) کثرت انوار کی وجہ سے چاند کھلا ہوا ہوتا ہے۔ (۴) اس رات میں صبح تک ستارے شیاطین کے نہیں مارے جاتے۔
- (۵) اس رات کی صبح کو آفتاب ہموار تکیہ کی طرح بغیر شعاعوں کے طلوع ہوتا ہے۔ (جیسا کہ چودھویں کا چاند ہوتا ہے) (۶)

اس کی صبح کو طلوع آفتاب کے وقت شیطان کو اس کے ساتھ نکلنے سے روک دیا جاتا ہے۔ (۷) عبدہ بن ابی لبابہ کہتے ہیں کہ میں نے رمضان کی ستائیسویں شب کو سمندر کا پانی چکھا تو بالکل میٹھا تھا۔ ایوب بن خالد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے نہانے کی ضرورت ہوگئی۔ میں نے سمندر کے پانی سے غسل کیا تو وہ بالکل میٹھا تھا۔ یہ تیسویں شب کا قصہ ہے۔ عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام تھا کہ اس نے سالہا سال کشتیوں کی ملاجی کی تھی۔ ایک دن کہنے لگا کہ دریائی عجائبات میں سے ایک چیز میرے تجربہ میں ایسی آئی ہے کہ عقل حیران ہے اور وہ یہ ہے کہ دریائے شور کا پانی ایک رات میں میٹھا ہو جاتا ہے۔ عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا کہ جب وہ رات آئے تو مجھے بتانا اس غلام نے رمضان کی ستائیسویں شب کو ان سے کہا کہ وہ آج کی رات ہے۔ (۸) مشائخ نے لکھا ہے کہ شب قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ حتیٰ کہ درخت بھی زمین پر گر جاتے ہیں اور پھر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (لیکن ایسے امور کا تعلق کشف سے ہے)

### شب قدر کی دُعاء:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا دعاء کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ دعاء کرو، اَللّٰهُمَّ اِنِّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی (اے اللہ آپ بہت معاف فرمانے والے ہیں اور معافی کو پسند فرماتے ہیں، میری خطائیں معاف فرما دیجئے) (فائدہ) یہ دعاء نہایت ہی جامع ہے۔ اگر حق تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے آخرت کا مطالبہ معاف فرمادیں۔ تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے

من گلویم کہ طاعتم پزیر  
قلم عفو بر گناہم کش

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس رات میں دعاء میں مشغول ہونا دوسری عبادات سے زیادہ بہتر ہے۔ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مختلف عبادات (تلاوت نماز، ذکر اور مراقبہ وغیرہ) کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رات میں مختلف عبادات منقول ہیں۔ اور یہی قول زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

### کیا شب قدر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے؟

شان نزول کی روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر صرف اسی امت کے لئے مخصوص ہے۔ سابقہ امتوں میں سے کسی امت کو یہ شب نہیں ملی۔ ابن حبیب مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ صاحب الُعدہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جمہور علماء کا قول قرار دیا ہے۔ لیکن جو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نسائی شریف میں ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا شب قدر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب وہ وفات پا جاتے ہیں تو اٹھائی جاتی ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: بلکہ وہ باقی رہنے والی ہے۔ اس حدیث کی بنا پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ شب قدر گزشتہ امتوں کے لئے بھی تھی۔ اور جن روایات سے اس امت کی خصوصیت معلوم ہوتی ہے۔ ان میں انہوں نے تاویل کی ہے۔ لیکن شان نزول کی تمام روایات خصوصاً حضرت جعفر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بلکہ سورۃ القدر بھی اس پر کھلی دلالت ہے کہ یہ شب قدر امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں الفاظ بل ہی باقیہ قابل تاویل ہیں۔ مطلب ان الفاظ کا یہ ہے کہ شب قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی باقی رہے گی

یہ صرف ایک دو سال کے لئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ہی باقی رہنے والی نہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب کہا گیا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ شب قدر اٹھالی گئی تو فرمایا کہ جس نے یہ بات کہی غلط کہی۔ راوی نے کہا کہ کیا میں آئندہ ہر رمضان میں اس کو پاسکتا ہوں؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں۔ (مظہری)

### لیلۃ القدر کی عظمت:

وَمَا أَذْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ اس میں دونوں ما استفہام انکاری کے لئے ہیں جن سے لیلۃ القدر کی عظمت واہمیت کا اظہار مقصود ہے۔ یعنی آپ کو کسی چیز نے شب قدر کی اہمیت وعظمت نہیں بتائی۔ اس کی فضیلت وعظمت عقل کی رسائی سے بھی بالاتر ہے۔ اس کے بعد اس کے چند فضائل کا ذکر ہے۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔ یعنی ہزار ماہ (تراسی سال) عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہو سکتا ہے شب قدر میں عبادت کرنے کا اس سے کہیں زائد ثواب ہے۔ کتنا زیادہ ثواب ہے اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔

تَنْزِيلُ الْمَلَكِ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ۔ اس آیت میں شب قدر کی دوسری فضیلت کا بیان ہے۔ کہ اس میں فرشتے اور روح آسمان سے زمین پر آتے ہیں۔ اور علوی کمالات و سفلی کمالات کے انوار میں تعاکس و تداخل سے عبادات میں عجیب کیفیات اور نوری تجلیات پیدا ہوتی ہیں۔ اور اس جماعتِ عظمیٰ کا ہر فرد ایک دوسرے سے اکتساب فیض کر کے ناقص خود کو کامل بناتا ہے۔ اور اہل کمال اپنے کمالات میں چار چاند لگا لیتے ہیں۔ اس بیان سے نماز باجماعت کی حکمت بھی معلوم ہوگئی۔ کہ یہ بھی اہل ایمان کے اکتساب فیض کا ایک عجیب و غریب سلسلہ ہے۔ پھر جتنی بڑی جماعت ہوگی اتنے ہی انوار کا انعکاس و اکتساب ہوگا۔ اسی لئے کثیر جماعت قلیل جماعت سے بہتر ہے۔ کماوردنی الحدیث۔ یہ جملہ سابقہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ کی علت بھی ہو سکتا ہے کہ اس شب میں خیریت و فضیلت کی وجہ اجتماع اہل کمال و تعاکس انوار ہے۔ واللہ اعلم۔

### ہزار مہینوں کی خصوصیت:

ہزار مہینوں کی خصوصیت یہ ہے کہ عرب میں انتہائی عدد یہی ہے۔ ہزار سے آگے گنتی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ حساب کا جو آخری عدد ہے اس کی فضیلت اس سے بھی زیادہ ہے۔ جس کا علم صرف حق تعالیٰ شائد کو ہے۔ پھر سال کا ذکر نہ فرمایا کہ اس میں رات اور دن سب ہی آجاتے۔ کیونکہ عرب کے نزدیک ماہ کا حساب چاند سے ہوتا ہے جس کا محل رات ہے اور رات کی خصوصیت کی جانب اس سے اشارہ ہوتا ہے شمس سال دنوں کے ساتھ مخصوص ہے پھر شمس حساب قمری کی بہ نسبت پوشیدہ ہے۔ ہر شخص اس کے حساب سے واقف نہیں۔ اور قمری سے سب واقف ہیں۔ کیونکہ وہ مشاہد ہے۔ پھر جس طرح چاند کی تجلی ظلمت شب میں ظہور کر کے اس کو روشن کرتی ہے۔ اسی طرح شب قدر میں تجلی ربانی و انوار ملائکہ نورانی سے یہ ظلمت کدہ عالم جگمگا جاتا ہے۔ اور عابدین کے قلوب منور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے چاند کے حساب کو ملحوظ رکھ کر أَلْفِ شَهْرٍ فرمایا گیا۔ واللہ اعلم۔

روح سے کیا مراد ہے؟

روح کے معنی میں مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) روح سے مراد روح القدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ زیادہ صحیح یہی قول ہے۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی افضلیت کی بنا پر ملائکہ کے ذکر کے بعد خاص طور سے ان کا ذکر فرمایا گیا (یعنی یہ عطف الخاص علی العام کے قییل سے ہے) (۲) بعض کا قول ہے کہ روح سے مراد ایک بہت بڑا فرشتہ ہے۔ کہ تمام آسمان وزمین اس کے سامنے ایک لقمہ کے بقدر ہیں۔ اس سے مراد فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت ہے جو اور فرشتوں کو بھی صرف لیلۃ القدر ہی میں نظر آتے ہیں (۳) اللہ کی ایک مخصوص مخلوق ہے جو کھاتی جیتی ہے۔ وہ نہ فرشتے ہیں نہ انسان۔ (۵) روح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جو امت محمدیہ کے کارنامے دیکھنے کے لئے ملائکہ کے ساتھ اترتے ہیں (۶) یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتے رات میں اترتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کی رحمت خاصہ کا بھی نزول ہوتا ہے (۷) روح ایک خاص فرشتہ ہے کہ اس کا نام روح القدس ہے۔ انسانی کمالات روحانیہ میں اس کو خاص دخل ہے۔ گویا وہ معلم روحانی ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر صرف ایک بار نازل ہوا تھا۔ جس کی برکت سے وہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے مگر امت محمدیہ کے صلحاء کے پاس وہ ہر برس تشریف لاتے ہیں۔ وہ جس کے پاس آتے ہیں اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور بدن پر روگٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (۸) روح سے مراد مؤمنوں کی روہیں ہیں جو ابدان سے جدا ہو کر ملائکہ سے جا ملی ہیں۔ وہ بھی اپنے بھائیوں سے ملنے اور ان کے احوال کا مشاہدہ کرنے کے لئے اس عالم سفلی کی سیر کرنے آتی ہیں۔ نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے اور دعاء کرتے ہیں۔ اور برائیوں میں مبتلا لوگوں سے خفا ہوتے اور دل میں فرشتوں سے شرماتے ہیں۔ لیکن اس قول سے نصرانیت کو بوا رہی ہے۔ یہ انہیں کا عقیدہ ہے کہ ارواح مؤمنین ملائکہ میں شامل ہو جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور دوسرے اقوال بھی ہیں۔ مگر مشہور قول پہلا (جمہور علماء) ہی کا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ شب قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ایک گروہ کے ساتھ اترتے ہیں اور جس کو ذکر وغیرہ میں مشغول پاتے ہیں اس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ کما مر۔

### کیا سب فرشتوں کا نزول ہوتا ہے؟

بعض علماء کہتے ہیں کہ سب فرشتے یکے بعد دیگرے مؤمنوں سے ملنے اور ان کی عبادت وغیرہ کے حالات دیکھنے آتے ہیں، جن فرشتوں نے ابتداء میں جناب باری میں عرض کیا تھا کہ اَنْتَ جَعَلْتَ فِيْهَا کیا آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرمائیں گے جو فساد و خوریزی کریگی۔ ان کو حق تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اسی مخلوق کی عبادت اور مجاہدوں کو دیکھو، یہ انسان ایک وقت منی کا قطرہ خون کا تو تھرا تھا۔ جس سے ماں باپ کو بھی گھن آتی تھی۔ اس کی جب بہترین صورت بنادی اور ماں کے پیٹ سے باہر آیا تو والدین بھی اس کو پیار کرنے لگے۔ اور کمالات روحانیہ کی جب ترقی نصیب ہوئی تو عالم بالا کے معصوم ملائکہ بھی بصد شوق اس سے ملاقات کے لئے آتے ہیں۔ سبحان اللہ (۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ سب فرشتے نہیں آتے، بلکہ فرشتوں کا ایک خاص گروہ آتا ہے۔ جن سے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو خاص تعلق ہے۔ پھر وہ واپس جا کر عالم بالا کے دوسرے فرشتوں سے اہل ایمان کے نام بنام احوال بیان کرتے ہیں۔ اور وہ بھی ان کے لئے دعا و استغفار کرتے ہیں۔

بَاِذِنِ رَبِّهِمْ میں ان لوگوں کے خیال فاسد کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ملائکہ و ارواح غیبیہ کو اپنے عمل کے زور سے جب



چاہیں حاضر کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتے۔ اور انسانوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ ملائکہ بھی ہمارے بندے ہیں جو ہمارے حکم کے پابند ہیں اور تم بھی ہمارے بندے ہو۔ تم کو بھی پابند حکم ہونا چاہیے۔

مِنْ كُلِّ امْرٍ میں حرفِ مِّنْ بمعنی بَاء ہے جیسے یَحْفَظُونَهُ مِنْ امْرِ اللّٰہ میں بھی مِّنْ بمعنی بَاء ہے۔ معنی یہ ہیں کہ لیلۃ القدر میں فرشتے تمام سال کے اندر پیش آنے والے تقدیری واقعات لیکر زمین پر اترتے ہیں، یہ جب ہے کہ اس کا تعلق فعلِ مذکور تَنْزُلُ سے مانا جائے۔ مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ بعض مفسرین نے اس کا تعلق سَلَام سے مانا ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ رات سلامتی (والی) ہے یعنی وہ ہر آفت و بُرائی سے محفوظ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ملائکہ اور روح سے اس کا تعلق ہو۔ یعنی یہ صفت ہو اور مِّنْ بیان یہ ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ آج کی رات ایک شاہانہ جشن ہوتا ہے۔ ملائکہ کی اپنی اپنی متعلقہ ذیویوں سے چھٹی ہو جاتی ہے اور سب اس میں شرکت کرنے کے لئے اللہ کے حکم سے اترتے ہیں۔ اور اگر اسی صورت میں مِّنْ اجلیۃ مانیں تو معنی ہوں گے کہ وہ ملائکہ ہر اس کام کی جو سال بھر میں ہونے والا ہے تدبیر کے لئے اترتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

سَلَامٌ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اِیْ هُوَ سَلَامٌ یعنی وہ امر سلامتی والا ہوتا ہے۔ یعنی ہر مصیبت سے محفوظ رہنے کا موجب ہوتا ہے۔ یا ہسی سَلَامٌ یعنی وہ رات سراپا سلام ہے۔ تمام رات فرشتوں کی طرف سے مومنوں پر سلام ہوتا رہتا ہے ایک جماعت جاتی ہے۔ دوسری آتی ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح بھی ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ رات سلام و سلامتی اور سراپا خیر ہی خیر ہے۔ اس میں شر کا نام و نشان نہیں۔

هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ وہ شب قدر طلوع فجر تک رہتی ہے۔ یوں تو ہر رات طلوع فجر تک رہتی ہے۔ شب قدر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے اوصاف (انوار و تجلیات، عنایات و برکات، نزول ملائکہ وغیرہ) کے ساتھ صبح تک قائم رہتی ہے۔ صبح کو یہ روحانی میلہ ختم ہوتا ہے۔ یہ مطلب اس صورت میں ہے کہ ہی مبتدا اور حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ خبر ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ سَلَامٌ خبر مقدم اور ہی مبتدا ہو۔ تو یہ تقدیم مفید حصر ہوگی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس رات میں کوئی شر حق تعالیٰ مقدر نہیں فرماتے، صرف سلامتی کے احکام جاری فرماتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شر شیطان اور حوادث سے یہ رات پاک ہوتی ہے۔

فوائد:

فائدہ.....:۱: مظاہر حق میں لکھا ہے کہ اسی رات میں فرشتوں کی پیدائش ہوئی۔ اسی رات میں آدم علیہ السلام کا مادہ جمع ہونا شروع ہوا۔ اور اسی رات میں جنت میں درخت لگائے گئے۔ اور درمنثور میں ہے کہ اسی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور اسی رات میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔ اور دعاء وغیرہ کی مقبولیت میں تو یکثرت روایات وارد ہیں۔

فائدہ.....:۲: اس سورت میں لیلۃ القدر کو ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان ایک ہزار مہینوں میں بھی تو ہر سال شب قدر آئیگی تو حساب کس طرح بنے گا۔ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ یہاں ایک ہزار مہینوں سے وہ مہینے مراد ہیں جن میں شب قدر شامل نہ ہو۔ اس لئے کوئی اشکال نہ ہوگا۔

فائدہ.....:۳: اختلاف مطالع کی وجہ سے اگر مختلف ملکوں اور شہروں میں شب قدر بھی مختلف تاریخوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ ہر جگہ کے اعتبار سے جو شب قدر ہوگی اس جگہ اس رات میں شب قدر کی برکات حاصل ہوگی۔

فائدہ.....۴: جس شخص نے شب قدر میں عشاء اور صبح کی نماز باجماعت پڑھ لی اس نے بھی اس رات کا ثواب پالیا۔ اور جو جتنا کرے گا اسی کے اعتبار سے کم یا زیادہ ثواب پائے گا۔ مسلم شریف میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے عشاء کی نماز باجماعت سے پڑھ لی تو اس نے آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا۔ اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کر لی تو اس نے پوری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب حاصل کر لیا۔

فائدہ.....۵: انوارہ تجلیات اور عنایات و برکات کے لئے رات کا وقت کیوں مقرر فرمایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دن میں ہر چیز ظاہر ہوتی ہے اس لئے وہ عالم شہادت سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور رات میں اخفاء و پوشیدگی ہے وہ عالم غیب کے مشابہ ہے۔ اس لئے رات عالم غیب کے اسرار و انوار کے لئے نہایت مناسب ہوئی۔ دوسرے یہ شب وصال ہے وصال رات ہی کو مناسب ہوتا ہے، تجلیات ربانی و ملائکہ نورانی سے بندوں کا وصال ہوتا ہے۔ تیسرے رات میں اغیار سے علیحدگی و خلوت ہو جاتی ہے۔ اور اختیار پر خاص طور سے عنایات کی بارش ہوتی ہے۔

فائدہ.....۶: اس رات میں قصداً (ایماناً و احتساباً) عبادت کرنا تو اعلیٰ درجہ کی بات ہے ہی۔ لیکن اگر شب قدر کا خیال بھی نہیں اور عبادت و ذکر وغیرہ میں مصروف ہے تب بھی شب قدر کی برکات حاصل ہوں گی۔ جیسا کہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ تم تفسیر سورة القدر فالحمد لمن انزل القرآن فی ليلة القدر والصلوة والسلام علی من کان وجهہ فی الظلمات کالبدر ونور الفجر وعلیٰ الہ وصحبہ الذین تلاؤات انوارہم فی البر والبحر ليلة واحدة لاحدہم کالف شهر وعلیٰ من تبعہم بالاحسان الیٰ یوم الحشر

## سُورَةُ الْبَيِّنَةِ

### سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانُ آيَاتٍ

(حروف ۲۹۷-کلمات ۹۸) سورة بينة مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں آٹھ آیات ہیں (آیات: ۸، رکوع: ۱)

اس سورت کے کئی نام ہیں: (۱) سورة القيامة (۲) سورة البلد (۳) سورة المنفكين (۴) سورة البرية (۵) سورة لم یکن، لیکن مشہور نام سورة البينة ہے، اس کے مکہ و مدینہ ہونے میں بھی اختلاف ہے، صاحب بحر لکھتے ہیں کہ جمہور کے قول کے مطابق یہ سورت مکہ ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے، اور یحییٰ بن سلام نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، ابن الفرّس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مشہور یہی ہے کہ مکہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے۔ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما، عطاء بن یسار، ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ یہ مدینہ ہے، کتاب التحریر میں ہے کہ یہ سورت مدینہ ہے، اور یہی جمہور رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ یہ مدینہ ہے اور ابوخیثمہ بدری رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ نے معجم الصحابہ میں اور طبرانی و ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہما نے بیان کیا ہے کہ جب لَمْ یَکُنِ الذِّیْنُ کُفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْکِتَابِ اِلٰی اٰخَرِهَا نازل ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے رب نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ یہ سورت ابی کو پڑھائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ میں یہ سورت تم کو پڑھاؤں، تو ابی رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میرا ذکر بارگاہِ خداوندی میں ہوا ہے یا رسول اللہ! ارشاد فرمایا ہاں! تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روئے (ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدنی صحابی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ واقعہ قرینہ ہے کہ یہ سورت مدینہ ہے)۔ صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کا مدنیہ ہونا ہی صحیح ہے، (روح المعانی) صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں۔ ایک روایت میں ہے کہ لَمْ یَکُنِ الذِّیْنُ کُفَرُوا پڑھوں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا، آپ سے اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ میرا ذکر رب العلمین کے پاس ہوا ہے، فرمایا ہاں، یہ نکر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

### فضیلت و مناسبت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ لَمْ یَکُنِ الذِّیْنُ کُفَرُوا کی قرأت کو سن کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے خوش ہو جا، اپنی عزت کی قسم میں تجھ سے دنیا و آخرت کے احوال میں سے کسی حال پر سوال نہ کروں گا۔ اور تجھ کو جنت میں وہ مقام عطا فرماؤں گا کہ تو راضی ہو جائے گا، اور سورة القدر سے اس سورت کی مناسبت یہ ہے کہ سورة القدر میں انزال قرآن کا ذکر تھا جو بمنزلہ دعویٰ تھا۔ اور سورة بینہ گویا اس کی دلیل ہے کہ انہ قیل انا انزلنا القرآن لانه لم یکن الذین کفروا منفکین عن کفرهم حتی یتلوا صحفامطهرة وہی ذلک المنزل فلا تغفل

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ (۱) رَسُول

کفار اہل کتاب و مشرکین باز آنے والے نہ تھے۔ جب تک ان کے پاس واضح دلیل نہ آجائے۔ یعنی اللہ کا رسول

لَمْ	يَكُنِ	الَّذِينَ	كَفَرُوا	مِنْ	أَهْلِ	الْكِتَابِ	وَالْمُشْرِكِينَ	مُنْفَكِّينَ	حَتَّى	تَأْتِيَهُمُ	الْبَيِّنَةُ	رَسُولٌ
نہ	تھے	وہ لوگ کہ	کافر ہوئے	سے	اہل	کتاب اور	مشرک	منفکین	یہاں تک کہ	آوے ان	دلیل روشن	پیغمبر

مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً (۲) فِيهَا كُتِبَ قِيمَةٌ (۳) وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں درست مضامین ہوں۔ اور اہل کتاب

مِّنَ	اللَّهِ	يَتْلُو	صُحُفًا	مُّطَهَّرَةً	فِيهَا	كُتِبَ	قِيمَةٌ	وَمَا	تَفَرَّقَ	الَّذِينَ	أُوتُوا	الْكِتَابَ
سے	خدا	پڑھتا ہو	صحیفے	پاکیزہ	جس	کتاب میں	ثابت رکھے والی	اور نہ	متفرق ہوئے	وہ لوگ کہ	دیئے گئے تھے	کتاب

إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ (۴) وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ

نے واضح دلیل آجانے کے بعد ہی اختلاف کیا ہے۔ حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں

إِلَّا	مِنْ	بَعْدِ	مَا	جَاءَتْهُمْ	الْبَيِّنَةُ	وَمَا	أُمِرُوا	إِلَّا	لِيَعْبُدُوا	اللَّهَ
مگر	یہی	اس کے	کہ	آئی ان	دلیل ظاہر	اور نہ	حکم کیے گئے	مگر	یہ کہ عبادت کریں	اللہ

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (۵) حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ

کہ عبادت کو خالص اسی لئے رکھیں یسوی ہو کر اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیا کریں۔

مُخْلِصِينَ	لَهُ	الدِّينَ	حُنَفَاءَ	وَيُقِيمُوا	الصَّلَاةَ	وَيُؤْتُوا	الزَّكَاةَ
خالص کرنے والے	واسطے اس	دین	حنیف (شرک سے یکسو)	اور قائم رکھیں	نماز	اور دیں	زکوٰۃ

وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ (۵) إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

اور یہی مستحکم دین ہے۔ بیشک جو لوگ کافر ہیں (یعنی) اہل کتاب

وَذَلِكَ	دِينُ	الْقِيَمَةِ	إِنَّ	الَّذِينَ	كَفَرُوا	مِنْ	أَهْلِ	الْكِتَابِ
اور یہ	دین	لوگوں قائم رہنے والوں	تحقیق	جو لوگ	کافر ہوئے	سے	اہل	کتاب

وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا، أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (۶)

اور مشرکین، وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہی بدترین خلق ہیں۔

وَالْمُشْرِكِينَ	فِي	نَارِ	جَهَنَّمَ	خَالِدِينَ	فِيهَا	أُولَٰئِكَ	هُمْ	شَرُّ	الْبَرِيَّةِ
اور مشرک	جس	آگ	دوزخ	ہمیشہ رہنے والے	جس	یہ لوگ	وہ	بدتر	البریۃ

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (۷)

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہی بہترین خلق ہیں۔

تَحْقِيقُ	الَّذِينَ	آمَنُوا	وَعَمِلُوا	الصَّالِحَاتِ	أُولَٰئِكَ	هُمْ	خَيْرُ	الْبَرِيَّةِ
تحقیق	جو لوگ	ایمان لائے	اور	کام کیے	اچھے	یہ لوگ	وہ	بہتر

جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے والی بیشیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں

جَزَاؤُهُمْ	عِنْدَ	رَبِّهِمْ	جَنَّاتٌ	عَدْنٌ	تَجْرِي	مِنْ	تَحْتِهَا	الْأَنْهَارُ
بدلہ	ان	نزدیک	پروردگار ان	بیشیں	ہمیشہ رہنے والی	چلتی ہیں	سے	نیچے ان نہریں

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ

ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی رہے گا اور وہ اللہ سے راضی رہیں گے۔ یہ

خَالِدِينَ	فِيهَا	أَبَدًا	رَضِيَ	اللَّهُ	عَنْهُمْ	وَرَضُوا	عَنْهُ	ذَلِكَ
ہمیشہ رہنے والی	نجان	ہمیشہ	راضی ہوا	اللہ	سے ان	اور	راضی ہوئے وہ	سے ان یہ

لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (۸)

اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہو۔

لِمَنْ	خَشِيَ	رَبَّهُ
واسطے اس کے کہ	ڈرتا ہے	پروردگار اپنے

لغات

أَهْلُ الْكِتَابِ کتاب والے۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں اہل کتاب کے مصداق صرف یہود و نصاریٰ ہوتے ہیں۔ مُنْفَكِّينَ: صیغہ اسم فاعل اِنْفَكَاكَ سے جس کے معنی جدا ہونا۔ بَاذِرْهَنَا۔ چھوٹنا۔ فَكَّ فَكَا فَكَاكَ (ن) چھوڑنا، کھولنا، مرفی سورة البلد۔ البينة: واضح دلیل، گواہ، البین مذکر البینات جمع، بَنَانٌ بَيَانًا، تَبَيَّنَا (ض) ظاہر ہونا، واضح دلیل ہونا۔ يَتْلُو تِلَاوَةً (ن) تلاوت کرنا، پڑھنا تَلَوْ (ن) پیچھے چلنا۔ قِيَمَةً: صیغہ صفت۔ سچی ٹھیک، معاش و معاد کو ٹھیک کرنے والی، مستقیمہ، عادلہ۔ صَالِحٌ۔ قَامَ قَوْمًا قِيَامًا (ن) کھڑا ہونا وغیرہ۔ تَفَرَّقَ جدا ہونا۔ فَرَقَ، فَرَقًا، فَرَقَانًا، (ن) (ض) جدا کرنا، پھاڑنا، ناگ نکالنا۔ حَنَفَاءَ حَنِيفٍ کی جمع، ادیان باطلہ کو چھوڑ کر دین حق کو اختیار کرنے والا۔ حَنَفٌ حَنِيفًا (ض) جھکا، ٹیڑھا کرنا۔ الْبَرِيَّةُ مخلوق بروزن فعلیہ بمعنی مفعولہ جمع بَرِيَّاءَ، بَرَاءَ، بَرَاءُ بُرُوءًا (ف) نیست سے ہست کرنا۔ پیدا کرنا۔ عَدْنٌ یہ مصدر ہے (ن ض) رہنا بسنا، مقیم ہونا، عدن کو بعض علماء علم قرار دیتے ہیں اور بعض صفت، جو علم قرار دیتے ہیں وہ لوگ جنت کے ایک خاص مقام، درجہ کا نام بتاتے ہیں۔ دلیل میں آیت شریفہ ﴿جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَنُ﴾ کو پیش کرتے ہیں کہ معرفہ کو اس کی صفت لایا گیا ہے۔ امام دارقطنی نے (المختلف والمؤتلف) میں اور ابن مردودہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عدن حق تعالیٰ

کا (بنایا ہوا) گھر ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی بشر کے دل پر اس کا خیال گذرا۔ اس میں انبیاء صدیقین اور شہداء کے علاوہ کوئی نہ رہے گا۔ اور حق تعالیٰ فرمائیں گے طُوبٰی لِمَنْ دَخَلَکَ (اے عدن جو تجھ میں داخل ہوا اسکے لئے خوبی ہے)۔ اور جو لوگ علم نہیں بلکہ جنت کی صفت قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کے اصل معنی استقامت و اثبات کے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے سب جنتیں جنات عدن ہیں۔ امام قرطبی نے لکھا ہے کہ جنتیں سات ہیں (۱) دار الخلد (۲) دار الجلال (۳) دار السلام (۴) جنت عدن (۵) جنت الملاوی (۶) جنت نعیم (۷) جنت الفردوس۔

## ترکیب

لَمْ یَكُنْ فَعْل ناقص الذین کَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ موصول وصلہ مکرر اسم اور مِنْ بِنَانِیہ ہے مُنْفَعِلِیْنَ اپنے متعلق سے ملکر خبر۔ جملہ فعلیہ خبریہ۔ الْبَیِّنَةُ مبدل منہ یامین، رَسُوْلٌ موصوف کائن مِنْ اللہ صفت، مرکب توصیفی مبتدا یَتَلَوْنَ فعل ضمیر فاعل صُحُفًا مَطْهُرَةً موصوف وصفت ملکر مفعول بہ۔ فِیْهَا کائنۃ سے ملکر خبر مقدم۔ کَتَبَ قِیَمَةً مرکب توصیفی مبتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ صُحُفًا کی صفت ثانیہ یامَطْهُرَةً کی ضمیر سے حال جملہ یَتَلَوْنَ الخ مِنْ اللہ کے متعلق کی ضمیر سے حال یَا رَسُوْلُ کی صفت ثانیہ اور رَسُوْلُ اپنی صفت یادونوں صفتوں سے ملکر بدل یا عطف بیان۔ الْبَیِّنَةُ اپنے بدل یا بیان سے ملکر تاسی فعل کا فاعل۔ فعل فاعل و مفعول بہ سے ملکر بتاویل مفرد مجرور حَتّٰی متعلق ماقبل۔ الذّٰیْنَ اَوْتُوْا الْکِتٰبَ موصول وصلہ ملکر فاعل و مَا تَفَرَّقَ فعل کا الّا حرف استثناء لغو مَا جَاءَ تَهُمْ الْبَیِّنَةُ موصول وصلہ ملکر مضاف الیہ بَعْدَ کا مرکب اضافی مجرور مِنْ کا اور یہ متعلق ہوا فعل مذکور مَا تَفَرَّقَ کا اور یہ جملہ فعلیہ معطوف ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے، ای فحین شاہدوا النبی الموعود تَفَرَّقُوا۔ اور وَمَا تَفَرَّقُوا کے بجائے فاعل کا اظہار بیان شاعت کے لئے ہے۔ یعنی وہ اہل کتاب تھے۔ انہوں نے جان بوجھ کر مخالفت کی ہے۔ وَمَا اَمَرُوا فعل ضمیر فاعل الّا حرف استثناء لغو مُخْلِصِیْنَ اپنے متعلق لہ اور مفعول بہ الذّٰیْنَ سے ملکر لَیَعْبُدُوْا کی ضمیر فاعل سے حال خُفَاءً دوسرا حال یا مخلصین کی ضمیر سے حال لَیَعْبُدُوْا حسب سابق وَمَا اَمَرُوا کے متعلق اس جملہ فعلیہ کا وَمَا تَفَرَّقَ پر عطف ہے۔ اور یُوقِیْمُوْا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْا الزَّکٰوةَ دونوں جملوں کا عطف جملہ سابقہ یَعْبُدُوْا پر ہے وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقِیَمَةِ مبتدا و خبر جملہ اسمیہ ماضی پر عطف ہے۔ اِنْ حرف مشبہ بہ فعل الذّٰیْنَ اپنے صلہ سے مکرر اسم فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ جار مجرور متعلق۔ یشتون محذوف کے خَالِذِیْنَ فِیْهَا فعل محذوف کی ضمیر سے حال ہے۔ جملہ فعلیہ خبر ان ہوا۔ جملہ اسمیہ۔ اُولٰٓئِکَ مَبْتَدَاھُمْ ضمیر فصل یا مبتدائے ثانی شَرُّ الْبَرِیَّةِ خبر اِذْ الذّٰیْنَ الی خَیْرُ الْبَرِیَّةِ حسب سابق جَزَاءُھُمْ مبتدا عِنْدَ رَبِّھُمْ ظرف جَزَاءُ کا جَنَّتْ عَدْنٌ مرکب اضافی خبر اول۔ تجزوی فعل اپنے متعلق و فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبر ثانی خَلِیْدِیْنَ فِیْهَا خلوداً اَبَدًا (صفت کا صیغہ اپنے متعلق و مفعول مطلق سے ملکر) جَزَاءُھُمْ کی ضمیر سے حال ہے لانہ بمعنی المفعول للجزاء۔ رَضِیَ اللہ عَنْھُمْ فعل۔ فاعل، متعلق، جملہ فعلیہ خبر ثالث۔ یا جملہ مشافہہ فی جواب هَلْ جُوزُوْا وَاَوْرَاۤءَ ذٰلِکَ۔ وَرَضُوْا عَنْھُ مثلاً۔ ذٰلِکَ مبتدا خَشِیَ فعل ضمیر فاعل رَبَّہُ مفعول بہ جملہ صلہ موصول وصلہ ملکر مجرور متعلق کَانَ کے ہو کر خبر ای لک الرضاء کائن لمن خاف رَبَّہُ۔

## تفسیر

لَمْ يَكُنْ ..... اس سورت کے شروع میں بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کفر و شرک کے غلبہ کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں کفر و شرک اور جہالت کی عالمگیر ظلمت چھائی ہوئی تھی۔ حق تعالیٰ کی حکمت و رحمت کا تقاضا ہوا کہ اس کو دور کرنے کے لئے ایسی عالمگیر تابناک ہستی کو مبعوث فرمایا جائے جس سے پورے عالم کی تاریکیاں دور ہو سکیں۔ اس کفر و شرک اور جہالت کے شدید و مہلک مرض کے علاج کے لئے جس حکیم ماہر و طبیب حاذق کو بھیجا گیا۔ اس کو ان آیات میں بینہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور وہ ذات گرامی ہے سراج و ہاج صاحب معراج رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی، جو قرآن عظیم کی حجت واضحہ لیکر تشریف لائے۔ اس لئے اس سورت میں اولاً رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور اوصاف قرآن کو بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلی آیت کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) ایام جاہلیت میں مشرکین عرب اور اہل کتاب اپنی رواجی برائیوں کو ترک نہ کرتے تھے۔ اور اپنی اصلاح کو بینہ (رسول منتظر) کے آنے پر محمول کرتے تھے۔ پہلی آیت میں انہیں کا قول بطور تعریض نقل کیا گیا ہے۔ کہ اہل کتاب و مشرکین بقول خود اپنے مذہب باطل اور جہالت و بطالت سے بینہ آنے تک ٹلنے والے نہ تھے۔ اب تو بینہ یعنی اللہ کا رسول بھی ان کے پاس آ گیا۔ اب اپنی بداطواری سے وہ کیوں باز نہیں آتے جیسے کوئی شخص کہے کہ جب تک سواری نہ آ جائے میں چلنے ولا نہیں ہوں۔ لیکن سواری آنے پر جب وہ سیلے بہانے کرنے لگے تو تعریض کی جائے کہ آپ تو بغیر سواری چلنے والے نہ تھے۔ اب تو سواری آ گئی اب کیوں نہیں چلتے اسی طرح اس آیت میں بھی تعریض ہے۔

اس تفسیر کی بنا پر یہ اشکال پیش نہ آ یگا کہ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب و مشرکین اپنی گمراہی سے اس وقت تک نہ ٹلیں گے جب تک بینہ نہ آ جائے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ بینہ آنے کے بعد سب کو ہدایت پر آ جانا چاہیے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ جواب ..... ظاہر ہے کہ اس کلام میں کفار اہل کتاب و مشرکین کو تعریض کی گئی ہے۔ کہ اب تو بینہ آ جانے پر اپنے قول کے مطابق تم کو راہ ضلالت سے ہٹ جانا چاہیے۔ (۲) بعض کہتے ہیں کہ یہ تعریض نہیں بلکہ باری تعالیٰ کا خود ارشاد ہے کہ کفار اہل کتاب و مشرکین اتنے ضدی ہیں کہ وہ باز نہیں آئے، حتیٰ کہ کھلی ہوئی دلیل بھی ان کے سامنے آ گئی پھر بھی یہ باطل ہی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ (۳) بعض کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کفار دنیا سے جدا ہونے والے نہیں جب تک ان کے پاس بینہ اور حجت واضحہ نہ آ جائے۔ یعنی موت سے پہلے ان پر حق واضح ہو جاتا ہے۔ اور ان کا عذر لنگ ختم کر دیا جاتا ہے۔ اور محبت واضحہ خواہ عقل ہو یا کوئی نبی و ہادی، پھر آگے اس خاص بینہ کا بیان ہے جس کو بھیج کر تمام اہل کتاب و مشرکین پر حجت تمام کر دی گئی۔ اور وہ ہے: **رَأْسُوْلٍ مِّنْ اللّٰهِ** ..... (۴) بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم **﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ﴾** کے مثل ہے یعنی اہل کتاب و مشرکین عرب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے منتظر تھے جب پیغمبر یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو منکر ہو گئے اور پیغمبر آنے کے بعد اپنی بات سے ہٹ گئے، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر بلکہ آپ کی صفات وغیرہ تو ریت و انجیل میں مذکور تھیں۔ جنگی وجہ سے اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے اور آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ مشرکین عرب میں بھی چرچا تھا کہ ایک ایسی ہستی جلوہ گر ہونے والی ہے۔ جو عرب کی ابدی شوکت و عزت کا باعث ہوگی۔ اور عرب کے گلہ بان بھی

حکومت کریں گے۔ یہ بات عرب میں ایسی مشہور تھی کہ مشرکین بھی آپ کے منتظر تھے۔ لیکن جب آپ کی تشریف آوری ہوئی تو اکثر اہل کتاب و مشرکین آپ کے دشمن ہو گئے۔

(۵) ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اہل کتاب و مشرکین اپنی سرداری اور ریاست سے ملنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس بیسنہ آجائے۔ اور جب بیسنہ آ گیا اور اس پر ایمان نہ لائے تو ان کی ریاست جاتی رہی۔ اس سورت میں تورات کی اس پشتگوئی کی طرف اشارہ ہو جائے گا کہ یہودی حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک ان کے پاس شیلانہ آجائے۔ اور شیلانہ سے مراد بیسنہ ہے۔ گویا اس آیت میں بطور پشتگوئی اہل کتاب و مشرکین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ بیسنہ آچکا ہے۔ اب سرکشی چھوڑ کر صحیح راہ پر آ جاؤ ورنہ تمہاری خیریت نہیں۔ چنانچہ ایران و شام سے قیصر و سرکشی کی حکومتیں (جن کے فرمانروا نصرانی تھے) یہودی کی خیر و غیرہ مقامات کی ریاستیں اور مشرکین کی قبائلی سرداری و حکمرانی پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت و تکذیب کے باعث تہہ و بالا اور فنا ہو گئیں۔ (۶) لغوی نے لکھا ہے کہ بعض ائمہ لغت نے منسفکین کا ترجمہ ہالکین کیا ہے۔ اور ہلاکت و بربادی دنیوی و اخروی دونوں کو عام ہے۔

يَتْلُوْهُ حُفَا مَطْمَرَةً يَّه رَسُوْلٌ مِّنْ اللّٰهِ كِي صَفَتْ هِي۔ يتلو تلاوت سے شتق ہے جسکے معنی پڑھنے کے ہیں۔ مگر پڑھنے کو تلاوت نہیں کہا جاتا۔ بلکہ جو پڑھنا تلقین کرنے والے کے بالکل مطابق ہو اس کو تلاوت کہتے ہیں۔ اسی لئے عرف میں عموماً لفظ تلاوت قرآن پڑھنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ یعنی وہ رسول امی ہونے کے باوجود صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے۔ اور وہ صحیفے باطل کی آمیزش و شیطاں کے تصرف کذب، غیر مہذب باتوں اور تحریف و تبدیل سے پاک ہیں۔ ان صحیفوں میں عمدہ و مستحکم احکام ہیں۔ اس میں قریض ہے کہ یہود و نصاریٰ کی کتب تحریف و تبدیل کے عیوب سے خالی نہیں۔ اور نہ ان میں نہ منسوخ ہونے والے مستحکم احکام ہیں۔

(س) ضحف اور کُثْب دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ کیونکہ صحیفہ لکھے ہوئے مضمون کو کہتے ہیں اور کتاب بھی توفیہا کُثْب کے معنی ہوئے کہ صحف میں کتب ہیں۔ یعنی لکھے ہوئے مضامین میں لکھے ہوئے مضامین ہیں۔ اور یہ کلام درست نہیں۔ (ج) کتب سے مراد صحیفے (لکھے ہوئے مضامین نہیں) بلکہ مطالب و احکام ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں دوسری جگہ ﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ﴾ میں لفظ کتاب سے حکم ہی مراد ہے اسی طرح یہاں بھی لفظ کُثْب بمعنی احکام ہے۔ قِیمۃ کے معنی معتدل، منصفانہ، مضبوط و مستحکم، غیر منسوخ ہیں۔ اور یہاں سب معنی درست ہو سکتے ہیں۔ (س) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی صحیفہ سے قرآن نہ سُناتے تھے بلکہ اپنی یاد سے پڑھ کر سُناتے تھے۔ پھر یَتْلُوْاْ صُحُفًا کہنا کیسے درست ہے؟ (ج) اس میں قرآن پاک کو جو حافظہ میں موجود تھا مایول کے اعتبار سے صحفاً سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایسے مضامین قرآنِ نبی کی تلاوت کرتے اور لوگوں کو سُناتے ہیں جو تمام عیوب سے پاک ہیں۔ اور ان میں معتدل، مستحکم اور دائمی (نہ منسوخ ہونے والے) احکام ہیں۔

وَمَا تَفَرَّقَ ..... تفرق سے مراد یہاں اختلاف و تکذیب اور انکار ہے، کیونکہ تورات و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و بعثت اور خاص خاص صفات کا ذکر تھا۔ نیز قرآن پاک کے نازل ہونے کی بھی وضاحت سے تذکرہ تھا۔ اس لئے یہود و نصاریٰ سب اس بات پر متفق تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، وہ آخری رسول ہوں گے، ان پر قرآن مقدس نازل ہوگا۔ اور آپ ہی کا اتباع سب پر لازم ہوگا۔ دوسری جگہ اس اتفاق کا ذکر اس طرح ہے ﴿



وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ یعنی اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منتظر تھے۔ اور جب کبھی مشرکین سے مقابلہ ہوتا تو وہ آنے والے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اپنی فتح مانگتے تھے۔ یعنی دعا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں کی برکت سے ہمیں فتح نصیب فرما۔ نیز مشرکین سے کہتے تھے کہ تم ہم سے مقابلہ کرنے کی جرأت کرتے ہو۔ مگر عنقریب ایک ایسے رسول آنے والے ہیں جو تم کو زیر کر دیں گے۔ اور ہم چونکہ ان کے ساتھ ہوں گے تو وہ ہماری فتح ہوگی۔

حاصل یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تو تمام اہل کتاب آپ کی نبوت و رسالت پر متفق تھے مگر تشریف آوری پر منکر ہو گئے ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ﴾ مذکورہ آیت میں بھی یہی مضمون ہے۔ کہ یہ عجیب بات ہے کہ پہلے سب متفق تھے تشریف آوری کے بعد افتراق پیدا ہو گیا۔ کہ کچھ لوگ آپ پر ایمان لائے کچھ نہیں لائے۔ حالانکہ واضح دلیل آ جانے کے بعد تو نہ ماننے والوں کو بھی مان لینا ضروری تھا۔ یہ معاملہ کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص تھا اس لیے آیت میں صرف اہل کتاب کو ذکر کیا مشرکین کو شامل نہیں کیا گیا اور پہلا معاملہ اہل کتاب و مشرکین دونوں کو عام تھا۔ اس لئے سورت کی پہلی آیت میں دونوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قبل بعثت تصدیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف اہل کتاب متفق تھے۔ مشرکین متفق نہ تھے، بلکہ اہل کتاب سے سن کر ان کو معلوم ہوا تھا کہ وہ لوگ دعا کرتے تھے اللھم افصح علینا وانصرنا بالنبی المبعوث فی اخر الزمان اور اپنے مشرک دشمنوں سے کہتے تھے کہ نبی مبعوث کا زمانہ قریب ہے۔ ہم ان کے ساتھ ملکر تم کو (قوم) عا دو ارم کی طرح قتل کر دیں گے۔ ممکن ہے کہ بعض اہل کتاب نے ان کو آپ کی صفات وطن و مولد و مسکن وغیرہ پر بھی مطلع کر دیا ہو، جس کی وجہ سے مشرکین کو اس کا یقین ہو گیا ہو۔ چنانچہ بہت سے مشرکین نے اپنے لڑکوں کا نام اسی لالچ میں محمد رکھا کہ شاید یہی نبی مبعوث ہو جائے، لیکن تصدیق پر اہل کتاب کی طرح سب متفق نہ تھے۔ اس لئے یہاں صرف اہل کتاب کا ذکر کیا گیا۔

بعض کہتے ہیں پہلی آیت میں ان اہل کتاب و مشرکین کا ذکر ہے جو بیسنہ پر ایمان لے آئے۔ اور وَمَا تَفَرَّقَ میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو کفر پر قائم رہے۔ کیونکہ وہ زیادہ سرزنش کے مستحق تھے۔ یہاں مشرکین کا ذکر ضمناً خود بخود سمجھ میں آ گیا۔ ان دونوں آیات میں اور بھی بہت سے اقوال ہیں جن کو صاحب روح المعانی نے تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

### ایک اہم شبہ کا جواب:

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیشمار معجزات بھی دیئے گئے آپ کے اخلاق و عادات، سیرت و کردار وغیرہ ہر شے آپ کے نبی برحق ہونے کی دلیل ہے۔ آپ کی ذات گرامی نورانی و تابناک اور بیسنہ کی مصداق ہے۔ مگر انہوں نے تو سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اور تمام پیغمبروں کی تعلیمات کو ناقابل عمل قرار دیا ہے تو ہم ایسے ایک انسان کی بات آخر کیسے مان لیں؟

اگلی آیات وَمَا أَمُرُوا..... میں اس شبہ کا مکمل جواب ہے کہ سابقہ شریعتوں اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نہ وہ تکذیب کرتے ہیں نہ ان کو باطل و غلط قرار دیتے ہیں۔ بلکہ ان کی تائید و تصدیق اور تکمیل فرماتے ہیں۔ اور شرائع سابقہ کے منسوخ ہونا مطلب صرف یہ ہے کہ اب ایک مکمل نظام حیات آ گیا ہے۔ اس کے سامنے دوسری شریعتوں کی حاجت

نہیں، مثلاً دنیا میں جب طلوع آفتاب ہو گیا تو غٹمٹاتے چراغ کا اب کام نہیں۔ بلکہ چاند ستاروں کا نور بھی آفتاب کی جلوہ گری میں کام نہ دیکھا پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب رسالت ہیں۔ اب رات نہیں ہے کہ ستاروں کے انوار چمکیں، اور رات کی روشنیاں کا رآمد ہوں۔ پھر تمام انبیاء علیہم السلام نے جو عقائد دنیا کو سکھائے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سکھائے ہیں۔ جن میں سے بنیادی عقیدہ لا الہ الا اللہ یعنی توحید کا عقیدہ ہے۔ اور اعمال میں جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام نے عبادت بدنی و عبادت مالی کی تعلیم اپنی امتوں کو دی ہے اسی طرح نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عبادات بدنیہ و مالیہ کا ایک کامل و مکمل نظام پورے عالم کے سامنے پیش کیا ہے جس میں سرفہرست اقامت صلوٰۃ و ایتاء زکوٰۃ ہیں، کیونکہ یہ شریعت تمام ادیان و احکام سابقہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات عالیہ کو جامع ہے۔ اس لئے یہ دین مستحکم و مضبوط اور کامل و مکمل ہے۔ اور ادیان میں وہ کمال نہیں کہ وہ حرف آخر بن سکیں۔

### بَیِّنَۃ کی تشریح:

الْبَیِّنَۃ صفت بمعنی اسم فاعل ہے۔ المبین للحق یا وہ دلیل جو دعویٰ کو ثابت کر دے۔ اس مقام پر اس سے ایسی کھلی ہوئی حقیقت اور ایسی روشن دلیل و بُرہان ظاہر مراد ہے جو حق و باطل میں امتیاز پیدا کر دے۔ اور وہ ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات، کیونکہ یہاں خود رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہ سے اس کا بیان موجود ہے، معنی اول کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اس لئے اس کا مصداق ہے کہ آپ نے تشریف لا کر حق و باطل کو یُجَدِّدُ اَفْرَادِیَا، حق بشکل حق واضح ہو گیا اور باطل بصورت باطل عیاں ہو گیا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (سِرَاجًا مُّنِیْرًا روشن چراغ) فرمایا گیا ہے، دوسرے معنی کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی اس لئے مصداق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات، عادات اور علامات سنہ اہل کتاب ایسے واقف تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی بلا تردد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی آخر الزمان ہیں ﴿يَعْرِفُوْنَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اٰتِیَآءَہُمْ﴾ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و صفات، صورت و سیرت بلکہ ہر شے ایک معجزہ تھی، جس کو دیکھ کر ہر شخص آپ کے نبی برحق ہو نیکا یقین کرنے پر مجبور تھا بشرطیکہ اس کا قلب بصیرت سے قطعاً محروم نہ ہو گیا ہو۔

کَافَاکَ بِالْعِلْمِ فِی الْاُمَمِ مَعْجَزَۃ فِی الْجَاهِلِیَۃِ وَالتَّسَادِیْبِ فِی الْیَتِیْمِ  
پھر آپ کی تاثیر صحبت اور تعلیم و ہدایت، افادہ خلق ایسے کئے ہوئے معجزات ہیں کہ آپ کے رسول و نبی برحق ہونے پر ایک دلیل کافی ہے۔

جو سویا تھا احساس اس کو جگایا  
کچھ ایسا اخوت کا چشمہ بہایا  
مجت سکھادی عداوت بھلا دی  
فَقَدْ اَعْطِیْتَ مَا لَمْ یُعْطَ خَلْقٌ  
جو فتنہ تھا بیدار اس کو سلایا  
کہ دم میں تعصب کا شعلہ بجھایا  
لگادی یہ آگ، اور وہ آتش بجھادی  
عَلِیْکَ صَلَوةٌ رَّیْبُکَ بِالسَّلَامِ

اکثر مفسرین و جمہور علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ بینہ سے مراد یہاں پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن قَادُوْہ و ابْن زید وغیرہ بعض حضرات نے بینہ کا مصداق قرآن عزیز کو بتایا ہے کیونکہ وہ بھی حق کو واضح کرنے والا ہے۔ اور معجزہ

ودلیل ہے دعویٰ نبوت پر۔ اس صورت میں رَسُولُ مَنْ اللہ بدل اشتمال یا بدل کل ہو گا یا وحی، معجز، کتاب، بینہ وغیرہ مضاف محذوف ماننا پڑیگا۔

### دینُ القیمۃ کے معنی:

نضر بن شمیلؒ نے خلیل بن احمدؒ سے اس کے معنی پوچھے تو انہوں نے فرمایا: وذلك دين الجماعة القیمة (یہی ان تمام لوگوں کا دین رہا ہے جو توحید پر قائم تھے) قیمة، قییم اور قائم تینوں الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں۔ یا یہ معنی ہیں کہ وذلك دين كتب القیمة (ان تمام صحیح کتابوں میں جن میں تحریف و تبدیل نہیں ہوئی یہی دین مندرج ہے) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کتب سے مراد فیہا کُتِبَ قِیْمَة ہوں یعنی قرآنی مضامین۔ بعض علماء نے کہا کہ اس کے معنی ہیں کہ یہی ملت حق و شریعت مستقیمہ ہے ذلك الملة القیمة او الشریعة القیمة بغویؒ کہتے ہیں کہ دین اور القیمة دونوں جدا جدا چیزیں ہیں۔ اس لئے دین کی القیمة کی طرف اضافت کر دی گئی۔ اور کیونکہ الملة اس کا موصوف محذوف ہے اسلئے القیمة پرتائے تانیہ لائی گئی ہے۔ ای ذلك الملة القیمة. والتغایر الاعتباری بین الدین والملة یصح الاضافة. وقیل الحجج القیمة بعض نے موصوف مقدم نہیں مانا بلکہ دین کو بمعنی الملة مانا ہے۔ اور بعض نے قیمة کی تاء کو مبالغہ کے لئے مانا ہے نہ کہ تانیہ کے لئے۔

(س) جب اہل کتاب و مشرکین کے پاس پیڑہ اور دین قیم آگئے تو انھوں نے آخران کو تسلیم کیوں نہیں کیا۔ یہ تعجب کی بات ہے؟ (ج) بینہ و دین قیم اور قرآن عزیز روح کے لئے اچھی غذا کی طرح ہیں۔ اچھی غذا بدن کو قوت پہنچاتی ہیں بشرطیکہ اس میں امراض نہ ہوں۔ اگر امراض ہوں گے تو امراض کو قوت مل جاتی ہے اور امراض بڑھ جاتے ہیں۔ اہل کتاب و مشرکین کی ارواح میں حسد و عناد و ضد و فساد، جہل و تعصب جیسے خبیث امراض تھے۔ جب ان کے لئے حق تعالیٰ نے عمدہ غذا ظاہر کی تو ان کے امراض اور بڑھ گئے۔ ﴿فَلَوْ أَنَّهُمْ فَرَضُوا فَرَضَ اللَّهِ مَرَضًا﴾ میں حق تعالیٰ نے اسی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا..... اس آیت میں ان اہل کتاب و مشرکین کا انجام بیان فرمایا گیا ہے جنہوں نے بینہ کو نہیں مانا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب و مخالفت کی اور تعظیم رب (توحید و نماز) اور خلق خدا پر رحم (زکوٰۃ) سے منہ موڑ لیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے دوزخی ہیں اور مخلوق میں سب سے زائد بدترین ہیں۔ سورہ فرقان میں اسی حقیقت کی اس طرح واضح فرمایا ہے ﴿أَوَلَيْكَ كَالِإِنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾۔ اور سورہ واتین میں ﴿ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ﴾

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا..... کفار کے مقابلہ میں اس آیت میں اہل ایمان کا انجام بیان فرمایا ہے۔ کہ جو لوگ ایمان و عمل صالح سے مالا مال ہیں وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ ان کو ایمان و عمل کا صلہ حق تعالیٰ کا قرب اور عدن کے باغات ہمیشہ کے لئے نصیب ہوں گے۔ اور ان کی اپنے رب سے رضا و خوشنودی کا بدلہ اور خوف و خشیت کی جزا حق تعالیٰ کی ابدی رضا و خوشنودی ہوگی۔

## شَرُّ الْبَرِّیَّةِ کی تحقیق:

جملہ اُولَئِکَ هُمْ شَرُّ الْبَرِّیَّةِ کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اعمال کے اعتبار سے سارے انسانوں بلکہ تمام مخلوق سے بدترین ہیں۔ اگر یہ معنی ہیں تو یہ خلل و فساد کی علت ہوگی۔ اور اگر یہ معنی ہوں کہ وہ لوگ مقام اور ٹھکانے کے اعتبار سے بدترین خلق ہوں گے تو ماقبل کی تاکید ہوگی۔ اول معنی کو علماء نے ترجیح دی ہے۔

(س) لیکن دونوں صورتوں میں ایک اشکال یہ پیش آئے گا کہ اہل کتاب و مشرکین کو سب سے بدترین کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ جبکہ ان سے بدترین لوگ خدا کی مخلوق میں ہیں، مثلاً ابلیس اور دیگر شیاطین ان سے بدتر ہیں اعمال کے اعتبار سے بھی، اور مقام کے اعتبار سے بھی۔ اسی طرح منافقین بھی ان سے بدتر ہیں کیونکہ وہ مشرک و کافر بھی ہیں۔ اور نفاق کا جرم ان کا مستقل الگ ہے اسی طرح وہ عمل میں اہل کتاب و مشرکین سے بدتر ہیں۔ اور جہنم میں مقام کے اعتبار سے بھی بدترین ہیں۔ قرآن پاک میں ہے ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَةِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں رہیں گے۔ اس کے علاوہ پچھلی امتوں کے بعض اور لوگ بھی ان سے بدتر ہیں۔ مثلاً جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا، اور فرعون، نمرود، وغیرہ جنہوں نے کفر و شرک کے ساتھ خدا کی کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ نیز قدراہن سالف اور اس کے ساتھی جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ کو قتل کیا تھا۔ قرآن نے قدراہن کو آشتی (سب سے زیادہ بد بخت) فرمایا ہے۔

(ج) بعض حضرات نے جواب دیا ہے کہ سورۃ سے مراد اہل کتاب و مشرکین کے ہمعصر دوسرے لوگ ہیں۔ لیکن یہ جواب ناقص ہے کیونکہ ابلیس و شیاطین بھی تو ان کے زمانہ میں موجود رہے ہیں جو ان سے بھی بدتر ہیں۔ بعض دوسرے حضرات نے جواب دیا کہ جملہ سے جو صرح میں آتا ہے وہ حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے۔ کیونکہ اہل کتاب و مشرکین، اہل ایمان کو بدترین لوگ خیال کرتے تھے۔ تو حق تعالیٰ نے اس کی تردید میں اہل ایمان کو بہترین خلق اور اہل کتاب و مشرکین کو بدترین خلق فرمایا ہے۔ اور شر میں تفضیلی معنی کا اعتبار نہیں ہے۔ ورنہ فی الجملہ شرک و ثبوت مؤمنین میں بھی مفہوم ہوگا۔ لیکن اگر بظرف غائر دیکھا جائے تو کفار اہل کتاب و مشرکین انسانوں میں سب سے زیادہ مجرم ہیں کیونکہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کو سچا جان کر تکذیب کرتے تھے۔ اور دوسروں کو حق سے روکتے اور گمراہ کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشمار معجزات اور صدق و دیانت کا بار بار مشاہدہ اور تجربہ کر چکے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دینے کی بار بار کوششیں بھی کر چکے تھے۔ ان جرائم کے علاوہ بہت سے دوسرے جرائم کے وہ مرتکب تھے۔ ان تمام میں اہل کتاب و مشرکین مشترک ہیں۔ اور اہل کتاب کلام الہی کی تحریف و تبدیل، کتمان حق وغیرہ کے بھی مرتکب تھے۔ پھر یہ دونوں فریق افضل المرسل کے مخالف ان کے مقابلہ میں ہر وقت جنگ کرنے کو آمادہ ہی نہیں بلکہ بارہا مقابلہ کے مرتکب ہوئے۔ تمام جرائم کے ساتھ یہ لوگ یقیناً تمام انسانوں سے زائد مجرم اور بدترین ہیں۔ رہے منافقین تو وہ بھی انہیں میں شامل ہیں۔ وہ ان سے الگ نہیں تھے۔

## خَیْرُ الْبَرِّیَّةِ کی تحقیق:

(۱) اُولَئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِّیَّةِ سے علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ بشر ملک سے افضل ہے۔ کیونکہ آیت میں آمنوا کا مصداق بشر ہی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ تم ملائکہ کے بلند مرتبہ سے تعجب کرتے ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! بندہ مومن کا مرتبہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن ملک کے مرتبہ سے بھی اعظم ہوگا۔ اگر تم (اسکی دلیل) چاہتے ہو تو اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولَٰئِکَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِّیَّةِ پڑھ لو۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ ارشاد فرمایا اے عائشہ کیا تم نے اِنَّ الَّذِیْنَ آیت کو نہیں پڑھا (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ مومن سب سے اکرم و افضل ہے) لیکن یہاں چند باتوں کا دھیان رکھنا ضروری ہے۔ (۱) آیت میں اہل ایمان سے مراد انسان ہیں (۲) بریہ سے مراد تمام مخلوق ہے تاکہ استدلال افضلیت اہل ایمان بشر پر ہو سکے (۳) آیت کے عموم میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں۔ ورنہ تو ان اہل ایمان کی افضلیت جن میں انبیاء علیہم السلام داخل نہ ہوں تمام ملائکہ پر کسی کے نزدیک بھی مسلم نہیں ہے۔ بلکہ جو اس کا قائل ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام اہل ایمان سب فرشتوں سے افضل ہیں اس کو اہل سنت والجماعت مومن نہیں مانتے۔ اہل السنۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام سب فرشتوں سے افضل ہیں ان کے علاوہ خواص ملائکہ خواص مومنین سے افضل ہیں۔ اور خواص اہل ایمان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اور عام فرشتے عام مسلمانوں سے افضل ہیں۔ اور سب اہل ایمان جن میں انبیاء و رسل بھی شامل ہیں تمام خواص و عوام فرشتوں سے افضل ہیں۔ لیکن عام مومنین جنت میں داخل ہو کر عام ملائکہ سے افضل ہو جائیں گے۔

(۲) بعض علماء نے فرمایا کہ آیت سے جو حصر مفہوم ہوتا ہے وہ حصر اضافی ہے۔ اور اس میں اہل کتاب و مشرکین کے زعم کا رد ہے مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان بشر، کفار بشر کے مقابلہ میں بہترین ہیں۔ یعنی بریہ سے مراد بھی انسان ہیں۔ جیسا کہ یہی حصر اضافی شر البریہ میں ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔ اور جس طرح وہاں شر میں تفضیلی معنی ملحوظ نہ تھے خیر میں بھی نہیں ہیں۔ جس سے کفار میں خیریت کا شبہ ہو سکے۔ اب رہی مذکورہ روایات تو ان کی صحت میں محدثین کو کلام ہے۔ (۳) شیعہ کہتے ہیں کہ آیت کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ و ذیعیان علی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں وہ کچھ روایات بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ سب روایات ناقابل اعتبار اور موضوع ہیں۔ لیکن اگر ان روایات کو بالفرض صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ و ذیعیان علی کا انبیاء علیہم السلام اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بہتر و افضل ہونا لازم آتا ہے جس کے وہ خود بھی قائل نہیں ہیں۔ شیعوں کا فرقہ امامیہ اگرچہ اس کا قائل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام انبیاء علیہم السلام اولوالعزم رسولوں اور مقرب فرشتوں سے افضل ہیں لیکن وہ لوگ بھی حضرت علی کو محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں مانتے۔ بہر حال آیت تمام مومنین کو عام ہے اس میں کسی مومن یا کسی ایک طبقہ کی خصوصیت نہیں۔ اور نہ خصوصیت پر کوئی دلیل صحیح موجود ہے۔

رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ اُس آیت میں اہل جنت کی سب سے بڑی نعمت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اس کی ناراضگی کا کبھی کوئی خطرہ نہیں۔ ﴿وَرَضُوا عَنْہُ﴾ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے خطاب فرمائیں گے یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ تو اہل جنت جواب دیں گے لَبَّیکَ رَبَّنَا وَنَسْعُدُ بِکَ وَالْخَیْرُ کُلُّہُ فِیْ یَدَیْکَ (اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اطاعت کے لئے تیار ہیں، اور ہر بھلائی آپ کے قبضہ میں ہے) پھر ارشاد ہوگا هَلْ رَضِیْتُمْ یعنی کیا تم لوگ راضی ہو؟ اہل جنت عرض کریں گے اے ہمارے رب! اب بھی ہم کیوں راضی نہ ہوں گے آپ نے ہمیں وہ سب کچھ عطا فرمایا جو اور کسی مخلوق کو نہیں ملا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کیا میں تم کو اس سے بھی افضل اور بہتر نعمت نہ دیدوں؟ جنتی عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! اس سے

بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں تم پر اپنی رضا نازل کرتا ہوں۔ آئندہ کبھی تم سے ناراض نہ ہوؤں گا۔ (بخاری و مسلم) حدیث بالا میں مذکور ہے کہ اہل جنت سے حق تعالیٰ پوچھیں گے اَرَضِیْتُمْ یعنی کیا تم راضی ہو؟ اور اس آیت میں خبر دیدی گئی کہ اہل جنت اللہ سے راضی ہوں گے۔ ﴿وَرَضُوا عَنْهُ﴾ یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم اور ہر فعل پر راضی ہونا بندہ کا فریضہ اور عہدیت کا لازمہ ہے۔ اس کے بغیر تو کوئی جنت میں جا ہی نہیں سکتا۔ پھر آیت میں اہل جنت کی رضا کے ذکر کرنا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کہ رضا کے عام مفہوم کے اعتبار سے تو یہ بات صحیح ہے۔ کہ رضا بالقدر والقننا واجبات و لوازم عہدیت میں داخل ہے۔ لیکن رضا کا ایک خاص درجہ اور بھی ہے جو اس سے آگے ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی ہر آرزو اور مراد کو پورا فرمادیں اور اس کی کوئی تمنا باقی نہ رہے۔ اس جگہ رضا سے یہی مخصوص درجہ مراد ہے اور سورہ فتح میں آیت ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾ میں بھی غایت تمنا کا پورا کر دینا ہی مراد ہے۔ اسی لئے اس آیت کے نزول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پھر تو میں اپنے رب سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک میری امت کا ایک شخص بھی دوزخ میں باقی رہیگا۔

### رضا کی قسمیں:

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لفظ رضا کبھی براء کے صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے (رضی بہ) جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ سے مدبر کائنات ہونے پر راضی ہے۔ اور کبھی بصلہ عن آتا ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں بندہ کا قضا و قدر الہی پر خوش ہونا۔ صاحب مظہری کہتے ہیں کہ رضا بالقننا کی بھی تین قسمیں ہیں: (۱) اول یہ ہے کہ قضائے الہی پر اعتراض نہ کرے، اور یہ یقین رکھے کہ اللہ نے جو کچھ کیا بہتر کیا، گو ہم کو اس کی خوبی اور حکمت کا علم نہیں۔ رضا کی یہ قسم تمام بندوں پر لازم ہے پسند ہو یا نا پسند، اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی رہے۔ لیکن گناہ یا کفر کا صدور گو اللہ تعالیٰ کے ارادہ و تخلیق سے ہوتا ہے مگر بندہ کے کسب کو اس میں دخل ہوتا ہے۔ اس لئے بحیثیت کسب و عمل بندہ کو اس پر راضی ہونا جائز نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ کو بندہ کے کفر و عصیان پسند نہیں، بلکہ رضا بالعصیان معصیت اور رضا بالکفر کفر ہے۔ رضا بالقننا کی اس پہلی قسم کا لزوم عقل و نقل سے ثابت ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ مالک و متصرف ہیں۔ اور حاکم و حکیم ہیں، مالک کو اپنی ملک میں تصرف کا پورا پورا حق ہوتا ہے۔ کسی کو اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ اور فیصلہ بھی حاکم کا حق ہے۔ نیز حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ سری سقطی فرماتے ہیں کہ جب تو اللہ سے راضی نہیں تو وہ تجھ سے کس طرح راضی ہو سکتا ہے۔ (۲) رضا بالقننا کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ کی ہر مشیت بندہ کو محبوب و مرغوب ہو جائے۔ خواہ اس کی خواہش کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات اللہ کی محبت اور اس کے عشق سے پیدا ہوتی ہے۔ محبوب کا فعل اور اس کی مراد عاشق کے نزدیک اپنی ذاتی خواہش و مراد سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

اُرِيدُ وَصَالَهُ وَيُرِيدُ هَجْرِي فَتَرَكْ مَا اُرِيدُ لِمَا يُرِيدُ

میری خواہش وصال یار ہے اور اس کی خواہش فراق۔ تو میں اپنی خواہش کو اس کی خواہش پر قربان کرتا ہوں

راضی ہوں میں اسی میں جسمیں ہوں آپ راضی میری خوشی وہی ہے جو آپ کی خوشی ہے

(۳) رضا کی تیسری قسم یہ ہے کہ بندہ اپنی غایت تمنا پر کامیاب ہو جائے۔ اور اس کی ہر آرزو پوری ہو جائے

آیت میں یہی مراد ہے جس کی تفصیل اوپر بیان کر دی گئی۔

ذَٰلِكَ لَٰعِنْ خَشِي رَّبَّهُ اس آخری آیت میں وہ چیز بتادی جس پر تمام دنیوی و اخروی کمالات کا مدار ہے اور وہ ہے خشیت اللہ۔ خشیت اس خوف کو نہیں کہا جاتا جو دشمن یا درندے یا کسی موذی چیز سے طبعاً ہوتا ہے۔ بلکہ خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو کسی انتہائی عظمت و محبت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جس کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس کی رضا جوئی کی ہمہ وقت فکر ہو۔ اور اس کی ناراضگی کے اندیشہ سے بھی بچتا رہے یہی خشیت بندہ کو کامل و مقبول یا رگاہ خداوندی بنادیتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَشِیَّتَکَ الَّتِیْ تَحُولُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ۔

تم تفسیر سورۃ البینۃ فالحمد لله رب البریۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الذی یتلو صحفًا مطہرۃ فیہا کتب قیمۃ وعلیٰ الہ وصحبہ الذین رضی اللہ عنہم ورضواعنہ وفازوا بالجنة السنیۃ۔

## سُورَةُ الزَّلْزَالِ

سُورَةُ الزَّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانُ آيَاتٍ

دکوع ۱۔ آیات ۸ سورۃ زلزال مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں آٹھ آیات ہیں۔ کلمات ۲۵۔ حروف ۱۴۹

اس سورت کو سورۃ الزلزال بھی کہتے ہیں، اور سورۃ الزلزلہ بھی کہتے ہیں۔ قَادَةُ وَمَقَاتِلُ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن عباسؓ و مجاہدؓ اور عطاءؓ فرماتے ہیں کہ یہ مدینہ ہے۔ جمہور کا قول بھی یہی ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے قول ثانی کی دلیل میں ابن ابی حاتم کی روایت کردہ ایک حدیث پیش کی ہے۔ جو حضرت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ جب اس سورت کی آخری۔ آیت فَمَنْ يَعْمَلْ..... نازل ہوئی تو (حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنا (ہراک) عمل دیکھوں گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا بڑے بڑے بھی؟ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا چھوٹے بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے کہا ہائے میری ماں مجھ کو گم کر دے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا خوش ہو جاؤ اے ابوسعید کیونکہ ہر نیک عمل دس گنا (بڑا) ہوتا ہے۔ الحدیث۔ اس روایت سے استدلال اس طرح سے کیا گیا ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ مدنی صحابی ہیں۔ اور غزوہ احد کے بعد ہی وہ سن بلوغ کو پہنچے ہیں۔ کیونکہ ان کی وفات ۳۷ھ میں چوراسی سال کی عمر میں ہوئی ہے۔ تو حدیث مذکور کے واقعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے کہ اس میں زلزلہ کا ذکر ہے۔

ابط مناسبت: سورۃ بینہ میں کافروں اور مؤمنوں کی سزا و جزا کا بیان تھا جس سے دلوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس سزا و جزا کا وقت کب آئیگا تو اس سورت میں اسی کا جواب ہے۔

ضمائل سورت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ اِذَا زُلْزِلَتْ نِصْفُ قُرْآنٍ لِّیْ بَرَابَرٍ۔ ایک اور حدیث میں اس کو چوتھائی قرآن کے برابر قرار دیا ہے۔ ایک ضعیف الاسناد حدیث میں حضرت علیؓ سے منقول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے چار بار اِذَا زُلْزِلَتْ پڑھ لی تو وہ (ثواب میں) اس شخص کی طرح

ہے جس نے پورا قرآن پڑھ لیا۔ پہلی حدیث کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک دو قسم کے احکام (احکام دنیا و احکام آخرت) پر مشتمل ہے۔ اور یہ سورت احکام آخرت پر مشتمل ہے۔ اور دوسری حدیث کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں موجود ہے کہ آدمی مؤمن اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لے آئے۔ (۱) لا الہ الا اللہ کی شہادت اور اس بات کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اللہ نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ (۲) موت پر ایمان لائے (۳) بعث بعد الموت پر ایمان لائے (۴) تقدیر پر ایمان لائے۔ (ترمذی) ظاہر ہے کہ اس سورت میں ان چاروں میں سے ایک مسئلہ (بعث بعد الموت) کو بیان فرمایا گیا ہے۔ علامہ جزریؒ نے فرمایا کہ چوتھائی قرآن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں چار چیزوں کا بیان ہے۔ (۱) زندگی (۲) موت (۳) حشر (۴) حساب، اس سورت میں ان میں سے حساب کا ذکر ہے۔ اور نصف قرآن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں احوال دنیا و احوال آخرت کا بیان ہے۔ ان دونوں میں سے مؤخر الذکر کا اس سورت میں بیان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ پڑھا دیجئے، آپ نے فرمایا کہ ”آلہ“ کوئی تین سورتیں پڑھ لو۔ اس نے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرا دل سخت ہو گیا اور زبان موٹی ہو گئی ہے۔ فرمایا کہ ”حکم“ کوئی تین سورتیں پڑھ لو۔ اس نے پھر وہی جواب دیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے تو کوئی جامع سورت سکھا دیجئے۔ تو آپ نے اس کو اذازلزلت پڑھا دی۔ پڑھ کر اس نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں کبھی اس میں زیادتی نہ کروں گا۔ اور پشت پھیر کر چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے فرمایا کہ با مردو کا میاب ہو گیا۔ مظہری۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَہَا (۱) وَاُخْرِجَتِ الْاَرْضُ اَنْفَالَہَا (۲) وَقَالَ الْاِنْسَانُ

اِنَّا	اِذَا	زُلْزِلَتْ	الْاَرْضُ	وَاُخْرِجَتِ	الْاَرْضُ	اَنْفَالَہَا	وَقَالَ	الْاِنْسَانُ
جس وقت	بلائی جاوے گی	زمین	زلزلہ آئے گی	و	اُخْرِجَتِ	اَنْفَالَہَا	اور	کہے گا
کہاں	بھونچال آئے	زمین	کال ڈالے گی	و	اُخْرِجَتِ	اَنْفَالَہَا	اور	کہے گا

مَنْ اَلْہَا (۳) یَوْمَئِذٍ تَحْدِثُ اَخْبَارَہَا (۴) یَا اَرْبُّکَ اَوْحِی لَہَا (۵) یَوْمَئِذٍ

مَا	لَہَا	یَوْمَئِذٍ	تَحْدِثُ	اَخْبَارَہَا	مَا	یَا اَرْبُّکَ	اَوْحِی	لَہَا	یَوْمَئِذٍ
کیا ہوا	اس کو	اس دن	کہے گی (زمین)	باتیں	اپنی	بسبب اسکے کہ	پروردگار تیرے	حکم بھیجا	اس کو
کیا ہوا	اس کو	اس دن	کہے گی (زمین)	باتیں	اپنی	بسبب اسکے کہ	پروردگار تیرے	حکم بھیجا	اس کو

یَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا اَعْمَالُہُمْ (۶) فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا

یَصْدُرُ	النَّاسُ	اَشْتَاتًا	لِّیُرَوْا	اَعْمَالُہُمْ	فَمَنْ	یَّعْمَلْ	مِثْقَالَ	ذَرَّةٍ	خَیْرًا
پھرتا	لوگ	مشتق	تو کہ دکھائے جاویں	عمل ان	پس جو کوئی	کے گا	برابر	بجگہ	بھلائی
پھرتا	لوگ	مشتق	تو کہ دکھائے جاویں	عمل ان	پس جو کوئی	کے گا	برابر	بجگہ	بھلائی



## بِرَّة (۷) وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (۸)

وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جو ذرہ برابر بُرائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

بِرَّة	و	مَنْ	يَعْمَلْ	مِثْقَالَ	ذَرَّةٍ	شَرًّا	يَرَهُ
دیکھے گا اس	اور	جو کوئی	کرے گا	برابر	بھلہ	برائی	دیکھے گا اس

## لغات:

زُلْزِلَتْ صیغہ واحد مؤنث غائب ماضی مجہول۔ دہلائی گئی۔ اس کو لرزایا گیا۔ اس کو زلزلہ میں ڈالا گیا۔ یہ زُلْزِلَتْ اور زُلْزِلَ سے ماخوذ ہے بمعنی بھونچال۔ امام راغبؒ کہتے ہیں کہ اس میں تکرار حروف تکرار معنی کے لئے ہے۔ یعنی بار بار جھڑ جھڑانا اور ہلا دینا زُلْزِلْ زُلْزِلْ (س) بے قرار ہونا۔ الزلزل۔ الزلزل سامان خانہ۔ الثقال جمع ثقل کی، بوجھ ثقل ثقلًا و ثقلًا (ک) بھاری ہونا ثقلًا (ک) سخت بیمار ہونا۔ ثقلًا (ن) وزن معلوم کرنے کے لئے ہاتھ میں اٹھانا۔ اخبیار جمع خبر کی، خبیر خبیرًا اور خبر (ن) آزمانا، جوتنا، خبر أو خبرة وَمَخْبُورَةٌ (ک) تحقیق حال سے واقف ہونا۔ مُحَابَرَةٌ ثانی پر کھیت جوتنا، بحث کرنا۔ اَوْحَى افعال سے واحد مذکر غائب اِنْحَاء: اشارہ کرنا، چھپا کر بات کرنا، ابھارنا، لکھنا، وحی بھیجنا وغیرہ۔ وَحَى وَخِيًا (ض) مذکورہ معانی میں مرفعی سورت نوح يَصْطَرُ واحد مذکر غائب مضارع۔ (ن، ض) واپس ہونا، لوٹنا، واپس کرنا۔ اگر صلہ عن آئے، اور صلہ الی متوجہ ہونا، صُدُّوا سپید ہونا، ظاہر ہونا۔ اَشْتَاتًا: شَتَّ اور شَتَات کی جمع ہے جسکے معنی متفرق و پراگندہ کے ہیں۔ شَتَّ شَتَاوْ شَتَاتًا وَ شَتِيَتًا (ض) متفرق ہونا مِثْقَالَ برابر۔ مِثْقَال، مِثْقَال ایک خاص بات بھی ہوتا ہے، جس کا وزن ۱/۳۔ درہم ہوتا ہے۔ لیکن یہاں اول معنی مراد ہیں۔ ذَرَّةٌ چھوٹی چھوٹی، جمع ذَرَات۔ وقيل ما يرى في شعاع الشمس من الهباء (غبار) قاله ابن عباس رضى الله عنهما والمراد القلة۔

## ترکیب:

زُلْزِلَتْ اپنے نائب فاعل الارض اور مفعول مطلق زُلْزِلَ لَهَا سے ملکر جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ وَآخِرَجَتْ اپنے فاعل الارض (واظهار الارض موضع الاضممار للايماء الى تبدل الارض غير الارض في هذا الوقت) اور مفعول بہ اَنْفَالَهَا سے ملکر جملہ فعلیہ معطوف اولی وَقَالَ اپنے فاعل الْإِنْسَانُ اور مَالَهَا (مَا استفهامیہ بمعنی ای شیء مبتدا۔ لَهَا کائن کے متعلق ہو کر خبر جملہ اسمیہ) مقولہ مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ معطوف ثانی۔ معطوفات مضاف الیہ اِذَاكَ، یا تَوَحَّدَتْ مذکور کا ظرف مقدم ہے۔ (وقد للاهتمام به) یا تَحَدَّثَتْ محذوف کا ظرف ہے۔ یا جملہ شرطیہ اور آئندہ جزا ہے۔ یَوْمَئِذٍ: ای یوم اِذْ كَانَ کذا، ترکیب اول پر اِذَا سے بدل ہے۔ باقی ترکیبوں پر تَحَدَّثَتْ کا ظرف مقدم ہے۔ (قدم للتشويق الى المؤخر) تَحَدَّثَتْ فعل فاعل ضمیر عائذ الی الارض۔ اَخْبَارَهَا مرکب اضافی مفعول بہ ثانی۔ اور اول محذوف ہے ای السخلى۔ اَنْ اپنے اسم رَبِّكَ (مرکب اضافی) اور خبر اَوْحَى لَهَا (جملہ فعلیہ) سے ملکر بتاویل مفرو مجرور متعلق فعل مذکور ہوا۔ اور اگر اَخْبَارَهَا کو منصوب بمنزاع الخافض مانا جائے۔

ای بِاخْبَارِهَا تَوْبَانِ..... اس سے بدل ہوگا۔ اور بدل و مبدل منہ ملکر متعلق تحدّث کے ہو گئے (والسلام فی لها علی الوجہین بمعنی الی) یَوْمَئِذٍ ظَرْف ہے۔ یَصْنَعُوْا کا، قَدْ مَهْ لَمَامَرٌ۔ النَّاسُ ذُو الْحَالِ اشْتَاتَا حَالٍ۔ ذُو الْحَالِ وَحَالٍ ملکر فاعل یَصْنَعُوْا کا، یُزَوِّ اَفْعَل مضارع مجہول منصوب بِأَنْ مقدرة، ضمیر جمع غائب (راجع الی الخلق المقدر او الی النَّاس المذکور) مفعول مالم یسم فاعل اَغْصَانُهُمْ مفعول بی ثانی۔ جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مجرور لام، جار مجرور متعلق یَصْنَعُوْا یا متعلق اشْتَاتَا جملہ مثل ماقبل۔ ف تعقیبیہ برائے تفصیل مضمون جملہ سابقہ۔ مَن شرطیہ یَعْمَل فاعل اپنے فاعل ضمیر غائب اور مفعول بہ مِثْقَال ذَرَّةً سے مل کر جملہ معطوف علیہ، اگلا جملہ بالکل اسی طرح معطوف۔ خَیْرًا اور شَرًّا مِثْقَال ذَرَّةً کی تیز یا اس سے بدل ہے۔ معطوفین ملکر یُیْرَوْنَ کی تفصیل۔

تفسیر:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا جب زمین کو ہلایا جائیگا اس کی عظمت یا اللہ کی حکمت کے مطابق یا جس قدر اس کو ہلانا ممکن ہوگا۔ ان وجوہ پر اضافت عہدی ہوگی کہ ایسا زلزلہ مراد ہوگا کہ ایسا اس کے بعد نہ ہوگا یا اسکے سوا ممکن نہ ہوگا۔ یا اضافت استغراق کے لئے مانی جائے۔ یعنی پوری زمین کو حرکت دی جائیگی۔

لطیفہ: عرب کے کسی بڑے فصیح و بلیغ آدمی نے ایک فقرہ کہا اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَہَا اور اس پر اس کو بڑا ناز تھا۔ لیکن جب اس آیت کا نزول ہوا اور اس میں ”زِلْزَالَہَا“ بالاضافہ آیا تو یہ فقرہ انتہائی جاندار ہو گیا۔ اس عرب نے جب سنا تو وجد میں آ گیا اور کہنے لگا کہ میں اس کلام کی فصاحت پر ایمان لے آیا۔ اور میرا فقرہ اس آیت ک سا سننے پھیکا پڑ گیا۔ جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر نظم حسرت میں بھی مزانہ رہا

یہ زلزلہ کب واقع ہوگا؟

اس میں اختلاف ہے کہ اس زلزلہ کا وقت کب ہے۔ (۱) مجاہد و ابن عربی اور عطیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ زلزلہ نصفہ اولیٰ سے پہلے ہوگا۔ اور یہ زلزلہ علامات قیامت میں سے ایک علامت ہے، (۲) نخعہ ثانیہ کے بعد ہوگا جب مردے زمین سے اٹھیں گے۔ حلیٰ وغیرہ بہت سے مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اگلی آیات کو قرینہ میں پیش کیا ہے۔ (۳) یہ بھی ممکن ہے کہ زلزلے متعدد ہوں۔ ایک نخعہ اولیٰ سے پہلے دوسرا نخعہ ثانیہ کے بعد۔ بظاہر دوسرا قول رائج ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے قول اول کو اپنایا ہے۔ اور قاضی ثناء اللہ نے قول ثانی کو ترجیح دی ہے۔ اور ہر ایک کے پاس قرائن و دلائل ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَ اَخْرَجَتْ الْاَرْضُ الثَّقَالَہَا (اور زمین اپنے بوجھوں کو باہر نکال پھینکے گی) اس میں اخراج کی نسبت زمین کی طرف مجازی ہے۔ درحقیقت یہ اخراج قدرت خداوندی سے ہوگا۔

اثقال سے کیا مراد ہے؟

(۱) جو لوگ کہتے ہیں کہ زلزلہ سے نخعہ اولیٰ کے وقت کا زلزلہ مراد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اثقال سے مراد دھینے ہیں زمین اپنے دفائن کو نکال دے گی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑے چاندی سونے کی بڑی چٹانوں کی شکل میں اُگل دی گئی، اس وقت قاتل دیکھ کر کہے گا ہائے میں نے اس کے

لئے قتل کیا تھا۔ قطع رحمی کرنے والا کہے گا ہائے میں نے اسکی وجہ سے عزیزوں کو چھوڑا تھا۔ اور چور دیکھ کر کہے گا افسوس اس کے لئے میرا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔ پھر کوئی بھی اس سونے کی طرف توجہ نہ کریگا۔ (رواہ مسلم والترمذی) صحیحین میں حدیث مرفوع ہے کہ مغرب فرات سے بہت ساسونا برآمد ہوگا۔ اگر کوئی شخص (اس زمانہ میں وہاں) موجود ہو تو اس میں سے کچھ نہ لے، مسلم کی روایت میں ہے کہ قیامت پانہ ہوگی جب تک نہر فرات سونے کا پہاڑ برآمد نہ کر دیگی۔ اور اس سونے پر لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں گے (یہاں تک کہ) سو ۱۰۰ میں سے نادرے مارے جائیں گے (ایک بچے کا وہ) ایک کہے گا کہ شاید میں ہی ایک بچہ گیا ہوں (بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں اس سونے پر قتل وغیرہ ہو اور اخیر میں سب کو اس سے نفرت ہو جائیگی۔ اور کوئی بھی اس کو نہ لیگا۔ واللہ اعلم۔

(۲) اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ زلزلہ فحہ ثانیہ کے بعد ہوگا وہ اٹھال سے مراد مردے لیتے ہیں۔ یعنی زمین مردوں کو قبروں سے باہر نکال دیگی۔ (۳) بعض کہتے ہیں اٹھال سے مراد وہ خزانے جو دجال کے دور میں نکلیں گے۔ (۴) بعض کہتے ہیں کہ خروج دجال کے وقت اور فحہ اولیٰ و ثانیہ کے وقت دفاًن و خزائن زمین سے برآمد ہوں گے۔ (۵) بعض اٹھال سے مراد آسرا لیتے ہیں۔ (۶) بعض نے خیر و شر کی شہادت مراد لی ہے۔ حدیث میں ہے کہ زمین پر جو عمل بھی اچھا برا ہوا ہے وہ قیامت کے دن اس کی گواہی دیگی۔ لیکن اگر لفظ اٹھال کو دفاًن، خزائن، موتی اور اسرار و شہادت سبھی کے لئے عام رکھا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ جب قرآن پاک نے تخصیص نہیں فرمائی تو اس میں تخصیص کی کیا ضرورت ہے۔ واللہ اعلم

وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا..... انسان تعجب سے کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا کہ ایسا سخت زلزلہ آیا اور وہ اپنے اندر کی چیزیں باہر پھینکنے لگی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ انسان سے مراد کافر ہے۔ اس کو تعجب اس لئے ہوگا کہ اس کو جن چیزوں کا یقین نہ تھا وہ یکایک اس کے سامنے آئیں۔ اور مؤمن کو پہلے سے یقین تھا اس لئے اس کو تعجب نہ ہوگا بلکہ وہ کہے گا ﴿هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ﴾ بعض دوسرے علماء کہتے ہیں الانسان سے مراد عام ہے وہ کافر ہو یا مؤمن کافر تو مَا لَهَا بطور تعجب کہے گا اور مؤمن بطور استعظام کہے گا۔ اور اظہر یہی ہے۔

يَوْمَ مَنِيذٍ تَحْدُثُ أَخْبَارَهَا بغوی کہتے ہیں کہ عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل کلام اس طرح ہے يَوْمَ مَنِيذٍ تَحْدُثُ أَخْبَارَهَا وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا یعنی اس دن زمین وہ سب کچھ بیان کر دیگی جو اس پر اچھایا برا عمل کیا گیا تھا تو انسان یہ کہے گا کہ اس زمین کو کیا ہو گیا کہ اس نے سب ہی کچھ بیان کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا تم کو معلوم ہے کہ زمین کی خبریں کیا ہوں گی صحابہؓ نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم تو آپ نے فرمایا کہ اس کی خبریں یہ ہوں گی کہ جس بندے اور بندی نے اس پر جو کچھ بھی کیا ہوگا زمین اس کی شہادت دیگی (رواہ احمد و نسائی وابن حبان والترمذی وغیرہم) حضرت ربیعہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم زمین سے احتیاط رکھو یہ تمہاری ماں ہے جس نے اس پر جو بھی اچھایا برا کام کیا ہوگا وہ اس کی خبر ضرور دیگی۔ (طبرانی) مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔ یہ تحدیث اخبار زبان قال سے ہوگا۔ جیسا کہ روایات مذکورہ سے مفہوم ہوتا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی یہی بیان فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ زمین کو ادراک اور زبان عطا فرمائیں گے۔ اور وہ اپنے اندر کے سب حالات و اسرار بیان کر دیگی بعض لوگ کہتے ہیں کہ زبان حال سے بیان کر دیگی۔ مگر صحیح بات اول ہی ہے بعض تحدیث کا قائل محذوف الخلق کو قرار دیا ہے یعنی خلقت اپنے حالات خود بیان کر دیگی۔ مگر یہ بھی اس آیت کی تفسیر نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور عود ضمیر کے قاعدہ کے بھی خلاف ہے۔

## ایک شبہ کا جواب:

یہاں پر سطحی عقل والوں کو یہ شبہ پیش آتا ہے کہ زمین تو ایک جسم بے عقل و بے زبان ہے۔ وہ کس طرح گواہی دے سکتی ہے؟۔ باتیں کر سکتی ہے؟ اس کا جواب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہو گیا کہ وہ قادر مطلق اس کو زبان و عقل عطا فرما دیگا۔ علاوہ ازیں حق تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک روح عطا فرمائی ہے۔ اگرچہ ہر شے کی ارواح میں فرق ہے حیوانات کی روح بدن کی تدبیر و تصرف حس و ادراک اور اختیار و ارادہ کا شرف رکھتی ہے۔ دیگر اجسام کی ارواح کو یہ شرف حاصل نہیں۔ مگر گاہے بطور خرق عادت ان اجسام کی ارواح میں بھی ان چیزوں کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ پتھروں اور درختوں کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنا، بتوں کا کلمہ پڑھنا اور اپنے پیاروں کو بغیر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تلقین کرنا، استن حنائہ کا آہ و بکا کرنا، ایک پہاڑ کا دوسرے پہاڑ سے معلوم کرنا: هَلْ مَرَّ بِكَ أَحَدٌ يَذْكُرُ اللَّهَ۔ یہ تمام باتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔

اور قرآنی آیات سے بھی اس کا ثبوت ہے: مَثَلًا ﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بَیْہِ مَلَکُوثٌ کُلُّ شَیْءٍ﴾ ﴿وَإِنْ مِنْ شَیْءٍ إِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہِ﴾ ﴿کُلُّ قَلْبٍ عَلَیْمٌ صَلَوتُہٗ وَتَسْبِیْحُہٗ﴾ وغیرہ۔ اسی طرح مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ درختوں میں الفت بھی ہے اور نفرت بھی۔ مثلاً کھجور کا ایک درخت دوسرے درخت پر جھکا ہوا ہے۔ اگر نیچے کا کاٹ دیں تو اوپر والا خود بخود خشک ہو جاتا ہے۔ چھوٹی موٹی کے چوں کی طرف ہاتھ بڑھاؤ تو وہ ٹکڑا اور سمٹ جاتے ہیں۔ اس زمانہ کی نئی تحقیقات نے تو یہ سب کچھ ثابت کر دیا ہے۔ بہر حال زمین بھی نیکیوں بدیوں کی گواہی دیگی۔ اور تمام اسرار جو آج اکسپلریشن ہو رہے ہیں کل قیامت کے دن حکم خداوندی سے سب آشکار ہو جائیں گے۔

بِسَانَ رَبِّکَ اَوْحٰی لَہَا۔ اوپر حدیث سے معلوم ہو چکا کہ زمین ماں ہے ظاہر ہے کہ ماں کو اپنے بچوں سے عداوت نہیں ہو سکتی۔ اور زمین نفسانیت سے بھی پاک ہے اس لئے یہ اسرار کو صرف حکم خداوندی ہی سے ظاہر کرے گی۔ اس صورت میں باء سیدہ اور لام بمعنی الیٰ ہے۔ ای تحدیثہا بسبب ایحاء ربک الیہا و امرہ سبحانہ ایماہا بالحدیث۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَہَا کَا جَوَابٍ ہو۔ یعنی جب انسان یہ کہے گا کہ اس زمین کو کیا ہوا کہ اتنی شدید حرکت کرتی ہے۔ اور تمام اسرار و افعال کو اگل رہی ہے۔ تو وہ بیان کرے گی کہ دنیا ختم ہو چکی۔ اور قیامت آگئی ہے۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں حرکت کروں اور افعال و اسرار باہر پھینک دوں۔ کذا قال عبداللہ بن مسعود۔

## زمین کی طرف وحی کیسے ہوگی:

ممکن ہے کہ وحی الہام ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو القاء فرمادیں۔ یا وحی ارسال ہو کہ کسی فرشتے کے ذریعہ اس کو حکم دیا جائے۔ یا اس میں حیات و تکلم اور تعقل کے پیدا کرنے کو وحی سے تعبیر فرمادیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ جب زمین کی شہادت، کشف حقیقت اور حساب و کتاب سے فراغت پر اپنے اعمال کے اعتبار سے لوگ مختلف و متفاوت ہوں گے تو اپنے اپنے اعمال کی جزا کے لئے لوگ مختلف طبقات، مختلف گروہوں اور مختلف راستوں سے لوٹیں گے یَنْوُمِ بِذٰی یُضِلُّوْنَ النَّاسَ اَشْتَاطًا لِّیَرَوْا اَعْمَالُہُمْ اس دن لوگ متفرق طور پر لوٹیں گے۔ کچھ دائیں سمت کو جنت کی طرف جائیں گے، کچھ بائیں سمت

جہنم کی طرف جائیں گے ﴿يَوْمَئِذٍ يُتَفَرَّقُونَ﴾ تاکہ اپنے اپنے اعمال کی جزاء کا مشاہدہ کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا لِرَوِّاجَزَاءِ أَعْمَالِهِمْ۔

فَمَنْ يَعْمَلْ..... الْآيَتِينَ ان دونوں آیتوں میں اعمال دیکھنے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ کہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور چھوٹی سے چھوٹی بدی بھی انسان کے سامنے آ جائیگی۔ اور وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا خواہ وہ نیکی و بدی مجسم ہو کر سامنے آ جائیں یا ان کی جزا و سزا!، واللہ اعلم۔

### ایک اہم شبہ کا حل:

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کو اس کی نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ حالانکہ کفار کے نیک اعمال ملیا میٹ ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی بڑی نیکیاں بھی آخرت میں دیکھ نہ پائیں گے ذرہ برابر کا تو ذکر ہی کیا ہے شرح مقاصد میں ہے کہ اس پر علمائے امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ نیز بہت سی نصوص طعنے و احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں۔ مثلاً ﴿وَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ عَمَلُوا مِن عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ نَبْأَةً مِّنْهُنَّ﴾ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾ وغیرہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے اعمال خیر کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہو جائیگی۔ کیونکہ ﴿فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ ﴿وَذَنُوبُهُمْ عَذَابٌ فَوْقَ الْعَذَابِ﴾ جیسی نصوص میں تصریح ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ مؤمن خواہ کبار سے بچتا ہو لیکن صغائر پر اس کو سزا ہوگی۔ حالانکہ ﴿إِنْ تَجَنَّبُوا كِبَارَهُ﴾ جیسی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبار سے اجتناب صغائر کا مکفر ہے۔ ان دونوں شبہات کے پیش نظر علماء نے مذکورہ دونوں آیات کی مختلف تفسیریں فرمائی ہیں جن سے ان شبہات کا حل ہو جاتا ہے۔

(۱) اجمال میں یَصْطَلُّ النَّاسُ أَشْتَاتًا کا مطلب یہ تھا کہ لوگ میدانِ حشر سے اپنے اپنے مختلف ٹھکانوں پر واپس ہوں گے ﴿فَرِيقٌ فِي الْحَنَةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾ اسی کے مطابق تفصیل بھی ہے کہ پہلے من سے مراد سُعداء کی جماعت ہے۔ وہ اپنی ذرہ برابر نیکی بھی دیکھ لیں گے۔ اور دوسرے من سے جماعتِ اشقیاء مراد ہے کہ وہ اپنی ذرہ برابر بدی بھی دیکھ لیں گے۔ اس طرح ہر فقرہ کا تعلق ایک فرقہ کے ساتھ ہو گیا۔ اور تفصیل اجمال کے موافق بھی ہو گئی۔ اور اشکال بھی رفع ہو گیا۔

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک مَنْ مؤمن و کافر سب کو عام ہے۔ لیکن کلام میں ایک قید ملحوظ ہے۔ جو دوسری آیات میں مذکور ہے۔ اور اس کے ظہور کی وجہ سے یہاں ترک کر دی گئی۔ اور اصل کلام اس طرح ہوگا ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ إِنْ لَمْ يَكْفُرْ﴾

(۳) بعض علماء نے فرمایا کہ مَنْ میں بیشک عموم ہی ملحوظ ہے۔ اس کے ساتھ روایت میں بھی عموم کا لحاظ رکھا جائے کہ رویت دنیا میں ہو یا آخرت میں چنانچہ کافر اپنے اعمال خیر کی جزاء دنیا میں دیکھ لیتا ہے۔ اور اعمال شر کی سزا آخرت میں دیکھے گا۔ اور مؤمن اپنے اعمال شر کو دنیا میں بھگت لیتا ہے۔ اور اعمال خیر کی جزا اس کو آخرت میں مل جائے گی۔ اس طرح

مؤمن و کافر سب اپنے اپنے اعمال خیر و شر کو خواہ وہ ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہوں دنیا یا آخرت میں دیکھ لیں گے۔ بغیوٹی، امن، جریر و ابن منذر وغیرہ نے محمد بن کعب قرظی سے ان آیتوں کی یہی تفسیر نقل کی ہے۔ حضرت انس سے مروی ہے حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہما) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ یہ دونوں آیتیں فَمَنْ يَعْمَلْ ..... اسی حالت میں نازل ہوئیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سنیں تو کھانے سے رک گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے جو ذرہ برابر بُرائی کی ہوگی اس کو بھی دیکھ لوں گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر اب دنیا میں جو ناگواریاں اور مصائب دیکھتے ہو یہ ذرات شری کی وجہ سے ہیں۔ اور ذرات خیر کے مقابل آپ کے لئے ذخیرہ ہو رہے ہیں۔ ان کا حق تعالیٰ آخرت میں آپ کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائیں گے۔ ایک روایت میں حضرت ابویوبؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ان سے یہ فرمایا کہ تم میں سے جو عمل خیر کرے گا تو اسکی جزا آخرت میں ملے گی۔ اور جو عمل شر کریگا اس کا بدلہ دنیا ہی میں مصائب و امراض کی شکل میں مل جاتا ہے۔ اور جس میں ایک ذرہ بھی خیر کا ہوگا وہ جنت میں جائیگا۔

(۴) بعض نے کہا کہ یہاں صرف خیر و شر کی رویت کا ذکر ہے جزا و عدم جزا سے بحث نہیں۔ جزا و سزا تو اصول کے مطابق ہوگی۔ البتہ اپنے اعمال خیر و شر کا ہر ایک مشاہدہ کر لے گا خواہ وہ کافر ہو یا مؤمن! چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس مؤمن اور کافر نے دنیا میں کوئی اچھا برا عمل کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو وہ عمل ضرور دکھادیں گے مؤمن کو اس کے اچھے برے سب اعمال دکھا کر برے اعمال معاف کر دیئے جائیں گے اور نیک اعمال پر ثواب دیا جائیگا۔ اور کافر کو اس کے اچھے برے اعمال دکھا کر اس کے اچھے اعمال رو کر دیئے جائیں گے۔ اور بد اعمالیوں پر اس کو سزا دی جائے گی۔ مہم طیبی نے اسی کو پسند فرمایا ہے اور کہا ہے کہ یہی مطلب نظم و معنی اور اسلوب کے موافق ہے۔ نظم کے موافق تو اسلئے کہ یہ مابل کی آیت کی تفصیل ہے اور اس میں اعْمَالُهُمْ کی اضافت شمول و استغراق کا فائدہ دے رہی ہے۔ اور أَشْتَاتَا سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ و جنت میں جانیکے لئے لوگوں کی مختلف راہیں اور متفاوت منازل ان کے اعمال مختلفہ کے اعتبار سے ہوں گی۔ اسی لئے جنت کے بھی بہت سے درجات ہیں۔ اور جہنم کے بھی بہت سے درجات ہیں۔ جن کا تقاضا ہے کہ تمام ہی اعمال کا مشاہدہ ہوگا پھر انہیں کے اعتبار سے درجہ و منزل کی تعیین ہوگی۔ معنوی اعتبار سے اسلئے مناسب ہے کہ دوسری نصوص سے جمیع اعمال خیر و شر کا سامنے لایا جانا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً وَتَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ ﴿۱﴾ اور قرآن کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ کی تفسیر کرتا ہے۔ اور اسلوب کے اعتبار سے اس لئے کہ اس آیت کو حدیث میں بڑی جامع اور یکتا قرار دیا گیا ہے۔ کہ یہ دین کے بہت سے فوائد کو حاوی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کی زکوٰۃ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسکے بارے میں مجھ پر اس سے جامع اور یکتا آیت کے سوا کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ پھر آپ نے فَمَنْ يَعْمَلْ ..... تلاوت فرمائی۔ (بخاری و مسلم) حصہ بن معاویہ (فرزدق شاعر کے چچا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان کو یہ آیت سنائی حصہ نے کہا مجھے یہی آیت کافی ہے مجھے کوئی پروا نہیں کہ اس کے بعد قرآن میں سے کوئی حصہ اس کے علاوہ نہ ہو سکے۔

(۵) علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَن کو بھی اس کے عام معنی پر رکھا جائے اور رویت سے جزائے اعمال کا مشاہدہ مراد لیا جائے یہی زیادہ ظاہر ہے۔ اور اس میں کوئی اشکال بھی نہیں، کیونکہ پہلے فقرہ میں وعدہ ہے اور دوسرے

میں وعید۔ اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ اللہ کا وعدہ لازم وقوع ہوتا ہے۔ یعنی اللہ نے اپنے فضل و کرم سے یہ طے فرمایا ہے کہ وعدہ پورا ہو کر رہیگا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ اور وعید کا تحقق ضروری نہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ خیر کے اعمال بھی سب کے سامنے آ جائیں گے۔ اس میں مومن کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ اس کو جزا ملے گی۔ رہا کافر کا معاملہ تو احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے عذاب میں تخفیف ہو جائیگی۔ چنانچہ حاتم کے عذاب میں اسکی سخاوت کی وجہ سے، ابولہب کے عذاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی اور اپنی ٹوبہ باندی کو ولادت کی بشارت دینے پر آزاد کر دینے کی وجہ سے۔ اور ابوطالب کے عذاب میں تخفیف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی وجہ سے روایات صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور آیت لَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ سے مراد عذاب کفر ہے کہ اس میں تخفیف نہ ہوگی۔ اور جو تخفیف زیر بحث ہے اس کا اعمال کفر کے عذاب سے تعلق ہے۔ اور کفار کے نیک اعمال کے جبط ہو جانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کے اعمال ان کو دائمی عذاب سے نجات نہ دلا سکیں گے۔

اور شرح مقاصد کا مذکورہ دعویٰ اجماع غیر مسلم ہے حالانکہ بالاتفاق کفار معاملات و جنایات کے مکلف ہیں۔ اور مکلف ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ان اعمال کے کرنے پر ثواب، نہ کرنے پر عذاب ہو۔ اور ثواب کا ادنیٰ درجہ تخفیف عذاب ہے۔ اب رہے اعمال شر تو کفر معاف نہیں ہوگا اور جو مومن کبار سے بچتا ہے اس کے صغائر معاف ہیں۔ اور مومن کے کبار اور ایسے مومن کے صغائر جو کبار سے نہ بچتا ہو وہ تحت المشیئت ہیں۔ ﴿وَيَغْفِرُ مَا ذُنُوبُكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ اور مذکورہ احادیث (انس، ابویوب) میں اگر غور کیا جائے تو اس مذکورہ بیان کے خلاف نہیں ہیں۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نے بھی اسی تفسیر کو پسند فرمایا ہے۔ (روح المعانی) اور راقم الحروف کے نزدیک بھی یہی تفسیر رائج ہے۔

### شہان نزول:

حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ جب آیت ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ﴾ اتری تو مسلمان یہ سمجھے کہ تھوڑی چیز دینے میں (جس کی دل میں خاص قدر و اہمیت نہ ہو) ثواب نہیں ملے گا۔ اسلئے جب ان کے دروازوں پر کوئی مسکین آتا اور کچھ اہم چیز موجود نہ ہوتی تو ایک آدھ چھوڑ دیا یا کھجور نہ دیتے بلکہ اس کو واپس کر دیتے اور کہتے کہ ہم کو تو ایسی چیز کے دینے پر اجر ملے گا جس سے ہم محبت کریں اور ایسی اہم چیز ہمارے پاس موجود نہیں۔ اور کچھ لوگ یہ خیال کرتے کہ معمولی گناہوں (صغائر) پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کبار پر عذاب ناری وعید فرمائی ہے تو اس آیت کے نزول نے بتا دیا کہ چھوٹی نیکی کو حقیر اور چھوٹے گناہ کو معمولی نہ سمجھو۔ اچھائی اور برائی کا ایک ایک ذرہ سامنے آ جائیگا۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام قلیل و کثیر جس طرح بھی ممکن ہوا صدقہ کرنے اور چھوٹی سی چھوٹی نیکی کی بڑی قدر کرنے لگے اسی طرح معمولی سے معمولی گناہ کو بہت اہم خیال کرنے لگے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس جب ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ نے اسی ہزار درہم بھیجے تو فوراً سب تقسیم فرمادیئے اور افطار کے لئے بھی ایک درہم نہ چھوڑا۔ باندی کے توجہ دلانے پر فرمایا۔ پہلے سے کہتی تو ایک آدھ درہم افطار کے لئے بھی رکھ لیتے۔ اور بعض مرتبہ سائل کو انگور کا ایک دانہ بھی دیدیا۔ اور جب عرض کیا گیا کہ اتنی ذرا سی مقدار دے رہی ہیں تو فرمایا یہ بہت سے ذرات سے زیادہ وزنی ہے اور اسی آیت کی تلاوت فرمادی۔ اسی قسم کی روایات حضرت عمرؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت سعد بن مالکؓ وغیرہ سے بھی منقولی ہیں۔ غالباً ان حضرات کا مقصد دوسرے لوگوں کو اس کی تعلیم

دینا ہوگا کہ تھوڑے صدقہ اور معمولی نیکی کی لوگ قدر کریں۔ اسی قسم کی روایات خود حضور اکرم ﷺ سے بھی منقول ہیں۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک سائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے اس کو ایک چھوڑا دیدیا۔ سائل نے کہا کہ ایک نبی بھی ایک چھوڑا دے رہا ہے۔ ارشاد فرمایا یہ بہت سے ذرات کے برابر ہے۔ آپ نے اسی کا حکم بھی دیا اتقوا النار ولو بشق تمرۃ (دوزخ سے بچو خواہ چھوڑا کا ایک ٹکڑا صدقہ ہی کرو) پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تھوڑی بھلائی کو بھی حقیر نہ سمجھو، خواہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔

**صغائر بھی خطرناک ہیں:**

جس طرح معمولی نیکی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے اسی طرح چھوٹے گناہ کو بھی معمولی نہ سمجھنا چاہیے آگ کا ذرا سا پتنگا بھی ساری دنیا کو جلانے کے لئے کافی ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ چھوٹا گناہ بھی قیامت کے دن گنہگار کی نظر میں پہاڑ سے بھی بڑا معلوم ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ حقیر گناہوں سے بھی بچو! اللہ کی طرف سے ان کی باز پرس کرنے والا بھی ہوگا۔ ابن حبانؒ نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ تم لوگ کچھ ایسے عمل کرتے ہو جن کو بال سے زیادہ باریک (اور حقیر) سمجھتے ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم انہیں کو ہلاکت خیز شمار کرتے تھے۔ (بخاری)

**معتزلہ اور مہرجنہ کی تردید:**

معتزلہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ مؤمن نہیں رہتا اور نہ کافر ہوتا ہے۔ خوارج کہتے ہیں کافر ہو جاتا ہے۔ اور یہ دونوں فرقے کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ کفر و شرک تو معاف نہ ہوگا۔ لیکن کبائر کا مرتکب فاسق ہے کافر نہیں ہوتا۔ اور کبیرہ گناہ تو بہ سے بھی معاف ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو بغیر توبہ کے بھی معاف فرمادیں گے۔ یا دوزخ میں سزا دیدیں گے اور پھر جنت میں داخل فرمادیں گے۔ بلکہ حق تعالیٰ چاہیں تو صغیرہ پر مواخذہ فرمائیں اور چاہیں تو کبیرہ کو درگزر فرمادیں ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونُ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ بہر حال مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیگا۔ ایک فرقہ مرجئہ ہے وہ کہتا ہے کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ مضرت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ مؤمن کو خواہ وہ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو عذاب نہ دیں گے۔ یہ دونوں آیات اہل سنت کا مستدل ہیں۔ پہلی آیت سے معتزلہ اور خوارج کی تردید ہوتی ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر ایمان ہو گا وہ آخر کار دوزخ سے نکال لیا جائیگا۔ کیونکہ اس کو آیت کے وعدہ کے مطابق اپنی نیکی کا پھل ملنا ضرور ہے۔ اگر مؤمن کے پاس کوئی بھی نیکی نہ ہو تو ایمان خود بہت بڑی نیکی ہے۔ اس لئے کوئی مؤمن جہنم میں نہ رہیگا۔ اور کیونکہ ہر نیکی مقبول و معتبر ہونے کے لئے ایمان شرط ہے اور کافر اس سے محروم ہے اس لئے اس کی کوئی نیکی معتبر نہیں ہوگی۔

اہل سنت کے اس عقیدہ پر اتنی آیات و احادیث مستدل ہیں کہ انکا احاطہ دشوار ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے فرمایا کہ اس مضمون کی احادیث تو اتنے سے بھی زائد ہیں۔ دوسری آیت سے فرقہ مرجئہ کی تردید ہوئی۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گناہ کی سزا سامنے آئیگی۔ بشرطیکہ اس کو معاف نہ کر دیا گیا ہو۔ پھر کسی مؤمن سے گناہ کی معافی کا قطعی وعدہ نہیں۔ اور سزا کے سامنے آ جائیگی صراحت ان گنت آیات و احادیث میں موجود ہے اگر حق تعالیٰ چھوٹے گناہوں پر بھی سزا دیدیں تو



یہ ان کا عدل ہے۔ اور بڑے سنا ہوا کو بھی معاف فرمادیں تو ان کا فضل ہے۔

### آخری دو آیتوں کی اہمیت:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ قرآن کی سب سے زیادہ مستحکم اور جامع آیتیں فَمَنْ يَعْمَلْ حُسْنًا فَسَنُيَسِّرْ لَهُ يَسْرَ الْفَاطَةِ الْجَامِعَةِ یعنی منفرد، یکتا اور جامع فرمایا ہے۔ ربیع بن خثیمہ کہتے ہیں کہ ایک شخص یہ سورت پڑھنا ہوا حضرت حسن بصریؒ کے پاس کو گذرا۔ جب وہ اس کے آخری حصہ پر پہنچا تو حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ میرے لئے کافی ہے تو نے نصیحت کا حق ادا کر دیا (مظہری) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے قرآن سکھا دیجئے۔ آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اس کو قرآن سکھاؤ۔ حضرت علیؓ نے اس کو اِذَا زُرْتُمُ الْمَيِّتَ سَلِّمُوا عَلَيْهِمْ کہہ کر سکھائی جب فَمَنْ يَعْمَلْ حُسْنًا پر پہنچے تو اس شخص نے کہا حسبی حسبی لا ابالی ان لا اسمع غیرہا (بس بس مجھے کافی ہے اس کے علاوہ مجھے سننے کی ضرورت نہ رہی) حضرت علیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قصہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ رہنے دو وہ آدمی بہت سمجھدار ہے۔

تم تفسیر سورۃ الزلزال فالحمد لله الكبير المتعال والصلوة والسلام علی سید الوری امام اہل الفضل والکمال وعلی آلہ وصحابتہ وتابعیہم بالایمان والاعمال بعدد کل ذرة الف الف مرة فی کل آن الی یوم لا یغنی فیہ إل ولا آل۔

### سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ

#### سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً

رکوع: ۱، آیات: ۱۱۔ سورۃ عادیات مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں گیارہ آیات ہیں کلمات: ۴۰، حروف: ۱۶۳۔ سورۃ عادیات حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ، حسن بصریؒ، عکرمہ اور عطاءؒ کے نزدیک مکی ہے۔ اور حضرت انسؓ، قتادہؓ اور امام مالکؒ کے نزدیک مدنی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے۔ سورت کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

#### رابط و مناسبت:

(۱) سورۃ زلزال میں نیکی و بدی کا انجام ایسی خوبی کیساتھ بیان کیا گیا کہ ایک سلیم الطبع آدمی کو سننے کے بعد قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں رہ سکتا، مگر کج طبع، ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کے لئے دلائل و نصائح نا کافی ہوتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ”لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے“، اس لئے اس سورت میں جہاد اور میدان جہاد میں دوڑنے والے گھوڑوں کے چند اوصاف بیان فرما کر فہمائش کے بجائے تخویف کا طرز اختیار کیا گیا۔ اسی لئے انسان کی ناشکری، احسان فراموشی اور دنیوی حرص کو بیان فرما کر اس کو دھمکایا گیا ہے۔ (۲) پہلی سورت میں بدکردار کفار کو آخرت کے نقصان اور خسارہ پر آگاہ کیا گیا تھا، لیکن آخرت کا جب یقین نہیں تو ان بے ایمانوں پر اس کا اثر بھی کیا ہو سکتا ہے؟ اس لئے سورۃ عادیات میں دنیا کے نقصان و خسارہ اور اس کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ جو ان پر جلد آنے والا ہے۔ (۳) سورۃ سابقہ میں جزائے

خیر و شر کو بیان فرما کر اس سورۃ میں اس شخص کو سرزنش کی گئی ہے جو دنیا کے پیچھے پڑ کر آخرت کو نظر انداز و برباد کرتا ہے۔ (۴) پچھلی سورت میں ﴿وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا﴾ تھا اور اس میں ﴿إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ﴾ ہے اور دونوں میں مناسبت ظاہر ہے۔

### فصلیت سورت:

حسن بصریؒ سے مرسل مروی ہے کہ سورۃ عادیات نصف قرآن کے برابر ہے۔ یہی حضرت ابن عباسؓ سے بھی مرفوعاً منقول ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ لَمْ أَفْهِمْ عَلَى سِرِّهِ لَكِنْ نِصْفُ قُرْآنٍ ہونے کی وجہ ہمارے نزدیک واضح ہے۔ وضو کو حدیث میں نصف ایمان قرار دیا گیا ہے (الوضوء شطر الایمان) اس وجہ سے کہ وہ نماز کی مفتاح ہے۔ اسی طرح قرآن پاک میں جس دین کا مل کو بیان فرمایا گیا ہے جہاد بھی اس کی مفتاح ہے۔ جہاد کے ذریعہ ہی وہ طاقت وجود میں آتی ہے، جس سے قرآنی احکام دنیا میں نافذ ہوتے ہیں۔ فافہم۔

### شان نزول:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا، اور ایک ماہ تک اس کا کوئی پتہ نہیں چلا تو یہ سورت نازل ہوئی۔ (روح المعانی) شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن عمرو انصاری کی امارت میں بنی کنانہ کے ایک قبیلہ پر ایک لشکر بھیجا۔ اور اس کا پورا نظام طے فرمادیا کہ فلاں دن علی الصباح ان پر حملہ آور ہو کر ان کا قلع قمع کر دینا اور فلاں دن یہاں واپس آ جانا ہے۔ راستہ میں ایک ندی پڑتی تھی۔ اتفاق سے اُس دن وہ ندی چڑھی ہوئی تھی۔ لشکر اس سے پار نہ ہو سکا اس لئے اس روز وہیں ٹھہر گئے۔ اگلے دن پانی کم ہونے پر لشکر وہاں سے گذرا۔ اور حکم کے موافق بوقت صبح حملہ کیا۔ اور ان کا قلع قمع کر کے صحیح و سالم واپس ہوئے لیکن راستہ میں ٹھہرنے کی وجہ سے تاخیر ہوئی۔ ادھر منافقین نے یہ افواہ اڑادی کہ وہ لشکر توجاہ ہو گیا اور ایک آدمی بھی اس میں سے ایسا باقی نہ رہا جو آ کر خبر دیتا۔ اس سے مسلمانوں کو بہت ہی صدمہ ہوا۔ تو حق تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ اس سورت میں جو گھوڑوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں اس سے ان کا حملہ آور ہونا، دشمنوں کی جماعت میں گھس جانا مذکور ہے۔ جس سے مجاہدین کا غلبہ مفہوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو اس سورت کے نزول سے تسلی ہوگئی۔ مگر اس میں خدشہ یہ ہے کہ اگر سورت مکی ہے تو یہ مذکور واقعہ اس سورت کا شان نزول کیسے بن سکتا ہے۔ کیونکہ ہجرت سے پہلے جہاد ہی نہیں تھا کہ لشکر وغیرہ بھیجنے کا قصہ پیش آتا۔ حکم جہاد تو مدینہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حضرات نے اس سورت کو مدنیہ مانا ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور جو لوگ اس کو مکہ کہتے ہیں وہ اس سورت کو پیشین گوئی قرار دیتے ہیں، کہ مسلمانوں کو جہاد کی قوت نصیب ہوگی، گھوڑے اور لشکر کشی اور فتح و ظفر کی نعمتیں میسر آئیں گی۔ دشمنوں سے انتقام لیا جائیگا، ملک و مال اہل ایمان کے تصرف میں آئیں گے۔ واللہ اعلم۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بخیر رحم والا بڑا مہربان ہے

وَالْعَدِیَّتِ صَبْحًا (۱) فَالْمُورِیَّتِ قَدْحًا (۲) فَالْمُغِیْرَتِ صُبْحًا (۳) فَاتَّرَنَ بِهِ

ان گھوڑوں کی قسم جو بانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر ٹاپ مار کر چنگاریاں اڑاتے ہیں پھر صبح کے وقت حملہ کرتے ہیں پھر اس وقت

فُحْمٌ	اَلْعَدِيَّتِ	صَبْحًا	فَالْمُورِيَّتِ	قَدْحًا	فَالْمُغِيَّرَتِ	صُبْحًا	فَاتَّرَنَ	بِهِ
شُم	دوڑنے والوں	بانپنا	پھر آگ نکالنے والوں	پتھر جھارنا	پس گاؤں مارنے والوں	صبح کے وقت	پس اٹھائی ہیں	ساتھ اس

نَفْعًا (۴) فَوْسَطُنَ بِهِ جَمْعًا (۵) إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ (۶) وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ

غبار اڑاتے ہیں اور انہو میں جا گھٹے ہیں۔ واقعی انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے۔ اور وہ اس کی خود

نَفْعًا	فَوْسَطُنَ	بِهِ	جَمْعًا	إِنَّ	الْإِنْسَانَ	لِرَبِّهِ	لَكَنُودٌ	وَ	إِنَّهُ	عَلَىٰ	ذَٰلِكَ
غبار	پس بیٹھ جاتی ہیں	اس وقت	جماعت میں	تحقیق	آدمی	واسطے رب اپنے	البتہ ناشکر	اور	تحقیق	وہ	اوپر اس

لَشَهِيدٌ (۷) وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (۸) أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِی

خبر رکھتا ہے۔ اور یقیناً وہ مال کی محبت میں بہت مضبوط ہے، کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب قبروں سے مُردے اٹھائے

لَشَهِيدٌ	وَ	إِنَّهُ	لِحُبِّ	الْخَيْرِ	لَشَدِيدٌ	أَفَلَا	يَعْلَمُ	إِذَا	بُعْثِرَ	مَا	فِی
البتہ شاہد	اور	تحقیق	وہ	واسطے محبت	مال	البتہ سخت	کیا پس نہیں	جانتا	اٹھایا جاوے گا	جو کچھ	فی

الْقُبُورِ (۹) وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُورِ (۱۰) إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ (۱۱)

جائیں گے۔ اور جودلوں میں چھپا ہے ظاہر کر دیا جائیگا۔ بیشک ان کا رب ان سے اُس دن پورے طور پر خبردار ہوگا۔

الْقُبُورِ	وَ	حُصِّلَ	مَا	فِی	الصُّدُورِ	إِنَّ	رَبَّهُمْ	بِهِمْ	یَوْمَئِذٍ	لَّخَبِيرٌ
قبروں	اور	حاصل کیا جائے گا	جو کچھ	فی	سینوں	تحقیق	پروردگار ان	ساتھ ان	اس دن	البتہ خبردار

## لغات:

الْعَدِیَّتِ: الْعَادِیَّة کی جمع ہے جسکے معنی ہیں تیز دوڑنے والی۔ عَدَّ اَعَدَّ وَأَعَدَّ وَأَنَا وَعَدُّوْا (ن) دوڑنا۔

بِصَلِّ عَنْ چھوڑنا۔ تجاوز کرنا، بروکنا، بصلہ علیٰ حملہ کرنا، ظلم کرنا۔ یہاں الْعَدِیَّتِ سے مراد جمہور کے نزدیک تیز رو گھوڑے ہیں۔

اور بعض کے نزدیک اونٹ مراد ہیں۔ صَبْحًا (ف) بانپنا، دوڑنے کی حالت میں گھوڑے کا جوف سے آواز نکالنا۔

الْمُورِیَّتِ: واحد الْمُورِیَّة، مصدر یُرِیْ (افعال) آگ روشن کرنا۔ اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو پتھر پلّی زمین پر

چلتے ہیں تو ان کے سُم کی رگڑ سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔ یہی جمہور کا قول ہے۔ وَرِیْ وَرِیْاً (ض) جل جانا۔ آگ نکالنا۔

(س، ح) جمع ہونا، بھر جانا، لکڑی وغیرہ رگڑ کر آگ نکالنا۔ قَدْحًا (ف) چقماق سے آگ نکالنا، بصلہ فی نکتہ چینی

کرنا۔ عیب لگانا۔ یہاں مراد گھوڑوں کا نعل دارنا پوں کو پتھر پلّی زمین پر مارنا۔ الْمُغِیْرَتِ: واحد الْمُغِیْرَةُ، الْإِعَارَةُ

(افعال) چھاپہ مارنا، لوٹنا، برا بیعت کرنا، غیرت میں ڈالنا۔ (س) غیرت کھانا (ض) نفع دینا وغیرہ۔ یہاں مراد مجاہدین کی و۔

فوجیں ہیں جو صبح کو دشمن پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اونٹوں کی وہ جماعتیں مراد ہیں جو اپنے سواروں کو لیکر قربانی کے دن صبح ہی صبح منیٰ کو تیز تیز جاتی ہیں۔ اَقْرَبُ: جمع مؤنث غائب ماضی اِثَارَة (افعال) سے اٹھانا، اُبھارنا، مجر میں نَارُ ثَوْرًا، وَفُورًا (ن) بھڑکنا، بلند ہونا، کود پڑنا، حملہ کرنا۔ نَقَعًا: غبار، خاک، شتر مرغ کی آواز، پانی جمع ہونے کی تنگ جگہ، کنویں میں جمع شدہ پانی، جمع نَقَاعٌ وَنُقُوعٌ، نَقَعَ نَقْعًا (ف) آواز بلند کرنا، پھاڑنا، قتل کرنا مصدر نَقُوعٌ بھی آتا ہے، پانی میں بھگونا، سیراب کرنا وغیرہ بہت سے معانی آتے ہیں۔ وَسَطُنَ: جمع مؤنث غائب ماضی وَسَطٌ وَسَطًا (ض) بیچ میں بیٹھنا، متوسط ہونا، وَسُطٌ وَسَاطَةٌ. (ك) شریف ہونا۔ كُنُودًا: صفت مشبہ ناشکر امر دیا ناشکری عورت، ناقابل روئیدگی زمین، کافر، اللہ کو برا کہنے والا، بخیل، اس جگہ اول معنی مراد ہیں، كَنَدَ كُنُودًا. (ن) ناشکری کرنا كُنْدًا: کاٹنا۔ اَلْخَبِيرُ: مال۔ بُغْيَرٌ: اٹھایا گیا، کرید اگیا، الٹ پلٹ کیا گیا۔ جن علماء کی رائے یہ ہے کہ رُبَاعِی اور خُمَاسِ دو ثلاثی سے ملکر بنتی ہے ان کے خیال میں بُغْيَرٌ بُعِثَ اور اُفْيِرٌ سے ملکر بنا ہے۔ اور یہ کچھ بعید بھی نہیں، کیونکہ بُغْيَرٌ میں دونوں کے معنی موجود ہیں جیسے بِسْمَلٌ (اس نے بسم اللہ پڑھی) بِسْمٌ اور اللہ کے لام سے مرکب ہے۔ اسی طرح یہ بھی بعث اور اِثَارَة کی راء سے مرکب ہو سکتا ہے۔ بَعَثَ بَعَثًا (ف) بھیجنا، اٹھانا، اَلْقُبُورُ: القبر کی جمع ہے۔ (ن، ض) دفن کرنا۔ اصل معنی یہی ہیں۔ اس کے دو معنی اور بھی آتے ہیں: (۱) پوشیدہ رہنا (۲) قعر جہالت و ضلالت میں پڑا رہنا۔ یہاں تینوں معانی ممکن ہیں۔ حُصِّلَ: حاصل کیا گیا، ظاہر کیا گیا۔ حُصِّلَ سے ہے جسکے معنی ہیں چھلکے میں سے گودا نکالنا۔ حُصِّلَ حُصُولًا وَمَحْصُولًا (ن) حاصل ہونا، ثابت ہونا، باقی رہنا۔ بصلہ علی جمع کرنا، مالک ہونا، ثابت ہونا، واجب ہونا۔

ترکیب:

وَالْعَدِيَّتِ: مثل وَالنَّزْعَةِ ہے اور ضَبْحًا: فعل محذوف تَضَبَّحَ یا تَضَبَّحْنَ کا مفعول مطلق ہے۔ یہ جملہ فعلیہ الْعَدِيَّتِ کی ضمیر سے حال ہو جائیگا۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ الْعَدِيَّتِ سے مفعول مطلق من غیر لفظ مانا جائے، کیونکہ یہ لفظ بالالتزام الضَّابِحَاتِ پر دلالت کرتا ہے۔ فکأنه قيل والضابحات ضبحاً. اس صورت میں فعل محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی۔ تیسری ترکیب یہ ہے کہ اس کو اَلْعَدِيَّتِ کی ضمیر سے حال مانا جائے اور مصدر بمعنی اسم فاعل ہوگا۔ ای ضَابِحَاتُ ف عَاطِفَةُ الْمُؤَرِيَّتِ: الْعَدِيَّتِ کے مثل ہے اور قَدْ حَاشِلٌ ضَبْحًا کے ہے (فی الوجوه الثلاثة المذکورة) اس میں چوتھی وجہ یہ بھی جائز ہے کہ اس کو تیز محول عن الفاعل مان لیا جائے ای فالْمُؤَرِيَّتِ قد حَاشِلٌ فَاَلْمُؤَرِيَّتِ: فَالْمُؤَرِيَّتِ کی طرح ہے۔ اس میں اسناد مجازی ہے۔ اصل میں تھا فَاَلْمُؤَرِيَّتِ ضَبْحًا. ضَبْحًا کا نصب ظرفیت کی بنا پر ہے ای فی وقت الصبح واللام فی کل ماسبق للعهد الذہنی والاشارة الی خیل الغزاة فَ تَعْقِیْبِہِ برائے عَطَفَ اَقْرَبُ: فعل ضمیر جمع مؤنث راجع خیل معبود کی طرف فاعل بہ متعلق اور اس کی ضمیر وقت کی طرف راجع ہے جو ضَبْحًا کا مدلول ہے نَقَعًا مفعول بہ والجملہ عطف علی الفعل الذی وضع اسم الفاعل موضعہ ای واللانی عدون فاویرین فاویرن فائرن ولاشد وذفی مثله لان الفعل تابع فلا یلزم دخول ال علیہ والحکمة فی مجیء هذا فعلاً بعد اسم فاعل علی ما قال ابن المنیر تصویر هذه الافعال فی النفس فان التصویر یحصل بایراد الفعل بعد الاسم لما بینهما من التخالف فافہم. قَوْسَطُنَ مثل فَاَقْرَبُ، بہ متعلق

وَسَطْنُ کا یا متلبساً کے متعلق ہو کر حال و سَطْنُ کی ضمیر سے۔ اول ترکیب پر ضمیر مثل سابق وقت کی طرف لوٹے گی۔ اور دوسری ترکیب پر نفعاً کی طرف راجع ہوگی۔ اور جَمْعاً مفعول فیہ ہے۔ اِن اپنے اسمِ الْإِنْسَانِ اور لَکْنُوذَ، لربہ متعلق مقدم سے ملکر خبر۔ جملہ معطوف علیہ ہوا۔ پھر اگلے دو جملے اسی ترکیب سے معطوفات۔ تینوں معطوفات ملکر جواب قسم۔ برائے استفہام انکاری ف، عاطفہ معطوف علیہ محذوف (ای الفعل میفعل من القبائح فلا یعلم او الایلا حظ فلا یعلم الان مالہ اذا الخ) لَا یَعْلَمُ فعل ضمیر راجع لَلْإِنْسَانِ کی طرف فاعل مفعول محذوف جیسا کہ ابھی بیان کیا۔ اور وہ دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ اِذَا ظرفیہ مضاف بَعَثُوا فعل ضمیر نائب فاعل۔ مَا فِی الصُّبُورِ: ای من ثبت فی القبور جملہ فعلیہ صلہ موصول وصلل کر فاعل۔ بَعَثُوا اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ مضاف الیہ۔ مضاف و مضاف الیہ ملکر ظرف لَا یَعْلَمُ کا یا اَفَلَا یَعْلَمُ کا، فاعل ضمیر ہو ہے جو راجع ہے اللہ کی طرف۔ اور عبارت یوں ہے اَفَلَا یَعْلَمُ اللہ عاملین بما عملوا اذا بعثوا والعلم کنایۃ عن المجازاة ای افلا یجازیہم اذا الخ۔ وَحُصِّلَ فعل مافی الصُّبُورِ ای ما جمع فی القلوب جملہ فعلیہ معطوف جملہ بَعَثُوا پر، اِن حرف مشبہ بفعل رَبَّهُمْ اسمِ لَخَبِيرٍ اپنے متعلق مقدم بہم اور ظرف مقدم یَوْمَئِذٍ سے ملکر جملہ اسمیہ تعلیل ماقبل ای لَآ اِلٰهَ اِذَا الخ شرط اور اِن رَبَّهُمْ الخ جزا۔ وھذا ظہر:

تفسیر:

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں گھوڑوں کی چند صفات بیان فرمائیں۔ اور ان کی قسم کھا کر فرمایا کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے۔ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ انسان کے لئے کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں۔ کسی مخلوق کی قسم کھانا حق تعالیٰ کی خصوصیت ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے مختلف سورتوں میں مختلف چیزوں کی قسمیں کھا کر خاص واقعات و احکام بیان فرمائے ہیں۔ ان قسموں کے ذریعہ بات کو محقق و یقینی بنانا ہوتا ہے۔ پھر جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے وہ چیز دعویٰ کی دلیل اور مضمون کے ثبوت میں خاص طور پر دخل بھی ہوتی ہے۔ نیز مخاطبین اولین پر ان کے عرف کے اعتبار سے حجت قائم کر کے ان پر تکذیب و انکار کی فرد جرم کا ثبوت فراہم کرنا ہوتا ہے، کیونکہ اہل عرب کے عرف میں کسی چیز کو ثابت کرنے یا کسی بات کو منوانے اور کسی دعوے کو واقعی اور یقینی بنانے کے لئے آخری حجت قسم ہوتی تھی۔ وہ لوگ عقیدہ رکھتے تھے کہ جھوٹی قسم کھانے والا برباد و رسوا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے قسم کے بعد اس بات کا یقین نہ کرنا یا اس کو تسلیم نہ کرنا جرم ہوتا تھا۔ اسی لئے باری تعالیٰ نے ان مضامین پر قسمیں کھا کر جن کو وہ نہ مانتے تھے کفار کو خود ان کی اپنی نگاہ میں مجرم قرار دیدیا ہے۔

انسان کے لئے درس عبرت:

یہاں انسان کے ناشکر گزار ہونے کو بیان فرمایا گیا تو اس کے اوپر شہادت کے طور پر اپنے ایک عظیم انعام کو ذکر فرما کر اس کی ایسی چار صفات بانداز قسم بیان فرمائیں کہ ان سے شکر گزاری و جاں نثاری کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور یہ احوال انسان کے لئے ایسی کھلی ہوئی عبرت ہے جو اس کو شکر گزاری پر آمادہ کر سکتی ہے، بشرطیکہ اس میں عبرت حاصل کرنے کی صلاحیت باقی ہو۔ تشریح اسکی یہ ہے کہ گھوڑوں کے حالات خصوصاً جن کی گھوڑوں کے اوصاف پر نظر ڈالئے کہ وہ میدان جنگ میں اپنے محسن انسان کے اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر کیسی کیسی سخت خدمات انجام دیتے ہیں، حالانکہ انسان

گھوڑوں کا خالق اور حقیقی مالک نہیں ہے، وہ ان کو جو گھاس داند دیتا ہے وہ بھی اس کا اپنا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ خدا کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان تک پہنچا دیتا ہے، لیکن گھوڑا انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا بچھانتا اور مانتا ہے کہ اسکے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان عزیز کو خطرات کے حوالہ کر دیتا اور مصائب و مشکلات کو خوشدلی سے برداشت کر لیتا ہے۔ اسکے بالمقابل حضرت انسان کو دیکھئے جس کو حق تعالیٰ نے ایک ناپاک قطرہ منی سے پیدا فرما کر کمالات سے نوازا، عقل و شعور دیئے، انعامات و الطاف کی بارشیں اس پر برسائیں اپنی ساری مخلوق سے اشرف بنا کر کائنات کو اس کے لئے خدمت گزار قرار دیا، مگر ان تمام عظیم احسانات اور اعلیٰ انعامات کا مقابلہ وہ ناشکری و نافرمانی سے کرتا ہے۔ اب ذیل میں غازیوں کے گھوڑوں کی پانچ صفات دیکھئے جو اس سورت میں مذکور ہیں۔

(۱) وَالْعَدِيَّةُ ضَبْحًا (ہم کو قسم ہے غازیوں کے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں) گھوڑے جب تیز دوڑتے ہیں تو انکے سینے سے اُخ اُخ کی آواز نکلتی ہے جس کو ضح کہتے ہیں۔ ہانپنا اسی کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

(۲) فَالْمُؤَدِّيَةُ قَدْحًا (پھر ان گھوڑوں کی جو اپنے ناپ تھریلی زمین پر مار کر آگ نکالتے ہیں) قدح کے معنی ناپ مارنے کے ہیں۔ گھوڑے جب تھریلی زمین پر تیزی سے دوڑتے ہیں تو ان کے نعل دار ناپوں کی ٹکڑے آگ کی چنگاریاں ظاہر ہوتی ہیں۔ غازیوں کے گھوڑوں کے ناپوں کی یہ آگ قبر الہی کی آگ ہے۔ جو بدکاروں کے خرمین عیش کو بھسم کر دینے کے لئے کافی ہے۔

(۳) فَالْمُغِيرَاتُ صُبْحًا (پھر ان گھوڑوں کی قسم جو صبح کے وقت دشمنوں پر دھاوا بولتے ہیں) یہ غازیوں کے گھوڑوں کا تیسرا وصف ہے کہ وہ راتوں دوڑتے ہیں۔ اور صبح ہوتے ہی جبکہ اعدائے دین خواب غفلت میں سرشار ہوتے ہیں ان پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔

(۴) فَالْمُؤَدِّيَةُ نَقْعًا (پھر ان گھوڑوں کی قسم کہ جو صبح کے وقت گردوغبار اڑاتے ہیں) یہ غازیوں کے گھوڑوں کا چوتھا وصف ہے۔ صبح کے وقت گردوغبار کا اڑانا قوت و شدت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ صبح کے وقت زمین شبنم سے تر ہوتی ہے۔ گردوغبار دبا ہوا ہوتا ہے۔ بخلاف شام کے کہ اس وقت خشکی ہوتی ہے۔ ذرا سی حرکت سے گرد اڑنے لگتی ہے۔ اس چوتھی صفت میں اسم فاعل کی بجائے فعل اسلئے لایا گیا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ گردوغبار کا اٹھانا تھوڑی دیر کا فعل ہوتا ہے۔ بخلاف جہاد کی تیاری و کوشش کے کہ اس میں دوام ہے۔ وَهَكَذَا الْكَلَامُ فِي وَسْطُنْ.

(۵) فَلَوْسُطُنْ بِهِ جَمْعًا (پھر وہ اس وقت میں دشمنوں کے انبوه میں گھس جاتے ہیں) یہ پانچواں وصف ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ پانچوں اوصاف جنگی گھوڑوں کے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ اوصاف حج کو جانے والے اونٹوں کے قرار دیئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے۔

فائدہ:..... حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ میدانِ ریاضت و مجاہدہ میں نفوسِ انسانیہ کے دوڑنے کو ہانپ کر دوڑنے والے گھوڑوں سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہی اپنی ریاضت کے نعلوں سے آگ چمکاتے ہیں۔ جس سے اشتیاق و عشق کے شرارے مراد ہیں۔ اور یہی وقت تجلی ربانی کا ہے (صبح کے مشابہ ہے) پھر وہ میدانِ قرب میں دھاوا کر کے جسمانی خواہشات کی گرد اڑاتے اور مقامِ وصل و قرب میں جا گھستے ہیں۔ یہ تفسیر قرآنی نہیں بلکہ اشارات ہیں جو متصوفین نے سمجھے ہیں۔

فائدہ:..... مجرموں کی طرف قبر الہی کا متوجہ ہونا کمالِ مشابہت رکھتا ہے ان گھوڑوں کے ساتھ جو ہانپتے ہوئے

دوڑتے ہیں اور آتش دوزخ کے شعلے ان کے ٹاپوں کی زد سے اڑنے والی چنگاریوں کے مشابہ ہیں۔ اور عذاب دینے والے فرشتوں اور سانپ بچھوؤں کے کاٹنے کا نمونہ صبح کے وقت حملہ آور غازیوں میں موجود ہے۔ اور غبار اٹھانا کفار کی آنکھوں پر پردہ ڈال دینے اور ان کو نابینا اٹھانے کے مثل ہے۔ اور دشمنوں کے ازدحام میں گھس جانا غضب خداوندی کی آگ کے قلب و جگر میں گھس جانے کے مانند ہے۔ تو گویا یہاں قبر الہی کے چند نمونے پیش کر کے ناشکروں کو ان کے انجام پر متنبہ کیا گیا ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ (پیشک انسان اپنے پروردگار کا ناشکر اور احسان فراموش ہے) یہ جواب قسم ہے الْإِنْسَانَ میں اظہر یہ ہے کہ الف لام جنسی ہے۔ مگر یہاں اکثر افراد ملحوظ ہیں۔ اور بعض افراد انسان اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ ارشاد باری ہے ﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عَبَادِيَ الشَّاكِرِينَ﴾ (میرے بندوں میں شکر گزار کم ہیں) حضرت ابن عباسؓ و مقاتلؓ سے مروی ہے کہ کنود بنی کندہ و حضرموت کے محاورہ میں بمعنی نافرمان ہے۔ ربیعہ و مضریٰ زبان میں بمعنی ناشکر ہے۔ اور بنی کنانہ کے عرف میں بمعنی بخل و قلیل الخیر ہے لیکن اسکی رائج تفسیر کفور (ناشکر) ہے یہی حضرت حسنؓ سے بھی منقول ہے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں بھی یہی ہے۔ اور جمہور علماء نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ علاوہ ازیں بخل و عصیان وغیرہ بھی ناشکری میں داخل ہیں۔ کیونکہ ناشکری مختلف طریقوں سے ہوتی ہے: (۱) خدائے تعالیٰ کی عطا فرمودہ نعمتوں کو اپنی کوششوں اور باطل معبودوں یا اسباب ظاہری کی طرف منسوب کر دینا (۲) انعامات کے حقوق ادا نہ کرنا (۳) انعامات ربانی کو بے موقع صرف کرنا (۴) اپنے محسن و مربیٰ کی طرف نہ جھکنا۔ اس کی معرفت، عبادت اور اطاعت سے گریز کرنا۔ (۵) لذات و شہوات میں مستغرق رہنا وغیرہ۔ اسلئے جمہور کی اختیار کردہ تفسیر عام اور ہمہ گیر ہے۔

وَأَنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ (اور پیشک وہ اس پر خود گواہ ہے) ابن کیسانؓ کہتے ہیں کہ اِنَّہ کی ضمیر انسان کی طرف راجع ہے۔ اور ذَٰلِكَ کا مشار الیہ کنودیت (ناشکری) ہے جس پر لفظ کنود دال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ناشکری کا خود اقرار کرتا ہے۔ یہ شہادت و اقرار اس دنیا میں تو اس طرح سے واقع ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ حالانکہ خود اس کا اپنا حال بھی ایسا ہی ہے۔ اس طرح اس کی بات اپنی ہی طرف لوٹتی ہے۔ اسی طرح قدرے غور و فکر سے انسان پر اسکے کفران و عصیان اور بخل کی حقیقتیں واضح ہو جاتی ہیں۔ اور بہت سے لوگ اس کا اقرار و اعتراف بھی کر لیتے ہیں۔ بازبان حال سے اس کیفیت کا ظہور ہو جاتا ہے۔ اور عالم آخرت میں تو ناشکرے ناشکری پر اپنی زبانوں سے شہادت دیں گے۔ اور تمام ہی گناہوں کا اقرار کر لیں گے۔ جیسے سورہ مدثر میں ان کے اس اقرار کو بیان کیا گیا ہے: ﴿لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نَقُصِّ الْمُسْكِينِ﴾ لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک اِنَّہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ پیشک پروردگار ناشکرے انسان سے یا اس کی ناشکری سے خوب واقف ہے۔ اس مطلب پر یہ آیت ناشکرے کے لئے وعید ہوگی۔

وَأَنَّهُ لَحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ (اور انسان مال کی محبت کے لئے بڑا سخت اور قوی ہے) اس میں اِنَّہ کی ضمیر الْإِنْسَانَ کی طرف راجع ہے۔ اور خیر کے معنی بھلائی کے ہیں۔ خواہ وہ کوئی بھی بھلائی ہو لیکن یہاں اس سے مراد مال ہے عرب والے مال کو خیر سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا مال بھلائی ہی بھلائی اور فائدہ ہی فائدہ ہے۔ حالانکہ بعض مال انسان کو بہت سی مصیبتوں میں بھی مبتلا کر دیتا ہے۔ آخرت میں تو ہر مال حرام کا یہی انجام ہے، لیکن کبھی کبھی دنیا میں بھی وہ وبال بن جاتا ہے

مگر محاورہ عرب کے مطابق اس آیت میں مال کو لفظ خیر سے تعبیر فرما دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک اور آیت میں ﴿إِنْ تَرَكَ خَيْرًا﴾ فرمایا۔ اور خیر آ سے مال کو تعبیر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ناشکر انسان مال کی محبت میں بڑا شدید ہے۔ محسن کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتا۔ کنود کے معنی اگر بخیل کے لئے جائیں تو لام تعلیل یہ ہوگا۔ یعنی انسان محبت مال کی وجہ سے بڑا کنجوس ہے۔

### ناشکری اور حب مال:

آیات مذکورہ میں گھوڑوں کے اوصاف کی قسمیں کھا کر انسان کا ناشکر گزار و احسان فراموش ہونا بیان کیا گیا۔ اور تعریض کی گئی کہ ناشکر انسان حیوانات سے بھی بدتر اور گیا گذرا ہے۔ کہ حیوانات معمولی احسان سے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہیں، مالک کی اطاعت کرتے ہیں مگر انسان عظیم احسانات کو بھول جاتا ہے اور اپنے منعم حقیقی کی نافرمانی کرتا ہے۔ ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ ایسے ناپاس انسان دُنیا میں بھی سزا کے مستحق ہیں کہ ان سے جہاد کیا جائے، گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندنا جائے۔ اور ان نعمتوں کو ان سے چھین لیا جائے، جن کی وہ ناقدری و ناشکری کر رہے ہیں۔ اس کے بعد مال سے شدید محبت کرنے پر انسان کی مذمت کی گئی، درحقیقت ناشکری وجہ مال دونوں خصلتیں شرعاً و عقلاً مذموم ہیں۔ ناشکری کا مذموم ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ مال کی محبت کو جو مذموم قرار دیا گیا ہے تو نفس محبت مال کو نہیں بلکہ اسکے وصف شدت کے اعتبار سے حب مال کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مال کی محبت میں اتنا مغلوب ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بھی غافل ہو جائے۔ اور اس کو حلال و حرام کی پرواہ بھی نہ رہے۔ یہاں ایسی ہی اندھا دُھند محبت کی مذمت کی گئی ہے۔ ایسی محبت جس سے آدمی احکام خداوندی سے غافل نہ ہو قابل مذمت نہیں، بلکہ وہ ایک فطری چیز ہے، کیونکہ انسانی ضروریات کا پورا ہونا اس عالم اسباب میں مال ہی پر موقوف ہے۔ اسی لئے شریعت نے اس کے کسب و اکتساب کو حلال ہی نہیں، بلکہ بقدر ضرورت فرض قرار دیا ہے۔ یا یوں کہیے کہ مال کا بقدر ضرورت حاصل کرنا تو مذموم نہیں بلکہ محمود اور فرض ہے۔ ہاں اس کی محبت مذموم ہے محبت کا تعلق دل سے ہے جیسے انسان پیشاب پاخانہ کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اس کا اہتمام بھی کرتا ہے۔ اور یہ ایک فریضہ بھی ہے۔ مگر انسان کے دل میں پیشاب پاخانہ کی محبت نہیں ہوتی بیماری میں دوا پیتا ہے، آپریشن کراتا ہے، مگر دل میں ان چیزوں کی محبت نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ کام مجبوری میں کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے نزدیک بندہ مومن کو ایسا ہونا چاہیے کہ وہ بقدر ضرورت مال کو حاصل بھی کرے، اسکی حفاظت بھی کرے، اور ضرورت کے موقعوں پر اس سے کام بھی لے، مگر دل اس کے ساتھ مشغول نہ ہو، بلکہ دست بکا ردل پیار۔ ہو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

آب اندر ز کشتی پستی است آب در کشتی ہلاک کشتی است  
یعنی کشتی پانی ہی میں چلتی ہے۔ مگر جب تک پانی کشتی کے نیچے رہے۔ تو وہ کشتی کا مددگار ہوگا۔ اور یہی پانی کشتی کے اندر آ جائے تو کشتی کو لے ڈوبتا ہے۔ اسی طرح یہ مال جب تک دل کی کشتی کے ارد گرد رہتا ہے تو مفید و مددگار ہوتا ہے۔ اور جب دل کے اندر گھس جائے تو یہی ہلاکت و تباہی کا باعث بن جاتا ہے۔ آگے ان دونوں مذموم خصلتوں پر وعید سنائی گئی۔ اور جو یہ دعویٰ کرے کہ میں ناشکر نہیں ہوں، یا مجھ کو مال سے حب شدید نہیں، اس کو بھی تنبیہ کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

أَفَلَا يَعْلَمُ ..... کیا اس دنیا دار ناشکرے غافل انسان کو معلوم نہیں کہ قیامت کے روز جبکہ مردے زندہ کر کے



قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ اور دلوں کی پوشیدہ باتیں کھل کر سامنے آجائیں گی۔ اور پروردگار عالم اُس دن ان سب کے جملہ حالات سے باخبر ہوگا۔ اور رب العالمین تو ہر وقت باخبر ہے۔ اس روز باخبر ہونے کی خصوصیت اُس لئے ظاہر کی گئی کہ وہ سزا و جزا کا دن ہوگا۔ تو حق تعالیٰ کا خیر ہونا اُس دن ایسا عیاں ہو جائیگا کہ کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے گی۔ زجاج کہتے ہیں کہ خیر کا مطلب ہے بدلہ دینے والا کیونکہ بدلہ دینے والے کا خیر ہونا لازم ہے۔ پس لازم ہو کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔ والکناية ابلغ من الصراحة۔ اور جب رب العالمین تمام اعمال و احوال سے باخبر ہوگا تو وہ اعمال کے مطابق جزا و سزا بھی دیگا۔ لہذا عاقل کا کام یہ ہے کہ ناشکری اور مال کی بیجا محبت سے توبہ کر کے اپنی آخرت کو درست کر لے۔

**فائدہ ۱:** ..... مَا فِي الْقُبُورِ میں ما موصولہ ہے (جو غیر ذوی العقول کے لئے وضع کیا گیا ہے) بمعنی من ہے (جو ذوی العقول کے لئے آتا ہے) کیونکہ یہاں اس سے مراد انسان مراد ہیں۔ اور یہاں ما کو من کی جگہ لانے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ مردے جمادات کی طرح بے عقل ہوتے ہیں اسلئے ان کے مناسب لفظ ما ہی تھا۔ یا مَا فِي الضُّدُورِ میں ما آیا ہے اس کی لفظی مناسبت سے مَا فِي الْقُبُورِ میں بھی ما کو لایا گیا۔ اور ما و من ایک دوسرے کی جگہ بکثرت مستعمل ہوتے ہیں۔

**فائدہ ۲:** اس سورت میں مطلق انسان کی دو مذموم خصلتیں (ناشکری و حب مال کی شدت) بیان کی گئی ہیں۔ حالانکہ افراد انسان میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ بھی ہیں۔ جو شکر گزار اور حب مال سے بری ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اکثر انسان چونکہ ان بُری خصلتوں میں ملوث ہیں اسلئے اکثر کے اعتبار سے مطلق انسان کی طرف ان خصلتوں کو منسوب کر دیا گیا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام افراد انسان میں یہ دونوں چیزیں پائی جائیں اس لیے بعض حضرات نے یہاں الانسان میں الف لام عہدی مان کر اس سے انسان کا فرمُ اولیا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ مذکورہ دونوں مذموم خصلتیں دراصل کافر کی ہیں۔ اگر خدا نخواستہ کسی مسلمان میں بھی پائی جائیں تو اس کو فکر کرنا چاہیے۔ کہ یہ خصلتیں اس کی شان کے خلاف اور اس کے دامن ایمان پر داغ بھائے نازیباں ہیں۔ واللہ اعلم۔

تم تفسیر سورة العنكبوت فالحمد لله رب الكائنات والصلوة والسلام على سيد الموجودات وعلى اله وجميع الصحابة والصحابيات وعلى من تبعهم من المسلمين المسلمات.

## سُورَةُ الْقَارِعَةِ

## سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً

رکوع: ۱- آیات: ۱۱ | سورہ قارعہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں گیارہ آیات ہیں | کلمات: ۳۶- حروف: ۱۵۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْقَارِعَةُ (۱) مَا الْقَارِعَةُ (۲) وَمَا أَذْرَكَ مَا الْقَارِعَةُ (۳) يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ

وہ کھڑکڑا دینے والی کیا ہے وہ کھڑکڑا دینے والی؟ اور آپکو کچھ معلوم ہے کیا چیز ہے وہ کھڑکڑا دینے والی اُس دن لوگ

الْقَارِعَةُ	مَا	الْقَارِعَةُ	وَمَا	أَذْرَكَ	مَا	الْقَارِعَةُ	يَوْمَ	يَكُونُ	النَّاسُ
ٹھوکنے والی	کیا ہے	ٹھوکنے والی	اور	کس چیز	معلوم کروایا تجھ	کیا ہے	ٹھوکنے والی	دن	ہو جائیں گے۔ آدمی

كَالْفَرَّاشِ الْمُبْثُوثِ (۴) وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (۵)

منتشر پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین روئی کی طرح ہو جائیں گے۔

كَالْفَرَّاشِ	الْمُبْثُوثِ	وَمَا	تَكُونُ	الْجِبَالُ	كَالْعِهْنِ	الْمَنْفُوشِ
مانند پروانوں	پراگندہ	اور	ہو جاویں گے	پہاڑ	مانند دھنی	دھنی ہوئی

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ (۶) فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ (۷) وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ

پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا تو وہ مَن مانی عیش میں ہوگا۔ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا

فَأَمَّا	مَنْ	ثَقُلَتْ	مَوَازِينُهُ	فَهُوَ	فِي	عِيشَةٍ	رَاضِيَةٍ	وَمَا	خَفَّتْ
پس ایچہ	جو کوئی	بھاری ہو	تو اس	پس وہ	بچ	زندگانی	خوش	اور	ہلکی ہو

مَوَازِينُهُ (۸) فَأَمَّةٌ هَاوِيَةٌ (۹) وَمَا أَذْرَكَ مَا هِيَ (۱۰) نَارٌ حَامِيَةٌ (۱۱)

تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔ اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ کیا چیز ہے۔ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

مَوَازِينُهُ	فَأَمَّةٌ	هَآوِيَةٌ	وَمَا	أَذْرَكَ	مَا	هِيَ	نَارٌ	حَامِيَةٌ
تو اس	پس جائے اس	ہاویہ	اور	کیا	جائے تو	کیا ہے وہ	آگ	جلتی ہوئی

لغات:

الْقَارِعَةُ اس کی شرح سورہ الحاقہ کے شروع میں گزر چکی۔ الْفَرَّاشُ جمع فَرَّاشَة کی: پروانے، چست و سبک آدمی

یہاں اول معنی مراد ہیں۔ الْفَرَّاشُ کو یہاں بطور اسم جنس لایا گیا ہے۔ اسی لئے اس کی صفت مفرد مذکر الْمُبْثُوثُ لائی گئی۔

اور الْمُبْثُوثَةُ نہیں لائی گئی۔ جیسے السَّحَابُ اگرچہ السَّحَابَةُ کی جمع ہے لیکن وہ اسم جنس بھی ہے اسی لئے سَحَابٌ مَرْكُومٌ

کہا جاتا ہے۔ الْمُبْثُوثُ اسم مفعول: منتشر، پراگندہ، بٹ (ن ض) پراگندہ کرنا، بکھیرنا، ابھارنا، الْبُهْنُ ایسی روئی جو مختلف

رنگوں میں رنگی ہوئی ہو، جمع عُهْنُونٌ۔ مَوَازِينُ اسم آلہ یا اسم مفعول جمع المیزان یا الْمَوَازِينُ کی ہے (ترازو میں یا وزن کئے

جانے والے اعمال) وَزَنَ وَزْنًا وَزِنَةً (ض) تولنا، وزن کرنا، خَفَّفْتُ واحداً مؤنث غائب (ض) ہلکا ہونا، اُمّ: ماں، ٹھکانا، اصل سبب۔ ظلیل نے تصریح کی ہے کہ ام ہر وہ چیز ہے کہ جس کی طرف اس کی تمام متعلق چیزیں ملادی جائیں۔ یہاں ٹھکانے کے معنی ہیں۔ ہَاوِیَّة: دوزخ کے ایک درجہ کا نام ہے۔ (ض) منہ کھولنا، اتر آنا، گر پڑنا (س) خواہش کرنا، محبت کرنا، مائل ہونا، ہَوَءٌ: گڑھا، نشیبی زمین، زمین و آسمان کا درمیانی خلاء، هَوِیَّةٌ: گہرا کنواں۔ مَاہِیَہ میں اخیر ہاء ہائے سکتہ ہے۔ حَامِیَّة: صیغہ اسم فاعل حَمَى حُمِیاً وَحُمُوا (س) تیز گرم ہونا۔ غَضَبْنَا کہ ہونا حَمِیاً وَحُمِیاً (ض) روکنا۔ بچانا۔

### ترکیب:

شروع کی تین آیات کی ترکیب سورۃ الحاقہ کی ابتدائی تین آیات کی ترکیب کے مثل ہے۔ یَوْمَ مضاف یُکُونُ فعل ناقص النَّاسُ اسم الفرائض المَبْنُوثِ مرکب توصیفی مجرور متعلق کا نہیں کا ہو کر خبر، یا کہ اسی بمعنی مثل مضاف ومضاف الیہ ملکر خبر۔ جملہ معطوف علیہ۔ وَتُکُونُ..... اسی ترکیب سے جملہ معطوف معطوفین ملکر یَوْمَ کا مضاف الیہ ہوا۔ یَوْمَ اپنے مضاف الیہ سے ملکر مناسب مقدر تَقَرُّعُ کا ظرف (ذَلَّ عَلَیْہِ مَا قَبْلُہُ) وقیل محذوف ای سیأتیکم القارعة یوم آہ، وقیل منصوب یا ضمیر اذکر، ای اذکر یوم یکون آہ۔ وقیل محلہ الرفع علیٰ انہ خبر مبتدأ محذوف، وحركة الفتح لإضافته الی الفعل، وان کان مضارعاً کما هو رأی الکوفیین ای ہی یوم یکون..... ف تعقیبہ اَمَّا تفصیلہ مِّنْ مَّوْصُولِہ ثَقُلْتُ فعل اپنے فاعل مَوَازِنُہ سے ملکر جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول وصلہ ملکر مبتدأ ف جزائیہ جواب امّا، هُوَ مبتدأ، ففی عِشَیَّةٍ رَاضِیَّةٍ جار مجرور متعلق غَائِشٌ ہو کر خبر۔ مبتدأ خبر جملہ اسمیہ ہو کر مبتدأ اول کی خبر جملہ معطوف علیہ۔ اگلا جملہ اسی ترکیب سے معطوف۔ فَأُمُّہُ مبتدأ، هَاوِیَّةٌ خبر۔ جملہ ماسبق پر معطوف۔ وَمَا أَذْرَکَ مَاہِیَہ: مر مثلاً غیر مرہ۔ نَارٌ مبتدأ، حَامِیَّةٌ خبر، جملہ اسمیہ بدل یا بیان مَاہِی کا ہوا۔ یا مبتدأ محذوف کی خبر ہے ای ہی نَارٌ حَامِیَّة ہم نے اسی ترکیب کے لحاظ سے ترجمہ کیا ہے۔

### تفسیر:

القَارِعَةُ اس میں تائے تانیث ہے۔ اور موصوف محذوف ہے ای السَّاعَةُ الْقَارِعَةُ یا تائے مبالغہ ہے۔ اس کی وضاحت سورۃ الحاقہ میں گزر چکی ہے۔ اس کے لغوی معنی کھٹا کھٹا دینے والی کے ہیں، کیونکہ قیامت دلوں کو ہلا ڈالیگی۔ اس لئے اس کو قارعہ کہتے ہیں۔ حوادث دہر کو بھی (جو عاقل کے دل کو ہلا دیتے ہیں) قوارع الدھر کہتے ہیں۔ اور قرآن پاک کی اس قسم کی آیات کو جو طبع بشری کو جنبش دینے والی ہیں قوارع القرآن کہتے ہیں۔ اس سورت میں بھی ان مضامین کا ذکر ہے جو خواب غفلت سے جگا دینے والے اور دلوں کو ہلا دینے والے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس کو سورۃ القارعة کہتے ہیں۔ اور اس سورت کی پہلی سورت کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے۔ اس لئے وضاحت نہیں کی گئی۔ عیاں را چہ بیاں۔

یَوْمَ یُکُونُ..... (جس دن آدمی بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے) میدان حشر میں بکھرے ہوئے سرگرداں و پریشان انسانوں کو منتشر پروانوں سے چار چیزوں میں تشبیہ دی گئی ہے: (۱) بدحواسی و بے قراری میں (۲) کثرت وضعف میں کہ وہ ملائکہ کے مقابلہ میں بھگلوں کی طرح کمزور ہوں گے۔ (۳) بکھرنے اور ہر سمت دوڑنے میں (۴) آگ

میں گرنے میں کہ جس طرح پروانے آگ میں گرتے ہیں اسی طرح کافر لوگ آتش دوزخ میں گریں گے۔  
وَتَكُونُ الْجِبَالُ..... (اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین روئی کی طرح ہو جائیں گے) رنگین دھنی ہوئی روئی سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ مختلف رنگوں کے پہاڑ جب چوراچورا ہو جائیں گے تو ایک ایسی رنگت پیدا ہو جائیگی کہ گویا وہ دھنی ہوئی رنگین روئی ہے۔

**فائدہ:**..... اجسام میں حق تعالیٰ نے ثقل (بھاری پن) رکھا ہے۔ اور یہی ثقل اجسام کو سکون و قرار پر مجبور کرتا اور انکو حیز طبعی کی طرف جھکاتا ہے۔ پھر ثقل کی دو قسمیں ہیں: ایک ثقل حسی دوسری ثقل معنوی۔ اول قسم تو تمام اجسام میں ظاہر و مشاہد ہے۔ دوسری قسم ادراک و حواس والے اجسام میں، خصوصاً حضرت انسان میں پائی جاتی ہے۔ اس کو وقار و حلم کہتے ہیں جس میں یہ صفت ہوتی ہے اس کو حلیم، باوقار، متمثل ابو بھاری بھر کم انسان شمار کیا جاتا ہے۔ انسان میں اس صفت کا نہ ہونا معیوب ہے۔ کفار قریش اپنی اس صفت تحمل و وقار پر بڑے نازاں تھے۔ وہ اس کی اتنی مشق کرتے تھے کہ اگر ان کے جسم پر زخم بھی لگ جائے تو وہ جس وضع پر بیٹھے ہوں اس میں کچھ فرق نہ آئے۔ انسان کے اس ثقل (وقار و حلم) سے اخلاقی حمیدہ و ملکاتِ فاضلہ میں ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے۔ اور حسنات پر عمل اور معاصی سے اجتناب کی توفیق میسر آتی ہے۔ اور یہی انسان کا مقصود زندگی ہے۔ پھر یہ ثقل جس میں جتنا ہوگا اسی کی مقدار میزان میں اس کا وزن ہوگا۔ اور جس میں یہ ثقل نہ ہوگا میزان میں اس کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ ﴿فَلَا تَقِيَمُ لَهُمُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وُزْنُهُمْ﴾ ایسے لوگوں کا وزن بہمیت و جسمانیات ان کو اپنے حیز طبعی مقام اسفل (ہاویہ) کی طرف لجا یگا۔ اول قسم کا ثقل جو اجسام میں ظاہر و مشاہد ہے پہاڑوں میں زائد نمایاں ہے۔ کہ ان کو قدرت نے جہاں بٹھلادیا وہیں بیٹھے ہیں۔ قطعاً ہلتے ہی نہیں۔ اسی لئے ثابت قدمی و وقار کو پہاڑوں کے ساتھ تشبیہ دیکر کہتے ہیں کہ فلاں شخص کو وہ وقار ہے حاصل یہ ہے کہ قیامت کے حادثہ کی شدت سے دونوں ثقل زائل ہو جائیں گے۔ انسان جو علم و وقار کے پہاڑ ہیں پروانوں کی طرح بکھر جائیں گے۔ اور پہاڑ بھی ہواؤں پر اڑ کر دھنی ہوئی روئی کی طرح ہلکے پھلکے ہو کر ہواؤں میں اڑتے پھریں گے۔ پھر اس عالم روحانی کے مناسب ثقل ثابت ہو کر میزان کو بھاری کر دیگا۔ اور دوسری قسم کا ثقل انسان کو عالم اسفل کی طرف کھینچ کر ہاویہ میں ڈال دیگا۔

فَأَمَّا مَن..... يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ مِيزَانٍ میں انسانوں کی حالت مجمل بیان کی گئی تھی یہاں سے اس کی تفصیل ہے۔  
مَوَازِينٍ، مَوَازُون کی جمع ہے۔ تو اس سے مراد اعمالِ صالحہ ہیں۔ کیونکہ اعمال سے مقصود اعمالِ صالحہ ہیں۔ اور میزان کی جمع ہے تو اس سے مراد ترازو ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میزان کے دو پلڑے آسمان و زمین کی برابر پیدا فرمائے ہیں۔

لفظ جمع کیوں لایا گیا؟

مِنْ ثَقُلَتْ میں لفظ مَن لفظاً مفرد ہے اس لئے ضمیر مفرد اس کی طرف عائد کی گئی لیکن معنوی اعتبار سے یہ جمع ہے۔ اور جمع کے مقابل جب جمع لائی جاتی ہے تو قاعدہ کے مطابق اکائیوں کو اکائیوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کی میزان جدا گانہ ہوگی۔ یا کثرت موزونات کے سبب سے جمع لائی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ تعدد دوزن کی وجہ سے صیغہ جمع استعمال کیا گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایمان و عقائد کا وزن کرنے کی میزان اور ہو۔ اور اعمال کی دوسری یا اجزاء میزان کے

اعتبار سے یا مافوق الواحد کے اعتبار سے لفظ جمع لایا گیا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میزان کی عظمت کی وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہو۔ سلیمان جمل نے لکھا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ سب امتوں اور تمام اعمال کے لئے ترازو ایک ہی ہوگی۔ اور ترازو ایک جسم مخصوص ہے جسمیں دو پلڑے اور ایک ڈنڈی ہوگی۔ ایک پلڑہ بقدر مشرق تا مغرب وسیع ہوگا۔ اور اس ترازو کے قائم ہونے کا مقام جنت و دوزخ کے درمیان ہے۔ (تفسیر کبیر میں حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ وہ جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوگی) اس کا داہنا پلڑہ نیکوں کے لئے عرش کی دہنی جانب اور بائیں براہیوں کے لئے عرش کی بائیں جانب ہوگا۔

وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ..... اس آیت کے عموم میں کافر و منافق بھی داخل ہیں۔ ایمان نہ ہونے کے سبب جنگی کوئی نیک معتبر نہ ہوگی۔ اور وہ فاسق بھی داخل ہے جس کے گناہوں کا پلڑہ نیکوں کے پلڑہ سے بھاری ہوگا۔ اور مَنْ ثَقُلَتْ میں صرف وہ مؤمن داخل ہیں جو معصوم ہوں یا مغفوریان کی نیکیاں گناہوں پر بھاری ہوں۔ لیکن بظاہر مَنْ خَفَّتْ میں کافر ہی داخل ہیں۔ انہی کی سزا کا بیان اگلی آیات میں ہے، کیونکہ قرآن مقدس نے اکثر متقیوں کے مقابلہ میں کفار ہی کا ذکر فرمایا۔ اور گنہگار اہل ایمان کے ذکر سے خاموشی اختیار کی ہے۔ اس لئے ان آیات میں بھی ایسا ہی ہے کہ مَنْ ثَقُلَتْ کا مصداق متقیین ہیں۔ اور مَنْ خَفَّتْ کا مصداق کافرین۔ گنہگار اہل ایمان سے سکوٹ کیا گیا ہے۔ ان کے انجام کی قرآن نے پردہ پوشی کی ہے۔ امید ہے کہ آخرت میں بھی ان کے ساتھ ستاری کا معاملہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

### آخرت میں انسانوں کے تین گروہ:

قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ آخرت میں لوگوں کے تین گروہ ہوں گے: (۱) متقیوں کا وہ گروہ جن کے کبیرہ گناہ نہ ہوں گے (بالکل نہ ہوں گے یا معاف کر دیئے گئے ہوں گے) انکی نیکیاں ایک نورانی پلڑہ میں رکھی جائیں گی۔ اور وہ پلڑہ اوپر کو نہ اٹھے گا۔ البتہ دوسرا (گناہوں کا پلڑہ) خالی پلڑہ کی طرح (گناہ بالکل نہ ہونے کے سبب یا قلیل ہونے کے سبب) اوپر اٹھ جائیگا۔ (۲) کافروں کا گروہ ہوگا۔ ان کے کفر اور گناہوں کا بوجھ ظلمانی پلڑہ میں رکھا جائیگا اگر کوئی نیک ہوگی تو وہ دوسرے پلڑہ میں رکھ دی جائیگی مگر یہ پلڑہ خالی پلڑہ کی طرح اوپر اٹھ جائیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن بعض مومن اور لمبے چوڑے آدمی آئیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا وزن مجھ کے پر کی برابر نہ ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ﴿قُلَانْفِقُمْ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزَنَّا﴾ پڑھی۔ (۳) تیسرا فرقہ گنہگاروں کا ہوگا۔ ان کی نیکیاں نورانی پلڑہ میں اور بُرائیاں ظلمانی پلڑہ میں رکھی جائیں گی۔ اگر نیکوں کا پلڑہ بھاری ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور گناہوں کا پلڑہ بھاری ہوگا تو ان کا معاملہ مشیت خداوندی پر موقوف ہوگا۔ وہ چاہیگا تو بخش دیا جائیگا چاہیگا تو سزا دیگا۔ اگر دونوں پلڑے برابر ہوں گے تو ایسے لوگ اصحاب اعزاف ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ گناہ حقوق اللہ میں سے ہوں۔ لیکن اگر وہ گناہ حقوق العباد میں سے ہوں گے تو ان کی نیکیوں سے حقوق العباد کی ادائیگی ہوگی۔ اگر اعمال صالحہ سے ادائیگی ہوگئی تو خیر و نہ حقوق والوں کے گناہ ان پر ڈال دیئے جائیں گے۔ اور سزا دی جائیگی۔ احمد بن حارث نے کہا کہ قیامت کے دن لوگوں کے تین فرقے ہوں گے۔ ایک فرقہ اعمال صالحہ کی وجہ سے غنی ہوگا۔ دوسرا فرقہ اعمال صالحہ کم ہونے کی وجہ سے محتاج ہوگا تیسرا فرقہ اعمال صالحہ کے وجہ شروع میں غنی اخیر میں دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے بعد محتاج ہو جائیگا (یہ تینوں گروہ اہل ایمان ہی کے ہوں گے) سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ کوئی حق تعالیٰ شانہ کے حضور میں ایسے گناہ لیکر جائے جو حقوق اللہ میں سے ہوں یہ اس سے آسان ہوگا کہ وہ حقوق

العباد میں سے ایک گناہ بھی لیکر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حساب ہوگا۔ جس کی ایک نیکی بھی گناہوں سے زائد ہوگی وہ جنت میں جایگا۔ اور جس کے گناہ نیکیوں سے زائد ہوں گے وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ ترازو ایک دانہ کے وزن سے ہلکی پھلکی بھاری ہو جائیگی۔ اور جس کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحابِ اعراف میں سے ہوگا۔ ایسے لوگ پل صراط پر رُکے رہیں گے یہاں تک کہ جب ان کو کچھ گناہوں کی سزا دیدی جائیگی اور نیکیاں بھاری ہو جائیں گی تو ان کو جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔ علامہ سیوطیؒ نے کہا کہ جس متقی کا کوئی گناہ نہ ہوگا اس کے اعمال بھی تولے جائیں گے تاکہ اس کا شرف لوگوں پر ظاہر کر دیا جائے اور کافر کے اعمال بھی اس کی ذلت کو ظاہر کرنے کے لئے تولے جائیں گے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میزانِ عدل میں سب سے بڑا وزن کلمہ طیبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ“ کا ہوگا۔ جس کے پلہ میں یہ کلمہ ہوگا وہ یقیناً بھاری ہوگا۔ مثلاً ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی، اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں میری امت کا ایک آدمی ساری مخلوق کے سامنے لایا جائیگا۔ اور اس کے نناوے نامہ اعمال لائے جائیں گے اور ان میں ہر نامہ اعمال تاحد نظر طویل ہوگا۔ اور یہ سب اعمال نامے گناہوں سے لبریز ہوں گے اس سے پوچھا جائیگا کہ جو کچھ ان میں لکھا ہے۔ سب درست ہے یا لکھنے والوں نے تم پر زیادتی کی ہے۔ وہ اقرار کریگا کہ اے میرے رب یہ سب کچھ صحیح ہے، پھر وہ دل ہی دل میں گھبرائیگا کہ اب میری نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس وقت ارشاد باری ہوگا کہ آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ ان تمام کے مقابلہ میں ہمارے پاس تمہاری ایک نیکی کا پرچہ بھی موجود ہے جس میں ”اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبده ورسوله“ لکھا ہوا ہے۔ وہ عرض کریگا اے پروردگار اتنے بڑے بڑے سیاہ اعمال ناموں کے مقابلہ میں یہ چھوٹا سا پرچہ کیا کام دیگا۔ ارشاد ہوگا کہ تم پر ظلم نہیں ہوگا۔ اور ان سیاہ اعمال ناموں کے مقابلہ میں اس پرچہ کو رکھ دیا جائیگا۔ تو یہ کلمہ والا پلہ بھاری ہو جائیگا۔ اور گناہوں والا پلہ ہلکا ہو جائیگا، اس واقعہ کو بیان فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔ مسند بزار و مستدرک حاکم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو اپنے لڑکوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تمہیں لا الہ الا اللہ کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اگر ساتوں آسمانوں وزمین کو ایک پلہ میں اور کلمہ لا الہ الا اللہ کو دوسرے پلہ میں رکھ دیا جائے تو اس کلمہ کا پلہ سب سے بھاری رہیگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمام آسمان اور زمینیں اور وہ سب لوگ جو ان کے درمیان ہیں اور وہ سب چیزیں جو ان کے درمیان ہیں اور وہ سب چیزیں جو ان کے نیچے ہیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لا الہ الا اللہ کا اقرار دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو کلمہ والا پلڑہ ہی تول میں جھک جائیگا۔ (رواہ الطبرانی و رجالہ ثقات) علاوہ ازیں حضرت ابوسعیدؓ و حضرت ابوالدرداءؓ وغیرہ بہت سے صحابہ کرامؓ سے معتبر سندوں کے ساتھ اسی مضمون کی احادیث صحیحہ کتب حدیث میں منقول ہیں۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کا پلہ ہمیشہ بھاری رہیگا خواہ وہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔

لیکن دوسری آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی حسنت و سیات کا وزن ہوگا۔ اور کسی کی حسنت کا وزن کسی کی سیات کا پلہ بھاری ہوگا۔ جس کی حسنت کا پلہ بھاری ہوگا وہ نجات پا جائیگا۔ اور جس کی سیات کا پلہ بھاری ہوگا اس کو عذاب ہوگا۔ اور جسکے دونوں پلے برابر ہوں گے وہ اصحابِ اعراف ہوں گے۔ مثلاً قرآن پاک میں ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِبَنِي آدَمَ ظَلَمًا ۖ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كَيْفَ يَمُوتُ الْإِنْسَانُ الْإِنْسَانُ كَانَتْ رَأْيَ الْإِنْسَانِ كَيْفَ يَمُوتُ ۚ (۱) ترجمہ: ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازوئیں قائم کریں گے اس لئے کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا جو بڑائی یا بھلائی ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی نے کی ہوگی اس کو ہم لے آئیں گے اور ہم حساب کے لئے کافی ہیں۔ اور سورۃ زلزال میں ہے: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ اور اسی سورۃ القارعة میں فَاتَمَّخْتُ..... اور مذکورہ بعض روایات کے علاوہ بہت سی دیگر احادیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی مؤمن کا پلہ بھاری اور کسی کا ہلکا ہوگا۔ اس طرح بظاہر نصوص و روایات میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

### الجواب الکافی بتوفیق الباری:

(۱) اس تعارض کا جواب بعض علمائے تفسیر نے یہ دیا ہے کہ میدانِ حشر میں وزن دوبار ہوگا اول کفر و ایمان کا وزن ہوگا۔ جسکے ذریعہ کافر و مؤمن ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں گے۔ پھر دوسرا وزن نیک و بد اعمال کا ہوگا۔ اس میں کسی مسلمان کی نیکیاں کسی کی برائیاں بھاری ہوں گی۔ اور اسی کے مطابق جزا و سزا کا استحقاق ہوگا۔ اس طرح تمام آیات و روایات کے مضامین اپنی اپنی جگہ پر درست اور مربوط ہو جاتے ہیں اور کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ (۲) قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں مؤمنین صالحین کے ثواب کے مقابلہ میں کافروں کی سزا کا ذکر اکثر مقامات پر آیا ہے۔ اور مؤمنین فاسقین کے ذکر سے خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ اس لئے ظاہر یہ ہے کہ یہاں مَنْ ثَقُلَتْ میں مؤمنین کا ملین کا ذکر ہے۔ اور مَنْ خَفَّتْ میں کافرین اور بے عمل مؤمنوں کا ذکر یہاں پر مذکور نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

### وزن اعمال کس طرح ہوگا؟

بیشمار آیات و احادیث میں وزن اعمال کا ذکر ہے۔ اس لئے اس میں کسی شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں کہ اعمال کا وزن ہوگا۔ ﴿الْوِزْنُ يُؤْتِنُ الْحَقُّ﴾ اب رہی یہ بات کہ اعمال تو اعراض ہیں ان کا وزن کیسے ہوگا؟ اس شبہ کا جواب علماء نے کئی طرح سے دیا ہے۔ اور ہر ایک نے اپنے اپنے جوابات کی تائید میں آیات قرآنیہ اور نصوص حدیثیہ پیش کی ہیں۔ مختصر اُیہ ہے کہ (۱) بعض علماء کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال دوسرے عالم میں اچھی یا بری شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔ ان شکلوں کو میزان میں رکھ کر تولا جائیگا۔ بہت سی احادیث میں اعمال کے اچھی یا بری صورتوں میں قبر و حشر میں ظاہر ہونے کا ذکر وارد ہے۔ اور حضرت صوفیاء دنیا ہی میں اس کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ (۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نامہ اعمال تولے جائیں گے۔ یہ لوگ حدیث بلاقہ وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔ جس میں ایک چھوٹے سے پرچے کا نواہے بڑے بڑے دفتر سے زیادہ بوجھل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کما مر۔ (۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خود صاحبِ عمل کو تولا جائیگا۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن بعض مولے آ دی آئیں گے جن کا وزن اللہ کے نزدیک مجھ کے پر کی برابر بھی نہ ہوگا اور اسکی شہادت میں آپ نے قرآن کریم کی

آیت ﴿فَلَا تُنْفِقُوا لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزُنًا﴾ پڑھی۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی ٹانگیں بظاہر کتنی دہلی پتلی ہیں لیکن قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ قیامت کی میزان میں ان کا وزن اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ ہوگا وغیرہ۔ (۴) حافظ ابن کثیرؒ نے یہ تمام اقوال اور ان کی تائید میں نصوص ذکر فرما کر لکھا ہے کہ ان تمام روایات حدیث سے وزن اعمال کی کیفیت مختلف معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ وزن مختلف صورتوں سے کئی بار کیا جائے اور یہ بات ظاہر ہے کہ پوری حقیقت ان چیزوں کی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ نیز عمل کرنے کے لئے اس حقیقت کا جاننا بھی ضروری نہیں ہے۔ صرف اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ ہمارے اعمال کا وزن ہوگا۔ نیک اعمال کا پلہ ہلکا رہا تو عذاب کے اور بھاری ہوا تو ثواب و نجات کے مستحق قرار پائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی ایمان والے کو اپنے فضل سے یا کسی بندہ مقبول کی شفاعت سے معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے یعنی یہ عدل سے آگے فضل کی شان ہے جن روایات میں مذکور ہے کہ صرف کلمہ ایمان پر نجات ہو جائیگی اور اس کے مقابلہ میں سب گناہ معاف ہو جائیں گے وہ بھی اسی استثنائی صورت سے متعلق اور مخصوص فضل و کرم کا مظہر ہے۔ (۵) توحید و رسالت کو ماننے والوں کے لئے تو صرف اتنی بات ہی بہت کافی ہے کہ اللہ جل شانہ مالک الملک و قادر مطلق ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جس چیز کو ہم نہ تول سکیں۔ حق تعالیٰ شانہ بھی نہ تول سکیں۔ اور جبکہ صریح آیات قطعیہ و کثیر روایات صحیحہ میں اعمال کے تولے جانے کا ذکر ہے تو ہمارے لئے کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ اور ایمان کا تقاضا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا اور اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کے سوا اور کیا ہے؟ اسکے علاوہ قلب مؤمن کو مطمئن کرنے کے لئے نہ تو کوئی اور دلیل درکار ہے اور نہ اس کو اس راہ میں عقل گھوڑوں پر سواری کی ضرورت پیش آتی ہے۔

مگر ماڈرن قسم کے ذہن والے جو عموماً اپنی زبانوں سے مسلمان ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ہر چیز کو وہ اپنی کوتاہ عقل کی ترازو میں تولنا چاہتے ہیں۔ بیچارے اپنی جدت پسند طبیعت سے مجبور ہیں۔ ان کی ریسرچی ذہنیت اللہ و رسول کے ارشادات پر قناعت نہیں کرتی۔ اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جس کو کسی پر اعتماد ہوتا ہے تو اس کو اس کا اعتبار ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مجبوراً چند سطریں سیاہ کرنی ہی پڑیں گی۔ متوجہ ہو کر آپ مشاہدات کے عالم پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ اس عالم دنیا میں بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کے تولنے کی ترازویں موجود ہیں۔ بڑے بڑے لکڑ تولنے کی ترازویں، غلہ کی بوریاں تولنے کی ترازویں، تھوڑا غلہ تولنے کی چھوٹی ترازویں، معمولی سودا سلف تولنے کی ترازویں، سونا چاندی تولنے کی ترازویں، ان سے بڑھ کر ٹرک اور موٹریں تولنے کی ترازوئیں، ریل گاڑیاں اور جہازوں وغیرہ کے تولنے کی ترازویں ہیں۔ یہ تمام ترازویں انسانوں نے مجسم چیزوں کے تولنے کے لئے ایجاد کی ہیں۔ لیکن ان میں بھی اتنا بڑا فرق ہے کہ ایک چیز کی ترازو دوسری چیز میں استعمال نہیں ہوتی، مثلاً لکڑ تولنے کی ترازوؤں میں سونا نہ تلے گا، ورنہ وارے کے نیارے ہو جائیں گے۔ اسی طرح سونے چاندی اور غلہ کی ترازوؤں میں لکڑیاں نہ تلئیں گی۔ اور لکڑیوں والی میں ریل گاڑیاں اور جہاز نہ تل سکیں گے، بڑی بڑی گاڑیاں اور جہاز تولنے کی ترازویں ان کے انجنوں میں فٹ ہوتی ہیں۔ ان میں ترازوؤں سے یہ چیزیں تولی جاتی ہیں۔ آگے اور بڑھے تو آپ کو ہوا تولنے کے آلات، سردی و گرمی تولنے کی ترازویں ملیں گی۔ اب اُن عقل کے پتلوں سے پوچھئے کہ اگر اعراض نہیں تل سکتے، صرف اجسام ہی تل سکتے ہیں تو سردی و گرمی کیا جسم ہیں؟ جو تولی جاتی ہیں۔ سائنس کی ترقی کے اس دور میں بھی وزن اعمال کا یقین نہ کرنا حیرت و تعجب کی بات ہے۔ ان عقل کے بندوں کو یہ معلوم نہیں کہ عقل میں کسی چیز کا نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ چیز موجود نہ ہو یا وجود میں نہ آ سکے بیشمار عقلاء



نے خود اپنے آپ کو نہ سمجھتے ہوئے بھی خود کو موجود مانا ہے۔ اب سے چند سال قبل لوگ ٹیلی ویژن جیسی ایجادات کا یقین نہیں کر سکتے تھے۔ اور آج آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ایک عرصہ پہلے لوگ اس بات کا یقین نہیں کر سکتے تھے کہ انسان ہوا پر اڑ سکے گا۔ مگر اب یہ بات حیرت انگیز نہیں رہی۔ بہر حال محترم صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر دی ہے وہ یقینی ہے۔ اور عقل میں نہ آنار عقل کے کوتاہ ہونے کی دلیل ہے نہ کہ خبر کے غلط ہونے کی، اگر ہاتھی کسی کی جھوپڑی میں نہ آسکے اور وہ اس کو اس میں گھسانا چاہتا ہے تو یہ اس کی جھوپڑی کی کوتاہی اور اس جھوپڑی والے کی بے وقوفی ہے۔ جھوپڑی میں بغیر داخل کئے ہوئے اس کو اپنی جھوپڑی کی کوتاہی اور ہاتھی کی عظمت تسلیم کر لینی چاہیے۔ اس کے علاوہ لوگ تو اس دنیا میں بھی اعمال و اعراض کا وزن کرتے ہیں۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے بہت سوں کو سنا ہوگا کہ فلاں شخص بہت بھاری عالم ہے۔ فلاں شخص بڑے بزرگ ہیں تو کیا عالم صاحب کو تول کر یا بزرگ صاحب کو میٹر سے ناپ کر دیکھا گیا ہے۔ نہیں نہیں۔ بلکہ یہ ناپ تول عقل کی ترازو سے ہوتی ہے۔ جس میں نہ پلے ہیں، نہ ڈنڈی ہے، کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی بات وزنی ہے۔ فلاں شخص کا نام بہت بھاری ہے۔ فلاں صاحب بہت بھاری بھر کم ہیں۔ لیجئے یہ دنیا کے انسان بھی اعمال و اقوال و صفات و اعراض کو تول رہے ہیں۔ ان پر کوئی بھی شک و شبہ نہیں کرتا، بلکہ سب ایسی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اگر قرآن و حدیث اعمال کے وزن کی اطلاع دیں۔ اور نبیوں کا سچا اور معتبر گروہ خبر دے تو یہی تصدیق کرنے والے تکذیب کرنے اور کہنے لگتے ہیں کہ ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ اعمال و اعراض کا وزن ہو سکے۔ یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ (مرآۃ الانوار شرح مشکوٰۃ ثلاثہ راز ص ۱۳۶۔ تا ص ۱۳۹)

**فائدہ:**..... علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ جو لوگ بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ ان کے اعمال کے وزن کے لئے میزان نہیں لگائی جائیگی۔ اسی طرح جو لوگ بے حساب دوزخ میں جائیں گے ان کے لئے بھی ترازو قائم نہ ہوگی مؤخر الذکر لوگوں کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے۔ ﴿يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ﴾ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ستر ہزار افراد بے حساب جنت میں جائیں گے۔ نہ ان کے لئے میزان قائم ہوگی نہ وہ اپنے اعمال نامے تلئیں گے۔ بلکہ ان کو صرف ایک براءت نامہ دیدیا جائیگا۔ اصہبانی نے بروایت حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میزانیں قائم کی جائیں گی۔ نمازیوں کو لا کر وزن کیا جائیگا اور پورا پورا اجر دیدیا جائیگا۔ حج والوں کو لا کر تو لا جائیگا اور پورا پورا ثواب دیدیا جائیگا۔ اور اہل مصیبت کو لا یا جائیگا تو ان کے لئے ترازو قائم نہ کی جائیگی۔ نہ ان کا رجسٹر کھولا جائیگا۔ بلکہ ان پر بے حساب اجر و ثواب و عنایات کی بارش ہوگی۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ جو دنیا میں عافیت سے رہے تھے یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے بدن قنچویں سے کاٹے جاتے (اور وہ اس پر صبر کر کے بے حساب اجر حاصل کرتے) یہی مطلب ہے اس آیت ﴿اَنَّمَا يُوفَى الصَّابِرُونَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ کا۔ یہ مضمون متعدد روایات میں آیا ہے۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا اندازہ اور وزن ہے۔ مگر (عاشق حق کا) ایک آنسو، کہ اس کے ذریعہ آگ کے سمندر بھجادیئے جائیں گے۔

تنبیہ: اس قسم کی تمام آیات میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کے اعمال تو لے جائیں گے، گئے نہیں جائیں گے اور اعمال کا وزن بقدر اخلاص اور بقدر موافقت سنت ہوتا ہے، جس کے عمل میں اخلاص بھی کامل ہو اور اتباع سنت بھی مکمل ہو وہ تعداد میں کم ہوں۔ یہ اعمال ان لوگوں کے اعمال سے زائد وزنی ہوں گے جن میں اخلاص و اتباع سنت کی کمی ہوگی۔ دنیا میں مخلصین و متبعین سنت (مومنین کاملین) کا حق تعالیٰ کے نزدیک اعتبار ہے کثرت تعداد کا نہیں۔ اسی

لئے اسلامی جمہوریت میں انتخابات کا مدار کثرت تعداد پر نہیں بلکہ علم و عقل و تدین کی بہتات اور وزن پر ہے۔ اور کفری جمہوریتوں میں کثرت کا اعتبار ہوتا ہے۔ الْعَاقِلُ تَكْفِيهِ الْإِشَارَةُ. فَتَفْكَرُ.

فَأَمَّا هَاوِيَةٌ (اس کا مسکن دوزخ ہوگا) مسکن کو اُم (ماں) سے اس لئے تعبیر کیا کہ ماں مرجع ہوتی ہے۔ اولاد گھوم پھر کر ماں کی آغوش میں آ کر ٹھہرتی ہے۔ هَاوِيَةٌ دوزخ کے ناموں میں سے ایک نام ہے ہاویہ جنم کا ایسا گہرا غار ہے۔ جس کی گہرائی کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ قَادَةُ نے اس کا ترجمہ اس کی ماں کرنے والی کیا ہے دراصل عربی کا محاورہ ہے کہ جب کسی پر سخت مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں هَوَتْ أُمُّہ (اس کی ماں گر گئی) اسی محاورہ سے یہ ماخوذ ہے جس کا مطلب کافر کے سخت مصیبت میں گرفتار ہو جانے کا اظہار ہے بعض نے کہا اُم سے مراد سر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافر سر کے بل جنم رسید ہوگا۔

وَمَا أَذْرَكَ یہ استفہام برائے تعظیم (اظہار ہولناکی کے لئے) ہے کما غیر مرۃ۔ مَاہِیۃ حمزہ نے حالت وصل میں ہی اور وقف کی حالت میں ہیہ ہائے سکتہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی تمام قراء نے وصل و وقف بہر دو صورت ہائے سکتہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور یہ ضمیر ہاویہ کی طرف راجع ہے۔ نَازِ حَامِيَةٍ لَفْظ حَامِيَةٍ سے ناز کی تاکید کر کے بتا دیا گیا کہ وہ دُنیوی آگ نہیں بلکہ اسکے مقابلہ میں انتہائی تیز ہے۔

تم تفسیر سورۃ القارعة، فالحمد لله على نعمائه الشاملة الكاملة، والصلوة على حبيبه صاحب الصفات العالیه، وعلى آله واصحابه الذين فازوا بالذِّرجات العالیة، ومتبعهم في الايام الخالیة والآتیة

## سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانُ آيَاتٍ

(کوخ ۱ آیات ۸۔ سورۃ تکوین ۸ میں نازل ہوئی اور اس میں آٹھ آیات ہیں کلمات ۲۸۔ ۱۳۰)

رابط و مناسبت:

(۱) پچھلی سورت میں قیامت اور اسکے بعض احوال کا ذکر تھا۔ اس سورت میں آخرت میں کامیاب ہونے کے لئے غفلت سے بیدار کر کے انسان کو اچھے اعمال پر آمادہ کیا گیا ہے۔ اور تنبیہ کی گئی ہے کہ ہماری نعمتوں میں پڑ کر غفلت کا شکار نہ ہونا چاہیے انکا حساب ہوگا۔ (۲) سورۃ القارعة میں وزن اعمال اور حساب کا ذکر تھا، اس سورت میں بھی نعمتوں کے حساب پر تنبیہ ہے۔ (۳) فضولیات میں پڑ کر انسان آخرت میں کام آنے والے اعمال سے بے بہرہ رہ جاتا ہے۔ اور اس کا ٹھکانہ دوزخ قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ پچھلی سورت میں بتایا گیا ہے۔ اس سورت میں اسباب غفلت مال کی کثرت، افراد کی کثرت وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال دونوں سورتوں میں ربط و مناسبت بہت واضح ہے۔

شان نزول:

اس کا اصل شان نزول تو حکاثر و تفاخر اور اسباب غفلت کا وجود ہے، لیکن روایات میں بعض واقعات کو بھی خاص طور پر اس سورت کا شان نزول قرار دیا گیا ہے۔ (۱) ابن ابی حاتم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت انصار کے دو قبیلوں (بنی حارثہ و بنی حث) نے آپس میں ایک دوسرے پر فخر کیا۔ ایک قبیلہ نے کہا

کہ بتاؤ ہماری فلاں فلاں شخصیتوں جیسی تمہارے قبیلہ میں موجود ہیں؟ دوسرے قبیلہ والوں نے یہی بات ان سے کہی۔ زندوں پر فخر کرتے کرتے نوبت مردوں تک آن پہنچی۔ اور کہنے لگے کہ چلو قبرستان اور بتاؤ کہ ہمارے قبیلہ میں جو فلاں تھے اُن جیسے تمہارے قبیلہ میں تھے؟ دوسروں نے بھی قبروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہی بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اَلْهُكُمُ التَّكَاثُرُ نازل فرمائی۔ (۲) ترمذی، ابن جریر اور ابن منذر وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم عذابِ قبر کے سلسلہ میں شک کرتے رہے یہاں تک کہ اَلْهُكُمُ التَّكَاثُرُ نازل ہو گئی۔ (۳) بخاری و ابن جریر نے حضرت ابن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد): لَوْنِ لَابْنِ آدَمَ وَادِیْنِ مِنْ مَّالٍ لَتَمْنٰی وَادِیًّا ثَالِثًا وَلا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التَّرَابُ ثُمَّ یَتَوَبُّ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ تَابَ۔ کو قرآن کی آیات ہی سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ اَلْهُكُمُ التَّكَاثُرُ کا نزول ہوا۔ (۴) کلبی کہتے ہیں کہ اس سورت کا سبب نزول یہ ہے کہ قریش کے دو قبیلے (عبد مناف و بنی سہم) کسی مجلس میں اپنے اپنے مفارقت کر کرنے لگے۔ ایک نے کہا کہ ہمارا قبیلہ بہت مالدار ہے۔ اور آدمی بھی اس میں زیادہ ہیں۔ لہذا سرداری کا حق ہمارا ہی ہے۔ دوسروں نے کہا کہ ہم زیادہ ہیں۔ ہمارے قبیلہ میں بہادر زیادہ ہیں۔ اسی لئے وہ جنگوں میں زیادہ مارے گئے۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں وہ طفل کیا لڑیں گے جو گھٹنوں کے بل چلیں  
اسی پر بات بڑھ گئی آخر کار یہ قرار پایا کہ چلو قبریں گن ڈالیں چنانچہ قبرستان پہنچ کر قبریں گنیں۔

مکیہ ہے یا مدنیہ؟

یہ سورت جمہور مفسرین کے نزدیک مکیہ ہے۔ ابو حیانؒ نے اس کے مکیہ ہونے پر اجماع بھی نقل کیا ہے۔ لیکن علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے کہا ہے کہ اس کا مکیہ ہونا زیادہ مشہور ہے۔ اور شان نزول کی روایت (۴) اس کی تائید کرتی ہے۔ مقاتلؒ وقادہؒ کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنیہ ہے یہود کے تفاخر و تکاثر کے بارے میں نازل ہوئی، جس میں انہوں نے اپنی زندگی کی بہاریں فاکر دیں۔ ان کے قابلِ افسوس حال سے مسلمانوں کو عبرت دی گئی ہے۔ روایت نمبر ایک اور دو سے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ صاحب روح المعانی نے اسی کو مختار قرار دیا اور فرمایا ہے کہ وعذاب القبر لم یذکر الا فی المدینۃ کما فی الصحیح فی قصہ الیہودیۃ انتہی۔ ولقوة الادلة علی مدنیۃھا قال بعض الاجلة انه الحق۔ (فائدہ) اس سورت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سورۃ المقمرۃ بھی کہتے تھے۔ اور وجہ تسمیہ بہر دو صورت ظاہر ہے۔

فضائلِ سورت:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ روزانہ قرآن پاک کی ایک ہزار آیات تلاوت کر لیا کرے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک ہزار آیت کون پڑھ سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا کیا تم میں سے کسی میں اَلْهُكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھنے کی طاقت نہیں (کہ یہ ایک ہزار آیات کے برابر ہے) (رواہ الحاکم والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات میں ایک ہزار آیات پڑھ

لیا کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کریگا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہنس رہا ہوگا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ایک ہزار آیات کون پڑھ سکتا ہے؟ تو آپ نے اَلْهٰكُمُ التَّكْوِيْنُ اخیر تک پڑھ کر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ سورت ایک ہزار آیات کے برابر ہے۔

ہزار آیات کے برابر کیوں ہے؟

ناصر الدین بن ملبیؒ نے کہا کہ اس راز کی وضاحت یہ ہے کہ قرآن پاک چھ ہزار دوسو آیات سے کچھ زائد پر مشتمل ہے کسر کو حذف کر دیں تو قرآن کا چھٹا حصہ ایک ہزار آیات ہوں گی۔ اور یہ سورت مقاصد قرآن کے چھٹے حصہ پر مشتمل ہے۔ اس لئے یہ سورت ایک ہزار آیات کے برابر ہوئی۔ امام غزالی نے فرمایا کہ قرآن پاک میں چھ مقاصد مذکور ہیں۔ تین تو اہم ترین مقاصد ہیں اور تین سے ان کی تکمیل مقصود ہے۔ تین اہم مقاصد یہ ہیں: (۱) معرفت خداوندی (۲) تعریف صراط مستقیم (۳) تعریف الآخرة۔ اور ان کے مسمات تین یہ ہیں: (۱) اہل اطاعت کے حالات کا ذکر (۲) منکرین کے اقوال کا بیان (۳) طریق کے منازل کی تفصیل۔ ان چھ میں سے اس سورت میں معرفت آخرت کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

اَلْهٰكُمُ التَّكْوِيْنُ (۱) حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۲) كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۳) ثُمَّ كَلَّا

تم کو بہتات کی حرص نے غفلت میں ڈال دیا یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچو ایسا ہرگز نہ چاہیے بہت جلد تم کو معلوم ہو جائے گا خبردار

اَلْهٰكُمُ	التَّكْوِيْنُ	حَتّٰی	زُرْتُمُ	الْمَقَابِرَ	كَلَّا	سَوْفَ	تَعْلَمُوْنَ	ثُمَّ	كَلَّا
غافل کیا تم	چاہ بہتات کی	یہاں تک کہ	ماتم	قبروں	ہرگز نہ یوں	البتہ	جانو گے تم	پھر	ہرگز نہ یوں

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۴) كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ (۵) لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ (۶)

بہت جلد تم کو پتہ چل جائے گا نہیں نہیں اگر تم کو یقینی طور پر معلوم ہو جاتا (تو ایسا نہ کرتے) ضرور تم دوزخ کو دیکھو گے۔

سَوْفَ	تَعْلَمُوْنَ	كَلَّا	لَوْ	تَعْلَمُوْنَ	عِلْمَ	الْيَقِيْنِ	لَتَرَوُنَّ	الْجَحِيْمَ
شباب	جانو گے تم	ہرگز نہ یوں	کاش کہ	جانو تم	جاننا	یقین	البتہ دیکھو گے تم	دوزخ

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ (۷) ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (۸)

پھر تم اس کو بالیقین دیکھو گے۔ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائیگا۔

ثُمَّ	لَتَرَوُنَّهَا	عَيْنَ	الْيَقِيْنِ	ثُمَّ	لَتُسْأَلُنَّ	يَوْمَئِذٍ	عَنِ	النَّعِيْمِ
پھر	البتہ دیکھو گے تم اس	دیکھنا	یقین	پھر	البتہ پوچھے جاؤ گے تم	اس دن	سے	نعمتوں

لغات:

اَلْهٰی: باب افعال سے، زیادہ ضروری چیز سے غافل رکھنا، لَهَا اَلْهٰوُ (ن) کھیلنا۔ بصلہ باء فریفتہ ہونا، بصلہ الی

مانوس ہونا، بصلہ عن غافل ہونا۔ لہٰی لہا (س) بکذا: محبت کرنا۔ عنہ تسل پانا، غافل ہونا۔ ذکر چھوڑنا، التکاثیر: کثیر ہونا، کثرت میں ایک دوسرے پر غلبہ کرنا، بہت سمجھنا، دولت و جاہ، عزت و مرتبہ، مال و اولاد کی کثرت کے لئے باہم جھگڑنا۔ مجرد میں (باب کرم) سے کثیر ہونا۔ رُؤنم (ن) ملاقات کے لئے جانا۔ المقابر: صیغہ منتہی الجموع، المقبرۃ واحد تثلیث الباء و اسم ظرف قبرستان، قبرا و مقبرا (ن ض) دفن کرنا۔ افعال سے قبر بنانا، دفن کرنا۔ الیقین: اعتقاد و جازم، کسی بات کو قطعی طور پر جان کر فہم میں سکون و اطمینان پیدا ہو جانا یقین کہلاتا ہے۔ معرفت و درایت سے یقین کا مرتبہ اونچا ہے۔ اسی لئے یہ ہمیشہ علم کی صفت ہوتا ہے۔ معرفت یقین نہیں کہتے، علم یقین کہا جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ یقین ہمیشہ علم کسی کی صفت ہوتا ہے یعنی ترتیب تصورات کے بعد جو قطعی و اطمینان بخش علم حاصل ہوتا ہے وہ یقین کہلاتا ہے، اسلئے اللہ کا علم یقین کے ساتھ متصف نہیں ہوتا۔ علم الہی تو بعینہ مشاہدہ ہے تحصیل و کسی نہیں۔ باب استفعال و افعال و تفعّل سب سے اس کے معنی یقین کرنا، کسی چیز کو یقینی پانا ہے۔ یقین اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس کا ہونا ضروری ہو۔ اسلئے عربی میں موت کو بھی یقین کہتے ہیں ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ میں یقین سے مراد موت ہی ہے۔ مجرد میں (ض) سے واضح ہونا، یقین کرنا۔

### ترکیب:

الہٰکُمُ التَّکَاثُرُ فعل مفعول بہ اور فاعل علی الترتیب حتیٰ حرف جر اس کے بعد ان مقدّم ہے۔ رُؤنم فعل با فاعل المقابر مفعول بہ جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل سابق الہا کے، پھر وہ جملہ فعلیہ ہوا۔ کلا حرف ردع سَوَفَ تَعْلَمُونَ جملہ فعلیہ تعلیل ردع، اگلا جملہ اسی ترکیب سے معطوف برائے تاکید۔ و ثم: لمجرد التدرج لا للترتیب او الاول عند الموت والثانی عند المشور۔ کلا حرف شرط تَعْلَمُونَ عِلْمُ الْيَقِينِ جملہ فعلیہ شرط، جواب شرط محذوف: ای لستکم التغافل عن الآخرة۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ فعل با فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف اسی طرح اگلا جملہ معطوف اس سے اگلا جملہ بھی ماسبق پر معطوف اور ترکیب ظاہر ہے۔

### تفسیر:

الہٰکُمُ التَّکَاثُرُ ..... تکاثر کثرت سے مشتق ہے۔ اسکے معنی کثرت کے ساتھ مال و دولت جمع کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس و حسن بصری نے اس لفظ کی یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الہٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مال نا جائز طریقوں سے حاصل کیا جائے۔ اور اس پر عائد ہونے والے حقوق و فرائض کو ادا نہ کیا جائے۔ قادی نے تکاثر کی تفسیر تفاخر کے ساتھ کی ہے۔

حَتَّىٰ رُؤنُمُ الْمَقَابِرَ ..... یہاں قبرستان پہنچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ تم تکثیر مال و جاہ اور قبیلہ و نسب پر تفاخر میں اپنے غافل ہوئے لہٰذا قبرقروں میں مدفون ہو گئے۔ اور موت تک تم اس غفلت سے باز نہ آئے۔ حدیث مرفوعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر یہی منقول ہے حتیٰ یناتیکم الموت (ابن کثیر) یہ خطاب ان تمام انسانوں کو عام ہے جو مال و اولاد کی محبت اور دوسروں پر اپنے فخر و برتری میں ایسے مست رہتے ہیں کہ ان کو اپنا انجام سوچنے کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ

الْهٰكُمُ النَّكَاحُ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اور یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ یَقُولُ ابْنُ اٰدَمَ مَالِیْ! مَالِیْ! وَهَلْ لَّكَ مِنْ مَّالِكَ اِلَّا مَا اَكْمَلْتُ فَاَنْفَيْتُ، اَوْ لَبَسْتُ فَاَبْلَيْتُ، اَوْ تَصَدَّقْتُ فَاَمَضَيْتُ، وَفِیْ رَوَايَةٍ لِّلْمُسْلِمِ وَمَا يَسُوْیْ ذَلِكَ فَلِذَا هَبْ وَتَارِكُهُ لِّلنَّاسِ۔ آدم کا بیٹا کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ اکس میں تیرا حصہ تو اتنا ہی ہے جو تو نے کھا کھا لیا یا پہن پھاڑا، یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔ اور اسکے سوا جو کچھ ہے وہ ترے ہاتھ سے جانے والا ہے۔ اور تو اس کو دوسروں کیلئے چھوڑنے والا ہے۔ (رواہ مسلم و الترمذی)

امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ لَوْ كَانِ الْاِنْسُ اِدَمَ وَاِدِیْمُنْ ذَهَبٌ لَا حَبَّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهُ وَاِدِیَانِ، وَلَنْ یَّمْلَأَ فَاَهَ الْاَلْثَرَابِ وَیَتَوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ تَابَ۔ اگر انسان کے لئے ایک وادی سونے سے بھری ہوئی ہو تو اس کی خواہش ہوگی کہ دو وادیاں ہو جائیں۔ اور اسکے منہ کو قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرمائیں گے جو توبہ کریگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے الْهٰكُمُ النَّكَاحُ پڑھ کر مذکورہ الفاظ سے اس کی تفسیر و تشریح فرمائی۔ اس سے بعض صحابہ کو شبہ ہو گیا کہ یہ بھی الفاظ قرآنی ہیں بعد میں جب پوری سورت سامنے آئی تو اس میں یہ الفاظ نہ تھے۔ تو یہ شبہ جاتا رہا۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ ہم حدیث کے مذکورہ الفاظ کو قرآن سمجھا کرتے تھے یہاں تک کہ الْهٰكُمُ النَّكَاحُ نازل ہوئی کما مر۔

### اشارات:

(۱) کہتے ہیں کہ عرب کے ایک بدو نے یہ سورت سنی تو کہا بُعِثَ الْقَوْمُ لِلْقِيَامَةِ وَرَبِّ الْكُفْبَةِ الْبَانِ الزَّائِرِ مُنْصَرِفٍ لَا مُقِيمٍ (یعنی رب کعبہ کی قسم لوگ قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے کیونکہ زائر لوٹتا ہے مقیم نہیں رہتا) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں لَا بُدَّ لِمَنْ زَارَ اَنْ یُّرْجَعَ اِلَیْ جَنَّةِ اَوْ نَارٍ۔ (۲) لفظ زیارت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قبروں میں رہنے کی مدت آخرت کی بہ نسبت قلیل ہے۔ (۳) لفظ ماضی زُرْنٰم میں تحقق وقوع کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ مستقبل میں جس چیز کا وقوع یقینی ہوتا ہے اس کو لفظ ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ (۴) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ زیادہ مرچکے اور کم باقی رہ گئے۔ لہذا حکم الکمل کے اعتبار سے صیغہ ماضی لایا گیا۔ (۵) موت آباء بمنزلہ موت ابناء ہے، کیونکہ ابناء مثل آباء ہیں۔ فافہم۔

دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ تھا خرد و برتری میں حد سے گزر جانے پر تو بخ ہے۔ جیسا کہ یہود اور کفار نے اپنی کثرت پر فخر کیا، اور قبرستان کے مردے تک شمار کر ڈالے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (۱) میرے پاس اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی ہے کہ تم لوگ تواضع کرو۔ نہ کوئی کسی پر فخر کرے، نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔ (مسلم) (۲) لوگوں کو اپنے مردہ باپ دادوں پر فخر کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ وہ جہنم کا کوئلہ ہیں۔ اگر باز نہ آئے تو وہ اللہ کے نزدیک گوبر کے اس کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے جو گندگی کو اپنی سونڈھ سے لڑکا تا ہے۔ اللہ نے تم سے جاہلیت کی حمیت اور باپ دادا پر جاہلیت کے زمانہ کا فخر زائل کر دیا ہے۔ اب آدمی یا تو پرہیزگار مومن ہے یا بد نصیب فاجر۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں۔ اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

**فائدہ.....** اس آیت گرامی سے معلوم ہوا کہ قبروں پر فخر و مباہات کے لئے اور غفلت و لہو لعب کے ساتھ جانا مذموم ہے۔ جیسا کہ اس دور میں اہل بدعت کا طریقہ ہے۔ عرسوں کی تقریبات میں یہی سب چیزیں موجود ہیں، بلکہ یہ جراثیم ان رواجی مشائخ میں بھی سرایت کر چکے ہیں جو اپنے آپ کو اہل حق سے منسوب کرتے ہیں کہ وہ اپنی مشیت چکانے کے لئے قبروں پر مراقبہ رہتے ہیں۔ اور کشف القبور و اکساب فیوض کے جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں، ان سے لوگوں میں گمراہی پھیل رہی ہے۔ اور اہل بدعت کو تقویت مل رہی ہے۔ ہاں آخرت کی یاد تازہ کرنے، دنیا کی بے ثباتی کا مشاہدہ کرنے، اور گزشتہ لوگوں سے عبرت حاصل کرنے کے لئے اگر قبروں کی زیارت کی جائے تو بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: **لَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ وَرُؤُوفَائِهَا تَذَكُّرُ الْآخِرَةِ**۔ (ابوداؤد) میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کر دیا تھا۔ (اب اجازت ہے) تم قبروں کی زیارت کرو، کیونکہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

### سعادت کی اقسام:

سعادت کی دو قسمیں ہیں (۱) سعادتِ دنیوی (۲) سعادتِ اخروی۔ سعادتِ دنیوی صحتِ بدن، اسبابِ آسائش و آرائش، عزت و سر بلندی اور ذکرِ خیر کی بقاء کے اسباب میں منحصر ہے۔ ان چیزوں کا حاصل کرنا مباح و محمود ہے، لیکن ان میں اتنا انہماک و استغراق کہ سعادتِ اخروی کے حاصل کرنے سے غافل و محروم رہ جائے مذموم و ممنوع ہے۔ اس سورت میں اسی مذموم پہلو پر زبرد تو بیخ ہے۔

**كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ.....** بقضائے سیاق **تَعْلَمُونَ** کا مفعول بہ محذوف ہے ای عاقبة تفاخر کم و تکاثر کم اذا عاينتم العذاب۔ اس جملہ کو دوبار لایا گیا ہے یا تو تاکید مقصود ہے و لكونه ابلغ نزل منزلة المغيرة فعطف والاً فالموكد لا يعطف على الموكد لِمَا بَيْنَهُمَا مِنْ شِدَّةِ الْاِتِّصَالِ۔ فافهم۔ یادوں میں دو وعیدیں جدا جدا ہیں۔ اور لفظ **ثُمَّ** ترقی مرتبہ کے لئے ہے۔ جبکہ مطلب یہ ہے کہ دوسری وعید پہلی سے زیادہ سخت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلی وعید موت کے وقت یا قبر میں عذاب کی ہے۔ اور دوسری وعید کا قبر سے اٹھنے کے بعد سے تعلق ہے۔ وہ کذا قائل علی رضی اللہ عنہ الاول فی القبور والثانی فی النشور فلا تکریر۔ حضرت ضحاک کہتے ہیں کہ اول کا تعلق کافروں سے ہے اور ثانی کا مومنوں سے، و هذا خلاف الظاهر۔ فافهم

**كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ.....** حرفِ **لَوْ** شرط کے لئے ہے اور اسکی جزا محذوف ہے ای لِمَا اَلِهَكُمْ التَّكَاثُرَ یعنی اگر تم کو قیامت کے حساب کتاب کا یقین ہوتا تو تم اس تکاثر و تغافل میں نہ پڑتے۔ اس آیت میں علم مصدر مضاف ہے اور الیقین بمعنی المتیقن مضاف الیه۔ یا اضافۃ الموصوف الی الصفات ہے ای العلم الیقین اور توصیف کافائدہ یہ ہے کہ علم عام ہے یقین و غیر یقین دونوں پر اس کا اطلاق آتا ہے۔ صاحب مظہری کہتے ہیں کہ علم الیقین سے مراد وہ ایمان بالغیب ہے جو استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔

**لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ.....** یہ جملہ بظاہر شرط مذکور کا جواب نہیں بن سکتا، کیونکہ رویت مجیم تو یقینی الوقوع ہے۔ شرط کے وجود پر موقوف نہیں، بلکہ یہ قسم محذوف کا جواب ہے اور اس سے وعید مذکور کی تشدید و تاکید اور توضیح بعد الا بہام مقصود ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **لَوْ** مذکور کا اس کو جواب قرار دیا جائے اور مطلب یہ ہوگا کہ **لَوْ تَعْلَمُونَ** الجزاء **عِلْمَ الْيَقِينِ** الان

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ (یعنی اگر تم کو جزاء کا یقین کامل ہو جائے تو دوزخ کا تصور تم کو ہمہ وقت رہیگا۔ تمہاری نظروں سے جحیم اوجھل نہ ہوگی۔ یعنی یہ تو جبرئیل ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ صاحب منظر ہی کہتے ہیں کہ لَوْ شَرِطِيه كَوَاذًا ظَرْفِيه كَمَعْنِي میں قرار دیا جائے اور اس سے مراد وقت موت لیا جائے۔ یعنی جب موت کے وقت آخرت کا تم کو یقین ہو جائیگا تو جحیم کو خود دیکھ لو گے۔ مگر تلافی مافات کا وقت جا چکا ہوگا۔ اس وقت جاننا سودمند نہ ہوگا وَالْأَوَّلُ أَصْحٰ وَأَوْصَحٰ۔

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ عین الیقین سے وہ یقین مراد ہے جو مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی گمراہی و گوسالہ پرستی کی اطلاع کوہ طور پر دیدی گئی تھی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتنا اثر اس خبر سے نہیں ہوا جتنا کہ قوم کی گوسالہ پرستی کا مشاہدہ کر کے ہوا، قوم کے حال کا مشاہدہ کر کے تو ریت کی تختیاں ہاتھ سے چھوڑ دیں اور اپنے بھائی حضرت ہارون کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ (رواہ احمد والترمذی بسند صحیح)

فائدہ..... لَتَرَوُنَّ کا تکرار تاکید کے لئے ہے اور ثَمَّ وعید ثانی کی ابلغیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور رویت سے مراد دونوں جگہ رویت نظری یہ یعنی مشاہدہ ہے۔ دونوں میں تغایر اس اعتبار سے ہے کہ رویت اولیٰ سے مراد دور سے مشاہدہ ہے۔ اور رویت ثانیہ سے قریب سے مشاہدہ ہے۔ یا اول سے دور کے وقت کا مشاہدہ مراد ہے۔ اور ثانی سے دخول کے وقت کا مشاہدہ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رویت اولیٰ سے معرفت مراد ہے۔ اور رویت ثانیہ سے مشاہدہ و معاینہ۔ بعض کہتے ہیں کہ تکرار ذکر سے مراد خلود فی الجحیم ہے کہ ہمیشہ بار بار اس کا مشاہدہ کرتے رہو گے۔ واللہ اعلم۔

### یقین کی تعریف:

یقین کے لغوی معنی العلم الذی لاشک فیہ کے ہیں۔ اور اصطلاحی معنی میں چند اقوال ہیں: (۱) کسی چیز کے متعلق یہ اعتقاد کہ وہ اس طرح ہے اور اسکے خلاف ممکن نہیں، بشرطیکہ وہ اعتقاد واقع کے مطابق غیر ممکن الزوال ہو۔ (۲) امام راغبؒ کہتے ہیں کہ یقین علم کی ایسی صفت ہے جو معرفت و درایت وغیرہ سے بڑھ کر ہے۔ اس کو علم یقین کہہ سکتے ہیں اور معرفت یقین نہیں کہہ سکتے اور اس کی حقیقت سکون النفس مع ثبات النفس ہے۔

### یقین کے مراتب:

پھر یقین کے تین مرتبے ہیں (۱) علم الیقین جو انسان کو دلائل سے حاصل ہوتا ہے۔ (۲) عین الیقین جو انسان کو مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ (۳) حق الیقین مذکورہ دونوں قسموں سے بڑھ کر ایک یقین ہے۔ مثلاً ہر عاقل شخص کو موت کا یقین ہے یہ علم الیقین کہلایگا اور جب ملائکہ الموت کا مشاہدہ ہو جائے تو اس کا یقین عین الیقین کہلایگا۔ اور جب موت کو چھ لے گا تو اس وقت کا یقین حق الیقین کہلایگا۔ دوسری مثال آگ جلاتی ہے سب کو معلوم ہے یہ درجہ علم الیقین کہلاتا ہے۔ اور جب آگ کے جلانے کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو یہ عین الیقین ہے اور اس آگ میں اپنا ہاتھ رکھ دیا تو حق الیقین ہو گیا۔ حق الیقین سے بڑھ کر یقین کا کوئی مرتبہ نہیں۔ فائدہ..... عین الیقین کو ترکیب میں مفعول مطلق من غیر لفظ قرار دے سکتے ہیں، کیونکہ رویت کے معنی بھی مشاہدہ کے ہیں اور عین کے معنی بھی مشاہدہ کے ہیں۔ اور عین بمعنی نفس ہے ای الرویۃ التی ہی نفس الیقین۔ یا مصدر محذوف کی صفت ہے ای رویت عین الیقین۔ واللہ اعلم



ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ..... (پھر تم سے ضرور بالضرور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔ اس آیت میں خطاب کس کو ہے؟ اس میں تین اقوال ہیں (۱) حسن، مقاتل اور طبری رحمہم اللہ علیہم کہتے ہیں کہ یہ خطاب کفار کو ہے جیسے کہ اس سے پہلے خطابات کفار ہی کو تھے۔ اور نعیم میں بھی نعیم ہے کل ما يتلذذ به من مطعم ومشرب ومفرش ومركب وغير ذلك اور سوال سے مقصود تو بخ زجر ہوگا۔ (۲) بعض کہتے ہیں کہ خطاب صرف ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کو دنیا نے دین سے غافل کر دیا ہے۔ خواہ وہ کفار ہوں یا فاسقین۔ اور شروع سورت کا خطاب اس کا قرینہ ہے۔ اسی طرح نعیم کا مصداق بھی وہ نعمتیں ہیں جن میں مشغول ہو کر انسان آخرت سے غافل ہوا۔ (۳) بعض کہتے ہیں کہ خطاب عام ہے کفار و فاسق اور مؤمنین کو۔ اور نعیم کے مصداق میں بھی عموم ہے۔ وھذا اولیٰ۔

### نعیم کا مصداق:

اس میں بھی مختلف اقوال ہیں کہ نعیم سے مراد کونسی نعمتیں ہیں؟ (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نعیم سے مراد امن و صحت ہیں۔ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ عافیت مراد ہے۔ (۳) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ گیبوں کی روٹی، سایہ کی نیند اور ٹھنڈا پانی اس کا مصداق ہے۔ (۴) ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نعمت کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا وہ روٹی کا کھرا ہے جو کھایا اور وہ پانی ہے جس سے سیرابی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ کپڑا ہے جس سے بدن چھپاتے ہیں۔ (۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لذیذ کھانا پینا مراد ہے (۶) حسین بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آسان احکام اور سہل قرآن مراد ہے۔ (۷) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن یہ سوال ہر لذت کے متعلق ہوگا خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو یا لباس و مکان سے یا بیوی و اولاد وغیرہ یا حکومت و عزت وغیرہ سے۔ قرطبی نے اس قول کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ بالکل درست ہے اس سوال میں کسی خاص نعمت کی تخصیص نہیں۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اس عموم سے البتہ وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو بے حساب جنت میں جائیں گے۔ اور یہی بات ہمارے نزدیک بھی درست ہے۔ جتنی روایات و آیات میں کسی مخصوص نعمت کے بارے میں سوال مذکور ہے وہ بطور مثال یا کلی کی جزئیات کے مثل ہیں مثلاً: ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولٌ﴾ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن بندہ سے جس چیز کا سوال سب سے پہلے ہوگا وہ تندرستی ہے اس سے کہا جائیگا کہ ہم نے تم کو تندرستی نہیں دی تھی؟ اور کیا ہم نے تم کو ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا؟ (ترمذی وغیرہ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محشر میں کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ سرک سکے گا جب تک اس سے پانچ سوالوں کے جوابات نہ لے لئے جائیں: (۱) اپنی عمر کو کن کاموں میں فدا کیا؟ (۲) اس نے اپنی جوانی کہا گنوائی؟ (۳) مال کہاں سے حاصل کیا؟ (جائز طریقہ سے یا ناجائز طریقہ سے)۔ (۴) مال کو کہاں خرچ کیا؟ جائز طریقوں میں یا ناجائز طریقوں میں؟ (۵) جو علم حاصل کیا تھا اس پر کیا عمل کیا؟ (بخاری و مسلم) اسی طرح مذکورہ روایت میں بھی جزئیات و امثله ہیں قال العلامة الآلوسی والحق عموم الخطاب والنعيم بيد ان المؤمن لا يشرب عليه في شيء ناله منه في الدنيا وانما يشرب على الكافر.

## چند مؤید روایات:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ سے باہر تشریف لائے تو باہر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو پایا۔ فرمایا: تم اس وقت گھر سے کیسے نکلے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! بھوک سے مجبور ہو کر نکلے ہیں۔ فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مجھ کو بھی اسی چیز نے نکالا ہے جس نے تمکو تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔ پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ چنانچہ کھڑے ہو گئے۔ اور تینوں حضرات چلے اور ایک انصاری صحابی کے گھر پہنچے، وہ صحابی گھر موجود نہ تھے، ان کی بیوی نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، بے حد خوش ہوئیں اور آپ کو خوش آمدید کہا۔ آپ نے ان انصاری صحابی کے بارے میں معلوم کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! تشریف رکھے وہ ٹھنڈا پانی لینے گئے ہیں۔ اتنے میں وہ بھی آ گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور تینوں کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے۔ اور کہنے لگے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مَا اَحَدُ الْیَوْمِ اَکْثَرُ اَضْیَافًا مِنِّی (الحمد للہ آج میرے سوا کوئی بھی ایسا نہیں جس کے گھر میرے مہمانوں سے زیادہ بزرگ موجود ہوں)۔

قدم حضور کے آئے میرا نصیب کھلا جواب قصر سلیمان غریب خانہ بنا

پھر وہ اپنے باغ میں گئے اور کھجوروں کا ایک گچھا کاٹ لائے، جس میں کچی کچی کھجوریں تھیں۔ اور تینوں حضرات کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا، تناول فرمائیے اور بکری ذبح کرنے کے لئے چھری اٹھائی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دودھ والی بکری ذبح نہ کرنا۔ الحاصل تینوں حضرات نے بکری کا گوشت کھایا پانی پیا اور کھجوریں کھائیں۔ جب سیر ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر و عمرؓ سے ارشاد فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم سے اس نعمت کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا“ (ان انصاری صحابی کا نام ابوالہیثم بتایا جاتا ہے) ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ یہ قصہ ابویوب انصاری کا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ کچی کھجوریں لاتے، تو حضرت ابویوبؓ نے عرض کیا کہ میں نے یہ سوچا کہ چھوڑے، ترکھجوریں اور گدڑ کھجوریں (ہر قسم کی) حضرت والا حسب منشا تناول فرمائیں۔ پھر بکری ذبح کر کے آدھی بھون کر اور آدھی شوربے دار پکائی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش فرمائی تو آپ نے بکری کا تھوڑا گوشت روٹی پر رکھا اور فرمایا اے ابویوب! یہ فاطمہ کو دے آؤ کیونکہ کئی دن سے ان کو بھی کھانا نہیں ملا۔ چنانچہ حضرت ابویوبؓ نے حضرت فاطمہؓ کے پاس وہ کھانا پہنچا دیا۔ پھر جب یہ حضرات کھجوریں اور روٹی، گوشت وغیرہ کھاپی کر سیر ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہی وہ نعمت ہے جس کے بارے میں تم سے سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ پس یہ وہ نعمت ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن تم سے پوچھا جائیگا آپ کے اصحاب پر یہ بات شاق گزری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں جب تم کو ایسی کوئی نعمت میسر آئے تو بسم اللہ کہہ کر شروع کرو اور سیر ہونے کے بعد کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَشْبَعَنَا وَ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ اَفْضَلَ تُوِیْہِ اس نعمت کا بدلہ (شکر ہے) و لیس المراد فی هذا الخبر حصر النعم مطلقاً فیما ذکر، بل حصر النعم بالنسبة الى ذلك الوقت الذی كانوا فیہ جیاعاً. و کذا فیما یصح من الاخبار التی فیہا الاقتصار علی شیء اوشیین اواکثر فکل ذلك من باب التمثیل. فافہم

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باہم علمی خیر خواہی کرو۔ کوئی کسی سے علم نہ چھپائے علمی خیانت مالی خیانت سے زیادہ سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سے اس کی باز پرس کریگا۔ حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے بندہ سے یہ سوال ہوگا کہ تو نے اپنے علم پر کیا عمل کیا۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ بندہ سے جس طرح مال کے متعلق باز پرس ہوگی مرتبہ کے متعلق بھی ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ بندہ اگر ایک قدم بھی چلے گا تو اس سے پوچھا جائیگا کہ اس قدم سے تیرا مقصد کیا تھا۔ حضرت معاذؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن بندہ کی ہر کوشش کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ یہاں تک کہ آنکھوں میں سرمہ لگانے کی بھی۔ حضرت حسن بصریؒ کی مرفوع روایت ہے کہ بندہ جو خطبہ دے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق باز پرس فرمائیں گے کہ کس مقصد سے ایسا کیا تھا۔ (مظہری)۔

سوال کب ہوگا؟

آیت میں لفظ ثم سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال نعمت جیمہ دیکھنے کے بعد ہوگا۔ لیکن احادیث صحیحہ و آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مواقع پر سوال ہوگا۔ محشر میں جیسا کہ اوپر روایت میں آچکا کہ میدان حشر میں کسی کا قدم اپنی جگہ سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکتا۔ جب تک وہ پانچ باتوں کا جواب نہ دیدے۔ اور آیت ﴿وَقَفُّهُمْ إِنَّهُمْ مَسْنُونُونَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال نعمت پل صراط پر ہوگا۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندہ کے قدم پل صراط سے نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے چار باتوں کے متعلق باز پرس نہ کر لی جائیگی (۱) عمر کہاں کھپائی؟ (۲) جسم کو کس کام میں دُبلایا؟ (۳) علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ (۴) مال کہاں سے پایا اور کہاں خرچ کیا؟ (مظہری) حاصل یہ ہے کہ محشر میں بھی سوال ہوگا۔ پل صراط پر بھی اور جیمہ کی رویت کے بعد بھی اور سب سے سب مقامات پر ہو یہ ضروری نہیں۔ بلکہ بعض افراد سے کسی مقام پر بھی کوئی سوال یا حساب نہ ہوگا۔ کما مَرَّ. اللہم اجعلنا منهم بفصلک۔

تم تفسیر سورۃ التکاثر فالحمد لله الذی وَصَّلَ الینا کتَابہ بالتواتر والصلوة والسلام علی نبیہ الذی نہی امتہ عن المظالم والملاہی والتکاثر وعلی آلہ وصحبہ الذین اجتنبوا عن المناہی والتفاخر وسعوا الی الطاعات والاوامر بالتبادر والتظاهر

## سُورَةُ الْعَصْرِ

### سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُ آيَاتٍ

(رکوع ۱۔ آیات ۳۔ سورہ عصر کہ میں نازل ہوئی۔ اور اس میں تین آیات ہیں۔ کلمات ۱۳۔ حروف ۶۸)

سورہ عصر اور اس کا رابطہ: یہ سورت ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ اور جمہور مفسرین کے نزدیک مکئیہ ہے اور مجاہد و قتادہ و مقاتل کی تحقیق میں مدنیہ ہے۔ اس کی مناسبت سورہ تکاثر سے ظاہر ہے۔ (۱) کہ اس میں اہل تکاثر کو زجرو توخیخ اور تکاثر و تفاخر سے باز نہ آنے پر وعید تھی۔ اس سورت میں ان لوگوں کا حال مذکور ہے جو تغافل و تکاثر کا شکار نہیں ہوتے بلکہ اپنے صحیح مقصد پر زندگی گزارتے ہیں۔ (۲) انسان مال و دولت، جاہ و مرتبہ وغیرہ کو مقصود اصلی بناتا اور اس میں اپنی عمر کھپاتا ہے۔ حالانکہ ان چیزوں میں بے بہا زندگی کو صرف کر دینا خسارہ ہے۔ اسلئے سورہ تکاثر میں عمر گرانمایہ برباد کرنے پر وعید فرمائی۔ جس سے

خود بخود معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد حیات ہے۔ سورۃ عصر میں اس مقصد حیات کو واضح فرمایا گیا۔ تو گویا یہ سورت سابقہ سورت کے مضمون کی تاکید و توضیح ہے۔

سورۃ عصر کی فضیلت و اہمیت: حضرت عبید اللہ بن حصن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو شخص ایسے تھے کہ جب وہ آپس میں ملتے تھے تو اس وقت تک جدا نہ ہوتے تھے جب تک کہ ایک دوسرے کے سامنے سورۃ والعصر نہ پڑھ لیتے۔ (رواہ الطبرانی وروی البیہقی عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ) حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر لوگ صرف اسی سورت میں غور و فکر کر لیتے تو یہی ان کے لئے کافی ہو جاتی (ابن کثیر) اور فرمایا کہ اگر اس سورت کے سوا کچھ بھی نازل نہ ہوتا تو یہی سورت لوگوں کو کافی تھی کیونکہ یہ سورت تمام علوم قرآنیہ پر مشتمل ہے۔ (روح المعانی)

شان نزول: کلدۃ بن اسید جس کو ابوالاسدین بھی کہتے تھے زمانہ جاہلیت میں صدیق اکبر کا دوست تھا۔ حضرت صدیقؓ کے مشرف باسلام ہونے کے بعد ایک دن اس نے آپ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور کہا کہ اے ابوبکر! آپ نہایت عقلمندی و ہوشیاری سے تجارتوں میں نفع کماتے رہے آپ کو کیا ہوا کہ ایک دم خسارہ میں پڑ گئے۔ باپ دادوں کا دین بھی چھوڑ دیا۔ لات و عزیٰ کی عبادت سے بھی محروم اور ان کی شفاعت سے مایوس ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس نادان سے فرمایا: جو حق کو قبول اور نیکی کو اختیار کر لیتا ہے وہ ہرگز خسارہ میں نہیں رہ سکتا۔ حق تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما کر حضرت صدیق اکبرؓ کی تائید فرمائی۔ (فتح العزیز)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بچہ رحم والا بڑا مہربان ہے

وَالْعَصْرِ (۱) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۲) اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا

زمانہ کی قسم! یقیناً سب انسان خسارے میں ہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے کام کئے۔

شَم	عَصْر	اِنَّ	اَلْاِنْسَانَ	لَفِیْ	خُسْرٍ	اِلَّا	اَلَّذِیْنَ	اٰمَنُوا	وَعَمِلُوا
قسم	عصر	اِنَّ	انسان	لفی	خسرو	اِلَّا	جو لوگ کہ	ایمان لائے	اور کام کئے

الصّٰلِحِیْنَ وَتَوَّاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَّاصَوْا بِالصَّبْرِ (۳)

ایچھے اور ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے۔

الصّٰلِحِیْنَ	وَتَوَّاصَوْا	بِالصَّبْرِ	وَتَوَّاصَوْا	بِالصَّبْرِ
ایچھے	اور	ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں	ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں	ساتھ صبر

لغات:

اَلْعَصْرُ: غُصْرُ زمانہ، وقت عصر، نماز عصر جمع اَعْصَار، غُصُور، اَعْصُر، غُصْر، مذکورہ معانی کے علاوہ دن، رات، صبح، قبیلہ، گروہ، عطیہ، غبار، خوشبو کی بھڑک وغیرہ الہکے بہت سے معانی آتے ہیں۔ اَلْعَصْرَانِ: صبح و شام، دن و رات، عَصْرُ عَصْرًا (ض) نچوڑنا۔ خُسْرٌ: مرفی سورۃ نوح۔

ترکیب:

وَالْعَصْرِ جَارِجٌ وَرَ مُتَعَلِّقٌ مَحْذُوفٌ أَقْسَمُ جملہ قسم۔ اِنّ اپنے اسم الانسان اور خبر لَفِيْ حُسْبٍ سے ملکر جواب قسم  
الّا کے بعد چاروں جملے معطوفات۔ ملکر صلہ موصول وصلہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ الانسان ہے جس میں الف لام استغراق یا  
جنس کے لئے ہے۔  
تفسیر:

اس سورت میں حق تعالیٰ نے عصر کی قسم کھا کر فرمایا کہ نوع انسان بڑے خسارے میں ہے۔ اور اس خسارے سے  
مستثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جو چار چیزوں کے پابند ہوں۔ ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالہ۔ دارین کے خسارے  
سے بچتے ہوئے عظیم منافع حاصل کرنا یہ قرآنی نسخہ چار اجزائے مذکورہ سے مرکب ہے جن میں سے پہلے دو جز (ایمان و عمل  
صالح) اپنی ذات کی اصلاح سے متعلق ہیں۔ اور دوسرے دو جز دوسرے ابنائے جنس کی اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں۔  
العصر کا مصداق:

لفظ عصر کے مشہور معانی تین ہیں: (۱) زمانہ (۲) دن کا آخری حصہ (۳) نماز عصر، یہاں تینوں معنی درست ہیں۔  
حضرت ابن عباسؓ نے زمانہ کے معنی مراد لئے ہیں۔ حسن بصریؒ وقادہؒ نے دن کا آخری حصہ مراد لیا ہے۔ حضرت حسنؒ نے زوال  
سے غروب تک اور وقادہؒ نے دن کی آخری گزری۔ مقاتلؒ نے کہا کہ اس سے مراد نماز عصر ہے اسی کو قرآن مقدس میں صلوٰۃ وسطیٰ  
کہا گیا ہے۔ ابن کیسانؒ نے شب و روز واس کا مصداق قرار دیا ہے۔ تعبیر کا فرق ہے۔ ورنہ یہ ابن عباسؓ کے قول کے موافق  
ہے۔ جمہور مفسرینؒ نے اس کے معنی زمانہ ہی کے لئے ہیں۔ پھر بعض حضرات کہتے ہیں کہ عصر سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کی ظاہری حیات کا زمانہ ہے، کیونکہ وہ اشرف الاعصار ہے۔ بعض کہتے ہیں حیات ظاہری اور اس کے بعد قیامت تک کا زمانہ  
مراد ہے۔ اور سارے زمانہ کی مقدار گزشتہ زمانہ کی نسبت وہی ہے جو وقت صلوٰۃ عصر کو پورے نہار کے ساتھ ہے، بخاری شریف  
میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما بقاءکم فیمن سلف قبلكم من الامم  
کما بین صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس اور یہ زمانہ بھی کیونکہ آپ کا اور آپ کی امت کا زمانہ ہے اسلئے خیر الاعصار ہوا۔  
لیکن عام مفسرین نے مطلق زمانہ ہی مراد لیا ہے۔

قسم اور اسکے جواب میں مناسبت

جمہور مفسرین نے العصر سے مراد زمانہ لیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جواب قسم کے مضمون کو زمانہ سے کیا مناسبت  
ہے؟ کیونکہ قسم اور اس کے جواب میں مناسبت ضرور ہوتی ہے۔ عام مفسرین نے فرمایا کہ انسان اور اسکے تمام حالات کا وجود  
زمانہ ہی میں ہوتا ہے۔ اور جن اعمال کی ہدایت اس سورت میں دی گئی ہے وہ بھی اسی زمانہ کے لیل و نہار میں ہوں گے اس  
مناسبت سے زمانہ کی قسم اختیار کی گئی۔

وضاحت اس کی یہ ہے کہ انسان کی عمر کا زمانہ اس کے سال و ماہ اور شب و روز بلکہ ساعات و لمحات ہی انسانی  
سرمایہ حیات ہے۔ جس سے وہ دارین کے منافع و فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ اور عمر گرا نہائیہ کے اوقات عزیزہ کو ضائع کر دینا یا  
غلط مصارف میں صرف کر دینا ہی اس کے لئے باعث صد حسرت و افسوس اور سہم نکال و وبال ہے۔

حَيَاتِكَ أَنْفَاسٌ تُعَدُّ كُلُّمَا مَضَى نَفْسٌ مِنْهَا انْتَقَصَتْ بِهِ جُزْءٌ ۱

تیری زندگی چند گئے چنے سانسوں کا نام ہے۔ جب ان میں سے ایک سانس گزر جاتا ہے تو تیری عمر کا ایک حصہ کم ہو جاتا ہے

ہوری ہے عمر مثل برف کم چپکے چپکے دھیرے دھیرے دم بدم حق تعالیٰ نے ہر انسان کو زندگی کے اوقات کا ایک بے بہا سرمایہ دیکر تجارت پر لگا دیا ہے۔ کہ وہ عقل و شعور سے

کام لیکر اس سرمایہ کو نفع بخش متاع پر لگائے اور ابدی منافع حاصل کرے۔ نیز مضرت رسال اور ردی کاموں پر اس کو صرف کر کے ضائع نہ کر دے۔ یہ وہ عظیم خسارہ ہے جسکی تلافی ممکن نہیں۔ ع۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ ایک حدیث سے اسکی تائید ہوتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کُلُّ يَغْدُو فَيُفِيقُ نَفْسَهُ فَمُعْتَقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا۔ (مُکَوَّۃ) یعنی ہر شخص صبح اٹھ کر اپنی حیات کا سرمایہ تجارت پر لگاتا ہے پھر کوئی تو اپنے اس سرمایہ کو خسارہ سے آزاد کر لیتا ہے اور کوئی اس کو برباد کر دیتا ہے۔ خود قرآن پاک نے بھی ایمان و عمل صالح کو انسان کی تجارت قرار دیا ہے۔ هَلْ أَذِلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ

عَذَابِ أَلِيمٍ اور جب اوقات حیات انسان کا سرمایہ گرا نامیہ قرار پایا تو عام حالات میں اس کے تاجر کا خسارہ میں رہنا اس لئے ظاہر ہے کہ اس مسکین کا سرمایہ کوئی منجد چیز نہیں جس کو کچھ دنوں محفوظ رکھا جاسکے بلکہ ایسا سیال سرمایہ ہے جو برف کی طرح ہر لمحہ بہہ رہا ہے۔ تاجر کو بہت ہوشیار و مستعد رہنا چاہیے تاکہ اس بہتی ہوئی چیز سے نفع کمالے۔ ایک بزرگ کسی برف بیچنے والے کی دکان پر گئے تو فرمایا کہ اس کی تجارت کو دیکھ کر سورۃ العصر کی تفسیر سمجھ میں آ گئی۔ یہ اگر ذرا سی غفلت کرتا ہے تو اس کا سرمایہ پانی بن کر بہہ جائیگا۔ اور یہ سراسر خسارہ میں رہ جائیگا، اس لئے اس خسارہ سے بچنے کا نسخہ قرآن پاک نے تجویز فرمایا جو چار اجزاء سے مرکب ہے۔ اپنی حیات کا ہر لمحہ ان چار کاموں میں مشغول کر دینے سے اس خسارہ سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

زمانہ کی قسم کی ایک مناسبت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جائے اس کی حیثیت اس معاملہ پر جو جواب قسم ہے ایک شاہد کی ہوتی ہے۔ اور زمانہ ایسی چیز ہے کہ اگر اس کی تاریخ اور اس میں قوموں کے عروج و زوال کے اچھے بُرے واقعات پر نظر ڈالی جائے تو ضرور اس یقین تک رسائی ہو جائیگی کہ صرف یہ چار کام ہیں جن میں انسان کی فلاح و کامیابی مضمر و منحصر ہے۔ جس نے ان کو چھوڑا وہ ناکام نقصان و خسارہ میں پڑا۔ دنیا کی تاریخ اس کی گواہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ عصر زمانہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم اس لئے اختیار فرمائی کہ زمانہ بہت سے عجائب کو مشتمل ہے اسی لئے زمانہ کو ابولعجب بھی کہتے ہیں۔ نیز زمانہ جملہ انعامات و حوادث و مصائب کو حاوی ہے۔ اس میں انسان کو تنبیہ کی گئی ہے۔

کہ خسران و نقصان بھی اس زمانہ ہی میں حاصل ہو سکتا ہے اور دولت و سعادت بھی۔ اور اگر عصر سے مراد وقت شام یا صلوٰۃ عصر ہو تو اس میں بھی بہت سی خصوصیات ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن اسی ساعت میں پیدا فرمایا گیا تھا۔ اس لئے پیدائش کے وقت کی قسم کھا کر مقصد خلقت پر متوجہ کیا گیا ہے۔ اس طرح اس وقت میں صلوٰۃ عصر ہے۔ جو جمہور کے نزدیک صلوٰۃ و سطلی (افضل ترین نماز) ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ فَتَقَصَّ صَلَوةَ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وَتَرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ (جس کی صلوٰۃ عصر فوت ہوگئی گویا اس کے اہل و عیال سب برباد ہو گئے) ترک صلوٰۃ عصر میں خسران عظیم اور اس کے اہتمام میں خسران سے حفاظت ہے۔ اسی طرح انسان کو اپنے اوقات حیات کو مقصد حیات پر نہ لگانا خسران ہے۔ اور اوقات عزیز کو ضائع ہونے سے بچانا خسران سے حفاظت ہے۔ اگر مزید غور کیا جائے تو دیگر بہت سی مناسبات خود بخود سمجھ میں آ جائیں گی۔

## اجزائے چہارگانہ:

ایمان و عمل صالح کا تعلق تو خود انسان کی اپنی ذات سے ہے۔ یہاں اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ البتہ تو اسی بالحق و تو اسی بالصبر کی وضاحت ضروری ہے۔ کہ ان سے کیا مراد ہے۔ لفظ تو اسی وصیت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی کوتاہی کے ساتھ موثر انداز میں نصیحت اور نیک کام کی ہدایت کرنا۔ اسی وجہ سے مرنے والا جو کچھ بعد والوں کے لئے ہدایات دیتا ہے اس کو وصیت کہتے ہیں۔ یہ دو جز درحقیقت اسی وصت کے دو باب ہیں۔ ایک حق کی وصیت، دوسرے صبر کی وصیت، پھر ان دونوں لفظوں میں کئی احتمالات ہیں۔ (۱) حق سے عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ کا مجموعہ مراد ہو۔ اور صبر سے تمام گناہوں اور برے کاموں سے بچنا مراد ہو۔ تو وَتَوَّاصُوا بِالْحَقِّ کا حاصل امر بالمعروف اور وَتَوَّاصُوا بِالصَّبْرِ کا حاصل نہی عن المنکر ہوا۔ اور دونوں کے مجموعہ کا حاصل پھر وہی ایمان و عمل صالح ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ جس کام کو خود اختیار کیا ہے اسی کی نصیحت و وصیت دوسروں کو کرنی چاہیے۔ (۲) حق سے مراد اعتقادات حقہ ہیں۔ اور صبر کے مفہوم میں تمام اعمال صالحہ کا کرنا اور تمام گناہوں سے بچنا داخل ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کو ایمان و عمل صالح سے روکنے والی عادت دو ہی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک شبہات یعنی ایمان و عمل صالح میں کچھ نظری و فکری شبہات کا پیدا ہو جانا، شبہات سے عقائد مختل ہو جاتے ہیں۔ اور عقائد کے مختل ہو جانے سے اعمال صالحہ کا مختل ہو جانا ظاہر ہے۔ دوسری چیز شہوات یعنی خواہشات نفسانی ہیں جو انسان کو بسا اوقات عمل صالح سے روک دیتی ہیں۔ اور بعض اوقات گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ اگرچہ وہ فکری و اعتقادی طور پر نیکی پر عمل اور برائی سے اجتناب کو ضروری سمجھتا ہو۔ مگر وہ خواہشات نفسانی سے مغلوب ہو کر سیدھا راستہ چھوڑ بیٹھتا ہے۔ تو آیت مذکورہ میں وصیت حق سے شبہات کو دور کرنا اور وصیت صبر سے شہوات کو چھوڑ کر اعمال صالحہ اختیار کرنے کی ہدایت و تاکید کرنا مراد ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کی علمی اصلاح اور عملی اصلاح کی کوشش بھی ضروری ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ ان چاروں امور میں سے اول دو کا تعلق تکمیل نفس سے ہے۔ اور دوسرے دو کا تعلق تکمیل خلق سے ہے۔ گویا انسان کو بچہ کمالات حاصل ہوتے ہیں۔ اس کا اپنا ایمان و عمل صالح تو تھوڑی مدت کا ہے۔ اور وصیت حق و وصیت صبر کا نفع قرونوں اور مدتوں جاری رہتا ہے۔ اسی لئے صحابہ کرامؓ امت میں سب سے افضل ہیں۔ کہ ان کے منافع و اُجور کا سلسلہ تا قیامت ہے اسی طرح علماء کا مقام عوام سے بلند تر ہے۔ پھر فرمایا کہ ارشاد تکمیل روحانی، طباعت جسمانی کے شل ہے۔ اور طبیب دو کام کرتا ہے۔ اول دوا تجویز کرتا ہے۔ پھر پرہیز بتاتا ہے۔ وصیت حق میں دوا تجویز کی گئی کہ وہ عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ کا مجموعہ ہے۔ اور وصیت صبر میں پرہیز کی طرف اشارہ ہے۔ اس طرح دونوں چیزوں سے صحت روحانی حاصل ہو جائے گی۔

## نجات کے لئے صرف اپنی اصلاح کافی نہیں:

اس سورت سے مسلمانوں کو ایک بڑی ہدایت یہ ملی کہ مسلمانوں کو اپنی ذات کو قرآن و سنت کا تابع بنالینا اور اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی ایمان و عمل صالح کی طرف دعوت دینا اور اپنی مقدور بھران کی اصلاح کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے خصوصاً اپنے اہل و عیال و متعلقین سے اس معاملہ میں غفلت برتنا اپنے اوپر نجات کا راستہ دشوار کرنا ہے۔ اسی لئے قرآن مقدس و احادیث نبویہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض قرار دیا گیا ہے۔

مسئلہ: بھلائی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا واجب ہے اس کو ترک کرنے والا خاسر ہے۔ (مظہری) بہت سی آیات واحادیث میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تاکیدیں اور اسکے ترک پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ تفصیل کا یہ مقام نہیں۔  
تم تفسیر سورة العصر فالحمد لله مقلب الدھر، والصلوة والسلام علی من قال انا سید ولد آدم ولا فخر، وعلی آله وصحبه ومن تبعهم الی یوم الحشر

## سُورَةُ الْهُمَزَةِ

سُورَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعُ آيَاتٍ

(رکوع ۱- آیات ۹- سورة ہمزہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں نو آیات ہیں کلمات ۲۰- حروف ۱۳۰-)

رابط و مناسبت:

سورة عصر میں بیان تھا کہ ہر انسان خسارہ میں ہے۔ بجز ان لوگوں کے جن میں چار اوصاف مذکورہ موجود ہوں۔ اس سورت میں خسارہ میں پڑنے کے چند اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ گناہ کی دو قسمیں ہیں حقوق اللہ میں کوتاہی جیسے ترک صلوٰۃ وزنا وغیرہ۔ اور حقوق العباد میں کوتاہی۔ قسم ثانی میں بدترین حق تلفی، ایذاء رسانی اور آبرو ریزی ہے۔ خصوصاً خاصانِ خدا کی دل آزاری زیادہ سخت ہے۔ بندوں کی حق تلفی ایسا گناہ ہے کہ وہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔ جب تک کہ بندہ خود ہی معاف نہ کر دے۔ ان افعالِ قبیحہ سے دنیا میں بھی خسارہ ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً جماعت میں تفرقہ، آپس کا فساد، تمدن میں خلل۔ اسی لئے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی۔ اور اس کو زنا سے زائد سخت قرار دیا گیا۔ طعن و تشنیع و نقالی بھی نہایت کمینہ اخلاق میں سے ہیں۔ ان سب کا خسران دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے، ان اخلاق کا مرتکب لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار اور بے وقعت ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان کمینہ اخلاق پر تنبیہ فرما کر بتا دیا گیا کہ یہ ہیں اسبابِ خسران، ان سے بہت بچنا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سورة عصر میں خسران کا ذکر تھا۔ اس سورت میں بعض خاسروں کے حالات کا بطور مثال ذکر ہے۔ مثال سے وضاحت ہو جاتی ہے تو گویا یہ سورت مضمونِ سورة العصر کو واضح کر رہی ہے۔

شانِ نزول:

اصل شانِ نزول تو ان کمینہ اخلاق کا وجود ہی ہے جن پر اس سورت میں تنبیہ کی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کفار مکہ خصوصاً ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل سہمی، جمیل بن عامر۔ اور اخس بن شریق ثقفی ہمہ وقت پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کی غیبت و بدگوئی کرتے اور ان پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ اخس بن شریق تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی بے فائدہ تکرار و بحث، بیہودہ گفتگو اور گستاخانہ بکواس کرتا تھا۔ ان بد بختوں کے حق میں یہ سورت نازل ہوئی۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (۱) الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ (۲) يَحْسَبُ أَنَّ

بربادی ہے ہر عیب جوئی کرنے اور طعنہ دینے والے کیلئے۔ جس نے مال اکٹھا کیا اور اس کو گن رکھا، وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اُس کا

وَيْلٌ	لِّكُلِّ	هُمَزَةٍ	لُّمَزَةٍ	الَّذِي	جَمَعَ	مَالًا	وَعَدَّدَهُ	يَحْسَبُ	أَنَّ
وائے	واسطے ہر	عیب کرنے والا	غیبت کرنے والا	جس	اکٹھا کیا	مال	اور	گنا کرتا ہے	یہ کہ

مَالَهُ أَخْلَدَهُ (۳) كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ (۴) وَمَا أَدْرَاكَ مَا

مال اس کو بھٹکی عطا کر دیا گز ایسا نہ ہوگا، واللہ اس کو ٹکڑے اڑا دینے والی آگ میں جھونک دیا جائیگا اور اچھوکیا معلوم کہ کیسی ہے

مَالَهُ	أَخْلَدَهُ	كَلَّا	لَيُنْبَذَنَّ	فِي	الْحُطَمَةِ	وَمَا	أَدْرَاكَ	مَا
مال اس	بیش رکھے گا اس	ہرگز نہیں یوں	البتہ اڑا جائے گا	جج	خطمہ	اور	کیا	جانتے تو

الْحُطَمَةِ (۵) نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ (۶) الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْأُفُقِ (۷) إِنَّهَا

ٹکڑے اڑا دینے والی آگ۔ وہ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں تک جلیوٹے گی۔ بیشک وہ آگ

الْحُطَمَةُ	نَارُ	اللَّهِ	الْمُوقَدَةُ	الَّتِي	تَطْلُعُ	عَلَى	الْأُفُقِ	إِنَّهَا
خطمہ	آگ	اللہ	سلاگنی ہوئی	وہ جو	چڑھ آئی ہے	اوپر	دلوں	تحقیق وہ

عَلَيْهِمْ مُّؤَصَّدَةٌ (۸) فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ (۹)

ان پر لے لے ستونوں میں بند کر دی جائیگی۔

عَلَيْهِمْ	مُؤَصَّدَةٌ	فِي	عَمَدٍ	مُمَدَّدَةٍ
اوپر ان	دروازے بند کی ہوئی	جج	ستونوں	کھینچے ہوئی

## لغات:

هُمَزَةٍ صیغہ مبالغہ ہے بڑا عیب جو، کثیر الغیبة، بہت طعنہ دینے والا (ن، ض) مَرَفَى سورۃ القلم۔

لُمَزَةٍ صیغہ مبالغہ بہت عیب جوئی کرنے والا۔ پس پشت برائی (غیبت) کرنے والا۔ (ن ض) عیب لگانا، آنکھ سے اشارہ

کرنا، ہٹانا، مارنا۔ أَخْلَدَ افعال سے صیغہ واحد مذکر غائب ماضی۔ مصدر اخلاذ ہمیشہ رہنا، ہمیشہ ساتھ رہنا، اقامت کرنا،

ہمیشہ کے لئے رکھنا۔ إِلَيْهِ مائل ہونا، جھکا خَلَدَ خُلُودًا (ن) ہمیشہ ہونا۔ لَيُنْبَذَنَّ واحد مذکر غائب مضارع مجہول بانون

تاکید ثقیلہ نَبَذَ (ن، ض) پھینک دینا۔ الْحُطَمَةُ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے۔ حُطَمَ سے مشتق ہے (ض)

توڑنا، روندنا، (س) بڑی عمرو والا ہونا۔ الْمُوقَدَةُ باب افعال (ایقاد) سے اسم مفعول بھڑکائی ہوئی۔ دہکائی ہوئی

وَقُود (ض) مرفی سورۃ البروج۔ تَطْلُعُ صیغہ واحد مؤنث غائب باب افعال سے جھاٹنا، خبردار ہونا۔ طُلُوع (ن)

ٹکنا۔ مُؤَصَّدَةٌ ایصاد (افعال) بند کرنا۔ وَصَّدَ (ض) پائیدار ہونا۔ برقرار ہونا۔

## ترکیب:

وَيْلٌ مُّبْتَدَأٌ - كما مر في المرسلات والتطيف هَمْزَةٌ موصوف لَمْزَةٌ صفت - مركب توصیفی مضاف الیه ہوا تَکْمِلَ کا، مضاف و مضاف الیہ ملکر مبدل بمنہ الَّذِی اسم موصول اپنے جَمْعَ مَالًا جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَعَدَّةٌ جملہ فعلیہ معطوف - معطوفین صلہ سے ملکر بدل - مبدل منه بدل سے ملکر مجرور، متعلق محذوف ہو کر خبر، یَحْسَبُ فعل ضمیر عائد الی الموصول فاعل - اَنَّ اپنے اسم مآلہ اور خبر اَخْلَدَ جملہ فعلیہ سے ملکر جملہ اسمیہ بتاویل مفرد مفعول بہ - جملہ فعلیہ جَمْعَ یا عَدَّةٌ کی ضمیر فاعل سے حال ہوگا - (والضمیر فی اخلد عائد الی مالا) کَلَّا حرف روع لَیَنْبَذَنَّ فعل مجہول ضمیر عائد الی هَمْزَةٍ نائب فاعل فی الحُطْمَةِ متعلق - جملہ فعلیہ قسم محذوف واللہ کا جواب ہوا - وَمَا اَذْرَاکَ مَالُ الحُطْمَةِ : مَرَّ مثله غیر مرہ - نَارُ اللہ : مرکب اضافی موصوف الْمُؤَفَّدَ صفت التی اسم موصول تَطْلِعُ فعل ضمیر مؤنث عائد الی النار فاعل عَلٰی الْاَفْنَدَةِ متعلق جملہ فعلیہ صلہ - موصول وصلہ ملکر صفت ثانی - موصوف و صفت ل کر خبر مبتدا محذوف ہی کی یا الْحُطْمَةِ کا بیان اِنَّ اپنے اسم ہا، مُؤَصَّدَةٌ اپنے متعلق مقدم عَلَیْہُمْ اور متعلق مؤخر فی عَمْدٍ مُّمَدَّدَةٍ سے ملکر خبر اِنَّ جملہ اسمیہ ہوا - مُّمَدَّدَةٌ صفت ہے عَمْدٍ کی جو عُمُودِ اِعمَاد کی جمع ہے بمعنی ستون - فِی عَمْدٍ مُّمَدَّدَةٍ - عَلَیْہُمْ کی ضمیر سے حال بھی ہو سکتا ہے اور مُؤَصَّدَةٌ کی صفت بھی نیز مبتدا محذوف ہی کی خبر بھی ہو سکتا ہے - اور یہ جملہ جملہ سابقہ پر معطوف - اور حرف عطف محذوف ہوگا - اس صورت میں عَلَیْہُمْ اِنَّ کی خبر ہوگی اِیْ مُسْلَطَةٌ عَلَیْہُمْ۔

## تفسیر:

اس سورت شریفہ میں تین بدترین گناہوں پر پہلے اجمالی طور پر وعید ہے - اسکے بعد وضاحت و تفصیل کے ساتھ دوزخ کے سخت ترین عذاب کی دھمکی دی گئی ہے - وہ تین گناہ ہمزہ لمز و جمع مال ہیں -

## ہمزہ و لمز کا مطلب:

ہمزہ لمز کے لغوی معنی ذکر ہو چکے - یہاں کیا معنی مراد ہیں؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں - (۱) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں - یعنی عیب جوئی کرنے والا - نکتہ چینی کرنے والا - اور یہ وہ لوگ ہیں جو چغلیاں کھاتے، دوستوں میں پھوٹ ڈالتے اور نیک لوگوں کی عیب جوئی کرتے رہتے ہیں - (۲) مقاتلؓ نے کہا کہ ہمزہ سامنے برائی کرنے والا اور لمزہ پس پشت برائی کرنے والا ہے - (۳) ابوالعالیہؓ و حسن بصریؓ کا قول اسکے برعکس ہے (۴) سعید بن جبیرؓ وقادہؓ نے کہا ہمزہ غیبت کرنے والا، لوگوں کا گوشت کھانے والا اور لمزہ لوگوں پر طعنے کرنے والا، نکتہ چینی کرنے والا ہے - (۵) ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہمزہ وہ شخص ہے جو ہاتھ کے اشارہ سے لوگوں کو مطعون کرتا اور دُکھ پہنچاتا ہے - اور لمزہ وہ شخص ہے جو زبان سے نکتہ چینی و عیب جوئی کرتا ہے - (۶) سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہمزہ زبان سے عیوب بیان کرنے والا - اور لمزہ آنکھ کے اشارہ سے عیوب بیان کرنے والا ہے (۷) ابن کيسانؓ نے کہا کہ ہمزہ وہ شخص ہے جو اپنے ہمنشین کو اپنے الفاظ سے دُکھ دیتا ہے - اور لمزہ وہ ہے جو آنکھ یا سر یا برو کے اشارہ سے عیوب ظاہر کرتا ہے (۸) صاحب مظہریؒ کہتے ہیں کہ دراصل لغت میں ہمز کے معنی توڑنے اور چھوٹنے کے ہیں - حدیث میں ہے اللہم انسی اعدو ذبک من ہمزات الشیاطین (خدا یا میں شیطانوں کے کچوکوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں) اور لمز کے معنی ہیں طعنہ زنی کے - پھر استعمال

میں دونوں کے معنی ہو گئے ایسا ذکر جس سے لوگوں کی آبروزی و توہین اور ان پر طنز ہوتا ہو۔ (کما قال ابن عباسؓ)

ہمزہ لمزہ کا وزن (فُعْلَةٌ) خوگر و عادی بن جانے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے ضَحَکْتَ و رُفَعْتَ اسی شخص کو کہیں گے جو ان افعال (ضَحک و لعن) کا عادی ہو۔ لیکن اکثر مفسرین نے جس کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہمز کے معنی غیبت یعنی کسی کا عیب اس کی پیٹھ پیچھے بیان کرنے کے ہیں۔ اور لمز کے معنی آنے سامنے کسی کو طعنہ دینے اور اس کی برائی کرنے کے ہیں۔ یہ دونوں گناہ نہایت سخت ہیں۔ غیبت کی مذمت اور اس پر وعیدیں قرآن وحدیث میں زیادہ ہیں۔ اس کو زنا سے زیادہ سنگین اور ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس کی شدت کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس گناہ میں کوئی رکاوٹ سامنے نہیں ہوتی۔ اس کا مرتکب بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے یہ گناہ زیادہ سے زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور آنے سامنے نکتہ چینی کرنے والے کا دفاع کرنے والا موجود ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں امتداد نہیں ہوتا علاوہ ازیں کسی کے پیچھے اس کے عیوب کا تذکرہ اس لئے بھی سنگین جرم اور بڑا ظلم ہے کہ اس بیچارے مظلوم کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ مجھ پر کیا الزام لگایا جا رہا ہے کہ وہ اپنی صفائی پیش کرے۔ اسی لئے اس کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ ﴿يَكْبِتُ أَخْذُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمِ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾ اور ایک دوسری حیثیت سے لہو (رو برو عیب جوئی) زیادہ شدید ہے۔ وہ یہ کہ کسی کے سامنے اس کو برا بھلا کہنا اسکی توہین و تذلیل بھی ہے اور ایذا رسانی بھی۔ اور ہمز (غیبت) میں صرف پہلی بات پائی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: شَرُّ أَعْبَادِ اللَّهِ تَعَالَى الْمَشَاءُ وَنَ الْنَمِيمَةُ الْمُفَرَّقُونَ بَيْنَ الْأَحْبَةِ الْبَاغُونَ الْبَرَاءَ الْعَنْتَ. اللہ کے بندوں میں بدترین وہ لوگ ہیں جو غلطخوری کرتے پھرتے دوستوں کے درمیان فساد ڈالتے اور بے گناہ لوگوں کے عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔

تیسری خصلت:

الَّذِي جَمَعَ مَا لَا وُعْدَهُ ..... (جس نے مال جوڑا اور گن گن رکھا) یعنی جس کو مال کی بیجا محبت اور شدید حرص ہے جس کی وجہ سے وہ اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ اور اس کا حق واجب ادا نہیں کرتا۔ چونکہ دوسری آیات و روایات اس پر شاہد ہیں کہ حلال طریقہ پر مال کا جمع کرنا گناہ نہیں۔ اس لئے یہاں جمع مال سے مراد وہی جمع ہے جو حرام طریقہ پر ہو یا اس کے حقوق واجب ادا نہ کئے گئے ہوں یا اس سے نکاثر و تقاخر مقصود ہو۔ اور اسکی محبت میں منہمک ہو کر دین کی ضروریات کو نظر انداز کر دیا ہو۔ غیبت و طعنہ زنی اور عیب جوئی و بدگوئی جو کرتا ہے وہ خود کو بہتر و برتر سمجھتا ہے۔ اور اس کبر و تعلیٰ کے اسباب حسن و جمال و علم و کمال حسب و نسب اور ہنر و کسب وغیرہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب میں بڑا سبب مال ہوتا ہے۔ دولت کا نشہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے اور افلاس میں تو سارے فخر و غرور خاک میں مل جاتے ہیں۔ اسی لئے آج تک مفلس نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ تو برائیوں کی اصل و بنیاد خصوصاً مذکورہ جرائم کا منشا مال ہے۔ اسی لئے تیسرا جرم جمع مال قرار دیا گیا جو جرم بھی ہے اور جرائم کی اصل بنیاد بھی۔

يَخْسِبُ أَنْ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ..... (یہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال سدا سکے ساتھ رہے گا یا اس کو بیشکلی دیگا) یعنی اس کا یہ گمان ہے کہ مالدار کو طویل زندگی ملے گی۔ نادار بھوک سے مرجائیگا اور مال اس کو باقی رکھے گا۔ اس کلام کا حقیقی مفہوم مراد ہے کیونکہ کسی بھی مالدار کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ کبھی نہ مرے گا۔ مرنے کا تو سب کو یقین ہے۔ بلکہ اس میں بایں انداز موت سے اسکی غفلت اور لمبی امیدوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یا یہ کلام تعریض ہے کہ حقیقت میں دوائی زندگی عطا کرنے والا مال نہیں بلکہ ایمان و عمل صالح ہے۔ یا اس کا انہماک تعمیرات کرنا۔ باغات لگانا اور لمبے چوڑے ٹھاٹ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے شاید اس کو

مرنا نہیں خواہ اس کا یقین ایسا نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع خط کھینچا اور اس کے درمیان ایک لکیر اس مربع سے نکلتی ہوئی کھینچی۔ اور اس درمیانی لکیر کے دونوں طرف بہت سی چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ (درمیانی لکیر) انسان ہے۔ اور باہر کو نکلا ہوا سراکسی آرزوئیں ہیں۔ اور دونوں طرف کی لکیریں اس کو پیش آنے والے امراض و حوادث ہیں۔ وہ ایک سے بچ جاتا ہے دوسرا حادثہ اس کو پہنچتا ہے۔ اور اس سے بچتا ہے تو وہ پہنچ جاتا ہے۔ اور مربع خط موت ہے جو اس کو گھیرے ہوئے ہے جس سے وہ بچ نہیں سکتا۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند خطوط کھینچ کر فرمایا کہ یہ آرزو ہے اور یہ انسان کی موت ہے۔ اور آدمی اسی حالت میں ہوتا ہے کہ اچانک قریب والا خط (خط موت) اس پر آ پہنچتا ہے۔ (بخاری)

کَلَّا امور شنیعہ مذکورہ سے زجر و ردع کے لئے ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بمعنی حَقًّا ہو۔ اور یہ جواب قسم کے بھی مناسب ہے فَاِنَّ اللّٰہَ میں اضافت تعظیم کے لئے ہے۔ اس سے ناریک شدت و عظمت ظاہر ہو رہی ہے۔

النَّسِی تَطْلُعُ عَلٰی الْاَفْنِیْدَةِ ..... (وہ آگ دلوں پر پہنچے گی) یوں تو ہر آگ کا خاصہ یہی ہے کہ جو چیز اس میں ڈالی جائے وہ اس کے تمام اجزاء تک پہنچتی اور ان کو جلاتی ہے۔ انسان جب آگ میں ڈالا جائیگا تو اس کے تمام اعضاء کے ساتھ دل بھی جل جائیگا۔ یہاں دوزخ کی آگ کی یہ خصوصیت اس لئے بیان کی گئی کہ دنیا کی آگ جب انسان کے بدن کو لگتی ہے تو دل تک پہنچنے سے پہلے ہی انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور دوزخ میں کیونکہ انسان کو موت نہ آئے گی تو اس کی آگ دل تک بحالت حیات پہنچے گی۔ اور دل جلنے کی اذیت انسان اپنی حیات میں محسوس کریگا۔ حدیث میں ہے کہ آگ دوزخیوں کو کھال لگی۔ یہاں تک کہ جب دل تک پہنچے گی تو رک جائے گی پھر اس آدمی کو ویسا ہی کر دیا جائیگا۔ جیسا وہ پہلے تھا۔ پھر آگ اس کو لگی اور دل تک پہنچے گی۔ ہمیشہ اس کی یہی حالت رہے گی۔ دوسری وجہ دل کو ذکر کرنیکی یہ معلوم ہوتی ہے کہ تمام اعضاء بدن میں دل سب سے زائد لطیف و حساس ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ غلط عقائد و اعمال بدکار چشمہ قلب ہی ہے۔ اسی لئے وہ نار اللہ کی آماجگاہ بنے گا۔ یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی آگ اگر کسی انسان کو پہنچتی ہے تو اول اعضاء ظاہری کو جلاتی ہے۔ پھر اندرونی اعضاء اور قلب کو پہنچتی ہے۔ لیکن آتش دوزخ اپنی لطافت کی وجہ سے براہ راست قلب پر حملہ آور ہوگی۔ اور دنیا میں اس کی نظیر بجلی ہے تار پر انگلی رکھے تو وہ فوراً دل پر حملہ آور ہوتی ہے۔

اِنَّہَا عَلٰیہُمْ مُّؤَصَّدَةٌ ..... (وہ آگ ان پر بند کی جائیگی) تاکہ اس کی حرارت و تیزی میں کمی کا امکان نہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوزخ میں جب دوائی دوزخی رہ جائیں گے تو ان کو لوہے کی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا اور صندوقوں میں لوہے کی کیلیں ٹھوک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر کے حجیم کی تہہ میں پھینک دیا جائیگا۔ اور کوئی شخص دوسرے کے عذاب کو نہ دیکھ سکے گا۔

فِیْ عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ ..... (وہ بڑے بڑے آتشیں ستونوں کیساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے) نہ بل سکیں گے نہ ان کو اکھیر سکیں گے۔ بلکہ ہمیشہ وہیں جلتے گھٹتے رہیں گے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو ستونوں میں داخل کریگا پھر ستونوں کو ان پر تانا جائیگا۔ ان کی گردنوں میں زنجیریں پڑی ہوں گی۔ اور اوپر سے ایک ستون کے ذریعہ ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ عہد دوزخ کے کواڑوں کی وہ کیلیں ہیں کہ دوزخیوں کو اندر کر کے دوزخ کے کواڑوں کو بند کر دیا جائیگا اور وہ کیلیں ٹھوک دی جائیں گی۔ اللہم اجرنا من عذاب النار۔

سزاجرم کے مناسب:

ہمزولمز سے لوگوں کی آبرو بیزی و کسر شان ہوتی ہے۔ اس کی جزا حطمہ قرار دی گئی جو اس مجرم کی ایسی دھجیاں اڑا دیں گی جس طرح اس نے ان کی آبرو کی دھجیاں بکھیری تھیں۔ اور عیب جو وطعن زن نے خود کو برتر سمجھا۔ اور دوسروں کو حقیر و بدتر سمجھا تھا تو اس کی سزا نبذ فی النار یعنی حقارت و ذلت کے ساتھ مردار کتے کی طرح جہنم میں پھینک دیا جانا قرار پائی۔ اور ان برائیوں کا منشا قلب پر حب مال کا غلبہ تھا تو اس کی سزا اَنْطَلَعْ عَلٰی الْاَفْنَدَةِ ہے یعنی آگ براہ راست قلب پر حملہ آور ہو کر اس کو جلائیگی۔ اور مال کو گن گن کر تجوریوں میں بھر بھر کر رکھنے کی سزا یہ ہے کہ اس کو بھی جہنم کے ستونوں میں جکڑ دیا جائیگا یا چن دیا جائیگا۔ اور اسکے طول اہل و دراز آرزوؤں کی سزا آگ کے لمبے لمبے ستون ہوں گے۔

(ف) یہ آیات خواہ مخصوص لوگوں (جمیل بن عامر، امیہ بن خلف، اخنس بن شریق اور ولید بن مغیرہ) کے بارے میں اتری ہوں۔ لیکن اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے، خصوص سبب نزول کا نہیں۔ اس لئے مذکورہ وعیدیں ہر اس شخص کے لئے ہیں جس میں یہ جرائم پائے جاتے ہیں۔

تم تفسیر سورۃ الہمزۃ فالحمد لله الذی خلق الناس وجعل لهم السمع والابصار والافئدة والصلوة والسلام علی محمد الذی لانبی بعده وعلی الہ وصحبہ الذین فازوا بالسعاده والجنة

## سُورَةُ الْفِيلِ سُورَةُ الْفِيلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

(رکوع ۱۔ آیات ۵ سورۃ فیل مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پانچ آیات ہیں۔ کلمات ۲۰۔ حروف ۵۶)

رابط و مناسبت: (۱) کفار مکہ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت و طعنہ زنی اور عیب جوئی ایک کید تھا۔ جس کا آخری انجام پہلی سورت میں بیان کیا گیا۔ اس سورۃ فیل میں ان کو خبردار کیا گیا ہے کہ دنیا میں بھی اس جرم کا نتیجہ بربادی ہے۔ جس طرح اصحاب فیل نے بیت اللہ کے ساتھ کید کیا تو وہ برباد ہوئے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کید کر رہے ہو۔ جنگی عظمت و اہمیت اللہ کے نزدیک بیت اللہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے (۲) سورت سابقہ میں اخلاقِ رذیلہ کا انجامِ اخروی بیان کیا گیا تھا، اس سورت میں دنیوی انجام کا ذکر ہے۔ (۳) سورت سابقہ میں اس بات کا دعویٰ تھا کہ مذکورہ جرائم پر آخرت میں عذاب شدید ہوگا۔ اس سورت میں اس کی دلیل ہے کہ نمونہ اس کا اصحاب فیل کے قصہ میں دیکھ لو۔ اس سے حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بھی ثبوت ہوا کہ وہ گرفت کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ (۴) جرائم کا منشا مال و دولت ہے۔ اس کے متعلق یہ خیال باطل ہے کہ وہ ہمیشہ ساتھ رہیگا۔ یا ساتھ دیگا، یا موت و ہلاکت کے پنجے سے چھڑا لے گا۔ جیسا کہ سورت سابقہ میں اس پر تنبیہ کی گئی۔ اس سورت میں اس کا نمونہ پیش کیا گیا کہ ابرہہ کی دولت و شوکت نے نہ اس کا ساتھ دیا اور نہ تباہی و ہلاکت سے بچا کر اس کو ہمیشگی بخشی۔ (۵) چہنچ سورت میں اہل مکہ کو ڈرایا گیا تھا تاکہ اطاعت پر آمادگی ہو۔ اس سورت میں اپنا ایک مخصوص انعام یا دولایا گیا کہ ابرہہ کے ظلم و ستم سے تمہارے معبد (خانہ کعبہ) کو اور تمکو محفوظ رکھا کیونکہ انسان کو اطاعت پر جس طرح وعید آدہ کرتی ہے اسی طرح احسان سے بھی آدی جھکتا ہے۔

## اصحابِ فیل کا واقعہ:

امام حدیث و تاریخ حافظ ابن کثیرؒ نے اس طرح نقل فرمایا ہے کہ یمن پر ملوک حمیر کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ مشرک تھے انکا آخری بادشاہ ذونواس تھا۔ جس نے اس زمانہ کے اہل حق یعنی نصاریٰ پر شدید مظالم کئے، اسی نے ایک طویل و عریض خندق کھدوا کر اس کو آگ سے بھرا۔ اور جتنے نصرانی بت پرستی کے خلاف ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے ان سب کو اس آگ کی خندق میں ڈال کر جلا دیا، جن کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ یہی وہ خندق کا واقعہ ہے جس کا ذکر اصحاب الاخذود کے نام سے سورۃ بروج میں گذرا۔ ان میں سے دو آدمی کسی طرح اس کی گرفت سے نکل بھاگے۔ اور انہوں نے قیصر ملک شام سے جا کر فریاد کی کہ ذونواس ملک حمیر نے نصاریٰ پر ایسا ظلم کیا ہے آپ ان کا انتقام لیں۔ قیصر ملک شام نے شاہ حبشہ کو خط لکھا یہ بھی نصرانی تھا۔ اور یمن سے قریب تھا کہ آپ اس ظالم سے ظلم کا انتقام لیں۔ اس نے اپنا عظیم لشکر دو کمانڈروں (امیر ارباط اور ابرہہ) کی قیادت میں یمن کے بادشاہ کے مقابلہ پر بھیج دیا۔ لشکر اس کے ملک پر ٹوٹ پڑا۔ اور پورے یمن کو قوم حمیر کے قبضہ سے آزاد کرالیا۔ ملک حمیر ذونواس بھاگ نکلا اور دریا میں غرق ہو کر مر گیا۔ اس طرح ارباط و ابرہہ کے ذریعہ یمن پر شاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا۔ پھر ارباط و ابرہہ میں باہمی جنگ ہو کر ارباط مقتول ہو گیا اور ابرہہ غالب آ گیا۔ اور یہی ابرہہ شاہ نجاشی کی طرف سے ملک یمن کا حاکم (گورنر) مقرر ہو گیا۔ اس نے یمن پر قابض ہو کر ارادہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا شاندار کنیہ بنائے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں وہ اس کنیہ کی عظمت و شوکت سے مرعوب ہو کر کعبہ کی بجائے اس کنیہ میں جانے لگیں۔ اس خیال پر اس نے بہت بڑا عالیشان کنیہ اتنا اونچا تعمیر کیا کہ اس کی بلندی پر نیچے کھڑا ہوا آدمی نظر نہیں ڈال سکتا تھا۔ اور اس کو سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع کیا تھا۔ اور پوری مملکت میں اعلان کرادیا تھا کہ اب یمن سے کوئی کعبہ کے حج کے لئے نہ جائے۔ اس کنیہ میں عبادت کرے۔

عرب میں اگرچہ بت پرستی غالب آ گئی تھی مگر دین ابراہیمی و کعبہ کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں پیوست تھی۔ اس لئے عدنان اور قحطان و قریش کے قبائل میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے رات کے وقت کنیہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلود کیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے ایک مسافر قبیلہ نے کنیہ کے قریب اپنی ضرورت کے لئے آگ جلائی اس کی آگ کنیہ میں لگ گئی اور اس کو سخت نقصان پہنچ گیا، ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور بتایا گیا کہ کسی قریشی نے یہ کام کیا ہے تو اس نے قسم کھائی کہ میں ان کے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رہوں گا ابرہہ نے اس کی تیاری شروع کی اور شاہ نجاشی سے اجازت مانگی اس نے اپنا خاص ہاتھی جس کا نام محمود تھا ابرہہ کے لئے بھیج دیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر کعبہ پر حملہ کرے، بعض روایات میں ہے کہ یہ سب سے بڑا عظیم الشان ہاتھی تھا جس کی نظیر نہیں پائی جاتی تھی اور اس کے ساتھ آٹھ ہاتھی دوسرے بھی اس لشکر کے لئے شاہ حبشہ نے بھیج دیئے تھے ہاتھیوں کی یہ تعداد بھیجنے کا منشا یہ تھا کہ بیت اللہ کعبہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے تجویز یہ تھی کہ بیت اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط و طویل زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور ہنکا دیں تو سارا بیت اللہ (معاذ اللہ) زمین پر آ گرے گا۔ عرب میں جب اس کے حملہ کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہو کر آ گیا، یمن کے عربوں میں ایک شخص

ذو فرتا می تھا اس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور عرب لوگ اس کے گرد جمع ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور ابرہہ کے خلاف جنگ کی، مگر اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ ابرہہ کی شکست و رسوائی نمایاں ہو کر دنیا کے سامنے آئے اس لئے یہ عرب مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئے ابرہہ نے اس کو شکست دیدی اور ذو نفر کو قید کر لیا اور آگے روانہ ہو گئے اس کے بعد جب وہ قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار نفیل بن حبیب نے پورے قبیلہ کے ساتھ ابرہہ کا مقابلہ کیا مگر ابرہہ کے لشکر نے ان کو بھی شکست دیدی نفیل بن حبیب کو بھی قید کر لیا اور ان کے قتل کا ارادہ کیا مگر پھر یہ سمجھ کر ان کو زندہ رکھا کہ ان سے ہم راستوں کا پتہ معلوم کر لیں گے اسکے بعد جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو طائف کے باشندے (قبیلہ ثقیف) جو بچھلی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے۔ انھوں نے اپنی خیر منانے کا فیصلہ کیا اور یہ کہ طائف میں جو ہم نے ایک عظیم الشان بت خانہ لات کے نام سے بنا رکھا ہے یہاں اس کو نہ چھیڑے تو ہم اس کا مقابلہ نہ کریں گے انہوں نے ابرہہ سے ملکر یہ بھی طے کر لیا کہ ہم تمہاری امداد اور رہنمائی کے لئے اپنا ایک سردار اور خال تمہارے ساتھ بھیج دیتے ہیں ابرہہ اس پر راضی ہو گیا۔ اور اور خال کو ساتھ لیکر مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام منہس پہنچ گیا۔ جہاں قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے ان پر حملہ کر کے اونٹ گرفتار کر لئے جن میں سے دو سو ۲۰۰ اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب رئیس قریش کے بھی تھے۔ ابرہہ نے یہاں پہنچ کر اپنا ایک سفیر حناط حمیری کو شہر مکہ میں بھیجا کہ وہ سردار ان قریش کو مطلع کر دے کہ ہم تم سے جنگ کرنے نہیں آئے ہمارا مقصد صرف کعبہ کو ڈھانا ہے اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تم کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ حناط جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو سب نے اس کو عبدالمطلب کا پتا دیا کہ وہ سب سے بڑے سردار قریش ہیں، حناط نے عبدالمطلب سے گفتگو کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا۔ ابن اسحق کی روایت کے مطابق عبدالمطلب نے یہ جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا کوئی ارادہ کوئی نہیں رکھتے نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ ہم اس کا مقابلہ کر سکیں، البتہ میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ اللہ کا گھر اور اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے، وہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، اللہ سے جنگ کا ارادہ ہے تو جو چاہے کرے پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتا ہے۔ حناط نے عبدالمطلب سے یہ کہا کہ تو پھر آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ابرہہ سے ملاتا ہوں ابرہہ نے جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھایا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ عبدالمطلب سے پوچھو کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں؟ عبدالمطلب نے کہا کہ میری ضرورت تو بس اتنی ہے کہ میرے اونٹ جو آپ کے لشکر نے گرفتار کر لئے ہیں وہ چھوڑ دیں، ابرہہ نے ترجمان کے ذریعہ عبدالمطلب سے کہا کہ جب میں نے آپ کو اول مرتبہ دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت و عظمت پیدا ہوئی مگر آپ کی گفتگو نے اس کو بالکل ختم کر دیا کہ آپ مجھ سے صرف اپنے دو سو اونٹوں کی بات کر رہے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ میں آپ کا کعبہ جو آپ کا دین ہے اس کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں، اس کے متعلق آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ اونٹوں کا مالک تو میں ہوں مجھے ان کی فکر ہے۔ اور بیت اللہ کا میں مالک نہیں، بلکہ اس کا مالک ایک عظیم ہستی ہے وہ اپنے گھر کی خود حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا کہ تمہارا خدا اس کو میرے ہاتھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ اور بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ اور بھی قریش کے چند سردار گئے تھے اور انھوں نے ابرہہ کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور واپس ہو جائیں تو ہم پورے تہامہ کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کرتے رہیں گے۔

مگر ابرہہ نے اس کے ماننے سے انکار کر دیا۔ عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کر دیئے وہ اپنے اونٹ لیکر واپس چلے آئے۔ اور بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعائیں مشغول ہو گئے۔ قریش کی ایک بڑی جماعت بھی ان کے ساتھ تھی سب نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں کہ ابرہہ کے عظیم لشکر کا مقابلہ ہمارے بس میں نہیں، آپ ہی اپنے گھر کی حفاظت کا انتظام فرمائیں۔ الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرنے کے بعد عبدالمطلب مکہ مکرمہ کے دوسرے لوگوں کو ساتھ لیکر مختلف پہاڑوں پر پھیل گئے۔ ان کو یہ یقین تھا کہ اس کے لشکر پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئیگا۔ اسی یقین کی بنا پر انہوں نے ابرہہ سے خود اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا تھا۔ بیت اللہ کے متعلق گفتگو کرنا اسلئے پسند نہ کیا کہ خود تو اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اور دوسری طرف یہ بھی یقین رکھتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ دشمن کی قوت کے مقابلہ میں ان کی بے بسی پر رحم فرما کر خود اس کے عزائم کو خاک میں ملا دیں گے۔ صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی محمود کو آگے چلنے کے لئے تیار کیا، نفیل بن حبیب جن کو راستے سے ابرہہ نے گرفتار کیا تھا، اس وقت وہ آگے بڑھے اور ہاتھی کا کان پکڑ کر کہنے لگے کہ تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح و سالم واپس چلا جا کیونکہ تو اللہ کے محفوظ شہر میں ہے۔ یہ کہہ کر اس کا کان چھوڑ دیا۔ ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا ہاتھی بان نے اس کو اٹھا کر چلانا چاہا، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا اس کو بڑے بڑے آہنی تیروں سے مارا مگر اس نے پرواہ نہ کی اس کی ناک میں لوہے کا آنکڑا ڈال دیا گیا پھر بھی وہ کھڑا نہ ہوا تب ان لوگوں نے اس کو یمن کی طرف لوٹانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا۔ پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو چلنے لگا پھر مشرق کی طرف چلایا تو چلنے لگا ان سب اطراف میں چلانے کے بعد اس کو مکہ مکرمہ کی طرف چلانا چاہا وہ پھر بیٹھ گیا قدرت خداوندی کا یہ کرشمہ تو یہاں ظاہر ہوا، دوسری طرف دریا کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ تین کنکریاں پنے، مسور کی برابر تھیں ایک چوچ میں اور دو بچوں میں، واقدی کی روایت میں ہے کہ یہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے، جفہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے، ان کے پنجے سرخ تھے، ہر پنجہ میں ایک کنکر اور ایک چوچ میں لئے آتے دکھائی دیئے اور فوراً ہی ابرہہ کے لشکر پر چھا گئے، یہ کنکریاں جو ہر ایک کے ساتھ تھیں ابرہہ کے لشکر پر گرائیں، ایک ایک کنکر نے وہ کام کیا جو ریواور کی گولی بھی نہیں کر سکتی کہ جس پر پڑتی اس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی، یہ عذاب دیکھ کر ہاتھی سب بھاگ کھڑے ہوئے، صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو ایک کنکری سے ہلاک ہوا اور لشکر کے تمام آدمی اس موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بلکہ مختلف اطراف میں بھاگے ان سب کا یہ حال ہوا کہ وہ راستہ میں مر مر کر گر گئے ابرہہ کو چونکہ سخت سزا دینی منظور تھی اس لئے وہ فوراً ہلاک نہیں ہوا، بلکہ اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سر کر گرنے لگا، اسی حال میں اس کو یمن واپس لایا گیا، دار السلطنت صنعاء پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہہ گیا اور وہ مر گیا ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے، مگر اس طرح کہ وہ دونوں اندھے اور اپانچ ہو گئے تھے۔ محمد اسحق نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا کہ میں نے ان دونوں کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ اندھے اور اپانچ تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن حضرت اسماءؓ نے فرمایا کہ میں نے ان دونوں اندھوں اپا بھوں کو مکہ میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہ واقعہ کب ہوا؟

یہ واقعہ بقول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ۲۲ محرم یکشنبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً ۵۰ دن پہلے پیش آیا۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ امام بخاری کے استاذ ابراہیم بن احمدؒ نے فرمایا کہ اس



میں علمائے اسلام میں سے کسی ایک کو بھی شک نہیں۔ اور اسی پر اجماع ہے۔ اور اس کے خلاف جس سے بھی منقول ہے وہ غلط ہے۔ مثلاً مقاتلؒ نے کہا کہ یہ واقعہ ولادت مبارکہ سے چالیس سال قبل پیش آیا۔ کسی نے کہا تیس سال پہلے پیش آیا کسی نے کہا سترہ سال پہلے۔ کسی نے کہا دس سال پہلے، کسی نے کہا پندرہ سال پہلے۔ اور کلبیؒ نے کہا تیس سال پہلے پیش آیا۔ یہ سب اقوال غیر صحیح ہیں۔ قول اول ہی جمہور کا مختار ہے۔ کذا فی تاریخ ابن حبان، وذهب السہلی انہ صلی اللہ علیہ وسلم ولد بعد ہابخمسین یوماً وکانت فی المحرم والولادة فی شهر ربیع الاول وقال الحافظ الدمیاطی بخمسة وخمسين يوماً وقيل باربعين يوماً وقيل بشهر والمشهور ماذهب اليه السہلی. واللہ اعلم. (مظہری روح المعانی).

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ (۱) أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ (۲)

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کیا ان کی تدبیر کو اس نے مایا میٹ نہیں کر دیا۔

أَلَمْ	تَرَ	كَيْفَ	فَعَلَ	رَبُّكَ	بِأَصْحَابِ	الْفِيلِ	أَلَمْ	يَجْعَلْ	كَيْدَهُمْ	فِي	تَضْلِيلٍ
کیا نہ	دیکھا تو نے	کیف، کھو، کیا	پروردگار تیرے	ساتھ	ہاتھیوں والوں	کیا نہ	کر دیا	کمر	ان میں	گمراہی	

وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرَ أَبَابِيلَ (۳) تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِنْ سِجِّيلٍ (۴) فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ (۵)

اور ان پر غول کے غول پرندے بھیج دیے۔ جو ان پر جھانوں کی کنکریاں پھینکتے تھے۔ پھر اللہ نے ان کو کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔

وَأَرْسَلَ	عَلَيْهِمْ	طَيْرَ	أَبَابِيلَ	تَرْمِيهِمْ	بِحِجَارَةٍ	مِنْ	سِجِّيلٍ	فَجَعَلَهُمْ	كَعَصْفٍ	مَّأْكُولٍ
اور بھیجے	اور پران	پرندے	جماعت جماعت	پھینکتے تھے ان	پتھر	سے	کنکریاں	پس کر دیا ان	مانند بھس	کھایا ہوا

### لغات:

الْفِيلُ اسم جنس مذکر مؤنث واحد جمع۔ اگر اس کو واحد قرار دیا جائے تو أَفْيَالُ فَيُولُ اور فَيْلَةٌ جمع آتی ہے۔ طَيْرٌ اِیہ طائر کی جمع ہے۔ جیسے صَاحِبٌ کی جمع صُحُبٌ اور اَکْبٌ کی جمع رَکَبٌ آتی ہے۔ ابن الانباریؒ نے کہا کہ طَیْسُ جمع ہی ہے اور اسکی تذکیر بہ نسبت تانیث کم مستعمل ہے۔ اور طَیْسُ واحد کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ ابو عبیدہؒ و قطربؒ کہتے ہیں کہ لفظ طیر واحد و جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔ ﴿فَيَكُونُ طَيْرٌ أَبَا ذُنَّ اللَّهِ﴾ میں لفظ طَیْر کا استعمال چونکہ واحد میں ہوا ہے اس لئے ابو عبیدہؒ و قطربؒ کا بیان صحیح ہے، طَارَ طَیْرٌ (اض) اِثْنَا۔ أَبَابِيلُ (جنڈ کے جنڈ، پرے کے پرے) ابو عبیدہؒ نے تصریح کی ہے کہ متفرق جماعت کو ابابیل کہتے ہیں۔ عرب بولتے ہیں جَاءَتِ الْخَيْلُ أَبَابِيلَ مِنْ هَلْهِنَا وَهَلْهِنَا (ادھر ادھر سے سواروں کے پرے کے پرے آئے) اس کا واحد آتا ہے کہ نہیں۔ اس میں دو قول ہیں۔ اخْفَشَ وَفَرَاءَ کہتے ہیں کہ جس طرح شَمَاطِيطٌ و عَبَادِيدُ کا واحد نہیں آتا۔ ایسے ہی اس کا بھی واحد نہیں آتا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا واحد آتا ہے۔ ابو جعفرؒ روایتی کہتے ہیں کہ اس کا واحد أَبَا لَہْ ہے۔ کسائی کہتے ہیں اَبُو لُہْ ہے جیسے عَبَا جَعِلَ کا واحد عَجُولُ ہے، فَرَاءَ نے کہا کہ اِثْنَا لَہْ کا واحد ہو سکتا ہے۔ جیسے ذَنَانِيرُ کا واحد دِنَارٌ ہے بعض کہتے ہیں کہ اَبَابِيلُ مثل سَجْنِینَ ہے۔

بعض کہتے ہیں ابائل ہے۔ حَجَّارَة: حَجَر کی جمع ہے حَجَرٌ حَجَرًا وَحُجْرًا (ن) منع کرنا، روکنا۔ سَجَّیل: یہ سنگ گل کا معرب ہے کذا قال مجاهدٌ و فریابی۔ (وہ مٹی جو پتھر جیسی بن جائے۔ جہانود) بعض کہتے ہیں کہ یہ سَجَّیل سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں بڑا ڈول۔ بعض نے سَجَّیل مہرزوہ، رجسٹروں سے مشتق مانا ہے۔ یعنی یہ عذاب مکتوب تھا یا ہر کنکر پر لکھا ہوا تھا کہ یہ فلاں کو پہونچے گی۔ سَجَّیل سَجَّالًا (ن) اوپر سے پھینکنا، گرائنا، لگا تار پڑنا۔ عَصَف: کھیت کے پتے، گھاس کے تنکے۔ (ض) ہوا کا تیز چلنا۔ (ن) کھیتی تیار سے پہلے کاٹنا۔ مرفی المرسلات۔

## ترکیب:

اَلَمْ تَرَ فَعْلَ كَيْفَ مفعول بہ مقدم فَعِلَ کا یا رُبَّكَ سے حال ہے۔ فَعِلَ اپنے فاعل و متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ۔ اَلَمْ تَرَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہوا۔ اَلَمْ يَجْعَلْ فاعل ضمیر فاعل كَيْفَ هُمْ مفعول بہ اول فِی تَضَلُّیل متعلق مقدر (ثابت) کے ہو کر مفعول ثانی جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ وَارْسَلْ اپنے فاعل ضمیر مستتر و متعلق مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ معطوف ابابیل: طیار، کی صفت ہے۔ یا اس سے بدل ہے یا عطف بیان تَرُمِیْ فاعل ضمیر عائد الی الطیر فاعل ہم مفعول بہ بِحَجَّارَة کما نُبِّه من سَجَّیل (مرکب توصیفی مجرور) متعلق جملہ فعلیہ تَرُمِیْ کی ضمیر عائد الی الطیر سے حال ہے۔ فَجَعَلَهُمْ فاء تفریعیہ فعل ضمیر عائد الی اللہ فاعل و مفعول بہ اول۔ كَعَصَفٍ مَّا كَوَّلَ (مرکب توصیفی مجرور) متعلق مقدر ہو کر مفعول ثانی۔ جملہ فعلیہ۔

## تفسیر:

اَلَمْ تَرَ اس کے معنی ہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ تو آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے کا ہے۔ تو آپ اس کو کس طرح دیکھتے؟ بظاہر یہ سوال بے موقع ہے۔ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ رویت سے مراد رویت قلبی یعنی علم ہے۔ اور اسکے معنی ہیں اَلَمْ تَعْلَم دوسرے اگر اس کو رویت بصریہ ہی کے معنی میں قرار دیا جائے تب بھی درست ہے۔ اس لئے کہ جو واقعہ یقینی ہو، اسکے ثبوت میں تردد نہ ہو اور عام طور پر لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہو یا تو اتر کے ساتھ منقول ہو تو اس کے علم کو بھی لفظ رویت سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ اتنا یقینی ہے کہ گویا آنکھوں دیکھا ہے۔ اور ایک حد تک دیکھنا بھی ثابت ہے۔ کہ اسکے آثار و نشانات کو آپ نے ملاحظہ فرمایا تھا۔ اوپر گزرا ہے کہ حضرت عائشہؓ و حضرت اسماءؓ نے اندھے اپانچ ہاتھی بانوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا تھا ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اس میں آپ کی تعظیم بھی ہے اور آپ کو تسلی بھی، نیز کفار کو وعید ہے کہ جس طرح اس نے بیت اللہ پر حملہ آور اصحابِ قبلہ کو نیست و نابود کیا ہے۔ رسول اللہ پر حملہ آور دشمنوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائیگا۔ طَیْرَ ابَابِیْل ان دونوں لفظوں کی تحقیق عنوان لغات، میں آچکی، اس ابابیل سے مراد پرندوں کی ٹکڑیاں ہیں۔ اُردو میں جو ایک خاص چڑیا کو ابابیل کہتے ہیں اس سے چڑیا مراد نہیں۔ جیسا کہ اوپر روایت میں گزر چکا، کہ یہ پرندے کبوتر سے کسی قدر چھوٹے تھے۔ اور پرندوں کی کوئی ایسی قسم تھی جو پہلے نہ دیکھی گئی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان پرندوں کی چونچیں پرندوں کی طرح اور پیچے نتوں کے بچوں کی طرح تھے۔ سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں وہ پرندے سبز تھے، اور ان کی چونچیں زرد تھیں۔ قتادہؓ نے کہا کہ وہ سیاہ تھے۔ جو جھنڈ کے جھنڈ سمندر

سے آئے تھے۔ عکرمہ سے منقول ہے کہ ان کے چہرے درندوں جیسے تھے۔ نہ وہ اس سے قبل دیکھے گئے اور نہ بعد دیکھے گئے۔ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ یہ کنکر سنگ گل (جھانولے) کی تھیں۔ ان میں خود کوئی طاقت نہ تھی۔ معمولی گارے سے بنی ہوئی تھیں۔ مگر حق تعالیٰ کی قدرت سے انہوں نے بہوں کا کام دیا اور سب کو تھس نہس کر دیا۔ سِجِّيلٌ بمعنی ڈول سے ماخوذ مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے۔ اِنَّهَا مُتَّبِعَةٌ كَثِيْرَةٌ كَالْمَاءِ الَّذِي يَصْبُ مِنَ الذَّلُوْ قِيلَ مِنَ الْاَسْجَالِ بمعنی الارسال والمعنی من مثل شیء مُرْسَلٍ وَمِنْ فِیْ جَمِیْعِ ذَلِکَ اِبْتِدَآئِیَّةٌ بعض نے اس کو کجل سے ماخوذ مانا ہے جس کے معنی لکھنے کے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ عذاب لکھا ہوا تھا۔ جیسا کہ دوسری قوموں کی سزائیں سب لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھیں۔ یا یہ کہ جس پر پہنچنا تھا وہ لکھا ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہر پتھر پر ایک پرچہ اس شخص کے نام کا چسپاں تھا جس پر اس کو گرنا تھا۔ پتھر کتنے بڑے تھے؟ پرندوں کے الوان واجہام کیا تھے؟ اس پر بھی بحثیں کی گئی ہیں۔ لیکن قرآن نے ان دوران کار چیزوں کو بیان نہیں کیا۔ اس لئے ہم نے بھی ان بحثوں کو چھوڑ دیا ہے۔

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ ..... عصف بھوسہ کو کہتے ہیں۔ اول تو بھوسہ ہی منتشر تنکے ہوتے ہیں۔ پھر جبکہ اس کو کسی جانور نے چبا لیا ہو اور باقی ماندہ روند دیا ہو تو وہ نہایت بے وقعت کوڑا کرکٹ ہو جاتا ہے۔ ابرہہ کے لشکر کا یہی حال ہو گیا تھا۔ جیسے روند اہوا بھس اور پامال و بے وقعت کوڑا کرکٹ ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ جانور بھس کھا کر جو گو بر یا لید کر دیتے ہیں اس سے وہ مراد ہے یعنی ان کے اعضائے بدن اس طرح چکنا، چور ہو گئے تھے جیسے گو بر اور لید میں بھس کے اجزاء ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

تم تفسیر سورۃ الفیل فالحمد لله الجلیل والصلوة والسلام علی حبیبہ امام الہدایۃ باللیل وعلی الہ وصحبہ الذین اہتدوا واهدوا الی سوائہ السبیل

## سُورَةُ الْقُرَيْشِ

### سُورَةُ الْقُرَيْشِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعُ آيَاتٍ

رکوع: ۱، آیات: ۴۔ سورۃ القریش مکہ میں نازل ہوئی اور آئیں چار آیات ہیں۔ کلمات: ۱۷، حروف: ۷۳۔

رابط و مناسبت:

اصحابِ فیل کے اس عجیب و غریب واقعہ نے (جس کا ذکر سورۃ فیل میں ہوا) تمام باشندگانِ عرب کے دلوں میں قریش کی عظمت بڑھادی تھی اور سب ماننے لگے تھے کہ یہ لوگ اللہ کے خاص بندے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں (ابرہہ اور اس کے لشکر) کو خود ہلاک فرمادیا۔ اس عظمت کا اثر تھا کہ قبیلہ قریش کے لوگ عرب کے مختلف ممالک کا سفر تجارت کی غرض سے کرتے۔ راستہ میں ان کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جاتا، اور کوئی خطرہ پیش نہ آتا، حالانکہ دوسروں کے لئے کوئی سفر نقصانات و خطرات سے خالی نہ ہوتا تھا۔ قریش کے انہیں مامون سفروں کا ذکر اس سورۃ قریش میں فرما کر ان کو شکرِ نعمت کی دعوت دی گئی ہے۔ اس سے دونوں سورتوں میں خاص مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ مضمون کے لحاظ سے یہ سورت سورۃ فیل سے بہت ہی مناسبت رکھتی ہے۔ شاید اسی شدید مناسبت کی وجہ سے بعض مصاحف میں ان دونوں سورتوں کو اس طرح ایک کر کے لکھا گیا ہے کہ ان کے درمیان میں بسم اللہ شریف بھی نہیں لکھی گئی۔ چنانچہ ایک گروہ نے دونوں کو ایک ہی سورت خیال کر لیا اور اسی قسم کی چیزوں سے استدلال کیا۔ مثلاً حضرت ابی بن کعبؓ کے مصحف میں ان دونوں میں بسم اللہ کا فصل نہ تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے نمازِ مغرب میں پہلی رکعت میں سورۃ والتین پڑھی۔ اور دوسری میں اَلَمْ تَرَ وَ لَا يَلْفِ پڑھیں اور دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں پڑھی۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ استدلال صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ مصحفِ ابی رضی اللہ عنہ کی نقل میں اختلاف ہے۔ بعض میں بسم اللہ ہے بعض میں نہیں، والمبثث مقدّم علی النافی۔ حضرت عمرؓ کی قراءت میں بھی احتمالات ہیں۔ ممکن ہے کہ بسم اللہ راوی نے سنی نہ ہو اور آپ نے پڑھی ہو۔ یا آہستہ سے پڑھی ہو وغیرہ و اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ لیکن صحیح و ثابت یہی ہے کہ سورۃ قریش ایک علیحدہ و مستقل سورۃ ہے۔ کیونکہ حضرت عثمان غنیؓ نے جب اپنے زمانہ میں تمام مصاحفِ قرآن کو یکجا جمع کر کے ایک نسخہ تیار کر لیا اور تمام صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہوا۔ (جمہور علماء اسی مصحفِ عثمانی کو امام کہتے ہیں) تو اس مصحفِ عثمانی میں دونوں کو دو مستقل سورتیں قرار دیا گیا اور بسم اللہ شریف بھی درمیان میں لکھی گئی، حضرت ام ہانی و حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات ایسی خصوصیات کے ذریعہ فضیلت عطا فرمائی کہ وہ خصوصیات نہ ان سے پہلے کسی کو ملیں نہ ان کے بعد کسی کو ملیں گی۔ (۱) میں اُن میں پیدا ہوا، نبوت ان میں ہوئی (۲) کعبہ کی در بانی ان کے لئے مخصوص رہی۔ (۳) حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت ان کو دی گئی۔ (۴) اصحابِ فیل کے مقابلہ میں انکو کامیابی ہوئی۔ (۵) سات اور ایک روایت میں دس ابرس تک قریش کے سوا کسی نے اللہ کی عبادت نہیں کی (یعنی نبوت کے ابتدائی دس سال میں ان کے علاوہ اور کوئی مسلمان نہیں ہوا۔ (و مولی القوم منهم فلا اشکال) (۶) قریش کے متعلق ایک سورت مستقل نازل کی گئی جس میں ان کے علاوہ کسی اور کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور وہ سورت لایلف قریش ہے۔ (رواہ الحاکم والطبرانی و البخاری فی التاریخ وغیرہم) اس حدیث سے بھی اس سورت کا استدلال معلوم ہوا، علاوہ ازیں دونوں سورتوں کی آیات کا طرز الگ الگ ہے۔ و انت تعلم ان بعد ثبوت تواتر الفصل لا یحتاج الی شیء مما ذکر۔

### خاصیت:

ابو الحسن قزوینی کہتے ہیں کہ جس شخص کو کسی دشمن یا کسی اور مصیبت کا خوف ہو اس کے لئے اس سورہ مبارکہ کا پڑھنا امان ہے۔ اس کو امام جزریؒ نے نقل کر کے فرمایا کہ یہ عمل آزمودہ مجرب ہے۔ صاحب تفسیر مظہریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے شیخ (حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ) نے خوف و خطر کے وقت اس سورت کے پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ہر بلا و مصیبت کو دفع کرنے کے لئے اس کا پڑھنا مجرب ہے۔ قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اس کا بار بار تجربہ کیا ہے میں کہتا ہوں کہ سفر میں اس کا پڑھنا آرام و راحت کا سبب ہے۔ ازدہام کے وقت گاڑیوں میں بیٹھنے کی جگہ بھی اس کے پڑھنے سے میسر آ جاتی ہے، بار بار تجربہ ہوا ہے۔

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

لَا يُلْفِ قُرَيْشٍ (۱) الْفِهْمُ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (۲) فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ (۳)

چونکہ قریش خُگر ہو گئے ہیں۔ یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خُگر ہو گئے ہیں۔ تو ان کو چاہیے کہ وہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کیا کریں

لَا يُلْفِ	قُرَيْشٍ	الْفِهْمُ	رِحْلَةَ	الشِّتَاءِ	وَالصَّيْفِ	فَلْيَعْبُدُوا	رَبَّ	هَذَا	الْبَيْتِ
واسطے الفت دلاتا	قریش	الفہم	سفر	جاڑا	اور گرمی	پس چاہئے کہ عبادت کریں	پروردگار	اس	گھر

الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (۴)

جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا۔ اور ان کو خوف میں امن دیا۔

الَّذِي	أَطْعَمَهُمْ	مِنْ	جُوعٍ	وَآمَنَهُمْ	مِنْ	خَوْفٍ
جس	کھلایا ان	سے	بھوک	اور امن دیا ان	سے	ڈر

### لغات:

**اِئْلَاف** مصدر افعال مانوس رکھنا، الفت کرنا، عہد، پروانہ راہ داری۔ اَلْفُ اَلْفًا (س) مانوس ہونا، محبت کرنا قُرَيْش: عرب کا مشہور قبیلہ، نسبت کے لئے قُرَيْشِی اور قُرَيْشِیُّ آتا ہے قَرَشٌ قَرَشًا (ن ض) کاٹنا، کمانی کرنا، برا بکلیہ کرنا، اکسانا، پھنخور ری کرنا وغیرہ، رِحْلَةُ مصدر (ف) سفر کرنا، کوچ کرنا، کچادہ کسنا، اس کے اصلی معنی اونٹ پر پالان کسے کے ہیں لیکن چونکہ اس کا مقصد کوچ اور سفر کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سفر کے معنی استعمال ہونے لگا،۔ الشِّتَاءُ جاڑا، موسم سرما، جمع اشتیاء، بعض علماء نے اسکو شتوۃ کی جمع بتایا ہے، شتاشتوۃ (ن) موسم سرما میں قیام کرنا، موسم سرما میں داخل ہونا، الصَّيْفُ موسم گرما، صایف، صایف (ض) موسم گرما میں قیام کرنا۔ جُوعٌ: بھوک جَاعٌ جوعاً وَمَجَاعَةً (ن) بھوکا ہونا۔

### ترکیب:

اِئْلَافِ قُرَيْشِ مرکب اضافی مبدل منہ۔ اِلْف مضاف اپنے الیہ فاعل هُمْ اور مفعول بہ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ

وَالصِّیْفِ (مرباضانی) سے ملکر بدل اشتمال۔ مبدل اپنے بدل سے ملکر لام کا مجرور، جار مجرور متعلق فعل محذوف، اصل عبارت یہ ہے اَنَا اَهْلُکُنَا اَصْحَابُ الْفِیْلِ لَا یَلْفُ ..... یا فعل محذوف اَعْجَبُوا ہے یا فعل مؤخر فَلْيَعْبُدُوا کے متعلق ہے اس صورت میں فَلْيَعْبُدُوا پر فاء اسلئے ہے کہ پہلے جملہ میں شرط کے معنی پائے جاتے ہیں ای فان لم یُعْبُدِ الْقُرَیْشُ رَبَّهُمْ لِسَائِرِ نِعْمَاتِهِ فَلْيَعْبُدُوهُ تَعَالٰی لَا یَلَا فِیْهِمْ رَحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصِّیْفِ ففی هذه الصورة الفاء فصیحۃ تفصح عن شرط محذوف۔ فافہم۔ بعض نے کہا کہ اس لام کا تعلق سورت سابقہ کی آخری آیت میں لفظ جَعَلَ سے ہے والقرآن کُلُّہ کَالسُّورَةِ الْوَاحِدَةِ فَلَا یَضُرُّ الْفَصْلَ بِالْبِسْمَلَةِ اَوْ هُوَ کَالْتَضْمِیْنِ فِی الشَّعْرِ۔ ای فجعل اصحاب الفیل کعصفٍ مَّا کَوَّلِ لَا یَلْفُ قُرَیْشِ الخ یعنی ان ذلک الاتلاف لہذہ الا یلف فَلْيَعْبُدُوا کے متعلق کے علاوہ تمام صورتوں میں فاء تفریعیہ ہوگی۔ فَلْيَعْبُدُوا فعل ضمیر جمع مذکر (عائد الی قریش) فاعل رَبُّ هَذَا الْبَلَدِ مرکب اضافی موصوف الذی اسم موصول۔ اگلے دونوں جملے معطوفین ملکر صلہ موصول وصلہ صفت۔ مرکب توصیفی مفعول بہ جملہ فعلیہ ہوا۔

تفسیر:

لَا یَلْفُ قُرَیْشِ حرف لام کا تعلق اَهْلُکُنَا محذوف سے مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے ہاتھی والوں کو جو قریش کے دشمن تھے اس لئے ہلاک کیا کہ قریش گرمی و سردی کے سفروں کے عادی تھے، تاکہ ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ اور سب کے دلوں میں ان کی عظمت پیدا ہو کر مزید سہولتوں اور آسانیوں کا سبب بنے۔ اور اَعْجَبُوا کے متعلق مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تعجب کرو قریش کے معاملہ سے کہ وہ کس طرح سردی گرمی کے سفر بے خطر آزادانہ کرتے ہیں۔ اور اگر اسکا تعلق فَلْيَعْبُدُوا سے ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ قریش اگر دوسری بے شمار نعمتوں کی بنا پر اللہ کی عبادت نہیں کرتے تو اس نعمت کی شکرگزاری کے طور پر تو ان کو ضرور عبادت میں لگ جانا چاہیے کہ ان کو سردی و گرمی کے دو سفروں سے خاص لگاؤ پیدا کر دیا ہے جس سے ان کے معاش کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔ اور ان کو مامون رکھا جبکہ سفر میں بہت خطرات ہیں۔ اور ان کے دشمن ہلاک کر کے خانہ کعبہ کو محفوظ رکھا۔ نیز ان کی عظمت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی جس کی وجہ سے ان کو مزید راحتیں میسر آ گئیں۔

اور اگر سورۃ فیل کی آخری آیت سے تعلق مانا جائے تو مطلب وہی ہوگا جو اوّل احتمال پر ہوا۔ بہر حال اس سورت میں ارشاد ہے کہ قریش مکہ چونکہ دو سفروں کے عادی تھے۔ ایک سردی میں یمن کی طرف، دوسرا گرمی میں شام کی طرف۔ اور انہی دو سفروں پر ان کی تجارت اور کاروبار کا مدار تھا اور اسی تجارت کی وجہ سے وہ مالدار بنے ہوئے تھے۔ اور فارغ البال رہ کر بیت اللہ کی خدمت کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن اصحاب فیل کو عبرت ناک سزا سے ہلاک کیا تاکہ ان کی عظمت لوگوں کے قلوب میں اور بڑھ جائے۔ پھر یہ لوگ تمام ممالک میں جہاں جائیں ان کی تعظیم و تکریم کی جائے، ان خصوصی انعامات کا تقاضا یہ ہے کہ یہ لوگ اس منعم کا شکر ادا کریں۔ اور اسی کی عبادت کرتے رہیں۔

قبیلہ قریش:

قبیلہ کنانہ کی ایک شاخ عرب میں خاندان قریش کے ساتھ مشہور تھی۔ اسلام سے پہلے تمام قبائل عدنان پر اس

کو برتری حاصل تھی۔ طلوع اسلام کے بعد تو پوری ملت اسلامیہ نے اس کی عظمت تسلیم کر لی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کے مورث اعلیٰ تک تیرہ (۱۳) پشتیں ہیں۔ اور اس سے اوپر عدنان تک سات پشتیں ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عبد اللہ، عبد المطلب، ہاشم، عبد مناف، قصی، کلاب، مرہ، کعب، لوی، غالب، فہر، مالک، نضر۔ قریش کا مورث اعلیٰ یہی نضر ہے۔ اسی کو قریش کہا جاتا ہے۔ اس سے اوپر کا سلسلہ کنانہ، خزیمہ، مدرکہ، الیاس، مضر، نزار، معد، عدنان ہے (لغات القرآن) وهو اصح الاقوال واثبتھا عند القرطبی۔ قیل وعلیہ الفقہاء لظاہر ما روی انہ علیہ السلام سئل عن قریش فقال من ولد النضر وقیل ولد فہر بن مالک بن النضر وحکی ذلک عن الاکثرین بل قال الزبیر بن بکار: اجمع النسابون علی ان قریشاً انما تفرقت عن فہر واسمہ عند غیر واحد قریش، وفہر لقبہ، ویکنی بابی غالب..... (روح المعانی)

قبائل قریش کی تین شاخیں تھیں۔ کچھ قبائل تو وادی کے اندر آباد تھے۔ جن کو قریش ابراہیم یا قریش بطحاء کہا جاتا تھا۔ ان میں مندرجہ ذیل قبائل شامل تھے۔ بنی عبد مناف، بنی اسد بن عبد العزیٰ، بنی زہرہ، بنی تمیم، بنی مخزوم، کچھ وادی کے باہر بالائی حصوں میں آباد تھے۔ ان کو قریش ظواہر کہا جاتا تھا۔ ان میں بنی ادرم بن غالب، بنی محارب، بنی فہر اور بنی مصیص شامل تھے۔ تیسری شاخ نے مکہ کی سکونت ترک کر دی تھی۔ بنی اسامہ بن لوی عمان میں جا کر بس گئے تھے۔ اور بنی شعمیمامہ میں۔ مکہ کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ اس کو خود بخود مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ شمالی جانب شام و عراق اور ایران کو سڑک جاتی تھی۔ اور جنوبی جانب یمن، حبش اور مصر کو، مکہ دونوں سڑکوں کے وسط میں واقع تھا۔ مکہ کے چار حصے تھے۔ ہر حصہ کا حکمران اس کا شیخ ہوتا تھا۔ پوری بستی پر کسی ایک آدمی کی حکومت نہ تھی۔ ام القریٰ کے اند بنی کعب بن لوی رہتے تھے۔ ان کے برابر بنی عامر بن لوی آباد تھے۔ تجارتی غرض سے یہ لوگ ملک شام بھی جاتے۔ وہاں رومن اور یونانی تمدن دیکھنے کا بھی موقع ملتا اور کسی قدر مغربی تہذیب سے بھی روشناس ہوتے تھے۔ آس پاس والے محض بدوی و صحرائی تھے۔ ادھر مدینہ والے صرف زراعت پیشہ تھے۔ انہی وجوہ نے مکہ کو تجارتی مرکز بنا دیا تھا۔ دوسری قوموں کو دیکھ کر انہوں نے کسی قدر نظام اجتماعیت بھی پیدا کر لیا تھا۔ اگرچہ کوئی شخص یا شورائی حکومت اندرونی طور پر نہ تھی۔ پھر بھی قریش کی ہر شاخ کی ایک ایسی اجتماعی ہیئت ضرور تھی جو دوسری شاخ کی اجتماعیت سے ٹکراتی نہ تھی۔ ہاں بیرونی دفاع کے وقت سب مجتمع ہو جاتے تھے۔ قریش کے ایلاف کا ایک مطلب یہ (اجتماعیت) بھی ہو سکتا ہے۔ (لغات القرآن ص ۹۹، ۱۰۰ ج ۵)

قریش کی وجہ تسمیہ:

حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے قریش کی وجہ تسمیہ پوچھی تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قریش ایک بڑا دریائی جانور ہوتا ہے۔ جس طرف اس کا گذر ہوتا ہے اگر کوئی موٹا، دبلا جانور اس کے سامنے آتا ہے تو وہ اس کو کھا لیتا ہے۔ مگر اس کو کوئی نہیں کھا سکتا۔ وہ سب پر غالب آتا ہے، اس پر کوئی غلبہ نہیں پاتا۔ اس جانور کو قریش بھی کہتے ہیں اور قریش بھی (۲) قاموس میں ہے کہ یہ قَرَشَہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کاٹنا اور جمع کرنا۔ ضم کر دینا۔ قریش بھی سب حرم میں مجتمع تھے۔ یہ بھی وجہ تسمیہ ہو سکتی ہے کہ قریش تجارتی سامان جمع کرتے اور خریدتے تھے۔ یا یہ وجہ ہے کہ نضر بن کنانہ اپنے کپڑے میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا تو لوگوں نے کہا تَقَرَّش۔ یا یہ وجہ ہے کہ جب نضر بن کنانہ اپنی قوم کے پاس آیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ تو قریش ہے۔ یعنی قوی اونٹ ہے۔ (۳) فراء کہتے ہیں کہ یہ تَقَرَّش سے ماخوذ ہے جس کے معنی کمانے کے ہیں کیونکہ وہ لوگ

تجارت سے کمائی کرتے تھے۔ اس لئے ان کو قریش کہا گیا۔ (۴) بعض کہتے ہیں کہ یہ تقریش سے ہے جس کے معنی تفتیش کے ہیں۔ کیونکہ ان کے جدا جدا حاکموندوں کو تلاش کرتے تھے تاکہ ان کی حاجت براری کریں۔ اس لئے ان کو قریش کہتے ہیں۔

### قریش کی فضیلت:

شروع (ربط کے ذیل) میں روایت گزر چکی ہے کہ قریش کو سات خصوصیات ایسی عطا ہوئی ہیں کہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی کو نہیں ملیں۔ اس سورت سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ تمام قبائل عرب میں قریش اللہ کے نزدیک سب سے زائد محبوب و مقبول ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ اسماعیل میں سے کنانہ کو اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ تمام آدمی قریش کے تابع ہیں خیر میں بھی اور شر میں بھی۔ ان میں استعداد قریش کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کفر میں بھی مقتدار ہے اور اسلام میں بھی پیشوا بنے۔ اسی لئے بڑے بڑے صحابہ اور کارِ اولیاء اللہ بیشتر قریش میں ہوئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قریش میں ہوئی۔ تو سب سے اول ایمان و احکام کے مکلف قریش ہی ہوئے۔ باقی لوگ ان کے بعد مکلف قرار پائے کما قال تعالیٰ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ وفی اٰیةٍ اُخْرٰی ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ﴾ لہذا جو قریشی ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے ان کو اپنے ایمان و اعمال کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں آنے والوں کے برابر اور ملے گا کیونکہ وہ رہنما ہوئے۔ اسی لئے یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے بعد مرتبہ میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔ اسی طرح جو ایمان نہیں لائے وہ بھی اپنے کفر اور بعد والوں کے کفر کے برابر عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش میں جب تک دوا دی بھی رہیں یہ امر (خلافت) ان ہی میں رہیگا۔ بخاری شریف میں حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک قریش دین کو قائم رکھیں گے یہ امر (خلافت) ان میں رہیگا۔ جو ان سے دشمنی رکھے گا اللہ اس کو منہ کے بل گرا دیگا۔ حضرت سعد کی روایت میں ہے کہ جو شخص قریش کو ذلیل کرنا چاہیگا اللہ اس کو ذلیل کریگا۔ (ترمذی)

رَحْلَةُ الشَّتَاءِ وَالصَّيْفِ ..... مکہ مکرمہ ایسی جگہ آباد ہے جہاں نہ زراعت ہوتی نہ باغات ہیں کہ وہاں کے باشندوں کو ان سے غلہ اور پھل مل سکیں۔ اسی لئے بیت اللہ کے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے بچہ اور بیوی کو اس مقام پر چھوڑتے وقت یہ دعا فرمائی تھی ﴿رَبَّنَا اِنْسِيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَاَرْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ (اے مالک! میں نے اپنی نسل کو ایسی جگہ آباد کر دیا ہے جہاں کھیتی باڑی نہیں یعنی آپ کے خانہ کعبہ کے پاس، اے ہمارے مالک نیت یہ ہے کہ یہ لوگ نماز قائم کریں۔ لہذا آپ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ فرمائیے اور ان کو پھلوں سے رزق عطا فرمائیے) دوسری جگہ ہے ﴿وَاَرْزُقْ اَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ یعنی یہاں کے باشندوں کو پھلوں سے روزی دیتے تھے، اس لئے اہل مکہ کے معاش کا مدار اس پر تھا کہ وہ تجارت کے لئے سفر کریں، اور باہر سے اپنی ضروریات مہیا کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اہل مکہ بڑے افلاس اور تکلیف میں تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدا جدا ہاشم نے قریش کو دوسرے ملکوں میں تجارت کے لئے آمادہ کیا، ملک شام، عسقلان، ملک ہے اس لئے ہاشم گرم مایں وہاں اور ملک یمن گرم ملک ہے اس لئے موسم سرما میں اس طرف تجارت کر کے منافع حاصل کرتے تھے۔



اور چونکہ یہ لوگ بیت اللہ کے خادم ہونے کی بنا پر تمام عرب میں مقدس و محترم شمار ہوتے تھے۔ اس لئے راستوں کے خطرات سے بھی محفوظ رہتے تھے۔ اور ہاشم کیونکہ ان سب کے سردار تھے، ان کا طریقہ یہ تھا کہ اس تجارت میں جو منافع ہوتے وہ قریش کے امیروں اور غریبوں سب ہی پر تقسیم کر دیتے تھے۔ اس طرح ان کا غریب آدمی بھی مالداروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ پھر حق تعالیٰ نے ان پر مزید یہ احسان فرمایا کہ ان کو ہر سال کے دوسروں کی زحمت سے بھی اس طرح بچا دیا کہ مکہ مکرمہ سے ملے ہوئے علاقہ یمن، نبالہ و حرش کو اتنا سرسبز و زرخیز بنادیا کہ وہاں کا غلہ وہاں کے باشندوں کی ضروریات سے اس قدر زائد ہوتا تھا کہ وہ لوگ اس کو جدہ لا کر فروخت کرتے تھے۔ اس طرح اکثر ضروریات زندگی جدہ میں ملنے لگیں۔ مکہ والے طویل سفروں کی بجائے صرف دو منزلوں پر جا کر جدہ سے سب سامان لانے لگے، آیت مذکورہ میں اس انعام، و احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کو ان دوسروں کا عادی بنا کر ان کے اسباب حیات کا نظم فرمایا گیا۔

فائدہ..... اس معبد (خانہ کعبہ) کے ارد گرد کو ناقابل زراعت بنایا۔ تاکہ وہاں جانے والے باغات اور سرسبز پہاڑوں کی سیر و تفریح کی نیت سے وہاں نہ جائیں۔ پھر وہاں کے باشندوں کو دنیا کی نعمتوں سے محروم بھی نہیں رکھا، بلکہ دنیا بھر کی اقسام و انواع کی پیداوار کو وہاں پہنچانے کے اسباب مہیا فرمادیے۔ اور وہاں کے باشندوں کو تجارت کا خوگر بنادیا۔ خصوصاً سردی و گرمی کے دوسروں کو بطور خرق عادت حق تعالیٰ نے قریش کے لئے اتنا خوش آئند و پر لطف بنادیا کہ بجائے زحمت ان میں ان کے لئے لذت پیدا فرمادی۔ اور ان کا سردی و گرمی کے سفروں کا خوگر ہونا اسلام کی ترقی کا چند وجوہ سبب بنا۔

(۱) جہاد و ہجرت کے سفر ان پر شاق نہ ہوئے کہ مدینہ سے لیکر کابل، اندلس، قسطنطنیہ، مصر، شام، وغیرہ مختلف ممالک میں ان حضرات نے جہاد کے اسفار کئے۔ (۲) اسفار تجارت میں مختلف قوموں کی عادتوں کے تجربات ہوئے۔ جو اشاعت اسلام اور امور ریاست و سیاست میں ان کے کام آئے۔ حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو سفروں کا عادی بنا کر اشاعت اسلام کے اسباب پہلے سے مہیا فرمادیے، کہ سب سے پہلے اس کو ایسی قوم عطا کی جن کو پہلے سے ہی حوصلہ، لیاقت و جفا کشی اور اولوالعزمی کے جوہر دے دیئے گئے تھے۔

فَلْيَعْبُدُوا..... انعامات کے ذکر کے بعد قریش کو خصوصی طور پر اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں اور ان انعامات کا شکوہ ادا کریں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے رَبُّ الْيُسْتِ کی صفت کو خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا کہ یہی بیت (خانہ کعبہ) ان تمام فضائل و برکات کا سرچشمہ اور انعامات ربانی کا مرکز و سبب ہے۔

الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ..... اس میں قریش مکہ کے لئے ان تمام عظیم نعمتوں کو جمع فرمادیا جو انسان کی راحت و عیش کے لئے ضروری ہیں۔

الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ میں کھانے پینے کی ضروریات داخل ہیں۔ اور اَمْنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ میں دشمنوں، ڈاکوؤں اور ناگہانی آفتوں نیز مزن امراض وغیرہ کے خوف سے مامون ہونا بھی شامل ہے اور اخروی عذاب سے بھی امن کا اشارہ ملتا ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ حرم میں رہنے والوں کو جزام جیسا موذی مرض لاحق نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

فائدہ..... حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جو شخص اس آیت کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کریگا حق تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت کے خطرات سے محفوظ و مامون فرمادیں گے۔ اور جو اس سے اعراض کرے یا نوا حق تعالیٰ اس سے دونوں قسم کے امن سلب کر لیتے ہیں۔

جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً﴾ (پ ۱۳ ع ۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک محفوظ و مامون بستی تھی، ہر جگہ سے اس میں رزق خوب فراوانی سے آتا تھا۔ پھر اس بستی والوں نے اللہ کے انعامات کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک اور خوف کی پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ اور یہ سب ان کی کرتوتوں کی وجہ سے ہوا۔ حاصل یہ ہوا کہ مکہ دارالامن ضرور ہے مگر بشرط عبادت رب ورنہ الحرم لا یعیذ عاصیاً ولا فاراً بدم۔ واللہ اعلم۔

تم تفسیر سورة قریش فالحمد للرب العرش العظيم والصلوة والسلام علی نبیہ الکریم وعلی الہ وصحبہ وائمة الدین القویم

## سُورَةُ الْمَاعُونِ

### سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

(دکوع ۱ آیات ۷۔ سورة ماعون مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں سات آیات ہیں۔ کلمات ۲۵۔ حروف ۱۲۵)

رابط و مناسبت:

سورة قریش میں انعامات یاد دلا کر حق تعالیٰ نے اپنی عبادت کی رغبت دلائی تھی۔ اور عبادت ہی بندہ کو اپنے مولیٰ سے ملانے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس سورت میں قریش کے وہ مہلک امراض روحانیہ بیان ہوئے ہیں جو گمراہ گن اور خدا سے ملنے میں سد راہ ہیں۔ اسکے علاوہ جزوی مناسبات ظاہر ہیں۔ مثلاً وہاں اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ فرمایا تھا۔ یہاں طعام مسکین پر نہ ابھارنے کی مذمت ہے۔ وہاں رب البیت کی عبادت کا حکم تھا اور یہاں سب سے بڑی عبادت نماز سے غفلت پر وعید ہے وہاں قریش پر انعامات کا ذکر تھا اور ان میں سے اکثر بحث و جزا پر ایمان نہ رکھتے تھے۔ یہاں تکذیب پر تہدید ہے وغیرہ۔

سورة ماعون:

اس سورة کی آراء یسٹ الذہبی، سورة تکذیب اور سورة دین بھی کہتے ہیں، جمہور کے قول کے مطابق یہ سورت مکہ ہے۔ درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ و حضرت زبیرؓ سے بھی یہی مروی ہے، ابن عباسؓ کی ایک روایت اور قتادہ و شاک کا مسلک یہ ہے کہ یہ سورت مدنیہ ہے، مفسر ضریر یہ اللہ کا قول ہے کہ اس سورت کا نصف اول کی ہے جو عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوا۔ اور نصف آخر مدنی ہے جو عبد اللہ بن ابی منافق کے بارے میں نازل ہوا۔ جمہور کا قول قوی تر ہے وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ اس سورت میں ماعون کا لفظ مذکور ہے۔ اسی طرح دوسرے ناموں کے الفاظ بھی سورت میں موجود ہیں۔

شان نزول:

ابو جہل مردود کی عادت تھی کہ جب کوئی مالدار بیمار ہوتا تھا تو وہ اسکے پاس آ کر بیٹھتا اور کہتا کہ آپ اپنے قیموں کو میرے سپرد کر دیں۔ اور ان کے حصہ کا مال میرے پاس امانت رکھ دیں میں ان کی ایسی خبر گیری و خدمت گزاری کروں گا کہ آپ کے ورثہ نہیں کر سکتے۔ اس طرح ان کا مال اپنے قبضہ میں لے لیتا۔ اور قیموں کو اپنے دروازہ سے دھک کار دیتا پھر وہ در بدر ٹھوکریں کھاتے، ابرگی کو چوں میں بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن ایک پرہیزگار یتیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اس ملعون کی شکایت کی آپ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ فہمائش کی، آخرت کے حساب

وعذاب سے ڈرایا۔ مگر اس ملعون نے ایک نہ سنی، بلکہ قیامت کو جھٹلادیا اور آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا آپ اس کی بیہودگی سے رنجیدہ ہو کر دولت کدہ پر تشریف لائے تو یہ سورت نازل ہوئی (فتح العزیز) بعض نے عاص بن وائل کا اسی قسم کا واقعہ بیان کیا ہے۔ دراصل ابو جہل، عاص بن وائل، امیہ بن خلف وغیرہ مشرکین عموماً یتیموں، بیسوں اور کمزروں پر ظلم کرنے کے عادی تھے۔ واقعہ کسی کا بھی ہو۔ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالْذِّیْنِ (۱) فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدْعُ الْیَتِیْمَ (۲) وَلَا یَحْضُ عَلٰی طَعَامِ

کیا آپ نے اس کو دیکھا جو جزائے انکار کرتا ہے؟ سو وہ شخص وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور محتاج کو کھانا دینے کی ترغیب بھی نہیں دیتا۔

اَرَءَیْتَ	الَّذِیْ	یُكَذِّبُ	بِالَّذِیْنِ	فَذٰلِكَ	الَّذِیْ	یَدْعُ	الْیَتِیْمَ	وَلَا	یَحْضُ	عَلٰی	طَعَامِ
کیا دیکھا تو	اس شخص	جھٹلاتا ہے	کو جزا	پس یہ	وہ شخص جو	دھکے دیتا ہے	یتیم	اور	نہیں	رغبت دلاتا	اوپر کھانا دینے

الْمُسْكِیْنِ (۳) فَوَيْلٌ لِّلْمُصْلِیْنَ (۴) الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۵)

پھر ان نمازیوں کے لئے خرابی ہے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔

الْمُسْكِیْنِ	فَوَيْلٌ	لِّلْمُصْلِیْنَ	الَّذِیْنَ	هُمْ	عَنْ	صَلَاتِهِمْ	سَاهُوْنَ
مسکین	پس وائے	نماز پڑھنے والوں	جو کہ	وہ	سے	اپنی نماز	غافلین

الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُ وَ (۶) وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۷)

جو لوگ دکھلاوا کرتے ہیں اور زکوٰۃ بالکل نہیں دیتے۔

الَّذِیْنَ	هُمْ	یُرَآءُ	وَیَمْنَعُوْنَ	الْمَاعُوْنَ
جو کہ	وہ	دکھلاتے ہیں	اور منع کرتے ہیں	برتنے کی چیز

لغات:

سَاهُوْنَ: صیغہ جمع مذکر اسم فاعل بھولنے والے، غافل۔ بے خبر۔ دراصل سَاهُوْنَ بروزن فَاعِلُوْنَ تھا ضمہ ی پر ثقیل تھا، ما قبل کو دیدیا۔ اجتماع ساکنین کی وجہ سے اسے حذف کر دیا گیا۔ غفلت سے جو خطا سرزد ہوتی ہے وہ سہوہ ہے۔ اگر غیر اختیاری سبب سے ہے تو قابل مؤاخذہ نہیں۔ جیسے دیوانہ کا گالی گلوچ کرنا دیوانگی کے سبب۔ اور جس کا سبب اختیاری ہے وہ سہو قابل ملامت و مؤاخذہ ہے۔ جیسے شراب پی کر گالیاں بکنا یا دوسری قسم کی مذمت قرآن پاک میں وارد ہے۔ سَهَا سَهْوًا و سَهْوًا (ن) غافل ہونا، بھولنا، سہو نسیان میں فرق یہ ہے کہ سہو میں بات ذہن سے نکل جاتی ہے۔ قوت حافظہ سے نہیں جاتی۔ اور نسیان میں قوت حافظہ سے بھی نکل جاتی ہے۔ اسی لئے سہو میں دوبارہ محنت کی ضرورت نہیں ہوتی نسیان میں ہوتی ہے۔ الْمَاعُوْنَ: بھلائی، حسن سلوک، پانی، بارش، گھر کا سامان، فرمانبرداری، زکوٰۃ وغیرہ۔ لغت میں لفظ ماعون کے مختلف معانی آتے ہیں۔ جو چیز کسی مانگنے والے کے مدد کے لئے دیدی جائے وہ بھی ماعون کہلاتی ہے۔ اور جو روک لی جائے وہ بھی ماعون

ہے۔ اسی لئے بعض اہل لغت کا قول ہے کہ ماعون کی اصل مَعُونَةٌ تھی۔ الف تاء کے عوض بڑھایا گیا ہے۔ یہ قول بلادِ لیل ہے مگر اس لفظ کے مفہوم کے مناسب ہے کہ جودل نشین چیز دی جاتی ہے وہ دوسرے کے لئے سببِ معونت بن جاتی ہے جو نہیں دی جاتی وہ اپنے لئے باعثِ معونت ہوتی ہے۔ اس لئے دونوں صورتوں میں اس کو ماعون کہا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ ایامِ جاہلیت میں ہر منفعت و عطیہ کو ماعون کہتے تھے۔ اور اسلام میں طاعت، خیرات اور زکوٰۃ کا نام ماعون ہو گیا۔ اسی لئے ماعون کے ترجمہ میں علماء و مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ جیسا کہ عنوانِ تفسیر میں مذکور ہے۔

ترکیب:

أَرَاءَيْتَ فَعْلٌ بِأَفَاعِلِ الدَّيِّ اِسْمٌ مَوْصُولٌ بِأَفَاعِلِ الدَّيِّ (جملہ فعلیہ) سے ملکر مفعول بہ جملہ فعلیہ  
فَ جَزَائِهِ ذَلِكْ مَبْتَدَا الدَّيِّ اِسْمٌ مَوْصُولٌ بِدَعِ النَّيِّمِ فَعْلٌ فَاعِلٌ مَفْعُولٌ بِجَمْلَةٍ فَعْلِيَّةٍ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ وَلَا يَخْصُ فَعْلٌ ضَمِيرٌ  
فَاعِلٌ عَلَىٰ أَيْ جَرُّ مَجْرُورِ طَعَامِ الْمُسْكِينِ سِوَا مَلَكٍ مُّتَعَلِّقٍ جَمْلَةٍ فَعْلِيَّةٍ مَعْطُوفٌ - مَعْطُوفِينَ صَلَّ، مَوْصُولٌ وَصَلَهُ لَمَّا خَبَرَ جَمْلَةً اِسْمِيَّةً  
جَزَائِهِ شَرْطٌ مَحْذُوفٌ اِیْ اِنْ لَمْ تَعْرِفْهُ وَارْذَتْ اَنْ تَعْرِفْهُ فَذَلِكَ اَلْحِ وَیْلٌ مَبْتَدَا الْمُصْلِحِينَ مَوْصُوفِ الدَّيِّ اِسْمٌ  
مَوْصُولٌ هُمْ مَبْتَدَا سَاهُونَ اَيْ اِسْمٌ مُّتَعَلِّقٌ مُّقَدِّمٌ عَنْ صَلَاتِهِمْ سِوَا مَلَكٍ خَبَرَ - مَبْتَدَا خَبَرَ جَمْلَةً اِسْمِيَّةً صَلَّ، مَوْصُولٌ وَصَلَهُ صِفَتِ اَوَّلَى -  
هُمْ مَبْتَدَا اَبْرَاءُ وَنَ جَمْلَةٍ فَعْلِيَّةٍ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ فَعْلٌ فَاعِلٌ مَفْعُولٌ بِجَمْلَةٍ فَعْلِيَّةٍ مَعْطُوفٌ مَعْطُوفِينَ لَمَّا خَبَرَ، جَمْلَةً  
اِسْمِيَّةً صَلَّ - مَوْصُولٌ وَصَلَهُ لَمَّا صِفَتِ ثَانِيَةِ الْمُصْلِحِينَ اِثْنِیْ دُونِ صِفَتِ سِوَا مَلَكٍ مَجْرُورِ لَامٍ - جَارٌ وَمَجْرُورٌ مُّتَعَلِّقٌ مَحْذُوفٌ ثَابِتٌ  
خَبَرٌ وَیْلٌ كِی، جَمْلَةً اِسْمِيَّةً جَزَائِهِ شَرْطٌ مَحْذُوفٌ اِیْ اِذَا كَانَ مَا ذَكَرْ مِنْ عَدَمِ الْمَبَالَاةِ بِالنَّيِّمِ وَالْمُسْكِينِ مِنْ دَلَائِلِ  
التَّكْذِیْبِ فَوَیْلٌ ..... وَاللَّهُ اَعْلَمُ۔

تفسیر:

اس سورت میں کفار و منافقین کی چند بدکرداریوں اور بد اعمالیوں کا ذکر اور ان پر جہنم کی وعید مذکور ہے۔ یہ افعالِ قبیحہ اگر کسی مؤمن سے سرزد ہوں جو جزا کی تکذیب نہیں کرتا تب بھی شرعاً مذموم اور سخت گناہ ہیں مگر وعید مذکور ان پر لاگو نہیں ہوگی، اس لیے ان افعال کے ذکر سے پہلے اس شخص کا ذکر کر دیا گیا جو اس وعید کا مستحق ہے اور وہ ہے منکر قیامت و مذنب جزا، اس میں اس طرف اشارہ ضرور ہے کہ یہ افعال ذمہ جن کا ذکر اس سورت میں ہے کفار کے لائق ہیں اور مؤمن کی شان سے بعید تر ہیں۔ یہ ایسے بدترین گناہ ہیں جن کا مرتکب کوئی کافر و منکر ہی ہو سکتا ہے وہ برے اعمال جن کا اس سورت میں ذکر ہے یہ ہیں: (۱) یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین۔ (۲) باوجود قدرت محتاجوں کو کھانا نہ دینا اور دوسروں کو ترغیب نہ دینا۔ (۳) نماز پڑھنے میں غفلت و لاپرواہی برتنا۔ (۴) ریاکاری کرنا۔ (۵) زکوٰۃ ادا نہ کرنا۔ ایسی کجی کرنا کہ معمولی چیزوں سے دوسروں کو نفع نہ پہنچانا۔ یہ اعمالِ بد اپنی ذات کے اعتبار سے بھی بہت مذموم اور سخت گناہ ہیں۔ اور جب کفر و تکذیب کے نتیجے میں سرزد ہوں تو ان کا وبال دائمی عذابِ جہنم ہے۔

أَرَاءَيْتَ ..... اس میں استفہام برائے تعجب ہے یا تقریری ہے۔ اور روایت سے مراد روایتِ بصری (دیکھنا) یا قلبی (جاننا، پہچانا) ہے۔ خطاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر مخاطب کو۔ یہ آیت عاص بن وائل سہمی کے بارے میں نازل ہوئی، (مقاتل) یا ولید ابن مغیرہ کے حق میں (سدی) و ابنِ کيسان (یا عمرو بن عامر مخزومی کے متعلق (ضحاک) یا

ابو جہل کے بارے میں، ان تمام اقوال کی بنا پر سوزت کا ابتدائی حصہ یقیناً مکمل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ اَرَاءَ يُمْتُ الْاَلَدِي..... ایک منافق کے متعلق نازل ہوئی۔ اس روایت کے پیش نظر پوری سورت بظاہر مدنیہ معلوم ہوتی ہے (مرفصلیہ) دین سے مراد یہاں اسلام و شریعت ہے یا جزا ہے۔

فَلْذَلِك..... بندگان حق پر مظالم کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس ظالم کو آخرت و حساب کتاب کا یقین نہیں ہے۔ اور جسکو حساب و جزا کا یقین ہو گا وہ ہر قسم کی حق تلفیوں سے خصوصاً حقوق العباد میں کوتاہی سے بہت دور رہے گا۔

قَوْلِ..... ان آیات میں منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو دکھلانے اور اپنے دعوائے اسلام کو ان کی نظروں میں ثابت کرنے کے لئے نماز تو پڑھتے ہیں مگر چونکہ وہ نماز کی فرضیت ہی کے قائل و معتقد نہیں۔ اسلئے نہ اوقات کی پابندی کرتے ہیں نہ اصل نماز کی، جہاں دکھلانے کا موقع ہو اپڑھ لی ورنہ ترک کر دی۔

عَنْ صَلَاتِهِمْ میں لفظ عَنْ کا مفہوم یہی ہے کہ وہ اصل نماز ہی سے بے پروائی کرتے ہیں۔ رہا نماز میں سہو و نسیان کا ہو جانا یہ یہاں مراد نہیں۔ یہ سہو و نسیان ہر مسلمان کو پیش آتا ہے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آیا اگر یہ مراد ہوتی تو لفظ عَنْ کے بجائے لفظ فِي کا استعمال ہوتا (فِي صَلَاتِهِمْ) احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد بار نماز میں سہو واقع ہوا۔ حضرت انسؓ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول مذکور ہے۔ دونوں نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ فرمایا اور فِي صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ نہیں فرمایا۔ امام بغویؒ نے مصعب بن سعدؓ کی روایت نقل کی ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ کا مطلب پوچھا گیا، آپ نے فرمایا اس کا مطلب ہے نماز کو ضائع کر دینا، ابویعلیٰ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے سَاهَوْنَ وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر دیتے ہیں۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ سَاهَوْنَ وہ لوگ ہیں جو مقررہ وقت پر نماز نہیں پڑھتے اور رکوع و سجود کو پورا ادا نہیں کرتے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو پرواہ نہیں ہوتی کہ نماز پڑھی یا نہیں پڑھی۔ بعض نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو نماز پڑھ کر ثواب کی امید نہیں ہوتی۔ اور نہ پڑھ کر عذاب کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ مجاہد نے کہا یہ لوگ نماز میں غفلت و سستی کرنے والے ہیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ہیں جو دکھلانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں۔ فوت ہو جاتی ہے تو افسوس نہیں ہوتا۔ یہ عبارتیں مختلف ہیں لیکن مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے۔ اور وہ بے بے یقینی و بے ایمانی سے پیدا ہونے والی غفلت۔ واللہ اعلم۔

وَيَسْمَعُونَ الْمَاعُونَ..... حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، قتادہؓ، حسنؓ، شحاکؓ، وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے وجہ یہ ہے کہ ماعون کے اصل معنی تھوڑی چیز کے آتے ہیں۔ اور زکوٰۃ بھی مال کا تھوڑا سا حصہ ہوتا ہے۔ جمہور مفسرین سے یہی تفسیر منقول ہے۔ دوسرے بہت سے حضرات نے ماعون سے ایسی استعمال چیزیں مراد لی ہیں جو عادیہ ایک دوسرے کو ماریہ دی جاتی ہیں۔ اور جن کا باہم لین دین عام انسانیت و مروت کا تقاضا سمجھا جاتا ہے۔ جیسے ڈول، کھانا، پھانسی، کپڑے، برتن جن کا ضرورت کے وقت پڑوسیوں کو مانگ لینا کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ اور جو ان چیزوں کے دینے میں بخل کرے وہ برا سمجھا جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؓ، مجاہدؓ، محمد بن کعبؓ، ابن عمرؓ وغیرہ سے یہی منقول ہے۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ ماعون سے براہی و ادنیٰ چیز مراد ہے۔ اعلیٰ چیز تو زکوٰۃ ہے اور اعلیٰ استعمال کا تحریر و بیان ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ ماعون سے مراد وہ معمولی اشیاء ہیں جن کا منع کرنا درست

نہیں۔ جیسے پانی، نمک اور آگ۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ پانی تو خیر معمولی چیز ہے۔ نمک اور آگ میں کیا بات ہے، فرمایا حمیرا جس نے آگ دیدی اس نے گویا اس آگ سے پکا ہوا کھانا دیدیا، اور جس نے نمک دیدیا تو اس نے گویا اس نمک سے درست کیا ہوا کھانا دیدیا۔ اور جس نے ایسے مقام پر جہاں پانی ملتا ہے کسی مسلمان کو پانی پلا دیا اس نے گویا ایک غلام آزاد کر دیا۔ اور اگر ایسے مقام پر پانی پلا دیا جہاں پانی نہیں ملتا اس نے گویا اس کو زندہ کر دیا۔ (ابن ماجہ)

لیکن جمہور کا قول ہی درست ہے۔ اور ماعون سے یہاں مراد زکوٰۃ ہی ہے۔ کیونکہ اس کے نہ دینے پر یہاں ویل جہنم کی وعید مذکور ہے جو ترک فرض ہی پر ہو سکتا ہے۔ اور استعالیٰ اشیاء کا دینا گو بڑا ثواب اور انسانیت و مروت کا تقاضا ہے مگر فرض و واجب نہیں۔ جس کے ترک پر جہنم کی وعید ہو، اور جن روایات میں اس کی تفسیر استعالیٰ اشیاء اور برتنوں وغیرہ سے کی گئی ہے ان کا مطلب ایسے لوگوں کی انتہائی حسرت کا اظہار ہے کہ یہ لوگ زکوٰۃ تو کیا دیتے ایسی معمولی اشیاء جن کے دینے میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اس میں بھی کنجوسی کرتے ہیں۔ تو وعید صرف ان اشیاء کے نہ دینے پر نہیں بلکہ زکوٰۃ فرض کی ادائیگی نہ کرنے پر ہے۔ اور اس کے ساتھ مزید بخل شدید پر بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ:

اس چھوٹی سی سورت میں اصول سعادۃ، حقوق اللہ اور حقوق العباد نیز تہذیب الاخلاق اور سیاست مدن و تدبیر منزل، حکمت نظریہ و حکمت عملیہ وغیرہ کو کس حیرت انگیز طریقہ پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ کلام الہی کا ہی کمال ہے کہ ایک بڑے سمندر کو کوڑہ میں بند کر کے پیش کر دیا گیا۔ اس کی قدرے تفصیل تفسیر حقانی میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ہماری اس مختصر میں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں۔

تم تفسیر سورة الماعون ف سبحان الله والحمد لله الذى اذا اراد اشيئان يقول له كن فيكون وصلى الله تعالى على من امن به الاولون والاخرون واقتدى به الانبياء والمسلمون وعلى اله واصحابه الذين هم بهديه وهدايتة مهتدون

## سُورَةُ الْكَوْثَرِ

سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُ آيَاتٍ

(رکوع ۱۔ آیات ۳ سورۃ کوثر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں تین آیات ہیں۔ کلمات ۱۰۔ حروف ۴۲)

رابط و مناسبت:

(۱) کہ سورت پہلی سورۃ کے مقابلہ میں ہے۔ سورۃ ماعون میں منافق و بددین کے چار بڑے اوصاف بیان کئے گئے تھے (۱) بخل (۲) ریا (۳) ترک صلوٰۃ (۴) منع زکوٰۃ۔ اس سورت میں بخل کے مقابلہ میں انسا اعطینک الکوثر فرمایا اور ترک صلوٰۃ کے مقابلہ میں فَصَلْ (اٰیْ دُمْ عَلٰی الصَّلٰوۃ) فرمایا۔ اور ریا کے مقابلہ میں لِرَبِّکَ (ای لِرِضَانِه لَا لِلنَّاسِ) فرمایا۔ اور منع ماعون کے مقابلہ میں وَانْحَرُ فرمایا۔ و اراد به سبحانه و تعالیٰ التصدق بلحوم الاضاحی، فافہم

(۲) سورۃ ماعون میں حکمت کے تمام اقسام بیان ہوئے تھے جیسا کہ اخیر میں اشارہ کر دیا گیا وہاں اس طرف بھی

اشارہ ہے کہ بعض بنی آدم ایسے کم نصیب اور بد بخت بھی ہیں جو ان تمام حکمتوں سے یا ان میں سے بعض سے محروم ہیں ایسے لوگ دراصل ابتر منقطع النسل ہیں کہ مرنے کے بعد ان کا نام باقی رہا اور نہ بہتر یادگار۔ ان کے مقابلہ میں اس سورۃ کوثر میں آپ کو اور آپ کے متبعین کو خوش نصیب قرار دیا گیا کہ آپ کو خیر کثیر کا ایسا بے پایاں سمندر عطا ہوا ہے کہ عالم ہمیشہ ہمیش اس سے سیراب رہے گا اور آپ کی جسمانی و روحانی نسلیں اس آب حیات سے سیراب ہوتی رہیں گی اور ہمیشہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام تابندہ و پائندہ رہے گا۔

سورۃ کوثر کا شان نزول:

یہ سورت بھی اکثر علماء کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن زبیرؓ، مقاتل اور کلبی رحمۃ اللہ علیہما سے یہی منقول ہے۔ مگر مجاہد، قتادہ، حسن بصری اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ علامہ سیوطی نے الاقان میں اسی کو درست قرار دیا ہے اور علامہ نووی نے بھی شرح مسلم میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ سبب نزول کی روایات سے دونوں قولوں کی تائید ہوتی ہے۔ علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس کا نزول دو (۲) مرتبہ ہوا ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں و حینئذ فلا اشکال۔

شان نزول:

ابن ابی حاتم نے سدی سے اور بیہقی نے حضرت محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ جس کی مذکر اولاد مر جاتی، اہل عرب اس کو ابتر یعنی مقطوع النسل کہا کرتے تھے جب نبی کریم کے صاحبزادے قاسم یا ابراہیم (رضی اللہ عنہما) کا انتقال ہو گیا تو کفار مکہ ابتر کہہ کر آپ کو طعنہ دینے لگے ایسا کہنے والوں میں عاص بن وائل سہمی کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے سامنے جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا تو کہتا کہ ان کی بات چھوڑو کوئی فکر نہ کرو کیونکہ وہ ابتر (مقطوع النسل) ہیں جب ان کا انتقال ہو جائیگا تو کوئی ان کا نام لینے والا بھی نہ رہے گا اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ کعب بن اشرف یہودی ایک مرتبہ مکہ مکرمہ آیا تو قریش مکہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اس نوجوان کو نہیں دیکھتے جو کہتا ہے کہ وہ ہم سب سے (دین کے اعتبار سے) بہتر ہے حالانکہ ہم حجاج کی خدمت اور بیت اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں اور لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔ کعب نے یہ سن کر کہا نہیں تم لوگ اس بے بہتر ہو اس پر یہ سورۃ کوثر نازل ہوئی۔

حاصل یہ ہے کہ کفار مکہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد ذکر نہ ہونے کی وجہ سے ابتر ہونے کے طعنہ دیتے تھے یا دوسری وجہ سے آپ کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتے تھے ان سب کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں ان کے طعنوں کا جواب بھی ہے کہ صرف اولاد دینہ نہ رہنے کی وجہ سے آپ کو مقطوع النسل کہنے والے حقیقت سے بے خبر ہیں آپ کی نسی نسل بھی دنیا میں قیامت تک رہے گی اگرچہ دختری اولاد سے ہو۔ اور نسل معنوی و روحانی بھی قیامت تک رہیگی یعنی آپ پر ایمان لانے والے مسلمان جو درحقیقت نبی کی روحانی اولاد ہوتے ہیں وہ تو اس کثرت سے ہوں گے کہ تمام انبیائے سابقین کی امتوں سے بڑھ جائیں گے اور اس میں کعب بن اشرف کے قول کی تردید بھی ہے۔

فائدہ..... ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سورت مکہ سے دوسری بعض روایات اس کے مدنیہ ہونے پر دال ہیں مثلاً مسلم شریف میں حضرت انسؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف

فرماتے اچانک آپ پر ایک غفلت طاری ہوگئی، کچھ دیر کے بعد مسکراتے ہوئے سر اٹھایا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے مسکرانے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا ابھی ایک سورت اتری ہے۔ پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴿اَنَا اعطینک الکوتر فصل لربک وانحر ان شانک هو الابر﴾ پڑھی اور فرمایا تم کو معلوم ہے کہ کوتر کیا چیز ہے؟ الی آخر الحدیث۔

ابن جریر نے سعید بن جبر کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت فَصَلَ لِرَبِّکَ وَاَنْحَرُ حدیبیہ کے دن اتری حضرت جبریل نے آکر کہا قربانی کرو اور لوٹ کر چلے جاؤ، اس حکم پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا خطبہ میں بال کتروانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا پھر دو رکعت نماز پڑھی اور جا کر اونٹوں کو ذبح کیا۔ (مظہری)

صاحب مظہری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اَنَا اعطینک الکوتر کا نزول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی وفات کے قریب نہیں ہوا کیونکہ حضرت قاسم کی وفات تو مکہ میں ہجرت سے پہلے اور بقول بعض بعثت سے پہلے ہوئی تھی اور حضرت محمد بن علی کی روایت کی سند میں جابر بھی ہے جو انتہائی جھوٹا تھا اور واقدی کا قطعی خیال ہے کہ حضرت ابراہیم کی وفات دس ربیع الاول سن ۱۰ نبوی کو ہوئی (کذا فی سبیل الرشاد) اس آیت کے شان نزول میں صرف دو روایات صحیح ہیں ایک مسلم کی جو حضرت انسؓ سے مروی ہے دوسری ابن عباس کی جو بزاز نے بیان کی ہے جس میں کعب بن اشرف کی مکہ آمد اور قریش کا اس سے سوال مذکور ہے۔ (مظہری) لیکن روایات کی روشنی میں صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سورت کا نزول مکرر ہوا ہے ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

اَنَا اعطینک الکوتر (۱) فَصَلَ لِرَبِّکَ وَاَنْحَرُ (۲) اِنْ شَانِکَ هُوَ الْاَبْرُ (۳)

بے شک ہم نے آپ کو کوتر عطا فرمائی۔ سو آپ اپنے رب کی نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔ یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام نشان ہے۔

اَنَا	اَعْطَيْتُكَ	الْكُوتْرُ	فَصَلَ	لِرَبِّكَ	وَاَنْحَرُ	اِنْ	شَانِكَ	هُوَ	الْاَبْرُ
تحقیق (ہم)	دی ہم تجھ	کوتر	پس نماز پڑھ واسطے	پروردگار اپنے	اور قربانی کر	تحقیق	دشمن تیرا	وہی	بے نسل

لغات:

الکوتر بروزن فوعل کثرت سے ماخوذ ہے مبالغہ فی الکثرة کے لئے ہے جیسے نوفل نفل سے اور جوہر جہر سے ہے۔ جو چیز مقدار، تعداد، قدر و مرتبہ اور برکت میں زیادہ ہو اہل عرب اس کو کوتر کہتے ہیں۔ یہاں کیا مراد ہے تفسیر میں ملاحظہ کریں گے۔ انحر صیغہ امر نحو (ف) سے مشتق ہے جس کے معنی قربانی کرنے کے ہیں نحو سینہ کا بالائی حصہ، جہاں قلادہ پڑا ہوتا ہے اسی اعتبار سے نحو کے معنی سینہ پر مارنے یا ذبح کرنے کے آتے ہیں شانی دشمن یا سم فاعل کا صیغہ ہے شنلا (ف) وشنی (س) شَنَاوْ شَنْلَا و شَنَانَا و مَشْنَا و مَشْنَاةٌ: بغض رکھنا، دشمنی کرنا، نفرت کرنا، الابر کتا ہوا، دم کتا، چھوٹا یا زہریلا سانپ، وہ شخص جس کی اولاد نہ ہو جس کا ذکر باقی نہ رہے بتر بتراً (ن) کا شابر بتراً (س) کٹ جانا۔



## ترکیب:

اَنَا حرف مشبہ بہ فعل معا سم اَعْطَيْنَا فعل بافاعل اَنَا مفعول اول الکوثر مفعول ثانی۔ جملہ فعلیہ خبر اَنَا، اِنِّ اپنے اسم و خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ف تعریفیہ صَلَّ فعل بافاعل لِرَبِّكَ متعلق جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَاَنْصَحُ فعل بافاعل جملہ فعلیہ معطوف۔ اِنِّ اپنے اسم شانینک (مرکب اضافی) اور خبر الَاَبْتَر سے ملکر جملہ اسمیہ۔ اور هُوَ ضمیر فصل ہے جو مفید تخصیص ہے۔ اور اس کا کوئی محل اعراب نہیں یا ہو مبتدا اور الَاَبْتَر خبر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ان۔

## تفسیر:

اَنَا اَعْطَيْنَا لِرَبِّكَ الْكَوْثَرَ ..... (بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی) کوثر کے لغوی معنی تو اوپر معلوم ہو چکے، لیکن اس کا مصداق یہاں کیا ہے؟ اس سلسلے میں روایات و آثار اور اقوال بہت ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں پندرہ اقوال کو خوب شرح و بسط سے ذکر کیا ہے صاحب روح المعانی نے سولہ سترہ اقوال ذکر کر کے فرمایا ہے وفی التحریر ستة وعشرون قولاً فیہ۔ ذیل میں ہم بطور خلاصہ ان میں سے قابل ذکر اقوال کو ذکر کرتے ہیں۔

## کوثر کیا ہے؟

(۱) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ کوثر وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد سعید بن جبیر سے کسی نے کہا کہ بعض کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے تو فرمایا کہ ابن عباسؓ کا قول اس کے منافی نہیں ہے بلکہ وہ نہر جنت جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس خیر کثیر میں داخل ہے امام تفسیر مجاہد نے بھی کوثر کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ دارین کی خیر کثیر ہے اور اس میں جنت کی خاص نہر کوثر بھی داخل ہے۔ (۲) کوثر جنت کی وہ نہر ہے جو آپ کو شب معراج میں دکھائی گئی تھی جسکے کنارے موتیوں کے خیمے ہیں اور اس کا پانی مشک کی طرح خوشبودار ہے آپ نے جبریل سے پوچھا یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی۔ (بخاری و مسلم) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں ہے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے بڑھ کر شیریں ہے۔ اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر تو وہ بڑے لطیف ہوں گے ارشاد فرمایا اے عمر! ان کا کھانا ان سے زیادہ لطیف ہے۔ (احمد و ترمذی)

حضرت حمزہؓ کی بیوی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو جنت میں ایک نہر دی گئی ہے جس کو کوثر کہتے ہیں فرمایا ہاں اور اسکی زمین موتی مونگوں اور زبرجد اور یاقوت کی ہے وہ اتنی بڑی ہے جتنی ایلا سے صنعاء تک کی مسافت ہے اس کے کوزے ستاروں کی تعداد کے موافق ہیں (طبرانی) طبرانی کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ کوثر جنت میں بڑے پھاٹ کی نہر ہے جس کے برتن سونے چاندی کے ہیں ان کی تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ابن عمرؓ کی روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے کنارے سونے کے ہیں اور پانی موتیوں (کی زمین) پر بہتا ہے (احمد و ترمذی، ابن ماجہ) حضرت عائشہؓ سے آیت مذکورہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کوثر جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عطا فرمایا ہے۔

(۳) وہ حوض کوثر ہے جو محشر میں ہوگی (پل صراط سے پہلے) بعض کہتے ہیں کہ دو حوضیں ہوں گی ایک محشر میں ایک پل صراط کے بعد۔ اور دونوں کا نام کوثر ہوگا بعض کہتے ہیں کہ دراصل نہر جنت ہی کوثر ہے محشر وغیرہ میں وہیں سے لائی جائے گی۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ کوثر ایک حوض ہوگا جو ایک عظیم فرشتہ کی کمر پر ہوگا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے وہ آپ کے ساتھ ہوگا۔ ولا یعجز اللہ تعالیٰ شیءاً۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ۔ ایک دن جبکہ مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے اچانک آپ پر ایک قسم کی نیند یا بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی، پھر ہنستے ہوئے آپ نے سرمبارک اٹھایا، ہم نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا مجھ پر اسی وقت ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے بسم اللہ اور سورۃ کوثر پڑھی اور فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ کوثر کیا ہے۔ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ جس میں خیر کثیر ہے۔ اور وہ حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن پانی پینے کے لئے آئیگی۔ اسکے پانی پینے کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے۔ اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے حوض سے ہنادیں گے تو میں کہوں گا کہ میرے پروردگار یہ تو میرے امتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی نئی باتیں پیدا کیں تھیں۔ ابن کثیرؒ نے اس کے بعد مزید لکھا ہے کہ: حوض کی صفت میں روایات حدیث میں آیا ہے کہ اس میں دو پرنا لے آسمان سے گریں گے جو نہر کوثر کے پانی سے حوض کو بھر دیں گے اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے (یعنی بی شمار ہوں گے)۔

اس حدیث سے سورۃ کوثر کا سبب نزول بھی معلوم ہوا (کما مر) لفظ کوثر کی صحیح تفسیر بھی یعنی خیر کثیر اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس خیر کثیر میں وہ حوض کوثر بھی شامل ہے جو روز قیامت امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میراب کرگی۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اصل نہر کوثر جنت میں ہے۔ اور یہ حوض کوثر میدان حشر میں ہوگی۔ اس میں دو پرنا لوں کے ذریعہ نہر کوثر کا پانی ڈالا جائیگا۔ اس سے ان تمام روایات میں تطبیق ہوگئی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کوثر محشر میں ہے یا بعد الصراط ہے یا جنت میں اور امت کا ورود اس پر جنت سے پہلے ہوگا یا جنت میں، اور روایت مذکورہ میں جو بعض لوگوں کو حوض سے ہنادینے کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو دین سے پھر گئے یا جنہوں نے بدعات گھڑ کر دین میں داخل کر کے دین کو مسخ کرنے کی کوشش کی تھی۔ احادیث صحیحہ میں حوض کوثر کے پانی کی صفائی، شیرینی، اسکے کناروں کا سونے جواہرات وغیرہ سے مرصع ہونا یہ ایسے اوصاف ہیں کہ ان کو دنیا میں کسی چیز پر قیاس نہیں کر سکتے۔

تنبیہ:

یہ بھی یاد رکھئے کہ حوض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ ہر نبی کا حوض ہوگا، جیسا کہ ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں مذکور ہے۔ لیکن ان تمام حوضوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ کیونکہ ان کا ثبوت احادیث متواترہ یا مشہورہ سے نہیں۔ بلکہ وہ سب احاد ہیں۔ بل قیل لانتکاد تبلیغ الصحۃ۔ ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر پر ایمان لانا ضروری ہے لکن احادیثہ بلغت مبلغ التواتر عندنا خلافاً للمعتزلة المنکرین لذلک صاحب مظہرؒ فرماتے ہیں کہ حوض کوثر کے متعلق روایات نقل کرنے والے صحابہؓ کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔ جن میں ﴿حضرت ابوبکرؓ﴾ ﴿حضرت عمرؓ﴾ ﴿عثمانؓ﴾ ﴿حضرت علیؓ﴾ ﴿حضرت مسعودؓ﴾ ﴿حضرت ابن عباسؓ﴾ ﴿حضرت

حسن بن علیؑ ﴿﴾ حضرت حمزہ بن عبد المطلب ﴿﴾ حضرت عائشہ صدیقہؑ ﴿﴾ حضرت ام سلمہؑ ﴿﴾ حضرت ابو ہریرہؑ ﴿﴾ حضرت ابی بن کعب عبد الرحمن بن عوف ﴿﴾ حضرت جابر بن عبد اللہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ﴿﴾ بھی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے بذو سافرہ میں تقریباً ۷۰ احادیث ترتیب وار نام بنام صحابہؓ کی نقل کی ہیں۔ (۴) کوثر سے اولاد کی کثرت مآد ہے۔ اس لئے کہ یہ سورت انہیں لوگوں کی تردید میں اتری ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر (مقطوع النسل) کہا تھا، اولاد و قسم کی ہے، جسمانی، روحانی، آپ کی جسمانی نسل بھی بکثرت ہے۔ اور روحانی نسل تو ساری امت ہے۔ جو تمام امتوں سے زائد ہے۔ (۵) ابوبکر بن عیاش ویمان بن وثابؓ کہتے ہیں کہ آپ کے اصحاب و اشیاع (پیروکار) تاقیامت مراد ہیں۔ یہ قول رابع کی دوسری تعبیر ہے۔ (۶) آپ کی امت کے علماء اولیاء ہیں۔ امت محمدیہ میں جس قدر اہل کمال علماء و اولیاء گزرے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ وہ کسی امت کو نصیب نہیں ہوئے۔ (۷) کوثر کا مصداق نبوت عظمیٰ ہے جو اعلیٰ درجہ کی خیر کثیر ہے۔ یہ آپ کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ (۸) حسنؓ کہتے ہیں کہ کوثر قرآن مقدس ہے جس کے فضائل و برکات بیشمار ہیں۔ (۹) دین اسلام ہے اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ دارین کی حسنت و برکات دامن اسلام ہی سے وابستہ ہیں۔ (۱۰) وہ فضائل روحانیہ کوثر ہیں جو آپ کو منجانب اللہ حاصل ہوئے۔ (۱۱) جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ آپ کے قلب منور کا نور کوثر ہے۔ (۱۲) کوثر سے مراد رفعت ذکر ہے۔ کہ ہر جگہ آپ کا نام تعظیم سے لیا جاتا ہے۔ اور ہر وقت دنیا میں آپ کا ذکر ہوتا ہے۔ (۱۳) آپ کے وہ علوم ہیں جن کے متعلق آپ نے فرمایا اُوْنِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنِ وَالْاٰخِرِیْنِ۔ (۱۴) آپ کا خلق عظیم ہے۔ (۱۵) کوثر مقام محمود ہے جو آپ کا مخصوص مرتبہ ہے جس پر آپ قیامت کے دن تشریف فرما ہوں گے۔ (۱۶) بلالؓ کہتے ہیں کہ کوثر سے مراد دولت توحید ہے جو آپ کی عطا فرمائی گئی۔ (۱۷) ایثار کی صفت ہے جو آپ کو سب سے زائد ملی۔ (۱۸) وہ فضائل و کمالات کثیرہ ہیں جن سے آپ متصف تھے۔ (۱۹) کوثر یہ سورت مبارکہ ہے۔ جو الفاظ میں سب سے کم صرف تین آیات پر مشتمل ہے۔ مگر بیشمار مطالب و مضامین کو حاوی ہے۔ جس کا مقابلہ عرب کے کسی بلغ و شاعر سے نہ ہو سکا۔ مشہور ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے فصحاء و بلغاء اپنے اس کلام کو جو ان کے نزدیک بے مثل ہوتا تھا لکھ کر بطور تفاخر کعبۃ اللہ کے پردے پر لگا دیتے تھے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو اس کلام سے سب شعراء حیران رہ گئے۔ اور سب نے کعبۃ اللہ سے اپنے اپنے کلام اتار لئے۔ پھر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ کعبۃ اللہ پر اپنا کلام آویزاں کرے ایک استاذ الشعراء کے سامنے جب یہ کلام پیش کیا گیا تو اس نے اس کو دیکھ کر اس کے آخر میں لکھ دیا واللہ ماہذا من کلام البشر۔ (۲۰) کوثر سے مراد وہ اعلیٰ مقام قرب ہے جس سے اوپر کوئی مقام کسی بندہ کے لئے ممکن نہیں۔ اور اصل بات یہ ہے کہ سب ہی اقوال خیر کثیر کی تفسیرات و تفصیلات ہیں۔ و ماصح من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تفسیر الکوثر بالنہر وغیرہ فمن باب التمثیل والتخصیص لنکتہ والا فماصح من الحدیث فهو التفسیر المتعین لایجوز العدول منه الی تفسیر اخر۔ فافہم فوائد:

(۱) انشاء شروع میں لایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ یہ عطاسب سے بڑے معطی کی ہے۔ اور ہر معطی اپنی شان کے مطابق عطاء کرتا ہے۔ (۲) عاشق صادق کو جو فرحت و مسرت محبوب کی ذات سے ہوتی ہے، اس کے عطیات سے نہیں ہوتی، اس لئے اولاً انا فرما کر اپنی ذات کی طرف متوجہ کیا گیا۔ پھر صفات کی طرف۔ (۳) اَعْطٰیْنَا فَرَمٰیَا تَنْیْٰنَا نہیں فرمایا گیا۔ کیونکہ

اتباء عام ہے کسی خدمت کے صلہ میں ہو یا مفت ہو۔ بخلاف اعطاء کے کہ وہ کرم ہی کرم ہوتا ہے۔ کسی خدمت کا معاوضہ اور صلہ نہیں ہوتا۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ جو کچھ عطا ہوا ہے وہ ہمارے فضل سے ہوا ہے۔ جس کا شکر واجب ہے۔ (۴) ماضی کا صیغہ لایا گیا تاکہ مضارع کا، تاکہ معلوم ہو کہ یہ صرف وعدہ ہی وعدہ نہیں بلکہ دیدیا گیا ہے پھر یقینی چیز کو ماضی سے تعبیر کر دینا محاورہ بھی ہے۔ گویا اس اکرام الاکر میں کا وعدہ دیدینا ہی ہے۔ لَآ اِنَّ اللہَ لَا یُخْلِفُ الِوَعْدَ۔ (۵) خطاب میں لَآ لایا گیا تاکہ نہیں لایا گیا تاکہ یہ مفہوم ہو کہ یہ عطا صرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہے اس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ اور جس کو اس عطا کی برکات نصیب ہوں گی وہ صرف آپ کے طفیل میں ہوں گی۔ بالاستقلال نہیں کیسی ہی کوئی عبادت و ریاضت کر لے جب تک آپ کا دامن نہ پکڑے، اتباع نہ کرے محروم ہی رہے گا۔

نماز کو کوثر سے کمال مشابہت ہے:

**فصل لَوْنِک** (صرف اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں) کمال اخلاص کیساتھ کامل ترین عبادت کا حکم دیا گیا۔ جیسا انعام ویسا ہی اس کا شکر جس طرح کوثر (خیر کثیر) جامع ترین عطا ہے نماز بھی جامع ترین عبادت ہے پھر اس کو کوثر سے اس طرح بھی خاص مناسبت ہے کہ وہ اس میں اپنے خالق سے مناجات و عجز و نیاز شہد سے زیادہ شیریں ہے اور نمازی پر جو انوار غیبیہ نازل ہوتے ہیں وہ دودھ سے زیادہ سفید و روشن اور لذیذ تر ہوتے ہیں۔ اور قلب کو اس سے جو سرور اور چین نصیب ہوتا ہے۔ وہ برف سے زیادہ سرد ہوتا ہے۔ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور نماز کے آداب و سنن ان سرسبز درختوں اور جواہر کی پتھریوں کے مشابہ ہیں جو حوض کثر کے کناروں پر ارد گرد ہیں۔ اور اذکار و تسبیحات جو نماز کے ارکان میں ہیں یہ اس کے روشن آنجوروں اور نورانی کوزوں کے مشابہ ہیں۔ یہ تو عطاء کوثر کا بدنی اور جانی لشکر ہے۔ شکر مالی کو آگے لفظ و انحر سے بیان فرمایا ہے کہ آپ قربانی بھی کریں۔

وَالْاَنْحَرُ: بنحر سے مشتق ہے۔ اونٹ کی قربانی کو بنحر کہا جاتا ہے۔ جن کا مستون طریقہ اس کا پاؤں باندھ کر حلقوم میں نیزہ یا چھری مار کر خون بہا دینا ہے۔ اور گائے بکری وغیرہ کی قربانی کا طریقہ ذبح کرنا یعنی جانور کو لٹا کر اس کے حلقوم پر چھری پھیرنا ہے۔ عرب میں چونکہ قربانی اونٹ کی ہوتی تھی اس لئے قربانی کے لئے یہاں لفظ و انحر استعمال کیا گیا۔ علاوہ ازیں لفظ بنحر مطلق قربانی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سورت کی پہلی آیت میں کفار کے زعم باطل کی تردید کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر یعنی دنیا و آخرت کی ہر خیر اور وہ بھی کثیر مقدار میں عطا فرمانے کی خوش خبری دی گئی۔ پھر اس عطا کے شکر کے لئے دو چیزوں کی ہدایت کی گئی۔ ایک نماز دوسرے قربانی، جس طرح نماز بدنی عبادتوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح قربانی بھی مالی عبادتوں میں اس بنا پر خاص امتیاز و اہمیت رکھتی ہے کہ اللہ کے نام پر قربانی کرنا بت پرستی کے شعار کے خلاف جہاد بھی ہے۔ کیونکہ کفار کی قربانیاں بتوں کے نام پر ہوتی تھیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں ایک اور آیت میں بھی نماز کے ساتھ قربانی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي﴾

(ف) جمہور کے نزدیک یہاں نحر سے مراد قربانی کرنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، عطاء، مجاہد، حسن بصریؒ وغیرہ سے مستند روایات سے یہ بات ثابت ہے۔ بعض لوگوں نے و انحر کے معنی نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے بعض ائمہ تفسیر کی طرف منسوب کئے ہیں۔ اس کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہ روایت منکر (ناقابل اعتبار) ہے۔ پھر قربانی بھی عام ہے حج میں ہو یا عید الاضحیٰ کے دن ہو یا عقیقہ میں ہو جس طرح صلی میں مطلق نماز کا حکم فرض ہو یا نفل کیونکہ مکہ میں نماز بھی

فرض ہو چکی۔ آپ نوافل بھی بکثرت پڑھتے تھے۔ اور قربانی بھی عہد ابراہیمی سے چلی آرہی تھی، گو کفار نے ابراہیمی طریقہ میں تحریف کر دی تھی کہ قربانی بتوں کے نام پر کرتے تھے۔ جس طرح نماز میں تالیاں بجاتے اور کودتے تھے پھاندتے تھے اس طرح آیت میں دونوں قسم کی عبادتوں کی اصلاح بھی فرمادی گئی۔

(۲) بعض علماء نے وَاَنْفَحِرْ کو بھی نماز کے افعال ہی میں داخل کیا ہے۔ پھر اس میں بھی متعدد اقوال ہیں: (۱) تکبیر اولیٰ کے وقت سینہ تک ہاتھ اٹھانا مراد ہے۔ (۲) ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ (۳) دُعا کے وقت سینہ تک ہاتھ اٹھانا۔ (۴) جلسہ استراحت کرنا کہ سینہ سیدھا ہو جائے۔ مگر جمہور کا مسلک روایات سے مؤید ہے۔ نیز جمہور کے مسلک پر آیت کے دونوں جملوں سے دو حکم ثابت ہوتے ہیں وَاَلْتَّاسِيسُ خَيْرٌ مِنَ التَّاسِكِدِ۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَلْبَتَرُ یہ معلوم ہو چکا کہ یہ آیت ان کفار کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ کو مقطوع التسلال ہو نیکا طعنہ دیتے تھے الحمد للہ یہ پشتگوئی پوری ہوئی کہ آپ کے دشمن سب بے نشان ہوئے۔ اور آپ کی جسمانی و روحانی نسل سے پوری دنیا آباد ہے۔ اور پورے عالم میں آپ کا شہرہ، ذکر اور چرچا ہر وقت ہو رہا ہے۔ اور آخرت میں شفاعت کبریٰ و مقام محمود و غیرہ کے مراتب آپ ہی کے لئے ہیں۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ کی اتباع و پیروی اور آپ سے تعلق و وابستگی ہی سے دارین کی سعادت میسر آ سکتی ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عناد اور دشمنی و مخالفت رکھے گا وہ محروم و بے نام و نشان ہو جائے گا۔

تم تفسیر سُورَةُ الْكَافِرُونَ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِهِ الْاَنُوْرُ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَلِیْ یَوْمِ الْمَحْشَرِ

## سُورَةُ الْكَافِرُونَ

سُورَةُ الْكَافِرُونَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ اَيَاتٍ

(رکوع ۱- ایات ۶) سورۃ کافرون مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چھ آیات ہیں۔ کلمات ۲۶- حروف ۹۴)

اس سورت کا نام سورۃ عبادۃ، سورۃ اخلاص اور سورۃ مقشقه (برآة) بھی ہے۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت بھی مکہ ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حسنؓ اور عکرمہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ دوانی کہتے ہیں کہ یہ سورت بالاقاف مکہ ہے۔ مگر صحیح نہیں کیونکہ حضرت ابن زبیرؓ حاکم اور قتادہؓ سے مروی ہے کہ یہ سورت مدنیہ ہے۔

ربط و مناسبت:

سورۃ کوثر میں آپ کو دارین میں کامیابی کی بشارت دی گئی۔ جس میں اتباع کی کثرت، شوکت و عظمت وغیرہ بھی داخل ہیں۔ پھر نماز اور قربانی کے اعمال سے آپ کے قلب کو مزید مضبوط فرمادیا گیا۔ اور اس سورۃ کافرون میں تمام دنیا کے

بُت پرستوں اور اہل باطل کے سامنے کھلے الفاظ میں اعلان عام کرایا گیا کہ تم کافر ہو، میں تمہارے طریق سے بیزار و بری ہوں۔ تمہارے معبودوں کی جس طرح عبادت نہیں کرتا ہوں آئندہ بھی نہیں کر سکتا۔ جس طرح تم میرے اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ نہیں کر سکتے۔

### شانِ نزول:

ابن اسحق کی روایت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور اُمیہ ابن خلف (بعض روایات میں ابو جہل اور اسود بن عبد یغوث کے نام بھی ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا (بعض روایات میں ہے کہ حضرت عباسؓ کی معرفت کہلا کر بھیجا) کہ آئیے ہم آپس میں اس پر صلح کر لیں کہ ایک سال آپ ہمارے نبیوں کی عبادت کیا کریں، اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں (قرطبی) اور ابن عباسؓ سے طبرانی کی روایت میں ہے کہ کفار مکہ نے اول تو باہمی مصالحت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ صورت پیش کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیتے ہیں کہ آپ مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں۔ اور جس عورت سے آپ چاہیں اس سے ہم آپ کا نکاح کرادیں۔ آپ صرف اتنا کریں کہ ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہا کریں، اور اگر آپ یہ نہیں مانتے تو پھر ایسا کر لیں کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کیا کریں اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیا کریں۔ (مظہری) اور ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے باہمی مصالحت کے لئے یہ صورت پیش کی تھی کہ آپ ہمارے بتوں میں سے بعض کو صرف ہاتھ لگادیں تو ہم آپ کی تصدیق کرنے لگیں گے۔ اس پر جبریل علیہ السلام سورۃ کافرون لیکر نازل ہوئے جس میں کفار کے اعمال سے براءت اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے شانِ نزول کے جو متعدد واقعات بیان ہوئے ان میں کوئی تضاد نہیں، ممکن ہے کہ یہ سب واقعات پیش آئے ہوں۔ اور سب کے جواب میں اس سورت کا نزول ہوا ہو جس کا حاصل ایسی مصالحت سے روکنا ہے۔

### سورت کے فضائل و خواص:

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھی ہیں وہ دونوں سورتیں جو فجر کی سنتوں میں پڑھی جاتی ہیں سورۃ کافرون، اور سورۃ اخلاص (مظہری) تفسیر ابن کثیر میں متعدد صحابہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی سنتوں میں اور مغرب کے بعد والی سنتوں میں بکثرت یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، وغیرہ نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے پچیس ۲۵ بار اور بعض روایات میں ہے کہ ایک ماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں سورتیں فجر کی اور بعد مغرب کی سنتوں میں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (روح المعانی)

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں کوئی دُعا بتا دیجئے جو ہم سونے سے پہلے پڑھا کریں۔ تو آپ نے قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ پڑھنے کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ شرک سے براءت ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو تم سب ساتھیوں سے زیادہ خوشحال و بامراد ہو۔ اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! بیشک میں ایسا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ آخِرُ قرآن کی پانچ سورتیں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ، قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ

الْفَلَقِ اور قل اعوذ برب الناس پڑھا کرو، اور ہر سورت کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرو اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پر ختم کرو۔ حضرت جبیر کا بیان ہے کہ میں تھا تو دولت مند اور بڑا مالدار لیکن سفر میں میری حالت فرسودہ ہو جاتی تھی اور زاردارہ بہت کم ہو جاتا تھا۔ لیکن جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان سورتوں کی تعلیم دی اور میں نے اس تعلیم پر عمل کیا تو میرا حال سب سے اچھا اور زاردارہ سب سے زیادہ رہنے لگا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھونے کاٹ لیا تو آپ نے نمک اور پانی منگایا (نمکین پانی سے دھارے) اور قل یا ایہا الکفرون، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے رہے اور ہاتھ پھیرتے رہے، (مظہری) ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو تم کو شرک سے نجات دیدے؟ سوتے وقت قل یا ایہا الکفرون پڑھا کرو، حضرت عبداللہ بن جراح فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق چاشت کی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اور قل یا ایہا الکفرون نہیں پڑھتا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ یہ سورت چوتھی قرآن کے برابر (اجر رکعتی) ہے۔ وجہ اس قول کی یہ ہے کہ قرآن مامورات و محرمات پر مشتمل ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں (۱) جن کا تعلق قلب سے ہو۔ (۲) جن کا تعلق جوارح سے ہو اس طرح چار اقسام پر قرآن مشتمل ہوا، اور یہ سورت محرمات قلبیہ سے نبی پر یعنی اقسام اربعہ میں سے ایک قسم پر مشتمل ہے۔ اور اس سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ قرآن کے مقصود مضامین چار قسم کے ہیں احکام شرعیہ احوال معاد، امر بعبادۃ اللہ، نہی عن عبادۃ غیر اللہ اس سورت میں چوتھی قسم کا مضمون بیان ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ لیکن سب تکلفات ہیں۔ حدیث میں جو مضمون ہے وہ درست ہے۔ واللہ اعلم بحقیقتھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (۱) لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (۲) وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ (۳)

آپ کہہ دیجئے اے کافرو! میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں۔ اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو۔

قُلْ	يٰۤاَيُّهَا	الْكٰفِرُوْنَ	لَاۤ	اَعْبُدُ	مَا	تَعْبُدُوْنَ	وَلَاۤ	اَنْتُمْ	عٰبِدُوْنَ	مَاۤ	اَعْبُدُ
کہہ	اے	کافرو	نہیں	عبادت کرتا ہوں	اس چیز	عبادت کرتے ہو تم	اور	تم	عبادت کرناوالے	اس چیز	عبادت کرتا ہوں

وَلَاۤ اَنَاۤ اَعْبٰدُ مَاۤ اَعْبَدْتُمْ (۴) وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ (۵)

اور نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا۔ اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرو گے۔

وَلَاۤ	اَنَاۤ	اَعْبٰدُ	مَاۤ	اَعْبَدْتُمْ	وَلَاۤ	اَنْتُمْ	عٰبِدُوْنَ	مَاۤ	اَعْبُدُ
اور	میں	عبادت کرناوالا	اس چیز	عبادت کرتے ہو تم	اور	تم	عبادت کرناوالے	اس چیز	عبادت کرناوالا ہوں میں

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (۶)

تم کو اپنا دین پسند ہے اور مجھ کو اپنا دین پسند ہے۔

لَكُمْ	دِيْنُكُمْ	وَلِيَ	دِيْنِ
واسطے تمہارے	دین تمہارا	اور واسطے میرے	دین میرا

## ترکیب:

قُلْ فَعِلْ بِاَفَاعِلْ يَا حَرْفِ نِدَا قَائِمٌ مَقَامُ اَذْعُوْا فَعِلْ بِاَفَاعِلْ، کے ائی مفرد و معرّف موصوف ہا تنبیہ کے لئے مضاف الیہ کے عوض میں اَلْکَافِرُوْنَ صفت، ای موصوف اپنی صفت سے ملکر اَذْعُوْا کا مفعول بہ جملہ فعلیہ نداء، لَا اَعْبُدُ فَعِلْ بِاَفَاعِلْ مَا موصولہ اپنے صلہ تَعْبُدُ وَنَ جملہ فعلیہ سے ملکر مفعول بہ، جملہ فعلیہ معطوف علیہ، وَلَا اَنْتُمْ مبتدا عِبُدُ وَنَ صیغہ جمع مذکر اسم فاعل مَا اَعْبُدُ اسم موصول وصلہ مفعول بہ مشابہ جملہ، ہو کر خبر، مبتدا خبر جملہ اسمیہ، اگلے جملوں کی ترکیب بھی اسی طرح ہے۔ لَكُمْ محذوف تعلق ہو کر خبر مقدم۔ دِيْنَكُمْ مبتدا، خر جمہ اسمیہ و قدّم الخبر للتحصيص. وَلِي دِيْن کی ترکیب بھی اسی طرح ہے۔

## تفسیر:

قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُونَ یہ خطاب خاص طور پر کفار کی اس جماعت کو ہے جو حق کے خواستگار تھے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان میں سے کوئی ایمان نہ لایگا۔ اور عموم خطاب بھی ممکن ہے۔ اِنِّیْ مَا ذُمُّنُمْ کَافِرُوْنَ۔

لَا اَعْبُدُ مَا عِبُدُوْنَ وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ۔ اس سورت میں یہ چند کلمات کمر آئے ہیں۔ اور تکرار محض کلام میں اچھا نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کلمات کی تفسیر مفسرین نے مختلف کی ہے۔ (۱) ان کلمات کی ایک تفسیر تو وہ ہے جس کو امام بخاری نے بہت سے مفسرین سے نقل کیا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے بھی بیان القرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور اسی کو سامنے رکھ کر ان آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ کلمات پہلی یا آیت ۳ و ۴ میں زمانہ حال کے لئے ہیں۔ اور دوسری یا آیت ۵ و ۶ میں زمانہ مستقبل کے لئے ہیں۔ اس لئے تکرار نہیں ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو فی الحال ایسا ہے کہ میں تمہارے معبودانِ باطل کی عبادت کروں اور تم میرے معبودِ برحق کی عبادت کرو، اور نہ آئندہ ایسا ہو سکتا ہے کہ میں اپنی توحید پر اور تم اپنے شرک پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کے معبود کی عبادت کریں، مگر امام بخاریؒ کی تفسیر میں لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَلِي دِيْن کی تفسیر دین بمعنی مذہب اسلام و کفر سے کی ہے اور مطلب یہ قرار دیا ہے کہ مصالحت کی مجوزہ صورت ناقابل قبول نہیں۔ میں تو اپنے مذہب برحق پر قائم ہوں اور رہوں گا تم بھی اپنے دین باطل پر مصر ہو تو تم جانو اس کا انجام خود تم کو بھگتنا پڑیگا۔ اور بیان القرآن میں دین کو بمعنی جزاء قرار دیا ہے اس لئے ان کے نزدیک اس آیت کے معنی وہ ہیں جو ﴿لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ کے ہیں، یعنی تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرے اعمال کا۔

(۲) ان آیات کی دوسری تفسیر وہ ہے جس کو ابن کثیرؒ نے اختیار فرمایا ہے کہ حرف مـ الغت عرب میں جس طرح بمعنی الذی آتا ہے اسی طرح مصدری معنی میں بھی آتا ہے کہ وہ فعل پر داخل ہو کر اس کو مصدری معنی میں کر دیتا ہے اس سورت میں آیت ۳ و ۴ میں تو حرف مـ موصولہ (بمعنی الذی) ہے اور معنی یہ ہیں کہ جن معبودانِ باطل کی تم پرستش کرتے ہو میں ان کی پرستش نہیں کرتا۔ اور جس معبودِ برحق کی عبادت کرتا ہوں اس کی تم نہیں کرتے۔ اور آیت ۵ و ۶ میں حرف مصدر یہ ہے۔ اور آیتوں کے معنی یہ ہیں کہ وَلَا نَا عَابِدُ عِبَادَتِكُمْ وَلَا اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ عِبَادَتِنِ ہماری تمہاری عبادتوں کے طریقے مختلف ہیں، میں تمہارے طرز کی عبادت نہیں کر سکتا، اور تم (جب تک کفر میں ہو) میرے طرز کی عبادت نہیں کر سکتے۔ اس تفسیر میں



آیت ۳۲ میں معبودوں کا اختلاف بتایا گیا۔ اور آیت ۵۴ میں عبادت کے طرز و طریق کا اختلاف ظاہر کیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ نہ ہمارے تمہارے معبودوں میں اشتراک ہے نہ طرز عبادت میں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں کا طریق عبادت تعلیم خداوندی کے موافق ہے۔ اور کفار کا طریقہ عبادت خود ساختہ ہے اس طرح بھی تکرار کا اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس تفسیر کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور طریقہ عبادت وہی معتبر ہوگا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اور لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ یہ جملہ ایسا ہی ہے جیسا دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے ﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ﴾ مطلب یہ ہے کہ لفظ دین کو ابن کثیرؒ نے بھی اعمال دین کے معنی میں لیا ہے۔ اور اس کا مقصود وہی ہوا جو بیان القرآن میں بیان کیا گیا۔ کہ ہر ایک کو اپنے اپنے اچھے بُرے عمل کی جزا و سزا بھگتنی پڑیگی۔

(۳) بعض مفسرین نے ایک تیسری تفسیر یہ اختیار کی ہے کہ لفظ مادیات دونوں جگہ موصولہ ہی ہے۔ اور حال و استقبال کا بھی فرق نہیں بلکہ یہ تکرار مفید ہے جیسا کہ ﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ﴾ میں ہے یہاں اس تکرار کا فائدہ تاکید ہے۔ جو تقاضائے بلاغت ہے۔ پھر کفار کی طرف سے مصالحت کی پیش کش متعدد مرتبہ ہوئی تھی تو مکرر تردید بھی بر محل اور ضروری ہے۔ قیسیؒ نے کہا کہ اشتراک وقت کی تکرار کی وجہ سے رد میں تکرار ہے۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ مشرکین نے یہ کہا تھا کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت میں آپ کے ساتھ شریک ہو جائیں اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت میں ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔ تو ہر شرکت کی تردید ایک بار کی گئی۔ اس طرح یہ تکرار بر محل اور تقاضائے بلاغت ہے۔ واللہ اعلم۔

کفار سے صلح کی بعض صورتیں جائز اور بعض ناجائز ہیں:

سورۃ کافرون میں کفار کی طرف سے پیش کی ہوئی چند صورتوں کو بالکل رد کر کے براءت کا اعلان کر دیا گیا۔ مگر قرآن کریم ہی میں دوسری جگہ یہ ارشاد بھی ہے ﴿فَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاجْعَلْ لِّهَآ﴾ (کفار اگر صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیے) یعنی معاہدہ صلح کر لیجئے چنانچہ آپ نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہود سے معاہدہ صلح کیا۔ حدیبیہ میں آپ نے معاہدہ صلح کیا۔ اس لئے بعض علماء نے سورۃ کافرون کو منسوخ مانا ہے۔ اور منسوخ ماننے کی بڑی وجہ آخری آیت لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ آیت بظاہر احکام جہاد کے خلاف ہے۔ تو گویا اس کا نسخہ آیات جہاد سے ہوا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اول تو وجہ یہ ہے کہ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ دو جملے خبریہ ہیں اور اصول ہے کہ خبر میں نسخہ جاری نہیں ہوتا ورنہ قائل کا کذب لازم آئیگا۔ حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں بلکہ پوری سورت میں نسخہ کا اصلاً احتمال ہی نہیں دوسرے لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ کا یہ مطلب ہے ہی نہیں کہ کفار کو کفر کی اجازت یا کفر پر برقرار رکھنے کی ضمانت دیدی گئی ہے۔ بلکہ معلوم ہو چکا کہ اس کا حاصل وہی ہے جو لَنَا عَمَلَانَا وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ کا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جیسا کہ وگے ویسا بھرو گے۔ اور یا مطلب یہ ہے کہ ہماری تمہاری عبادت میں اشتراک اسلئے نہیں ہو سکتا کہ تم کو اپنا دین اور طریقہ

عبادت پسند ہے۔ اور مجھ کو اپنا دین اور طریقہ عبادت پسند ہے۔ اور جب ایک دوسرے کا مذہب ایک دوسرے کو پسند نہیں تو شرک کیسی؟ گویہ آیت پچھلے مضمون (عدم اشتراک) کی دلیل ہے اس لئے یہ صحیح مسلک جمہور علماء ہی کا ہے کہ یہ سورت منسوخ نہیں جس قسم کی مصالحت کافروں نے چاہی تھی۔ اور اسکی تردید اس سورت میں ہوئی ہے۔ وہ مصالحت جیسے اس وقت حرام و ممنوع تھی آج بھی وہ حرام ہے۔ اور جس مصالحت کی اجازت وَاِنْ جَنَحُوا..... وغیرہ آیات سے معلوم ہوئی۔ اور جو صلح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیہ یا مشرکین سے کی وہ جس طرح اس وقت جائز تھی آج بھی جائز ہے۔ بات یہ ہے کہ صلح نہ تو ہر موقع پر مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ہر موقع پر ناجائز ہے۔ بلکہ صلح کے کچھ اصول و ضوابط اور شرائط ہیں اسی طرح ہیں، اسی طرح موقع و محل بھی ہوتا ہے ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح کا ایک جامع اصول بیان فرمادیا کہ ہم کو ہر صلح تسلیم ہے۔ اور ہر شرط ماننے کو، ہم تیار ہیں اِلَّا صَلْحًا أَحَلَّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا مگر وہ صلح ہمیں ہر گز تسلیم نہیں جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر صلح کی جاسکتی ہے مگر وہ صلح جائز نہیں جس میں شریعت اسلامیہ کے کسی اصول کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ یا جس میں کوئی شرعی اصول پامال ہوتا ہو وہ صلح ہر گز جائز نہیں۔

رب غفور کیجئے کہ کفار مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں ان سب میں کم از کم کفر و اسلام میں التباس و اشتباہ یقینی تھا اور بعض صورتوں میں تو اصول اسلام کے خلاف شرک کا ارتکاب لازم آتا تھا۔ ایسی صلح سے سورۃ کافرون کے ذریعہ اعلان براءت کیا گیا ہے جو قیامت تک کے لئے غیر منسوخ ہے۔ پرستانان تو حید قیامت تک نہ کفر کی تائید پر راضی ہو سکتے ہیں نہ معبودانِ باطل کی پرستش کر سکتے ہیں۔ اور جن نصوص میں صلح کو جائز قرار دیا۔ یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے یا مشرکین سے جو صلح کی ان میں کوئی ایسی صورت نہیں جس سے اصول اسلام کی خلاف ورزی و پامالی لازم آتی ہو۔ یا کفر و اسلام کی حدود میں اشتباہ و التباس ہوتا ہو۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام سے زیادہ صلح جوئی، سلیمیت، حسن سلوک، انسانی ہمدردی کی دعوت دنیا میں کسی مذہب نے نہیں دی۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صلح اپنی انسانی حقوق میں ہوتی ہے خدا کے قانون اور اصول دین کو بدل ڈالنے کا کسی کو حق نہیں۔ اس لئے ایسی صلح کی کسی وقت کوئی گنجائش نہیں جس میں اصول اسلام پر آنچ آتی ہو یا خدائی قانون میں ترین لازم آتی ہو۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

تم تفسیر سورۃ الکفرون فالحمد لله الذی له السموات والارضون و صلی اللہ تعالیٰ علی من امن به الانبیاء والمسلمون و علی الہ واصحابہ الذین فازوا بالسعادة والهدایة والجنة کلہم اجمعون ومن تبعہم الی یوم القیامة فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ

## سُورَةُ النَّصْرِ

### سُورَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثُ آيَاتٍ

(دکوع ۱. آیات ۳. سورۃ نصر مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں تین آیات ہیں کلمات ۱۷. حروف ۷۷)  
اس سورت کا نام سورۃ نصر اور سورۃ اِذَا جَاءَ اور سورۃ الفتح ہے۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اس سورت کو سورۃ تودیع بھی کہتے ہیں۔ تودیع کے معنی کسی کو رخصت کرنے کے ہیں۔ اس سورت میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لئے اس کو سورۃ التودیع بھی کہا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے متعدد روایات میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں مجھ کو میری موت کی خبر دی گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے گفتگو کی۔ تو وہ روئیں پھر ہنسیں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ تمہارے رونے کا اور پھر ہنسنے کا سبب کیا تھا؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو میری موت کی خبر دی گئی ہے تو میں روئی پھر یہ خبر دی کہ (اے فاطمہ) میرے اہل و عیال میں سب سے پہلے تم مجھ سے جاملو گی تو اس پر میں ہنسی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس سورت کے نزول سے اس بات کو خوب سمجھ گئے تھے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل اس سورت کے نزول کے بعد ایسا ہو گیا تھا جیسا رخصت کرنے والے کا ہوتا ہے۔ (یعنی آپ وصیت و نصیحت اسی انداز کی کرتے تھے کہ آپ رخصت ہو رہے ہیں)۔

یہ سورت بالاتفاق مدنیہ ہے (اس مشہور اصطلاح کے موافق کہ بعد ہجرت جن سورتوں کا نزول ہوا وہ مدنیات ہیں ورنہ تو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں اس سورت کا نزول ہوا جیسا کہ آئندہ روایات میں آتا ہے)۔  
رابط و مناسبت:

سورۃ کوثر میں جس عظمت و شوکت اور کثرت ذریت و اتباع کی بشارت و خوشخبری دی گئی تھی۔ اور اسی وعدہ کی قوت یقین پر سورۃ کافرون میں کفار سے بیزاری و براءت کا اعلان کرایا گیا تھا۔ اس سورۃ نصر میں اسی وعدہ کے ایفاء اور بشارت کے ظہور و وقوع کی خبر دی جا رہی ہے۔ نیز اس نہر کوثر و مزید خیر کثیر کے سفر کی تیاری کا حکم ہے جس کا سابق میں (سورۃ کوثر) میں وعدہ ہو چکا تھا، علاوہ ازیں جس ناسازگار اور صبر آزمایا ماحول میں کفار و مشرکین سے اظہارِ براءت و بیزاری کرایا گیا تھا وہ انسانی عقل سے وراء الوریٰ تھا کوئی بھی ایسے وقت میں سب سے ترکِ تعلق کو مصلحت خیال نہیں کر سکتا۔ لیکن سورۃ کافرون میں کھلے الفاظ میں اعلانِ براءت کرایا گیا۔ اس میں اشارہ تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام پورا ہوگا۔ اور دین بغیر کسی ظاہری سہارے کے مکمل ہو کر رہیگا، پھلے گا پھولے گا، اور پروان چڑھے گا۔ اس سورت نصر میں اسی تکمیل و کمالِ اشاعتِ دین کی خبر ہے۔

## شان نزول:

معمرؓ نے بحوالہ زہریؒ بیان کیا کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے تو فتح سے پہلے خالد بن ولید کو کچھ مجاہدین کے ساتھ مکہ کے نشیبی حصہ پر مامور کر دیا۔ قریش کی کچھ جماعتوں سے ان کی معمولی جھڑپ ہوئی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان جماعتوں کو شکست دیدی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتال بند کر دیا گیا۔ فتح مکہ ہو گیا اس کے بعد قریش دین اسلام میں داخل ہوئے اس پر یہ سورت نازل ہوئی (مظہری) اس سورت کا اصل شان نزول یہی ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس کام پر مامور کیا تھا اس کی تکمیل ہو گئی۔ تو اس سورت میں فرض منصبی کی تکمیل کی بشارت اور سفر آخرت کی پورے انتہاک کے ساتھ تیاری کا حکم فرمایا گیا۔ حضرت عمر حضرت ابن عباس کو بدری صحابہؓ کے ساتھ اپنے قریب بٹھلاتے تھے۔ بعض حضرات کو اس کا احساس ہوا کہ یہ نوعمر بچہ ہے اس کو اکابر کے ساتھ کیوں بٹھلایا جاتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے بھی اس بات کو محسوس کر لیا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اہل مجلس سے فرمایا کہ اس سورت مبارکہ (اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ الْخ) کا کیا مطلب ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ اس میں فتح مکہ کا ذکر ہے۔ جب یہ انعام ہم کو مل گیا تو اس کے شکر یہ میں ہم کو تسبیح و توبہ کرنی چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ آپ اس کا مطلب بیان کریں۔ فرمایا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے جو ان حضرات نے بیان کیا۔ بلکہ اس سورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں بھی یہی سمجھتا ہوں تب تمام حضرات حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی فضیلت کے قائل ہوئے اور سمجھ گئے کہ ان کی علمی فوقیت نے ان کو آگے بڑھایا ہے۔ چنانچہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑے عرصہ پہلے نازل ہوئی ہے۔

## قرآن پاک کی آخری سورت اور آخری آیت:

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ سورۃ نصر قرآن کی آخری سورت ہے مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی۔ بعض آیات کا نزول جو اس کے بعد روایات میں ہے وہ اس کے منافی نہیں۔ جیسا کہ سورۃ فاتحہ کو قرآن کی سب سے پہلی سورت اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ مکمل سورت سب سے پہلے یہی نازل ہوئی ہے۔ گو سورۃ اقرء و سورۃ مدثر کی چند آیات کا نزول سورۃ فاتحہ سے پہلے ہو چکا تھا۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ سورت حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق کے درمیان مقام منیٰ میں نازل ہوئی۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین ماہ اور چند دن پہلے اس کا نزول ہوا۔ (اس کے بعد آیت ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ نازل ہوئی۔ ان دونوں کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں صرف اسی روز رہے۔ (اسی ۸۰ روز کے بعد وفات ہوئی) ان دونوں کے بعد آیت کلامہ نازل ہوئی۔ جس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے صرف پچاس ۵۰ دن باقی رہ گئے تھے۔ اس کے بعد آیت ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلٰیہِ﴾ نازل ہوئی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے صرف پینتیس ۳۵ روز باقی رہ گئے تھے۔ اس کے بعد ﴿وَ اتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيْہِ﴾ نازل ہوئی جس کے بعد عمر شریف کے صرف اکیس روز اور مقاتلؓ کی روایت کے موافق اس آیت کے نزول سے صرف سات روز بعد وفات ہو گئی۔

لیکن بظاہر یہ سورت فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ لفظ اِذَا جَاءَ سے یہی مفہوم ہوتا ہے روح المعانی میں بحر محیط سے اسی کے موافق نقل کیا ہے کہ اس سورت کا نزول غزوہ خیبر سے واپسی کے وقت بیان کیا گیا ہے۔ اور فتح خیبر کا فتح مکہ سے مقدم ہونا معلوم و معروف ہے (کیونکہ فتح خیبر ۱۰ھ اور فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوئی ہے)

روح المعانی میں بسند عبد بن حمید حضرت قتادہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کے نزول کے بعد دو سال دنیا میں تشریف فرما رہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے قبل ہوا۔ اس لئے کہ فتح مکہ سے وفات تک کی مدت دو سال سے کم ہے۔ فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوئی اور وفات ربیع الاول ۱۰ھ میں ہوئی۔ اور جن روایات میں اس کا نزول فتح مکہ یا حجتہ الوداع میں ہونا بیان کیا گیا ہے ان روایات کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ان موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے اس سورت شریفہ کی تلاوت فرمائی ہوگی جس سے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ اس کا نزول ابھی ہوا ہے۔ بہر حال اس میں اختلاف ہے کہ اس سورت کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا یا بعد میں۔ والا اول اولیٰ و اظہر۔ واللہ اعلم۔

فضیلت:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ (ثواب میں چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ ولم اظفر بوجه ذلك۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ (۱) وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (۲)

اِذَا	جَاءَ	نَصْرُ	اللَّهِ	وَالْفَتْحُ	وَرَأَيْتَ	النَّاسَ	يَدْخُلُونَ	فِي	دِينِ	اللَّهِ	أَفْوَاجًا
جب	آئے	نصر	خدا	فتح	اور	دیکھتے تو	لوگوں	داخل ہوتے ہیں	میں	دین	اللہ
جب	آئے	نصر	خدا	فتح	اور	دیکھتے تو	لوگوں	داخل ہوتے ہیں	میں	دین	اللہ

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (۳)

تو آپ اپنے رب کی تسبیح و حمد کیجئے اور اسی سے مغفرت کی دعا کیجئے بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

فَسَبِّحْ	بِحَمْدِ	رَبِّكَ	وَاسْتَغْفِرْهُ	إِنَّهُ	كَانَ	تَوَّابًا
پس پاکی بیان کر	ساتھ تہریف	اپنے رب	اور بخشش مانگ اس	تحقیق وہ	ہے	پھر آنی والا

ترکیب: اِذَا حرف شرط جَاءَ فعل نَصْرُ اللہ مرکب اضافی معطوف علیہ وَالْفَتْحُ معطوف، معطوفین

فاعل، جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَ عاظفہ رَأَيْتَ فاعل النَّاسَ ذوالحال یَدْخُلُونَ فعل ضمیر فاعل فی دین اللہ

متعلق افْوَاجًا ضمیر فاعل سے حال، جملہ فعلیہ حال النَّاسَ ذوالحال اپنے حال سے ملکر مفعول بہ، جملہ فعلیہ ہوا۔ یہ ترکیب

اس صورت میں ہوگی جبکہ رَأَيْتَ بمعنی أَبْصَرْتُ مانیں۔ اور اگر بمعنی عَلِمْتُ ہو تو جملہ یَدْخُلُونَ مفعول ثانی

ہوگا۔ بہر دو صورت جملہ رَأَيْتَ ..... معطوف معطوفین ملکر شرط ف جزائیہ سَبِّحْ فعل ضمیر فاعل ذوالحال بِحَمْدِ رَبِّكَ

مُتَلَبِّسًا کے متعلق ہو کر حال۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَاسْتَغْفِرُهُ فعل فاعل مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ معطوف معطوفین ملکر جزا جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ اِنِ اپنے اسم ہ اور خبر، كَانَ تَوَّابًا فعل اسم و خبر جملہ سے ملکر جملہ اسمیہ ماقبل کی علت ہوا۔

تفسیر:

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ..... نصر کے معنی ہیں تحصیل مطلوب میں اعانت کے اور فتح کے معنی تحصیل مطلوب کے۔ نصر فتح کا سبب ہوتی ہے۔ اس لئے فتح کو نصر کے بعد بطور عطف بیان کیا گیا۔ پھر اعانت عام ہے۔ کبھی وہ اسباب ظاہری پیدا کر دینے سے ہوتی ہے۔ جیسے دشمنوں پر فتح پانے کے لئے جنود و اعوان و انصار کا مہیا کر دینا اور ان کی ضروریات (اسلحہ و سامان رسد) کا موجود کر دینا، یا مخالفین کی مدافعت کے اسباب پیدا کر دینا جیسے مخالفین میں بزدلی، رعب و ہیبت اور سوء تدبیر و الدینا، اور منصورین کو بہادری و دہد بہادری اور حسن تدبیر عطا فرمادینا جیسا کہ غزوہ بدر میں ہوا، ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ اسی طرح تہذیب نفس و اصلاح خلق میں قوی بہیمہ و سبعیہ و شیطانیہ کے لشکروں سے مقابلہ ہوتا ہے اس موقع پر وہ تائید غیبی اللہ کی نصرت کہلاتی ہے جس سے تہذیب نفس و اصلاح خلق کا مقصود حاصل اور ملک مقصود فتح ہوتا ہے۔ اور وہ نصرت حق تعالیٰ کی توفیق، ہمت و حوصلہ اور انجذاب، نیز ہادی کی مقبولیت و قوت تاخیر و غیرہ اسباب کا منجانب اللہ مہیا ہو جانا ہے جن سے کشود کار ہوتا ہے۔ اور تہذیب نفس حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اصلاح خلق کا باب کھلتا ہے اور خلق خدا دین حق میں جوق جوق، گروہ گروہ داخل ہو جاتی ہے۔ یہ ہی حقیقی فتح مبین ہے۔ جس کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے اخیر میں نہایت شاندار طریقہ پر ہوا۔ حضرات مفسرین نے لفظ نصر و فتح کے وسیع معانی کو عموماً ایک ایک شکل میں محدود کر کے بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ ظاہری و باطنی متعدد شکلوں کو مشتمل و محیط ہیں۔

(۱) جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ نصر سے مراد وہ تائید و اعانت ہے جو فتح مکہ کے سلسلہ میں ہوئی۔ اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ جو ۱۰ یا ۱۲ یا ۱۸ رمضان ۸ھ میں (علی اختلاف الاقوال) ہوئی مشہور یہ ہے کہ ۱۸ رمضان ۸ھ میں فتح مکہ ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لئے مدینہ منورہ سے ۲ رمضان یا بدھ کے دن ۱۰ رمضان کو عصر کے بعد نکلے تھے۔ واللہ اعلم۔ اس سفر میں انصار و مہاجرین اور عرب کی مختلف جماعتوں کا لشکر دس ہزار کی تعداد میں آپ کے ہمراہ تھا۔ دوسری روایت کے مطابق لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی لیکن یہ کچھ اختلاف نہیں۔ کیونکہ مدینہ سے آپ کے ہمراہ دس ہزار روانہ ہوئے۔ راستہ میں دوسرے قبائل مل گئے تو تعداد بارہ ہزار ہو گئی تھی۔ فتح مکہ کا تفصیلی واقعہ تفسیر مظہری میں مذکور ہے۔ یہاں اس مختصر میں اتنی تفصیل کی گنجائش نہیں فمن شاء فليطالع ثمه اوفى كتب السير۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ فتح سے مراد فتح خیبر ہے۔ جو حدیبیہ ۶ھ کے بعد محرم ۶ھ میں ہوئی۔ اس فتح کے بعد مسلمانوں کو فراخ دستی میسر آئی۔ (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے تمام فتوحات مراد ہیں۔ فتح خیبر، فتح مکہ، فتح طائف، فتح حنین وغیرہ جو پے در پے نصیب ہوئیں۔ جن سے اسلامی حلقہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اور شوکت اسلامی کو شباب حاصل ہوا۔ (۴) اس سے مراد فتوحات غیبیہ ہیں جن سے آپ کو وہ ترقیات ملیں جو کسی اور کو نہیں مل سکیں۔ اور فتح کو ایسے عام معنی پر محمول کرنا جسمیں جملہ ظاہری و باطنی فتوحات آجائیں بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

(ف) اگر اس سورت کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا تھا تو اِذَا اپنے استقبالی معنی پر ہوگا۔ اور یہ سورت ایک پیشگوئی

اور آپ کی نبوت کی ایک واضح دلیل ہوگی۔ اور اگر بعد الفتح اس سورت کا نزول ہوا تو یہ اِذَا بِمَعْنٰی اِذْ ظرفیہ ہوگا جو ماضی کے لئے آتا ہے۔ اور اِذَا اِذْ ظرفیہ کے معنی میں قرآن میں بہت آیا ہے۔ مثلاً ﴿اِذَا جَاءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُوْرُ﴾ اور ﴿حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ﴾ وغیرہ اس صورت میں اِذَا سَبَّح کا ظرف نہ ہوگا۔ بلکہ فعل مقدر اَتَمَّ النعمۃ یا کَمَّلَ الامر وغیرہ کے متعلق ہوگا۔ بعض نے اس دوسری صورت میں بھی اِذَا کو مستقبل ہی کے لئے قرار دیا ہے اس اعتبار سے کہ فتح کو عام معنی میں رکھا جائے کہ فتح مکہ اور اسکے بعد کی جتنی ظاہری و باطنی فتوحات ہیں سب کو یہ لفظ شامل ہے۔ گوام الفتوح فتح مکہ ہے۔ مگر اس فتح کی تکمیل مستقبل میں ہونے والی تمام فتوحات سے ہوئی۔

وَرَّءَ يَسْتِ النَّاسُ يَذْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا رَّءَ يَسْتِ میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اور رَّءَ یَسْتِ سے مراد رَویت بصریہ ہے یا قلبیہ دونوں احتمال ہیں۔ کما مَرَّ فی التَّریب۔ اور النَّاسُ سے مراد اہل عرب ہیں۔ اور دِيْنِ اللّٰهِ سے مراد اسلام کیونکہ ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ اور اَفْوَاجًا: فَوْج کی جمع ہے۔ اس جماعت کو کہتے ہیں جلدی جلدی گزر رہی ہو۔ اور اس کا مطلق جماعت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ فتح مکہ سے پہلے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و حقانیت پر یقین حاصل تھا مگر ڈر کی وجہ سے اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اور بہت سے لوگوں کو تردد تھا جو کہتے تھے کہ اگر یہ نبی برحق ہیں تو مکہ ضرور فتح ہوگا۔ اور اس پر ان کا تسلط ہو جائیگا۔ تو وہ لوگ فتح مکہ کے منتظر تھے۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو دونوں قسم کے لوگ فوج در فوج آئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ یمن سے سات سو نفر مسلمان ہو کر مدینہ کو چلے اور راستہ میں اذانیں دیتے اور قرآن پڑھتے ہوئے آئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل یمن تمہارے پاس آئے ہیں وہ بہت رقیق القلب اور ایمان کے لئے بڑے نرم دل ہیں۔ حکمت یمنی ہے۔ فخر وغرور اونٹ والوں میں ہوتا ہے اور سکون و بردباری بکریوں والوں میں (بخاری و مسلم) مقاتلؒ و مکرّمہؒ کی رائے ہے کہ النَّاسُ سے مراد اہل یمن ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوڑ گئی اور قبائل عرب اسلام لانے کے لئے فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اور یوں کہتے تھے کہ ان کو اور ان کی قوم کو چھوڑ دو اور وہ نبی برحق ہیں تو ضرور اپنی قوم پر غالب آئیں گے۔ مظہری میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد عرب آپس میں کہنے لگے۔ اے حرم کے باشندو، جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر فتح یاب ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ فیل کے حملہ سے تم کو محفوظ رکھا تھا اور ان کو شکست دیدی تھی تو اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے بغیر تمہارے لئے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ یہ طے کر کے وہ گروہ کے گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اور اس سے پہلے ایک ایک دو دو مسلمان ہوتے تھے۔ ابو عمرو بن عبد البر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جب ہوئی کہ عرب کے سب لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ یہاں عرب سے مراد عبدة الاوثان (بت پرست) ہیں، ورنہ تو نصاریٰ بنی تغلب مسلمان نہیں ہوئے تھے، بلکہ جزیہ ادا کرتے تھے، اور جزیۃ العرب میں یہودی بھی موجود تھے جو حضرت عمرؓ کے دور تک رہے اور فاروق اعظمؓ نے ان کو اذرعات و اذربجان بھیج دیا تھا۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ..... تسبیح سے مراد صرف زبان سے سبحان اللہ کہہ دینا نہیں بلکہ حق تعالیٰ کو تمام صفاتِ محدثات، الواث بشریہ، کدورات امکانیہ اور جملہ عیوب و اوصاف مذمومہ سے مبرا و پاک سمجھنا اور زبان و قلب سے اسکی پاکی کا اقرار و اعتراف کرنا مراد ہے۔ اور تحمید سے مراد ہے ان تمام صفاتِ کمالیہ و اوصافِ عالیہ کا اللہ کے لئے ثابت کرنا جو اس کی

شایانِ شان ہیں۔ تسبیح کے انوار کا جب ذکر کے قلب پر انعکاس ہوتا ہے تو صفاتِ مذمومہ سے اس کو براءت و صفائی میسر آتی ہے۔ اور انوارِ تحمید کی تجلیات سے حامد کا قلب اوصافِ حمیدہ و صفاتِ کمالیہ سے مزین ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کو عالمِ ملکوت سے مناسبت ہو جاتی ہے، اس سے ترقی کر کے بارگاہِ قدس تک اس کی رسائی ہوتی ہے، اور اس کا مقام ﴿فَیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ قرار پاتا ہے تسبیح میں تجلیہ (عارف کا ابتدائی حال) اور تحمید میں تجلیہ (عارف کا انتہائی حال) ہے۔ حضر ات صوفیہ کے یہاں تسبیح سے مقام فنا تک رسائی ہوتی ہے۔ اور تحمید سے مقام بقاء تک اور دونوں کے مراتب متفاوت ہیں۔ واللہ اعلم۔

### فضائلِ تسبیح:

یہاں چند ان احادیث کا ترجمہ بالا اختصار پیش کیا جاتا ہے جن میں تسبیح و تحمید کے فضائل مذکور ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (۱) روزانہ صبح کو ایک (اللہ کا) منادی ندا دیتا ہے کہ تم پاک بادشاہ کی پاکی بیان کرو۔ (ترمذی) (۲) سب سے افضل دُعاء اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے (ترمذی) (۳) سبحان اللہ کہنا نصف میزان ہے۔ اور الحمد للہ اس کو بھر دیتا ہے الحدیث۔ (ترمذی) (۴) جو شخص ۱۰۰ بار صبح اور ۱۰۰ بار شام کو سبحان اللہ کہے وہ ایسا ہے کہ اس نے سو حج کئے۔ اور جو سو ۱۰۰ سو بار صبح و شام الحمد للہ کہے وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے سو گھوڑے راہِ خدا میں دیدیئے (الحدیث ترمذی) (۵) قیامت کے دن جن کو سب سے پہلے جنت کی طرف بلایا جائے گا وہ لوگ ہوں گے جو راحت و مصیبت (ہر حال میں) اللہ کی حمد کرتے تھے۔ (بیہقی) (۶) حمد شکر کا سر ہے۔ اس بندہ نے اللہ کا شکر نہیں کیا جس نے اللہ کی حمد نہیں کی (بیہقی) (۷) جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہِ کہتا ہے اس کے لئے جنت میں ایک کھجور لگا دی جاتی ہے (ترمذی) (۸) بہترین کلام وہ ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب (پسند) فرمایا یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہِ ۱۰۰ سو بار سُبْحَانَ اللّٰهِ کہے تو اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور ایک ہزار گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (۱۰) دو کلمے زبان پر ہلکے پھلکے ہیں میزان میں بوجھل ثابت ہوں گے۔ حضرت رحمن کے پیارے ہیں۔ اور وہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ (مشکوٰۃ) (۱۱) جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہِ روزانہ ۱۰۰ بار کہا کرے اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگوں کی برابر ہوں۔ (بخاری و مسلم) (۱۲) جو شخص صبح و شام ۱۰۰ سو بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہِ کہا کرے تو روز قیامت اس سے بڑھ کر نیکیاں کوئی نہیں لاسکتا، ہاں مگر جس نے یہی عمل کیا ہو یا اس سے زیادہ کیا ہو۔ (بخاری و مسلم) (۱۳) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کا کہنا مجھے ساری کائنات سے زیادہ محبوب ہے (مسلم) (۱۴) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ تمام مخلوقات کی نماز (عبادت) ہے۔ اور الْحَمْدُ لِلّٰهِ کلمہ شکر ہے الخ (رزین)

وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ كَانَ تَوَّابًا..... (اور آپ اپنے رب سے معافی مانگئے کیونکہ وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: (۱) یقیناً میں ایک دن میں ستر ۷۰ سے زائد بار اللہ سے استغفار و توبہ کرتا ہوں۔ (بخاری) (۲) میرے قلب پر تاریکی سی آ جاتی ہے اور میں سو بار روزانہ استغفار کرتا ہوں۔ (بخاری) (۳) اے لوگو! تم اللہ سے توبہ کرو میں اس سے روزانہ سو بار توبہ کرتا ہوں۔ (۴) بندہ جب گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول



فرماتے ہیں۔ (۵) مغرب کی جانب سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پہلے جو توبہ کر لے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے۔ (۶) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو خدا تم کو نیست و نابود کر دے۔ اور ایسے لوگ پیدا کرے جو گناہ کر کے توبہ کریں۔ اور ان کی مغفرت کی جائے۔ (۷) جس شخص کا یقین یہ ہے کہ میں گناہ بخشے پر قدرت رکھتا ہوں میں اس کی مغفرت کر دوں گا۔ اور مجھے کچھ پرواہ نہیں جب تک کہ وہ شرک میں مبتلا نہ ہو۔ (۸) جو استغفار کو لازم پکڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر تنگی سے اس کے لئے نکلنے کا راستہ، ہر غم سے چھٹکارا اور اسکو ایسے مقام سے رزق عطا فرماتے ہیں کہ اسکو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ (۹) جو استغفار کرتا ہے اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا گو ایک دن میں ۷۰ ستر بار کرے۔ (۱۰) تمام انسان خطا کار ہیں۔ اور بہتر خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔ (۱۱) اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول کرتے ہیں جب تک غرغہ کی حالت نہ ہو۔ (۱۲) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہم شمار کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْعَفُوْرُ ایک مجلس میں سو بار ۱۰۰ فرماتے تھے۔ (۱۳) بڑی خوبی و خوشحالی ہے اس کے لئے جو اپنے نامہ اعمال میں بہت استغفار پائے۔ (۱۴) بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والا گنہگار مؤمن بندہ سے محبت فرماتے ہیں۔ (۱۵) گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا۔ (مشکوٰۃ تشریف) کیونکہ بے شمار آیات و احادیث سے استغفار کی محبوبیت معلوم ہوتی ہے۔ جن میں سے چند احادیث کا مختصر ترجمہ بطور نمونہ اوپر مذکور ہوا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اخیر میں اپنے محبوب کو اس محبوب عمل کا حکم دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نہایت اہتمام سے کار بند ہوئے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعاء پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي (بخاری) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، اسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ (مسلم) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اخیر میں (اس سورت کے نزول کے بعد) اٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے (ہر حال میں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اور فرماتے تھے کہ مجھ کو اس کا حکم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی تو جب آپ اس کو پڑھتے اور رکوع کرتے تھے تو اکثر اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ السَّرِيْعُ میں بار پڑھا کرتے تھے (روح المعانی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت میں بڑا مجاہدہ فرمایا یہاں تک کہ آپ کے پاؤں ورم کر گئے۔ (قرطبی)

### استغفار کا حکم کیوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی معصوم ہیں آپ کو استغفار کا حکم کیوں کیا گیا توبہ و استغفار تو گنہگار کو کرنی چاہیے جب گناہ نہیں تو توبہ کیسی؟ علمائے ربانین نے اس کی بہت سی وجوہات بیان کی ہیں یہاں چند مذکور ہیں: (۱) اس عمل کی محبوبیت کی وجہ سے اپنے محبوب کو اس کا حکم دیا گیا۔ (۲) امت کی تعلیم کے لئے آپ کو یہ حکم ہوا۔ (۳) خطائے اجتہادی یا خلاف اولیٰ امور سے استغفار کا حکم ہے۔ (۴) آپ ہر آن ترقی فرماتے تو ترقی کے بعد پچھلا درجہ و مرتبہ قصور معلوم ہوتا تھا اس کی مغفرت چاہئے۔ (۵) قبل البعث جو صفات کا احتمال تھا اس سے استغفار کا حکم ہے۔ (۶) آپ کی امت کے لئے استغفار کا

حکم ہے یعنی امت کی مغفرت کی درخواست کیجئے۔ (۷) اللہ کا جو جتنا بڑا عارف ہوتا ہے اتنا ہی وہ خود کو اور اپنی عبادت کو اس کی بارگاہ کی بلندی کے مقابلہ میں ہیچ در ہیچ سمجھتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا عارف کون ہوگا؟ اسلئے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں استغفار کرنے کا حکم ہوا۔ (۸) وَاسْتَغْفِرْ لَهُ کے معنی ہیں کہ آپ مغفرت مانگئے۔ مغفرت ایک گنہگاروں کی ہوتی ہے کہ جو گناہ سرزد ہو گئے ہیں ان کو مخلوق کی نگاہوں سے چھپایا جائے۔ اور ایک مغفرت معصوموں کی ہوتی ہے کہ ان کو گناہوں سے چھپایا جائے یعنی گناہوں کی رسائی ان تک اور ان کی رسائی گناہوں تک نہ ہو پائے بس یہ مؤخر الذکر صورت انبیاء معصومین کے ساتھ خاص ہے۔ مطلب مغفرت چاہنے کا یہ ہوگا کہ وہ معصومیت کے دوام کی درخواست کر کے اپنی انکساری اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں اور لذتِ مناجات سے بہرہ اندوز ہوں وغیرہ وغیرہ۔

إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ..... قیاس کا تقاضا تھا کہ توابا کے بجائے غَفَّارَ ہوتا۔ اس کا جواب بعض نے دیا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ استغفار کرنے والے کو توبہ بھی کرنی چاہیے تاکہ استغفار قبول ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ آیت میں صنعت احتباک ہے کہ معطوفین میں ہر ایک طرف میں احد المتقابلین کو حذف اور احد المتقابلین کو ذکر کر دیا گیا۔ تاکہ مذکور محذوف پر دلیل بن سکے۔ اصل عبارت اس طرح تھی وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا وَتَبَّ إِلَيْهِ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا۔ واللہ اعلم۔

تم تفسیر سورۃ النصر فالحمد للہ رب العصر ومقلب الدھر وصلى اللہ علی نبیہ محمد وآلہ وصحبہ الذین ضحوا مع رسولہ فی البسر والعسر وعلى متبعیہم الی یوم الحشر۔

## سُورَةُ اللَّهَبِ

### سُورَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

(رکوع ۱- آیات ۵۔ سورۃ لہب مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پانچ آیات ہیں۔ کلمات ۲۰- حروف ۷۷)

رابط و مناسبت:

یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے۔ اس سورت کا دوسرا نام سورۃ المسد بھی ہے۔ (۱) سورۃ نصر میں یہ بتایا گیا تھا کہ دنیا میں بھی حکم خداوندی ماننے والوں کو نصرتِ خداوندی و فتح و کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حکم خداوندی سے سرتابی کرنے والوں اور اعداء اسلام کو دنیا و آخرت میں خسارہ و بربادی ہے۔ (۲) سورۃ نصر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرت و فتح کی بشارت دی گئی۔ اور اس سورت میں آپ کے بدترین دشمن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا کو خسران و بربادی کی خبر دی گئی ہے۔ (۳) سورۃ کوثر میں بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کثیر سے نوازا گیا اور آپ کے دشمن کو اتر بنا دیا گیا ہے۔ تو سورۃ نصر میں کوثر کا نمونہ ہے۔ اور سورۃ لہب میں اتر ہونے کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ (۴) سورۃ کافرون میں اعلانِ براءت کے اخیر میں فرمایا گیا تھا لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِی دِیْنِ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں گویا یہ بات آئی کہ خدایا مجھ کو اس کا صلہ کیا ملے گا تو جواب دیا گیا کہ نصرت و فتح۔ پھر گویا یہ بات قلب میں آئی کہ بندگانِ اصنام خصوصاً عبادتِ اصنام کے داعی ابولہب کو کیا سزا ملے گی تو اس سورت میں اس کا جواب ہے کہ اس کے لئے تباہی و بربادی مقدر کر دی گئی۔ اور وعدہ کو وعید پر اسلئے مقدم کیا تاکہ وَلِی دِیْنِ سے وعدہ متصل ہو جائے۔

(ف) یہ مجانست و مناسبت دونوں سورتوں میں اس کے باوجود ہے کہ سورۃ نصر مدینہ میں اخیر زمانہ میں نازل ہوئی اور سورۃ

لہب مکہ میں شروع دور ہی میں نازل ہو گئی تھی۔ اس سے یہ بات صاف مفہوم ہوتی ہے کہ قرآنی سورتوں کی ترتیب منجانب اللہ اسی کے حکم سے ہے۔ واللہ اعلم۔

### شان نزول:

صحیحین میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت ﴿وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ نازل ہوئی تو آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کو آواز دی۔ بعض روایات میں ہے کہ یا صبا حاہ کہہ کر یا بنی عبد مناف و یا بنی عبد المطلب وغیرہ ناموں کے ساتھ آواز دی۔ (اس طرح آواز دینا عرب میں خطرہ کی علامت شمار کیا جاتا تھا) سب قریش جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن (تم پر چڑھ آیا ہے اور) صبح و شام میں تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے۔ تو کیا آپ لوگ میری تصدیق کر دیں گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہاں ہم ضرور تصدیق کریں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو ایک عذاب شدید سے ڈراتا ہوں (جو کفر و شرک پر اللہ کی طرف سے مقرر ہے) یہ سکر ابو لہب نے کہا تَبَّ لَكَ الْهَذَا جَمَعْتُنَا تِیرَے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہم کو اسی لئے جمع کیا تھا) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے کے لئے ایک پتھر اٹھا لیا اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے۔

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ (۱) مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ (۲) سَيَصْلَىٰ نَارًا

ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں گے اور وہ برباد ہو جائے۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب ایک بھڑکتی آگ

تَبَّتْ	يَدَا	أَبِي	لَهَبٍ	وَتَبَّ	مَا	أَغْنَىٰ	عَنْهُ	مَالُهُ	وَمَا	كَسَبَ	سَيَصْلَىٰ	نَارًا
ہلاک ہو	دو ہاتھ	ابی	لہب	اور	نہ	کفایت کیا	سے اس	مال اس	اور	جو کچھ	کمایا تھا	داخل ہوگا
آگ												

ذَاتَ لَهَبٍ (۳) وَأَمْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (۴) فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ (۵)

میں داخل ہوگا اور اسکی وہ بیوی بھی جو لکڑیاں لا کر لاتی ہے۔ اس کی گردن میں ایک ری ہوگی خوب بنی ہوئی۔

ذَاتَ	لَهَبٍ	وَأَمْرَأَتُهُ	حَمَّالَةَ	الْحَطَبِ	فِي	جِيدِ	هَا	حَبْلٌ	مِّن	مَّسَدٍ
شعلہ والی	اور	جو اور اس	اٹھانے والی	لکڑیوں	بیچ	گردن	اس	ری	بن	پوست بھجور

### لغات:

تَبَّتْ صیغہ واحد مؤنث غائب ماضی تَبَّ تَبَّ وَتَبَّ أَبَا (ض) ہلاک ہونا، ٹوٹنا، سدانٹوں میں رہنا۔ أَغْنَىٰ افعال سے فائدہ پہنچنا، مالدار بنانا، مجرد میں سَمِعَ سے لازم، مالدار ہونا كَسَبَ (ض) کمانا۔ لَهَبٍ مصدر (س) بھڑکنا پیسا سا ہونا۔ دھویں اور غبار کو بھی لہب کہتے ہیں۔ اَمْرَأَةٌ عورت امْرُؤ کی مؤنث ہے اس کی جمع نِسَاءً آتی ہے۔ حَمَّالَةٌ صیغہ مبالغہ حمل (ض) سے، خوب اٹھانے والی حَمَّالَةُ الْحَطَبِ ایندھن سر پر لئے پھرنے والی، یہ ابو لہب کی جو روکی صفت ہے۔ اس کا نام اردو بنت حرب کنیت ام جمیل اور لقب عوراء (کافی) تھا اپنے بد بخت شوہر کی طرح اس شقیہ کو بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت ترین عداوت تھی۔ حَمَّالَةُ الْحَطَبِ کو بعض نے تو حقیقت پر محمول کیا ہے کہ سخت کی وجہ سے جنگل سے ایندھن خود ہی لاتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بھی ڈال دیتی تھی۔ بعض نے کہا کہ خن چینی و چغل خوری سے استعارہ ہے۔ اس میں چغل خوری کی خاص عادت تھی۔ جَبْدٌ: گردن جیسو، اجساد جمع۔ حَبْلٌ رسی جمع حَبَالٌ (ن) رسی بننا، حبل مجازاً بمعنی عہد و پیمان بھی استعمال ہوتا ہے جیسے ﴿أَلَا بِحَبْلِ مَنْ اللَّهِ وَحَبْلِ مَنْ النَّاسِ﴾ مَسَدٌ اسم، کھجور کی شاخوں کی چھال سے نکالے ہوئے ریشے (ن) رسی بننا، تکلیف میں ڈالنا۔  
ترکیب:

تَبَّتْ فَعْلَ يَدَا مضاف اِبْنِ لَهَبٍ مرکب اضافی، مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ملکر فاعل، جملہ فعلیہ وَتَبَّ فعل ضمیر فاعل جملہ فعلیہ مَا اَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ، مرثلہ فی سورۃ اللیل۔ وَ عَاطَفَهُ مَا مَصْدَرِیہ کَسَبَ فعل ضمیر فاعل، جملہ بتاویل مفرد مائلہ پر عطف ہے او موصولہ او موصوفہ، فجینبذ العائد محذوف۔ سَيَصْلِي فعل ضمیر فاعل نارا اپنی صفت ذَات لَهَبٍ (مرکب اضافی) سے ملکر مفعول فیہ، وَ اَمْرَتُهُ (مرکب اضافی) ذوالجال حَمَّالَةُ الْحَطَبِ (مرکب اضافی) حال، ذوالحال و حال ملکر سَيَصْلِي کی ضمیر پر عطف، یا حَمَّالَةُ الْحَطَبِ منصوب تقدیرا یعنی ہے فی جیدھا خبر مقدم، حَبْلٌ موصوف من مَسَدٍ متعلق محذوف فتیل کے ہو کر صفت۔ مرکب توصیفی مبتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ حال ہوا، ضمیر حَمَّالَةُ سے یا اَمْرَتُهُ سے، یہ بھی احتمال ہے کہ اَمْرَتُهُ کی خبر ہو جائے اور حَبْلٌ من مَسَدٍ ظرف کا فاعل ہو جائے۔  
تفسیر:

تَبَّتْ يَدَا اِبْنِ لَهَبٍ وَتَبَّ۔ اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ٹوٹ گیا۔ مگر یہ اور اس قسم کے کلمات عرب کے محاورہ میں بدوعاء کے لئے استعمال ہوتے ہیں، حق تعالیٰ کسی کے لئے بدوعاء نہیں کرتے۔ بلکہ کیونکہ کلام ربانی محاورات انسانی میں نازل ہوا ہے اس لیے اس محاورہ میں ابولہب کی بربادی کی خبر دیتے ہیں۔ محاورہ کے موافق آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے یا وہ ہلاک ہو گیا۔ محاورہ میں بدوعاء کے بعد ایسا کلمہ استعمال کرتے ہیں جو بدوعاء کی قبولیت پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں ہے  
جَزَاءُ الْكَذَّابِ الْعَادِيَاتِ وَقَدْ فَعَلَ  
بدلہ دے اس کا رب میری طرف سے عدی بن حاتم کو۔ بھونکنے والے کتوں کا بدلہ اور اللہ نے ایسا کیا۔ اُردو کے محاورہ میں کہتے ہیں کہ خدا اس کو غارت کرے اور کر دیا۔  
دونوں ہاتھ ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟

(۱) چونکہ انسان کے اکثر کام ہاتھ ہی سے سرزد ہوتے ہیں اسلئے ہاتھ بول کر ذات اور نفس مراد لیتے ہیں۔ جیسے قرآن پاک میں ہے ﴿لَا تَسْلُقُوا بَابًا يُدْخِلُكُمْ اِلَى الْتَهْلُكَةِ﴾ اور بِمَا قَدَّمْتُ يَدَاكَ بعض علماء نے دونوں ہاتھوں کی خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکا تھا۔ اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ ابولہب نے ایک دن لوگوں سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد فلاں فلاں کام ہوں گے، پھر اپنے ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ ان ہاتھوں میں تو ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں آیا۔

پھر اپنے ہاتھوں سے کہنے لگا تَبَا لَکُمَا مَآ اَرٰی فِیْکُمَا شَیْئًا مِّمَّا قَالَا مُحَمَّدٌ (تم پر باد ہو جاؤ میں تمہارے اندر ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں دیکھ رہا ہوں جن کی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خبر دیتے ہیں۔ اس مناسبت سے قرآن نے ہلاکت کو ہاتھوں کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۲) انسان کے اندر قوت نظریہ و قوت عملیہ حسنت و سعادت دارین حاصل کرنے کے دو ہاتھ ہیں۔ جسکی یہ دونوں قوتیں خراب ہو گئیں گویا اسکے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے۔ ابولہب کو یہ بات حاصل تھی کہ اس کی دونوں قوتیں ضائع ہو گئی تھیں۔ اس لئے اس کے حال زار کی اس مغرور و بے خبر کو اطلاع دی گئی ہے۔ اور اس حقیقت کو دونوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۳) دونوں ہاتھوں سے مراد دنیا و آخرت ہیں مطلب یہ ہے کہ ابولہب کی دنیا اور آخرت دونوں خراب ہو گئیں۔ اور وہ برباد ہو گیا۔ (۴) ید بمعنی نعمت ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی احسان کا برتاؤ کرتا تھا اور قریش کے ساتھ بھی اور کہتا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاملہ ٹھیک ہے تو ان پر بھی میرا احسان ہے۔ اور اگر قریش کا معاملہ درست ہے تو ان پر بھی میرا احسان ہے غرض دونوں طرح میرا فائدہ ہے تو اس میں خبر دی گئی ہے کہ اس کا وہ ید (نعمت و احسان) جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے عناد و دشمنی سے ختم ہوا۔ اور جو قریش پر ہے وہ اسلئے ختم ہو گیا کہ قریش خائب و خاسر ہوں گے۔ یہ مطلب ہوا تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَہَبٍ کا۔ اور وَتَبَّ میں خود اس کی ہلاکت کی خبر ہے۔

ابولہب اور اسکی بربادی:

ابولہب بن عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا۔ نام اس کا عبدالعزیٰ تھا کیونکہ یہ سُرخ رنگ خوبصورت آدمی تھا۔ اسکے چہرہ کی چمک دمک کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب مشہور ہو گئی تھی۔ کیونکہ لہب آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو یہ خطاب سُرخ و سپید ہونکی وجہ سے قریش نے دیا تھا۔ عرب کا محاورہ ہے کہ کسی کا کوئی خاص وصف بیان کرنے کے لئے لفظ اب، اخ، یا ابن کے ساتھ اس کو منسوب کر دیتے ہیں۔ جیسے مسافر کو ابن السبیل، چاند کو ابن اللیل، عربی کو اخو العرب، مٹی لگے ہوئے کو ابتراب مسکین کو اخو علیہ، یہ بات نہیں کہ اس کا کوئی بیٹا لہب تھا، جسکی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب تھی، البتہ اس کی دوسری کنیت اسکے بیٹے عتبہ کی وجہ سے ابو عتبہ تھی، لیکن ابولہب کنیت غالب رہی، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ لفظ ابولہب سے اس کی کنیت مقصود نہیں بلکہ اسکے جہنمی ہونے کا وصف مراد ہے۔ جس طرح جنگجو آدمی کو اخو الحرب یا ابوالحرب کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ نے عبدالعزیٰ کو ابولہب فرما کر اس کے دوزخی ہونے کو ظاہر کیا ہے۔ محلیٰ نے بہترین فیصلہ کیا ہے کہ شروع میں تو اس کے چہرہ کی چمک دمک کنیت کا باعث بنی، اور اخیر میں دوزخی ہونے کے اعتبار سے یہ کنیت اس پر صادق آ گئی۔

اور اسلام دشمنی کی وجہ سے اسکے جہنمی ہونے کی دستاویز بن گئی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا۔ اور سرداران قریش میں شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن کفر و شقاوت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن اور اسلام کا سخت ترین مخالف تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی قبیلہ کو تبلیغ فرماتے تو یہ بد بخت آپ پر پتھر پھینکتا اور آپ کو لہو لہان کر دیتا تھا۔ طارق محاربؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بازار اور ذوالحجاز میں تھا تو ایک جوان آدمی کو دیکھا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے اَیْہَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلَحُوا (اے لوگو! توحید کے قائل ہو جاؤ کامیاب ہو جاؤ گے) اور ایک شخص اسکے پیچھے ہے جو اسکے پتھر مار مار کر اسکی پنڈلیوں اور ایڑیوں کو زخمی کر رہا ہے۔ وہ یوں کہہ رہا ہے کہ اے لوگو! اس کی بات نہ ماننا، یہ جھوٹا ہے میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ آگے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو نبی ہو نیکادوئی کرتے ہیں اور پیچھے ان کا چچا

ابولہب ہے جو ان کو جھٹلا رہا ہے۔ جب اس شقی کو عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ اگر واقعی یہ بات ہونے والی ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے ان کو فدیہ دیکر عذاب سے چھوٹ جاؤنگا۔ ہجرت کے بعد قریش کے جارحانہ ارادوں کا باعث یہ یحییٰ بھی بنا تھا۔

غزوہ بدر سے سات روز بعد اسکے چچک یا ایک زہریلی قسم کی گلٹی طاعون کی طرح نکلی، مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھروالوں نے اس کو الگ ڈال دیا اور یہ ذہیں پڑا پڑا سڑ کر مر گیا۔ اس کی لاش تین روز تک اسی جگہ پڑی سڑتی رہی آخر کار اسکے ورثہ کو شرم محسوس ہونے لگی تو حبشی مزدوروں سے اجرت پر اٹھوا کر اس کو گڑوا دیا۔ انہوں نے گڑھا کھود کر ایک لکڑی سے اس کی لاش کو اس گڑھے میں دھکیل دیا۔ اور اوپر سے پتھر بھر دیئے۔ ایک روایت میں ہے کہ گڑھا نہیں کھودا گیا بلکہ اس کی لاش کو دھکیل کر ایک دیوار کے قریب کر کے اوپر سے پتھر ڈال کر اس کی ناپاک لاش کو چھپا دیا۔ اس طرح بصد رسوائی و ذلت وہ ناری جہنم رسید ہوا۔ اور جو کچھ قرآن نے فرمایا تھا دنیا نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سورۃ ابولہب میں ابولہب کی ذاتی ہلاکت مراد نہیں بلکہ اس کی قومی ہلاکت مراد ہے۔ جو غزوہ بدر اور اس کے بعد واقع ہوئی۔ جس طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے ادوار میں کوئی ایک نافرمان و سرکش انکا زیادہ مقابل و مخالف رہا ہے اور اپنے ظالمانہ رویہ کی بنا پر پوری قوم کی تباہی و بربادی کا باعث بنا، جیسے ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں نمرود، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں فرعون تھا۔ اسی طرح امت محمدیہ کا نمرود یا فرعون ابولہب تھا۔ قرآن عظیم نے اسی حیثیت سے تمام عمائد قریش کو چھوڑ کر اسی شقی کا ذکر کیا ہے۔

ذکر کنیت کی وجہ:

آیت میں اس کی کنیت کا ذکر کیا گیا اور اس کے نام عبدالعزیٰ کو ذکر نہیں کیا۔ اس کی بہت سی وجوہ ہو سکتی ہیں مثلاً (۱) عزٰی ایک بت کا نام تھا جس کا یہ بندہ بنا ہوا تھا۔ ایسا مکروہ و ناپاک نام جس سے شرک کی بدبو آتی ہو کلام الہی میں ذکر کرنے کے قابل نہ تھا۔ (۲) وہ شقی اپنی اسی کنیت سے زیادہ مشہور تھا۔ (۳) یہ لفظ ابولہب، کیونکہ اسکے دوزخی ہونے پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے اس لئے یہاں یہی مناسب تھا وغیرہ۔

مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ اس میں مافی کے لئے ہے یا استفہام انکاری کے لئے یعنی اس کا مال اور کمائی اسکے کام نہ آئیں گے یا کیا اس کا مال اور کمائی اس کو عذاب سے بچالیں گے؟ ابولہب بڑا مالدار تھا اور بہت سے مویشیوں کا مالک تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباسؓ، عطاءؓ، ابن سیرینؒ، وغیرہ فرماتے ہیں کہ مَا كَسَبَ سے مراد اولاد ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی کمائی سے کھانا تمہارے لئے پاکیزہ ترین کھانا ہے اور تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے۔ (گویا کسب کا اطلاق اولاد پر بھی ہوتا ہے) دوسرے مفسرین نے مَا كَسَبَ کا مصداق منافع تجارت وغیرہ کو قرار دیا ہے۔ اولاد و مال دونوں چیزیں ناشکری کی وجہ سے اسکے فقر و غرور اور وبال کا سبب بنیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ابولہب یہ بھی کہتا تھا کہ جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے اگر وہ برحق ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے میں اس کو دیکر اپنی جان بچالوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب انتقام الہی کا وقت آیا تو اس کے نہ مال کام آیا نہ اولاد، وقال الضحاک مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ الْمُرُوثُ مِنْ أَبِيهِ وَمَا كَسَبَهُ بِنَفْسِهِ وَالَّذِي كَسَبَهُ مِنْ عَمَلِهِ الْخَبِيثِ الَّذِي هُوَ كِيدُهُ فِي عِدَاوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

## اولادِ ابی لہب:

ابولہب کے تین بیٹے تھے۔ عتبہ اور معتب یہ دونوں فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے تھے۔ اور ان کے مسلمان ہو جانے کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوشی ہوئی تھی۔ اور ان کے لئے خاص طور پر آپ نے دُعاء بھی فرمائی تھی۔ یہ دونوں غزوہ حنین و طائف میں شریک بھی ہوئے۔ تیسرا بیٹا عتیبہ (مصری) مسلمان نہیں ہوا تھا کما قیل۔

كَرِهْتُ عُتَيْبَةَ اِذَا جَرُمَا      وَ اَحْبَبْتُ عُتْبَةَ اِذَا اسْلَمَا  
كَذَا مُعْتَبٌ مُسْلِمٌ فَاحْتَرَزْ      وَ خَفْتُ اَنْ تُسَبَّ فَتُسَلَّمَا

عتیبہ سے مجھے نفرت ہے کیونکہ وہ مجرم رہا اور عتبہ سے محبت کرتا ہوں کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا اسی طرح معتب بھی مسلمان تھا تو احتیاط کر اور ڈر کہ تو ایک مسلمان جوان کو بُرا کہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم عتیبہ کے نکاح میں تھیں۔ اور دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ عتبہ کے نکاح میں تھیں۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ابولہب نے قسم دیکر اپنے دونوں بیٹوں کو طلاق کا حکم دیا۔ چنانچہ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دیدی۔ مگر عتیبہ نے حد سے بڑھ کر گستاخیاں کیں چنانچہ جب اپنے باپ کے ساتھ اس نے ملک شام کے سفر کا ارادہ کیا تو اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر ان کو ضرور اذیت دوں گا چنانچہ یہ آیا اور کہا اے محمد میں ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی﴾ کا منکر ہوں اور ﴿ذَنبٰی فَنَدٰی لٰمِ﴾ کا بھی انکار کرتا ہوں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر تھوک دیا جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نہیں پہنچا اور حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طلاق دیدی۔ اس خبیث نے اپنے قول و فعل سے ہر طرح اللہ کے محبوب کو ناراض کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بد نصیب کے لئے یہ بد دُعاء فرمائی اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِنْ کَلَابِکَ (اے اللہ اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مسلط کر دے) آپ کے چچا ابوطالب وہاں موجود تھے ان کو یہ بد دُعاء سنا گوارا معلوم ہوئی اور کہا اے بھتیجے! تم کو اس بد دُعاء سے کیا فائدہ ہوا اسکے بعد عتیبہ اپنے باپ کے پاس چلا گیا اور یہ قصہ سنا دیا پھر ملک شام کو یہ لوگ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ تو ایک راہب ان کے پاس آیا اور ان لوگوں سے کہا کہ یہاں درندے بہت ہیں احتیاط سے رہنا۔ ابولہب کو بد دُعاء کے پورا ہونے کا یقین تھا اس لئے اس نے اپنے قافلہ والوں سے کہا کہ اس رات میں آپ لوگ میری مدد کریں۔ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بد دُعاء کی وجہ سے اپنے بیٹے کی جان کا خوف ہے چنانچہ انھوں نے اپنے اونٹ انکے چاروں طرف بیٹھا دیئے۔ اور چاروں طرف سب لوگوں نے پڑاؤ کیا۔ بیچ میں عتیبہ کو کر لیا۔ رات کے وقت شیر آیا سب کو سونگھا اور عتیبہ کے پاس آ کر اس کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ یہاں تک تو اس کا دنیا میں پیش آنے والا حال بیان فرما دیا آگے آخرت کے حال کا ذکر ہے۔

سِیْصَلٰی نَارًا ..... یعنی قیامت کے دن یا قبر ہی میں وہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اسکی بیوی بھی یعنی وہ بد بخت بھی جو اپنے شوہر کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدترین دشمن تھی، اپنے شوہر کے ساتھ جہنم کی آگ میں جا بیگی۔ اس کا ایک حال یہ بتایا کہ وہ حملہ انحطاب ہے جس کے لفظی معنی ہیں سوختہ کی لکڑیاں لادنے والی، یہ عورت ام جمیل بنت حرب بن امیہ البوسفیان کی بہن تھی اور کافی تھی۔ ابن زید و ضحاک وغیرہ مفسرین نے کہا ہے کہ یہ عورت جنگل سے خاردار

لکڑیاں اور کانٹے جمع کر کے لاتی اور رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں بچھا دیتی تھی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کانٹوں پر اس طرح گزر جاتے جیسے ریشم پر چل رہے ہوں، اس کمینہ حرکت کی بنا پر قرآن مقدس نے اس کا لقب حَمَّالَةُ الْحَطَبِ ذکر کیا ہے۔ (۲) حضرت قتادہ وغیرہ نے کہا کہ کثرت مال کے باوجود وہ اتنی کنجوس تھی کہ جنگل سے ایندھن اپنی کمر پر لا کر لاتی تھی۔ تو قرآن نے اس لفظ سے اس کی کنجوسی کی عادت کا اظہار کیا ہے۔ (۳) حضرت ابن عباسؓ مجاہدؓ اور عکرمہؓ وغیرہ مفسرین کی ایک جماعت نے کہا کہ یہ عورت بہت زیادہ چغل خوری کرتی تھی۔ اور آپس میں عداوت کی آگ بھڑکا دیتی تھی۔ اس لئے اسکی یہ صفت خاص طور پر قرآن نے بیان کی ہے۔ (۴) سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ حَمَّالَةُ الْحَطَبِ کے معنی ہیں حَمَّالَةُ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبِ چنانچہ اہل عرب گنہگار کے لئے بولتے ہیں فَلَانٌ يَحْطُبُ عَلَى ظَهْرِهِ لان کل واحد من الحطب والذنب مبداء الحراق فافهم۔ (۵) ایک قول یہ بھی ہے کہ حطب حاطب کی جمع ہے جیسے حرس حارس کی جمع ہے اور حاطب کے معنی ہیں گنہگار کے تو حَمَّالَةُ الْحَطَبِ کا مطلب ہوگا حَمَّالَةُ الْجَنَاحَةِ عَلَى الْجَنَاحَاتِ (بدکاروں کو بدکاریوں پر ابھارنے والی) لیکن یہ قول حمل بعید و تاویل ریک ہے۔ (۶) بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا یہ حال دوزخ میں ہوگا کہ وہ جہنم کے درختوں و قوم وغیرہ کی لکڑیاں لا کر اپنے شوہر پر ڈالے گی تاکہ اسکی آگ اور بھڑک جائے جس طرح دنیا میں وہ اسکے کفر و ظلم کو بڑھاتی تھی آخرت میں اسکے عذاب کو بڑھائے گی و هو کماتری۔

فِي جَنَدٍ هَاجِلٍ مِّنْ مَّسَدٍ ..... مسد اس رسی کو کہا جاتا ہے جو خوب مضبوط بنائی گئی ہو خواہ وہ کسی چیز کی ہو۔ کھجور ناریل وغیرہ کی ہویا لوہے کی تاروں کی۔ غرض ہر طرح کی رسی اس میں داخل ہے بعض لوگوں نے جو خاص کھجور کی رسی اس کا ترجمہ کیا وہ عرب کی عام عادت کے مطابق کیا ہے۔ اصل اس کا مفہوم عام ہے اسی عام مفہوم کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ و عروہ بن زبیرؓ وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں جَنَدٍ مِّنْ مَّسَدٍ سے مراد لوہے کے تاروں سے بنا ہوا راسا ہے۔ اور یہ اسکا حال جہنم میں ہوگا۔ کہ اتنی تاروں سے مضبوط بنا ہوا طوق اسکے گلے میں ہوگا مجاہدؓ نے بھی اس کی تفسیر یہی کی ہے مِّنْ مَّسَدٍ ای مِّنْ حَبِيدٍ شععی و مقاتلؓ نے کہا کہ اس سے وہ رسی مراد ہے جو کھجور کے ریشوں سے بنی ہوئی تھی۔ اور ام جمیل اس میں لکڑیاں باندھ کر لاتی تھی۔ ایک دن لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لاری تھی کہ تھک کر ایک پتھر پر آرام لینے بیٹھ گئی۔ پیچھے سے ایک فرشتے نے آ کر رسی کھینچ کر اس کو ہلاک کر دیا۔ ابن زیدؓ نے کہا کہ مسد یمن میں ایک درخت ہوتا ہے اس کی رسی مراد ہے۔ قتادہؓ کہتے ہیں کہ ہار مراد ہے حسن بصریؓ فرماتے ہیں کہ اسکے گلے میں کچھ پوتھ پڑے رہتے تھے وہ مراد ہیں۔ سعید بن المسیبؓ نے کہا کہ اس کے گلے میں ایک بیش قیمت خوبصورت ہار پڑا ہوتا تھا وہی مراد ہے۔ اس نے یہ کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دشمنی میں یہ ہار خرچ کر دوں گی۔ (تو اس کی سزا دوزخ میں اس کو طوق سے ملے گی)۔

بہر حال مسد سے مراد لوہے کے تاروں کی رسی ہے۔ تو یہ واقعہ آخرت کا ہوگا اس صورت میں اِمْرَاَتُهُ مبتدا اور فِي جَنَدٍ خبر ہوگی۔ اور اِمْرَاَتُهُ کو سَبْطُلَى کے فاعل کا معطوف قرار دیا جائے تو فِي جَنَدٍ ہا حال ہوگا۔ اور بہر دو صورت حَمَّالَةُ الْحَطَبِ منصوب بالذم ہوگا فِي جَنَدٍ ہا اس سے حال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ دنیا کی حالت ہے اور فِي جَنَدٍ آخرت کی حالت ہے۔ اور ذوالحال و حال کا زمانہ ایک ہونا چاہیے ہاں اگر حَمَّالَةُ الْحَطَبِ سے مراد دوزخ کے اندر زقوم کی لکڑیاں اٹھانے والی مراد ہو تو فِي جَنَدٍ ہا کو اس سے حال بنا سکتے ہیں۔ اور اگر جَنَدٍ مِّنْ مَّسَدٍ



سے مراد معمولی رسی ہے تو فی جیدھا مبتدا محذوف کی خبر ہوگی۔ یا امرأتہ کی خبر ثانی ہوگی یا حملاً لآل حطب سے حال ہوگا فافہم۔

تنبیہ:..... حَمَلَةُ الْحَطَبِ اور فِی جیدھا کو اکثر مفسرین نے ان کے حقیقی معنی پر محمول نہیں کیا۔ کیونکہ ام جمیل اور ابولہب مادر، اعلیٰ خاندان اور اونچے گھرانہ کے افراد تھے۔ ابولہب سردار قریش تھا۔ اسکی بیوی اتنا ذلیل و حقیر کام کر کے گلے میں رسی ڈالے پھرے اور لکڑیوں کا گٹھاسر پراٹھا کر لائے یہ عادت ممکن نہیں۔

المسئله:..... واستدل بقوله تعالى ﴿وَأَمْرًا﴾ على صحة النكحة الكفار (فيمابینهم)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔  
تم تفسیر سورۃ اللہب فالحمد لله الخالق الرب والصلوة والسلام علی رسولہ الاکرم الاحب الذی طاعته علی خلق اللہ وجب وعلی الہ المتادبین من ادابہ کل ادب وعلی کل من تبعہم واقرب۔

## سُورَةُ الْإِخْلَاصِ

### سُورَةُ الْإِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعُ آيَاتٍ

(حروف ۳۷- رکوع ۱- سورۃ اخلاص مکہ میں نازل ہوئی۔ اور اس میں چار آیات ہیں۔ آیات ۴- کلمات ۱۵)

یہ سورت جمہور مفسرین کے نزدیک مکیہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حسن، عکرمہ، عطاء، مجاہد اور قتادہ سے بھی یہی منقول ہے۔ اور حضرت ابن عباس، محمد بن کعب، ابوالعالیہ، سدئی اور ضحاک وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ مدنیہ ہے۔ اتفاق میں علامہ سیوطی نے فرمایا کہ اس اختلاف کی بنیاد سبب نزول کی دو متعارض حدیثیں ہیں۔ بعض حضرات نے دونوں متعارض روایتوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ یہ سورت دو بار نازل ہوئی۔ ایک بار مکہ میں دوسری بار مدینہ میں پھر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کا مدنیہ ہونا زیادہ رائج ہے۔

اسمائے سورت:

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اور علامہ سید محمد آلوسی نے روح المعانی میں اس سورت کے بہت سے نام ذکر کیے ہیں۔ مثلاً۔ سورۃ توحید سورۃ اساس، سورۃ التفرد، سورۃ التجرید، سورۃ النجاة، سورۃ الولایۃ، سورۃ المعرفة، سورۃ الجمال، سورۃ النسبۃ، سورۃ الصمد، سورۃ المعوذۃ، سورۃ المحضر، سورۃ المنفرۃ، سورۃ البراءۃ، سورۃ المذکرۃ، سورۃ النور، سورۃ الایمان۔

علامہ آلوسی نے یہ اسماء اور روایات سے ان کی وجوہ تسمیہ ذکر کر کے فرمایا کہ ان اسماء میں سے اکثر امام رازی نے ذکر کر رکھے ہیں اور وجوہ تسمیہ بھی ذکر کی ہیں۔ لیکن امام رازی کو احوال مرویات کی معرفت حاصل نہیں۔ وہ صحیح و غیر صحیح حدیث میں تمیز نہیں کر پاتے۔ اور نہ اس کی کوئی پرواہ کرتے ہیں بلکہ ان کو جیسی روایت مل جائے لکھ ڈالتے ہیں کیونکہ وجوہ تسمیہ کی روایات اکثر ضعاف یا موضوعات تھیں اسلئے ہم نے سب کو چھوڑ دیا ہے، جس کا جی چاہے تفسیر کبیر میں دیکھ لے۔

## رابط و مناسبت:

اس سورت کا سورۃ لہب سے یہ ربط ہے کہ ابولہب و عمار قریش بلکہ جملہ مشرکین بلائے شرک میں اسلئے مبتلا ہوئے کہ ان کو عرفانِ خداوندی حاصل نہ تھا۔ یہی ابولہب اور اس جیسے تمام لوگوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہے، اس سورت میں اس تباہی سے بچنے کا راستہ (معرفتِ خداوندی) بیان کیا گیا۔ نیز سورۃ کافرون میں جس ذاتِ عالی کی عبادت کا اقرار اور اس پر بجا اصرار بیان کیا گیا۔ اس کے بعد اس ذات کے کامل اوصاف بیان کر دینا مقتضائے رحمت و اہتمامِ حجت ہے۔ جو نہ مانے وہ فیض کوثر اور فتح و نصر سے محروم رہ کر اتر بنے اور محرومی کے ساتھ ابولہب والی بلا میں گرفتار ہو۔

سورۃ اخلاص گو فاضل اور عبارت کے طرز کے اعتبار سے سورۃ لہب کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ لیکن معنوی اعتبار سے سورۃ کافرون سے زیادہ مربوط ہے۔ یہ دونوں سورتیں نفی و اثبات میں کلمہ تو حید کی طرح ہیں۔ اسی بنا پر ان دونوں سورتوں کو مشتق تھان کہتے ہیں (فشفش ای صبح و ہوا المریض) اور شاید اسی وجہ سے بہت سی نمازوں میں ان دونوں کا پڑھنا منقول ہے مثلاً فجر کی دو سنتوں میں، سفر کی فجر میں، لیلیۃ الجمعہ کی مغرب میں، طواف کی دو رکعتوں میں، صلوٰۃ الضحیٰ میں مغرب کی دو سنتوں میں۔

## شان نزول:

ترمذی، حاکم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کا نسب پوچھا تھا۔ ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ مشرکین کے سوال میں یہ بھی تھا کہ اللہ کس چیز کا بنا ہوا ہے؟ سونے کا یا چاندی کا یا اور کسی چیز کا۔ بعض روایات میں ہے کہ کسی اعرابی (گنوار) نے یہ سوال کیا تھا تب یہ سورت نازل ہوئی دوسری بعض روایات میں ہے کہ سوال یہود مدینہ کعب بن اشرف، وحی بن اخطب وغیرہ نے کیا تھا کہ آپ اپنے رب کے اوصاف ہم سے بیان کریں اس پر یہ سورت اتری۔ محدثین نے اس سوال کو اپنی اپنی کتابوں میں مختلف الفاظ و اختلاف مضامین کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں، امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حاکم نے مستدرک میں اور ابن خزیمہ نے ابن ابی کعب سے روایت ذکر کی ہے کہ مشرکین نے پوچھا تھا۔

حاکم و ترمذی نے ابوالعالیہ سے یہی روایت نقل کی طبرانی، بیہقی اور ابونعیم نے جابر سے روایت کیا کہ کسی اعرابی نے یہ سوال کیا تھا اور بیہقی وغیرہ نے علمائے یہود کا سوال ذکر کیا ہے۔ اسی لئے اس سورت کے کئی ومدنی ہونے میں بھی اختلاف ہے جیسا کہ مذکور ہوا، ممکن ہے مشرکین یا اعرابی کے سوال پر مکہ میں اس کا نزول ہوا ہو پھر علمائے یہود کے سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو پڑھ کر سنا دیا ہو، مفسرین کے نزدیک کسی سوال کے جواب میں کسی سورت یا آیت کو پڑھ کر سنا دینے کو بھی نازل ہونے سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ اس طرح روایات کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## فضائل سورت:

اسلام کا بنیادی عقیدہ تو حید اس سورت میں تفصیل سے مذکور ہے غالباً قرآن مقدس کے خاتمہ پر اسی اہمیت کے پیش نظر اس سورت کو رکھا گیا ہے۔ باقی اسکے بعد کی دو سورتیں سورۃ فلق و سورۃ ناس بطور متممہ ہیں جن میں ہر قسم کے شرور سے خصوصاً ان شرور سے جو تو حید و اعتقاد میں فرق ڈال سکتے ہیں پناہ مانگنے کا حکم مذکور ہے جس میں اشارہ ہے کہ تو حید و اعتقاد صحیح پر قائم رہو۔ اور خطرات و وساوس کو دل میں جگہ نہ دو بلکہ ان سے ہماری حفاظت و پناہ طلب کرتے رہو۔ اس سورت کی فضیلت کے لئے یہی

بہت کافی ہے کہ یہ سب سے بڑی بنیادی اور افضل ترین چیز کو حاوی ہے۔

اس کے باوجود بہت سی احادیث میں اسکی فضیلت مذکور ہے جن میں سے چند حسب ذیل ہیں: (۱) ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ سب جمع ہو جاؤ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا تو جو جمع ہو سکتے تھے۔ وہ سب جمع ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ..... کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ سور ایک تہائی قرآن کی برابر ہے۔ (۲) امام بخاری و امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (۳) احمد و نسائی وغیرہ نے روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے یہ سورت پڑھی گویا اس نے ایک تہائی قرآن پڑھا۔ (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لیا کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ایک تہائی قرآن کیسے پڑھا جاسکتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (بخاری و مسلم)

(ف) روح المعانی میں اس سورت کے ایک تہائی قرآن کے برابر ہونے کی بہت سی توجیہات بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن میں تین قسم کے مضامین ہیں۔ توحید و صفات، افعال عباد، موت مابعد الموت، اول الذکر مضمون پر یہ سورت مشتمل ہے۔ رہی ثواب کی بات تو ثواب ایک اصولی ہے۔ وہ تو قرآن کی تمام آیات و سورت کا برابر ہے ایک تفضیلی ثواب ہے جسمیں بعض آیات اور سورتوں کا دوسری آیات و سورت سے بڑھ کر ثواب ہے۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کو ایک جہاد میں روانہ کیا تو ان کا امام سب نمازوں میں سورۃ اخلاص ہی پڑھتا رہا۔ واپسی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا کہ اس سے پوچھو اس نے ایسا کیوں کیا معلوم کرنے پر امام صاحب نے بتایا کہ اس سورت میں صفت رحمن ہے اور میں اس کی تلاوت سے محبت رکھتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو اطلاع کر دو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم) (۶) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اس سورت قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تیرا اس سورت سے محبت کرنا تجھ کو جنت میں داخل کریگا۔ (بخاری و ترمذی) (۷) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزانہ رات کو آرام فرمانے کے لئے بستر پر تشریف لاتے تو قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کرتے اور جہاں تک ہاتھ پہنچتے اپنے بدن پر ان کو پھیر لیتے۔ سر، چہرہ اور اپنے بدن کے اگلے حصہ سے ابتداء فرماتے تھے۔ اس طرح تین بار کرتے۔ (بخاری و مسلم) (۸) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سونے کا ارادہ کرے تو اپنے بستر پر دہنی کروٹ لیٹے۔ پھر ۱۰۰ بار قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھے تو قیامت کے دن رب تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائیں گے اے میرے بندے اپنی دہنی جانب سے جنت میں چلا جا۔ (ترمذی) (۹) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھ رہا ہے تو آپ نے فرمایا واجب ہوگئی (راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا جنت واجب ہوگئی۔ (مالک و ترمذی و نسائی) (۱۰) حضرت عبداللہ بن غیبؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بارش والی سخت اندھیری کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے کے لئے نکلے تو جب ہم نے آپ کو پالیا تو ارشاد فرمایا کہو! میں نے عرض کیا: کیا کہوں؟ فرمایا قُلْ

هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور معوذتین ہر صبح و شام تین تین بار ان کو پڑھا کرو، تم کو ہر چیز سے کافی ہے۔ (ترمذی و ابوداؤد و نسائی) (۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا زُلْزِلَتْ آدَمِے قرآن کی برابر ہے۔ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہا کی قرآن کی برابر ہے اور قُلْ يَٰۤاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ چوتھا قرآن کے برابر ہے۔ (ترمذی) (۱۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص روزانہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۲۰۰ دو سو بار پڑھ لیا کرے اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے مگر یہ کہ اس کے ذمہ کسی کا قرض ہو۔ (ترمذی، دارمی وغیرہ) (۱۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص دس بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ لے اس کے لئے جنت میں ایک عظیم الشان محل تیار کیا جاتا ہے۔ اور جو بیس مرتبہ پڑھ لے تو جنت میں دو محل بنادئے جاتے ہیں اور جو تیس مرتبہ پڑھ لے تو جنت میں تین محل تیار کر دیئے جاتے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر تو ہم اپنے محلات بہت بنوالیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ بہت زیادہ وسعت والے ہیں (دارمی) (۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو ایسی تین سورتیں بتاتا ہوں جو تورات انجیل، زبور اور قرآن (سب ہی کتابوں) میں نازل ہوئی ہیں اور فرمایا کہ رات کو اس وقت تک نہ سوؤ جب تک ان تینوں (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور معوذتین) کو نہ پڑھ لو۔ (راوی حدیث) حضرت عقبہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت سے میں نے کبھی ان کو نہیں چھوڑا۔ (ابن کثیر عن احمد)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بیکدر رحم والا بڑا مہربان ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (۳) وَلَمْ

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ یکتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اسکے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ

قُلْ	هُوَ	اللّٰهُ	اَحَدٌ	اَللّٰهُ	الصَّمَدُ	لَمْ	يَلِدْ	وَلَمْ	يُولَدْ	وَلَمْ
کہہ	وہ	اللہ	ایک	اللہ	بے احتیاج	نہیں	جنا اس نے	اور	نہ	جنا گیا
اور	نہیں	نہیں	نہیں	نہیں	نہیں	نہیں	نہیں	نہیں	نہیں	نہیں

يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (۴)

کوئی اس کے برابر ہے۔

يَكُنْ	لَّهٗ	كُفُوًا	اَحَدٌ
ہے	واسے اس کے	برابری کرنے والا	کوئی

لغات:

اَحَدٌ ایک، اکیلا پہلا، یکتا، مؤنث اِحدی کہا جاتا ہے فَلَانٌ اَحَدٌ اَلَا اَحَدٌ یُنِ فلاں بے مثل ہے۔ اِحدی اَلَا اَحَدٌ بڑا عجیب معاملہ اَحَدٌ کا استعمال کبھی نفی میں ہوتا ہے، کبھی اثبات میں، نفی کی صورت میں استغراق جنسی کے لئے آتا ہے۔ یعنی پوری جنس کی نفی ہوتی ہے۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر، مجتمع طور پر ہو جیسے ﴿وَلَا تُصَلِّیْ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ﴾ (منافقوں میں سے کسی پر بھی نماز نہ پڑھئے) اور اس معنی میں اَحَدٌ کا استعمال صرف نفی کی حالت میں درست ہے اثبات

میں درست نہیں، کیونکہ دو متضاد چیزوں کی نفی تو صحیح ہے، لیکن اثبات صحیح نہیں ہو سکتا۔ اثبات کی حالت میں اس کا استعمال تین طرح ہوتا ہے۔

(۱) دہائیوں پر ایک کے اضافہ کے لئے جیسے ۱۱، ۲۱، ۳۱، ۴۱، وغیرہ میں اَحَدٌ عَشَرَ، اَحَدٌ وَعِشْرُونَ، اَحَدٌ وَفَلْتُونَ وغیرہ وغیرہ (۲) مضاف یا مضاف الیہ ہو کر جیسے اَحَدٌ کما، علیٰ راسِ اَحَدِکُمْ (۳) معنی وصفی کے لئے یعنی اکیلے اور یکتا کے معنی میں۔ اس صورت میں اس کا استعمال صرف اللہ ہی کے لئے جائز ہے جیسے ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ اَحَدٌ﴾ الصَّمَدُ: بے نیاز، بے احتیاج جو کھاتا پیتا نہ ہو۔ اسکے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے عنوان تفسیر میں ملاحظہ فرمائیے صَمَدٌ صَمَداً (ن ض) قصد کرنا، ارادہ کرنا، اعتماد کرنا، جھلس دینا، بند کرنا، کُفُّوا: ہمسر، مرتبہ میں برابر جمع کُفَّاءِ، کُفَّاءِ، کُفَّاءِ (ف) الٹ دینا، جھکا دینا، شکست کھانا، پشت پھیر کر بھاگنا۔ (لازم و متعدی) ترکیب:

قُلْ فعل بافاعل۔ ہو ضمیر شان یعنی اس کا کوئی محل اعراب نہیں، بعض کہتے ہیں کہ یہ مبتدا ہے۔ اللہ اَحَدٌ مبتدا و خبر جملہ اسمیہ خبریہ، ضمیر شان کی تفسیر یا ہو مبتدا کی خبر، جملہ مقولہ مفعول بہ، جملہ فعلیہ، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہو مبتدا اور اللہ اور اَحَدٌ دونوں خبریں ہوں اللہ الصَّمَدُ مبتدا و خبر، جملہ اسمیہ۔ لَمْ یَلِدْ فعل فاعل جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَلَمْ یُولَدْ جملہ فعلیہ معطوف وَلَمْ یَكُنْ فعل ناقص اَحَدٌ اسم مؤخر۔ کُفُّوا اپنے متعلق مقدم لہ سے ملکر خبر مقدم جملہ فعلیہ معطوف و تاخیر الاسم لمراعاة السجع.

تفسیر:

قُلْ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو ہدایت کا حکم ہوا ہے۔ اس لفظ کو سنکر مخاطب کو شوق و انتظار بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ دیکھئے عالم غیب سے اسکے بعد کیا ارشاد ہوتا ہے۔ نیز جو مضمون اس سے آگے آنے والا ہے یہ لفظ اس کی عظمت و اہمیت پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اللہ یہ لفظ اس ذات گرامی کا علم ہے جو واجب الوجود، تمام صفات کمالیہ کو جامع اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے یہ جمہور اہل سنت کا مسلک ہے، معتزلہ اس کو علم نہیں مانتے۔ اَحَدٌ احد اور واحد ترجمہ دونوں لفظوں کا ایک ہی کیا جاتا ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے لفظ اَحَدٌ میں یہ بھی ہے کہ وہ ترکیب و تجزیہ اور تعدد سے اور کسی چیز کی مشابہت و مشاکلت سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ ذات حق جل مجدہ پر بولا جاتا ہے۔ اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کسی ایک یا متعدد مادوں سے نہیں بنا نہ اس میں تعدد و ترکیب کا کوئی امکان ہے نہ وہ کسی کے مشابہ ہے، اس میں ان لوگوں کا جواب ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کے متعلق سوال کرتے تھے کہ وہ سونے کا ہے یا چاندی کا؟ یا اور کسی دھات کا، اس ایک مختصر سے جملہ میں ذات و صفات کے سب مباحث آ گئے۔ اور لفظ قُلْ میں نبوت و رسالت کا مسئلہ آ گیا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ مختصر جملہ ان تمام عظیم الشان مباحث کو جامع و حاوی ہے جو نبوی بڑی ضخیم جلدوں میں لکھے جاتے ہیں اس مقام پر طویل تفسیروں میں ان مباحث کو لکھا بھی گیا ہے۔ ہماری مختصر کتاب ان کی تحمل نہیں۔

فائدہ..... لفظ ﴿ہو﴾ میں دو احتمال معلوم ہو چکے ہیں کہ یا تو وہ ضمیر شان ہے جس کا کوئی مرجع نہیں ہوتا بلکہ

ما بعد کا جملہ اسی کی وضاحت و تفسیر کرتا ہے تو اللہ احد اس کی تفسیر ہے۔ یا لفظ ﴿ہو﴾ ضمیر ہے اس کا مرجع وہ رب ہے جو سائلین کے سوال میں مذکور تھا اس صورت میں اللہ احد اس کی خبر ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں اشکالات ہیں۔

(۱) لفظ اللہ معین ذات کا علم ہے جو خالق، مالک، رازق اور رب ہے وغیرہ وغیرہ وضع کے اعتبار سے اس میں کثرت و عموم کا احتمال ہی نہیں۔ کیونکہ یہ جزئی حقیقی ہے۔ اور جزئی حقیقی میں کثرت کا احتمال ناممکن ہوتا ہے۔ اسکے بعد احد کہنا ایسا ہی ہوا جیسے زید زید عمرو وعمرو۔ اللہ اللہ یعنی زید زید ہے عمرو عمرو ہے اللہ اللہ ہے۔ اس کلام کا غیر مفید ہونا ظاہر ہے، کیونکہ ہر چیز اپنی ذات کا عین ہوتی ہے اہل منطق کی اصطلاح میں اس کو حمل اولیٰ اور حمل غیر مفید کہتے ہیں اس لئے یہ کہنا پڑیگا کہ لفظ اللہ میں احتمال کثرت تھا اور احد کہنے کے بعد اس احتمال کثرت کو رد کر دیا گیا۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ لفظ اللہ کی لفظی وضع ذات واجب الوجود کے لئے خواہ وہ ایک ہو یا متعدد، یہ لفظ وحدت شخصہ پر اصل کے اعتبار سے دال نہیں۔ گویا یہ لفظ اصل وضع میں جزئی حقیقی نہیں بلکہ وضع کے اعتبار سے کلی ہے مگر عقل بتا رہی ہے کہ چند واجب الوجود کا وجود ممکن نہیں۔ اس لئے اس کا حصر ہی ذات میں ہو گیا۔ اور کسی ذات کا اللہ ہونا محال ہے۔ اس طرح لفظ اللہ کے بعد احد کا ذکر مفید ہو گیا (مظہری)

لیکن یہ جواب جمہور اہل سنت کے مسلک پر چسپاں نہیں ہوتا جو لفظ اللہ کو اسم ذات (علم ذاتی) اور جزئی حقیقی مانتے ہیں۔ اسلئے یہاں صاف بات یہ ہے کہ سائلین نے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق سوالات کئے تھے کہ وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے؟ یا اس کے اوصاف کیا ہیں؟ لفظ اللہ میں ان جملہ احتمالات کو ملحوظ رکھ کر احد سے ان سب کی تردید کی گئی۔ اور لفظ اللہ اسم ذات کو ذکر کر کے احد کے لفظ سے اس کی جملہ صفات کو ایک لفظ احد میں بیان کر دیا گیا ہے مثلاً کوئی جاہل آدمی کسی سے سوال کرتا ہے کہ بادشاہ لوہے کا ہے یا لکڑی کا ہے وغیرہ تو جواب دیا جاتا بادشاہ ملک کا مالک ہے۔ مفہوم دونوں اجزاء کا ایک ہے۔ مگر پھر بھی مفید ہے۔ اسی طرح کوئی کہے زید کی صفت کیا ہے تو کہتے ہیں زید عالم ہے۔ اور بالفرض زید کے سوا کوئی عالم نہیں تو عالم اور زید دونوں کا اطلاق ایک ہی ذات پر ہوگا۔ اس کے باوجود کہ یہ ترکیب مفید ہے۔ رہی منطقیوں کی اصطلاح تو ان کے قواعد سب ریت کے محل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس میں ذات خداوندی کے لئے وصف احدیت کو ثابت کیا گیا جو سرے سے موجب اشکال ہی نہیں۔ بلکہ اس سے مسلک جمہور کی تائید ہوتی ہے کہ لفظ اللہ اسم ذات (علم) ہے فافہم۔

(۲) ﴿ہو﴾ کو ضمیر شان مانو یا وہ ضمیر جس کا مرجع رب ہے بہر دو صورت یہ اشکال ہوگا کہ یہ جواب سوال کے مطابق نہیں۔ کیونکہ سائلین کا سوال توحید و تعدد کے متعلق نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کو بآواز بلند لا الہ الا اللہ کے ذریعہ توحید کی دعوت دے رہے تھے۔ سوال تو اللہ کی حقیقت کے متعلق تھا یا اس کے اوصاف کے متعلق۔ اور جواب میں نہ تو حقیقت ترکیبیہ واقع ہے، نہ اوصاف و صفات؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں لفظ احد سے مراد صرف توحید نہیں، بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ وہ ہر طرح کے مادہ و اجزاء ترکیبیہ اور تعدد و لوازم جسمانیات اور ہیئت وضع و تجمیز سے پاک ہے۔ نہ اپنی حقیقت میں کسی چیز کے ساتھ شریک ہے نہ کسی صفت کمال میں کوئی چیز اس کے مشابہ ہے۔ الحاصل وہ اپنی ذات و صفات میں بے نظیر اور بے مثل و بے مثل ہے۔ نہ اسکی کوئی ضد ہے نہ نہ، لیس کج مثلہ شیء فی الارض ولا فی السماء۔ اللہ کا وجود اصل و حقیقی ہے اور ممکنات کا وجود اس کے سایہ کی طرح ہے۔ اسی طرح صفات باری اصلی و حقیقی ہیں۔ اور صفات ممکنات ان کا پرتو، صفات باری کے ساتھ نام کی شرکت ہے حقیقی اشتراک نہیں۔ اسی لئے صوفیہ کرام لا الہ الا اللہ کے معنی لا موجود الا اللہ بتاتے ہیں۔

اللہ الصمد (۱) حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؓ، حسن بصریؓ، سعید بن جبیرؓ، اور شمسؓ نے کہا کہ صمد وہ ہے کہ جس کے جوف یعنی شکم نہ ہو۔ یعنی جو کھائے نہ پیئے۔ حضرت بریدہؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ صمد وہ ہے جسکے آنتیں نہ ہوں۔ عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ صمد وہ ہے جو کھانا نہ کھائے (۲) حضرت ابن ابی کعبؓ حضرت ربیع بن انسؓ اور بہت سے علماء نے کہا کہ صمد: لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ہے یعنی اس کا ما بعد اس کی تشریح ہے کیونکہ جو پیدا ہوگا وہ مرے گا، جو وارث ہوگا، دوسرا اس کی وراثت پائیگا۔ (۳) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ صمد وہ سردار ہے جس پر سرداری ختم ہوئی ہو۔ وہ شریف ہے جس پر شرافت ختم ہو۔ وہ عظیم ہے جس پر عظمت کی انتہاء ہوگئی ہو۔ وہ علیم ہے جس پر کمال علم ختم ہو گیا۔ ہو وہ حکیم ہے جسکی حکمت بے انتہاء ہو اور سرداری و شرافت کی تمام انواع اس پر منتہی ہوگئی ہوں۔ (۴) صمد وہ ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور اس کے سب محتاج ہوں (۵) سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے کہ صمد وہ ہے جو تمام افعال و صفات میں کامل ہو (۶) ربیع کہتے ہیں صمد وہ ہے جس پر آفات نہ آئیں۔ (۷) مقاتل بن حبانؓ کہتے ہیں کہ صمد وہ ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو (۸) حضرت علیؓ و عکرمہؓ کہتے ہیں صمد وہ ہے جس کے اوپر کوئی نہ ہو (۹) قتادہؓ کہتے ہیں صمد وہ ہے جو اپنی مخلوق کے بعد بھی باقی رہے۔ (۱۰) معمرؓ کہتے ہیں صمد وہ ہے جو ہمیشہ رہے (۱۱) مرہ ہمدانیؓ کہتے ہیں صمد وہ ہے جو نہ مڑانا ہو نہ فنا ہو (۱۲) ہمدانیؓ ہی کہتے ہیں کہ صمد وہ ہے کہ جو چاہے حکم کرے اور جو چاہے کرے اس کے حکم کو کوئی روک نہ سکے۔ اور اس کے فیصلہ کو کوئی رد نہ کر سکے۔ (۱۳) علامہ خازنؒ نے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ صمد کو ان تمام معانی پر محمول کیا جائے جو اسکے متعلق بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ وہ ہر ایک معنی کا محتمل ہے۔ واضح رہے جیسا پہلے معلوم ہو چکا کہ صمد کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہیں۔ اور صمد اسی سے بروزن فعل صیغہ صفت بمعنی مفعول (مقصود) ہے تو لغت کے اعتبار سے تو وہی معنی ہیں جو ائمہ لغت نے بیان کئے یعنی الصمد السيد الذي يقصد اليه (صمد وہ سردار ہے جس کی طرف تمام حوائج و معاملات میں قصد کیا جائے) دوسرے صمد کے معنی لغت میں شخوس کے بھی ہیں۔ یعنی جس پر کوئی تغیر نہیں آتا ہو، قوی و مستقل ہو۔ اس صورت میں بمعنی واجب الوجود ہوگا اسی کو صاحب روح المعانی نے ترجیح دی ہے اور مذکورہ تمام معانی اسی میں داخل ہیں۔ ملا علی قاریؒ محدث حنفی نے المحرر الثمین شرح المحسن الحصین میں ان تمام مذکورہ معانی کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان کیا ہے و حاصلہ الغنی المغنی الذي لا يحتاج الى شيء ويحتاج اليه كل واحد (حاصل یہ ہے کہ صمد وہ ذات غنی و مغنی ہے جس کو کسی شے کی احتیاج نہ ہو اور ہر ایک کو اس کی احتیاج ہو) صاحب مظہریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صمد کے معنی مقصود کے ہیں سردار کو بھی صمد اسی لئے کہتے ہیں کہ رعایا اس کا قصد کرتی ہے۔ الصمد کا الف لام اس بات کو بتا رہا ہے کہ وہ صمدیت کے اس اعلیٰ مقام پر ہے جہاں کسی اور کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اقوال مذکورہ بالا میں لفظ صمد کی جتنی تشریحات کی گئی ہیں وہ صمد کے اصل معنی (مقصود) کے لوازم ہیں۔ مقصود مطلق صرف حق جل مجدہ ہو سکتا ہے جس کے سب محتاج ہیں۔ اور وہ کسی کا محتاج نہیں لا محالہ اس میں تمام کمالات ہوں گے۔ اور وہ ہر طرح کے عیوب و نقائص سے مبرا ہوگا۔ ہر طرح کی سیادت اور حقیقی قدامت اسی کو حاصل ہوگی۔ وہ ہر قسم کے تغیرات و آفات والد و ولد اور ہم جنس و ہمسر سے منزہ و پاک ہوگا۔ (مظہری)

امام حدیث طبرانیؒ نے کتاب السنہ میں بھی ان تمام اقوال کو جمع کر کے فرمایا ہے کہ یہ سب صحیح ہیں۔ ہمارے رب کی صفات ہیں۔ لیکن صمد کے اصل معنی یہ ہیں کہ سب اس کے محتاج ہوں۔ اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ اور بڑائی اور سرداری میں ایسا ہو کہ اس سے بڑا کوئی نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ سب اس کے محتاج ہوں وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ (ابن کثیر)

فائدہ..... سابقہ تشریحات سے یہ بات روشن ہوگئی کہ اللہ اُحَدُ کہنے کے بعد اللہ الصمد اور اسکے بعد والے جملوں کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اللہ اَحَد میں یہ تمام معانی موجود ہیں۔ لیکن بطور عطف الخاص علی العام ان جملوں کو مزید تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ تاکہ قوت کے ساتھ تزیید باری کا اظہار ہو جائے۔ اور جو لوگ توحید کے منکر تھے یا انہوں نے ماسوی اللہ کو اپنا مقصود قرار دے رکھا تھا۔ یا اللہ کے اولاد (جیسے نصاریٰ مسیح کو یہود عزیر کو اللہ کا بیٹا اور مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں) قرار دیتے تھے ان سب کی صریح اور واضح تردید ہو جائے۔ اسی لئے اللہ الصمد کے بعد والے جملوں کی بطور عطف ذکر کیا گیا۔ اور اللہ الصمد کہا گیا ہے یعنی اس میں لفظ اللہ کو دوبارہ لایا گیا حالانکہ قیاس ضمیر کو چاہتا تھا۔ اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ جو وصف صمدیت سے متصف نہیں وہ معبودیت کا مستحق نہیں اسی لئے صوفیہ لالہ الا اللہ کے معنی لامقصود الا اللہ بھی کرتے ہیں کیونکہ وہ ہی مقصود ہے اور وہی معبود ہے۔ اس لئے صوفیہ ذکر کرتے وقت غیر اللہ سے مقصودیت کی نفی کرتے ہیں اور پوری کوشش کرتے ہیں کہ ماسوی اللہ کی مقصودیت کا خیال بھی ان کے قلب سے دور ہو جائے۔

فائدہ:..... والتعریف فی الصمد لافادة الحصر كقولك زيد الرجل ولا حاجة اليه في الجملة السابقة بناء على ان مفهوم احد المنزه عن انحاء التركيب والتعدد مطلقاً وقيل ان احد فی غیر النفی والعد لا یطلق علی غیرہ تعالیٰ فلم یحتج الی تعریفہ بخلاف الصمد فانه جاء فی کلامہم اطلاقہ علی غیرہ . واللہ اعلم .

لَمْ یَلِدْ..... اس میں ان کفار کی واضح تردید ہے جو اللہ کے لئے ولد ثابت کرتے تھے جیسے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے اور مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے (فرمایا کہ اللہ کسی کا والد نہیں کیونکہ (۱) ولادۃ انفصال مادہ کو چاہتی ہے۔ اور انفصال ترکیب کا متقاضی ہے جو احدیت و صمدیت کے منافی ہے۔ (۲) ولد والد کا ہم جنس ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی ہم جنس نہیں کیونکہ وہ واجب ہے اور اس کا ہر ماسوی ممکن ہے۔ (۳) ولد والد کا مثل و معین و مددگار ہوتا ہے۔ اور اللہ کا کوئی مثل و معین و مددگار نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ محتاج نہیں اعانت محتاج کی کجائی ہے۔ (۴) ولد والد کا جانشین ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دائم و باقی ہے۔ اس کو قائم مقام کی ضرورت نہیں فانی ہی کا جانشین ہو سکتا ہے باقی کا نہیں۔ (۵) ولد کے لئے زوجہ کی احتیاج ہوتی ہے ﴿اَنْتِ یَسْکُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَکُنْ لَهُ صَاحِبَةً﴾ اللہ تعالیٰ صمد ہے ہر احتیاج سے بری ہے۔

حکایت:

انگریز نے ہندوستان آ کر مروجہ عیسائیت کی تبلیغ شروع کرائی اور اسکے لئے یورپ سے پوپ اور پادری بلائے۔ ہمارے اکابر نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کو ہندوستان سے بھگادیا۔ عیسائیت کی تبلیغ کے سلسلہ میں ایک مرتبہ دہرہ دون میں ان کا جلسہ ہوا۔ پادری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا اور اسکو بہت شہود سے بیان کیا۔ اتفاق سے کوئی عالم اس وقت وہاں موجود نہ تھا۔ ایک بھٹیاریہ جو روٹی پکا رہا تھا سنتا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ کوئی جواب دے لیکن جب کوئی جواب دینے والا سامنے نہ آیا تو وہ بھٹیاریہ ہاتھ جھاڑ کر اس پادری کے سامنے آکھڑا ہوا اور کہا کہ پادری صاحب مجھے کچھ آپ سے پوچھنا ہے لیکن میں جاہل آدمی ہوں، بھٹیاریہ ہوں، روٹی پکاتے ہوئے اٹھکرا آیا ہوں جواب ایسا دینا کہ میری سمجھ میں آجائے یعنی جواب علمی انداز کا نہ ہو۔ پادری نے وعدہ کیا، بھٹیاریہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی کتنی عمر ہے۔ پادری نے کہا وہ ازل سے ہے



ابد تک رہیگا۔ بھٹیاریہ نے کہا کہ میں اجل ابد کو نہیں جانتا مجھے تو یہ بتادو کہ وہ کتنے برس کا ہے؟ پادری نے کہا اچھا تو یہ سمجھ لے کہ ایک لاکھ برس کا ہے، بھٹیاریہ نے کہا کہ اب میری سمجھ میں آ گیا۔ اب یہ بتادو کہ اسکے کتنی اولاد ہے؟ پادری نے کہا کہ اسکا بس ایک بیٹا ہے عیسیٰ بھٹیاریہ نے کہا مجھے دیکھو میں صرف ساٹھ سال کا ہوں اور میرے دس بیٹے ایسے ہیں کہ اگر تیرے ان میں سے کوئی ایک تھپڑ مار دے تو منہ پھر جائے۔ اب تو بتا کہ تیرا خدا زیادہ طاقتور ہے یا میں۔ پادری لا جواب ہو کر بھاگ گیا۔ یہ واقعہ کسی نے حضرت مولانا محمد یعقوب تانویؒ سے آ کر بیان کیا مولانا نے فرمایا سبحان اللہ! اللہ کی شان بھی عجیب ہے وہ کسی سے بھی کام لے لیتا ہے۔ اتنی اونچی دلیل اس نے ایک بھٹیاریہ کے دماغ میں ڈال دی۔ اس کو علمی انداز میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اوت کی صفت باری تعالیٰ کے لئے اچھی صفت ہے یا بری اگر اچھی ہے تو جس طرح اللہ کی اور صفات بے انتہاء ہیں اسی طرح یہ بھی ایسی ہی ہوتی۔ اور اللہ کی اولاد ایک نہیں بلکہ بے انتہا ہوتی۔ اور اگر یہ بری صفت ہے تو اللہ کے لئے ایک بیٹا بھی عیب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے منزہ اور پاک ہے۔

(ف) یہاں لَمْ يَلِدْ صیغہ ماضی فرمایا گیا لَنْ یلد نہیں فرمایا گیا کیونکہ اس میں نصاریٰ، یہود اور مشرکین کی تردید مقصود ہے۔ (گو اللہ کا والد نہ ہونا دوامی ہے) یہ بھی ممکن ہے کہ مراد استمرار نفی ہو۔ اور ماضی سے بطور مشاکلت تعبیر کر دیا گیا ہو۔ کیونکہ آئندہ جملہ ماضیہ ہے۔ اور اس کا ماضی ہونا ضروری ہے۔ ورنہ معنی فاسد ہو جائیں گے۔

وَلَمْ يُولَدْ..... اور نہ وہ کسی کا جنا ہوا ہے۔ کیونکہ ہر مولود حادث ہوتا ہے۔ اور اللہ حدوث سے پاک ہے۔ حدوث اُلُوہیت احدیت اور صمدیت کے بھی منافی ہے۔ نیز مذکورہ خرابیاں (ترکیب، مجانست وغیرہ) بھی لازم آتی ہیں۔ علاوہ ازیں عدم کے بعد موجود ہونا لازم آتا ہے اور یہ سب باتیں ناممکن ہیں۔ اس جملہ میں ان لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے اللہ کے نسب نامہ کا سوال کیا تھا۔ یعنی اسکو مخلوق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جو تو والد و تناسل سے وجود میں آتی ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ کوئی اس کی اولاد۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ..... یعنی نہ کوئی اس کا مثل و مماثل ہے۔ نہ کوئی اس سے مشاکلت و مشابہت رکھتا ہے۔ لَمْ کی تقدیم حصہ و تخصیص کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ بے مثل صرف اللہ کی ذات ہے۔ گو اس تقدیم میں رعایت فاصلہ بھی ملحوظ ہے کما مر۔ اخیر کے تین جملوں کو بطور عطف شاید اس لئے لایا گیا کہ ہر قسم کی مماثلت کی نفی بالقصد اور مستقلاً ہو جائے کیونکہ مماثلت ولد یا والد یا نظیر سے ہوتی ہے۔ فلتنغیر الاقسام واجتماعها فی المقسم لزم العطف فیہا۔ فافہم؟

(ف) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والے مشرکین و منکرین توحید اور کفار کی دنیا میں بہت سی قسمیں ہیں اس سورۃ اخلاص نے ان سب کی تردید کی اور توحید خالص کا سبق دیا ہے، کفار کا ایک گروہ تو اللہ کے وجود ہی کا منکر ہے۔ بعض وجود باری کے تو قائل ہیں وجوب وجود کے منکر ہیں۔ بعض دونوں کو مانتے ہیں مگر صفات کمالیہ کے منکر ہیں۔ بعض یہ سب کچھ مانتے ہیں مگر پھر عبادت میں غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان سب کے خیالات باطلہ و اعتقادات فاسدہ کی تردید اللہ اَحَدٌ میں ہوگئی۔ بعض لوگ عبادت میں شریک نہیں ٹھہراتے۔ مگر غیر اللہ کو حاجت روا اور کار ساز قرار دیتے ہیں۔ (جیسے مبتدعین) ان کے خیال کا رد اللہ الصمد کے ذریعہ کر دیا گیا۔ بعض لوگ اللہ کے لئے اولاد کے قائل ہیں۔ ان کا رد لَمْ يَلِدْ سے ہو گیا۔ بعض اس وہم میں مبتلا ہیں کہ جب سب کسی نہ کسی سے پیدا ہوئے تو اللہ بھی کسی سے پیدا ہوا ہوگا۔ اس شیطانی و سوسہ کا جواب وَلَمْ يُولَدْ سے دیدیا گیا۔ اور اخیر کے جملہ نے ان سب کو خوب واضح کر دیا۔ پھر اگر آپ غور کریں تو ہر بعد کا

جملہ پہلے جملہ کی وضاحت بھی ہے اور دلیل بھی ہے اور یہ سب حقائق صرف لفظ احد کے عموم میں موجود ہیں۔ جیسا کہ پہلے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اس کی پوری تفصیل روح المعانی و تفسیر حقانی وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

(ف ۲) عیسائیوں کا ایک فاسد عقیدہ تثلیث ہے وہ کہتے ہیں کہ اقا نیم ثلاث سے ملکر ایک خدا ہے اور تینوں اقنوم برابر (کے خدا) ہیں گو اس میں ان کے تین فرقے ہیں کہ وہ اقا نیم کون کون سے ہیں۔ ایک فرقہ یعقوبیہ، دوسرا سطوریہ، تیسرا مکلائنیہ، مگر اس میں وہ سب متفق ہیں کہ تینوں اقنوم برابر کے ہیں۔ خواہ وہ باپ (اللہ) بیٹا (عیسیٰ) روح القدس (جبریل) ہوں یا اور کوئی۔ اس عقیدہ فاسدہ کی تردید کو لفظ احد اور اسکے بعد کے تینوں جملوں سے ہو چکی تھی مگر صراحتہ ان کی تردید جملہ وَلَمْ یَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ سے فرمادی گئی۔

(ف ۳) هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ان تینوں الفاظ میں بندوں کے مراتب کی طرف اشارہ ہے بندگان خدا کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) مقررین جنکو عالم مشاہدہ کا مقام حاصل ہے جنکی ہمہ وقت حالت یہ ہے جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے۔

خدا غیر خدا در جہاں چیزے نیست  
بے نشان است کز و نام و نشان چیزے نیست

اور یہ ممکن ہے کیونکہ مثلاً اگر کوئی شخص سُرخ چشمہ آنکھوں پر لگا لے تو سب چیزیں سُرخ اور سبز لگا لے تو سب چیزیں سبز نظر آتی ہیں۔ اسی طرح جن حضرات کو مشاہدہ جمال کا مقام حاصل ہو گیا اور ان کی آنکھوں پر نورِ توحید مستولی ہو گیا۔ تو کائنات میں جدھر ان کی نظر پڑے گی وہی نظر آئے گا جو ان کی نگاہوں میں سما چکا ہے۔

چو سلطان عزت علم بر کشد  
جہاں سر بجیب عدم در کشد

یہ مقررین حضرات انبیاء علیہم السلام صدیقین و شہداء اور اولیاء میں سے ہوتے ہیں، ان کی نگاہ سے کائنات کی ہستی مٹ جاتی ہے اور ان کو لا مَوْجُودَ الْاَھُو کی حقیقت حاصل ہو جاتی ہے۔ ان کے لئے لفظ ہو فرمایا گیا جو اشارہ مطلقہ ہے مگر مشارالہ معین ہے۔

(۲) اصحاب الیمین یہ وہ صلحاء و ابرار ہیں جنکی بہیمیت و ملکیت کا وزن برابر ہے۔ ان کی آنکھوں میں مخلوق کا بھی وجود ہے ان کا وہ حال نہیں جو مقررین کا تھا اسلئے ان کے لئے لفظ هُوَ کافی نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسا لفظ درکار تھا جو خالق و مخلوق میں امتیاز پیدا کر دے۔ اور وہ لفظ اللہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ مجمع جمیع صفات کمالیہ کا الوہیت و معبودیت کا مستحق ہے۔

(۳) اصحاب الشمال یعنی وہ اشرار جن پر بہیمیت غالب ہے۔ ان کی نگاہوں پر پردے پڑے ہوئے اور ان کے دلوں پر زنگ چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ مشرکین و کفار ہیں، ان کو خالق و مخلوق میں کوئی تمیز نہیں۔ ان کی مثال گدھے کے اس نادان بچہ یا کتیا کے اس انجان پلے کی ہے جو ہر ایک چیز کے پیچھے مال سمجھ کو دوڑتے رہتے ہیں۔ ان کی فہمائش کے لئے لفظ احد فرمایا تاکہ اسے وہ معبود و غیر معبود میں فرق کر سکیں،

(۴) اللہ کی صفات دو قسم ہی ہیں۔ صفات ثبوتیہ و صفات سلبیہ، پھر صفات ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) اضافیہ (۲) غیر اضافیہ اس طرح صفات کی کل تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔ (۱) صفات ثبوتیہ اضافیہ یعنی وہ صفات جنکا تفصیلی ظہور اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ذات باری کے علاوہ دوسری کوئی چیز اثر قبول کرنے والی نہ ہو۔ یا یہ کہیے کہ وہ صفات جن کا تعلق یا تعقل کسی دوسری چیز سے وابستہ ہو جیسے سمیع، نصیر، خالق، رازق، مالک وغیرہ کہ ان کا تعقل مسموع، منصور، مخلوق، مرزوق اور مملوک سے وابستہ ہے۔ (۲) صفات ثبوتیہ غیر اضافیہ یعنی جن کا تعلق و تعقل اور تفصیلی ظہور ذات باری کے علاوہ کسی چیز پر

موقوف نہ ہو۔ اور وہ ذات کے تابع ہونے کے باوجود اپنا مفہوم جُدا رکھتی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا حی، ازلی، ابدی ہونا وغیرہ۔ (۳) صفات سلبیہ یعنی وہ صفات جو باری تعالیٰ کی تزییہ پر دال ہیں جیسے جسم و جوہر نہ ہونا۔ متحیر نہ ہونا۔ والد و مولود نہ ہونا، حدوث و امکان سے بالاتر ہونا وغیرہ۔

جملہ ہو اللہ اَحَدٌ میں لفظ ہو ذات باری پر دلالت کرتا ہے۔ اور لفظ اللہ تمام صفات کمالیہ ثبوتیہ پر دلالت کرتا ہے۔ خواہ وہ اضافیہ ہوں یا غیر اضافیہ۔ اور لفظ احد تمام صفات سلبیہ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ احدیت کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی ذات کا منفرد ہونا ہے، حدوث و امکان سے بالاتر ہونا اور ہر قسم کی ترکیبات سے منزہ ہونا وغیرہ ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا، آگے کے جملوں میں چند صفات سلبیہ ہی کی توضیح و تاکید ہے۔ محتاج نہ ہونا، والد و مولود نہ ہونا اور شریک سے پاک ہونا، جو مخاطبین کی ضرورت سے بیان کی گئی ہیں۔

(ف ۵) باقی رہی یہ تحقیق کہ اللہ کی صفات عین ذات ہیں یا غیر ذات یا نہ عین ذات اور نہ غیر ذات، یہ فلسفی مباحث ہیں جو علم کلام میں مذکور ہیں۔ ان بحثوں میں الجھنا خطرات سے خالی نہیں اور ان میں کوئی خاص مفید نتیجہ بھی نہیں۔ اور جو اس سلسلہ میں علم کلام میں بحثیں کی گئی ہیں۔ وہ صرف انکل کے تیر ہیں۔ واللہ اعلم۔

تم تفسیر سورۃ الاخلاص فالحمد للہ الاحد والصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفو احد والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ الامجد ورسولہ الاجود من والد و ما ولد الذی یسمی محمد و احمد و علی آلہ و صحبہ الی الابد۔

## سُورَةُ الْفَلَقِ

### سُورَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

(رکوع ۱۔ آیات ۵۔ سورۃ فلق مدینہ میں اتری اور اس میں پانچ آیات ہیں۔ کلمات ۱۳۔ حروف ۷۴)

حسن بصری، مکرّم، عطاء اور جابر فرماتے ہیں کہ یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ قنادہ اور علماء کی ایک جماعت نے ابن عباسؓ کے قول کی تصحیح و تائید کی ہے۔ اور جمہور علماء کا مسلک بھی یہی ہے کیونکہ اس کا سبب نزول یہود کا سحر ہے۔ (کما سیاقی) اور انہوں نے مدینہ میں سحر کیا تھا۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ لہذا جو لوگ اس کو مکہ کہتے ہیں ان کا قول ناقابل التفات ہے۔ و کذا الکلام فی سورۃ الناس لانہما نزلتا معاً کما فی الدلائل للبیہقی وغیرہ۔

رابط و مناسبت:

سورۃ اخلاص دولت ایمان و معرفت پر مشتمل ہے جو بمنزلہ جلب منفعت ہے۔ اور معوذتین میں اس دولت کی حفاظت کا طریقہ مذکور ہے جو بمنزلہ دفع مضرت ہے۔ اور کسب دولت و جلب منفعت مقصود ہونے کی وجہ سے اہم و مستحق تقدّم ہے۔ اس لئے اول سورۃ اخلاص کو اور اسکے بعد معوذتین کو لایا گیا۔

(۲) نجات و فلاح کا اصلی مدار درستی اعتقاد پر ہے۔ جو سورۃ اخلاص میں مذکور ہوا لیکن اونچے حضرات کو جن کا ایمان و اعتقاد درساخ ہے اور حق الیقین کا مقام ان کو حاصل ہے کوئی شبہ و غلبان پیش نہیں آتا۔ نیچے کے طبقے کے لوگوں کو

خصوصاً ان کو جن کا اعتقاد تقلید سے پیدا ہوا ہے شبہات پیش آ کر اعتقاد میں خلل انداز ہو سکتے ہیں۔ یا ان کو کسی تکفلش میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ اس لئے معوذتین میں ان امور سے رب الفلق، رب الناس، ملک الناس اور الہ الناس کی پناہ چاہی گئی ہے تاکہ وہ فوز و فلاح کی دولت راہ میں چھن نہ جائے جو حق تعالیٰ نے عطاء فرمائی تھی اور سورۃ اخلاص میں جس کو بیان کیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

معوذتین کا شان نزول:

سورۃ فلق و سورۃ ناس دونوں ایک ساتھ ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں۔ سبب نزول کا واقعہ مسند احمد میں اس طرح آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا۔ جس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے تھے، جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ کو اطلاع کی کہ آپ پر ایک یہودی نے جادو کیا ہے اور جادو کا عمل جس چیز سے کیا گیا ہے۔ وہ فلاں کنویں کے اندر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں آدمی بھیجے وہ لوگ کنویں سے اس جادو والی چیز کو نکال لائے اس میں گرہیں لگی ہوئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گرہوں کو کھول دیا اسی وقت آپ تندرست ہو کر کھڑے ہو گئے اگرچہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اس یہودی کا نام بتا دیا تھا اور آپ اس کو خوب جانتے تھے مگر اپنے نفس کے معاملہ میں کسی سے انتقام لینا آپ کی عادت نہ تھی اس لئے عمر بھر اس یہودی سے کچھ نہ کہا۔ وہ منافق تھا اس لئے حاضر ہوتا تھا مگر کبھی اس کی موجودگی میں آپ کے چہرہ مبارک سے شکایت کے آثار نہیں پائے گئے۔ بخاری شریف کی روایت حضرت عائشہؓ سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہودی نے سحر کیا تو اس کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ فلاں دنیوی کام کر لیا ہے۔ مگر وہ نہیں کیا ہوتا تھا پھر ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے اور فرمایا کہ دو شخص خواب میں آئے ایک میرے سر پہ بیٹھ گیا اور دوسرے اپاؤں کی طرف، سر پہنے والے نے دوسرے سے کہا ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا یہ مسکور ہیں، اس نے پوچھا کہ سحر ان پر کس نے کیا؟ تو اس نے جواب دیا لبید بن اعصم نے جو یہودیوں کا حلیف منافق ہے، اس نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اس نے بتا دیا کہ ایک کٹکھے اور اسکے دندانوں میں۔ پھر اس نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ تو اس نے بتایا کہ کھجور کے اس غلاف میں جس میں کھجور کا یہ پھل پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ میر ذوران میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں (ذوران) پر تشریف لے گئے اور اس کو (صحابہ کے ذریعہ) نکال لیا۔ اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے اس کا اعلان کیوں نہ فرما دیا کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے۔ فرمایا مجھے اللہ نے شفا دیدی اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لئے کسی تکلیف کا سبب بنوں (مطلب یہ تھا کہ اعلان کیا جاتا تو لوگ اس کو قتل کر دیتے یا تکلیف پہنچاتے) اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا یہ مرض چھ ماہ تک رہا۔ اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ حرکت لبید بن اعصم نے کی ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اس خبیث کو قتل کیوں نہ کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیا تھا۔

اور امام تھلبیؒ کی روایت میں ہے کہ ایک لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا اس منافق یہودی نے اس کو بہلا بھسلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کٹکھا اور اس کے کچھ دندانے اس سے حاصل کر لئے اور ایک تانت کے تار میں

گیارہ گرہیں لگائیں، ہر گرہ میں ایک سوئی لگائی کنگھے کے ساتھ اس کو کھجور کے پھل کے غلاف میں رکھ کر ایک کنویں میں پتھر کے نیچے دبا دیا، اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں جن میں گیارہ آیات ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر گرہ پر ایک آیت پڑھ کر ایک ایک گرہ کھولتے رہے۔ یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں اور ایک دم آپ سے ایک بوجھ سا اتر گیا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ فرشتوں نے (خواب میں سب پتہ بتا کر جواو پر گزرا) کہا کہ اس کو نکال کر جلاؤ! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسرؓ اور چند لوگوں کو بھیجا، کنویں پر گئے تو دیکھا کہ کنویں کا پانی مہندی کے پانی کی طرح (سرخ) ہے ان لوگوں نے کھجور کی ایک گامبھ کو نکال کر جلایا تو اس کے اندر سے ایک تانت نکلی جس میں گیارہ گرہیں تھیں اس پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ (قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ) اور (قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی ان میں سے ایک آیت پڑھتے تھے۔ ایک گرہ کھل جاتی تھی۔ بغویؒ نے کہا روایت میں ہے کہ لوگوں نے جب پتھر اٹھا کر اس کے نیچے سے کھجور کا کھوکھلا گامبھ نکالا تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے کچھ بال اور کنگھی کے دندانے موجود تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر یہ جاؤ و برآمد کرایا تھا (ممکن ہے کہ حضرت علیؓ بھی ان صحابہؓ کے ہمراہ ہوں جو نکالنے کے لئے مامور تھے) مسلم میں حضرت ابوسعیدؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ علیل ہیں؟ فرمایا ہاں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا بِسْمِ اللّٰهِ اَرْفِقْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّذِيقُكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدَةٍ اللّٰهُ يَشْفِيكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْفِقْكَ۔ (یہ سب روایات ابن کثیر و مظہری وغیرہ میں ہیں)۔

سحر سے متاثر ہو جانا نبوت کے منافی نہیں:

گو معوذتین میں صراحۃً اس بات کا ذکر نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا گیا تھا یا کس نے کیا تھا اور اس کا اثر کیا ہوا؟ لیکن چونکہ روایات صحیحہ سے یہ ثابت ہے (کما مر) کہ مدینہ میں لبید بن اعصمؓ اور اسکی بیٹیوں نے سحر کیا تھا جس کا آپ پر اثر ہوا پھر جبریل علیہ السلام کی اطلاع پر اس کو نکلوایا گیا وغیرہ اس لئے اکثر مفسرین اسکے قائل ہیں کہ یہ سورتیں اسی سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اور سحر کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا تھا۔ لیکن معتزلہ اور بعض مفسرین نے ان روایات کا صاف انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سب روایات غلط اور بے اصل ہیں۔ کیونکہ (۱) کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور طعن مسخّر کہتے تھے۔ اگر یہ واقعہ صحیح مان لیا جائے تو کفار کا طعن صحیح ہو جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے اس کی تردید کی ہے۔ (۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے بالا و برتر تھی کہ آپ کو کوئی مضرت پہنچا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يَعْصَمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ اور وعدہ خداوندی میں کون خلل انداز ہو سکتا ہے۔

لیکن معتزلہ وغیرہ کا یہ کہنا کوتاہی فہم و قصور عقل و نقصان علم کی وجہ سے ہے (۱) احادیث صحیحہ کا انکار خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کی عقل میں یہ بات نہیں آتی بڑا ظلم ہے۔ یہ تو عقل کا قصور ہے نہ کہ روایات کا، بہت سے عقل کے پتلے اس دور میں بھی ایسے موجود ہیں کہ اگر ان کی عقل میں نہ آئے تو وہ نصوص صریحہ کا انکار کر دیتے ہیں۔ یہ اعتزالی جراثیم کا اثر ہے۔

(۲) یہ ضروری نہیں کہ جو چیز قرآن کی آیات سے صراحۃً ثابت ہو اسی کو مانا جائے بلکہ اشارہ سے، دلالت سے اقتضائے نص سے بھی احکام ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ اصول فقہ میں مذکور ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ میں اس طرف واضح اشارہ ہے اور مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے

کہ ایسا کرنے والا یہود میں سے ہے کیونکہ قرآن نے بہت سی آیات میں یہ صفت یہود ہی کی بیان کی ہے جیسا کہ پہلے پارہ کے اخیر میں اور پانچویں پارہ میں مذکور ہے اور اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔ نیز احادیث صحیحہ بھی کسی چیز کے ثبوت کا ایک مضبوط ذریعہ ہیں۔

(۳) سحر بھی اسباب طبعیہ میں سے ایک سبب ہے اور بشر کا اسباب سے متاثر ہونا امر طبعی و تقاضائے فطری ہے۔ جیسے گرمی، سردی، امراض وغیرہ سے متاثر ہو جانا۔ بھوک پیاس، سیری و سیرابی احساسِ درد و غم، زد و کوب کے اثرات وغیرہ اسباب سے نبی وغیر نبی تمام انسان متاثر ہوتے ہیں۔ اسی طرح جادو بھی اسباب طبعیہ میں سے ایک سبب ہے۔ جو لوگ سحر کی حقیقت سے ناواقف ہوں وہی تعجب کر سکتے ہیں کہ اللہ کے نبی پر اس کا کیسے اثر ہو سکتا ہے۔ اور اس کا وہی انکار کر سکتے ہیں جو تاثیر اسباب سے نا بلند ہوں۔ (۴) یہی بات کہ کفار آپ کو مسحور ہونے کا طعنہ دیدیتے تھے ﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رُجُلًا مَّسْحُورًا﴾ تو یہ مسحور بمعنی مجنون ہے۔ کفار کا مقصد یہ تھا کہ تم ایک ایسے شخص کا اتباع کرتے ہو جس کو سحر نے دیوانہ بنایا ہے۔ اس پر سب مفسرین کا اتفاق ہے اور آیت کے اشارہ سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔ اور اس سحر سے جو لیلید اور اس کی لڑکیوں نے کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوش و حواس اور عقل و فہم میں کوئی قصور واقعہ نہیں ہوا تھا تو اس سے کفار کا مدعا کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ (۵) اور دوسری دلیل کہ اللہ نے حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ بیشک حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن وعدہ حفاظت کی آیت وَاللّٰهُ يَعْصُمُکَ کے نزول کے بعد کیا آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچی؟ آپ کو کوئی بیماری، جسمانی مضرت اور قلبی اذیت نہیں پہنچی؟ کیا جنگ احد میں زخمی نہیں ہوئے؟ دندان مبارک شہید نہیں ہوئے؟ کیا خیبر میں یہود نے آپ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر نہیں دیا؟ جس کا شدید اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا، اگر یہ سب کچھ ہوا ہے تو کیا ان لوگوں کی سمجھ کے مطابق وعدہ حفاظت میں خلل اندازی نہیں ہوئی؟ حقیقت یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی حفاظت کا وعدہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شہید نہیں کر سکتا۔ علمائے سلف و خلف کا اس پر اتفاق ہے۔

حاصل یہ ہے کہ سحر سے متاثر ہو جانا نہ نبوت کے منافی ہے نہ وعدہ حفاظت کے خلاف ہے۔ بلکہ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر (ساحر) کہتے تھے۔ حالانکہ کفار کا خیال تھا کہ ساحر پر کسی کا سحر اثر نہیں کر سکتا۔ تو اس واقعہ سحر سے کفار کی تعلیل ہو گئی۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہو گیا اس لئے اے کفار تمہارے عقیدہ کے مطابق آپ ساحر نہ ہوئے۔ ورنہ سحر کا اثر نہ ہوتا۔ واللہ اعلم۔

### معوذتین کے فضائل و خواص:

حافظ ابن قیمؒ نے معوذتین کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان دونوں سورتوں کے منافع و برکات بے شمار ہیں اور سب لوگوں کو ان کی حاجت و ضرورت ہے، کوئی ایک انسان بھی ان سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں سورتوں کو سحر، نظر بد، آفات جسمانی اور امراض روحانی کے دور کرنے میں تاثیر عظیم ہے۔ اور حقیقت کو سمجھا جائے تو انسان کو ان کی ضرورت سانس لینے، کھانے پینے اور لباس پہننے سے بھی زائد ہے۔

یہ تو ہر مومن کا عقیدہ ہے کہ دنیا و آخرت کے منافع و نقصانات سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں بغیر اس کی مشیت کے کوئی کسی کو ذرہ برابر نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اس لئے دنیا و آخرت کی تمام آفات سے محفوظ رہنے کی اصل صورت یہی

ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دیدے، اور اپنے عمل سے اس کی پناہ میں آنے کے قابل بننے کی کوشش کرے۔ ان دونوں سورتوں میں سے پہلی سورت (سورۃ الفلق) میں تو دنیوی آفات سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے۔ اور دوسری سورت (سورۃ ناس) میں اخروی آفات سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ یا یہ کہتے کہ سورۃ الفلق میں جسمانی شرور سے اور سورۃ ناس میں روحانی آفات سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل اور برکات منقول ہیں۔ مثلاً۔

(۱) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں کچھ خبر ہے کہ آج رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی آیات نازل فرمائی ہیں کہ ان کی نظیر موجود نہیں اور وہ ہیں قل اعوذ برب الفلق..... اور قل اعوذ برب الناس..... (مسلم) (۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت سورۃ اخلاص و معوذتین تین تین بار پڑھ کر اپنے اوپر دم فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم) (۳) حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ میں جھہ اور ابواء کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چل رہا تھا کہ اچانک ہوا اور شدید تاریکی نے ہمیں گھیر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کے ذریعہ پناہ (خداوندی) چاہنے لگے اور فرمانے لگے کہ اے عقبہ! ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ لو۔ اس لئے کہ کوئی پناہ لینے والا ان دونوں سورتوں کے مثل سے پناہ نہیں لے سکتا۔ (ابوداؤد) (۴) عبد اللہ بن خبیبؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ جس میں ہے کہ ہم بارش اور سخت تاریکی والی رات میں نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو، تو میں نے عرض کیا کیا کہوں؟ فرمایا قل ھو اللہ احد اور معوذتین صبح و شام تین تین بار پڑھو تم کو ان کا پڑھنا ہر چیز سے کفایت کریگا۔ (ترمذی، ابوداؤد و نسائی) (۵) حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں سورۃ ہود یا سورۃ یوسف پڑھا کرتا ہوں۔ فرمایا تم کوئی چیز (باب التعوذ لدفع السوء میں) قل اعوذ برب الفلق سے زیادہ اللہ تعالیٰ تک رسائی والی ہر گز نہیں پڑھ سکتے۔ (احمد، نسائی، دارمی) (۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے فرمایا کہ میں تجھ کو ایسی سورتیں نہ سکھا دوں جن کے مثل نہ تورات میں (کوئی سورت) نازل ہوئی نہ زبور نہ انجیل میں اور نہ قرآن میں؟ میں نے عرض کیا ضرور سکھا دیجئے فرمایا قل ھو اللہ احد قل اعوذ برب الفلق، اور قل اعوذ برب الناس۔ (۷) حضرت عقبہ بن عامر کا بیان ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو معوذتین پڑھائیں اور پھر مغرب کی نماز میں ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ ان سورتوں کو سوتے وقت بھی پڑھا کرو اور پھر (نیند سے) اٹھ کر بھی۔ (۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بیماری پیش آتی تو آپ ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کرتے اور پورے بدن پر پھیر لیتے تھے۔ جب مرض وفات میں آپ کی تکلیف بڑھی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر دم کر دیتی تھی۔ آپ اپنے تمام بدن پر پھیر لیتے تھے۔ اور میں یہ کام اسلئے کرتی تھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کا بدل میرے ہاتھ نہ ہو سکتے تھے۔ (رواہ الامام مالک) (۹) ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ (ابوداؤد و نسائی) یہ تمام روایات مظہری و ابن کثیر اور مشکوٰۃ میں ہیں (خلاصہ یہ ہے کہ تمام آفات و مصائب اور امراض میں یہ دونوں سورتیں پڑھنے کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا معمول تھا۔

## ایک اہم انتباہ:

امام احمد، بزار، طبرانی اور ابن مردودہ نے طرق صحیحہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ معوذتین کو مصحف سے منادیتے تھے اور فرمادیتے تھے کہ (قرآن سورہ اخلاص پر ختم ہو چکا معوذتین قرآن کا جزء نہیں ہیں اسلئے) غیر قرآن کو قرآن میں شامل نہ کرو، یہ سورتیں کتاب اللہ کا جزء نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کے ذریعہ صرف تعوذ کا حکم دیا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کی تلاوت بھی نہیں فرماتے تھے۔ اس روایت کو لیکر بعض علماء نے بڑا شور مچایا ہے۔ اور قرآن مقدس کے اعجاز میں بھتیجی کی ہے۔ کہ اگر قرآن حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہوتا تو ضرور غیر قرآن سے ممتاز ہو جاتا اور ان سورتوں کی قرآنیت میں صحابہ کرامؓ میں ہرگز اختلاف نہ ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت سے ہرگز مغالطہ میں نہ پڑنا چاہیے۔ کیونکہ:

(۱) ان سورتوں کے کلام الہی اور منزل من اللہ ہونے کا انہوں نے انکار نہیں کیا۔ اور جس نے ان کے متعلق یہ خیال کیا ہے وہ انتہائی غلط فہمی میں ہے۔ وہ ان کو کلام الہی و منزل من اللہ ماننے کے باوجود قرآن کا جزء قرار نہیں دیتے تھے

(۲) تمام صحابہ کرامؓ اس بارے میں ان کے مخالف تھے اور سب ہی نے ان کے اس قول کو غلط ٹھہرایا ہے۔ قال البزاز لم يتابع ابن مسعود احد من الصحابة. (۳) صحیح احادیث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے جبکہ نمازوں میں صرف قرآن مقدس کی تلاوت ہوتی ہے۔ (۴) مصحف عثمانی میں جس کی قرآنیت پر تمام صحابہ کرامؓ اور امت مسلمہ کا اجماع ہو چکا ہے ان دونوں سورتوں کو قرآن کا جزء قرار دیا گیا ہے۔ (۵) بخاری، احمد اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت زبیر بن جہشؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعبؓ سے ان دونوں سورتوں کے بارے میں سوال کیا کہ ابن مسعودؓ ان کو مصحف میں نہیں لکھتے؟ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تمہارے سوا مجھ سے اس سلسلہ میں کسی نے دریافت نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا مجھ سے جبریل علیہ السلام نے کہا ایسا ہی میں نے کہا تم بھی ایسے ہی کہو (یعنی ان کو جبریل امینؑ لیکر آئے ہیں اور یہ بھی قرآن کا جزء ہیں) حضرت ابی کہتے ہیں کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (کہ یہ سورتیں قرآن مقدس کا جزء ہیں) (۶) بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ان کو قرآن کا جزء مانتے تھے مگر الحمد شریف کی طرح ان کو اکثر پڑھتے تھے اس لئے ان کو اپنے مصحف میں لکھنے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ اس نہ لکھنے کی وجہ سے لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ وہ ان کو مجزوء قرآن نہیں مانتے تھے۔

(۷) شرح مواقف میں ایک اصولی بات لکھی ہے کہ بعض سورتوں میں صحابہ کا اختلاف اخبار احاد سے منقول ہے اور اخبار احاد صرف ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔ اور قرآن پاک کا مجموعہ تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ اور تواتر سے یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جس کے مقابلہ میں ظن مقہوم ہو جاتا ہے۔ لہذا تواتر کے ہوتے ہوئے ان اخبار احاد کی طرف قطعاً التفات نہ کیا جائیگا۔ (۸) کیونکہ مذکورہ اختلاف نہ تو منزل من اللہ ہونے میں ہے اور نہ ان کے حد اعجاز کو پہنچنے میں اور نہ کلام الہی ہونے



میں زائد سے زائد جزو قرآن ہونے میں تھا۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ شاید حضرات ابن مسعودؓ نے ضرور اس سے رجوع کر لیا ہوگا۔ (۹) پھر جب یہ معلوم ہو چکا کہ یہ سورتیں مصحف عثمانی میں مکتوب ہیں پوری امت کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے دور صحابہؓ سے آج تک ان کو نمازوں میں پڑھا جاتا ہے۔ اگر کسی خاص مصلحت سے کسی ایک شخص نے ان کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تو اس سے تردد جائز نہیں۔ بلکہ تمام علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اب اگر کوئی ان سورتوں کی قرآنیت کا انکار کرتا ہے تو وہ بلاشبہ کافر ہو جائیگا۔

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۱) مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (۲) وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (۳)

آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔ تمام مخلوق کے شر سے اور اندھیرے کے شر سے جب وہ پھیل پڑے۔												
قُلْ	اَعُوْذُ	بِرَبِّ	الْفَلَقِ	مِنْ	شَرِّ	مَا	خَلَقَ	وَمِنْ	شَرِّ	غَاسِقٍ	اِذَا	وَقَبَ
کہہ	پناہ پکڑتا ہوں میں	ساتھ پروردگار	صبح	سے	برائی	اس چیز	پیدا کیا ہے	اور	سے	برائی	اندھیرا کر نیوالا	جس وقت چھپ جائے

وَمِنْ شَرِّ النَّفَّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (۴) وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (۵)

اور گروہوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے ۔ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

وَمِنْ	شَرِّ	النَّفَّٰثٰتِ	فِی	الْعُقَدِ	وَمِنْ	شَرِّ	حَاسِدٍ	اِذَا	حَسَدَ
اور	سے	پھونکنے والیوں	میں	گرہوں	اور	سے	حسد کرنے والا	جب	حسد کرے

### لغات:

**الْفَلَق** اسم فعل، تڑکا، اول صبح، مخلوق۔ اسکے اصل معنی (ض) پھاڑنا ہیں۔ صبح کا نور سیاہی کے پردے کو پھاڑ کر نکلتا ہے۔ مخلوق پردہ عدم کو چاک کر کے آتی ہے۔ اسی مناسبت سے صبح یا مخلوق کو خلق کہتے ہیں۔ **غَاسِقٍ** صیغہ اسم فاعل **غَسَقَ** سے **غَسَقَ غَسَقًا** (ض) تاریک ہونا، تاریکی میں داخل ہونا وغیرہ۔ غاسق تاریک رات، چاند یا گرہن کے سبب تاریک ہو جانے والا چاند۔ غروب آفتاب یا غروب شفق کے بعد آنے والی تاریکی، ڈوبنے والا چاند، حوادث شب۔ **وَقَبَ** (ض) آنا، متوجہ ہونا، گڑھے میں داخل ہونا، غروب ہونا، تاریکی پھیلنا، چاند کا گرہن میں آنا، غاسق سے مراد رات ہو تو **وَقَبَ** کے معنی تاریک ہونا، اور چاند ہو تو **وَقَبَ** کے معنی غروب ہونا، غائب ہونا، گرہن ہونا ہو گئے **النَّفَّٰثٰتِ**: **النَّفَّٰثٰتِ** ثنۃ کی جمع صیغہ مبالغہ **نَفَثَ** (ن ض) منہ سے تھوک پھینکنا، ٹھسکارنا، خون بہانا، تھوکتنا **تَفَلَّ** بھی تھوکنے کو کہتے ہیں لیکن **نَفَثَ** میں تھوک کی کمی اور **تَفَلَّ** میں زیادتی ہوتی ہے۔ پھر دم کرنے کے لئے بھی **نَفَثَ** کا استعمال ہونے لگا۔ **الْعُقَدِ** جمع **عُقْدَۃ** کی گرہ (ض) گرہ لگانا، معاہدہ کرنا وغیرہ۔ (س) گرہ دار زبان والا ہونا، **حَسَدَ** (ن ض) حسد کرنا، غیر کی نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرنا حسد کہلاتا ہے جو ناجائز ہے۔ اور تمنا ہے مثل نعمت غیر غبطہ (رشک) کہلاتا ہے جو جائز ہے **حَاسِدٍ** اسی سے صیغہ واحد نکر اسم فاعل ہے۔

## ترکیب:

قُلْ: مر۔ اَعُوذُ فعل بافاعل۔ بِرَبِّ الْفَلَقِ جار مجرور متعلق مِنْ شَرِّ مضاف ما موصولہ خلق فعل ضمیر فاعل جملہ فعلیہ صلہ موصول وصلہ مضاف الیہ مجرور مِنْ جار مجرور معطوف علیہ اپنے اگلے تینوں معطوفات سے ملکر متعلق ثانی اَعُوذُ اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے ملکر جملہ فعلیہ مقولہ۔ اِذَا وَقَبْ ظرف ہے شَرِّ کا یا غاسق کا اور فِی الْعَقَبِ الْبَیْضِ کے متعلق اِذَا أَحْسَدَ اِذَا وَقَبْ کی طرح ہے۔

## تفسیر:

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ..... فلق کے معنی چھٹنے کے ہیں مراد اس سے پو پھٹنا، صبح کا نمودار ہونا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فالحق الاصباح آیا ہے، تمام صفات باری میں سے اس صفت کو اختیار کرنے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ رات کی اندھیری اکثر شرور و آفات کا سبب بنتی ہے اور صبح کی روشنی ان تمام خطرات کو دور کر دیتی ہے لہذا اس صفت میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو اس سے پناہ مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کی تمام آفات کو دور فرما دے گا، سعید بن الحسن (جبر) مجاہد اور قتادہ وغیرہ اکثر مفسرین سے یہی معنی منقول ہیں بعض نے اس کے معنی مطلق پھاڑنے کے لئے ہیں جیسے فالحق الحب والنوی اناج کا دانہ اور گٹھلی پھاڑ کر سوئی نکالنے والا، بادل پھاڑ کر بارش، رحم پھاڑ کر بچہ، زمین پھاڑ کر چشمے نکالنا وغیرہ ابن عباسؓ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ الفلق جہنم کے اندر ایک قید خانہ ہے۔ کبھی نے کہا کہ جہنم کی ایک وادی کا نام الفلق ہے چنانچہ ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الفلق جہنم کے اندر ایک سر پوش کنواں ہے، ابن جریر اور بیہقی نے لکھا ہے کہ عبد الجبار خولانی نے بیان کیا کہ ہمارے پاس دمشق میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تشریف لائے اور لوگوں کو دنیا میں مشغول دیکھ کر فرمایا ان کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیا ان کے سامنے فلق نہیں ہے؟ لوگوں نے پوچھا فلق کیا چیز ہے؟ فرمایا دوزخ میں ایک کنواں ہے جب اس کو کھولا جائے گا تو دوزخی اس سے بھاگیں گے۔ ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیاء نے عمرو بن عتبہ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ الفلق جہنم کا ایک کنواں ہے جب اس کو کھولا جائے گا اور اس کے اندر سے آگ برآمد ہوگی تو اس کی تیزی سے جہنم بھی چیخ اٹھے گی۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ الفلق جہنم کے اندر ایک مکان ہے جب اس کو کھولا جائے گا تو جہنم والے بھی اس کی گرمی کی شدت سے چپچپیں گے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ زید ابن علیؓ نے اپنے آباء (حضرت حسینؓ و حضرت علیؓ وغیرہم) کے حوالے سے بیان کیا کہ الفلق جہنم کی تہ میں ایک کنواں ہے۔ پناہ مانگنے کے حکم میں اللہ تعالیٰ نے رب الفلق کو خاص طور سے اس لئے ذکر کیا ہے کہ فلق سب سے بڑی تکلیف دہ مصیبت اور عظیم الشان شر ہے اس کا مالک یقیناً ہر شر کو رفع کرنے پر قادر ہے گو یا اس وصف کو ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہم تمام شرور کو دفع کرنے پر قدرت رکھتے ہیں تم ہم سے پناہ مانگو۔ (مظہری) اول تفسیر کو جمہور مفسرین نے اختیار فرمایا مگر ثانی ہمہ گیر ہے جس میں صبح بھی آجاتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ..... اللہ تعالیٰ نے اس باغ بستی کو ہر قسم کے درختوں سے زینت دی ہے اس میں باردار درخت بھی ہیں اور خاردار بھی، بیٹھے بھی ہیں اور کڑوے بھی جو چیزیں انسان کے جسم اور اس کی روح کے لئے سازگار ہیں وہ اس کے لئے خیر ہیں اور جو ناموافق ہیں وہ شر ہیں روحانی شر عقائد کا فساد اور برائیوں کی طرف میلان ہے اور جسمانی شر فقر

و تنگدستی، امراض و غلبہ اعداء وغیرہ ہیں پھر شر کے ضد باقسام ہیں سماوی، ارضی، دنیوی، اخروی، برزخی، اختیاری، غیر اختیاری، متعدی، غیر متعدی، وغیرہ تمام شرور سے خالق الخلق ہی کی پناہ مانگنی چاہئے کیونکہ اور کسی کے بس کی بات نہیں جو تمام شرور سے بچالے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شرکی دو قسم ہیں ایک تو وہ آلام و آفات جن سے براہ راست انسان کو رنج پہنچتا ہے۔ دوسری قسم ان کے اسباب و موجبات ہیں، اس دوسری قسم میں کفر و شرک اور معاصی بھی داخل ہیں۔ قرآن وحدیث میں ان دو ہی شرور سے پناہ مانگنے کا ذکر آیا ہے نماز کے اخیر میں جودعاء واستعاذہ مسنون ہے اس میں چار چیزیں مذکور ہیں (۱) عذاب قبر (۲) عذاب نار (۳) قہر الحیاء (۴) وقۃ السمات پہلی دو چیزیں خود مصیبت و عذاب ہیں جن سے براہ راست تکلیف پہنچتی ہے اور دوسری دو چیزیں عذاب کے اسباب حاصل یہ ہے کہ تمام شرور انہیں دو قسموں میں داخل ہیں یا تو وہ خود آلام و آفات ہیں یا ان کے اسباب بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت میں صرف عالم خلق سے پناہ مانگنے کا حکم ہے کیونکہ عالم امر سر اسر خیر ہے اس میں کوئی شر نہیں عالم خلق کی شر یا تو اختیاری ہے یا طبعی پھر اختیاری شر یا تو اپنی ذات تک محدود رہتی ہے جیسے کفر و معصیت یا دوسروں تک پہنچتی ہے جیسے ظلم اور طبعی شر (صرف غیر اختیاری اشیاء کے خواص و لوازم ہیں) جیسے آگ جلاتی ہے اور زہر ہلاک کرتا ہے۔ صاحب مظہری کہتے ہیں کہ کوئی ممکن شر سے خالی نہیں ہاں اگر اللہ کی ذاتی وصفاتی تجلیات سے جگہ جائے تو ممکن کی ہر خرابی دور ہو جاتی ہے اور شر خیر سے بدل جاتا ہے فَأُولَئِكَ يَبْتَغِ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ

(ف) لَفْظُ مِنْ شَرٍّ مَا خَلَقَ ساری مخلوق کے تمام شر و آفات سے پناہ مانگنے کے لئے کافی تھا مگر اس سورت میں تین چیزوں کو ممتاز کر کے خاص طور سے ان کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جو اکثر آفات کا سبب بنتی ہیں پھر شان نزول کے پیش نظر اکثر سحر کی ترتیب و ترکیب رات میں ہوتی ہے تاکہ کسی کو اطلاع نہ ہو اور اطمینان سے اسکی تکمیل ہو جائے۔ اور گندہ پر دم کرنے والی جانوں یا عورتوں کی مناسبت اس جگہ ظاہر ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر اسی طرح ہوا تھا۔ اور یہودیوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا تھا اس کا منشا حسد ہی تھا۔ اس لئے متعلقہ تینوں چیزوں کو بطور عطف الخاص علی العام بیان فرمایا گیا۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ - غَسَقُ کے معنی کیونکہ اندھیری پھیل جانے کے ہیں اس لئے ابن عباس، حسن اور مجاہد نے اسکے معنی رات کے لئے ہیں۔ اور وَقَب: وَقُوب سے مشتق ہے جس کے معنی اندھیری کے پوری طرح بڑھ جانے کے ہیں لہذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ میں رب الفلق کی پناہ چاہتا ہوں رات سے جبکہ اسکی اندھیری پوری ہو جائے۔ رات کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ رات کے وقت جنات، شیاطین، موذی جانور، حشرات الارض، چور، ڈاکو وغیرہ پھلتے ہیں۔ دشمنوں کے حملہ آور ہونے کا بھی یہی وقت ہوتا ہے۔ اور جادو کی تاثیر و تکمیل بھی رات میں زیادہ ہوتی ہے۔ صبح ہوتے ہی ان سب چیزوں کا تسلط ختم ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ غَاسِقٍ سے مراد چاند ہے کیونکہ حضرت عائشہ کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ کی پناہ مانگ اس غاسق کے شر سے جب یہ ڈوبنے لگے۔ اس صورت میں إِذَا وَقَبَ کے معنی ہوں گے۔ جب وہ ڈوبنے لگے اور بے نور ہونے لگے۔ کیونکہ چاند کے نور کی کمی چاند پورا ہونے کے بعد ہی شروع ہو جاتی اور اندھیری زائد ہونے لگتی ہے۔ نتیجہ کے اعتبار سے یہ دوسری تفسیر پہلی تفسیر سے ملتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثِ فِي الْعُقَدِ ..... لفظ نَفَثَ کا موصوف نفوس بھی دیکھتا ہے۔ جس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ اس صورت میں پڑھ کر پھونکنے والیوں سے مراد جانیں ہوں گی۔ اور اس کا موصوف النساء بھی ہو سکتا ہے اور ظاہر یہی ہے پھر عورتوں کی تخصیص شاید اسلئے کی گئی کہ جادو کا کام عموماً عورتیں کرتی ہیں۔ اور خلق عورتوں کو اس سے مناسبت بھی زائد ہوتی ہے یا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنے کا جو واقعہ ان سورتوں کا سبب نزول ہوا، اس میں جادو کرنے والیاں لبید بن اعصم کی لڑکیاں تھیں۔ جنہوں نے باپ کے کہنے سے یہ کام کیا تھا۔ اور جادو گروں سے پناہ مانگنے کو خصوصیت سے ذکر کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سبب نزول ہی واقعہ حرق تھا۔ اور یہ بھی کہ اس کا شر اور ضرر اسلئے زیادہ ہوتا ہے کہ انسان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور بے خبری کی وجہ سے اسکے ازالہ کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی، وہ بیماری سمجھ کر دوا دارو میں لگا رہتا ہے اور تکلیف بڑھ کر مسمور لا علاج ہو جاتا ہے۔

(ف) اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حرق و نظر کا اثر ہوتا ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں بحر میں فی نفسہ کوئی اثر نہیں۔ نہ عقل سلیم اسکو تسلیم کر سکتی ہے۔ البتہ ساحر قوت و ہمیہ کو معاً ترک کر دیتا ہے۔ اور قوت و ہمیہ کے منفعیل ہو جانکی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حرق کا اثر ہو گیا۔ لیکن معتزلہ کا یہ قول مشاہدات کے خلاف و ناقابل تسلیم ہے۔ ابو مسلم کہتے ہیں کہ نفسانات استعارہ ہے ڈھیلا کرنے والیوں سے کیونکہ گرہ تھوک لگانے سے نرم اور ڈھیلا ہو جاتی ہے۔ اور عقد سے مراد مستحکم ارادے ہیں۔ اس سورت میں ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آیت کا حاصل یہ ہوا کہ میں رب الفلق کی پناہ مانگتا ہوں ان عورتوں سے جنکے مکر کی پھونکیں مردوں کے مستحکم ارادوں کو ڈھیلا کر دیتی ہیں۔ عورتوں کے جادو اور مکر سے خدا کی پناہ، ان کے جادو سے سینکڑوں فرزانے دیوانے بن گئے، اس جادو کی تاثیر کے تو معتزلہ و علمائے فرنگ بھی قائل ہیں۔ ان کا شر بڑا شر ہے النساء حبا للشیطان اللہم احفظنا

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم گر تو طامانی نباشد بیچ غم

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ..... یہ تیسری چیز ہے جس کے شر سے خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ اسکی تخصیص کی وجہ بھی وہی مذکورہ دونوں چیزیں ہو سکتی ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اقدام حسد ہی کے سبب ہوا، یہود و منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر جلتے تھے۔ اور جنگ سے وہ آپ پر غالب آ نہیں سکتے تھے اس لئے انھوں نے جادو کے ذریعہ ہی اپنے حسد کی آگ کو بجھانا چاہا (۲) حسد حاسد کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ وہ ہر وقت محسوس کو نقصان پہنچانے کی فکر میں لگا رہتا ہے اسلئے یہ ضرر شدید بھی ہے۔

کسی کی نعمت و راحت کو دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے چاہے خود اس کو بھی حاصل نہ ہو یہ حسد کہلاتا ہے جو حرام و گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ غیر اختیاری طبعی حسد کے مقتضائے پر اگر حاسد عمل نہ کرے بلکہ محسود کے ساتھ اپنے مقتضائے حسد کے خلاف رضائے خداوندی کے لئے عمل کرے تو یہ مجاہدۂ نفس اور باعث ثواب ہوگا۔ حسد سب سے پہلا گناہ ہے جو آسمان میں ہوا۔ اور یہ سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین میں ہوا، کیونکہ آسمان میں ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا تھا۔ اور زمین پر آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا تھا۔ جتنے متعدی گناہ ارادہ اور اختیار سے سرزد ہوتے ہیں جیسے قتل چوری وغیرہ ان سب کی بنیاد حسد ہے جب کسی کے سینہ میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ دوسرے کی بربادی کے لئے اپنی بربادی کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی لئے حکماء کا قول ہے کہ حسد ایسا

مرضہ جاں سوز ہے جس کی آگ میں پہلے خود حاسد جلتا ہے، حاسد خود ملعون و برباد ہوتا ہے مگر محسود کو بھی مبتلائے مصیبت کر دیتا ہے۔ جیسے شیطان خود ملعون و برباد ہوا مگر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی مبتلائے مصیبت کر کے چھوڑا۔

اسی طرح قابیل خود مردود و برباد ہوا مگر اپنے بھائی ہابیل مظلوم کو بھی قتل کیا۔ حاسدین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذا نہیں پہنچائی اور خود بھی وہ لوگ محروم و ملعون ہوئے۔ حاسد اپنے خبیث نفس کی غیبت کا توجہ سے بسا اوقات ضعیف محسود کو اس طرح نقصان پہنچاتا ہے جس طرح زہر بلا سانپ اپنی نظر سے نقصان پہنچاتا ہے۔ اور جیسا نظر بد والا نظر لگا کر نقصان پہنچاتا ہے لیکن نظر بد والا مقابلہ و معانیہ کے وقت نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور حاسد غیبت و حضور دونوں صورتوں میں محسود کو نقصان و ایذا رسانی کرتا ہے۔ پھر نظر بد کا نقصان نظر بد والے کو نہیں ہوتا اور حسد کا ضرر اولاً حاسد کو برباد کرتا ہے کما قیل

اضربْ عَلٰی حَمْدِ حَسَوُ ۝ ۱ ۝ دَفْلَانْ صُبْرَکْ قَاتِلْہُ

فَالنَّارُ تَأْكُلُ بَغْضَہَا ۝ ۲ ۝ اِنْ لَّمْ تَجِدْ مَا تَاْكُلْہُ

(ف ۲) یہاں تین چیزوں سے خصوصی طور پر پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ مگر پہلی اور تیسری چیز میں ایک ایک قید ہے یعنی غاسق کے ساتھ اذا وقت اور حاسد کے ساتھ اذا حسد کی قید کا ذکر ہے۔ درمیانی چیز "النَّفْسُ" میں کوئی قید نہیں لگائی گئی۔ وجہ یہ ہے کہ جادو کی مضرت عام ہے۔ اور رات کی مضرت اسی وقت ہوتی ہے جب تاریکی خوب ہو جائے۔ اسی طرح حاسد جب تک دوسرے کو ایذا پہنچانے کا قصد و اقدام نہیں کرتا اس وقت تک اسکے حسد کا نقصان خود حاسد کی ذات ہی کو پہنچتا ہے کہ وہ جلتا اور گڑھتا رہتا ہے۔ اور محسود کو اس کا نقصان اسی وقت پہنچتا ہے جبکہ وہ حسد کے تقاضے پر عمل کر کے ایذا رسانی کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے پہلی اور تیسری چیز میں یہ قیدیں لگائیں گئیں واللہ اعلم۔ ایک اور تفسیر:

بعض عارفین نے اس سورت کی تفسیر یہ کی ہے کہ سورۃ اخلاص میں جس طرح حق تعالیٰ نے شان الوہیت کو بیان فرمایا اسی طرح سورۃ فلق میں مراتب خلق کو بیان فرمایا ہے۔ تمام مخلوق عدم کی تاریکیوں کی شر میں مستور و غرق تھی۔ حق تعالیٰ نے ظلمت عدم کے پردے چاک کر کے مخلوق کو نور وجود کی طرف نکالا۔ اس لئے فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (آپ کہیے کہ میں اسی قادر مطلق کی پناہ چاہتا ہوں جس نے ظلمات عدم سے نور ہستی کی طرف نکالا) پھر مخلوقات کی دو قسمیں ہیں: (۱) عالم امر: جو کہ ارواح و ملائکہ کا وطن ہے۔ اس میں خیر ہی خیر ہے شر کا نام و نشان وہاں نہیں۔ (۲) عالم خلق جس میں شر بھی ہے خیر بھی۔ اس لئے فرمایا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی عالم خلق کے شر سے بچنے کی دعا کرو۔ پھر عالم خلق میں علویات ہیں یا سفلیات، علویات میں شر کم ہے، سفلیات کی تین قسمیں ہیں: جمادات، نباتات، حیوانات۔ ان تمام قسموں میں شر ہے۔ جمادات میں تو قوت نفسانیہ ہی نہیں اسلئے اس میں شر ہی شر ہے کیونکہ وہ اقرب الی عدم ہے۔ اس لئے سب سے اول اس کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہے وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اور نباتات میں قوت تاملیہ موجود ہے جو ان کو طول و عرض و عمق میں بڑھاتی ہے۔ یہی وہ گریں ہیں جن میں وہ قوت نباتیہ چھوکتی ہے اسلئے اسکے بعد فرمایا وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثِ فِي الْعُقَدِ پھر حیوانات میں قوت حیوانیہ، حواس ظاہرہ و باطنہ، شہوت و غضب وغیرہ ہیں۔ اور یہ سب چیزیں حاسد بن کر عالم غیب کی طرف متوجہ: دُنُوئے اور بارگاہ حق میں مشغول ہونے سے روکتی ہیں۔ اسلئے ان کی شر سے پناہ مانگنے کا آخری جملہ میں حکم دیا۔

وَمَنْ شَرَّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ اب عالم سفلی میں باقی رہے حضرت انسان، تو ان کے مراتب کا ذکر سورۃ ناس میں آ رہا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ صوفیوں کی اس قسم کی چیزیں قرآن کی تفسیر نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ اپنے خود ساختہ خیالات کو قرآنی اشارات سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تم تفسیر سورۃ الفلق فالحمد لله الذى كل شيء خلق والصلوة والسلام على من فاق جميع الخلق وعلى كلهم سبق وعلى آله وصحبه الذين اهتدوا وهاؤوا الى من خلق.

## سُورَةُ النَّاسِ

سُورَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ آيَاتٍ

(روح: ۱- آیات ۶۔ سورۃ الناس مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں چھ آیات ہیں۔ حروف ۷۹۔ کلیات ۲۰)

ربط وغیرہ:

جو کلام سورت کے مکہ یا مدینہ ہونے میں اور شان نزول و ربط میں سورۃ فلق کے شروع میں ہو چکا وہی یہاں پر ہے البتہ ان دونوں سورتوں میں ربط یہ ہے کہ سورۃ فلق میں دنیوی آفات و مصائب سے پناہ مانگنے کی تعلیم تھی اور اس سورت میں اخروی آفات سے پناہ مانگنے کی تاکید ہے اور جیسا کہ شرک مفہوم اور پر بیان کیا گیا کہ مصائب و آلام اور ان کے اسباب دونوں کو عام ہے اس سورت میں خاص طور پر اس شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے جو تمام گناہوں کا سبب اور مصائب کی بنیاد ہے یعنی شیطانی وساوس اور چونکہ آخرت کی مصیبت سخت اور وہاں کا نقصان و خسران شدید ہے۔ اس لئے اس کے سبب سے بچنے کی تاکید پر قرآن پاک کو ختم کیا گیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم والا بڑا مہربان ہے

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (۱) مَلِكِ النَّاسِ (۲) إِلَهِ النَّاسِ (۳) مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ

آپ کہیے کہ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ (اور) انسانوں کے معبود کی، وسوسہ ڈالنے والے

قُلْ	اَعُوذُ	بِرَبِّ	النَّاسِ	مَلِكِ	النَّاسِ	اِلٰهِ	النَّاسِ	مِنْ	شَرِّ	الْوَسْوَاسِ
کہہ	پناہ پکڑتا ہوں میں	ساتھ پروردگار	لوگوں	بادشاہ	لوگوں	معبود	لوگوں	سے	برائی	وسوسہ ڈالنے والا

الْخَنَّاسِ (۴) الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ (۵) مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (۶)

چھپے بٹ جانے والے کی برائی سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

الْخَنَّاسِ	الَّذِي	يُوَسْوِسُ	فِي	صُدُورِ	النَّاسِ	مِنْ	الْجِنَّةِ	وَالنَّاسِ
چھپے بٹ جانے والا	وہ جو	وسوسہ ڈالتا ہے	میں	سینے	لوگوں	سے	جنوں	انسانوں

## لغات:

الوسواس اور الوسوسة رباعی مجرد کا مصدر ہے۔ برا خیال دل میں ڈال دینا، بکسر الواو بھی یہی معنی ہیں۔ وسواس شیطان کو بھی کہتے ہیں، کتے اور شکاری کی ہلکی آواز، ہوا کے جھونکے سے درخت کی خفیف سرسراہٹ کو بھی۔ علامہ زنجیری کہتے ہیں کہ الوسواس اسم مصدر بمعنی الوسوسة ہے جس کے معنی ہیں زبوری یا اوٹ کے چلنے کی ہلکی آواز کے، اور بکسر الواو مصدر ہے پھر اس کا استعمال بُرائی کے خطرہ (خیال) میں ہونے لگا۔ لیکن مراد شیطان ہے مبالغۃ شیطان ہی کو وسواس۔ دیتے ہیں کثرت وسوسہ کی وجہ سے گویا وہ خود ہی وسوسہ (وسواس) ہو گیا۔ یا مضاف محذوف ہے اور ذی الوسواس لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ صفت ہے لہذا کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ الخناس صیغہ مبالغہ اور شیطان کا لقب ہے جس کے معنی ہیں بہت پیچھے ہٹ جانے والا۔ خوب چھپنے والا، بہت رُکنے والا، کیونکہ ذکر اللہ کے وقت وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور وسوسہ ڈالنے سے رک جاتا ہے۔ نیز وسوسہ ڈالکر غائب ہو جاتا ہے اسلئے اس کو خناس کہتے ہیں۔ مزید تحقیق سورہ نکویر میں ملاحظہ فرمائیں۔ الجنۃ جنی کی جمع ہے جو منسوب الی الجن ہے بمعنی جنوں کی جماعت۔ الناس اسم جمع یا جمع۔ ان دونوں لفظوں کی تحقیق گزر چکی۔

## ترکیب:

قُلْ بِشَلْ سَابِقِ - اَعُوْذُ فَعْلٌ بِاَفَاعِلِ رَبِّ النَّاسِ مرکب اضافی معطوف علیہ مَلِکِ النَّاسِ ہکذا معطوف الہ الناس ہکذا معطوف ثانی معطوفات مجرور باء، جار مجرور دل کر متعلق اول، من حرف جر شر مضاف الوسواس موصوف الخناس صفت اول الذی اسم موصول یوسوس فعل - ضمیر غائب فاعل فی صُدُوْرِ النَّاسِ متعلق اول من الجنۃ والناس متعلق ثانی فعل اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے ملکر جملہ فعلیہ صلہ، موصول وصلہ ملکر صفت ثانی۔ الوسواس اپنی دونوں صفتوں سے ملکر مضاف الیہ شر مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر مجرور، جار مجرور متعلق ثانی۔ اَعُوْذُ اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ۔

## تفسیر:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ : رب کے معنی پالنے والے، اور ہر حال کی اصلاح کرنے والے، نیز آہستہ آہستہ نہایت شفقت کے ساتھ مربوب کو اس کے ابتدائی حال سے ترقی دے کر انتہائی حال تک پہنچانے والے کے ہیں۔ یہاں رب کی اضافت ناس کی طرف کی گئی ہے اور پہلی سورت میں فلق کی طرف، وجہ یہ ہے کہ سورہ فلق میں ظاہری اور جسمانی آفات سے پناہ مانگنے کا حکم تھا اور وہ آفات صرف انسان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ دوسرے حیوانات کو بھی جسمانی مصائب و آفات پہنچتی ہیں بخلاف وسوسہ شیطانی کے، اس کا نقصان انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور جنات بھی اس میں شریک شامل ہیں اس لئے یہاں رب کی اضافت خصوصاً ناس کی طرف کی گئی ہے۔

مَلِکِ النَّاسِ : لوگوں کا بادشاہ الہ الناس، لوگوں کا معبود، ان دونوں صفتوں کا اضافہ اس لئے کیا گیا کہ لفظ رب کسی خاص چیز کی طرف مضاف و منصوب ہوتا ہے تو اس میں عموم ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے لئے بھی بولا جاتا ہے جیسے رب الدار گھر کے مالک رب السال مال کے مالک کو کہا جاتا ہے اور ہر مالک بادشاہ نہیں ہوتا جیسے رب

الدار کا بادشاہ ہونا ضروری نہیں اس لئے آگے ملک کی اضافہ کیا گیا یعنی وہ رب جو مالک بھی ہے بادشاہ بھی پھر ہر بادشاہ معبود نہیں ہوتا اس لئے تیسری صفت إِلَهِ النَّاسِ کا اضافہ کیا گیا ان تینوں صفتوں کو جمع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان میں سے ہر صفت حفاظت کی مقتضی ہے اس لئے کہ ہر مالک اپنے مملوک کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح بادشاہ اپنی رعیت و ملک کی حفاظت کرتا ہے اور معبود کا اپنے عابد کا محافظ ہونا تو سب سے زیادہ ظاہر ہے، یہ تینوں صفتیں صرف حق تعالیٰ میں جمع ہیں اس کے سوا کوئی دوسرا ان تینوں صفتوں کا جامع نہیں اس لئے اس کی پناہ حاصل کرنا سب سے بڑی پناہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان تین صفتوں کی ساتھ پناہ مانگنا دعا کی قبولیت کے لئے اقرب ہے کہ یا اللہ! آپ ہی ان صفات کے جامع ہیں اس لئے ہم صرف آپ ہی سے پناہ مانگتے ہیں یہاں جبکہ پہلے جملہ میں رب الناس آچکا تھا تو بظاہر تقاضائے مقام یہ تھا کہ بعد میں اس کی طرف ضمیر لائی جاتی یعنی ملکهم و الہم کہا جاتا مگر لفظ الناس کے بار بار تکرار میں لطیفہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں یہ لفظ پانچ بار آیا ہے پہلے لفظ ناس سے مراد بچے ہیں اور لفظ رب و وصف ربوبیت اس کا قرینہ ہے کیوں کہ پرورش کی ضرورت سب سے زائد بچوں کو ہوتی ہے اور دوسرے لفظ ناس سے مراد جوان ہیں اور لفظ ملک اس کا قرینہ ہے جو اپنے اندر سیاست و تدبیر کے معنی رکھتا ہے وہ جوانوں کے مناسب ہے اور تیسرے لفظ ناس سے وہ بوڑھے مراد ہیں جو دنیا سے منقطع ہو کر عبادت میں مشغول ہوں اور لفظ الہ اس کا قرینہ ہے جو عبادت کی طرف مشیر ہے چوتھے لفظ ناس سے مراد اللہ کے نیک بندے ہیں اور لفظ وسواس اس کا قرینہ ہے کیونکہ شیطان نیک بندوں کا دشمن ہے۔ ان کے دلوں میں وسوسے ڈالنا اس کا مشغلہ ہے اور پانچویں لفظ ناس سے مراد مفسد لوگ ہیں کیونکہ ان کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ حق تعالیٰ کی تین صفات بیان فرما کر اس میں اس کا بیان ہے جس کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہے اور وہ ہے وسواس خناس یہ معلوم ہو چکا کہ وسواس مصدر بمعنی وسوسہ ہے۔ شیطان کو وسواس بطور مبالغہ کہا گیا ہے گویا وہ وسوسے ڈالتے ڈالتے سراپا وسوسہ بن گیا۔ اور وسوسہ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان ایک مخفی کلام کے ذریعہ لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف بلاتا ہے۔ اور وہ کلام مخفی ایسا ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم قلب انسانی میں آ جاتا ہے اور آواز محسوس نہیں ہوتی۔ الْخَنَّاسِ یہ الْوَسْوَاسِ کی صفت ہے جس کے معنی پیچھے لوٹنے کے ہیں، شیطان کو خناس اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی عادت یہ ہے کہ جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے کو بھاگ جاتا ہے پھر جب غفلت ہوتی ہے تو پھر آ کر وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کے دل میں دو خانے ہیں ایک میں فرشتہ رہتا ہے دوسرے میں شیطان (فرشتہ اس کو نیک کاموں کی رغبت دلاتا ہے اور شیطان بُرے کاموں کی) پھر انسان جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور جب تک وہ ذکر میں مشغول نہیں ہوتا تو وہ اپنی چونچ انسان کے دل پر رکھ کر اس میں بُرائیوں کے وسوسے ڈالتا ہے۔ (جیسے پھر اپنی سوئچ کے ذریعہ انسان کے بدن میں اپنا زہر پیوست کرتا ہے)۔

مِنْ الْجِنَّ وَالنَّاسِ یہ بیان ہے وسواس کا یعنی وسوسہ ڈالنے والے جنات میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں ہے ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ (ہم نے انسانی اور جناتی شیطانوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے.....) حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا حکم فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں جناتی شیطانوں کے شر سے بھی اور انسانی شیاطین کے شر سے بھی۔



شبیہ:

(۱) اگر یہ شبیہ ہو کر جناتی شیاطین کی طرف سے وسوسہ ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ پوشیدہ طریقہ پر کسی انسان کے قلب میں کوئی بات ڈالیں۔ مگر انسانی شیطان تو کھلم کھلا سامنے آ کر بات کرتے ہیں ان کا وسوسہ سے کیا تعلق؟

جواب: انسانی شیاطین بھی اکثر کسی کے سامنے آ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے اس کے دل میں کسی معاملہ کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں جن کو وہ صراحتہ نہیں کہتے (۲) شیخ غزالدین بن عبدالسلام نے اپنی کتاب "الفوائد فی مشکلات القرآن" میں فرمایا ہے کہ انسانی شیطان سے مراد خود انسان کا اپنے نفس کا وسوسہ ہے، کیونکہ جس طرح شیطان جن انسان کے دل میں برے کاموں کی رغبت پیدا کرتا ہے اسی طرح خود انسان کا اپنا وسوسہ ہے، کیونکہ جس طرح شیطان جن انسان کے دل میں برے کاموں کی رغبت پیدا کرتا ہے اسی طرح خود انسان کا اپنا نفس بھی اس کو برائیوں کی طرف مائل کرتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کے شر سے بھی پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے حدیث میں ہے: اللہم انی اغوذ بک من شر نفسی وشر الشیطان وشر کہ یعنی اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کے شر سے بھی اور شیطان کے شر اور اس کے شرک سے بھی۔ (۳) کبھی نے کہا کہ فی صُدُورِ النَّاسِ میں جو لفظ النَّاسِ ہے یہ جن و انس دونوں کو شامل ہے اور مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ اس کا بیان ہے اور جنات پر لفظ انسان کا اطلاق ہو جاتا ہے کبھی لفظ انسان میں جنات متبعاً آتے ہیں کبھی انسان اور آدمی جنات کو بھی بول دیتے ہیں چنانچہ امام بغوی نے بیان کیا کہ ایک عربی شخص کے متعلق بیان کیا گیا کہ دوران گفتگو اس نے کہا کہ جنات کی ایک جماعت آ کر کھڑی ہو گئی۔ ان سے پوچھا گیا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جنات کے آدمی ہیں۔ (۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مِنَ الْجَنَّةِ الْوَسْوَاسِ کا بیان ہو اور الْوَسْوَاسِ کا عطف الْوَسْوَاسِ پر ہو۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی وسوسہ ڈالنے والے جنی شیطان کے شر سے اور انسانوں کے شر سے۔

شیطانی وسواس سے پناہ کی اہمیت:

امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اللہ نے اس سورت میں انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی ان تین صفات (رب، ملک، الہ) کا ذکر کر کے شیطانی و انسانی وسواس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے۔ کیونکہ ہر انسان کے ساتھ وقتِ پیدائش سے ایک قرین (ساتھی) شیطان لگا ہوا ہے۔ جو ہر قدم پر اس کی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ انسان کو تباہ و برباد کر دوں۔ وہ اول تو انسان کو گناہوں کی طرف راغب کرتا ہے اور ہر حیلہ و بہانے سے گناہوں میں پھنسا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ اس میں ناکام ہوتا ہے تو پھر انسان جو طاعات و عبادات کرتا ہے ان کو خراب کر دینے کی کوشش کرتا ہے۔ کہ ایمیں ریاء و نمود، غرور و کبر اور بدنیتی پیدا ہو جائے۔ اہل علم کے قلب میں عقائدِ حقہ کے متعلق شبہات ڈالتا ہے۔ (جو جس لائن کا آدمی ہوتا ہے اسی لائن سے اس کو پٹ کرنے کی وہ کوشش کرتا ہے) اور اس کے شر سے تو وہ ہی بچ سکتا ہے جس کو اللہ بچالے۔ اس لئے آدمی کو ہمہ وقت اللہ سے دعا کرنی چاہیے اور خود کو اس کی پناہ میں دیدینا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں جس پر اس کا قرین (ساتھی) شیطان مسلط نہ ہو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی یہ قرین ہے؟ فرمایا ہاں! لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری اعانت فرمائی اور اس کو ایسا کر دیا کہ وہ مجھے خیر کے سوا کسی بات کو نہیں کہتا۔

حضرت انسؓ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معکف تھے، ایک رات میں ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کی زیارت کے لئے مسجد گئیں واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مسجد میں بیرونی حصہ تک تشریف لائے، دو انصاری حضرات سامنے آگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دیکر فرمایا غمزدار! میرے ساتھ صفیہ بن حبی (میری بیوی) ہیں، ان دونوں صحابیوں نے بکمال ادب عرض کیا سبحان اللہ یا رسول اللہ (کیا ہم لوگ آپ کے بارے میں کوئی بدگمانی کر سکتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک کر سکتے ہو۔ کیونکہ شیطان انسان کے خون کے ساتھ اس کی رگ و پے میں اثر انداز ہوتا ہے۔ مجھے اس وقت یہ خطرہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں کوئی دوسرہ (بدگمانی کا) پیدا نہ کر دے (اس لئے میں نے بتا دیا کہ میرے ساتھ کوئی غیر عورت نہیں)

فائدہ:

جس طرح انسان کو خود گناہوں سے بچنا ضروری ہے اسی طرح دوسرے مسلمان کو بھی اپنے بارے میں حتی المقدور بدگمانی کا موقع نہیں دینا چاہیے، ایسے مواقع سے بچنا چاہیے۔ جس سے لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو۔ حکم ہے اتَّقُوا مَوَاضِعَ التَّهْمِیْمِ اور اگر کوئی ایسا موقع آجائے تو وضاحت کر کے تہمت ختم کر دینی چاہیے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حدیث بالا نے شیطانی دوسرے گناہیت خطرناک ہونا ثابت کیا ہے جس سے خدا کی پناہ کے بغیر بچنا مشکل ہے۔

تنبیہ..... یہاں جس دوسرے سے ڈرایا گیا ہے اس سے مراد وہ خیال ہے جس میں انسان اپنے اختیار سے مشغول ہو۔ اور جو غیر اختیاری طور پر دل میں خیالات آ کر گزر جائیں وہ نہ معز ہیں نہ ان پر کوئی گناہ مواخذہ ہے۔  
دونوں سورتوں کے تعوذات میں فرق:

سورۃ فلق و سورۃ ناس (دونوں سورتوں) میں پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ مگر سورۃ فلق میں ایک صفت رب الفلق ذکر کی گئی۔ اور جن چیزوں سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی وہ تین ہیں۔ اور سورۃ ناس میں اس کے برعکس تین صفات ذکر کی گئیں۔ اور جس چیز سے پناہ کی تلقین کی گئی وہ ایک ہے۔ یعنی شر و سواس۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کا شر تمام مصائب و آفات اور شروع سے بڑھا ہوا ہے۔ اول تو اس کے آفات و مصائب کا اثر بیشتر جسم انسانی و امور دنیوی پر پڑتا ہے۔ اور شر شیطانی کا اثر روح انسانی و امور اخروی پر ہوتا ہے بلکہ دنیا و آخرت کو بالخصوص آخرت کو تباہ کرتا ہے اس لئے اس کا ضرر شدید ہے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کی آفات کا تو مادی طور پر کچھ نہ کچھ علاج انسان کے قبضہ میں ہے اور وہ کرتا بھی رہتا ہے۔ مگر شیطان کے مقابلہ میں کوئی مادی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ تو انسان کو دیکھتا ہے اور انسان اس کو نہیں دیکھ پاتا، وہ انسان کے باطن میں نامعلوم طریقہ پر تصرف کرنے کی قدرت رکھتا ہے بس اس کا علاج ذکر خداوندی اور پناہ باری ہے۔  
انسان کے دو دشمن اور ان کا علاج:

انسان کے دو دشمن ہیں (۱) انسان (۲) شیطان، اول دشمن کی دشمنی سے بچنے کی تدبیر اولاً تو حسن خلق، مدارات، صبر، ترک انتقام ہے اس تدبیر سے باز نہ آئے تو قتال و جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اور دوسرے دشمن (شیطان) سے بچنے کی تدبیر صرف استعاذہ و ذکر ہے۔

سورۃ اعراف میں ہے۔ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (معافی کو اختیار کرو و بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے نہ لگو) یہ تو انسانی دشمن کے مقابلہ کی تدبیر ہے جس کا حاصل عفو و درگزر، اچھے کاموں کی تلقین اور اس

کی برائی سے چشم پوشی ہے۔ اسی آیت میں آگے ہے۔ ﴿وَمَا يَنْزِعُ عَنْكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ یہ شیطانی دشمن کے مقابلہ کی تدبیر ہے جس کا حاصل یہ ہے وسوسہ شیطانی سے اللہ کی پناہ مانگی جائے سورہ مؤمنون میں انسانی دشمن کے مقابلہ کی تدبیر ﴿إِذْ فَعَّ بِالنَّبِيِّ هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ﴾ بتائی ہے یعنی برائی کو بھلائی سے دفع کر دو پھر شیطانی دشمن کے مقابلہ کے لئے فرمایا ﴿وَقُلْ رَبِّ اغْوُذُ بِكَ مِنَ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ﴾ (اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کی چھیڑے اور اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں) تیسری جگہ سورہ حم سجدہ میں انسانی دشمن کی مدافعت کے لئے فرمایا ﴿إِذْ فَعَّ بِالنَّبِيِّ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ كُوَلِّئٌ حَمِيمٌ﴾ (برائی کو بھلائی کے ذریعہ دفع کرو اگر ایسا کر لو گے تو تم دیکھو گے کہ تمہارا دشمن تمہارا مخلص دوست بن جائیگا۔ اسی آیت کا دوسرا جزء شیطانی دشمن کے مقابلہ کی تدبیر میں ہے ﴿وَمَا يَنْزِعُ عَنْكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ یہ الفاظ تقریباً وہی ہیں جو سورہ اعراف کی مذکورہ آیت کے تھے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان کے مقابلہ کی تدبیر استعاذہ کے سوا کچھ نہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں یہ تین آیات لکھ کر فرمایا کہ پورے قرآن میں یہ تین آیات ہی اس مضمون کی وارد ہوئی ہیں۔ ان تینوں آیات میں انسانی دشمن کا علاج غفودرگزر اور حسن سلوک بتایا گیا ہے۔ کیونکہ انسانی فطرت یہی ہے کہ وہ حسن سلوک و احسان سے مغلوب ہو جاتا ہے اور جو شریر النفس اپنی فطری انسانی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں ان کا علاج حکم جہاد کی آیات میں بتلادیا گیا ہے کیونکہ وہ کھلے دشمن ہیں کھلے ساز و سامان کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ اس لئے ان کی قوت کا مقابلہ قوت سے کیا جاتا ہے۔ اور شیطان لعین اپنی فطرت میں شریر و خبیث ہے۔ احسان و سلوک غفودرگزر سے اس پر کوئی اچھا اثر نہیں ہو سکتا جس سے وہ اپنی شرارت سے باز آجائے۔ اور نہ اسکے مقابلہ میں ظاہری جہاد و قتال کا رآمد ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں قسم کی نرم و گرم تدبیریں تو صرف انسانی دشمن کے مقابلہ میں چلتی ہیں نہ کہ شیطان کے مقابلہ میں اس کا علاج تو صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جانا اور اللہ کے ذکر میں ہمہ وقت مصروف رہنا ہے اور بس۔

### انجام کا فرق:

انسانی دشمن کے دفاع میں بہر صورت مقابلہ کرنے والا مؤمن کامیاب ہی کامیاب ہے۔ اسمیں مؤمن کے لئے ناکامی ممکن نہیں۔ غالب آ گیا تو فاتح و غازی، مغلوب ہو گیا تو مجاہد صابر، اور مقتول ہو گیا تو شہید، اور اجر و ثواب تو ہر صورت میں ضرور ملے گا۔ رہا شیطان تو اس کی خوشامد کر کے اسکو راضی کرنا بھی گناہ بلکہ کفر اور اس کے مقابلہ میں شکست کھا جانا بھی بربادی اور مقابلہ کر کے ظاہری طور پر کامیاب ہو نیک کوئی راستہ بھی نہیں۔ اس لئے اس کی مدافعت کے لئے حق تعالیٰ کی پناہ لینا ہی ایک کارگر تدبیر ہے۔ اس کی پناہ کے سامنے شیطان کی ہر تدبیر ضعیف و بے اثر ہو جاتی ہے۔

### کید شیطانی ضعیف ہے:

مذکورہ بالا تقریر سے یہ شبہ نہ ہو کہ شیطان کی طاقت بڑی ہے ہم کمزور ہیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے ارشاد باری ہے ﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ شیطان کا کمزور ہے اور ایمان والوں پر اس کے داؤ بیچ چلتے بھی نہیں ہیں۔ ارشاد ہے ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ، إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ﴾ جب آپ قرآن

پڑھنے لگیں تو اللہ کی پناہ لے لیں شیطان مردود سے ایمان والوں پر اسکا زور نہیں چل سکتا۔ جو خدا پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اس کا زور تو انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور اس کو شریک مانتے ہیں (حاصل یہ ہے کہ اللہ کا مؤحد و متوکل بندہ بن کر اللہ کی پناہ میں آ جانا شیطان مردود کے مقابلہ میں کامیاب ہونے کے لئے بہت کافی ہے اور نسخہ شافی ہے۔ قرآن کریم کے فاتحہ اور خاتمہ میں مناسبت:

حق تعالیٰ نے قرآن پاک کو سورۃ فاتحہ سے شروع فرمایا۔ جس کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اسکی مدد حاصل کرنا اس سے صراط مستقیم کی توفیق مانگنا ہے۔ اور اللہ کی مدد اور صراط مستقیم یہی دو چیزیں ہیں جن میں انسان کی دنیا و آخرت کی کامیابی مضمر ہے۔ لیکن ان دونوں چیزوں کے حصول میں اور حصول کے بعد استعمال میں ہر قدم پر شیطان لعین کے کمر و فریب اور دوسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ اس لئے اس جال کو پاش پاش کرنے اور منزل کی راہ کو صاف کرنے کی مؤثر تدبیر استعاذہ ہے۔ جس پر قرآن مقدس کو ختم فرمایا گیا۔ اور بعض محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کی ابتدا لفظ ”ب“ سے ہے اور اسکی انتہاء لفظ ”سین“ پر ہے۔ اس کا مجموعہ بس ہوتا ہے جس کے معنی کافی ہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن پاک دونوں جہان میں بس ہے۔ حکیم سنائی نے کہا

اول و آخر قرآن زچہ با آمد و سین یعنی اندرہ دین رہبر تو قرآن بس

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

تم تفسیر سورة الناس بفضل اللہ وعونه وکرمه وبہ تم درسی تفسیر فالحمد للہ الذی بنعمته تتم الصلحت و ما کننا لنهتدی لولا ان هدانا اللہ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و صفوہ رسلہ و امام انبیائہ محمد خاتم النبیین و سید المرسلین و علیٰ الہ و اصحابہ و ائمة الدین و علیٰ جمیع المسلمین و سلم تسلیما کثیر اکثر اکثر الذاکرون و کلمات غفل عن ذکرہ الغافلون۔ رب جنث ببضاعة مزجبة فاوف لی الکیل و تصدق علی انک تجزی و تحب المتصدقین و تقبل من عبدک المذنب کما تقبلت من عبادک المخلصین الصالحین بجاہ الانبیاء والمرسلین و حبیبک خاتم النبیین یا ارحم الراحمین۔ امین۔

لیلة یوم الاحد لست وعشرین مضت من شهر اللہ رمضان سنہ ۱۴۰۵ھ من ہجرة النبی کریم علیہ

التحیة والتسلیم

## چند گز ارشادات

قرآن کریم ایک معجز اور عظیم لاریب کتاب ہے جس کے مضامین کی جامعیت کا اندازہ اسی امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے علوم و معارف، رموز و اسرار، فصاحت و بلاغت..... اور دیگر خصوصیات کا لامتناہی سلسلہ جسے ہر مفسر قرآن نے اپنے عصر حاضر کے اعتبار سے اپنے علم و فضل کے بقدر سرانجام دیا ہے، لیکن اس کے باوجود اسکے عجائبات ختم نہیں ہوئے انہیں خصوصیات کو دیکھتے ہوئے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: ”لا تنقصنی عجائب“ کی عملی تفسیر سامنے آتی ہے۔ ہمارے مدارس اسلامیہ میں جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں ان میں بالاتفاق علم تفسیر کا مقام سب سے افضل و ارفع ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے مدارس میں علم تفسیر پڑھانے کا سلسلہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے، اور نصاب درس نظامی میں مکمل قرآن کریم کی تفسیر اس انداز میں پڑھائی جاتی ہے کہ مکمل قرآن کریم بمعہ ترجمہ طلبہ عزیز کو ازبر ہو جاتا ہے، اسی سلسلہ میں ثانویہ عامہ میں طلبہ و طالبات کو نصاب کے مطابق پارہ عم کا درس قدرے تفصیل سے دیا جاتا ہے، جس میں صرف و نحو کے قواعد کی مشق، جل لغات، ترکیب، شان نزول، ربط بین السور والآیات، اور دیگر مباحث قدرے تفصیل سے طلبہ کرام کو ذہن نشین کرائی جاتی ہیں، ظاہری بات ہے کہ اس طریقہ سے پڑھانے کے لئے مواد وافر مقدار میں مل جاتا ہے، لیکن یکجا اور مرتب نہیں ملتا اور اسکے لئے عربی تفاسیر کی طرف بھی مراجعت ضروری ہوتی ہے، لیکن اگر مطلوبہ مباحث کسی ایسی کتاب میں مل جائیں جو ان تمام ابحاث کو سمیٹے ہوئے ہو تو کیا ہی نعمت غیر مترقبہ ٹھہرے!

پیش نظر درسی تفسیر پارہ عم تالیف ”حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری“ دیگر متقدمین مفسرین کے مختلف طرز و اسلوب (توحید و رسالت، تصوف و سلوک، آداب و اخلاق، فلسفہ و منطق) کی طرح اپنا ایک خاص اسلوب لئے ہوئے ہے، جس میں

1 سب سے پہلے سورت کے رکوعات، کلمات، اور حروف کی تعداد کو بیان کیا گیا ہے۔

2 پھر سورت کے نام پر بحث کی گئی کہ اس سورت کا مذکورہ نام کیوں رکھا گیا جسے وجہ تسمیہ کہا جاتا ہے۔

3 اور اسکے بعد سورت کا ماقبل اور مابعد ربط بیان کرتے ہوئے اگر اس پر کوئی اعتراض ہو سکتا تھا تو

اسکا بخوبی جواب دیا ہے۔

4 اور شان نزول کے بیان کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ یہ سورت کس موقع پر نازل ہوئی اور بعض

اوقات نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

5 انتہائی آسان زبان اور سلیس اردو محاورات کے مطابق ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

6 تفصیل کے دوران اگر فعل یا اسم مشتق آیا تو اسکی بحث کو بھی مکمل منضبط کیا۔

7 حل لغات کے بعد مذکورہ آیات کی مکمل نحوی ترکیب سہل انداز میں پیش کی گئی ہے۔

8 پھر چونکہ طلبہ و طالبات کو پارہ عم ابتدائی درجہ میں پڑھایا جاتا ہے، اس لئے خصوصی طور پر طلبہ کی سہولت

کے لئے لفظی ترجمہ کا باقاعدہ اہتمام کیا گیا، اور یہی اس کتاب کی دیگر اداروں کی طبع شدہ کتب کے مقابلہ میں نمایاں انفرادیت اور اہمیت ہے، اس لئے طلباء کرام اس نسخے سے ہی استفادہ کرنا زیادہ پسند کریں گے، کیونکہ ہر لفظ کے معنی کی الگ پہچان ان کے لئے بہت ضروری ہے۔

کافی عرصہ سے یہ کتاب ہمارے ملک میں چھپ رہی تھی، کتاب کی قدر و قیمت کو دیکھتے ہوئے اس امر کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی کہ اس کتاب کی خدمت اچھے انداز میں کی جائے اور اسے خوبصورت طبع سے آراستہ کر کے چھپوایا جائے، اور اچھے انداز میں پیش کیا جائے۔ الحمد للہ اس ضرورت کو احباب مکتبہ الہادی شاہ فیصل ٹاؤن نے خوب نبھایا ہے اور خصوصی طور پر اس کتاب میں لفظی ترجمہ کی جو ضرورت تھی اسکو بھی پورا کیا ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ اس تفسیر سے انشاء اللہ طلبہ و اساتذہ یکساں مستفید ہو سکیں گے۔ اور ضروری امور کے سلسلہ میں کسی اور کتاب کی طرف رجوع کی زحمت نہیں کرنی پڑے گی۔ کتاب کے مضامین دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید معصف علیہ الرحمۃ نے اسی وجہ سے بعض مقامات میں قدرے طول بھی اختیار کیا ہے، جسکی وجہ سے بعض مضامین عام طلبہ کی سطح ذہن سے بلند بھی لکھ دیئے ہیں بہر حال کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے کسی قسم کی تفنگی نہیں رکھتی..... اس کتاب سے بھرپور استفادہ کا طریقہ یہ ہے کہ طلبہ عزیز لغات کو ازبر کریں، ترکیب پر خوب توجہ دیں اور مختصر مطالب کو پیش نظر رکھیں انشاء اللہ خوب فائدہ ہوگا۔ اگر اس انداز مذکور سے یہ پارہ طلبہ کرام حل کر لیں تو انشاء اللہ ان کو قرآن مقدس سے بہت کچھ مناسبت حاصل ہو جائیگی۔ اور اس کاوش کا یہی مقصد بھی ہے۔

و کتبہ

مفتی راشد محمود راجہ

## تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد!

درس نظامی میں ترجمہ قرآن کریم کی اہمیت سے تمام اہل علم اچھی طرح واقف ہیں، قرآن کریم کے معانی و مطالب سمجھنے میں اسکا بہت بڑا کردار ہے، یہیں سے طالب علم قرآن کریم کے علوم سمجھنے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیتا ہے، اور اس کے بعد زینہ بزیںہ علم کی چوٹی اور اسکی اتھاہ گہرائیوں تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

چنانچہ اس پورے سفر میں علم پارہ کی تفسیر اسکا پہلا قدم ہوتا ہے، اسی حوالے سے پارہ عم کو طلبہ کے ذہنی معیار اور علمی استعداد کو مد نظر رکھ کر لکھی جانے والی کئی ایک کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں مولانا نسیم احمد غازی مظاہری کی کتاب کو سب سے زیادہ پذیرائی ملی ہے، اور طلبہ کے ذوق اور علمی استعداد کے معیار سے ان کے علم کو بڑھانے میں بہت زیادہ مدد و معاون ہے۔

مفتی راشد محمود دراجہ صاحب نے اس میں لفظی ترجمہ کا اضافہ کا کر کے نہ صرف دینی مدارس کے طلبہ کے لئے ایک اچھی سہولت مہیا کر دی ہے بلکہ اس کتاب کو بحیثیت افادیت بہت نمایاں کر دیا ہے، اس سے طلبہ کی علمی استعداد اور قرآن فہمی میں مزید آسانی اور اضافہ ہوگا، بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے طلبہ کو بھی اس کتاب سے استفادہ کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ مولانا راشد محمود خود ایک ذی استعداد عالم دین ہیں احقر ان کو اس کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہے، اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی کاوش قبول فرما کر طلبہ کرام کو اس سے استفادہ کرنے کی بھرپور توفیق عطا فرمائے اور اس کا افادہ عام فرمائے۔ آمین۔

والسلام

(مفتی) ثناء اللہ محمود  
مکرم ان شعبہ تخصص فی الافقاء  
جامعہ احشامیہ چکب لائن کراچی  
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ